صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۷۴	۵	تصنیع افزائی	تصدیع افزائی	۲۲۹	۱۲	پنڈوں	پنڈتوں	۲۹۸	۹	التجا	یہ التجا
۱۷۵ / ۱۷۶	۱۰ / ۱۹	بڑھیا	بڈھی	۲۴۳	۲۲	اسی شخص	اس شخص	〃	۳	دین اور مذہب	دین و مذہب
۱۹۶	۱	لگایا	لگادیا	۲۴۴	۹	خلق عام	خلق عالم	۳۰۰	۱۱	کہ بیدل	اور بیدل
۱۹۷	۱	کیا حال	میرا کیا حال	۲۴۶	۵	کچھ ہی	کچھ بھی	〃	۱۸	پہاڑی پر	پہاڑی زمین پر
〃	۱۱	بٹھایا	بٹھادیا	۲۵۵	۱۶	اور اس	اور اسی	۳۰۱	۱	اور اسکی	اسکی
〃	۲۰	سے جلا ڈالا	سو انکو جلا ڈالا	۲۵۷	۱۷	اسیطح	اسطرح	۳۰۲	۱۳	مینارہ	منارہ
۱۹۸	۲۱	معدرہ	معدودہ	۲۵۸	۱۰	منزلی ہیں	منزلے ہیں	۳۰۳	۲	ورق جھڑنے	ورق سے جھڑنے
۱۹۰	۱۰	جو لوگ	لوگ	۲۵۵	۸	اُنہیں	اِنھیں	۳۰۴	۱۴ / ۱۶	دروازوں میں	دروازوں پر
〃	۱۴	کو معاف	کو تو معاف	۲۶۱	۵	ہوتی ہیں	ہوتے ہیں	〃	〃	رہنے کے	رہنے کے لیئے
۱۹۳	۹	یہ شعر	اگر یہ شعر	〃	۶	لیا جاتا	کرلیا جاتا	۳۱۲	۱۱	بھی	ہی
〃	۲	موقعہ	موقع	۲۶۵	۵	گاتس	گانس	〃	۱۵	بات	یہ بات
۱۹۷	۱۰	کلیات لبیط	کلیات بسیط	۲۶۸	۱۶	دین ٹورا	دین چورا	۳۱۵	۱۰	تھی اشٹر جسکا نام	تھی اشٹر ترکیا تھا سب سے بڑا اپنی تھی اشٹر جسکا نام
۲۰۳	۴	یا دگر ممالک	یا ممالک	۲۷۲	۶	ایسے ویسے	ویسے				
〃	۵	مذہبی	اور مذہبی	〃	۱۰	استھیاپول	ہتھیاپول	〃	۱۱	ابتک شہر روم	ابتک بھی شہر روم
〃	〃	چنانچہ مثلاً	مثلاً	۲۷۹	۱۳	دالان	دالان در دالان	۳۱۷	۵	مہربانہ	مہربانانہ
۲۰۵	۹	جین ہت	جین مت	۲۸۰	۱۹	بیرونست	سرویست	〃	۲۱	تماشا خانوں	تماشا خانہ
۲۰۸	۱۵	اعتماد	ذی اعتماد	۲۸۵	۱۰	ضروری	کار ضروری	۳۱۷	۲۲	لڑتے	لڑنے
〃	۱۷	خصوص	خصوصاً	〃	۱۴	دکھانا	دکھا دینا	۳۱۹	۷	یہ لوگ بھی	یہ لوگ یہ بھی
۲۱۰	۹	اکثریہ	اکثریّہ	〃	۱۹	مشاہد	مشاہدہ	〃	۱۹	اسی میں	اسمیں
۲۱۱	۸	جیوہتیا	جیوہنسا	۲۸۸	۱۳	نہیں سکتا	نہیں کرسکتا	۳۲۰	۱	مر جانا	مرنا
۲۱۵	۴	ایک مسئلہ	ایک ایسا مسئلہ	۲۸۹	۶	بہت رئیسوں	بہت سے رئیسوں	〃	۳	ہیں جیسا	ہیں کہ جیسا
۲۲۰	۲	اصلاحوں	اصطلاحوں	۲۹۰	۱۰	زرو دالماس مروارید	زرو و مروارید	۳۲۲	۹	علم عل	علم و عمل
۲۲۳	۹	چھ سات	چھ یا سات	〃	۲۰	عوام	اعوام	۳۲۵	۷	چنبروں	چیزوں
۲۲۰	۱۰	ترقی مؤخر الذکر	مؤخر الذکر کرتے	۲۹۱	۶	زینت	زیب و زینت	۳۲۸	۷	کہاک	کہاک
۲۲۰	۱۱	اعتقاد	یہ اعتقاد	〃	۱۴	جہاں پاک	جناں پاک	〃	۶	پتھروں	پتھر
·	۱۵	کبھی	کسی	۲۹۳	۵	لکھوایا	لکھوا گیا	۳۳۱	۱۷	حسرت افزا	حیرت افزا
۲۲۹	۲	مادہ صورت	مادہ اور صورت	〃	۱۸	اڑائی	ڈھائی				
۲۳۲	۱۵	عمر میں	عمر کو	۲۹۵	۸	بھی	ہی				

تمت بالخیر

صحت نامہ جلد دوم وقائع سیر سیاحت ڈاکٹر برنیئر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۶	سسن	سنہ	۳۸	۱۱	لوگوں	مگر لوگوں	۱۳۱	۱۸	ترکاری اناج	ترکاری اور اناج
۴	۱۴	باہم	اَہم	۴۰	۷	اسطرح	اسطرح پر	۱۳۱	۱۹	وجہ ہے	وجہ سے
"	۱۵	حکیمیہ	حکمیہ	۴۱	۱۰	شیر کے	جب شیر کے	۱۳۳	۲۰	دیدتا ہے	دیدیتا ہے
۵	۱۳	ٹیلے	ٹھیلے	"	۱۲	لنبا چوڑا	لنبا	۱۳۴	۲۰	امیران	امیرن
۷	۵	ہرانسان وحیوان	انسان وحیوان	۴۲	۱۸	گزرکرنا	گزرنا	"	۲۵	عرض شمال	عرض شمالی
۱۱	۱۹	نباہ	پناہ	۴۳	۲	وہاں ہی	وہیں	۱۳۵	۲	زو سے	زور سے
۱۲	۱۹	اُنیس ۱۹	اُنیسویں ۱۹	۴۵	۱۳	گزرکرتا ہے	گزرتا ہے	"	۱۵	کلی باند جارہ	کلی باند جارو
"	۲۲	چھبیس ۲۶	چھبیسویں ۲۶	۴۶	۸	پُوہ	پُو	۱۳۶	۱۶	پہاڑوں	پہاڑیوں
۱۳	۹	گاڑھ کر	گاڑکر	۵۵	۱۹	وہ بھی	تو وہ بھی	"	۱۹	جنین	جسمین
"	۱۶	اسفندیار	اسفندار	۶۱	۲۰	تجلی	بجلی	۱۳۹	۲۰	اُٹھاکر	اُکھاڑکر
۱۵	۱	بڑا اور دلچسپ	بڑا دلچسپ	۶۳	۱۳	میووے	میوے	۱۴۰	۶	کرسکتا	کرسکتا تھا
۱۶	۵	عام خاص	عام وخاص	۶۷	۱۵	اُسیجگہہ	اُسیجگہ	۱۴۲	۷	کثرت کی	شدت کی
۱۷	۶	فرانس کی	فرانس کا	۷۰	۱۲	مقدس شکل	مقرنس شکل	"	۱۲	زیادہ اورفربہ	تازہ اور فربہ
۱۸	۱۰	سلامی لی جاتی	سلامی کیجاتی	"	۱۷	کسی اطاعت	کسی کی اطاعت	"	۱۵	کانیل لی برونن	کارنیل لی بروئن
۲۰	۹	وغیرسے	وغیرہ سے	۷۶	۱۳	ٹین	ٹئیں	۱۴۴	۱۷	مقابلہ	مقالہ
۲۱	۱۰	طرفسوکہ اگلی	طرفسے اگلی	۷۸	۲	لگ اُٹھتی تھی	لگ اُٹھی تھی	"	"	کی برابر	کے برابر
۲۲، ۲۹، ۵۶	۱۸، ۱-۲، ۸-۲	راجے	راجہ	"	۱۸	چلی آتی ہے	چلی آتی تھی	۱۴۶، ۱۵۰	۱۹، ۱۸	بڑتی ہیں	ہوتی ہیں
۲۳	۶	قیام	خیام	۸۸	۳	تسلیم کرنا	تسلیم ہی کرنا	۱۵۴	۹	کے وقت	وقت کے
۲۴	۸	شورہ غل	سورو غل	۹۶	۹	تنازع	تنازعے	۱۵۵	۱۶	سولہ سو اکتیس	سنہ سولہ سو اکتیس
۲۶	۱۵	مرتبہ میں	مرتبہ	۱۰۶	۱۰	گزرتا ہے	گزرتا ہے	۱۵۷	۲۲	باویں	بائیں
۲۷	۱۰	گشت کرتے	گشت کرتی اور	"	۱۵	دہلی واپس	دہلی میں واپس	۱۶۰	۱۷	وہ ہی ایک قطع	وہی ایک قطعہ
۳۰	۷	عصا	عاصے	۱۰۹	۱۱	کے گوشت	کے گوشت کی	۱۶۳	۷	سمجھی ہوتی	سمجھی ہوئی ہوتی
۳۲	۴	صاحبہ	صاحب	۱۱۰	۷	انہوں ہی نے	انھیں نے	"	۹	مندروں	مندر
"	۹	اور ایسی آرایشی	اور آرایشی	۱۱۳	۱۸	کھینچکر	کھینچ	۱۶۷	۲	بڑا	ایک بڑا
۶	۱۴	اسیقدر	اسقدر	۱۱۶	۱۰	حصہ کی	حصہ کے	۱۷۲	۲	کیا کیا گیا	کیا گیا
۳۵	۱۷	شہنشاہ مغلیہ	شہنشاہ مغل	۱۲۰	۲	یہی	بھی	۱۷۳	۱۲	کہا	لکھا

تنبیہ

چونکہ باوجود بہت سی کوشش کے اس جلد میں کتابت
کی چند غلطیاں جیسا کہ لیتھوگراف میں اکثر ہوجاتا ہے ہوگئی
ہیں۔ اسلئے ناظرین کو چاہیئے کہ قبل اسکے کہ کتاب کو
پڑھیں صحت نامہ مندرجہ صفحہ مقابل سے غلطیوں
کی اصلاح فرمالیں

(س م ح)

کیسی ہوتی تھی! آزادی رائے جیسیں مذہب کی آزادی بھی آگئی رعایا کو حاصل تھی یا نہیں! اور لوگوں کی طرز معاشرت اور اخلاق وعادات کا کیا حال تھا! ملک کی آمدنی ملک ہی کے کاموں میں خرچ ہوتی تھی یا بادشاہ کے ذاتی اور عیش وآرام کے کاموں میں! فوج کی کیا حالت تھی اور اسکا نظم ونسق کیسا اور کس ڈھنگ پر تھا! اور صف آرائی اور جنگ آزمائی کے کیا طریقے تھے - بادشاہ دربار کسطرح کرتا تھا! اور اسکی شان اور جلوس کیسا اور کس طور کا تھا! اور یہہ باتیں تمکو یہہ ایسی تشریح اور تفصیل سے سنائیگا کہ گویا انکا مرقع تمہارے سامنے کردیگا جس سے تم اسوقت اور اسوقت کی حالت کا بخوبی موازنہ کرسکوگے - اور سمجھ سکوگے کہ سلطنت مغلیہ کے زمانہ میں جسکی نادیدہ تعریفوں اور خوبیوں کو سنکر غالباً تم اپنے دل میں خیال کرتے ہوگے کہ وہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کے لیئے نہایت ہی عمدہ اور خیر وبرکت کا زمانہ تھا تمہارے ملک اور ملک والوں کی کیا حالت تھی - اور اب کوئین وکٹوریہ بادشاہ انگلستان اور قیصر ہند کے مبارک عہد میں جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے کیا حالت اور صورت ہے - والسلام

السید محمد حسن عفی عنہ

۲۵ - نومبر ۱۸۸۵ء

صاحب کی اعانت سے اپنی ہمسایہ قوم انگریز کا قالب اختیار کیا اور اس عقلمند قوم کے لوگوں نے
مورخ اور جہاندیدہ جانکر قدر شناسی کی راہ سے اسکو اپنے سر اور آنکھوں پر بٹھایا اور اسکی مفید اور
تجربہ آمیز باتوں اور دلچسپ اور عبرت خیز حکایتوں کو اپنے دل دماغ میں جگہہ دی اور اب
ہمارے نہایت صاحب علم وفضل اور جامع الکمالات دوست جناب کرنل ہنری ٹورنر
صاحب بہادر سی بی وسی ایس آئی ترجمان جناب کمانڈر انچیف بہادر ہندوستان
اور میرے چھوٹے بھائی مشیر الدولہ ممتاز الملک خلیفہ سید محمد حسین صاحب
میر منشی ریاست پٹیالہ کی امداد سے ہندوستانی روپ بدل لیا اور تھوڑے ہی عرصہ
میں اردو بولنا سیکھ لیا کہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ پیرس کا رہنے والا ہے یا دلی کا!
بس میرے عزیز ہموطنوں تمکو بھی لازم ہے کہ انگریزوں کی طرح تم بھی اس
دانا اور تجربہ کار حکیم کی جسنے تمہاری خاطر تمہارا ہی روپ بدل لیا ہے اور تمہاری
ہی بولی سیکھ لی ہے جان ودل سے خاطر اور مدارات کرو اور اپنے ملک
کے اگلے بادشاہوں اور راجاؤں اور امیروں اور ہر ایک درجہ کے لوگوں
کی باتیں جو اسکی آنکھوں دیکھی ہوئی ہیں اسی کی زبان سے سنو! یہہ تمکو بلا رو رعایت
سچ سچ بتائیگا کہ اب سے دو سو برس پہلے تمہارے ملک کی کیا حالت تھی!
سلطنت اور حکومت کا کیا طریقہ تھا! زراعت اور تجارت اور صناعت کا کیا
حال تھا! ملک کی دولتمندی کی کیا کیفیت تھی! راستے پُر امن تھے یا خطرناک
اور سفر کے ذریعے کیا اور کیسے تھے! سلطنت یا خود رعایا کی طرف سے
تعلیم عام کا کچھ انتظام تھا یا نہیں! عدالت اور انصاف کی کیا صورت تھی!
اور اسکے لیئے کچھ قوانین اور قاعدے مقرر تھے یا نتھے! اور انکی تعمیل

اسنے اُس چشمہ کا پانی پیا ہے کہ جس کسیکو خوش قسمتی سے اسکا ایک قطرہ بھی نصیب ہوگیا ہے وہ زندہ ہے اور زندہ رہیگا۔ یہہ وہ چشمہ نہیں جسکو لوگ **آبِ حیات** کا چشمہ کہتے اور یہہ سمجھتے ہیں کہ اُسکا پانی پی لینے سے انسان ہمیشہ زندہ رہ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ تو صرف ایک خیالی چشمہ ہے نہ اُسکو کبھی کسی نے دیکھا اور نہ اُسکا پانی پیا۔ مگر جس چشمہ کا ہم ذِکر کرتے ہیں وہ حقیقی اور سب کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے اور اُسکا آبِ حیات سے زیادہ زندگی بخش پانی ہر خوش قسمت شخص کو میسر آسکتا ہے! یہہ چشمہ **دوات** ہے۔ اور اِسکا زندگی بخش پانی اسکی روشنائی ہے۔ جو اہل تصنیف ہمیشہ قلم کے پمپ کے ذریعہ سے اسمیں سے نکالتے اور آبِ حیات کیطرح خود پیتے اور لوگوں کو پلاتے ہیں۔ بس مُبارک ہیں وہ جنھوں نے اِس چشمہ کا پانی پیا ہے اور مبارک ہے اُنکی زندگی جو دُنیا کی زندگی کے برخلاف بے غل و غش اور بے کلفت زندگی ہے مگر فاضل ڈاکٹر کو خوش نصیبی سے عمر بڑھانے کا ایک اور نسخہ بھی وہ مجرّب اور تیر بہدف ہاتھ آیا ہے۔ اور یہہ اُسکو استعمال بھی اِس خوبی سے کرتا ہے کہ خطا کرہی نہیں سکتا یعنی جب دیکھتا ہے کہ پہلا قالب کسیقدر دیرینہ اور بوسیدہ ہوچلا ہے تو کسی نہ کسی ڈھب سے اُسکو بدل ڈالتا اور نیا اختیار کرلیتا ہے۔ اور تناسخ کے مسئلہ کو جو اب تک صرف ایک بات ہی بات تھی اور انسان کا مر کر دوسرے قالب میں چلا جانا دیکھا کسی نے بھی نہ تھا اپنے عمل سے ثابت کر دکھاتا ہے۔ چنانچہ پہلے پہل مسٹر اِرونگ بَراک

تقریظ

ریختۂ کلک فصاحت نگار جناب والا خطاب وزیر الدولہ مدبر الملک

خلیفہ سید محمد حسن خان بہادر

وزیر اعظم ریاست پٹیالہ دام اجلالہ

انسان جب مرجاتا ہے تو زندہ نہیں کہلاتا! مگر اہل تصنیف کی زندگی عجیب زندگی اور اُنکی موت عجیب موت ہے کہ مرنے پر بھی زندہ کہلاتے اور زندوں کی طرح بولتے چالتے اور چلتے پھرتے نظر آتے ہیں! چنانچہ اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر فرانسس برنیر ہی کو دیکھو کہ باوجودیکہ دوسو برس کے قریب مرے کو ہوئے مگر زندہ ہے! دنیا سے گئے کو ایک زمانہ گزرا مگر موجود ہے! زبان کو بند ہوئے عرصہ ہوا مگر بولتا ہے!! اِسکا کاغذی لباس پہنے ملکوں ملکوں سیر کرتے پھرنا اور اہل علم کی خلوت کی صحبتوں میں بیٹھنا اور چپ چاپ آنکھوں ہی آنکھوں میں باتیں کرنا اور کبھی اپنی اصل فرانسیسی اور کبھی انگریزی اور کبھی ہندوستانی بولی بولنا! اور بولنا بھی قلم کی زبان سے جسمیں یہہ خوبی ہے کہ آواز نہیں اور سُنائی ہر کسی کو دیتا ہے - اس امر کی دلیل ہے کہ

مجھے کچھ پسند نہیں آئے اور جو باہر کی طرف سی بجز اسکے کہ زینہ کی طرح نیچے اوپر رکھکر پتھروں کا ڈھیر لگادیا ہے کچھ نہیں ہیں اور جنکے اندر بھی کوئی ایسی بات نہیں جس سے انسان کی کچھ ہنرمندی اور ایجاد ثابت ہو دُنیا کی عجایبات میں شمار کئے جانے کا زیادہ تر مستحق ہے۔* ۱۲

* یہہ بے نظیر و عجیب و غریب عمارت شاہجہاں کے پانچویں سال جلوس کی ابتدا میں بنی شروع ہوئی تھی اور سولہویں سال جلوس مطابق سنہ ۱۰۵۲ (ایک ہزار باون) ہجری میں بنکر ختم ہوئی- بادشاہ نامہ میں لکھا ہے کہ پچاس لاکھ روپیہ اسپر خرچ ہوا- اِسکی مرمت اور خدام کی تنخواہ اور بیگم کے ختم و فاتحہ کے خرچ کے لیئے ایک لاکھ روپیہ سال کی آمدنی کے دیہات اور دو لاکھ روپیہ سال کی آمدنی کی دوکانیں اور سرائیں جو اسکے آس پاس بنائی گئی تھیں اور جن سے ملجلکر یہہ ایک اچھا شہر بس گیا تھا اور جسکا نام ممتاز محل کے نام پر ممتاز آباد رکھا گیا تھا بادشاہ نے وقف کردی تھیں- س-م-ح فقط (جلد دوم تمام ہوئی)

اِطلاع ۱۲ اس خط کا سنہ اور تاریخ جو اور خطوں سے پہلے کا ہے اِس کو پیچھے لگا ہوا دیکھکر یہہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مصنف نے فی الحقیقت یہہ خط بعد میں لکھا تھا اور تاریخ اور سنہ غلط چھپ گیا ہے بلکہ اسکی وجہ یہہ ہے کہ یہہ خط انگریزی میں جلد اوّل کے ساتھ ہے اور فی الحقیقت دوسری جلد کے خطوط سے پہلے لکھا گیا تہا مگر چونکہ سب خطوط ایک جگہہ جمع کردینے اچھے معلوم ہوئے اور خطوط کے مضامین بھی ایک دوسرے سے متعلق ہیں اسلیئے اِس خط کو دوسری جلد میں شامل کردیا گیا ہے- ۱۲

تمت بالخیر

کی روکار میں جو سنگ مرمر کی ہے زبرجد اور یشب اور عقیق اور اور قسم
کے بیش قیمت اور کمیاب پتھروں اور اُس قسم کے پتھروں سے جیسے کہ
فلارنس میں گرانڈ ڈیوک کے گرجا میں ہیں بیشمار وضع کی اور نہایت خوبصورت
اور پُر نزاکت پچی کاری جس سے بڑھکر انسان کے ذہن میں نہیں آسکتی
کی ہوئی ہے - یہاں تک کہ فرش میں بھی جو سنگ مرمر اور سنگ موسی کی
چوکور سلوں کا ہے یہہ پتھر جڑے ہوئے ہیں - اور گنبد کے اندر ایک چھوٹا
سا حجرہ ہے جسمیں تاج محل کی قبر ہے جو سال بھر میں صرف ایکبار بڑے تکلفات سے
کھولا جاتا ہے اور چونکہ اسکے تقدس کیوجہ سے کوئی عیسائی شخص اندر جانے نہیں
پاتا اسلیئے میں بھی دیکھ نہیں سکا لیکن سنا ہے کہ اُسکی زیب و زینت اور آرایش
و پیرایش بہت ہی اعلی قسم کی ہے ! اب آپ سے صرف اُس چبوترہ کا ذکر
کرنا باقی ہے جو گنبد سے لیکر باغ کی حد تک بنا ہوا ہے جو کوئی پچیس[۲۵] قدم چوڑا
اور اِس سے کسیقدر زیادہ اونچا ہے - اِس چبوترہ پر سے دریاے جمنا نیچے
بہتا ہوا اور بیشمار سرسبز باغ جو دور تک لگتے چلے گئے ہیں اور شہر آگرہ کا ایک حصہ
اور قلعہ اور اُمرا کے خوبصورت مکانات جو دوسرے کنارہ پر بنے ہوئے
ہیں تمام نظر آتے ہیں - اور جبکہ یہہ چبوترہ اِس باغ کا ایک ضلع ہے تو اسکا
تصفیہ میں آپ ہی پر چھوڑتا ہوں کہ میں جو یہہ کہہ رہا ہوں کہ یہہ مقبرہ ایک حسرت افزا
عمارت ہے کیا یہہ سچ نہیں ہے ؟ یہہ ممکن ہے کہ میری طبیعت نے
ہندوستانی مذاق پیدا کرلیا ہو - لیکن میں یہہ یقینی طور پر کہتا ہوں کہ یہہ مکان
اہرام مصر کی بہ نسبت جو اَن گھڑ پتھروں کے ڈھیر ہیں اور مکرر دیکھنے پر بھی

تشبیہاً "واٹر پارٹیر"[1] کہتا ہوں کیونکہ پتھر جو اُسکے فرش میں لگے ہوئے ہیں وہ تراش کر اور طرح طرح کی شکلوں کے بناکر اس طرح سے لگائے گئے ہیں گویا پانی سے بھری ہوئی کیاریوں کے گرد "باکس" لگا ہوا ہے یہہ عمارت سفید سنگ مرمر کا ایک بڑا گنبد ہے اور قریباً اُسیقدر اونچا ہے جسقدر کہ والدی گریس[2] ہے اور اسکے گرداگرد سنگ مرمر کی چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں جو علی الترتیب نیچے اور اوپر بنتی چلی گئی ہیں۔ یہہ کُل عمارت چار بڑی محرابوں پر قائم ہے جنمیں سے تین بالکل کُھلی ہیں اور چوتھی ایک مکان کی دیوار سے جسمیں ایک غلام گردش بنی ہوئی ہے بند کردی گئی ہے جسمیں کئی "ملا" تاج محل کو ثواب پہنچانے کی خاطر ظاہرا دلی ارادت کے ساتھ بیٹھے ہوئے قرآن پڑھا کرتے ہیں جو اسی غرض سے یہاں مقرر ہیں۔ ان میں سے ہر ایک محراب اس طرح پر سجائی گئی ہے کہ سفید سنگ مرمر میں سیاہ سنگ مرمر (سنگ موسیٰ) کے بڑے بڑے عربی حروف بناکر جمائے ہوئے ہیں جو نہایت خوشنما ہیں اور گنبد کا کانسہ اور اوپر سے نیچے تک تمام دیواروں کی رو کار سنگ مرمر کی ہے اور کوئی جگہہ ایسی نہیں جو صنعت اور ہنرمندی سے خالی اور ایک خاص اور ذاتی حُسن نہ رکھتی ہو اور مقبرہ کی تمام دیوار

---

[1] پارٹیر کے لغوی معنی ہموار اور مسطح زمین کے ہیں مگر اصطلاح میں اُس قسم کی چمن بندی کو کہتے ہیں جو طرح بطرح کی چھوٹی چھوٹی کیاریاں بناکر امتیاز کے لیئے اُن کے ادھر اُدھر سبز گھاس وغیرہ جمادی جاتی ہے جسکو عوض نرگستان میں باکس جو ڈو ڈینیا کی طرح کی ایک بوٹی ہے لگاتی اور اسکو تراش کر کیاریوں کے اردگرد مختلف شکل کے حاشئے اور جدولیں بناتے ہیں م م ح

[2] شہر پیرس کے ایک گرجا کا نام ہے۔ م م ح (2) Val de Grace

دروازہ کی عمارت کو دیکھنا خالی از کیفیت نہیں - کیونکہ دروازہ کی عمارت
کی یہہ طرف بھی اگرچہ باہر کی جانب کی سی نہیں لیکن نہایت ہی بلند اور
اُسی وضع کی ہے - ! دروازہ کی عمارت کے دونوں جانب باغ کی
دیوار کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی کرسی دیکر لمبی اور چوڑی غلام گردشیں بنتی
چلی گئی ہیں جنکے محرابی دروازے چھوٹے چھوٹے ستونوں پر قائم ہیں اور
برسات کے موسم میں غربا اور مساکین خیرات کے لینے کو جو ہمیشہ کے لئے شاہجہاں
کی مقرر کی ہوئی ہے ہفتہ میں تین بار اِن میں آکر جمع ہوتے ہیں - اب آپ پھر
اُسی بڑی روش پر آئیں یہاں سے آپکو ٹھیک سامنے وہ بڑا گنبد نظر آئیگا -
جسمیں بیگم کی قبر ہے اور جسکے داہنی بائیں چبوترے سے ذرا نیچے باغ
کی روشیں درختوں سے ڈھکی ہوئی اور چمن پھولوں سے بھرے ہوے
ہیں - اِس گنبد کے دونوں جانب سنگ سرخ سے ویسی ہی دو بڑی
عمارتیں بنی ہوئی ہیں جیسی دروازہ کی عمارت ہی اور یہہ دونوں پشت کی
طرف باغ کی دیوار سے ملی ہوئی ہیں اور اِن میں جانیکے لیئے تین تین محرابدار
دروازے ہیں - اِن کے بعض حصے بالاخانوں کی طرح ایک دوسرے
پر واقع ہیں جنمیں جاکر معلوم ہوتا ہے کہ گویا بڑی بڑی اونچی غلام گردشیں
ہیں - اِن عمارتوں کے اندر کے فرش اور چھت اور دیواروں میں آرائشی
کام بنے ہوئے ہیں اور چونکہ وہ قریباً ویسے ہی ہیں جیسے کہ خود مقبرہ کے
اندر کے زیبائشی کام ہیں اسلیئے میں اُنکا بیان کرنا غیر ضروری جانتا ہوں
اس بڑی روش اور روضہ کے مابین ایک اچھا وسیع صحن ہے جسکو میں

نہیں جو بدنما ہو بلکہ ہر ایک مقام نہایت خوشنما اور ایسا ہے کہ آنکھیں دیکھنے
سے سیر نہیں ہوتیں۔ چنانچہ سب سے اخیر دفعہ جو مینے اسکو جاکر دیکھا
تو میرے ساتھ ایک فرانسیس سوداگر بھی تھا۔ اور میری طرح اُسکی بھی یہی
راے تھی کہ یہہ ایک ایسی عمارت ہے کہ جسکی کامل طور پر تعریف نہیں ہو سکتی
مگر میں کچھ نہ بولا کیونکہ مجھے خوف تھا کہ شاید ہندستان میں مدّت سے رہنے
کے سبب میرا انداق بگڑ گیا ہو لیکن میرا رفیق جو تازہ وارد تھا جب اُسنے
یہہ کہا کہ تمام فرنگستان میں ایسا حیرت افزا اور عظیم و شان کا مکان مینے
کوئی نہیں دیکھا تو میری نہایت تسلّی ہوئی۔

دروازہ کی عمارت میں اگر آپ داخل ہوں تو اپنے کو ایک بہت اونچے
گنبد کے نیچے پائینگے جسکے سب طرف غلام گردش اور نیچے دونوں جانب
دو دالان ہیں جو آٹھ یا دس فرانسیسی فیٹ اونچے ہیں اور جیسی محراب میں
سے آپ داخل ہوں گے ویسی ہی دوسری جانب پائینگے جسمیں سے
گزر کر ایک ایسی روش پر پہنچتے ہیں جو آخر تک تمام باغ کو برابر دو حصّوں
میں تقسیم کرتی چلی گئی ہے۔ یہہ روش جو آٹھ فرانسیسی فیٹ کے قریب
اونچی ہے اِسقدر چکلی ہے کہ چھ گاڑیاں برابر برابر چل سکتی ہیں اور سر
سے لیکر اخیر تک بڑی بڑی چوکور سخت پتھروں کی سلّوں کا فرش لگا ہوا
ہے اور بیچوں بیچ نہر بنی ہوئی ہے جسکی رو کار کے پتھر تمام گھڑے ہوئے
اور زیبائش کے لیئے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر فوّارے لگے ہوے
ہیں اور کوئی بیس یا پچیس قدم چلکر اور پشت کی طرف مونہہ پھرا کر اسپر سے

دہلی کے بڑے بازاروں کی دوکانوں کے آگے بنے ہوئے ہیں اور جنکا میں پہلے ذکر کرچکا ہوں اور جب آپ اس دیوار کے نصف میں پہنچینگے تو دائیں کو یعنی ان مکانات کی جانب آپکو ایک بڑا دروازہ ملیگا جو اچھا خاصہ بنا ہوا ہے اور جو ایک کاروانسرا کا دروازہ ہے - اور اسکے مقابل یعنی دیوار کی طرف باغ کے دروازہ کی مربع اور وسیع عمارت ہی جسمیں سے ہوکر باغ میں جاتے ہیں اور جسکے دونوں طرف پتھر کے دو بڑے حوض بنے ہوئے ہیں - یہہ مستطیل شکل کی عمارت ہی اور ایک ایسے پتھر سے بنی ہوئی ہے جو سرخ سنگ ٭ مرمر کے مشابہ ہے لیکن ویسا سخت نہیں ہے - اس عمارت کا پیش سینٹ لوئس کی عمارت کے پیش کی بہ نسبت جو سینٹ اینٹونی کے کوچہ میں ہے - میری دانست میں زیادہ لمبا اور اپنی وضع میں زیادہ عالیشان ہے مگر بلندی میں اُسیقدر ہے اسکے ستون اور مزغول اور کارنسیں اگرچہ فی الواقع اُن اوضاع خمسہ عمارت کے مطابق نہیں ہیں جو ہمارے فرانس کی عمارتوں میں احتیاط کے ساتھ ملحوظ رکھی جاتی ہیں - کیونکہ یہہ عمارت ایک خاص اور نرالی ہی وضع کی ہی لیکن تاہم دلچسپی سے خالی نہیں اور میری راے میں یہہ بالضرور اس قابل ہے کہ ہماری فن عمارت کی کتابوں میں جگہہ پاے اگرچہ قریباً یہہ تمام عمارت صدہا قسم کے مختلف الوضع دالانوں اور محرابوں اور غلام گردشوں پر مشتمل ہے جو نیچے اوپر بنی ہوئی ہیں - مگر باوجود اسکے بہت عظیم الشان ہے اور اسکا نقشہ اور تعمیر دونوں بہت دلچسپ ہیں - اور کوئی جگہہ اسمیں ایسی

٭ ولایت میں ایسی چکنی پتھر کو مرمر (مابل) بولتے ہیں اور تعبیر باعتبار رنگ کر لیتے ہیں جیسے مرمر سفید و مرمر سیاہ اور مرمر سرخ - جنکو ہم

[illegible]

اِن دقتوں کے میری دانست میں انگریزونکی طرح آگرہ سے یہ اپنی کوٹھی
کبھی نہیں اُٹھائینگے کیونکہ انکو اب بھی گرم مصالحوں کی قسم کی جنسوں میں بہت
منفعت رہتی ہے اور ایک یہہ بھی فائدہ ہے کہ اِن کے اعتباری آدمی
دربارِ شاہی کے قرب میں رہتے ہیں اور اگر بنگالہ پٹنہ - سورت - یا احمد آباد
میں جہاں انکی کوٹھیاں ہیں صوبہ دار یا کوئی اور عہدہ دار کسیطرح کا ظلم یا ناانصافی
اِن کے ساتھ کرتا ہے تو فوراً اُسکی شکایت دربار میں کر سکتے ہیں -

مقبرہ معروف تاج گنج کا ذکر

اَب میں اپنے اس خط کو دو عجیب و غریب مقبروں کے
ذکر پر جنکی وجہ سے آگرہ کو دہلی پر فوقیت حاصل ہے ختم کرتا ہوں - اِن میں سے
ایک مقبرہ تو اکبر کا ہے جسکو اُسکے بیٹے جہانگیر نے تعمیر کرایا تھا اور دوسرا
شاہجہاں کی بیگم "تاج محل" کا جو حسن و جمال میں لاثانی تھی اور بادشاہ اُسپر ایسا
فریفتہ تھا کہ کبھی اُسکو اپنے سے جُدا نکرتا تھا یہاں تک کہ اُسکی وفات کیوقت
شدت غم سے قریب تھا کہ اُسکے ساتھ خود بھی چل بسے ! میں اکبر کے
مقبرہ کا زیادہ ذکر کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اُسمیں جو خوبیاں ہیں وہ تاج محل کے
مقبرہ میں جسکا میں ابھی ذکر کرنے والا ہوں کامل طور پر موجود ہیں - آگرہ سے
نکلکر مشرق کیطرف آپ اگر جائیں تو ایک لمبا چوڑا راستہ دیکھیں گے جسپر فرش
لگا ہوا ہے اور تھوڑا تھوڑا بلند ہوتا گیا ہے جسکے ایک طرف تو ایک چوکور
باغ کے ایک ضلع کی جو وسعت میں ہمارے پلیس رائل سے بہت زیادہ
ہے ایک لمبی اور اونچی دیوار ہے اور دوسری جانب نو تعمیر مکانات کی
ایک قطار بنتی چلی گئی ہے جو اُن محراب وار برانڈوں سے مشابہ ہیں جو

موجود ہے اپنے گرجاؤں میں برتتے ہیں بخلاف مسلمانوں کے جو نماز کے وقت مسجدوں میں باہم گفتگو کرنا تو کیسا سر تک نہیں ہلاتے اور خدا کا خوف اور ادب اُن کے دل پر چھایا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

ڈچ لوگوں کی تجارت کا ذکر

آگرہ میں ڈچ لوگوں کی جو کے غلہ کی ایک تجارتی کوٹھی بھی ہے جسمیں اُن کے چار یا پانچ آدمی رہتے ہیں یہ پہلے بانات اور چھوٹے بڑے آئینوں اور سادہ اور سنہری اور روپہلی لیس اور آہنی چنبروں اور نیل کی تجارت کرتے تھے جو آگرہ کے قرب وجوار میں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ خصوصاً بیانہ میں جو آگرہ سے دو منزل ہے اور جہاں انکی ایک اَور کوٹھی ہے اور سال بھر میں ایک دفعہ وہاں جایا کرتے ہیں اور اَب نہ صرف جلالپور بلکہ لکھنؤ سے بھی جو آگرہ سے سات یا آٹھ منزل ہے اور وہاں بھی ان کی ایک کوٹھی ہے اور سب موسموں میں اُن کے گماشتے وہاں جاتے ہیں بہت سا کپڑا خریدتے رہتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انکو اَب زمانہ سابق کا سا فائدہ نہیں رہتا اور غالباً اسکی دو سبب ہیں ایک یہہ کہ اُن کے مقابلہ میں ارمنی لوگوں کی تجارت بہت بڑھگئی ہے۔ دوسرا یہہ کہ آگرہ سورت سے (جو ان کا اصل قیام گاہ ہے) بہت دور ہے اِسکے علاوہ اِن کے کاروانوں کو جو خراب راہ اور پہاڑوں سے بچنے کے لیئے جو راستہ میں پڑتے ہیں گوالیار اور برہانپور کی سیدھی سڑک چھوڑکر احمدآباد کے راستہ مختلف راجاؤں کی عملداریوں میں سے ہوکر آتے ہیں اکثر اوقات حادثوں کا سامنا ہوتا ہے لیکن باوجود

حق کے لیئے ساعی اور نیکی کرنے کے موقعوں کی متلاشی اور جہاں
کہیں موقع پائے اپنے خدا کے باغ (دنیا) میں کمال مستعدی اور شوق
سے محنت کرنیکی خواہشمند ہو اور اگرچہ یہہ کام ہر ایک عیسائی ملک پر واجب
ہے مگر کسی طرح کی لغو اور بے بنیاد باتوں پر یقین کرکے یہہ نہ سمجھ لینا چاہیئے
کہ تبدیل مذہب کا معاملہ ایک آسان کام ہے کیونکہ (معاذ اللہ) محمدؐ کے
مذہب باطل* نے جو ایک ایسا مذہب ہے کہ جن نفسانی خواہشوں کو ہمارا
مذہب روکتا یا ایک قاعدہ کا پابند کرتا ہے یہہ اپنے مقلدوں کو انکی بلا قید
اجازت دیتا ہے اپنے پیرؤں کے دل پر جس مضبوطی سے قبضہ کیا ہوا ہے
ہم لوگ اسکا اندازہ نہیں کر سکتے یہہ مذہب ایک خونریز اور برباد کن احکام
کا مجموعہ ہے اور بزور شمشیر قایم ہوا ہے اور ابتک دنیا میں اُسی وحشیانہ
ظلم وستم سے قائم ہے اور اسکی زہر آلود اور برباد کن ترقی کے روکنے
کے لیئے عیسائیوں کو وہ جوش اور ذریعے عمل میں لانے چاہئیں جو میننے
بیان کئے ہیں اگرچہ اس نہایت قابل نفرت دھوکے اور افترا (اسلام)
کا قطعی استیصال صرف خدا کے رحم اور اُسکی توجّہ خاص پر موقوف ہے۔ البتہ
اُن باتوں کو معلوم کرکے کسیقدر تسلّی اور اُمید ہوتی ہے جو پچھلے دنوں
چین اور جاپان میں وقوع میں آئیں یا جہانگیر کے عہد میں یہاں گزریں
! مشنری لوگوں کو اپنے کام کی ترقی کے لیئے ایک اَور پر افسوس سدّراہ
سے مقابلہ کی ضرورت ہے اور وہ خود عیسائیوں کا وہ خلاف ادب طریقہ ہے
جو باوجود اس اعتقاد رکھنے کے کہ خدا تعالیٰ ہماری قربان گاہ پر بطور خاص

* نقل کفر کفر نباشد۔ کاتب

اور اُن کی مسلمان رعایا سے تو کسی طرح بھی تبدیل مذہب کی امید نہیں اور چونکہ ممالک ایشیا کے وہ سب مقامات میرے دیکھے ہوئے ہیں جہاں مشنری لوگ مقیم ہیں اسلیئے میں اپنے تجربہ کی رو سے کہہ سکتا ہوں کہ ان لوگوں کی خیرات اور تلقین کا اثر مشرکوں ہی پر ہونا ممکن ہے اور یقین نہیں کہ دس برس میں بھی ایک مسلمان عیسائی ہو جاے۔ یہہ سچ ہے کہ مسلمان انجیل کو مانتے ہیں اور مسیح علیہ السلام کا ذکر بغیر نہایت ادب و تعظیم کے نہیں کرتے اور بلا لفظ ”حضرت“ صرف ”عیسیٰ“ کبھی نہیں کہتے اور ہماری طرح اسکا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ معجزانہ طور پر کنواری ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اور یہہ کہ وہ ”کلمۃ اللہ“ اور ”روح اللہ“ تھے لیکن یہہ امید کرنا عبث ہے کہ وہ اپنا وہ دین جسمیں پیدا ہوئے ہیں چھوڑ دیں اور اپنے پیغمبر کے برحق نہ ہونے کو مان لیں مگر باوجود ان سب باتوں کے پھر بھی فرنگستان کے عیسائیوں کو چاہیئے کہ مشنری لوگوں کی ہر ایک طرح سے مدد کریں اور اُن کی دُعا اور ان کی طاقت اور دولت اپنے نجات دہندہ (عیسیٰ علیہ السلام) کے جلال کے بڑھانے میں صرف ہونی چاہیئے مگر اس خرچ کا متحمل اہل یورپ ہی کو ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مشنری لوگوں پر اسکا بوجھ ڈالنا مناسب نہیں۔ اور اس بات کی نہایت احتیاط رہنی چاہیئے کہ یہہ لوگ احتیاج کی وجہ سے کسی ذلیل اور حقیر کام کے کر بیٹھنے پر مجبور نہوں اور صرف اُنکی فارغ البالی ہی مطلوب نہیں بلکہ وہ ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو مستعد اور ہوشیار اور نیک کردار اور ہمیشہ اثبات

اور مفلوک الحال عیسائیوں کی جاے پناہ اور باعث تسلی ہین - اور اپنے
علم وفضل اور قابل تقلید نیک اوقاتی سے غیر مذہب کے بے ایمان
اور عیاش لوگوں کے لیئے شرم کا باعث ہیں مگر بدقسمتی سے بعض ایسے
بھی ہیں جو اپنے نہایت مذموم افعال سے مذہب کو بدنام کرتے ہیں جنکا
بجاے مشن کے مقدس کام کے اپنے اپنے کان ونٹوں (خانقاہوں)
ہی میں بند رہنا خوب ہی کیونکہ انکا دین ومذہب صرف ایک دکھاوا ہے -
اور بجاے اسکے کہ لوگوں کو ان سے ہدایت ہو اُلٹے اُنکی گمراہی کا باعث
ہیں لیکن سب ایسے نہیں اور نہ اصل مدعا کے لیئے مضر ہیں اور اس کام کے لیئے
اگر ایسے لوگ تجویز ہوا کریں جو علم عمل میں ممتاز ہوں تو میں بالکل پسند کرتا ہوں
اور میرے نزدیک یہہ لوگ نہایت ضروری اور عیسائیوں کے لیئے باعث
فخر ہیں اور عیسائیوں پر واجب ہے کہ تمام عالم میں اپنے دین کی تعلیم و
تلقین کے لیئے ایسے لوگ بہم پہنچائیں جو اپنے نیک ارادوں اور عمدہ
افعال واطوار میں حواریوں کا نمونہ ہوں مگر کہیں آپ یہہ نہ سمجھ لیں کہ میں اس
معاملہ کے شوق میں اسقدر محو ہو گیا ہوں کہ میں نے یہہ سمجھ لیا ہے کہ جسقدر
حواریوں کے ایک دفعہ کے وعظ سے ایک اثر عظیم مترتب ہوتا تھا
اُتنا ہی اس زمانہ کے مشنری لوگوں کے وعظ سے بھی ممکن ہے - کیونکہ
بُت پرست اور کافر لوگوں کے ساتھ ملتے جلتے رہنے کے باعث اُنکے
دلوں کی تاریکی سے مجھے اسقدر واقفیت ہو گئی ہے کہ ہرگز یقین نہیں کہ
دو یا تین ہزار آدمی ایک دن میں ایمان لے آئیں خصوصاً مسلمان بادشاہوں

قرآن بغل میں لیکر اُسمیں کود پڑیں دونوں میں سے جو بچ جائیگا میں
اُسکا مذہب قبول کر اونگا - چنانچہ پادری آتش نے تو اس امتحان کو قبول
کر لیا لیکن ملّا لوگ ڈر گئے اور بادشاہ دونوں پر رحم کر کے اس آزمایش
سے باز آیا - ! یہہ قصہ جھوٹ ہو یا سچ مگر اسمیں شک نہیں کہ جہانگیر کے
دربار میں جیسوئٹ لوگوں کی بڑی عزت و حرمت تھی اور اسوجہ سے اُنکو
دین عیسوی کے یہاں پھیل جانے کی قوی اُمید تھی مگر اس زمانہ کے
بعد باستثنا اُس ربط و ضبط کے جو دارا شکوہ اور فادر بوزی[1] کے باہم تھا
اس قسم کی اُمید کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی -

اَب چونکہ اِس جگہہ بغیر قصد کے مشنری لوگوں کا ذکر آگیا ہے تو میں
اجازت چاہتا ہوں کہ ایک بڑے خط کے لکھنے سے پہلے جو آپکو لکھنے کا
ارادہ ہے اِس اہم معاملہ میں مقدمہ کے طور پر چند باتیں بیان کروں میری
دانست میں ان لوگوں کا مقصد پسندیدہ ہے اور اس کام کے لئیے جو
یہہ ایسے بعید مُلک میں آئے ہیں بیشک تعریف کے لائق ہیں خصوصاً
کپیوشین اور جیسوئٹ فرقوں کے لوگ جو اپنے عقائد مذہبی کو ہر قسم
کے لوگوں پر نہایت غربت سے ظاہر کرتے ہیں اور بے تمیزی اور
تعصّب کو دخل نہیں دیتے اور عیسائی مذہب کے ہر ایک شخص سے
خواہ وہ کاتھلک[2] فرقہ کا ہو یا یونان یا ارمنیا کے چرچ کا مقلد ہو - اور
نسطورین[3] ہو یا جیکوبٹ[4] محبّت اور فیاضی سے پیش آتے ہیں اور ویسی

(1) Father Buzee (2) Catholic (3) Nestorian (4) Jacobit

انتقال کیوقت عیسائی ہوکر مرجانا چاہتا تھا اور ہمکو بلانیکا حکم دیا تھا مگر لوگوں نے یہہ پیغام ہم تک مطلق نہ پہنچایا! لیکن اور لوگ اُس امر سے بالکل انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں جیسا وہ زندگی میں کسی مذہب و ملت کا پابند نتھا ویسا ہی اخیر وقت میں بھی نتھا اور باپ کی طرح اُسکا بھی ارادہ تھا کہ اپنے کو پیغمبر بناکر ایک نیا مذہب جاری کرے - مینے ایک مسلمان شخص کی زبانی جسکا باپ جہانگیر کا ملازم اور اُسکے امورِ خانگی سے تعلّق رکھتا تھا سنا ہے کہ ایک دفعہ بادشاہ نے شراب کی ترنگ میں کئی بڑے بڑے مُلّاؤں اور ایک پادری متوطن فلارنس[۲] کو جسکی تُندخوئی کی وجہ سے جہانگیر نے اُسکا نام "پادری آتش" رکھ چھوڑا تھا بلوایا اور جب اُسنے آکر بادشاہ کے حکم کے موافق بڑے زور سے دین اسلام کے بطلان اور اپنے مذہب کی تائید میں گفتگو کی تو بادشاہ نے کہا کہ مسلمان عالموں اور جیسوئیٹ پادریوں میں جو نزاع ہے اُسکے تصفیہ کے لیئے یہہ عمدہ موقع ہے اور حکم دیا کہ ایک گڑہا کھُدوا کر اُسمیں آگ جلائی جائے اور پادری اپنی انجیل اور ایک ملا اپنا

بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ: "بغاوت بغاوت" کا شور مچا اور حاکم نے بھی اپنی آواز اُس میں شامل کی اور گلیڈی ایٹروں نے اُس بیچارے کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور چاروں طرف سے اینٹ پتھر اور جو کچھ ملا لوگوں نے اُس مظلوم پر برسایا - لیکن اس عجیب واقعہ کے بعد لوگوں کو یہہ خیال آیا کہ یہہ کیا حرکت کی گئی اور سب کے دل بدل گئے اور اُنہوں نے سمجھ لیا کہ وہ فی الحقیقت بڑی بیرحمی اور گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور اُس روز کے بعد یہہ تماشا پھر کبھی نہوا -

(ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا و کتاب گولڈن ڈیڈس) س م ح

۲؎ مُلک اٹلی کے ایک شہر کا نام ہے -

Florens

(کیونکہ اسکی ماں جو ایک دولتمند آدمی کی بیوی تھی جہانگیر کی خواہش کے موافق محل میں داخل ہوگئی تھی) اور یہہ لوگ تو یہانتک کہتے ہیں کہ جہانگیر کے عیسائی ہوجانیکا قصد اس درجہ کو پہنچ گیا تھا کہ اسنے تمام دربار کو فرنگستانی لباس پہنانے کا دلیرانہ ارادہ کیا اور ایک دن خلوت میں یہہ لباس پہنکر اپنے ایک بڑے امیر کو بلایا اور اُسکی اس باب میں رائے دریافت کی مگر اُسنے ایسا اندیشناک جواب دیا کہ جہانگیر نے ڈرکر یہہ ارادہ چھوڑ دیا اور اسا تمام قصہ کو ہنسی کے پیرایہ میں اُڑا دیا - یہہ لوگ بھی کہتے ہیں کہ جہانگیر نے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۸

بعض عام لوگ بھی اپنی خوشی سے شامل ہوکر کچھ روپیے لیکر لڑتے تھے جنمیں سے کبھی کوئی بچ بھی جاتا تھا مگر ایسا بہت کم ہوتا تھا کیونکہ رومی مغلوب پر رحم کرنا نہ جانتے تھے یہہ لوگ کبھی ایک ایک کبھی اکٹھے ہوکر لڑتے اور جب کوئی اپنے حریف کو زخمی کرتا تو تماشائیوں کی طرف دیکھکر کہتا "اسکے کاری زخم لگا" اور اُسکی مار ڈالنے یا چھوڑ دینے کی اجازت چاہتا - چنانچہ تماشائی اپنا انگوٹھا اگر اوپر کو اُٹھاتے تو چھوڑ دینے کا اور اگر نیچے کو کرتے تو مار ڈالنے کا اشارہ سمجھا جاتا - اور بیچارہ مغلوب اگر اپنی گردن زخم اخیر کے لئے پیش کرنے میں تامل کرتا تو لعن طعن کا شور بلند ہوتا اور لوگ پکار کر کہتے کہ "لوہا حاصل کرو" یعنی لوہے کے ہتھیار کے سامنے جاؤ - اور مقدس کنواریاں اور رحمدل مائیں اور سینٹ کے دانا ممبر اسکو ایک کھیل سمجھتے تھے اور کسی کو بھی یہہ خیال نہ آتا تھا کہ یہہ کیا حرکت کیجاتی ہے مگر ۳۰۴ مسیحی میں عیسائی مذہب کے ایک درویش کی برکت سے یہہ وحشیانہ اور بُرے کھیل موقوف ہوئے - اگرچہ اس بیچارہ کی جان اسمیں گئی یعنی وہ عین تماشہ کے وقت ارینا میں آگھسا اور لوگوں سے مخاطب ہوکر بولا کہ "اس طرح خون بہانے سے باز آؤ اور جس خدا نے تمکو تمہاری دشمنوں پر غالب کیا ہے اُسکی رحم کا عوض کشت و خون کی تماشوں کے رواج دینے سے مت کرو" جسپر چاروں طرف سے غل ہوا کہ یہہ وعظ کی جگہہ نہیں بڈھے پیچھے ہٹ جا اور گلیڈی ایٹروں نے دھکے دیکر اسے پیچھے ہٹا دیا - مگر وہ بہادر اور با استقلال شخص پھر اُن کے بیچ میں آگیا اور لڑنے سے روکنے لگا جس پر

لگا ہوا تھا اور جسکی آواز تمام شہر میں جاتی تھی گروا دیا - جہانگیر کے زمانہ میں
ان لوگوں کو اُمید تھی کہ ہمارا مذہب کچھ نہ کچھ یہاں پھیل جائیگا کیونکہ جہانگیر
حقیقت میں قرآن کے مسائل کو نہایت ناپسند کرتا تھا اور ہمارے مذہب
کے مسئلے اُسکو ایسے بھاتے تھے کہ اُنپر اپنا تعجب ظاہر کرتا تھا - چنانچہ اُسنے
اپنے دو (نیفیوز) بھانجوں یا بھتیجوں اور مرزا ذوالکرنین (ذوالقرنین)
Nephews
کو جسکا ختنہ بھی ہو چکا تھا اور شاہی محلسرا ہی میں پرورش پائی تھی عیسائی
ہو جانیکی اجازت دیدی تھی اور بہانہ یہہ کیا تھا کہ اسکے ماں باپ عیسائی تھے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

پھاڑ کھانیکے لیئے چھوڑ دیئے جاتے اور لوگ نہایت بیرحمانہ شوق کے ساتھ اُن کے حملوں
اور بچاؤ کے طریقوں پر غور کرتے اور بدبرد رومی اِن غریب حیوانات کے چیخنے اور
شور و غل مچانے پر ترس کھانے کی جگہہ نہایت خوش ہوتے - اور اگر کبھی اتفاق
سے کوئی جانور سب پر غالب آجاتا اور سب کا خاتمہ کر دیتا تو چاروں طرف سے انعام کے
طور پر یہہ صدا بلند ہوتی کہ اس بہادر کو چھوڑ دو تاکہ اپنے وطن میں آرام سے رہے!
یہہ لوگ اسی پر اکتفا نکرتے تھے بلکہ اِن جانوروں سے انسان لڑائے جاتے تھے
جو کوئی زرہ پہنے اور کوئی شکاری وضع میں ہوتا تھا اور بعض صرف خالی ہاتھ ہی اپنی
پھرتی اور چالاکی سے حریف پر غالب آتے تھے - لیکن اسپر بھی اس وحشت کا خاتمہ نتھا
بلکہ اہل روم انسان کو مرتا دیکھنا چاہتے تھے اور اس غرض سے گنہگار لوگ اور بیچارے
عیسائی مذہب کے آدمی اِن درندوں کا شکار کرائے جاتے تھے - اِسکے بعد لاشیں
اٹھوا دی جاتی تھیں اور تمام ارینا میں وہ جواہرات اور سفید پتھر کا چورا جسکا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے
خون کی بدبو رفع کرنیکے لیئے بچھا دیا جاتا تھا - اور سب سے عمدہ تماشے کی نوبت آتی تھی - یعنی
گلیڈی ایٹروں کی لڑائی شروع ہوتی تھی جنمیں سے کسی کے پاس تلوار اور کسی کے
ہاتھ میں نیزہ اور کوئی ہلکی اور کوئی بھاری زرہ پہنے ہوئے - کوئی گاڑی میں کوئی
پیدل کوئی گھوڑے پر سوار آتا تھا - اور ارینا میں داخل ہو کر سب کے سب ہم آواز شہنشاہ
کو یوں سلام کرتے تھے "مرحبا قیصر مرنے والے تجھکو سلام کرتے ہیں" اِن پیشہ وروں میں

سلوک نے اِنکو یہاں سکونت اختیار کر لینے پر مائل کیا ہے - ! جس زمانہ میں پرتگیزوں کا ہندوستان میں بڑا زور تھا ان جیسویٹ لوگوں کو جو ایک مذہبی گروہ ہے شہنشاہ اکبر نے بلاکر یہاں آباد کر لیا تھا اور گزراوقات کے لیئے کچھ سالیانہ مقرر کر دینے کے علاوہ لاہور اور آگرہ میں گرجا تعمیر کر لینے کی بھی اجازت دیدی تھی اور جہانگیر تو اپنے باپ سے بھی بڑھکر انکا مربی تھا مگر شاہجہاں کے عہد میں اِنکو بہت تکلیف پہنچی اُسنے انکا سالیانہ بند کر دیا اور لاہور کا گرجا تو بالکل ہی مسمار کرادیا اور آگرہ کے گرجا کا بھی بہت سا حصہ مع اُس منارے کے جسپر گھنٹہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

گلیڈی ایٹر کہلاتے تھے اور اُن کے ساتھ وہ تمام خونخوار درندے بھی شامل کیئے جاتے تھے جو تماشے کی رونق بڑھانیکے لیئے افریقہ اور ایشیا کے جنگلوں سے پکڑے آتے تھے - قیصر جولیس اور پامپی کے زمانہ میں یہہ وحشیانہ اور خوفناک تماشے قابل حیرت کثرت سے کیئے جاتے تھے - ! تماشائی لوگ اکثر اِس غرض سے اوّل وقت پر آتے تھے کہ بڑے بڑے اراکین سلطنت کو آتا ہوا دیکھیں جنکے آنے پر تحسین یا نفرین کا نعرہ بلند ہوتا تھا جو اُن کے افعال کی عام پسندی یا ناپسندی پر موقوف تھا - اور جب شہنشاہ آتا تو لوگ یہہ فقرہ کہکر چلاتے کہ " اے سب کے مالک اور سب سے اعلےٰ اور سب سے خوش حال تیرے لیئے خوشی اور فتح ہمیشہ ہو " جب بادشاہ آنکر بیٹھ جاتا تو طرح طرح کے تماشے ہونے لگتے چنانچہ کبھی نہر میں سے اَرینا میں پانی چھوڑدیا جاتا اور ایک جہاز آتا اور تباہ ہو کر اُسمیں سے ایک غول عجیب و غریب جانوروں کا نکل پڑتا - بعض اوقات زمین پھٹ کر درخت نکلتے اور اُنپر سنہری میوے لگے ہوئے ہوتے - کبھی آرفیوس کلاونت کا پُرانا عشقیہ قصہ بطور اصل کے دکھایا جاتا - اور یہہ درخت اُس خوش آواز عاشق کے راگ اور دوتارے کے ساتھ ساتھ چلتے مگر تعجب یہہ ہے کہ تماشے کے مکمل کرنیکے لیئے آرفیوس کی طرح آخر میں سچ مچ اُس شخص کو جو آرفیوس بنتا تھا ریچھوں سے پھڑوا دیا جاتا تھا اور اسکے بعد خونخوار اور اشتعال پسند رومی اَرینا کے دروازے کھول دیتے اور قسم قسم کے وحشی درندے چاروں طرف سے باہم لڑتے اور ایک دوسرے کو

جیسوئیٹ فرقہ کے عیسائیوں کے ایک گرجا اور کالج کا ذکر۔

آگرہ میں ایک گرجا بھی ہے جسکو جیسوئیٹ فرقہ کے لوگوں نے بنایا تھا اور ایک اَور مکان ہے جسکو وہ کالج کہتے ہیں جسمیں پچیس ۲۵ یا تیس ۳۰ عیسائی گھرانوں کے بچّوں کو عقائد مذہبی کی تعلیم دیجاتی ہے۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ یہہ عیسائی خاندان یہاں کسطرح جمع ہوگئے ہیں شاید ان جیسوئیٹ پادریوں کے فیاضانہ اور مہربانہ

کہ جب کبھی یہہ تماشائیوں سے بالکل بھری ہوئی ہوتی تھی تو ستاسی ہزار ۸۷ سے کم بیٹھنے والے نہوتے تھے۔ اس عمارت کے بیچ کا میدان اَرینا کہلاتا تھا کیونکہ خون کی بدبو روکنے کی غرض سے اُسمیں ابتدائی زمانہ میں اَرینا یعنی ریت بچھائی جاتی تھی مگر پھر یہانتک تکلف بڑھگیا کہ ریت کی عوض مختلف دھاتوں کا بُرادہ اور شنگرف بلکہ پسے ہوئے جواہرات کی تہہ بچھانے لگے۔ لیکن ایک ملائم قسم کے سفید پتھر کا چورا بچھایا جاتا جس سے اَرینا کا سطح برف کا سا معلوم ہونے لگتا تھا۔ زیادہ پُرلطف خیال کیا جاتا تھا۔ اور چھت نہونے کی وجہ سے جب اسپر ارغوانی رنگ کا ایک بڑا ریشمی زردکار شامیانہ تانا جاتا تھا تو اُسمیں سے دُھوپ کی شعاع جو آرینا کے سفید اور شفاف سطح اور رومی عہدہ داروں کے سفید چغوں پر پڑتی تھی تو نہایت ہی کیفیت دکھاتی تھی۔ آرینا کے گرداگرد پانی کی نہر بنی ہوئی تھی جسمیں سے پانی چھوڑکر آرینا میں تماشا کرنیکے لیئے جہاز لے آتے تھے۔ یہہ تماشاخانے رومیوں کی سلطنت جمہوری کے اخیر زمانہ کی ایجاد تھے اور چونکہ قدیم اہل رُوم ہر قسم کے خوں ریز اور خوفناک تماشوں کے دیکھنے کے بے اعتدالی کے ساتھ شایق تھے اسلیئے اُنکے حکام اس شوق کو اس جنگی جوش کے ترقی دینے کی غرض سے جسنے اُنکو دُنیا کا مالک بنایا ہوا تھا جاری رکھتے تھے! سب سے پہلا تماشا دوسو ساٹھ ۲۶۰ برس قبل مسیح علیہ السلام شہر رُوم میں ہوا تھا اور ۲۵۲ ق م میں جبکہ رومیوں نے کارتھج والوں پر فتح پائی اور اُنکے مال کی لوٹ میں ہاتھی بھی آئے تو وہ بھی اس تماشاخانوں میں داخل کیئے گئے اور اسطرح سے ان میں وحشی حیوانات کے داخل کیئے جانے کی ابتدا ہوئی اور رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہنچی کہ جانوروں کے باہم لڑانے ہی پر حصر نرہا بلکہ مُلک میں لوگوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا جنکا یہہ پیشہ تھا کہ انعام حاصل کرنیکی غرض سے باہم ہتھیاروں سے لڑتے اور ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ یہہ لوگ

کیا - لیکن اگرچہ اس منظر میں جو خوبی کی باتیں ہیں وہ سب قدرت کی مصنوعات ہیں اور پیرس میں جو کچھ ہے وہ تمام یا قریب تمام کے انسان کی صنعت ہے مگر میری رائے میں پہلے کی بہ نسبت پچھلا زیادہ دلچسپ ہے - کیونکہ یہہ اِس بات کی علامت ہے کہ یہہ شہر ایک بڑی سلطنت کا دارالحکومت اور ایک ذی قدرت بادشاہ کا جائے قیام ہے - اور دہلی اور آگرہ اور قسطنطنیہ کی سب طرح کی خوبیوں کو تسلیم کرکے پھر بھی میں انصافاً یہہ کہہ سکتا ہوں کہ دُنیا کے شہروں میں پیرس سب سے زیادہ متموّل اور خوبصورت اور ہر ایک طرح سے مقدّم ہے -

---

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

شکل کے بنائے جاتے تھے تاکہ لوگ اِرد گرد بیٹھکر آسانی کے ساتھ قریب سے تماشا دیکھ سکیں اسلیئے اِنکا نام ایمفی تھی ایٹر جسکا نام کالی سی ایم ہے - اور جسکو بنے ہوئے بہت عرصہ ہوا مگر مصالحہ کی خوبی کی وجہ سے ایسا ہے کہ اُسکو کھنڈر کہنا مشکل ہے بلکہ اتک شہر رؔوم کی نہایت عالیشان عمارات میں سی ہے - اُس وادی میں بنا ہوا ہی جو شہر رؔوم کی سات پہاڑیوں کے بیچ میں ہے - یہہ عمارت زینوں کی طرح اسلیئے درجہ بدرجہ بنی ہوئی ہے کہ تماشائی اپنے اپنے رتبہ کے موافق اپنی اپنی جگہہ کہ جو اُن کے لیئے مخصوص تھی بیٹھکر تماشا دیکھ سکیں - چنانچہ سب سے اوّل درجہ کے چبوترہ پر شہنشاہ تخت پر اور ممبران سینٹ اور بڑے بڑے مجسٹریٹ اور وہ مقدّس کنواری عورتیں جو معبدوں کی خدمت پر متعیّن رہتی تھیں سونے چاندی اور ہاتھی دانت کی کُرسیوں پر بیٹھتی تھیں - اور ان سے پیچھے کے چبوترہ پر وہ بہادر اور نامدار سپاہی بیٹھتے تھے جنکو نائٹ کہتے تھے - اور اِن کے بعد عام لوگوں کی نشست تھی اور سب سی اوپر اور اخیر کے چبوترہ پر عام شریف زادیاں جو تماشا کرنے والوں کے برہنہ ہونیکی وجہ سے قریب سی دیکھنا پسند نکرتی تھیں بیٹھتی تھیں غرض اسی طرح ملّاح اور کلوں کے چلانے والے اور تماشا خانہ کے اور اہل خدمت اسکے دونوں دروازوں کی چھتوں پر بیٹھے تھے - اس عمارت کا عظم وشان اس سے سمجھ لینا چاہیئے

آتا ہے اور ممالک ایشیا کے برخلاف جہاں ایسا ہونا کبھی ممکن نہیں
بادیانت اہل شہر کی بیبیاں اور بیٹیاں بغیر جیب کتروں اُچکوں کے خوف اور کیچڑ
وغیرہ کی تکلیف کے بے تکلّف بازاروں اور گلی کوچوں میں چلتی پھرتی
اور جہاں تک نظر جا سکتی ہے خواہ کوئی اور کیسا ہی موسم کیوں نہ ہو چاروں
طرف لال ٹینوں کی قطاریں روشن اور جگمگاتی نظر آتی ہیں۔
مشفق من پیرس میں پونٹ نی آف پر کھڑے ہو کر بیشک آپ میری
ذمہ واری پر دعوی سے کہہ سکتی ہیں کہ دُنیا میں انسان کا بنایا ہوا اِس سے
زیادہ خوشنما کوئی منظر نہیں ہے۔ لیکن چین اور جاپان کی میں نہیں کہتا کیونکہ
مینے اُن کو نہیں دیکھا اور اِسکی خوبی اُسوقت اَور بھی بڑھ جائیگی جبکہ لوائر Louvre کی تعمیر
ختم ہو جائیگی اور لوگوں کے قول کے برخلاف جو اسکے نقشہ کو دیکھکر کہتے تھے
کہ یہہ صرف کاغذ ہی کاغذ پر دیکھائی دیتا رہیگا۔ حقیقتاً وجود میں آجائیگا!
انسان کے بنائے ہوئے منظر کی قید مینے اسلیئے لگائی ہے کہ دنیا کے
عمدہ مناظر کے ذکر کے موقع پر اس لفظ کے عام معنوں کے لحاظ سے قسطنطنیہ
کے اُس قدرتی منظر کو جو سمندر کی بڑی کھاڑی میں سے اِسطرح نظر آتا ہے کہ
ایک طرف تو قسطنطنیہ ہے اور دوسری جانب پوائینٹ ڈیو سر ٹیل Pointduserteil ہے مستثنیٰ
کر دینا ضروری ہے حقیقت یہہ ہے کہ جب پہلے پہل مینے قسطنطنیہ کے اس
لمبے چوڑے منظر کو دیکھا تو میری طبیعت پر ایسی خوشی غالب ہوئی جو کبھی
نہیں بھول سکتی اور مینے اسکو ایک جادو کا بنا ہوا ایمفی تھی ایٹر خیال

Amphitheator
*لیٹن زبان میں امفی بیضوی شکل کو کہتے ہیں بس چونکہ یہہ تھی ایٹر یعنی تماشا خانے بیضوی

ہے کیونکہ اُمرا کا معمول ہے کہ اپنے مکانوں کے صحنوں اور باغوں
میں سایہ کے لیئے بڑے بڑے درخت لگواتے ہیں اور اُمرا اور راجہ
اور اَور دولتمند لوگوں کے بڑے بڑے مکانوں کے مابین ایک
دوسرے سے فصل کے لیئے نہایت فرحت بخش پھول پھلواری
اور درخت اور بیل بوٹے لگے ہوئے ہیں اور اُن میں ہندو مہاجنوں کی
اونچی اونچی پتھر کی حویلیاں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے کسی جنگل کے اندر
کوئی پرانی گڑھی۔
ایک گرمی سے جلے بھُنے ملک میں کہ جہاں تازگی اور آرام حاصل
کرنے کو آنکھیں خود بخود سبزے کی متلاشی ہوتی ہیں اگرچہ ایک ایسا منظر
بے شبہ دلکو ایک خاص طور کی فرحت دیتا ہے مگر یہہ خیال کرکے کہ دنیا
کا ایک نہایت عمدہ اور خوشنما نظارہ دیکھنے میں آئیگا آپکو پیرس کے چھوڑنے
کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو یقیناً آپکو پونٹ نی اُف پر بھی حاصل ہو سکتا
Pont neuf
ہے۔ چنانچہ اگر آپ ذرا دنکو اُسپر جاکر دیکھیں اور دیکھیں کہ خلقت اور گاڑیوں کا
کیا عجیب و غریب جمگھٹا اور طرح طرح کی چیزیں اور بھیڑ بھاڑ نظر سے گزرتی ہے
اور پھر رات کو بیٹھکر ملاحظہ کریں تو بیشک میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ
فرمائیے اِس سے زیادہ دلچسپ نظارہ اور کہاں دیکھائی دیسکتا ہے۔
اور اُسپر سے مکانات کی بیشمار کھڑکیوں میں سے جو صاف اور دھیمی دھیمی
روشنی نظر آتی ہے ذرا دیکھئے تو وہ کیا لطف دیکھاتی ہے اور جو بھیڑ بھاڑ
اور گاڑیوں اور لوگوں کا ہجوم دنکو رہتا ہے وہی آدھی رات کو بھی نظ

کرکے اپنے نام پر اسکا اکبرآباد نام* رکھا تھا) بادشاہان ہندوستان اکثر وہیں رہتے رہے ہیں۔ اسکو وسعت اور کثرت عمارت میں جسکو امرا اور راجاؤں اور غیر ملازم شرفا نے عمدہ پتھر یا اینٹ سے تعمیر کرایا ہے دہلی پر فوقیت حاصل ہے اور کارواں سرائیں بھی اسمیں وہاں کی بہ نسبت زیادہ ہیں۔ اور دو مقبرے ایسے عمدہ اور مشہور و معروف یہاں ہیں کہ جن پر یہہ ناز کرسکتا ہے۔ اور جنکا بیان میں آیندہ کروں گا۔ لیکن اسکی شہر پناہ نہیں ہے اور بعض اور اُموروں میں بھی دہلی سے گھٹا ہوا ہے۔ اور چونکہ پہلے سے کوئی نقشہ تجویز ہوکر نہیں بنایا گیا اسلیئے دہلی کی سی متحد الوضع اور سیدھے اور وسیع بازار جنسے اُسکو امتیاز حاصل ہے اسمیں نہیں ہیں البتہ چار یا پانچ بازار بہت طولانی ہیں اور اُنکی عمارت بھی اچھی ہے مگر اُن میں بیوپاری بھی زیادہ بیٹھتے ہیں اور اُن کے سوا سب چھوٹے چھوٹے اور تنگ اور بیقاعدہ ہیں جنمیں بہت سے گوشے اور پیچ و خم ہیں اور اِس سبب سے جب بادشاہ کا قیام یہاں ہوتا ہے تو اُن میں عجب کشاکش اور دھکا پیل رہتی ہے! میں خیال کرتا ہوں کہ اِن دونوں شہروں میں جو بڑی بڑی مابہ الامتیاز باتیں ہیں وہ سینے سب بیان کردی ہیں مگر اُن پر ایک بات اور اضافہ کرتا ہوں کہ آگرہ کو اگر کسی بلند مقام سے کھڑے ہوکر دیکھیں تو گانوں کی شکل کا معلوم ہوتا ہے۔ اور اُسکا منظر گانوں کا سا طرح طرح کا اور خوشنما

---

* یہہ صحیح نہیں ہے بلکہ اکبر اور جہانگیر کے وقت تک آگرہ ہی کہلاتا تھا اور موافق روایت صاحب بادشاہنامہ شاہجہاں نے اپنے جلوس کے پہلے دن یہہ نام جو بعینہٖ تھا بدل کر اکبرآباد نام رکھا تھا چنانچہ اُسی روز سے اکبرآباد ہی مشہور ہے۔ ۱۲ س م ح

ہے کیونکہ اُمرا کا معمول ہے کہ اپنے مکانوں کے صحنوں اور باغوں میں سایہ کے لیئے بڑے بڑے درخت لگواتے ہیں اور اُمرا اور راجہ اور اَور دولتمند لوگوں کے بڑے بڑے مکانوں کے مابین ایک دوسرے سے فصل کے لیئے نہایت فرحت بخش پھول پھلواری اور درخت اور بیل بوٹے لگے ہوئے ہیں اور اُن میں ہندو مہاجنوں کی اونچی اونچی پتھر کی حویلیاں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے کسی جنگل کے اندر کوئی پرانی گڑھی۔

ایک گرمی سے جلے بھُنے ملک میں کہ جہاں تازگی اور آرام حاصل کرنے کو آنکھیں خودبخود سبزے کی متلاشی ہوتی ہیں اگرچہ ایک ایسا منظر بے شبہ دلکو ایک خاص طور کی فرحت دیتا ہے مگر یہہ خیال کرکے کہ دنیا کا ایک نہایت عمدہ اور خوشنما نظارہ دیکھنے میں آیگا آپکو پیرس کے چھوڑنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو یقیناً آپکو پونٹ نی آف پر بھی حاصل ہو سکتا ہے - چنانچہ اگر آپ ذرا دنکو اُسپر جاکر بیٹھیں اور دیکھیں کہ خلقت اور گاڑیوں کا کیا عجیب و غریب جمگھٹ اور طرح طرح کی چیزیں اور بھیڑ بھاڑ نظر سے گزرتی ہے اور پھر رات کو بیٹھکر ملاحظہ کریں تو بیشک میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ فرمائیے اِس سے زیادہ دلچسپ نظارہ اور کہاں دیکھائی دیسکتا ہے - اور اسپر سے مکانات کی بیشمار کھڑکیوں میں سے جو صاف اور دھیمی دھیمی روشنی نظر آتی ہے ذرا دیکھئے تو وہ کیا لطف دیکھاتی ہے اور جو بھیڑ بھاڑ اور گاڑیوں اور لوگوں کا ہجوم دنکو رہتا ہے وہی آدھی رات کو بھی نظر

کرکے اپنے نام پر اسکا اکبرآباد نام* رکھا تھا) بادشاہان ہندوستان اکثر وہیں رہتے رہے ہیں۔ اسکو وسعت اور کثرت عمارت میں جنکو اُمرا اور راجاؤں اور غیر ملازم شرفا نے عمدہ پتھر یا اینٹ سے تعمیر کرایا ہے دہلی پر فوقیت حاصل ہے اور کارواں سرائیں بھی اسمیں وہاں کی بہ نسبت زیادہ ہیں۔ اور دو مقبرے ایسے عمدہ اور مشہور و معروف یہاں ہیں کہ جن پر یہ ناز کرسکتا ہے۔ اور جنکا بیان میں آیندہ کروں گا۔ لیکن اسکی شہر پناہ نہیں ہے اور بعض اَور اُموریں بھی دہلی سے گھٹا ہوا ہے۔ اور چونکہ پہلے سے کوئی نقشہ تجویز ہوکر نہیں بنایا گیا اسلیئے دہلی کی سی متحد الوضع اور سیدھے اور وسیع بازار جنسے اُسکو امتیاز حاصل ہو اسمیں نہیں ہیں البتہ چار یا پانچ بازار بہت طولانی ہیں اور اُنکی عمارت بھی اچھی ہے مگر اُن میں بیوپاری بھی زیادہ بیٹھتے ہیں اور اُن کے سوا سب چھوٹے چھوٹے اور تنگ اور بیقاعدہ ہیں جنمیں بہت سے گوشے اور پیچ و خم ہیں اور اِس سبب سے جب بادشاہ کا قیام یہاں ہوتا ہے تو اُن میں عجب کشمکش اور دھکا پیل رہتی ہے! میں خیال کرتا ہوں کہ اِن دونوں شہروں میں جو بڑی بڑی مابہ الامتیاز باتیں ہیں وہ میں نے سب بیان کردی ہیں مگر اُن پر ایک بات اور اضافہ کرتا ہوں کہ آگرہ کو اگر کسی بلند مقام سے کھڑے ہوکر دیکھیں تو گانوں کی شکل کا معلوم ہوتا ہے۔ اور اُسکا منظر گانوں کا سا طرح طرح کا اور خوشنما

* یہہ صحیح نہیں ہر بلکہ اکبر اور جہانگیر کے وقت تک آگرہ ہی کہلاتا تھا اور بموافق روایت صاحب بادشاہنامہ شاہجہاں نے اپنے جلوس کے پہلے دن یہہ نام جو بعینی تبادل کر اکبرآباد نام رکھا تھا چنانچہ اسی روز سے اکبرآباد ہی مشہور ہے۔ ۱۲ س م ح

دہلی اور آگرہ کے درمیانی راستہ کا ذکر

دہلی اور آگرہ کے مابین چوڈیڑھ سو یا ایکسو اسّی میل کا فاصلہ ہے اُسمیں نہ تو کوئی عمدہ شہر ہے (حالانکہ فرانس میں مسافر کو اسقدر مسافت کے اندر کئی شہر دکھائی دیتے ہیں) اور نہ کوئی اَور دلچسپ مقام ہے البتہ متھرا جہاں ہندوؤں کا ایک قدیم اور عالیشان مندر دیکھنے کے لیئے اَب بھی موجود ہے اور چند خوبصورت کاروانسرائیں جو ایک ایک منزل کے فاصلہ پر بنی ہوئی ہیں قابل الذکر مقام ہیں۔ اور اس راستہ کے دونوں طرف سایہ کے لیئے دوہری قطاریں درختوں کی لگے ہوئے اور ایک ایک کوس کے فاصلہ پر رہنمائی کی خاطر پختہ مینارے اور مسافروں کے پانی پینے اور درختوں کے پودوں کی سیرابی کے لیئے پختہ کنوئیں بنے ہوئے ہیں۔ ※

شہر آگرہ عرف اکبر آباد کا ذکر

مینے دہلی کی جو کیفیّت بیان کی ہے اُسی پر آگرہ کو قیاس کر لیجئے یعنی وہ اور وہاں کا قلعہ اور اَور عمارتیں بھی جمنا ہی کے کنارے پر ہیں لیکن اسوجہ سے کہ اکبر کے زمانہ سے (جسنے اُسکو آباد

(بقیہ نوٹ صفحہ [illegible]) بات تیسری یا چوتھی صدی عیسوی میں ہوئی ہو۔ جب رائے پتھورا نے اس لاٹھ کے قریب قلعہ اور مندر بنایا تب یہہ لاٹھ مندر کے صحن میں اور جب اُسکو توڑکر قطب الدین ایبک نے مسجد بنایا تب مسجد کے صحن میں آگئی۔ چنانچہ ابتک وہیں موجود ہے! معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر برنیئر نے غالبًا اسی لاٹھ کے حروف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ۱۲ س م ح

※ یہہ سڑک شہنشاہ جہانگیر نے اپنے جلوس کے چودھویں سال مطابق ۱۰۲۹ سنہ ہجری میں اکبرآباد سے لاہور تک بنوائی تھی۔ چنانچہ اسکی بعض بعض مینارے ابتک بھی کہیں کہیں موجود اور قایم ہیں س م ح

میں ایسے محل اور عالیشان مکانات نہیں ہیں جیسے کہ سینٹ کلوڈ[1] چینٹ لی[2] - میوڈان[3] - لانیکور Nate وا - یار دیل ہیں اور نہ ویسے مختصر باغات ہیں جنکے مالک غیر ملازم شرفا اور اہل شہر اور سوداگر ہوں لیکن یہہ کچھ جاے تعجب نہیں کیونکہ یہاں کی رعایا میں سے کسیکو بھی حق ملکیت زمین حاصل نہیں ہے -

---

Saint Cloud, Chantilly, Meudon, Izuncour

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ کہ یہہ لاٹھ پانچویں صدی سے بہت ورے بلکہ آٹھویں صدی میں بنی تھی مگر ہم اسکو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ راجاؤں کی تاریخ ۱۱۹۶ عیسوی سے مسلمانوں کی عملداری ہونے تک بصحت تمام ملتی ہے اور اُن تاریخوں میں اس راجہ کا ذکر نہیں ہے - علاوہ اسکے اس لاٹھ پر سمت کندہ نہ ہونے سے یقین پڑتا ہے کہ بکرماجیت سے پہلے کی ہے کیونکہ بکرماجیت سے پیچھے سمت لکھنے کا اور کوئی نہ کوئی سنہ مقرر کرنیکا بالکل رواج ہو گیا تھا - اسکے سوا اُس زمانہ میں ہستناپور کے راجاؤں کا راج بالکل جاتا رہا تھا - اِن دلیلوں سے ہمارے نزدیک یہہ لاٹھ راجہ میدہادی عرف راجہ دہاوا کی بنائی ہوئی ہے - جو راجہ جدہشٹر کی اولاد میں سے انیسواں راجہ ہے - اور اگرچہ یہہ راجہ اندرپت میں آبسے تھے الا قدیم تخت گاہ اُن کا ہستناپور ہی تھا اور اسی سبب سے ہستناپور کے راجہ کہلاتے تھے - مذہب اس راجہ کا بشنوئی تھا اور اس لاٹھ کے کتبہ سے بھی یہی مذہب معلوم ہوتا ہے - تاریخ کی مروجہ کتابوں سے ظاہر ہے کہ راجہ میدہادی ایکہزار نوسو پانچ برس قبل حضرت مسیح علیہ السلام مسند نشین ہوا الا انگریزی مورخوں نے جو صحیح حساب راجہ جدہشٹر کی مسند نشینی کا نکالا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہہ راجہ آٹھ سو بچانوے سال قبل حضرت مسیح علیہ السلام مسند نشین ہوا تھا - اور اس سبب سے ہماری راے میں یہہ لاٹھ نویں صدی میں قبل حضرت مسیح علیہ السلام بنی الا ناتمام پڑی رہی اور ایک مدت بعد کسی راجہ نے راجہ دہاوا کا فتح نامہ جس مقصد سے اُس راجہ نے اسکو بنایا تھا کھدوا کر لاٹھ کو نصب کر دیا - اور کچھ عجب نہیں کہ یہہ

ہیں اور کوئی ایسا گھر نہیں جسمیں عورتیں اور لڑکے بالے موجود نہوں اور شام کو جب ذرا گرمی کم ہو جاتی ہے اور لوگ باہر نکلتے ہیں تو تمام سڑکیں اور گلی کوچے باوجود اپنی وسعت کے خلقت سے بھرے ہوئے نظر آتے ہیں اور پہیہ دار سواریاں (جنسے جگہہ رک جاتی ہے) بہت ہی کم دیکھائی دیتی ہیں تو ٹھیک نہیں کہہ سکتا کہ دہلی اور پیرس کی آبادی میں کیا نسبت ہے۔ لیکن میرے قیاس میں اگر پیرس کے برابر یہاں آدمی نہوں تو کچھ بہت کم بھی نہوں گے۔ البتہ اگر آسودہ حال لوگوں پر نظر کیجاے تو بیشک پیرس میں اور اسمیں ایک نمایاں تفاوت معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ پیرس میں دس میں سے سات یا آٹھ آدمی کپڑے لتّے سے درست اور معقول صورت نظر آتے ہیں لیکن دہلی میں صرف دو یا تین آدمی ایسے دیکھائی دیتے ہیں اور باقی غریب اور پھٹے پرانے کپڑوں کے ساتھ دیکھنے میں آتے ہیں جو بیچارے فوج کی وجہ سے یہاں چلے آتے ہیں لیکن میں اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ مجھے اکثر ایسے لوگوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا ہے جو اچھے وجیہ اور عمدہ اور ستھرا لباس پہنے اور عمدہ گھوڑوں پر چڑھے ہوئے اور نفر خدمتگار ساتھ لئیے ہوے ہوتے ہیں۔

امرا کی سواری کے طریقہ کا ذکر

جسوقت امرا اور راجہ اور منصبدار لوگ چوکی دینے یا دربار میں حاضر ہونے کو آتے ہیں تو اس چوک سے جو قلعہ کے سامنے ہے کو [illegible] رونق مقا — چنانچہ چاروں طرف سے بہت سے

کا مکان بہم پہنچائیں اُن میں ٹھہرتے اسکے علاوہ یہہ ہر قسم کے مال تجارت کے ٹھہرنے اور پردیسی سوداگروں کے اُترنیکے لئے ایک عمدہ اور آسایش کے مقام ہوتے۔

پیرس اور دہلی کی آبادی اور لوگوں کی خوش حالی اور مفلسی کا مقابلہ

اب چونکہ میں خیال کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے یہہ ضرور دریافت کرینگے کہ اس شہر کی عام آبادی کی تعداد اور آسودہ حال لوگوں کا شمار پیرس کے مقابلہ میں کیا ہے۔ پس دہلی کا ذکر ختم کرنے سے پہلے میں اسکو بیان کرتا ہوں۔ واضح ہو کہ پیرس کے تمام مکانات کے سہ منزلہ اور چو منزلہ ہونے اور قریبًا اُن سب کے لوگوں سے معمور اور بھرے ہوئے ہونے اور اسطرح پر اسکے تین۳ یا چار۴ شہروں کے برابر ہونے اور سڑکوں اور گلی کوچوں کے عورت و مرد اور پیدلوں اور سواروں اور انواع و اقسام کی گاڑیوں سے بھرے رہنے اور بڑے بڑے چوکوں اور باغوں اور میدانوں کے اُسمیں بہت کم ہونے پر خیال کرکے پیرس مجھکو آدمیوں کے ایک بن کی مانند معلوم ہوتا ہے۔ اور اسوجہ سے میں یقین نہیں کرسکتا کہ جتنے آدمی اُسمیں ہیں اُتنے ہی دہلی میں بھی ہوں مگر جب ہندوستان کے اس دار السلطنت کی وسعت اور بیشمار دوکانوں اور اس امر پر خیال کرتا ہوں کہ اُمرا کے علاوہ پینتیس۳۵ ہزار سوار سے اسمیں کبھی کم نہیں رہتے جو قریبًا سب کے سب عیالدار اور صاحب اولاد اور سب کے پاس بہت سے نوکر چاکر ہیں جو اپنے آقاؤں کی طرح علیحدہ علیحدہ مکانوں میں رہتے

پیچھے پیچھے بہت سے اُمرا ہوتے ہیں جو بعض تو گھوڑوں پر اور بعضے پالکیوں میں سوار ہوتے ہیں اور انہیں میں ملے جُلے بہت سی منصبدار اور چاندی کی چھڑیوں والے چوبدار وغیرہ ہوتے ہیں! میں اِس سواری کو سلطان رُوم کی باشان وشوکت سواری سے تشبیہ نہیں دیسکتا اور نہ بادشاہان یورپ کے جنگی طور کے جلوس سے کیونکہ اسکا تجمل اور عظم و شان اَور ہی طرح کا ہے مگر کچھ کم شاہانہ نہیں ہے۔

کاروانسرا کا ذکر دوسری قابل الذکر عمارت وہ کارواں سرا ہے جو شاہجہاں کی بڑی بیٹی معروف بیگم صاحب نے جسکا میں نے گزشتہ لڑائی کی تاریخ میں بہت کچھ ذکر کیا ہے بنوائی تھی اور نہ صرف اِس شاہزادی ہی نے بلکہ اَور اُمرا نے بھی بڈھے بادشاہ کے خوش کرنے کو شہر کی رونق بڑہانے میں بہت روپیہ صرف کیا ہے۔ یہہ ہمارے پلیس رائل Place Royal کی طرح ایک بڑی اور محراب دار مربع عمارت ہے جسمیں برابر برابر کوٹھریاں اور اُن کے آگے علیحدہ علیحدہ برانڈے ہیں اور یہہ دو منزلی ہے اور جیسے علیحدہ علیحدہ کوٹھریاں اور برانڈے نیچے ہیں ویسے ہی اوپر کی منزل میں بھی ہیں اور ایرانی اور تورانی اور اَور پردیسی دولتمند تاجر حفاظت کی جگہہ سمجھکر اِسمیں آنکر ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ رات کو اُسکا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ کاش پیرس میں بھی دس بیس جگہہ ایسی عمارتیں ہوتیں تاکہ پردیسی آدمیونکو وہاں پہنچتے ہی محفوظ اور معقول مکان کے حاصل کرنے میں اسقدر حیرانی نہ ہوتی جسقدر کہ اب ہوتی ہے اور تاوقتیکہ دوست آشناؤں سے مِل کر زیادہ آرام

کر دیا جاتا ہے اور قلعہ کے دروازہ سے لیکر مسجد تک تین یا چار سو سپاہی
دو رویہ صف باندھکر کھڑے ہوتے ہیں جنکے پاس چھوٹی چھوٹی مگر بہت
خوبصورت بندوقیں ہوتی ہیں جنپر سرخ بانات کا غلاف ہوتا ہے - اور
اوسکے سرے پر ایک چھوٹا سا پھرا - اور پانچ یا چھ عمدہ سوار قلعہ کے دروازہ
پر اس غرض سے موجود رہتے ہیں کہ سواری کے وقت راستہ کھلا اور
صاف رکھیں اور وہ اتنے فاصلہ سے آگے آگے چلتے ہیں کہ
اُنکی گرد سے بادشاہ کو تکلیف نہ پہنچے اور جب یہہ سب تیاری ہوجاتی ہے
تو بادشاہ قلعہ سے کبھی تو ہاتھی پر خوب سجایا ہوا اور جسپر سنہری اور منقش کام
کی عماری کسی ہوئی ہوتی ہے سوار ہوکر نکلتا ہے - اور کبھی سنہری اور
لاجوردی کام کے تخت رواں پر جو کمخاب یا ارغوانی رنگ کی مخمل وغیرہ سے
منڈھے ہوئے ڈنڈوں پر بندھا ہوا ہوتا ہے اور جسکو آٹھ چیدہ اور بہاری
بہاری وردیوں والے کہار کاندھے پر اُٹھاتے ہیں سوار ہوتا ہے - اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

اور سودے والے دوکانیں لگاتے ہیں لیکن بڑا تماشا اس طرف مداریوں اور قصہ خوانو
کا ہوتا ہے - قصہ خوان مونڈھا بچھاکر بیٹھتا ہے اور داستان امیر حمزہ یا قصہ حاتم طائی
اور کہیں داستان بوستان خیال سناتا ہے جسکے سُننے کو سیکڑوں آدمی جمع ہوتی ہیں
ایک طرف مداری تماشا کرتا ہے اور بھان متی کا کھیل ہوتا ہے اور بوڑھے کو جوان اور
جوان کو بوڑھا بناتا ہے - شرقی دروازہ میں بھی مکانات بنے ہوئے ہیں اور اسکے آگے
بیتیس ۳۲ سیڑھیاں ہیں جنپر ہر روز گزری لگتی ہے - جو گویا ہر روز کا میلا ہے - بزاز طرح
طرح کے کپڑے الگنیوں پر ڈالتے ہیں اور شوقین جوان طرح طرح کے خوش آواز جانور
پنجروں میں لیئے ہوئی سیر کرتے پھرتے ہیں - ایک طرف کبوتر والے کبوتر بیچتے ہیں
ایک جانب گھوڑے والے گھوڑے لیئے کھڑے ہیں - (آثار الصنادید) م م ح

سنگ مرمر کی ہیں باقی عمارت سنگ سرخ سے بنی ہے جو سنگ مرمر کی بہ نسبت ذرا نرم ہے اور زمانہ پاکر اسمیں سے ورق جھڑنے لگ جاتے ہیں! ہندوستان کے لوگوں کا یہہ قول ہے کہ جس کان سے یہہ پتھر نکلتا ہے کچھ مدّت بعد اسمیں پھر پیدا ہو جاتا ہے - اگر یہہ بات سچ ہے تو نہایت عجیب ہے اور غلط یا صحیح اسکا سبب یہہ بتاتے ہیں کہ برسات کے دنوں میں کان میں پانی بھر جاتا ہے مگر مَیں اس امر کی نسبت کوئی قطعی رائے نہیں دیسکتا -

بادشاہ ہر جمعہ کو جو مسلمان ملکوں میں ہمارے اتوار کیطرح مقدّس سمجھا جاتا ہے اس مسجد میں نماز پڑھنے کو جاتا ہے اور جس راستہ سے اسکا گذر ہوتا ہے اسمیں پہلے سے گرمی اور گرد و غبار کے فرو ہو جانیکے لیئے چھڑکاؤ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ کا — تبرکات جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رکھے ہیں اور وہ مقام درگاہ آثار شریف کہلاتا ہے - مسجد کا صحن ایکسو چھتیس ۱۳۶ گز کے عرض و طول سے اور اُسکے بیچ میں پندرہ ۱۵ اور بارہ ۱۲ گز کا نرے سنگ مرمر کا حوض ہے جسمیں فوارہ لگا ہوا ہے - صحن کے چاروں طرف بڑے بڑے دالان اور حجرے اور مکانات بنے ہوئے ہیں اور چاروں کونوں پہ بارہ دری کے چار برج ہیں - جنوبی اور شرقی دالان کے سامنے دائرہ ہندسی نماز کا وقت دیکھنے کو بنا ہوا ہے اور مسجد کے تینوں دروازوں میں برنجی کواڑ چڑھے ہوئے ہیں - جنوبی دروازہ میں رہنے کے لائق حجرے بنے ہوئے ہیں اور تینتیس ۳۳ سیڑھیاں ہیں جن پر تیسرے پہر کو مجمع عام ہوتا ہے - اور بساطی اور فالودہ والے اور کبابی اور اصیل مرغ بیچنے والے اور شوقین جوان انڈے لڑانے والے آنکر جمع ہوتے ہیں - شمالی دروازہ میں بھی رہنے کے حجرے بنے ہوئے ہیں اور اس طرف انتالیس ۳۹ سیڑھیاں ہیں - اگرچہ اس طرف بھی کبابی بیٹھتے

بہت بڑا اور اونچا ہے اور مسجد کا صرف یہی حصہ مسقف ہے باقی گنبدوں سے لیکر صدر دروازہ تک بالکل کھلا ہوا ہے جو گرمی کی وجہ سے کھلا رکھنا ضروری ہے اور مسجد کے اندرونی حصہ مین سفید سنگ مرمر کا (جسپر سنگ موسیٰ کی تحریر سے مصلّے بنے ہوئے ہیں) اور بیرونی میں سنگ سرخ کی سلوں کا فرش ہے

میں قبول کرتا ہوں کہ یہہ عمارت بموجب اُن اصول کے جنکو ہم لوگ پسند کرتے ہیں نہیں بنی لیکن میں اسمیں کچھ عیب بھی نہیں پاتا اسکے ہر ایک حصہ کی تقسیم عمدہ طور پر ہے اور تعمیر بھی عمدہ ہے اور تناسب کا بخوبی لحاظ رکھا گیا ہے - چنانچہ مجھے امید ہے کہ اگر پیرس میں کوئی گرجا اسکے نقشے پر بنایا جاے تو اپنی نرالی اور عجیب وضع کے لحاظ سے سب لوگوں کو پسند آئے - ! تینوں گنبدوں اور چھوٹی برجیوں کے سوا جو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

نور اللہ خوشنویس نے خط نسخ سے لکھا تھا سنگ موسیٰ کی پچی کاری سے بنا ہوا ہے اور دروازوں کے دونوں طرف نہایت بلند اور خوشنما مینار ہیں جنپر اوپر جانیکے لیئے زینے اور سروں پر بارہ دری کی برجیاں بہت دلکشا بنی ہوئی ہیں ! شمالی مینارہ بجلی کے صدمہ سے گر پڑا تھا اور عمارت اور صحن کا فرش بھی جو تمام سنگ سرخ کا ہی جابجا سے بگڑ گیا تھا مگر سرکار عالیہ انگریزی نے ۱۲۳۳ ہجری مطابق ۱۸۱۷ء میں اس مینار کو بنوا دیا اور فرش بھی درست کرا دیا - اس مسجد میں چونکہ کوئی مکبّر بنا ہوا نہ تھا اور اسوجہ سے امام کی آوازِ تکبیر سب نمازیوں کو نہیں پہنچ سکتی تھی اسواسطے شاہزادہ میرزا سلیم ابن معین الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ نے ۱۲۴۵ ہجری مطابق ۱۸۲۹ء میں بڑے دروازہ کے بیچ میں ایک مکبّر سنگ باسی کا بہت خوشنما بنوا دیا ہے - مسجد کے اندر تمام فرش سنگ مرمر کا ہے اور اسمین سنگ موسیٰ کی پچی کاری سے مصلے بنا دیئے ہیں ممبر بھی سنگ مرمر کا بہت خوش قطع بنا ہوا ہے ! جانب شمال کے دالان میں کچھ

سبب سے بہت دور سے نظر آتی ہے اور اسکی بنیاد رکھنے سے پہلے
پہاڑی کا سطح خوب ہموار کردیا گیا اور چاروں طرف چوکور میدان کھول دیا
گیا تھا جہاں مسجد کی چاروں سمتوں سے چار بڑے بازار آنکر ملتے ہیں چنانچہ
اُن میں سے ایک تو صدر دروازہ کے سامنے ہے اور دوسرا عقب میں
اور دو۲ دونوں بغلی دروازوں کے محاذی! اور اندر جانیکے لیئے تینوں
ضلعوں میں کوئی پچیس۲۵ یا تیس۳۰ پتھر کی خوبصورت سیڑھیاں بنتی
چلی گئی ہیں اور پشت کی جانب پہاڑی کی اونچائی تک پتھر گھڑکر اور خوب
صاف کرکر لگائے گئے ہیں جن سے پہاڑی کی ناہمواری چھپا کر عمارت
خوبصورت ہو گئی ہے۔ اسکے تینوں دروازے سنگ سرخ سے بنے
ہیں اور نہایت عالیشان ہیں اور اُن کے کواڑوں پر تانبے یا پیتل
کی پتیاں جڑی ہوئی ہیں مگر صدر دروازہ جسپر سفید سنگ مرمر کی چھوٹی
چھوٹی بُرجیاں بنی ہوئی ہیں اور بہت خوشنما معلوم ہوتی ہیں زیادہ شاندار
ہے مسجد کے پیچھے کے حصے میں تین بڑے بڑے گنبد ہیں جنکے
اندر اور باہر سفید سنگ مرمر لگا ہوا ہے اور بیچ کا گنبد دونوں کی بہ نسبت

سال جلوس میں رکھی گئی تھی اور ہر روز پانچ ہزار راج مزدور۔ بیلدار اور سنگ تراش
کام کرتے تھے اور باوجود اس اہتمام کے چھ برس میں دس لاکھ روپیہ خرچ ہو کر تیار ہوئی
اسکے تین گنبد ہیں نوّے گز طول اور تیس گز کے عرض میں اور اندر کو سات محرابیں
ہیں اور باہر صحن کیطرف گیارہ دروازے جنمیں سے ایک تو بہت بلند ہے اور پانچ
پانچ اِدھر اُدھر والے ذرا نیچے ہیں اور بڑے دروازہ پر کلمہ "یا ہادی" بطور طغرا۔
اور باقی دروازوں پر شاہجہاں کے نام کا کتبہ اور تاریخ تعمیر اور زر مصارف جسمیں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

اِن عظیم الشان جانوروں کی لڑائی کا خاتمہ بڑی بیدردی پہ ہوتا ہے یعنی اکثر یہہ ہوتا ہے کہ ہاتھی اپنے حریف کے مہاوت کو اپنی سونڈ سے پکڑ کر نیچے گرا لیتا اور فوراً پانو سے کچل ڈالتا ہے اور مہاوتوں کا کام ایسا خطرناک ہے کہ یہہ بدنصیب آدمی اپنے جورو بچوں سے اس طرح پر رخصت ہوتے ہیں کہ گویا مرنے کو جاتے ہیں۔ لیکن اُن کے دل کو اس خیال سے کسقدر تسلّی رہتی ہے کہ اگر زندہ بچے اور بادشاہ اُنکی کارگزاری سے راضی ہوا تو نہ صرف اُنکی تنخواہ بڑھ جائیگی بلکہ ہاتھی سے اُترتے ہی پچیس۲۵ روپئے کے پیسوں کی ایک تھیلی ملجائیگی اور اگر کام آ گئے تو اُنکی تنخواہ اُنکی بیوی کو ملتی رہیگی اور بیٹا اُنکی جگہہ نوکر ہو جائیگا! اِس تماشے میں مہاوتوں ہی کی جان نہیں جاتی بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اِن غصّے میں بھرے ہوے جانوروں سے بچنے کے لیئے ایسی سخت بھاگڑ پڑتی ہے کہ پیدل اور سوار اس طرح پر بھاگتے ہیں کہ بعض آدمی گر کر لوگوں یا خود ہاتھیوں کے پانوں سے کچل جاتے ہیں! چنانچہ جب دوسری بار مجھکو اس تماشے کے دیکھنے کا اتفاق ہوا تو صرف اپنے گھوڑے کی خوبی اور دو خدمتگاروں کی کوشش کی بدولت بچا تھا۔

جامع مسجد کا ذکر اُب موقع ہے کہ میں قلعہ کا ذکر چھوڑوں اور پھر شہر کیطرف رجوع کروں جسکی دو عمارتوں کا ذکر کرنا ابتک باقی ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک تو بڑی* مسجد ہے جو وسط شہر میں ایک مرتفع پہاڑی پر واقع ہونیکے

* اس مسجد کی بنیاد ۱۰ شوال سنہ ۱۰۶۰ ہجری مطابق سنہ ۱۶۵۰ عیسوی شاہجہاں کے چوبیسویں

بادشاہ اور بیگمات اور تمام اُمرا قلعہ کے جھروکوں میں سے یہہ تماشا دیکھتے ہیں چنانچہ ایک خام دیوار تین یا چار فٹ چوڑی اور پانچ یا چھ فٹ اونچی بنائی جاتی ہے اور اُسکے دونوں جانب سے دو قوی ہیکل ہاتھی جنپر دُو دُو آدمی سوار ہوتے ہیں مقابل کیئے جاتے ہیں دوسرا آدمی اسلیئے ہوتا ہے کہ اگر ہاتھی کی گردن پر سے ایک گر پڑے تو دوسرا انکس سے اُسکو چلائے - اور یہہ لوگ کبھی تو اُنکو بڑہاوا دیکر اور کبھی بُرا بھلا کہکر اور پانوؤں سے ہول کر آگے بڑہاتے ہیں یہاں تک کہ یہہ بیچارے جانور دیوار کے پاس پُہنچکر ایک دوسرے پر حملہ کرتے اور ایسی ٹکر لگاتے ہیں کہ دیکھکر خوف آتا اور سر اور سونڈ اور دانتوں کے زخموں سے اُن کا زندہ رہنا تعجب معلوم ہوتا ہے - یہہ لڑائی اکثر رہ رہ کر ہوتی اور مٹی کی دیوار آخر کار گر جاتی ہے اور زبردست اور دلیر ہاتھی اُسکو پھاند کر حریف پر حملہ کرتا اور اُسکو بھگا دیتا ہے اور ایسا پیچھا دباتا ہے کہ آتشبازی کی "چرخیوں" کے بغیر جو اُنکے بیچ میں چھوڑدی جاتی ہیں حریف سے الگ نہیں ہوتا کیونکہ یہہ جانور بالطبع ڈرپوک ہے اور خصوصاً آگ سے بہت ڈرتا ہے اور یہی سبب ہے کہ جب سے آتشی ہتھیار لڑائی میں برتے جانے لگے ہیں ہاتھی لڑائی میں بہت کم کار آمد رہ گئے ہیں - اور اگرچہ سراندیپ کے ہاتھی سب سے زیادہ دلیر ہوتے ہیں - مگر خواہ کہیں کے ہوں میدان جنگ میں لیجانے سے پہلے برسوں تک ڈر کھونے کے لیئے اُنکے کانوں کے پاس بندوقیں اور ٹانگوں میں پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں -

"کنچن" جنکو اُسنے بہت کچھ کھلایا تھا- پس اُسکے ہاں جو ہمیشہ رات کو
ان عورتوں کا جمگھٹ ہوتا تھا یہہ اُن میں سے ایک نوخیز عورت پر جو نہایت
حسین اور ناچنے میں مشہور تھی فریفتہ ہوگیا اور ہر چند طرح طرح کی کوششیں
لیکن اُس عورت کی ماں اس خیال سے کہ کم عمری کی وجہ سے اُسکے
حسن وجمال اور تندرستی میں فرق نہ آجاے ایک لحظہ اُسکو اپنی نظر سے
علیحدہ ہونے دیتی تھی اسی حالت میں جبکہ برنارڈ معشوق کے وصال
سے مایوس ہو رہا تھا ایک دن جہانگیر نے جو سرِ دربار اُسکے ایک بے نظیر
علاج کے صلہ میں اُسکو انعام دینا چاہا تو اُسنے عرض کیا امیدوار ہوں کہ حضور
معلی اس انعام سے معاف رکھیں اور بجاے اسکے میری التجا
منظور فرمائیں کہ یہہ نوجوان کنچنی جو ارباب نشاط کے ساتھ سلام کو حاضر ہوئی
ہے مجھے عنایت ہو- تمام دربار اُسکے اس عذر اور ایسی درخواست کے
کرنے سے جو اُسکے عیسائی اور اس کنچنی کے مسلمان ہونے کی وجہ سے
شاید ہی قابل قبول معلوم ہوتی تھی مُسکرایا- لیکن جہانگیر نے جسکو دین اور
مذہب کا کچھ بھی خیال نتھا ایک بڑا قہقہہ مارا اور حکم دیا کہ اس کنچنی کو اسکے
کاندھے پر بٹھادو اور کہو کہ لیجاے- چنانچہ فوراً بھرے دربار میں یہہ اُسکے
کاندھے پر بٹھا دی گئی اور وہ اس انعام کو لیکر خوشی خوشی گھر کو چلتا ہوا-

ہاتھیوں کی لڑائی کے تماشے کا ذکر

جشن کا اختتام ہمیشہ ایک ایسے تماشے پر
ہوتا ہے جس سے یورپ میں کوئی بھی واقف نہیں یعنی ہاتھیوں کی لڑائی
پر جو عام خلقت کے سامنے جمنا کی ریتی میں لڑائے جاتے ہیں اور

بادشاہ اور بیگمات اور تمام اُمرا قلعہ کے جھروکوں میں سے یہہ تماشا دیکھتے ہیں چنانچہ ایک خام دیوار تین یا چار فٹ چوڑی اور پانچ یا چھ فٹ اونچی بنائی جاتی ہے اور اُسکے دونوں جانب سے دو قوی ہیکل ہاتھی جنپر دُو دُو آدمی سوار ہوتے ہیں مقابل کیئے جاتے ہیں دوسرا آدمی اسلیئے ہوتا ہے کہ اگر ہاتھی کی گردن پر سے ایک گر پڑے تو دوسرا انکس سے اُسکو چلائے۔ اور یہہ لوگ کبھی تو اُنکو بڑہاوا دیکر اور کبھی بُرا بھلا کہکر اور پانوؤں سے ہول کر آگے بڑہاتے ہیں یہاں تک کہ یہہ بیچارے جانور دیوار کے پاس پہنچکر ایک دوسرے پر حملہ کرتے اور ایسی ٹکر لگاتے ہیں کہ دیکھکر خوف آتا اور سر اور سونڈ اور دانتوں کے زخموں سے اُن کا زندہ رہنا تعجب معلوم ہوتا ہے۔ یہہ لڑائی اکثر رہ رہ کر ہوتی اور مٹی کی دیوار آخر کار گر جاتی ہے اور زبردست اور دلیر ہاتھی اُسکو پھاند کر حریف پر حملہ کرتا اور اُسکو بھگا دیتا ہے اور ایسا پیچھا دباتا ہے کہ آتشبازی کی "چرخیوں" کے بغیر جو اُنکے بیچ میں چھوڑ دی جاتی ہیں حریف سے الگ نہیں ہوتا کیونکہ یہہ جانور بالطبع ڈرپوک ہے اور خصوصاً آگ سے بہت ڈرتا ہے اور یہی سبب ہے کہ جب سے آتشی ہتھیار لڑائی میں برتے جانے لگے ہیں ہاتھی لڑائی میں بہت کم کار آمد رہ گئے ہیں۔ اور اگرچہ سراندیپ کے ہاتھی سب سے زیادہ دلیر ہوتے ہیں۔ مگر خواہ کہیں کے ہوں میدان جنگ میں لیجانے سے پہلے برسوں تک ڈر کھونے کے لیئے اُنکے کانوں کے پاس بندوقیں اور ٹانگوں میں پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں۔

کا یہہ قول صحیح ہے کہ "جزوی اور خفیف باتوں کو پوشیدہ رکھنا نہیں چاہیئے کیونکہ اکثر اوقات اُن سے ایک قوم کے رسوم و عادات اور ذہن و ذکا کے باب میں صحت کے ساتھ راے قایم کرنے مین بڑی بڑی باتوں کی بہ نسبت زیادہ مدد ملتی ہے" اسلیئے اگرچہ یہہ ایک ہنسی کا قصہ ہے مگر تاہم سُننے کے لایق ہے!

برنارڈ جہانگیر کے اخیر زمانہ میں ایک نامی اور فی الواقع ایک نہایت کامل طبیب اور جرّاح تھا اور بادشاہ اُسپر بہت مہربانی کرتا تھا۔ چنانچہ اکثر اوقات بادشاہ کے ساتھ کھانے پینے میں بھی شریک ہوجاتا تھا اور دونوں حد سے زیادہ شراب پی لیتے تھے اور بادشاہ اور طبیب دونوں ایک ہی طرح کے مزاج کے تھے۔ اور بادشاہ کا یہہ حال تھا کہ شب و روز عیش و نشاط مین مشغول رہتا تھا اور سلطنت کا کام کاج اپنی مشہور و معروف بیگم نورجہاں کو سونپ رکھا تھا جسکی نسبت اُسکا یہہ قول تھا کہ "اُسکی عقل و دانائی سلطنت کے انتظام کے لیئے کافی ہے مجھے دخل دینے کی حاجت نہیں" برنارڈ کی معمولی تنخواہ اگرچہ پچیس[۲۵] روپیہ روز تھی مگر شاہی محلسراہیں اور اُمرا کے ہاں معالجہ کے لیئے جانیکے باعث اور نیز اس سبب سے کہ لوگ صرف اُسکے طبیب ہونیکی وجہ سے بلکہ بادشاہ کے مزاج مین دخل کے سبب سے ایک دوسرے سے بڑھکر اُسکی تواضع کرتے تھے اُسکو بہت کچھہ حاصل ہورہتا تھا مگر وہ روپیہ کی کچھہ بھی قدر نکرتا تھا اور ایک ہاتھ سے لیتا اور دوسرے ہاتھہ سے دیدیتا تھا اور اس لیئے سب لوگ اُسکو عزیز جانتے تھے خصوصاً

اور تال وسم میں بھی درست رہتی ہیں مگر ہیں کسبی ہیں۔

شاہجہاں اِسی پر قناعت نہ کرتا تھا کہ یہہ عورتیں اس میلہ میں آئیں بلکہ بدہ کے روز جو معمول کے موافق دربار میں سلام کو آتی تھیں تو اکثر رات بھر کے لیئے ٹھہرالیتا۔ اور اُن کے ناچنے گانے سے حظ اُٹھاتا تھا لیکن اورنگ زیب باپ سے زیادہ سنجیدہ ہے۔ اور اِسنے اِنکا محل میں آنا بالکل بند کردیا ہے۔ مگر معمول کے موافق چہارشنبہ کو دربار میں حاضر ہونیسے منع نہیں کیا۔ اور صرف دُور سے سلام کرکے رخصت ہوجاتی ہیں۔

اَب چونکہ میں جشن اور مینا بازار اور کنچنیوں کا ذکر کر رہا ہوں تو ایک واقعہ کے بیان کرنیسے باز نہیں رہ سکتا جو برنارڈ نامے ہمارے ایک ہموطن سے تعلق رکھتا ہے (Burnera)۔ اور چونکہ میرے نزدیک بھی پلوٹارک٭

٭ پلوٹارک (Plutarch) قدیم زمانہ کا ایک مشہور مصنف ہے۔ یہہ کرونیا کا رہنے والا تھا جو یونان کے ضلع لوئیا میں ایک شہر ہے۔ اِسکی پیدایش کا زمانہ ٹھیک معلوم نہیں مگر خیال کیا گیا ہے کہ شہنشاہ کلاڈیس رومی کے اخیر زمانہ سلطنت یعنی اڑتالیس ۴۸ سے لیکر ترپن سنہ عیسوی تک کسی سال میں پیدا ہوا تھا یہہ ایک علمی خاندان میں سے تھا۔ اور اسنے ایمونیس حکیم سے فلسفہ کے وہ اُصول سیکھے جو نفس ناطقہ اور قوائے عقلی سے متعلق ہیں اور اسمیں بڑی شہرت حاصل کی علم اخلاق اور علم رجال میں اسکی بہت سی تصنیفات ہیں اور اسکی عمدگی خیالات اور مہارت علمی اور اُس خاص طور کی خوبی کا اثر جو اسکی تمام تحریروں میں پائی جاتی ہے پڑھنیوالوں کی زبان تک محدود نہیں رہتا تھا بلکہ دل تک پہنچتا اور گرویدہ کرلیتا تھا۔ اسکی تصنیفات میں سے جس کتاب نے اِسکو حیات جاویدانی بخشی وہ روم اور یونان کی چھیالیس ۴۶ مشہور ومعروف لوگوں کا تذکرہ ہے جسکے بہت سے ترجمے فرانسیسی انگریزی اور جرمن وغیرہ میں ہوئے ہیں۔ اسکی وفات کا سال بھی معلوم نہیں مگر قیاس کیا گیا ہے کہ شہنشاہ ہیڈرین رومی کے پانچویں سنہ جلوس میں ستتر برس کی عمر میں مرا تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا) (س م ح)

یہہ آپ کے لائق نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ کسی اور جگہہ تلاش کریں - اور بیگمیں بادشاہ سے بھی زیادہ ارزاں خریدنا چاہتی ہیں - غرض کہ دونوں طرف سے ایسی گفتگو بڑھ جاتی ہے کہ ایک جھگڑے کا سوانگ سا معلوم ہوتا ہے مگر آخر کار سودا طے ہو جاتا ہے - اور بادشاہ اور بادشاہ زادیاں اور بیگمیں جو چیزیں اِدھر اُدھر سے خریدتی ہیں - اُنکی قیمت فوراً دیدیتی ہیں اور روپیوں کی اشرفیاں اس طور سے ہاتھ سے ڈال دیتی ہیں کہ گویا دوکاندار یا اُسکی بیٹی کے حسن و جمال نے اُنکو ایسا محو کر دیا ہے کہ روپیوں اور اشرفیوں کی تمیز بھی نہیں رہی اور ویسی ہی بے پروائی سے دوکاندار اُن کو اُٹھا لیتی ہے اور اسی طرح سے یہہ جلسہ دل لگی اور چہل میں ختم ہو جاتا ہے -

شاہجہاں عورتوں کی طرف ذرا زیادہ مائل تھا - اور اگرچہ بعض اُمرا کو ناگوار گزرتا - مگر وہ ہر ایک جشن کے موقع پر یہہ سوانگ کرایا ہی کرتا - اور فی الواقع یہانتک اعتدال سے گزر جاتا تھا کہ اِس موقع پر اُن عورتوں کو بھی محل میں بُلا لیتا اور رات بھر وہیں رکھتا تھا جنکو "کنچنی" کہتے ہیں (جسکے معنی ہیں سونے سے مُلمّع کی ہوئی اور پھول کیطرح کھلی ہوئی) گو یہہ عورتیں بازاری تھیں بلکہ ایک خاص طور کی اور باعزّت ہوتی تھیں جو بیاہ شادی کے موقع پر اُمرا اور منصبداروں کے ہاں صرف ناچنے گانے کے لیئے جاتی تھیں - اِن کنچنیوں میں اگرچہ اکثر صاحب حُسن و جمال ہیں اور لباس و پوشاک بھی عمدہ رکھتی ہیں اور گانے میں بھی اُنکو کمال ہے - اور ناچنے میں تو اپنے اعضا کو اس خوبی سے لچکاتی اور اس سُرعت اور تیزی سے ناچتی ہیں کہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے

گئی تھی نذر کیا - مگر شاہجہاں نے جو جواہرات کے پرکھنے میں سب لوگوں سے
زیادہ مہارت رکھتا تھا اسکی قیمت صرف ساڑھے بارہ سو روپیہ سے بھی
کم تجویز کی جسکو سنکر بڑے بڑے جوہری جنہوں نے اسکے جانچنے میں بالکل
دھوکا کھایا تھا حیران رہگئے۔

مینا بازار کا ذکر

کبھی کبھی ان جشنوں کے وقت محلسرا میں ایک فرضی بازار
بھی لگا کرتا ہے جسمیں اُمرا اور بڑے بڑے منصبداروں کی خوبصورت اور دلرُبا
بیبیاں دوکانیں لگا کر بیٹھتی اور عمدہ کمخواب اور نئی نئی وضع اور عمدہ زردوزی
کام کی چیزیں اور زری کا مندلیں اور سفید باریک کپڑے جو امیرزادیوں
کے استعمال میں آتے ہیں اور اَور بیش قیمت چیزیں فروخت کرنیکو رکھتی
ہیں اور بادشاہ اور اُسکی بیگمیں اور شاہزادیاں اور اَور عالی رتبہ خاتونیں
خریدار بنتی ہیں - اور اگر کسی امیر کی بیٹی خوبصورت اور حسین ہوتی ہے
اُسکی ماں اُسکو ضرور اپنے ساتھ لیجاتی ہے تاکہ بادشاہ کی نظر پڑ جاے
بیگمات سے بھی تعارف ہو جاتے - اس میلہ کا بڑا لطف یہہ ہے کہ
اور مذاق کے طور پر خود بادشاہ ایک ایک پیسہ کے لیئے جھگڑتا
کہتا ہے کہ یہہ بیگم صاحب بہت گراں فروش ہیں دوسری جگہہ
اچھی اور سستی چیز مل سکتی ہے ہم ایک کوڑی بھی زیادہ نہ دینگے
کوشش کرتی ہے کہ اپنا مال زیادہ قیمت کو بیچے اور جب دیکھتی
زیادہ قیمت نہیں لگاتا تو گفتگو میں اکثر ایسی بڑھ جاتی ہے کہ یہہ کہ
کہ آپ اپنی برف بیچنے کی خبر لیں ان چیزوں کی قیمت آپ کیا

اور نہ اسقدر کبھی خرچ ہوا - لوگوں کا خیال ہے کہ بادشاہ کا اس کرّ و فر کے ساتھ جشن کرنے سے یہہ مقصود تھا کہ سوداگروں کو جنکا کمخاب وغیرہ لڑائی کی وجہ سے پانچ سال کے عرصہ سے بکنے میں نہیں آیا تھا کچھ فائدہ ہو جاے اس جشن میں اُمرا کو بہت خرچ پڑا اور آخر کار اُسکا ایک حصہ فوج کے بیچارے سواروں کے سر تھوپا گیا - جن کو اپنے اپنے امیر کے حکم سے مجبوراً قباؤں کے واسطے کمخواب خریدنا پڑا -

اِن سالانہ جشنوں کے موقع پر ایک قدیم دستور ہے جسکو اُمرا بالکل پسند نہیں کرتے یعنی اُن کو ایک عمدہ پیشکش نذر کرنا پڑتا ہے جسکی قیمت بمناسبت اُنکی تنخواہوں کے کم یا زیادہ ہوتی ہے - اور بعض اُمرا نہایت ہی عمدہ عمدہ چیزیں پیش کرتے ہیں - اور یہہ کبھی بغرض نمایش اور کبھی اس مطلب سے کہ بادشاہ اُس دست بُرد کی تحقیق و تفتیش کے حکم دینے سے جو اُنہوں نے اپنے برسر عہدہ ہونے یا صوبہ داری کے زمانہ میں کی تھی باز رہے اور بعض اوقات اُسکے خوش کرنے اور اس طرح اپنی تنخواہ بڑھوا لینے کے لیئے ہوتا ہے - چنانچہ بعض تو عمدہ موتی - اور ہیرے اور زمرد اور یاقوت پیش کرتے ہیں اور بعض سونیکے مرصع برتن - اور بعض بہت سی اشرفیاں جو بارہ روپیہ کی قیمت کی ہوتی ہیں - چنانچہ ایک ایسے ہی جشن کے موقع پر جو اورنگ زیب نے بلحاظ جعفر خاں کے وزیر ہونیکے بلکہ رشتہ داری کی وجہ سے اُس کی نو تعمیر حویلی کے دیکھنے کے حیلہ سے اُسکے ہاں گیا تو اُسنے ڈھائی لاکھ روپیہ کی اشرفیاں اور کچھ عمدہ موتی اور ایک لعل جسکی قیمت ایک لاکھ روپیہ آنکی

اِس عالیشان خیمہ کے باہر کیطرف سُرخ رنگ کا کپڑا تھا اور اندر کی جانب مچھلی پٹن کی نہایت عمدہ چھینٹ تھی جو اسی غرض سے بنائی گئی تھی۔ اور جسکے بیل بوٹے ایسے قدرتی طور کے اور رنگ ایسے تیز اور شاداب تھے کہ ایک تختۂ گلزار معلوم ہوتا تھا۔ اور چونکہ سب امرا کو حکم دیا گیا تھا کہ عام و خاص کی غلام گردش کی ایک ایک محراب کی زیبایش و آرایش وہ اپنے اپنے خرچ سے کریں۔ اسلیئے بادشاہ کی زیادہ تر رضامندی حاصل کرنیکے خیال سے ہر ایک نے دوسرے سے بڑھکر اُسکی زیب و زینت میں کوشش کی جسکا نتیجہ یہہ ہوا کہ تمام در و دیوار سر سے پانوں تک کمخاب اور زربفت میں غرق اور فرش نہایت بیش قیمت قالینوں سے آراستہ و پیراستہ ہوگیا۔

جشن کے تیسرے دن اوّل بادشاہ اور اُسکے بعد اکثر اُمرا بڑی تکلّف کے ساتھ بڑی بڑی ترازووں میں جنکے پلڑے اور بٹّے سونیکے تھے تولے گئے۔ اور مجھے یاد ہے کہ یہہ دیکھکر کہ اورنگ زیب کا وزن سال گزشتہ کی بنسبت ایک سیر زیادہ ہے تمام دربار نے نہایت ہی مسرّت ظاہر کی۔ اس قسم کے جشن ہر سال ہوا کرتے ہیں لیکن اس شان و شوکت کا جشن کبھی نہیں ہوا

گُند شاہ جہان بخشش جوان بخت	خراج عالمی را خرج یک تخت
خداوندی کہ عرش و کرسی افراخت	تواند قدرتش تختے چنین ساخت
اثر تا نیست تا کون و مکاں را	بود بر تخت جا شاہجہاں را
بود تختے چنیں ہر روز جا ئیش	خراج ہفت کشور زیر پا ئیش
چو تاریخش زبان پرسید از دل	بگفت (اورنگ شاہنشاہ عادل)

دیگرے این تاریخ یافتہ ع (سریر ہمایون صاحبقرانی) سنہ ۱۰۴۴ھ (س م ۲)

تھے۔ اور باہر ایک خیمہ جسے "اسپک ※" کہتے ہیں اور جو اس مکان سے بھی بڑا ہے اسکی چھت کے ساتھ ملا کر لگایا ہوا تھا جو صحن کے نصف تک پھیلا ہوا۔ اور چاروں طرف سے چاندی کی پٹیوں سے منڈھے ہوئے کٹہرے سے گھرا ہوا تھا۔ اور چوبیں بھی چاندی سے منڈھی ہوئی تھیں جنمیں سے تین ایسی بلند تھیں جیسے جہاز کا مستول اور باقی چھوٹی تھیں

و زینت بے اندازہ دارد۔ بامر خاقانی این مثنوی حاجی محمد جان قدسی که ختمش بر تاریخ بست به مینا سے بستر درون تخت کتابه نموده اند۔ مثنوی

زہے فرخندہ تخت پادشاہی ‌ که شد ساماں بتائید الہی
فلک روزے که میکردش مکمل ‌ زر خورشید را بگداخت اول
بحکم کار فرما صرف شد پاک ‌ به مینا کاریش مینائے افلاک
جزایں تخت از زر و گوہر چه مقصود ‌ وجود بحر و کاں را حکمت ایں بود
زیاقوتش که در قیمت بہا نیست ‌ لب لعل بتاں را دل بجا نیست
برائے پایہ اش عمر کشیدہ ‌ گہر افسر نبر جا تم بدیدہ
بخرج عالم از زر شد چناں پاک ‌ که شد از گنج خالی کیسه خاک
رساند گر فلک خود را بپایش ‌ دہد خورشید و مہ را رونمایش
سرافرازے که سر بر پایه اش سود ‌ ز گردوں پایه بر تخت افزود
خراج بحر و کاں پیرایه او ‌ پناہ عرش و کرسی سایه او
ز انواع جواہر گشته الواں ‌ چراغ عالمی ہمواره آں
در اطرافش بود گلہائے مینا ‌ فروزاں چوں چراغ از طور سینا
چو میکرد از فرازش کوہی دست ‌ نگین خویشش هم بر پایه اش بست
شب تار از فروغ لعل و گوہر ‌ تواند صد فلک را داد اختر
دہد شاہجہاں را بوسه بر پائے ‌ از آں شد پایه قدرش فلک سائے

※ فارسی میں ایک بڑے خیمہ کو کہتے ہیں۔ غیاث اللغات (س م ح)

تخت کے نیچے کے چبوترے پر جسکے گرد چاندی کا کٹھرا لگا ہوا اور اُوپر زری کی جھالر کا ایک پُر زر وسیع شامیانہ تنا ہوا تھا۔ اُمرا نہایت مکلف پوشاکیں پہنے کھڑے تھے۔ اور مکان کے ستون زربفت سے منڈھے ہوئے اور ریشمی مشجر کے شامیانے جنمیں ریشم اور زری کے پھندنے لگے ہوئے تھے تنے ہوئے اور نہایت عمدہ ریشمی قالین بچھے ہوئے

چہاردہ لک روپیہ قیمت آں تخت بطول سہ گز و ربعے و عرض دو نیم گز و ارتفاع پنج گز کاری نمودہ بجواہر مذکورہ ترصیع نمایند و مقرر شد کہ سقف آں را از درون بیشتر میناکار و لختی مرصع و از بیرون بلعل و یاقوت و جز آں مرصع مغرق ساختہ بزمردین اساطین دوازدہ گانہ برافرازد و بالائے آں دو پیکر طاؤس مکلل بجواہر جواہر و درمیان ہر دو طاؤس درختے مرصع بلعل و الماس و زمرد و الماس و مروارید تعبیہ کنند و برائے عروج سہ پایہ نردبان مرصع بجواہر آبدار ترتیب دہد۔ در مدت ہفت سال ایں تخت عرش مثال بمبلغ صد لک روپیہ کہ سیصد سی و سہ ہزار تومان عراق و چہار کرور خانی رائج اور النہر ست صورت اتمام یافت۔ از جملہ یازدہ تختہ مرصع کہ بر دور آن برائے تکیہ نصب نمودہ اند تختہ میانگی کہ خاقان سلیمان مکان بر آں دست حق پرست گزاشتہ تکیہ زدہ می نشینند دہ لک روپیہ قیمت دارد۔ از جواہر یکہ دریں تختہ نشاندہ اند لعلے ہست در وسط آن بقیمت یک لک روپیہ کہ شاہ عباس والی ایران مصحوب زنبیل بیگ برسم ارمغان نزد حضرت جنت مکانی ارسال داشتہ بود و آن حضرت در جلدوے فتح دکن بسنجا خان ممالک ستان حضرت صاحبقران ثانی بدست علامی افضل خان دکن فرستادہ بودند نخست اسم سامی قطب الملۃ والدین حضرت صاحبقران اول و میرزا شاہرخ و میرزا الغ بیگ بر آں منقوش بود بعد از آنکہ بانقلاب ایام و انقضائے عوام بدست شاہ عباس افتاد او نیز نام خود بر آں مرتسم گردانید۔ چوں بحضرت جنت مکانی رسید نام نامی خود را با نام سامی پدر بزرگوار بر آں نگاشتند اکنوں باسم گرامی پادشاہ ہفت اقلیم شہنشاہ تخت دیہیم آب و تاب تازہ در یافت

لوٹ اور اُن پیشکشوں کے ذریعہ سے جو ہر سال سب اُمرا کو خاص خاص موقعوں پر نذر گزراننے لازم ہیں وقتاً فوقتاً جمع ہو گئے تھے لوگ اُنکو دیکھیں مگر اسکی ساخت اور کاریگری اِن جواہرات کے ہم پایہ نہیں ہے - البتہ دو مور جو موتیوں اور جواہرات سے بالکل ڈھکے ہوئے ہیں بہت ہی خوب اور نہایت عمدہ نقشے پر بنے ہیں اور اِنکو ایک صناع نے جسکی کاریگری اور ہنرمندی حیرت کے لائق تھی اور جو اصل میں فرانس کا رہنے والا تھا - اور جسنے یورپ کے بہت سے رئیسوں کو جھوٹے جواہرات دیدے کر جنکو وہ ایک خاص حکمت سے تیار کرتا تھا خوب لوٹا تھا - اور پھر بھاگ کر شہنشاہ مغل کے ہاں پناہ آن لی تھی اور یہاں بھی خوب دولت کمائی تھی - بنایا تھا - ※

※ ملا عبدالحمید مؤرخ شاہجہانی نے بادشاہ نامہ میں اِس تخت کی جو کیفیت بیان کی ہے دلچسپ سمجھکر ہم اُسکو یہاں بلفظہ نقل کرتے ہیں اور وہ یہہ ہے -

”چون بمرور ایّام وکرور اعوام اقسام جواہر ثمینہ کہ ہر یک شایستہ گوشوارۂ ناہید و کمربند خورشید است در جواہر خانہ والا فراہم آمدہ بود - در آغاز جلوس مقدّس بر ضمیر الہام پذیر منطبع گردید کہ از تحصیل چنین تحف غریبہ و نگاہداشتن این نفایس عجیبہ مطمح نظر دوربین خرد دولت آرای و زینت افزائی امرے دیگر نیست - پس درجاے بکار باید بُرد کہ ہم تماشائیان از حُسن جہان افروز این نتائج بحر و کان بہرہ برگیرند و ہم کارگاہ سلطنت را فروغے تازہ پدید آید - حکم شد کہ سواے جواہر خاصّہ کہ در جواہر خانہ مشکوے مینو مثال مے باشد از قسم لعل و یاقوت و الماس و مروارید قیمتی و زمرد کہ دو صد لک روپیہ قیمت آنست ہرچہ در تحویل خازنان بیرون است از نظر اطہر بگذرانند و جواہر ثمینہ گران سنگ را کہ پنجاہ ہزار مثقال است و مبلغ ہشتاد و شش لک روپیہ بہاے آن شدہ بود انتخاب نمودہ بہ بے بدل خان داروغہ زرگر خانہ حوالہ فرمودند تا بیک لک تولہ طلاے ناب کہ دو صد و پنجاہ ہزار مثقال است و مبلغ

دربار اور تخت طاؤس کا بیان

اَب قبل اسکے کہ میں قلعہ کا بیان ختم کروں آپکو دوبارہ عام وخاص کی طرف متوجہ کرنا اور اُن سالانہ جشنوں اور درباروں کی کیفیت سنانی چاہتا ہوں جو مینے اُسمیں ہوتے دیکھے ہیں خصوصاً وہ بڑا جشن جو لڑائی کے اختتام کے بعد ہوا تھا اور جس سے بڑھکر کوئی تماشا مینے عمر بھر میں کبھی نہیں دیکھا اس روز بادشاہ نہایت ہی عمدہ لباس پہنے دیوان عام وخاص کے صدر میں مرصع تخت پر بیٹھا ہوا نظر آیا اسکی پوشاک نہایت نازک اور پھول دار ریشمی کپڑے کی تھی جسپر بہت ہی عمدہ زری کا کام کڑھا ہوا تھا اور زری کار مندیل سر پر تھی اور بڑے بڑے اور نہایت قیمتی ہیروں کا طُرہ لگا ہوا تھا جسمیں ایک پکھراج ایسا تھا جو لاثانی کہا جا سکتا ہے۔ اور آفتاب کی طرح چمکتا تھا اور بڑے بڑے موتیوں کا کنٹھا گلے میں تھا جو ہندوؤں کی مالا کی طرح پیٹ تک لٹکتا تھا۔
یہہ تخت چھ طلائی پایوں کا ہے جنکو کہتے ہیں کہ بالکل ٹھوس ہیں جنمیں یاقوت اور زمرد اور ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ مگر میں اُنکی تعداد اور قیمت بیان نہیں سکتا۔ کیونکہ کسیکو اسقدر نزدیک جانے کی اجازت نہیں کہ اُن کا شمار اور آب وتاب کا اندازہ کر سکے۔ لیکن یقین کیجئے کہ ہیرے اور جواہرات بہت ہی ہیں۔ اور مجھے خوب یاد ہے کہ اسکی قیمت چار کروڑ روپئے جانچی گئی تھی۔ اور اسکو اورنگ زیب کے باپ شاہجہاں نے اِسلئے بنوایا تھا کہ بیشمار جواہرات جو خزانہ میں قدیم راجاؤں اور پٹھان بادشاہوں کی

برآمدے کے دریا کے رخ بنا ہوا ہے۔ س م ح

کے موافق باہر کے دروازہ تک نہیں لائی جا سکتی تھی بہت دور تک اندر جانیکا اتفاق ہوا مگر میرے سر پر ایک کشمیری شال اس طور سے اُڑھا دی گئی تھی کہ ایک لمبے سکارف (اوڑھنی) کی طرح پانوں تک لٹکتی تھی اور ایک خواجہ سرا ہاتھ پکڑے ہوئے مجھے اِس طرح لیگیا تھا جیسے کوئی اندھے کو لیئے جاتا ہے! اسلیئے آپکو صرف اُسی پر قناعت کرنی چاہیئے جو بعض خواجہ سراؤں سے سُنکر مینے لکھا ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ محلسرا میں بیگمات کے مدارج اور حیثیت اور اُنکی معاش کی مناسبت سے علیحدہ علیحدہ بہت خوبصورت اور بڑے بڑے محل بنے ہوئے ہیں جنکے دروازوں کے سامنے حوض اور سب طرف باغیچے اور دلچسپ روشیں اور سایہ دار آرامگاہیں اور نہریں اور فوّارے اور دن کی گرمی کے بچاؤ کی خاطر عمیق تہ خانے اور رات کو خنکی میں آرام کرنے کے لیئے اونچے اونچے صُفّے اور صحن چبوترے بنے ہوئے ہیں اور ایسے دلکش مکانات ہیں کہ ان میں اِس مُلک کی تکلیف دہ گرمی کو مطلقًا دخل نہیں ہے۔ اور یہہ لوگ ایک چھوٹے سے بُرج کی جو دریا کی طرف ہے حد سے زیادہ تعریف کرتے ہیں جسمیں آگرہ کے دونوں برجوں کی طرح سونے کے ورق چڑھے ہوئے اور لاجوردی کام کیا ہوا اور نہایت عمدہ نقش و نگار بنے ہوئے اور بڑے بڑے آئینے لگے ہوئے ہیں۔ *

* آثار الصنادید میں اس برج کا نام برج طلا یا مثمن برج لکھا ہے اور سر سے پانوں تک سنگ مرمر کا بنا ہے جسمیں سونیکا کام اور پرچین کاری [illegible] اور منبت کاری کی ہوئی ہے جو کلس سمیت باہر سے بھی سنہری ہے اور ہشت پہلو ہونیکے باعث مثمن برج کہلاتا ہے۔ تین ضلعے اس کے خوابگاہ کی عمارت کی طرف ہیں اور پانچ دریا کی جانب اور پانچوں میں سنگ مرمر کی جالیاں لگی ہوئی ہیں اور ایک نشیمن بطور

چونکہ کچھ دن باقی نہیں رہتا اور سامنے کا صحن بھی مختصر ہے اسلیئے امرا کے رسالوں کا ملاحظہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اسوقت کے دربار کی یہہ خاص رسم ہے کہ جن منصبداروں کی چوکی دینے کی باری ہوتی ہے وہ بادشاہ کو نہایت ادب و تعظیم کے ساتھ سلام کرتے ہوئے بڑے قرینے اور ترتیب سے سامنے سے گزر جاتے ہیں۔ جنکے آگے آگے لوگ "قور" ہاتھوں میں لیئے ہوئے چلتے ہیں جو چند خوبصورت نقرئی چیزیں ہیں جو چاندی سے منڈھی ہوئی چھڑیوں کے سروں پر لگائی ہوئی ہوتی ہیں جنمیں سے دو بڑی مچھلی کی شکل کی ہیں اور دو ایک مہیب اور خیالی جانور کی صورت کی جسکو "اژدہا" کہتے ہیں اور کچھ شیر کی شکل کی اور بعض ہاتھ کے پنجہ اور بعض ترازو کی صورت کی اور بہت سی اور بیشمار وضع کی جنکے ایک طرح کے بعید الفہم معنی بتاتے ہیں۔! ان لوگوں میں بہت سے گرز بردار بھی ہوتے ہیں جو قد آور اور وجیہہ دیکھکر بھرتی کئے جاتے ہیں اور جنکا یہہ کام ہے کہ دربار میں بے ترتیبی نہ ہونے دیں اور بادشاہی فرمان اور احکام پہنچائیں اور جو حکم ملے نہایت جلد اسکی تعمیل کریں۔

شاہی محلسرا کا بیان اب میں نہایت خوشی سے آپکو بادشاہی محل سرا کی سیر کراتا ہوں جیسا کہ قلعہ کی اور عمارات کی کرائی ہے۔ لیکن کسی سیاح کو وہاں کی کیفیت چشم دیدہ بیان کرنی ناممکن ہے۔ کیونکہ بادشاہ کے دہلی میں موجود نہ ہونیکے وقت اگرچہ مجھے کئی دفعہ وہاں جانیکا موقع ملا۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ ایک دفعہ ایک بڑی بیگم کے علاج کی ضرورت سے جو شدت مرض کیوجہ سے معمول

شہ نشین کی طرح چار یا پانچ فرانسیسی فٹ کا اونچا ہے جہاں بادشاہ کرسی پر بیٹھکر وزرا سے جو اِدھر اُدھر کھڑے ہوتے ہیں تخلیہ میں اُمرا اور صوبہ داروں کی عرائض سُنتا اور سلطنت کے اہم معاملات پر غور کرتا ہے۔ اور جس طرح صبح کو عام و خاص کے دربار میں حاضر نہ ہونیکے باعث اُمرا پر جرمانہ کیا جاتا ہے یہاں شام کو حاضر نہ ہونے پر سزا ملتی ہے۔ البتہ صرف میرے " آغا " دانشمند خاں ایک ایسے امیر ہیں جنکو اُنکے علم و فضل اور شوق مطالعہ اور سر انجام اُمور ممالک غیر کی وجہ سے معافی حاصل ہے۔ لیکن چہار شنبہ کو جو اُنکی چوکی کا دن ہے اُن کو بھی اَور اُمرا کی طرح حاضر ہونا پڑتا ہے ! یہہ دو وقتہ حاضری کی رسم نہایت پُرانی ہے اور کوئی امیر بھی اس پابندی کی معقول طور پر شکایت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ خود بادشاہ سوائے کسی ضروری یا سخت بیماری کی حالت کے دونو وقت دربار میں آنا اپنا فرض جانتا ہے۔ چنانچہ اورنگ زیب کی پچھلی خطرناک بیماری کی حالت میں بھی دربار کے دونوں مقاموں میں نہیں تو ایک میں تو ضرور لوگ اُسکو اُٹھا کر لے آتے تھے۔ کیونکہ اُسنے اقل درجہ رات دن میں ایک بار لوگوں کو اپنا دیدار دکھانا واجب سمجھا تھا اسلیئے کہ ایسا شدید بیمار تھا کہ اُسکا صرف ایک دن کا دربار میں نہ آنا ہی تمام سلطنت میں فتنہ و فساد کے پھیل جانے اور شہر میں ہڑتال ہو جانے کا باعث ہو سکتا تھا۔

اگرچہ غسل خانہ کے دربار کے موقع پر بادشاہ اُن اُمور میں مصروف رہتا ہے جنکا مینے ابھی ذکر کیا ہے۔ لیکن دربار عام و خاص کے دستور کے موافق یہاں بھی زیادہ تر وہی جانوروں وغیرہ کا ملاحظہ و مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ مگر

کرتا ہے تو مجبوراً اپنے کانوں کو انکی خوشامدی باتیں سُننے کا ویسا ہی عادی بنالیا جیسا کہ اُن کے موسیقی باجوں کے سُننے کا۔ اس موقع پر میں ایک لطیفہ آپکو سناتا ہوں اس سے آپکو یہاں کے لوگوں کا خاصہ طبعی معلوم ہوجائیگا۔ ایک پنڈت جسکی اپنی آقا سے میں نے ہی ملاقات کرائی تھی ایک روز اُسنے اپنے ایک اشلوک میں اوّل تو انکو اُن بڑے بڑے فتحمندوں سے جو دنیا میں شاذ و نادر ہی پیدا ہوئے ہیں زیادہ بتایا۔ اور پھر سیکڑوں مہملات اور واہیات بک کر اپنی کلام کے اخیر میں بڑی سنجیدگی سے یہہ کہا "کہ جب آپ گھوڑے پر سوار ہوکر اپنی سپاہ کے آگے آگے چلتے ہیں تو آپکے قدموں کے نیچے زمین کانپنے لگتی ہے۔ کیونکہ وہ آٹھ ہاتی جو اسکو اپنے سر پر اُٹھائے ہوئے ہیں اس غیر معمولی بوجھ کے اُٹھانے کی تاب نہیں لاسکتے" جسکو سُنکر میں بے اختیار ہنس پڑا اور اپنے "آغا" سے جو میری طرح انکو بھی ہنسی آگئی تھی شوخی کے ساتھ بہت سنجیدہ شکل بناکر کہا کہ آپ ذرا سمجھکر گھوڑے پر سوار ہوا کریں۔ ایسا نہ ہوکہ بھونچال آکر دنیا درہم و برہم ہوجائے جس کے جواب میں اُنہوں نے فوراً یہہ کہا کہ اسیوجہ سے تو میں پالکی میں سوار ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں۔

عام و خاص کے بڑے دالان کی بغل میں ایک خلوت خانہ ہے جسے غسل خانہ* کہتے ہیں۔ یہاں صرف چند ہی شخصوں کو حاضر ہونے کی اجازت ہے۔ اور یہہ وسعت میں اگرچہ عام و خاص کی برابر نہیں ہے مگر نہایت خوبصورت اور وسیع اور روغنی اور سنہری کام کا ہے اور ایک بڑے

* بادشاہ نامہ میں لکھا ہے کہ شاہجہاں بادشاہ کے زمانہ میں قلعہ آگرہ میں محل اور دیوانخانہ کے بیچ میں ایک مکان تھا جس میں بادشاہ غسل کیا کرتا تھا اور خاص خاص لوگ اور وزیر اور بخشی بعض ضروری اور اہم معاملات میں وہاں حاضر ہوکر احکام حاصل کیا کرتے تھے شاہجہاں کے زمانہ میں جو کہ قلعہ دہلی بنا تو اس میں بھی بادشاہ نے اُس مکان کا نام جہاں سلطنت کے بہت مخفی اور اہم معاملات امرا اور وزرا کے مشورہ سے طے کئے جاتے تھے دولتخانہ خاص رکھا لیکن لوگ وہی غسلخانہ ہی کہتے رہے اور وہ اُسی نام سے نامزد رہتا تھا اگرچہ اُس میں بادشاہ نہاتا نہ تھا اور وہ غسل کے کام سے کچھ علاقہ نہ رکھتا تھا۔ سام ح

جو اُن پر واجب ہے غفلت نہیں کرتے۔

جو حالات اس دربار عام وخاص میں گزرتے ہیں اور جنکا میںنے ابھی ذکر کیا ہے۔ اگرچہ وہ سب معقول اور قابل احترام معلوم ہوتے ہیں لیکن جو کمینہ اور مکروہ خوشامدگری اور لجاجت ہمیشہ یہاں دیکھنے میں آتی ہے۔ وہ بھی مجھے آپ پر ظاہر کردینی واجب ہے۔ چنانچہ جب کوئی اچھا لفظ بادشاہ کے مونہہ سے نکلجاتا ہے تو خواہ وہ کیسے ہی خفیف امر کی نسبت کیوں نہ ہو تمام دربار اور بڑے بڑے اُمرا آسمان کیطرف دونوں ہاتھ اُٹھاکر جس طرح کوئی خدا کی رحمت کو لیتا ہے اُس لفظ کو لیکر اور "کرامات کرامات" کہکر عرض کرتے ہیں کہ سبحان اللہ کیا ہی خوب ارشاد ہوا ہے۔ اور حقیقتاً مغلوں میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جسکو یہہ بیت یاد نہ ہو اور وہ اسکو فخریہ طور پر نہ پڑھتا ہو " اگر شہ روز را گوید شب ست این + بباید گفت اینک ماہ پروین " یعنی اگر بادشاہ رات کو دن بتائے تو کہدینا چاہیئے کہ دیکھئے وہ چاند اور ستارے نظر آرہے ہیں۔ اور یہہ خوشامدگری کا عیب کیا ادنے کیا اعلی سب میں موجود ہے مثلاً اگر کسی مغل کو مجھ سے معالجہ کی ضرورت پڑتی ہے تو اپنے معمول کے موافق تمام باتوں سے پہلے مجھکو یہہ کہتا ہے کہ آپ تو اپنے وقت کے ارسطو اور بقراط اور بوعلی سینا ہیں۔ چنانچہ اوّل اوّل تو میںنے اِس حرکت کو روکنا چاہا اور کہا کہ جسقدر آپ میری تعریف کرتے ہیں میں ہرگز اِسکے لائق نہیں ہوں۔ اور مجھکو اُن بزرگوں سے کچھ نسبت نہیں۔ لیکن جب دیکھا کہ میرا انکسار اُنکو اور زیادہ مبالغہ کرنے پر آمادہ

بھی اپنا دل خوش کرتا ہے کہ مردہ بھیڑیں جنکا پیٹ صاف کر کے بھر سی یا جاتا ہے نوجوان اُمرا - منصب دار - گرز بردار - اور اعصا بردار - انپر تلوار سے اپنے کرتب دکھاتے اور ایک ہی ہاتھ میں چو رنگ کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں - لیکن یہہ تمام اُمور دربار کے شروع میں ہوا کرتے ہیں - اور ان کے بعد زیادہ اہم معاملات پیش ہوتے ہیں اور بادشاہ نہایت توجہ کے ساتھ سواروں کو صرف دیکھتا ہی نہیں بلکہ جب سے لڑائی بند ہوئی ہے کوئی سوار یا پیدل ایسا نہیں جسکو بادشاہ نے بچشم خود نہ دیکھا ہو - اور اُس سے اپنی ذاتی واقفیت حاصل نہ کی ہو - چنانچہ اُسنے کسی کی تنخواہ بڑھا دی اور کسیکی کم کر دی اور کسیکو بالکل ہی موقوف کر دیا ہے -

اِس موقع پر مُستغیث جو عرضیاں پیش کرتے ہیں وہ تمام و کمال بادشاہ کے ملاحظہ اور سماعت میں آتی ہیں - اور بادشاہ بذات خود مستغیثوں سے دریافت حال کرتا اور اکثر ستم رسیدہ لوگوں کی فوراً داد دیتا ہے - اور ہفتہ میں ایک دن خلوت میں کامل دو گھنٹے تک ایسے دس غربا کی عرضیاں سُنتا ہے جو مستغیثوں میں سے چُن لیئے جاتے ہیں اور جنکے پیش کرنیکا کام ایک نیک اور دولتمند اور مسن شخص کو سُپرد ہے اور ایک دن عدل و انصاف کی کمرے میں جسکو "عدالت خانہ" کہتے ہیں دو بڑے قاضیوں کے ساتھ بیٹھکر داد رسانی کرتا اور اسمیں کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتا - اور اس سے بخوبی عیاں ہے کہ ایشائی بادشاہ جنکو ہم اہل یورپ جاہل اور ناتراشیدہ خیال کرتے ہیں وہ ہمیشہ ہی اپنی رعایا کی داد دہی اور انصاف رسانی سے

ساتھ رہتے ہیں اور یہہ ہاتی جھوم جھوم کر اور سنبھل سنبھل کر قدم رکھتے ہوی ایسے
معلوم ہوتے ہیں کہ گویا اپنے زرق برق کے ساز و سامان اور اپنی آن بان
پر نازاں ہیں - اور جب تخت کے سامنے پہنچتے ہیں تو مہاوت جو گردن پر
بیٹھا ہوا ہوتا ہے لوہے کی ایک نوکدار چیز چبو کر انکو بڑھاوا دیتا اور زبان
سے کچھ کہتا ہے - اور اُسوقت یہہ جانور گھٹنا ٹیک کر اور سونڈ اوپر کو اُٹھا کر
چنگھاڑتا ہے - جسکو لوگ اُسکی تسلیمات خیال کرتے ہیں - اور اس کے بعد
آور جانور پیش ہوتے ہیں - مثلاً سدھائے ہوئے ہرن جو لڑاے جاتے
ہیں - اور نیل گائیں - اور گینڈے اور بنگالہ کے بڑے بڑے بھینسے -
جنکے سینگ ایسے بڑے ہوتے ہیں کہ اُنسے وہ شیر کے ساتھ لڑ سکتے
ہیں - اور چیتے جنسے ہرن کا شکار کھیلا جاتا ہے - اور ہر قسم کے خوبصورت
شکاری کُتّے جو مُلک اُزبک (بخارا وغیرہ) سے آتے ہیں - اور جن پر سُرخ
رنگ کی جھولیں پڑی ہوئی ہوتی ہیں پیش ہوتے ہیں - اور اخیر میں ہر قسم
کے شکاری پرند جو تیتر - کلنگ اور خرگوش کو پکڑتے ہیں - اور کہتے ہیں کہ ہرن
پر بھی چھوڑے جاتے ہیں - جنپر یہہ نہایت تیزی کے ساتھ جھپٹتے اور پنجے اور
کُندی مار مار کر انکو اندھا کر دیتے ہیں ! اِن جانوروں کے پیش ہونیکے علاوہ
اکثر اوقات ایک دو امیروں کے سوار بھی ملاحظہ کرائے جاتے ہیں - جنکی
پوشاک اسوقت روزمرّہ کے لباس کی بہ نسبت ذرا مکلّف ہوتی ہے - اور
گھوڑوں پر پاکھریں پڑی ہوئی اور انواع و اقسام کے زیور مثلاً ہیکل جھبّے
وغیرہ سے سجائے ہوئے ہوتے ہیں - اور بادشاہ اِس تماشے سے

کے لیئے باریاب ہو سکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اُسکو عام* وخاص کہتے ہیں اور ڈیڑھ یا دو گھنٹے تک لوگوں کا مجرا اور سلام ہوتا رہتا ہے۔ اور اس عرصہ میں کسیقدر خاصے گھوڑے سامنے کیئے جاتے ہیں تاکہ بادشاہ خود ملاحظہ کر سکے کہ وہ کیسے آراستہ و پیراستہ ہیں! اور ان کے بعد ہاتھی آتے ہیں جنکی میلی کھال خوب نہلا دھلا کر سیاہی سے رنگدی جاتی ہے اور دو لال خط سر سے سونڈ کے اخیر تک جہاں دونوں آکر مل جاتے ہیں کھینچ دیئے جاتے ہیں۔ اور زربفت کی جھول ڈالکر چاندی کے دو گھنٹے جو ایک نقرئی زنجیر میں بندھے ہوئے ہوتے ہیں پیٹھ پر سے دونوں طرف لٹکا دیئے جاتے ہیں اور سفید سُرہ گائے کی دُمیں جو بڑی تبت سے آتی اور بیش قیمت ہوتی ہیں لٹکا دی جاتی ہیں جو بڑی بڑی موچھیں سی معلوم ہوتی ہیں اور دو چھوٹے ہاتھی جو وہ بھی خوب سجائے ہوئے ہوتے ہیں۔ خدمتگاروں کیطرح ان بڑے ہاتھیوں کے

---

* خافی خاں اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ چونکہ شاہجہاں سے پہلے بادشاہوں کے عہد میں بار عام کے لیئے کوئی ایسا بڑا مکان موجود نہ تھا جہاں دھوپ اور بارش سے بچاؤ ہو اسلیئے شاہجہاں نے اپنے جلوس کے پہلے سال میں حکم دیا کہ قلعہ آگرہ اور لاہور اور برہانپور میں دربار عام کے لیئے چالیس چالیس ستون کی عالیشان عمارتیں بنائی جائیں۔ اور تیار ہونے پر عام وخاص اُن کا نام رکھا۔ چنانچہ آگرہ کا عام و خاص جب تیار ہو گیا تو ملک الشعرا طالب کلیم نے اُسکی تعریف میں یہہ رباعی کہی۔

رباعی

این تازہ بنا کہ عرش ہمسایۂ اوست + رفعت حرفے ز زینۂ پایۂ اوست
باغیست کہ ہر ستون سبزش بیروست + کاسائش خاص و عام در سایۂ اوست

ہیں اور تخت کے نیچے کے مقام میں چاندی کا جنگلہ لگا ہوا ہے جسمیں تمام امرا اور راجہ اور غیر ملکوں کے سفیر آنکھیں نیچی کیئے ہوے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔ اور تخت سے کسیقدر فاصلہ پر اسی طور سے منصب دار یعنی چھوٹے امرا کھڑے رہتے ہیں۔ اور ان سے جو جگہہ خالی رہتی ہے وہ اور بلکہ تمام صحن سب قسم کے لوگوں اعلی اور ادنی مفلس و غنی سے بھرا رہتا ہے۔ کیونکہ یہی مقام ہے جہاں رعایا کا ہر ایک متنفس اپنی عرض حال

پچی کاری میں یہاں بنایا گیا ہے اور چونکہ اس مرقع کا فرنگستان کے سوا اور کہیں رواج نہیں تھا اس سے یقین پڑتا ہے کہ اس قلعہ کے بنانے میں کوئی نہ کوئی اٹلی کا رہنے والا فرنگی شریک تھا اس طاق کی بغل میں ایک دروازہ ہے اور اندر سے بھی آنے کا راستہ ہے۔ بادشاہ اس تخت پر دربار عام کے دن اجلاس کرتے تھے۔ اس تخت کے آگے ایک تخت سنگ مرمر کا بچھا ہوا ہے اُمرا میں سے جس کسی کو کچھ عرض کرنا ہوتا تھا اُس پر چڑھکر بادشاہ سے عرض کرتا تھا۔ مگر بادشاہ کے بیٹھنے کا تخت اسقدر اونچا ہے کہ اس تخت پر چڑھنے پر بھی آدمی کا صرف گلا تخت تک پہنچتا ہے۔ اس تخت کے آگے ۳ تہ کہنا دالان ہے جو سرسٹھہ ۶۷ گز لمبا اور چوبیس ۲۴ گز چوڑا ہے۔ اور ہر ایک دالان کے نو نو ۹۹ در ہیں۔ اور ان سب کے ستون سنگ سرخ کے ہیں۔ اور ان پر بہت خوبصورت محرابیں بنائی گئیں ہیں۔ اور سفیدی گھونٹ کر سنہری نقاشی کی ہے۔ باہر کے دالان میں بیچ کے در چھوڑ کر سنگ مرمر کا کٹھرا لگایا ہے۔ جس پر بہت خوشنما سنہری کلسیاں تھیں۔ جو اب ایک بھی باقی نہیں یہہ دالان اُمرا اور وزرا اور وکلا کے حسب مرتبہ کھڑے رہنے کا تھا۔ یہہ دربار کا دالان درحقیقت ایک چبوترہ پر بنا ہوا ہے۔ جسکا ایکسو چار گز کا طول اور ساٹھ ۶۰ گز کا عرض ہے اسکے بیچ میں یہہ دالان ہے۔ اور باقی تین ۳ طرف چبوترہ ہے جسکے گرد قد آدم سنگ سرخ کا کٹہرا لگا ہوا ہے۔ جس پر سنہری کلسیاں تھیں

رہے یہہ جگہہ چوبدار۔۔۔ حدی ۲۰۰ ۔۔۔ڑے رہنے کی تھی اور اسکو گلال باڑی

۔۔۔گز چوڑا صحن ہے اور اسکی چاروں طرف

۔۔۔یوان خاص میں جانیکا دروازہ ہے۔ ۔۔۔

میں ایسے مشتاق ہیں کہ فاصلے سے سُنی جائے تو نہایت پیاری لگتی ہے
نقارخانہ ہمیشہ ایک اونچے موقع پر اور بادشاہی محل سے دور رکھا جاتا ہے
تاکہ بادشاہ کو اُسکی آواز سے تکلیف نہ ہو! اس دروازہ کے مقابل جسپر
نقارخانہ ہے صحن سے گزر کر ایک بڑا دالان ہے جسکے ستون اور چھت
سنہری کام کے ہیں - اور بہت اونچی کرسی کا اور بہت ہوادار اور تین طرف
سے کُھلا ہوا ہے - اور اُس دیوار کے وسط میں جو محلسرا سے اسکو جدا کرتی
ہے قدِ آدم سے کچھ اونچا ایک وسیع شہ نشین* بنا ہوا ہے - جہاں ہر روز
بادشاہ دوپہر کے قریب آنکر تخت پر بیٹھتا ہے اور دائیں بائیں شہزادے
کھڑے ہوتے اور خواجہ سرا مورچھل ہلاتے یا بڑے بڑے پنکھے جھلتے
یا اداے خدمات کے لیئے نہایت ادب کے ساتھ دست بستہ کھڑے رہتے

* آثار الصنادید میں اسکو نشیمن ظل الٰہی یا تخت سنگین کر کے لکھا ہے - اور اسکی کیفیت یوں بیان
کی ہے کہ دیوان عام کے مکان کے بیچوں بیچ میں شرقی دیوار سے ملا ہوا سنگ مرمر کا چار گز
کا مربع تخت ہے جسپر چار ستون لگا کر بنگلہ کے طور پر اُسکی چھت بنائی ہے - اور قدِ آدم سے
زائد کرسی دی ہے - اور اس کے پیچھے جو سنگ مرمر کا سات گز لمبا اور ڈھائی گز چوڑا
ایک طاق ہے اسپر ہر قسم کے چرند و پرند کی تصویریں عجب عجب رنگین پتھروں کی بنی ہوئی ہیں
اور ایک آدمی کی تصویر ہے جو دوتارا بجا کر گا رہا ہے - یہہ تصویر ملک اٹلی کے رہنے والے
ارفیوس نامے ایک کلاونت کی ہے جسکی کہانی یوں مشہور ہے کہ وہ علم موسیقی میں اپنا نظیر نہیں رکھتا
تھا - اور ایسا خوش آواز تھا کہ جب گانے بیٹھتا تو چرند پرند اسکی آواز سے مست ہو کر اُسکے
گرد آن بیٹھتے تھے - اور اس کہانی کے موافق اُسی ملک کے رہنے والے رفیل نامے ایک مصور
نے جو اس فن میں بے مثل تھا اپنے خیال سے آرفیوس کے گانے کا ایک مرقع کھینچا تھا -
یہہ مصور ۱۵۲۰ء میں مرا مگر اُسکا یہہ مرقع اٹلی اور اَور فرنگستانی ملکوں میں بہت مروج اور
نہایت مشہور ہے اور ابتک اُسکی نقلیں موجود ہیں - اور یہہ وہی مرقع ہے جو پتھر کی

طور پر بنی ہوئی ہیں کہ ایک محراب میں سے دوسری محراب میں جا سکتے ہیں۔ اور ایک بڑا دروازہ جو اس کے سامنے ہے اُسپر ایک بڑا بالاخانہ بنا ہوا ہے جسکے دروازے اِسکی طرف کو ہیں۔ اور اسوجہ سے کہ اسمیں نفیریاں اور شہنائیں اور نقارے وغیرہ رکھے رہتے ہیں اِس کو نقارخانہ کہتے ہیں۔ جو دن کو اور رات کو اوقات معیّنہ پر اکٹھے بجائی جاتی اور نو وارد اہل فرنگ کے کانوں کو نہایت ہی کریہ معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ دس بارہ نفیریاں اور اسیقدر نقارے ایک ہی دفعہ بجنے لگتے ہیں۔ اِن میں سے بڑی نفیری جسکو "قرنا" کہتے ہیں ۹ فٹ لمبی ہے۔ جسکا نیچے کا موہنہ ایک فرانسیسی فٹ سے کم نہیں ہے۔ اور لوہے یا پیتل کا سب سے چھوٹا نقارہ کم سے کم چھ فٹ قطر کا ہے پس اِسی سے آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ اس نقارخانے سے کسقدر شور و غل پیدا ہوتا ہوگا۔ چنانچہ جب میں اوّل ہی اوّل یہاں آیا تو شور کے مارے میرے کان بھرے ہو گئے۔ لیکن عادت ایسی زبردست چیز ہے کہ اَب رغبت سے سُنتا ہوں خصوصاً رات کیوقت مکان کی چھت پر لیٹے ہوئے جب دُور سے اِسکی آواز سُنائی دیتی ہے تو نہایت بھلی* اور سُریلی معلوم ہوتی ہے۔ اور یہہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ اِن کے بجانے والے بچپن ہی سے موسیقی کی تعلیم پاتے ہیں۔ اور اِن باجوں کی آواز کے اونچا نیچا کرنے اور سُریلی اور لئے دار بنانے

---

* میر حسن نے اپنی بے نظیر مثنوی معروف بدر منیر میں کیا خوب کہا ہے ؎ سہانی وہ نوبت کی دھیمی صدا ❊ کہیں دور سے کان پڑتی تھی آ - س م ح

بیکار ہو جاتا ہے۔ یہہ کپڑا جو صرف چند گھنٹے کام دیتا ہے پچیس^۲۵ یا تیس^۳۰ روپیہ
کی قیمت کا اور کبھی اس سے بھی زیادہ کا جبکہ اُسپر سوئی سے نہایت
خوبصورت زری کا کام کیا گیا ہو ہوتا ہے! یہہ تمام کاریگر علی الصّباح
اپنے اپنے کارخانوں میں حاضر ہو کر دن بھر کام کرتے اور شام کو انپر
اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ اور انہیں دھندوں میں اُنکی زندگی بسر ہوئی
چلی جاتی ہے۔ اور جس حالت میں کوئی پیدا ہوا ہے اُس سے ترقی
کرنے کے لیئے کوئی بھی کوشش نہیں کرتا۔ مثلاً کارچوب اور چکن دوز
اور سوزن کار اپنے بیٹے کو اپنا ہی پیشہ سکھاتا ہے۔ اور سُنار کا بیٹا سُنار
ہی ہوتا ہے۔ اور شہر کا طبیب اپنے فرزند کو علم طب ہی کی تعلیم کرتا ہے
یہاں تک کہ کوئی شخص اپنے پیشہ کے سوا دوسرے پیشہ والہ کے ہاں شادی
نہیں کرتا۔ اور اس رسم کی پابندی مسلمان بھی ایسی ہی سختی سے کرتے
ہیں جیسے کہ ہندو جنکا شاستر یہی حکم دیتا ہے۔ اور اسکے باعث سے بہت سی
خوبصورت لڑکیاں کنواری بیٹھی رہتی ہیں۔ حالانکہ اگر اُن کے والدین پیشہ اور
ذات کا خیال چھوڑ دیں تو اُن کی شادی اچھّی جگہہ ہو سکتی ہے۔

مکان عام وخاص اور نقارخانہ کا ذکر اب ضرور ہے کہ میں عام وخاص کا ذکر کروں
جو اُن مکانات میں سے گزرنیکے بعد ملتا ہے۔ اور فی الواقع بہت عمدہ اور
عالیشان عمارت ہے۔ یہہ ایک بڑا وسیع مربع مکان ہے جس کے
چاروں طرف محرابیں ہیں اور پلیس رائل سے مشابہ ہے۔ اور صرف
اسقدر فرق ہے کہ اسکے اوپر کچھ عمارت نہیں ہے۔ اسکی محرابیں اس

ان دونوں سڑکوں کے سوا دائیں بائیں اور بھی چھوٹی چھوٹی سڑکیں
ہیں۔ جو ان مکانات کی طرف جاتی ہیں جہاں معمول کے موافق اُمرا باری
باری ہفتہ میں ایک رات دن چوکی دیا کرتے ہیں۔ یہہ مکانات جہاں اُمرا
چوکی دیتے ہیں اچھے عمدہ ہیں۔ کیونکہ یہہ لوگ اُنکو اپنے خرچ سے آراستہ
رکھتے ہیں اور یہہ سب بڑے بڑے دیوانخانے ہیں۔ اور اُنکے سامنے
باغیچے ہیں جنمیں چھوٹی چھوٹی نہریں اور حوض اور فوّارے بنے ہوئے
ہیں۔ جس امیر کی نوکری ہوتی ہے اُسکے لیئے کھانا بادشاہی خاصے
میں سے آتا ہے جسکے آنیکے وقت امیر کو ادائے شکر کے لیئے بادشاہی
محل کی طرف رخ کرکے تین دفعہ تسلیمات بجالانا یعنی زمین تک ہاتھ لیجا کر
ماتھے تک لانا ہوتا ہے۔ اِن کے سوا مختلف مقامات میں سرکاری دفتروں
کے لیئے بہت سے دیوانخانے بنے ہوئے اور خیمے لگے ہوئے ہیں
اور اِن میں سے جن بڑے دالانوں میں کاریگر بیٹھتے ہیں وہ مختلف کارخانوں کے
نام سے موسوم ہیں۔ جن میں ایک اُستاکار کے ماتحت کسی میں کارچوب
اور چکن دوز اور زردوز وغیرہ کام کرتے ہیں۔ اور کسی میں سُنار اور
کسی میں مصوّر اور نقاش اور کسی میں روغن ساز اور کسی میں بڑھئی۔
اور خرادی۔ اور کسی میں درزی اور موچی اور کسی میں دارائی اور چوڑیا
اور کمخاب اور باریک ململ بُننے والے جولاہے۔ جو پگڑیاں بُنتے اور
کمر بندھنے کے پھول دار زری کارپٹکے اور زنانے پاجاموں کے لیئے
ایسا نازک اور باریک کپڑا بناتے ہیں جو صرف ایک رات کے استعمال میں

اس نہر کا پانی اوّل محلسرا میں جاتا ہے - اور پھر وہاں سے موقع موقع سب مکانوں میں پہنچتا ہے - اور اسکے بعد قلعہ کی خندق میں جا گرتا ہے اور یہہ دہلی سے پندرہ ۱۵ یا اٹھارہ ۱۸ میل کے فاصلہ پر جمنا میں سے کاٹی جا کر بڑی محنت سے میدان اور پہاڑی سخت زمین پر سے لائی گئی ہے*

قلعہ کے دوسرے دروازہ کا ذکر

قلعہ کے دوسرے دروازہ کے بھی اندر کی طرف ایک لمبی اور خاصی چوڑی سڑک ہے اور اُسکے بھی دونوں جانب ویسے ہی چبوترے ہیں - لیکن محراب دار دالانوں کے عوض دُکانیں بنی ہوئی ہیں - اور سچ پوچھیے تو یہہ ایک بازار ہے جو لداؤ کی چھت کی وجہ سے جسمیں اوپر کیطرف روشنی اور ہوا کے لیئے بڑے بڑے گول روشندان بنے ہوئے ہیں - گرمی اور برسات میں بہت آرام کا ہے -

* صاحب آثار الصنادید نے کتاب مرآت آفتاب نما کے حوالہ سے اس نہر کی بابت یہہ لکھا ہے کہ اوّل اسکو سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے ۶۹۱ھ ہجری مطابق ۱۲۹۱ عیسوی میں پرگنہ خضر آباد میں دریا سے کاٹ کر تیس ۳۰ کوس تک پرگنہ سفیدوں میں جہاں اُسکی شکار گاہ تھی لا کر چھوڑ دیا تھا - پھر کسی بادشاہ کو اسکا خیال نہ رہا اور یہہ بند ہو گئی - ۹۶۹ ہجری مطابق ۱۵۶۱ء میں شہنشاہ اکبر کے عہد میں شہاب الدین احمد خاں صوبہ دار دہلی نے اسکو پھر صاف کرایا اور اپنی جاگیر میں لایا - اور نہر شہاب اسکا نام رکھا - مگر ایک مدّت بعد پھر بند ہو گئی اور ۱۰۴۸ھ ہجری مطابق ۱۶۳۸ء میں شاہجہاں کے حکم سے سفیدوں تک پھر صاف کی گئی اور وہاں سے آگے شاہجہاں آباد تک نئی کھودی گئی - اور جب قلعہ بن چکا تو قلعہ اور شہر میں جاری ہوئی ایک عرصہ بعد اس کا پھر وہی حال ہو گیا تھا جو تخمیناً ۱۸۲۰ء مطابق ۱۲۳۶ ہجری میں سرکار عالیہ انگریزی نے اسکو پھر جاری کیا - اور آجتک یعنی جولائی ۱۸۸۵ء مطابق ماہ شوال ۱۳۰۲ ہجری نہایت خوبی اور صفائی سے جاری اور نہر جمن شرقی کے نام سے معروف ہے - س م ح

ملک پر قربان کر ڈالی - اور یہہ انکی اس بیمثل جانبازی ہی کی وجہ سے تو ہے
کہ اُن کے دشمنوں نے بھی یادگار کے طور پر انکی مورتوں کا قائم رکھنا مناسب
خیال کیا - یہہ ہاتھی جنپر یہہ دونوں بہادر سوار ہیں بڑے شان و شکوہ کے ہیں
اور انکو دیکھکر رعب اور ادب کا ایک ایسا خیال مجھپر چھا گیا جسکو میں بیان نہیں کرسکتا*
اِس دروازہ سے قلعہ میں داخل ہوکر ایک لمبا اور وسیع راستہ ملتا ہی جسکے
بیچوں بیچ پانی کی ایک نہر جاری ہے اور دونوں جانب پانچ یا چھہ فرانسیسی فٹ
اونچا اور چار فٹ چوڑا اُس طرح کا چبوترہ بنا ہوا ہے جیسا کہ پیرس کا پونٹ نی آف
ہے - جسکو چھوڑکر دونوں طرف اخیر تک برابر برابر محراب دار دالان بنتے چلے
گئے ہیں - جنہیں مختلف کارخانوں کے داروغے اور اَور کم درجے کے عہدہ دار
بغیر اسکے کہ گھوڑے اور آدمی جو نیچے آتے جاتے ہیں اُن سے انکو کچھہ تکلیف
پہنچے بیٹھے ہوئے اپنا اپنا کام کیا کرتے ہیں اور منصب دار جو رات کو چوکی دینے
آتے ہیں وہ بھی اسی چبوترہ پر ٹھہرتے ہیں -

---

* مآثر عالمگیری میں لکھا ہے کہ اورنگ زیب نے اپنی گیارھویں سال جلوس مطابق ۱۰۷۹ھ ایکہزار اناسی ہجری میں
پتھر کے دو پوری قد کے ہاتھی جو نہایت عمدہ صنعت سے بنی ہوئے اور دروازہ قلعہ کے دونوں جانب نصب تھی
اور اسیوجہ سے اُس دروازہ کو ہتھیا پول کہتے تھی شریعت کے لحاظ سے اُٹھوا دیئے تھے - نعمت خان عالی نے اپنی مشہور
کتاب وقایع میں انی رائی نامے صیغہ حساب تنخواہ کے ایک عہدہ دار کی ہجو میں پھبتی کے طور پر جو یہہ شعر لکھا ہے
"آن صورت مہاوت فیلان ہتھیا پول + امارچہ فیل بند حساب و کتاب کرد" اس سے بھی اِن ہاتھیوں اور
ہتھیا پول کا وجود ثابت ہوتا ہی - اگرچہ یہہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ہتھیا پول قلعہ شاہجہان آباد کی کون سے
دروازہ کا نام تھا - صاحب آثار الصنادید نے اِن ہاتھیوں کو نقار خانہ کے دروازہ کی آگے بتایا ہی
اور لکھا ہے کہ اس دروازہ کو اسی سبب سی ہتھیا پول کہتی تھی - پس صحیح بات وہی ہے جو ڈاکٹر برنیر
اور صاحب مآثر عالمگیری نے اپنی آنکھوں دیکھی ہوئی لکھی ہے - س م ح

کوشش کرنے کی جگہہ صرف یہہ فکر رہتا ہے کہ کہیں جلدی پیچھا چھوٹ جائے اور بقدر مزدوری ملجاسے جسمیں اوقات بسر ہوجاسے - اس سبب سے صرف وہ ہی کاریگر اپنے فن میں کسیقدر کمال پیدا کرتے ہیں جو بادشاہ یا کسی صاحب اقتدار امیر کے نوکر ہیں - اور صرف اپنے آقا کیلیے کام تیار کرتے ہیں

قلعہ کے اندر کے مکانات کا ذکر

قلعہ میں محلسرا سے شاہی اور اور محل ہیں* لیکن انکو یہہ خیال کرنا چاہیئے کہ وہ ایسے ویسے ہی ہیں جیسے کہ لوآئریا اسکیوریل ہیں - بلکہ ان کی کوئی چیز بھی فرنگستان کی عمارت کے مشابہ نہیں ہے - اور جیسا کہ مینے ابھی بیان کیا ہے مشابہ ہونا چاہیئے بھی نہیں کیونکہ انکے لیئے اس ملک کی آب وہوا کے موافق عمدہ اور شان دار ہونا ہی کافی ہے

دروازہ قلعہ معروف ہتھیا پول کا ذکر

قلعہ کے دروازہ کی عمارت میں کوئی قابل الذکر چیز نہیں ہے بجز اسکے کہ پتھر کر دو بڑے ہاتھی بناکر دونوں جانب کھڑے کیئے ہوئے ہیں جنمیں سے ایک پر چتوڑ کے مشہور و معروف راجہ جیمل کی مورت ہے - اور دوسرے پر اسکے بھائی فتا کی جو دونوں بڑے بہادر اور شجاع شخص تھے - اور جنکی ماں اُن سے بھی زیادہ دل چلی تھی اور جو شہنشاہ اکبر سے ایسے لڑے تھے کہ ابدالآباد تک انکا نام رہیگا - اس عظیم الشان بادشاہ نے جب ان کے شہر کو انکر گھیر لیا تو یہہ بڑے ہی استقلال کے ساتھ اس سے مقابل ہوئے - اور بجائے اسکے کہ اپنے دشمن کی جسکو اپنے زور اور قوت پر بڑا گھمنڈ تھا اطاعت قبول کریں اپنی اور اپنی ماں کی جان اپنے

* یہہ بادشاہی محل ہیں جسمیں سے پہلا فرانس میں اور دوسرا اسپین میں ہے - مترجم

دیکھکر میں اکثر حیرت میں آگیا ہوں - جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی بڑی مہموں کی ایک شبیہ جو ایک مشہور اور نامی مصوّر نے ایک ڈھال پر سات برس کے عرصہ میں تیّار کی تھی اُسنے تو بالتخصیص مجھکو حیران کر دیا اور مینے اسکو ایک عجیب کام خیال کیا - مگر ہندوستانی مصوّر اکثر تصویر میں تناسب اعضا اور اُن حالتوں کے ظاہر کرنے میں جو مختلف اوقات میں انسان کے چہرہ پر نمایاں ہوا کرتی ہیں کچّے ہیں - لیکن اگر ان کو ایک اچھّا اوستاد اس فن کے اصُول کی تعلیم دے تو یہہ عیوب جلد رفع ہو سکتے ہیں - اور اس سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کے اس دار السلطنت شہر میں دستکاری اور ہنر مندی کے اعلی قسم کے نمونوں کا پایا نہ جانا لوگوں کی کُند ذہنی اور ناقابلیت کی وجہ سے نہیں ہے اور اگر کاریگروں اور کارخانداروں کو کچھ ہمّت دلائی جائے تو بیشک مفید اور عمدہ صنعتوں اور حرفوں کو ترقی ہو سکتی ہے - لیکن اِن بیچاروں کو واجبی اُجرت بھی نہیں ملتی - بلکہ اِن کے ساتھ سختی برتی جاتی ہے - اور دولتمند لوگ ہر ایک چیز ارزان قیمت پر لینی چاہتے ہیں - اور جب کبھی کسی امیر یا منصب دار کو کسی کاریگر کی ضرورت ہوتی ہے تو بازار سے بلوا لیتا ہے - اور بشرط ضرورت بیچارے سے جبرًا کام لیتا ہے - اور چیز کے تیار ہو جانے پر اُسکی خوبی کے لحاظ سے نہیں بلکہ صرف اپنی اٹکل سے جو قیمت چاہتا ہے دیدیتا ہے - اور کاریگر کوڑوں کی مار سے بچ جانے ہی کو غنیمت سمجھتا ہے - پس اس حالت میں کیونکر ممکن ہے کہ کاریگر اور کارخاندار لوگ ایک دوسرے سے بڑھکر ہنر دِکھانے میں سعی کریں - بلکہ اُن کو تو شہرت اور ناموری پیدا کرنیکے لیئے

لوگ ان امراض کے شفا کی یہاں آتے ہیں جیساکہ خود میرا حال تھا وہ بہت جلد بالکل اچھے ہو جاتے ہیں۔ اور اعضائے تناسل کی بیماریاں بھی جو اس ملک میں بکثرت ہیں اور ملکوں کی سی نہ تو سخت ہی ہوتی ہیں اور نہ ویسے بُرے نتیجے ہی پیدا کرتی ہیں۔ البتہ اس ملک کے لوگ اگرچہ اکثر تندرست رہتے ہیں لیکن تاہم ویسی ہمّت اور جرأت نہیں رکھتے جیسے کہ ہمارے سرد ملک کے لوگوں میں ہے۔ اور جسم اور طبیعت کی کمزوری اور کاہلی جو ملک کی نہایت درجہ کی گرمی کا نتیجہ ہے ایک ایسی بیماری سمجھنی چاہیئے جسمیں ہر ایک شخص مبتلا ہے۔ اور جو فرنگستان کے لوگوں پر جو گرمی کی برداشت کے عادی نہیں ہیں خصوصیت کے ساتھ اثر کرتی ہے۔

دہلی میں ہنرمند کاریگروں کے کارخانے بالکل نہیں ہیں مگر اسکا سبب یہہ نہیں کہ ہندوستانی لوگ صنّاعی اور کاریگری کی لیاقت نہیں رکھتے۔ کیونکہ ہندوستان کے ہر ایک حصّہ میں بہت سے ہوشیار اور ذہین لوگ پائے جاتے ہیں اور بیشمار خوبصورت چیزیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ جنکو لوگ بغیر کلوں کے بناتے ہیں۔ اور جنہوں نے شاید کسی اُستاد سے بھی تعلیم نہیں پائی ہوتی۔ اور بعض اوقات تو یہہ لوگ یورپ کی چیزوں کی ایسے کامل طور سے تقلید کرتے ہیں کہ اصل اور نقل میں فرق کرنا دشوار ہوتا ہے۔ چنانچہ منجملہ اس قسم کی اور اشیا کے نہایت عمدہ شکاری اور جنگی بندوقیں ہیں۔ اور سونیکے زیور تو ایسے عمدہ بناتے ہیں کہ کوئی یورپین سُنار اُن سے بڑھکر شاید ہی بنا سکے۔

مُصوّری اور نقاشی کا بھی ایسا نازک اور باریک کام تیار کرتے ہیں کہ جسے

بناتے ہیں مگر اسکے بکنے کی بھی سخت ممانعت ہے اور سوائے عیسائی مذہب کے لوگوں کے علانیہ کوئی شخص نہیں پی سکتا۔ مگر یہہ عرق ویساہی تند و تیز ہے جیساکہ یولینڈ کے ملک میں اناج سے بناتے ہیں اور اگر اسکا تھوڑا سا بھی زیادہ استعمال کیا جاوے تو لاعلاج اعصابی امراض اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ پس عقلمند آدمی یہاں یا تو صرف خالص پانی پینے کی عادت رکھیگا یا نہایت عمدہ نیمبو کے شربت کی۔ جو تھوڑی سی قیمت میں میسر آجاتا ہے۔ اور کچھہ ضرر نہیں کرتا۔ اصل یہہ ہے کہ اِس گرم ملک میں بہت ہی کم لوگوں کو شراب کی زیادہ خواہش ہوتی ہے۔ اور کچھہ شبہہ نہیں کہ یہہ اپنی شراب نہ پینے کی عادت اور پسینہ کے بکثرت آتے رہنے کی وجہ سے بہت سی بیماریوں مثلاً نقرس سنگ مثانہ اور امراض گردہ اور زکام نزلہ اور چھوٹے چھوٹے تپ کو جانتے بھی نہیں۔ اور جو

رومیوں کو پہلے پہل شہنشاہ آگسٹس کے زمانہ میں ان کی خبر ہوئی۔ پلوٹارک اور بطلیموس نے بھی اپنے جغرافیوں میں چند سرسبز جزیروں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن وہ ایسا ناکمل ہے کہ صاف نہیں معلوم ہوتا کہ وہ جزائر سے ذی راس کا ذکر ہے یا کناری کا۔ یہہ سب کے سب بالفعل شاہ سپین کے قبضہ میں ہیں۔ اور لوگوں کی بلند قامتی کے لیئے مشہور ہیں۔ آب و ہوا عموماً خوشگوار اور خشک اور صحت بخش ہے! اپریل سے اکتوبر تک شمالی یا شمالی مشرقی ہوا چلتی رہتی ہے اور مشرقی ہوا کے ساتھہ گہرٹہ نی شروع ہو جاتی ہے۔ مگر جاڑے کے موسم میں کبھی کبھی جنوبی مشرقی بھی ہوا چلتی ہے۔ جو بر اعظم افریقہ کی طرف سے آتی اور گرم ہوتی ہے۔ اور اس سبب سے بہت خرابیاں پھیلاتی ہیں۔ اور بعض اوقات اسکے ساتھہ ٹڈی بھی آتی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ۱۸۱۲ء میں اسقدر ٹڈی آئی تھی کہ زمین پر چار چار فٹ تہ جم گئی تھی۔ انگور یہاں کثرت سے ہوتا ہے۔ اور سب سے بہتر شراب گوشہ شمال مغرب کے ساحل پر بنائی جاتی ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا) س م ح

بناتے ہیں مگر اسکے بکنے کی بھی سخت ممانعت ہے اور سوائے عیسائی مذہب کے لوگوں کے علانیہ کوئی شخص نہیں پی سکتا۔ مگر یہہ عرق ویسا ہی تند و تیز ہے جیسا کہ پولینڈ کے مُلک میں اناج سے بناتے ہیں اور اگر اسکا تھوڑا سا بھی زیادہ استعمال کیا جاسے تو لا علاج اعصابی امراض اُس سے پیدا ہوتے ہیں۔ پس عقلمند آدمی یہاں یا تو صرف خالص پانی پینے کی عادت رکھیگا یا نہایت عمدہ نیبو کے شربت کی۔ جو تھوڑی سی قیمت میں میسّر آجاتا ہے۔ اور کچھ ضرر نہیں کرتا۔ اصل یہہ ہے کہ اِس گرم مُلک میں بہت ہی کم لوگوں کو شراب کی زیادہ خواہش ہوتی ہے۔ اور کُچھ شبہ نہیں کہ یہہ اپنی شراب نہ پینے کی عادت اور پسینہ کے بکثرت آتے رہنے کی وجہ سے بہت سی بیماریوں مثلاً نقرس سنگ مثانہ اور امراض گُردہ اور زکام نزلہ اور چھوٹے بچھوٹے تپ کو جانتے بھی نہیں۔ اور جو

رومیوں کو پہلے پہل شہنشاہ اگستس کے زمانہ میں اِن کی خبر ہوئی۔ پلوٹارک اور بطلیموس نے بھی اپنے جغرافیوں میں چند سرسبز جزیروں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن وہ ایسا نامکمّل ہے کہ صاف نہیں معلوم ہوتا کہ وہ جزائر سے ڈی راس کا ذکر ہے یا کناری کا۔ یہہ سب کے سب بالفعل شاہ سپین کے قبضہ میں ہیں۔ اور لوگوں کی بلند قامتی کے لیئے مشہور ہیں۔ آب و ہوا عموماً خوشگوار اور خشک اور صحت بخش ہے! اپریل سے اکتوبر تک شمالی یا شمالی مشرقی ہوا چلتی رہتی ہے اور مشرقی ہوا کے ساتھ گُہر پڑنی شروع ہو جاتی ہے۔ مگر جاڑے کے موسم میں کبھی کبھی جنوبی مشرقی بھی ہوا چلتی ہے۔ جو برِّ اعظم افریقہ کی طرف سے آتی اور گرم ہوتی ہے۔ اور اس سبب سے بہت خرابیاں پھیلتی ہیں۔ اور بعض اوقات اسکے ساتھ ٹڈی بھی آتی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ۱۸۱۲ء میں اسقدر ٹڈی آئی تھی کہ زمین پر چار چار فٹ تہ چڑھ گئی تھی۔ انگور یہاں کثرت سے ہوتا ہے۔ اور سب سے بہتر شراب گوشۂ شمال مغرب کے ساحل پر بنائی جاتی ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا) س م ح

سلطنت مغلیہ میں اگر کبھی عمدہ شراب ملتی ہے تو وہ شیراز یا جزائر کناری* کی ہوتی ہے - چنانچہ شراب شیرازی تو ایران سے خشکی کی راہ سے بندر عباس میں پہنچکر بذریعہ جہاز سورت میں آتی ہے - جہاں سے چھیالیس[۴۶] دن کے عرصہ میں دہلی میں پہنچ جاتی ہے - اور جزائر کناری سے ڈچ لوگ سورت میں لاتے ہیں - لیکن یہہ دونوں قسم کی شرابیں اسقدر گراں قیمت ہیں کہ بقول اس ملک کے لوگوں کے اِن کی قیمت اِن کے مزہ کو بے لطف کر دیتی ہے - چنانچہ ایک بڑا شیشہ جو تین انگریزی بوتلوں کے برابر ہوتا ہے - پندرہ[۱۵] یا سولہ[۱۶] روپیہ سے کم کو ہرگز نہیں آتا - اور جو شراب خاص اس ملک میں بنتی ہے اور جسکو یہاں "عرق" کہتے ہیں ایک قسم کی تیز اور تند شراب ہے - جو گڑ سے بھبکے میں کھینچکر

× یہہ چھوٹے بڑے سات جزیرے ہیں جو شمالی حصہ بحر اٹلانٹک میں واقع ہیں ان کا عرض شمالی ستائیس[۲۷] سے لیکر چالیس[۴۰] اور اٹھائیس[۲۸] سے لیکر تیس[۳۰] تک اور طول غربی نصف النہار لندن سے تیرہ[۱۳] سے تیس[۳۰] اور اٹھارہ[۱۸] سے لیکر بیس[۲۰] تک ہی - ان کا رقبہ بحساب انگریزی میل مربع اور آبادی موافق شمار ۱۸۳۵ء حسب ذیل ہے

		آبادی	رقبہ
(۱) جزیرہ ٹے ناریف	Teneriffe	پچاسی ہزار (۸۵۰۰۰)	۸۷۷ر۷
(۲) " کناری کلاں	Grand Canary	اڑسٹھ ہزار (۶۸۰۰۰)	۷۵۸ر۳
(۳) " پالاما	Palama	تینتیس ہزار (۳۳۰۰۰)	۷۱۸ر۵
(۴) " لین زے روٹ	Lanzarote	سترہ ہزار چار سو (۱۷۴۰۰)	۳۲۳ر۵
(۵) " فیورٹی وین ٹورا	Fuerteventura	تیرہ ہزار آٹھ سو (۱۳۸۰۰)	۳۲۶ر۱
(۶) " گومے را	Gomera	گیارہ ہزار سات سو (۱۱۷۰۰)	۱۶۹ر۷
(۷) " ای رو	Hieus	چار ہزار چار سو (۴۴۰۰)	۸۲ر۳

ان میں سے پانچواں جزیرہ ساحل افریقہ کے سب سے زیادہ قریب ہی - اور فاصلہ صرف پچاس[۵۰] اور ستر[۷۰] میل کے اندر ہی - ان کے سوا اور بھی بہت کچھ چھوٹے چھوٹے جزیرے ہیں - جو اکثر غیر آباد ہیں!

بائک اور کارپ کی شکل کی ہوئی ہیں۔ مگر جاڑوں میں ماہی گیر بہ مچھلی کم پکڑتے ہیں کیونکہ اس مُلک کے لوگ سردی سے اس سے بھی زیادہ ڈرتے ہیں جتنا کہ اہل فرنگ گرمی سے خوف کرتے ہیں۔ اور اس موسم میں اگر اتفاق سے کوئی مچھلی آجاتی ہے تو خواجہ سرا اُسکو فوراً خرید لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ بالتخصیص اسکے شائق ہیں اور مجھے معلُوم نہیں کہ اس کا سبب کیا ہے۔ مگر اُمرا کوڑے کے زور سے جو ہمیشہ اُن کے دروازہ پر لٹکتا رہتا ہے انکو ہر ایک موسم میں مچھلی پکڑنیکو بھیجتے ہیں۔!

اب میرا یہہ بیان سُنکر آپ غور فرما سکتے ہیں۔ کہ کیا کوئی خوش خور شخص پیرس کو چھوڑ کر دہلی کی سیر کو خوشی سے آئیگا۔؟ بلبشک امیروں اور دولتمند لوگوں کو ہر ایک شے میسّر ہے لیکن یہہ صرف اُن کے ملازموں کی کثرت اور کوڑے اور روپیہ کے باعث سے ہے۔! دہلی میں متوسط الحال شخص کوئی نہیں ہے اور یا تو بڑے بڑے عالی رتبہ لوگ ہیں یا ایسے ہیں جنکی زندگی مصیبت سے بسر ہوتی ہے۔ چنانچہ باوجود اسکے کہ میری تنخواہ بھی معقول ہے۔ اور میں خرچ بھی کرتا ہوں۔ لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حسب دلخواہ کھانا نہیں ملتا۔ وجہ یہہ کہ بازار میں اچھّی چیز نہیں ملتی۔ اور اکثر وہی چیزیں ملتی ہیں۔ جنکو اُمرا نے ناپسند کرکے چھوڑ دیا ہو! شراب جو فرنگستان میں کھانیکا بڑا جزو سمجھی جاتی ہے دہلی کی کسی دکان میں نہیں ملتی۔ اور اگرچہ ولیسی انگور کی بن سکتی ہے لیکن شرع اسلام اور شاستر کی رو سے برابر ممنوع ہے۔ چنانچہ احمد آباد اور گول کنڈہ میں بعض ڈچ اور انگریزوں کے گھروں میں میں نے پی ہے جو بد مزہ نہ تھی اور

یا گوشت اچھا نہ ملا ہو۔ چنانچہ میں خاص بادشاہی باورچیخانہ کے داروغہ کے
پاس قلعہ میں اپنا نوکر بھیجدیتا ہوں اور وہ خوشی سے عمدہ کھانا دیدیتے ہیں۔
جسپر انکی لاگت اگرچہ کم لگی ہوتی ہے۔ مگر میں برضامندی ایک اچھی قیمت
دیدیتا ہوں۔ چنانچہ میرا "آغا" مجھے یہہ سنکر بہت ہنسا کہ میں برسوں سے چوری
اور چالاکی سے اپنا گزارہ کرتا ہوں۔ ورنہ پونے چار سو روپیہ میں جو مجھے انکی
سرکار سے ملتے ہیں فاقوں کے مارے مرجاتا حالانکہ فرانس میں صرف آٹھ آنہ
روز میں ایک بادشاہ کا سا کھانا کھا سکتا ہوں۔

خصّی مرغ دہلی میں بالکل نہیں دکھائی دیتا۔ کیونکہ اس ملک کے لوگ
جانوروں پر عموماً رحم کرتے ہیں۔ اگرچہ انسانوں پر رحم نہیں کرتے۔ جنکو محلسرا
کے کام کے لئے خوجہ بناتے ہیں۔ لیکن پرند جانور کثرت سے بازار میں بکتے
ہیں اور اچھے اور سستے بھی ہیں۔ چنانچہ ایک چھوٹی قسم کی مرغی جسکا چمڑہ سیاہ
ہوتا ہے۔ اور جسکا نام مینے "حبشی" رکھا ہے وہ بھی بکتی ہے۔ کبوتر بھی
ملتے ہیں مگر بچے نہیں ملتے۔ کیونکہ ہندوستان کے لوگ بچوں کا مار ڈالنا بیرحمی
کا کام سمجھتے ہیں۔ تیتر بھی ملتے ہیں۔ مگر ہمارے ملک کے تیتر سے چھوٹے
ہوتے ہیں۔ اور اس سبب سے کہ جال سے پکڑ کر دور سے زندہ لاتے ہیں ایسے
اچھے نہیں ہوتے جیسے کہ اور پرند ہوتے ہیں بھی کیفیت مرغابیوں اور خرگوشوں
کی ہے جو زندہ پکڑے جاکر پنجرے کے پنجرے بھرے ہوئے شہر میں آتے
ہیں۔ دہلی کی نواح کے ماہی گیر اپنے پیشہ میں ہوشیار نہیں ہیں لیکن بعض
اوقات اچھی مچھلی بکتی ہے۔ خصوصاً "سنگھاڑا" اور "روہو" جو اپنے انکی

ہوئی البتہ جو روٹی قلعہ میں بکتی ہے وہ کسیقدر اچھی ہوتی ہے اور امراتو اپنے گھر پر ہی تیار کرا لیتے ہیں - اور اسوجہ سے نہایت عمدہ ہوتی ہے اور اسمیں دودھ مکھن اور انڈا خوب ڈالا جاتا ہے - اور اگرچہ خوب پھول جاتی ہے - مگر مزا جلی ہوئی کا سا ہوتا ہے - اور زیادہ تر کیک جیسی ہوتی ہے اور پیرس کی " گاتس " اور اور روٹیوں کو ہرگز نہیں پہنچتی - اگرچہ بازار میں کئی قسم کے کباب اور قلیہ وغیرہ بکتا ہے - لیکن اسکا کچھ اعتبار نہیں کہ کس جانور کا گوشت ہے - کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ کبھی کبھی اونٹ یا گھوڑے یا قریب المرگ بیل کا گوشت بھی ہوتا ہے - غرض کوئی کھانا جو گھر میں تیار نہ ہوا ہو عین صحت نہیں ہے - ! دہلی کے ہر گلی کوچے میں گوشت بکتا ہے - لیکن بکری کے گوشت کی جگہہ دھوکے سے بھیڑ کا گوشت بھی دیدیتے ہیں - پس اس فریب سے بچنے کے لیئے ہوشیار رہنا چاہیئے - کیونکہ بیل کا گوشت اور خاص کر بھیڑ کا اگرچہ مزہ میں بُرا نہیں ہوتا - لیکن گرم ذرا زیادہ ہوتا ہے - اور نفاخ اور دیر ہضم بھی ہے - ! حلوان کا گوشت سب سے عمدہ ہوتا ہے - مگر چونکہ بازار میں شاذ و نادر ہی ملتا ہے - اسلیئے زندہ جانور خریدنا پڑتا ہے - لیکن اسمیں یہہ بڑی دقت ہے کہ اس مُلک میں صبح کا گوشت شام تک نہیں ٹھہرتا - دوسرے یہہ کہ جانور دُبلے ملتے ہیں - اور اسوجہ سے گوشت بے مزہ ہوتا ہی - اور قصائیوں کی دُکانوں میں دُبلی بکریوں کا گوشت ملتا ہے جو اکثر سخت ہوتا ہے - مگر خاص مجھکو اس امر کی شکایت نا بیجا ہے - کیونکہ جب سے کہ میں ان لوگوں کے رویہ سے واقف ہوگیا ہوں ایسا کم اتفاق ہوا ہے کہ مجھکو روٹی

مجھے یاد ہے کہ میرے "آغا" کے ہاں اکثر صبح کے کھانے موقع پر ہی پچاس روپیہ کا میوہ صرف میں آتا تھا۔

گرمی کے موسم میں دیسی خربوزہ بہت سستا ہوتا ہے۔لیکن زیادہ لذیذ نہیں ہوتا۔ اور بجز اسکے کہ ایران سے بیج منگوا کر ایک اچھی اور کمائی ہوئی زمین میں بویا جاے جیسا کہ اُمرا اکثر کرتے ہیں عُمدہ مُیسّر نہیں آتا۔ مگر پھر بھی اچھّا اور عمدہ خربوزہ کمیاب ہے۔کیونکہ یہاں کی زمین موافق نہیں ہے۔ اور ایک سال کے بعد یہہ تخم بھی بگڑ جاتا ہے۔

گرمی کے موسم میں آم دو مہینے تک رہتے ہیں اور بہت کثرت سے اور سستے ملتے ہیں۔لیکن دہلی میں جو آم پیدا ہوتا ہے وہ نہ تو کچھ اچھّا ہی ہے اور نہ کچھ بُرا۔ اور سب سے عمدہ آم بنگالہ گولکنڈا اور گوآ سے آتا ہے۔ جو فی الواقع نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ اور کوئی مٹھائی اُسکی شیرینی اور خوشبو کو نہیں پہنچتی۔ تربوز سال بھر رہتا ہے۔لیکن دہلی میں جو پیدا ہوتا ہے وہ نرم اور بیمزہ ہے۔ اور رنگت بھی اچھّی نہیں ہوتی۔ البتہ کبھی کبھی اُمرا کے ہاں اچھّا کھانے میں آتا ہے۔ جو باہر سے بیج منگوا کر بڑی احتیاط اور خرچ سے بُواتے ہیں۔!

شہر میں حلوائیوں کی دکانیں کثرت سے ہیں۔لیکن مٹھائی اچھّی نہیں بنتی اور گرد اور مکھیوں سے بھری رہتی ہے۔! نان بائی بھی بیشمار ہیں مگر اُن کے تنور ہمارے ہاں کے تنوروں سے مختلف وضع کے ہیں اور بہت بُرے ہیں۔ اور اس سبب سے روٹی نہ تو عمدہ ہی ہوتی ہے اور نہ خوب پکی

نہیں ہیں اور گرچہ یہ شہر ایک عالیشان اور طاقتور بادشاہ کے دربار کا
مقام ہے جہاں لازمی طور پر ہر قسم کی بیش قیمت اشیا کا جمع ہو جانا ایک ضروری
امر ہے۔ تاہم کوئی ایسا بازار یہاں نہیں ہے جیسا ہمارا سینٹ ڈینس ہے
جسکا مقابل اور ہمسر غالباً تمام ایشیا میں نہ ہوگا۔

یہاں بیش قیمت مال اکثر مال خانوں میں دھرا رہتا ہے۔ اور فرنگستان
کی طرح دکانیں بھڑکدار اور بیش قیمت اسباب سے شاذ و نادر ہی آراستہ
نظر آتی ہیں اور اگر ایک دکان میں پشمینہ کمخاب زرزری کار مندیلیں اور
ریشمین کپڑے وغیرہ ہیں تو پاس ہی کوئی پچیس دکانوں میں گھی تیل دال
چاول گیہوں جو وغیرہ ہر قسم کے اناج جو نہ صرف ہندوؤں کی معمولی غذا
ہے جو کبھی گوشت نہیں کھاتے بلکہ غریب مسلمان اور بہت سے سپاہی بھی
یہی کھاتے ہیں ٹوکروں میں بھرے ہوئے دھرے نظر آتے ہیں۔ البتہ
ایک بازار ایسا ہے جسمیں میوہ کھلا رکھا رہتا ہے۔ اور اسمیں بہت سی
دکانیں ہیں جو گرمی کے موسم میں ایران بلخ بخارا اور سمرقند کے خشک
میووں بادام پستہ فندق کشمش بیر اور زرد آلو اور جاڑوں میں سیاہ اور سفید
نہایت عمدہ تازے انگوروں سے جو روئی کی تہہ میں لگائے ہوئے ان
ملکوں سے آتے ہیں اور ناشپاتی اور تین چار قسم کے سیب اور نہایت عمدہ سردوں سے
جو جاڑے بھر بکتے رہتے ہیں بھری رہتی ہیں مگر یہ میوے بہت مہنگے بکتے ہیں اچنانچہ ایک سردہ
پونے چار روپیہ کو آتا ہے۔ لیکن باایں ہمہ اہل دہلی کو سب میووں سے زیادہ
مرغوب اور پسند ہے! امرا کے ہاں میوہ کثرت سے خریدا جاتا ہے۔ چنانچہ

دونوں میں عمدہ سفید کپڑا (چاندنی) اور جاڑوں میں ریشمین قالین بچھاتے ہیں۔ اور دالان کے صدر میں ایک یا دو گدیلے بچھے رہتے ہیں۔ جن پر ریشم کے ہلکے کام کی سوزنی جس پر سنہری اور روپہلی زری کی دھاریاں بنی ہوئی ہوتی ہیں پڑی رہتی ہے۔ اور صاحب خانہ اور معزز اور ممتاز لوگ جو ملاقات کو آتے ہیں اُسپر بیٹھتے ہیں۔ اور ہر ایک گدیلے پر کمخاب کا ایک گاؤ تکیہ بھی لگا رہتا ہے اور اِسکے علاوہ اہل مجلس کے آرام کے لیئے دالان کے گرداگرد کمخاب اور مخمل اور پھولدار ریشمین کپڑے کے غلافوں کے چند اَور تکیئے بھی لگے رہتے ہیں۔ اور دالان کے چاروں طرف جو زمین سے قریب دو یا ڈیڑھ گز اونچے بہت معقول اور با قرینہ مختلف شکل کے طاق بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اُن میں عمدہ عمدہ چینی کے برتن اور گلدان رکھے جاتے ہیں اور دالان کی چھت منقش اور ملمع کاری کی ہوتی ہے۔ مگر انسان یا کسی اَور جاندار شے کی تصویر اُسپر نہیں ہوتی۔ کیونکہ مذہب اسلام میں ممنوع ہے۔

یہہ ہندوستان کے ایک عمدہ مکان کا قریباً صحیح بیان ہے۔ اور دہلی میں ایسے مکانات بہت سے موجود ہیں۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ بغیر فرنگستانی مکانوں کی ہجو کے بلا اندیشہ یہہ کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کی دارالسلطنت کی عمارتیں اگرچہ فرنگستانی عمارتوں سے کسی طرح کی بھی مشابہت نہیں رکھتیں۔ مگر تاہم خوبصورتی سے خالی نہیں۔ مگر جو چیز کہ فرنگستان کے شہروں کی زیب و زینت کا باعث ہے وہ خوشنما اور شاندار دُکانیں ہیں جو دہلی میں

اور درخت اور حوض اور دالان کے اندر یا دروازہ میں چھوٹے چھوٹے فوارے لگے ہوں - اور خوبصورت تہ خانے ہوں جنمیں بڑے بڑے پنکھے لگے ہوئے ہوتے ہیں اور اپنی خنکی کی وجہ سے گرمی کے دنوں میں دوپہر سے چار یا پانچ بجے تک جب کہ ہوا ایسی گرم ہوتی ہے کہ سانس نہیں لیا جا سکتا بہت آرام کی جگہہ ہوتی ہیں - مگر تہ خانوں کی بہ نسبت اکثر لوگ خسخانو کو زیادہ پسند کرتے ہیں جو چھوٹے چھوٹے پاکیزہ کمرے ہوتے ہیں جو ایک قسم کی گھاس کی خوشبودار جڑوں سے بنائے جاتے اور چمن کے اندر اس غرض سے حوض کے قریب لگائے جاتے ہیں کہ خدمتگار لوگ چمڑے کی ڈولچیوں سے اُنکو باہر کی طرف سے آسانی کے ساتھ چھڑک سکیں اور اس قطع کا مکان سب سے عمدہ خیال کیا جاتا ہے - جسکے چاروں طرف قدآدم اونچے دالان ہوں جنمیں چاروں طرف کی ہوا آتی ہو - اور ایک بڑے چمن کے اندر* بنا ہوا ہو - اور فی الواقع کوئی عمدہ مکان ایسا نہیں ہے جسمیں گھر والوں کے سونیکے لئے صحن چبوترہ نہ ہو جہاں سے بارش یا آندھی کے وقت یا جب صبح کو سرد ہوا چلنے یا شبنم پڑنے لگتی ہے پلنگ کو سرکا کر اندر لیا جاتا ہے - یہہ شبنم اگرچہ زیادہ نہیں ہوتی مگر بدن میں سرایت کر جاتی ہے - جس سے اکثر ہاتھ پانوں اکڑ جاتے ہیں -

اچھّے گھروں میں نشست کا یہہ طریقہ ہے کہ فرش کے اوپر روئی کا ایک بھاری اور قریب چار اُنگل کے موٹا گدیلا بچھا رہتا ہے جسپر گرمی کے

* غالباً بارہ دری مُراد ہے - س - م - ح

ہر قسم کے سامان سے آراستہ ہیں اور جو مکان خس پوش ہیں وہ بھی اچھے
لمبے اور مضبوط بانس کے چھپروں سے چھائے ہوئے اور کہگل اور
سفیدی کئے ہوئے ہیں - اور یہہ بیشمار خس پوش اور چھوٹے چھوٹے
مکانات جو بڑے بڑے مکانات کے ساتھ خلط ملط ہیں اُن میں معمولی فوجی
سوار اور اَن گنت نفر خدمتگار اور نان بائی وغیرہ جو بادشاہ اور لشکر کے ساتھ
جایا کرتے ہیں رہتے ہیں - اور اِن کے سبب سے شہر میں اکثر آگ لگ
جاتی ہے - چنانچہ پچھلے برس تین بار ایسی آگ لگی کہ تیز ہوا کے سبب سے
جو گرمی کے موسم میں چلا کرتی ہے - قریباً ساٹھ ہزار چھپروں پر پانی پھر گیا -
اور چند اونٹ اور گھوڑے اور بہت سی پردہ دار عورتیں بھی جل بھن گئیں
کیونکہ یہہ بیچاریاں ایسی شرماؤ اور اپاہج ہوتی ہیں - کہ نامحرم لوگوں سے مونہہ
چھپانے کے سوا اُن سے کچھ بن ہی نہیں آتا - چنانچہ جو عورتیں اس صدمہ سے
ہلاک ہوئیں وہ اتنی ہمت نہ رکھتی تھیں کہ بھاگ کر بچ جائیں ! اِن کچّے اور
خس پوش مکانوں کے باعث سے میں ہمیشہ یہہ خیال کیا کرتا ہوں کہ سوائے
اتنے فرق کے کہ آرام کے بعض سامان اسمیں زیادہ ہیں - دلّی گویا چند دیہات
کا مجموعہ یا فوج کی چھاونی ہے -

اُمرا کے مکانات اگرچہ اکثر دریا کے کنارے اور شہر کے باہر ہیں
لیکن اَور مقامات میں بھی ہیں - اور اِس گرم ملک میں اُسی مکان کو عمدہ سمجھتے
ہیں جسمیں سب طرح کا آرام ہو اور سب طرف کی اور خاصکر شمال کے جانب کی ہوا
آتی ہو - چنانچہ وہ مکانات عمدہ سمجھے جاتے ہیں جنمیں ایک اچھا صحن اور باغچہ

اور درخت اور حوض اور دالان کے اندر یا دروازہ میں چھوٹے چھوٹے فوارے لگے ہوں۔ اور خوبصورت تہ خانے ہوں جنمیں بڑے بڑے پنکھے لگے ہوئے ہوتے ہیں اور اپنی خُنکی کی وجہ سے گرمی کے دنوں میں دوپہر سے چار یا پانچ بجے تک جب کہ ہوا ایسی گرم ہوتی ہے کہ سانس نہیں لیا جاسکتا بہت آرام کی جگہہ ہوتی ہیں۔ مگر تہ خانوں کی بہ نسبت اکثر لوگ خسخانو کو زیادہ پسند کرتے ہیں جو چھوٹے چھوٹے پاکیزہ کمرے ہوتے ہیں جو ایک قسم کی گھاس کی خوشبودار جڑوں سے بنائے جاتے اور چمن کے اندر اِس غرض سے حوض کے قریب لگائے جاتے ہیں کہ خدمتگار لوگ چمڑے کی ڈولچیوں سے اُنکو باہر کی طرف سے آسانی کے ساتھ چھڑک سکیں اور اِس قطع کا مکان سب سے عمدہ خیال کیا جاتا ہے۔ جسکے چاروں طرف قد آدم اونچے دالان ہوں جنمیں چاروں طرف کی ہوا آتی ہو۔ اور ایک بڑے چمن کے اندر※ بنا ہوا ہو۔ اور فی الواقع کوئی عمدہ مکان ایسا نہیں ہے جسمیں گھر والوں کے سونیکے لیئے صحن چبوترہ نہ ہو جہاں سے بارش یا آندھی کے وقت یا جب صبح کو سرد ہوا چلنے یا شبنم پڑنے لگتی ہے پلنگ کو سرکا کر اندر لیا جاتا ہے۔ یہہ شبنم اگرچہ زیادہ نہیں ہوتی مگر بدن میں سرایت کر جاتی ہے۔ جس سے اکثر ہاتھ پانوں اکڑ جاتے ہیں۔

اچھّے گھروں میں نشست کا یہہ طریقہ ہے کہ فرش کے اوپر روئی کا ایک بھاری اور قریب چار اُنگل کے موٹا گدیلا بچھا رہتا ہے جسپر گرمی کے

※ غالباً بارہ دری مُراد ہے۔ س۔م۔ح

ہر قسم کے سامان سے آراستہ ہیں اور جو مکان خس پوش ہیں وہ بھی اچھے لمبے اور مضبوط بانس کے چھپروں سے چھائے ہوئے اور کہگل اور سفیدی کئے ہوئے ہیں اور یہہ بیشمار خس پوش اور چھوٹے چھوٹے مکانات جو بڑے بڑے مکانات کے ساتھ خلط ملط ہیں اِن میں معمولی فوجی سوار اور اَن گنت نفر خدمتگار اور نان بائی وغیرہ جو بادشاہ اور لشکر کے ساتھ جایا کرتے ہیں رہتے ہیں- اور اِن کے سبب سے شہر میں اکثر آگ لگ جاتی ہے- چنانچہ پچھلے برس تین بار ایسی آگ لگی کہ تیز ہوا کے سبب سے جو گرمی کے موسم میں چلا کرتی ہے- قریباً ساٹھ ہزار چھپروں پر پانی پھر گیا۔ اور چند اونٹ اور گھوڑے اور بہت سی پردہ دار عورتیں بھی جل بھن گئیں کیونکہ یہہ بیچاریاں ایسی شرماؤ اور اپاہج ہوتی ہیں- کہ نامحرم لوگوں سے مُونہہ چھپانے کے سوا اِن سے کچھ بن ہی نہیں آتا- چنانچہ جو عورتیں اِس صدمہ سے ہلاک ہوئیں وہ اتنی ہمت نہ رکھتی تھیں کہ بھاگ کر بچ جائیں ! اِن کچّے اور خس پوش مکانوں کے باعث سے میں ہمیشہ یہہ خیال کیا کرتا ہوں کہ سوائے اتنے فرق کے کہ آرام کے بعض سامان اسمیں زیادہ ہیں- دہلی گویا چند دیہات کا مجموعہ یا فوج کی چھاونی ہے۔

اُمرا کے مکانات اگرچہ اکثر دریا کے کنارے اور شہر کے باہر میں لیکن اَور مقامات میں بھی ہیں- اور اِس گرم مُلک میں اُسی مکان کو عمدہ سمجھتے ہیں جسمیں سب طرح کا آرام ہو اور سب طرف کی اور خاصکر شمال کے جانب کی ہوا آتی ہو- چنانچہ وہ مکانات عمدہ سمجھے جاتے ہیں جنمیں ایک اچھا صحن اور باغیچہ

اور اُن کے آگے برانڈے کی چھت جو صحن کے طور پر ہے جو لوگ اِن میں
رہتے ہیں وہ رات کو اُسپر سوتے ہیں۔ مگر ایسے بالاخانے سب دوکانوں پر
نہیں ہیں۔ اور اگرچہ شہر کی بعض بعض اَور اطراف میں بھی اِسی طرح کسی کسی دوکان
پر اچھے بالاخانے بنے ہوئے ہیں۔ مگر اِن اطراف میں کوٹھریوں کے اوپر
جو بالاخانے ہیں۔ اکثر ایسے پست بنے ہوئے ہیں کہ بازار میں سے بخوبی دکھائی
نہیں دیتے۔ مگر متموّل بیوپاری دوکانوں پر نہیں سوتے۔ بلکہ کام کاج کے بعد
اپنے اپنے مکانوں کو جو شہر میں ہیں چلے جاتے ہیں۔!

اِن کے سوا پانچ بازار اَور ہیں۔ اور اگرچہ اُنکی قطع اور وضع بھی اُنہیں کے
قریب قریب ہے۔ لیکن ایسے لمبے اور سیدھے نہیں ہیں۔ اور اِن کے
علاوہ گلیوں اور کوچوں میں جو بیشمار بازار ہیں اور جو ایک دوسرے کو تقاطع
کرتے ہیں اُن میں سے اگرچہ اکثر کے سامنے کی عمارت محرابی طور کی ہے
۔ مگر چونکہ وہ ایسے لوگوں کی بنائے ہوئے ہیں جنکو عمارت کے تناسب کا
کچھ خیال نہ تھا۔ اسلیئے اِن میں بہت کم ایسے خوش قطع اور سیدھے اور عریض
ہیں جیسے کہ وہ بازار ہیں جنکا مینے ابھی ذکر کیا ہے۔

شہر کے گلی کوچوں میں جو منصب داروں اور حکامِ عدالت اور
دولتمند تاجروں اور اَور لوگوں کے مکانات ہیں۔ اُن میں بھی بہت سی
اچھے خاصے خوبصورت ہیں۔ مگر اینٹ یا پتھر کے بنے ہوئے مکان بہت
تھوڑے اور کچے اور خس پوش زیادہ ہیں۔ لیکن باوجود اِسکے عموماً ہوادار
اور خوشنما ہیں۔ اور اکثروں میں چوک اور باغیچے ہیں۔ اور بہت آرام کے اور

شروع نہیں کرتے یہہ نجومی یا آسمان میں ہوئی باتیں جانتے اور
ہرایک کام کے کرنیکے لیئے مبارک گھڑی تجویز کرتے اور ہرایک شبہ کو قرآن
سے فال نکال کر حل کرتے ہیں۔

وہ دو بڑے بازار جنکا ابھی ذکر ہوا اور جو اس چوک میدان میں آکر ملتے
ہیں اُن کا عرض قریب پچیس یا تیس قدم کے ہوگا۔ اور جہاں تک کہ نظر
پہنچتی ہے وہ سیدھے چلے جاتے ہیں۔ اور اِن میں سے جو بازار لاہوری
دروازہ کو جاتا ہے وہ بہت لمبا ہے۔ بلحاظ وضع عمارت یہہ دونوں بازار
ایک ہی سے ہیں اور جیسا کہ پیرس کا بازار معروف بلیس رائل ہے اسی طرح
اُن کے بھی دونوں جانب کی دوکانیں محراب دار ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ ایک تو
اِنکی عمارت خشتی ہے دوسرے یہہ کہ یہہ ایک منزلی ہیں۔ اور اِنکی چھتیں بطور
ایک مسطح چبوترے کے کام دیتی ہیں۔ اور یہہ بھی تفاوت ہے کہ بلیس رائل
کی دوکانوں کے برانڈے اِس قطع کے ہیں کہ اُنمیں داخل ہوکر انسان بازار
کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاسکتا ہے اور اِنکی دوکانوں
کے برانڈے علیحدہ علیحدہ ہیں جنکے بیچ میں دیواریں حائل ہیں جنمیں بیٹھکر دن
کے وقت اہل حرفہ اور صراف اپنا اپنا کام کرتے اور بیوپاری اپنا مال خریداروں
دیکھاتے ہیں۔! اِن محرابی برانڈوں کے پیچھے اسباب رکھنے کے لیے کوٹھڑیاں
بنی ہوئی ہیں۔ جنمیں رات کیوقت سب اسباب رکھ دیا جاتا ہے۔ اور اوپر بیوپاریوں
کے رہنے کے لیئے بالاخانے بنے ہوئے ہیں جو بازار کی طرف سے خوبصورت
نظر آتے ہیں۔ اور ہوادار اور آرام کے قابل اور گرد و غبار سے محفوظ ہیں

ہوتی ہیں - اور اپنی تمام عمر کے امورات کی نسبت اُن سے پوچھ گچھ کرتی اور اپنے تمام دلی بھید اُن سے کہہ دیتی ہیں - جس طرح فرانس میں ایک وسواسن عورت اپنے پادری کے پاس جاکر توبہ کے قصد سے اپنے تمام گناہ ظاہر کردیتی ہے - ! اور یہہ بیوقوف اور جاہل یقین رکھتے ہیں کہ ستاروں کی تاثیر کا بدل دینا اِن لوگوں کے اختیار میں ہے ! اِن نجومیوں میں سب سے زیادہ ہنسی کے لایق ایک دوغلہ پرتگیز تھا - جو گوآ سے بھاگ آیا تھا - ! یہہ مسخرہ بھی اپنا قالین بچھائے بڑی تمکنت سے بیٹھا رہتا تھا - اور اِسکے پاس بھی بہت سے سائل آتے تھے - حالانکہ وہ کچھ لکھ پڑھ بھی نہ سکتا تھا - اور اُسکے پاس آلات نجوم کی عوض صرف ایک پورانا جہازی قطب نما تھا - اور کتابوں کی جگہہ رومن کیتھلک فرقہ کی نماز کی پرتگیزی زبان میں دو پُرانی باتصویر کتابیں تھیں جنکی تصویروں کو کہتا تھا کہ فرنگستان میں برجوں کی صورتیں اِسی طرح کی بناتے ہیں ! ایک دن فرقہ جیسوئیٹ کے پیشوا فادر بوزی صاحب نے اُسکو اِس کام میں مشغول دیکھکر پوچھا کہ تو یہہ کیا کرتا ہے تو اُسنے شرمندہ ہونیکی جگہہ یہہ جواب دیا کہ "ایسے بیوقوفوں کا نجومی ایسا ہی چاہیئے" یہہ ذکر میں اُن غریب نجومیوں کا کرتا ہوں جو بازاروں میں دکھائی دیتے ہیں - لیکن وہ منجم جو امیروں کے پاس آتے جاتے ہیں وہ [illegible] سمجھتے ہیں اور اسی طرح پر یہہ دولتمند [illegible] تمام [illegible] [illegible] جہل و وہم پھیلا [illegible] ہے - اور خو [illegible] بڑ [illegible] گویوں کو [illegible] ری نجو [illegible] ا [illegible] ر اونے کام بھی

میں رہتے ہیں پھرائے جاتے ہیں ! اور یہیں سواروں کی فوج کا میر بخشی
نو ملازم سواروں کے گھوڑوں کو دیکھتا بھالتا ہے - اور اگر وہ ترکی نسل کے
اور اچھے مضبوط اور پیمانہ کے پورے ہوں تو اُن کی ران پر بادشاہی اور اُس
امیر کا داغ دلوا دیتا ہے جسکی فوج میں وہ بھرتی ہوں - اور اِس سے یہہ فایدہ
ہے کہ اُنہیں گھوڑوں کو دوسرے نو ملازم سوار مستعار لیکر موجودات کیوقت
پیش نہیں کر سکتے - اِسی جگہہ انواع و اقسام کی بیشمار چیزوں کی خرید فروخت کے
لیئے گزری لگتی ہے - جو پیرس کے پونٹ نی آف* کی طرح ہر قسم کے کُجّالوں
اور بھان متیوں اور ہندو اور مسلمان نجومیوں اور رمّالوں کا مرجع ہے اور یہہ
فاضل نجومی دُھوپ میں ایک میلا سا قالین کا ٹکڑہ بچھائے بیٹھے رہتے ہیں
جنکے پاس علم ریاضی کے کچھ پُرانے آلات ہوتے ہیں - اور سامنے ایک بڑی
سی کتاب کھلی رہتی ہے - جسمیں بارہ برجوں کی شکلیں بنی ہوئی ہوتی ہیں -
اور اس طور سے یہہ راہ چلتے لوگوں کو پھسلاتے اور فریب دیتے ہیں ! اور
عوام الناس غیب داں سمجھکر اُن سے رجوع کرتے ہیں - ! اور یہہ ایک پیسہ لیکر
بیچارے حمقا کو بتاتے ہیں کہ اُنکی قسمت میں آیندہ کیا ہونا ہے - اور اُن کے ہاتھ
اور چہرہ کو خوب دیکھ بھال کر اور کتاب کے ورق اُلٹ پلٹ کر یقین دلاتے ہیں
کہ گویا واقعی کچھ حساب لگا رہے ہیں ! اور یہہ لوگ جس کام کی بابت اُن سے
سوال کرتے ہیں اُسکے لیئے وقت اور "ساعت" یعنی مہورت بتاتے ہیں
اور نادان عورتیں سر سے پانوں تک ایک سفید چادر اوڑھکر اُن کے پاس جمع

* پُل کا نام ہے جو شہر پیرس میں ندی پر بنا ہوا ہے - س م ح

قلعہ کی دیوار اپنی پُرانی وضع کے گول برجوں کے لحاظ سے شہر پناہ کے مشابہ ہے - لیکن چونکہ یہہ کچھ اینٹ کی اور کچھ لال پتھر کی بنی ہوئی ہے جو سنگ مرمر کے مشابہ ہے - اِس سبب سے شہر پناہ کی بہ نسبت زیادہ خوبصورت ہے - اور شہر پناہ سے اونچان اور مضبوطی اور چکلان میں بھی زیادہ ہے اور شہر کے رخ چھوٹی چھوٹی توپیں چڑھی ہوئی ہیں اور دریا کی جانب کے سوا قلعہ کے سب طرف پختہ اور عمیق خندق بنی ہوئی ہے - جسکی ردکار کے پتھر صاف اور گھڑے ہوئے ہیں - اور جو پانی سے بھری رہتی ہے - جسمیں کثرت سے مچھلیاں ہیں - ! یہہ عمارت اگرچہ بظاہر مضبوط نظر آتی ہے - لیکن اصل میں کچھ مستحکم نہیں ہے - اور میری دانست میں ایک متوسط طاقت کا توپخانہ اِسکو فوراً زمین کے برابر کر دیسکتا ہے - ! اِس خندق کے قریب ہی ایک بڑا باغ ہے جو پھولوں اور پودوں سے ہمیشہ ہرا بھرا رہتا - اور قلعہ کی عظیم الشان اور سُرخ رنگ کی فصیل کے سامنے ہونے کی وجہ سے بہت خوشنما معلوم ہوتا ہے - اور اس باغ کے متصل ایک بادشاہی چوک ہے جسکے ایک طرف تو قلعہ کا دروازہ ہے - اور دوسری جانب شہر کے دو بڑے بازار آنکر ختم ہوئے ہیں ! جو ملازم راجہ حسب معمول ہفتہ وار چوکی دینے آتے ہیں اُن کے خیمے اس چوکور میدان میں لگائے جاتے ہیں - کیونکہ یہہ لوگ جو ایک قسم کے چھوٹے چھوٹے بادشاہ ہیں قلعہ میں رہنے سے سخت عذر کرتے ہیں اور اسلیئے قلعہ کے اندر کا پہرہ امرا اور منصب داروں کا ہوتا ہے ! اور اس جگہہ صبح کے وقت بادشاہی گھوڑے جو اسکے قریب ہی ایک بڑے اصطبل

* قلعہ جسمیں شاہی محلسرا اور اَور بادشاہی مکانات ہیں اور جنکا ذکر میں آیندہ کرونگا قریباً نصف دائرہ کی شکل کا ہے - اور سامنے دریاے جمنا بہتا ہے - اور قلعہ کی دیوار اور پانی کے مابین ایک ریتلا وسیع میدان ہے جسمیں ہاتھیوں کی لڑائی دیکھائی جاتی ہے - اور امیروں اور سرداروں اور ہندو راجاؤں کی فوجیں بادشاہ کے ملاحظہ کے واسطے کھڑی کیجاتی ہیں جنکو بادشاہ محل کے جھروکوں میں سے دیکھا کرتا ہے -

---

* شاہجہاں نے اپنے جلوس کے بارہویں سال مطابق ۱۰۴۸ ہجری ۱۶۳۹ء میں شاہجہان آباد کی آبادی کا حکم دیا - اور بارہویں ذی الحجہ کو قلعہ بننا شروع ہوا - استاد حامد اور احمد معمار جو اپنے فن میں یکتا تھے - اسکی تعمیر کے لیئے مقرر ہوئے ! پہلے عزت خاں کو اِس کا اہتمام ملا - اور پانچ مہینے دو دن میں قلعہ کی بنیادیں کھدیں اور کچھ مصالحہ جمع ہوا - اور کہیں کہیں سے بُنیاد اونچی بھی ہو آئی ! پھر الہ وردی خاں کو یہہ کام سپرد ہوا اور دو برس ایک مہینے گیارہ دن میں قلعہ کے سب طرف کی دیوار بارہ بارہ گز اونچی ہوگئی ! پھر مکرمت خاں کا ذمہ ہوا - اور بیسویں سال جلوس یعنی قریب نو برس کے عرصہ میں سب کام تیار ہوگیا اور چوبیسویں ربیع الاول ۱۰۵۸ ہجری مطابق ۱۶۴۸ء یعنی تخت نشینی کے اکیسویں سال میں بادشاہ نے اسمیں پہلا جلوس کیا ! یہہ ہشت پہل بنا ہے - اور اسکا طول ایکہزار گز اور عرض چھ سو گز کا ہے جسکی کل زمین چھ لاکھ گز ہوئی - اور اِس حساب سے یہہ اکبر آباد کے قلعہ سے دوگنا ہے - اسکی فصیل پچیس ۲۵ گز اونچی ہے - اور گیارہ گز گہری بنیاد ہے - ! دیوار کا آثار بنیاد سے پندرہ ۱۵ گز اور اوپر سے دس گز کا ہے - اسکی خندق چوبیس ۲۴ گز چوڑی اور دس گز گہری بنی ہوئی ہے - جسکا محیط تین ہزار چھ سو گز کا ہے - اِس قلعہ کی تعمیر میں پچاس لاکھ روپیہ خرچ ہوا تھا - اور کتاب مرآت آفتاب نما میں لکھا ہے کہ کروڑ روپیہ صرف میں آیا تھا - یعنی پچاس لاکھ قلعہ کے بننے میں اور پچاس لاکھ اُسکے اندر کے مکانوں کی تعمیر میں خرچ ہوا تھا -

(از آثار الصنادید) (س م ح)

بقیہ کو اور نہ اُن تین چار چھوٹی چھوٹی بستیوں کو جو شہر کے نواح میں ہیں -
کیونکہ انکو شامل کر لینے سے شہر کی وسعت اسقدر بڑھ جاتی ہے کہ اگر
بیچوں بیچ ایک سیدھا خط کھینچا جائے تو ساڑھے چار میل سے زیادہ ہو اور
اگرچہ باغات وغیرہ کے بیچ میں آجانے کی وجہ سے میں ٹھیک نہیں کہہ سکتا
کہ شہر کا کُل دور کسقدر ہے لیکن کچھ شک نہیں کہ بہت ہی زیادہ ہے -

---

بقیہ فٹ نوٹ

اپنے نام پر دِلّی آباد کی" لیکن یہہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی اسواسطے کہ ہندوؤں کی اگلی پوتھیوں
میں باوجودیکہ راجہ دلیپ کا ذکر ہے مگر کہیں دلّی کا نام نہیں ہے - بلکہ جہاں لکھا ہے اندرپت
ہی کرکے لکھا ہے - اور تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ ۳۰۷ ہجری مطابق ۹۱۹ء میں تونوروں
کے خاندان میں سے ایک راجہ نے شہر اندرپت کے برابر دہلی شہر بسایا اور اسی مصنّف نے کتاب
نزہتہ القلوب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ چونکہ وہاں کی زمین نرم تھی اور ہندی میں ڈھلی نرم زمین کو
کہتے ہیں جہاں میخ نہ تھم سکے اس سبب سے وہ بستی دہلی کرکے مشہور ہوگئی مگر اس سنہ میں نہ
تونوروں کے خانداں میں حکومت تھی اور نہ اس سبب سے دہلی نام پڑجانا قرین قیاس
ہے - اس واسطے یہہ بات بھی قابل اعتماد نہیں - اور مشہور بات جو صحیح بھی معلوم ہوتی
ہے یہہ ہے کہ بقول صاحبِ مرآت آفتاب نما راجہ دہلو قنوج کے راجہ نے اس سبب
سے کہ دِلّی کے راجہ اکثر قنوج کے تابع رہے ہیں - اندرپت میں اپنے نام پر شہر بسایا
اور جب سے اِس کا نام دہلی مشہور ہوا - بلکہ اصلی نام دہلی کا دِہلُو ہے - جیسا کہ موافق
روایت صاحب جواہر الحروف امیر خسرو نے جلال الدین فیروز شاہ کو خطاب کرکے
دہلو کا لفظ اپنے اس شعر میں باندھا ہے ؎ یا یک اسپم بخش یا زاخور لفرما بارگی +
یا بفرماں وہ کہ گرد ذں شینم و دہلو روم + راجہ دہلو راجہ پورس یعنی راجہ فور والی کمایوں
کا ہمعصر تھا اور اُسی کی لڑائی میں مارا گیا - اور قنوج تک راجہ فور کا عمل ہوگیا - اور
اسکے بعد سکندر اعظم نے راجہ فور پر ستلج کے کنارے فتح پائی - اور گنگا کے کنارے یعنی
قنوج تک عمل کرلیا - یہہ واقعہ ۳۲۸ء قبل ولادت مسیح علیہ السلام میں ہوا کہ تخمیناً یہی زمانہ
دہلی شہر بسنے کا معلوم ہوتا ہے - س م ح

سے جو قریب چار یا پانچ فرانسیسی فٹ کے اونچا ہے قطع نظر کیجائے تو یہ بہت نامکمل ہے۔ کیونکہ نہ تو اُسکے گرد خندق ہے اور نہ کوئی اور بچاؤ کا سامان ہے۔

یہہ حصار اگرچہ شہر اور قلعہ دونوں پر محیط ہے لیکن اُسکی وسعت اسقدر نہیں کہ جتنی لوگ خیال کرتے ہیں! کیونکہ میں تین گھنٹہ کے عرصہ میں اسکے گرداگرد پھر گیا ہوں۔ حالانکہ میں خیال کرتا ہوں کہ میرے گھوڑے کی چال فی گھنٹہ ایک لیگ فرانسیسی یعنی تین میل سے زیادہ نتھی[۵۱] میں اس تخمینہ میں شہر کے گرد نواح کی آبادیوں کو جو بہت سی ہیں۔ اور بہت دور تک لاہوری دروازہ کی جانب بستی چلی گئی ہیں اسمیں شامل نہیں کرتا۔ اور نہ پرانی دلّی[۵۲] کے اُس شمار

[۵۱] صاحب آثار الصنادید نے کتاب مرآت آفتاب نما کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سنہ ۱۲ جلوسی مطابق سنہ ۱۰۶۱ھ مطابق سنہ ۱۶۵۰ء شاہجہاں کے حکم کے بموجب مٹی اور پتھر سے چار مہینے کے عرصہ میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ ہوکر یہہ فصیل تیار ہوئی۔ مگر دوسرے برس برسات میں اکثر جگہہ سے گر پڑی اسواسطے دوبارہ چونہ اور پتھر سے بننے کا حکم ہوا۔ اور سات برس کے عرصہ میں چار لاکھ روپیہ خرچ ہوکر تیار ہوگئی۔ طول اسکا چھ ہزار چھ سو چونسٹھ گز کا ہے۔ اور چار گز کی چوڑی اور نو گز کی اونچی ہے۔ اور اسمیں ستائیس برج دس دس گز کے قطر سے ہیں سنہ ۱۸۰۴ء میں جب سرکار عالیہ انگریزی کا تسلط ہوا تو یہہ اکثر جگہہ سے ٹوٹ رہی تھی جسکو بہت خوبی سے درست کرایا گیا۔ اور اجمیری دروازہ کے باہر جو غازی الدین خاں فیروز جنگ پدر نظام الملک آصف جاہ کا مقبرہ تھا جو مدرسہ کرکے مشہور ہے اسکو بھی اندر لے لیا گیا۔ اور قریب سنہ ۱۸۱۱ عیسوی کے اُسکے گرد بھی ایک شہر پناہ بنائی گئی۔ س م ح۔

[۵۲] صاحب آثار الصنادید کی تحقیق کے موافق پہلے اس شہر کا نام اندرپت تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس باب میں بڑا اختلاف ہے کہ یہہ نام بدل کر کب سے دہلی ہوگیا۔ مرآت آفتاب نما میں لکھا ہے کہ "یہہ بات مشہور ہے کہ راجہ دلیپ نے جو چندر بنسیوں میں کا ایک راجہ ہے

خود غور کر سکیں گے کہ یہہ شہر خوبصورت ہے یا نہیں۔! قریب چالیس برس کے گزرے کہ شہنشاہِ حال کے والد شاہجہاں نے اپنی دائمی یادگار کے لیے پرانی دلی کے پاس ایک نیا شہر آباد کیا اور اُس کا نام اپنے نام پر شاہجہان آباد* یا اختصار کے لیئے "جہان آباد" رکھا۔ اور اسکے دارالسلطنت بنانیکے لیئے یہہ وجہ ظاہر کی کہ گرمی کی شدت کے سبب سے آگرہ بادشاہ کے قیام کے لائق نہیں ہے لیکن اس سبب سے کہ اسکی تعمیر کے لیئے اکثر مصالحہ پرانی دلّی کے آس پاس کے کھنڈروں سے بہم پہنچایا گیا تھا پردیسی آدمی پرانے اور نئے شہر میں تمیز نہیں کرتے اور دونوں کو دہلی ہی کہتے ہیں! لیکن ہندوستان میں اکثر یہہ نیا شہر اپنے بانی ہی کے نام سے بولا جاتا ہے۔! بہر حال آسانی کے لیئے میں نے بھی اہل یورپ ہی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔

شہر دہلی ایک ہموار زمین پر جمنا کے کنارے پر جو لوآئر کے برابر ایک دریا ہے ہلالی صورت میں آباد ہے۔ اور اُس طرف کے سوا جدھر دریا کے سبب سے (جسپر کشتیوں کا پل بندھا ہوا ہے) محفوظ ہے۔ حفاظت کے لیئے سب طرف پختہ شہر پناہ بنی ہوئی ہے! اور اگر اُن برجوں سے جو سو سو قدم کے فاصلہ پر شہر پناہ کے کنارے بنے ہوئے ہیں اور اُس کچے پشتے

---

* شاہجہاں نامہ میں لکھا ہے کہ اسکی آبادی شاہجہاں کے جلوس کے بارہویں سال مطابق سنہ ۱۰۴۸ھ اور سنہ ۱۶۳۸ء میں شروع ہوئی تھی اور خافی خاں نے اپنی کتاب منتخب اللباب میں لکھا ہے کہ تاریخوں میں سے جو شعرا نے اسکی بابت کہی تھیں بادشاہ کو یہہ مادہ پسند آیا (شد شاہجہاں آباد از شاہجہان آباد) جسکو صاحب آثار الصنادید اپنی سند پر میر یحییٰ کاشی کا نکالا ہوا بتاتے ہیں۔ س م ح

ہلکا پھلکا ہوتا ہے۔ گرمی کے موسم میں مکان کی دیوار یا سرہانے کے تکیہ پر شکل سے اٹھ یا سر رکھا جاتا ہے! اور چھ مہینے سے زیادہ ہر ایک متنفس مکان کے باہر بغیر کسی قسم کے سایہ کے سوتا ہے! عوام کا یہ حال ہے کہ گلیوں اور کوچوں ہی میں پڑ رہتے ہیں اور بڑے بڑے تاجر اور آسودہ حال لوگ کبھی گھر کے صحن یا باغ میں اور کبھی مکان کے چبوترے پر جسکو پہلے سے پانی چھڑک کر ٹھنڈا کر رکھتے ہیں آرام کرتے ہیں۔ اب اس حالت میں اگر بالفرض پیرس کے مشہور محلے سینٹ جیکس یا سینٹ ڈینس مع اپنی بند وضع اور بیشمار منزلوں کے مکانات کے دہلی میں آجائیں تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا ان میں یہاں کوئی رہ سکیگا۔ یا رات کو جبکہ ہوا کے حبس سے گرمی کے مارے دم گھٹنے لگتا ہے کوئی سو سکیگا؟! فرض کیجیے کہ ایک شخص گھوڑے پر پھر پھرا کر گھر میں آیا ہے۔ اور گرمی اور گرد کے مارے ادھموا ہو رہا ہے۔ اور حسب معمول پسینہ میں تربتر ہے تو کیا ہی لطف ہو اگر اسکو تنگ و تاریک زینہ سے چڑھکر چوتھی یا پانچویں منزل پر جانا اور پھر وہاں ایسے کمرہ میں ٹھہرنا پڑے کہ جہاں مارے گرمی کے دم ہی گھٹ جائے! ہندوستان میں اس قسم کی تکلیف کے سامان نہیں ہیں۔ یہاں تو سواری سے آکر فوراً تھوڑا سا تازہ ٹھنڈا پانی یا نیبو کا شربت پی لینا اور کپڑے اُتار کر اور موںھ ہاتھ دھوکر سایہ میں پلنگ پر لیٹ جانا اور ایک دو خدمتگاروں کو یہہ کہنا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے پنکھے لیکر جھلنا شروع کریں۔

شہر دہلی کا ذکر اب میں آپکو دہلی کی ٹھیک ٹھیک کیفیت سناتا ہوں۔ یعنی

کیا حال ہے! پس آپ کے شوق کی وجہ سے میں اوّل انہیں امور کا بیان کرتا ہوں - اور اُنکے ضمن میں بعض اور حالات بھی گزارش کرونگا - جن کی نسبت میں خیال کرتا ہوں کہ آپ غالباً اُنکو بھی دلچسپ تصوّر کرینگے -

یورپ اور ہندوستان کی عمارتوں کے مختلف الوضع ہونے کا سبب

اِن دونوں شہروں کی خوبصورتی کی نسبت کچھ کہنے سے پہلے مجھے یہہ بیان کرنا لازم ہے کہ اہل فرنگ مقیم ہند کو حقارت کے ساتھ یہہ کہتے دیکھکر کہ اِن دونوں اور نیز ہندوستان کے اور شہروں کی عمارتیں فرنگستان کی سی خوش وضع نہیں ہیں مجھے حیرت ہوئی - لیکن وہ اسپر غور نہیں کرتے کہ عمارات کی قطع اور وضع ہر ملک کی آب و ہوا کے لحاظ سے ہوتی ہے! مثلاً جس وضع کی عمارت پیرس اور لنڈن یا اَمسٹرڈم میں فائدے اور آرام کے اعتبار سے وہاں کے لایق ہے دہلی اور اگرہ میں بالکل ناکارآمد ہے! چنانچہ بفرض امکان اِس امر کے کہ یہہ شہر ہندوستان میں آجائیں اور یہاں کے شہر وہاں جارہیں تو اُنکی عمارات کو توڑ پھوڑ کر بالکل ایک نئی قطع پر بنانا ضروری ہوگا - بے شبہ فرنگستان کے شہر بہت خوبصورت اور اُس مُلک کی سرد آب ہوا کے موافق ہیں - لیکن دہلی بھی اپنی وضع پر اِس گرم مُلک کی آب و ہوا کے لحاظ سے خوش وضعی سے خالی نہیں -
ہندوستان کی گرمی اِسقدر شدید ہی کہ کوئی اَور تو کیا خود بادشاہ بھی پانوؤں کی حفاظت کے لیئے پاتابے نہیں پہنتا - اور صرف ہلکے سلیپر کیطرح کی ایک چیز پہنتا ہے - جسے "پاپوش" کہتے ہیں - اور سر کی محافظت کے لیئے نہایت نفیس اور نازک قسم کے کپڑے کی ایک چھوٹی سی پگڑی ہوتی ہے - اور اَور لباس بھی ایسا ہی

سے بھی کہ آپ اپنے متواتر خطوط میں اکثر مجھے فائدہ مند صلاحیں دیتے رہے ہیں جنسے میرے سفر میں مجھے بہت مدد ملی - اور میں اس باعث سے بھی آپکا بڑا احسان مند ہوں کہ آپنے بے غرضانہ اور محض اپنی عنایت سے دُنیا کے اِس بعید حصّہ میں جہاں میرا شوق مجھکو لے آیا ہے میرے لیئے عمدہ عمدہ کتابیں بھیجدی ہیں - حالانکہ جن لوگوں سے مینے کتب مذکورہ کے لیئے درخواست کی تھی - اور جنکو اُن کی قیمت کا روپیہ مقام مارسیلس Marseilles میں میرے زرِامانت سے مل سکتا تھا - اور جن پر بلحاظ اہلیت اور انسانیت کے یہہ بات فرض تھی کہ کتب مطلوبہ میرے پاس بھیجدیتے وہ مجھے بالکل ہی بھول گئے اور میرے خطوط کو دیکھکر ہنسا کیئے گویا کہ اُنہوں نے مجھے ایسا گیا گزرا سمجھ لیا جسکا پھر کبھی مونہہ ہی نہیں دیکھنا -

A Letter to Monsieur De La Mothe le Vayer,

مُصنّف کا خط بنام مانشیور ڈی لاماتھی لی وی ایر

جسمیں شہر دہلی اور آگرہ اور شہنشاہ مغل کے دربار اور
ہندوستانی لوگوں کے ذہن و ذکا اور رسم و رواج
کا بیان ہے مورخہ یکم جولائی ۱۶۶۳ء مقام دہلی

صاحب من - میں خوب جانتا ہوں کہ جسوقت میں فرانس کو واپس آؤنگا توسب سے پہلے آپ مجھ سے یہہ پوچھیں گے کہ بمقابلہ پیرس اُس ملک کی دارالسلطنۃ شہروں آگرہ اور دہلی کی وسعت اور آبادی اور خوبصورتی کا

میں پھینکی جاتی ہیں۔ اور بلحاظ عورتوں کی اُس مجنونانہ جرأت کے کہ اپنے ایسے خاوندوں کی لاشوں کے ساتھ بھی جل کر مرجاتی ہیں کہ جن سے اُنکی حیات میں وہ اکثر نفرت کرتی رہتی تھیں۔ اور بلحاظ فقیروں کے اُن طرح طرح کے مجنونانہ اعمال و اشغال کے۔ اور سب سے اخیر میں بلحاظ بیدوں اور ہندوؤں کی پوتھیوں کی اُس تمام خرافات کے آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگرچہ زمانہ حال کے نکتہ چین اشخاص سفر کے مصائب اور تکالیف اُٹھائے بغیر گھر بیٹھے ہی اپنی تحریروں کے ایسی ایسے سرنامے وغیرہ گھڑنا اور بیان کرنا مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ مگر میرا یہہ خط جو میرے اِن دور دراز سفروں اور اسقدر تحقیقات اور فکر کا ایک بے سود مآل ہے اگر مندرجہ ذیل الفاظ کو میں اسکا عنوان قرار دوں تو کیا میں ایسا کرنے کی نسبت کوئی وجہ نہیں رکھتا ؟ اور وہ الفاظ یہہ ہیں کہ "کیسے ہی فضول اور بیمعنی خیال کیوں نہ ہوں پھر بھی انسان کے دل میں جگہہ پا ہی جاتے ہیں"

آپ کی بڑی عنایت ہوگی اگر آپ چے پِل صاحب کے نام کا ملفوفہ خط* اُن کے حوالہ کر دینگے۔ یہہ چیپل صاحب Chepelle ہی تھے جنہوں نے پہلے پہل آپکے نامور اور دلی دوست گیسینڈی صاحب سے میری ملاقات کرائی تھی جو میرے حق میں بہت ہی مفید ہوئی ہے۔ اُنکی اس عنایت کا میں اتنا ممنون ہوں کہ جہاں میری تقدیر مجھکو لیجائیگی مجھے محبّت کے ساتھ وہ ہر جگہہ یاد رہینگے۔ میں آپ کا بھی بڑا ممنون ہوں۔ اور نہ صرف اسوجہ سے کہ آپ میرے حال پر نظر عنایت مبذول فرماتے رہے میں عمر بھر آپکا ادب کرتا رہونگا۔ بلکہ اس سبب

* اس سبب سے کہ اس خط میں ہندوستان کے متعلق کوئی امر درج نہ تھا اسکا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ س م ح

یا وہ یوں کہیں گے کہ خدا ایک ایسی روشنی کی مانند ہے جو بیشمار شیشوں پر پڑ رہی ہے۔ پس اگرچہ ہر جگہہ اُس ایک ہی روشنی کا جلوہ اور ظہور ہے مگر جن چیزوں پر وہ پڑتی ہے اُنکی مختلف رنگتیں اس وجہ سے ہو جاتی ہیں کہ وہ مختلف صورتوں میں سے ہو کر اُن چیزوں پر پڑتی ہے غرضکہ وہ تمہیں ایسی ایسی ناقابل تشفی تشبیہیں دیکر جنکو خدا سے کچھ بھی نسبت نہیں اور جو صرف جاہلوں کے فریفتہ کرنیکے لایق ہوتی ہیں۔ ٹال دینگے۔ اور تمہارا جواب شافی کی اُمید کرنا بیفائدہ ہے۔ اگر کوئی اُنکو یہہ جواب دے کہ مثلاً جو حباب ایک پانی پر ہیں اگرچہ ویسے ہی دوسرے پانی پر بھی ہو سکتے ہیں لیکن حقیقت میں کئی پانی ایک نہیں ہیں۔ اور اِسی طرح تمام دُنیا پر آفتاب کی روشنی گو ایک سی ہے لیکن سب جگہہ وہی نہیں ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس تمہارے اِن تمام تصورات پر اور بھی بڑے بڑے اعتراض ہو سکتے ہیں تو وہ پھر اسی طرح تشبیہوں اور استعاروں کو لے بیٹھیں گے جیسے کہ صوفی اپنی کتاب گلشن راز کے عمدہ اشعار کی طرف رجوع کیا کرتے ہیں۔

مصنف کے خط کا خاتمہ

اَب میں بلحاظ اُس تمام بیوقوفی اور اُس طفلانہ خوف و ہراس کے جسکا مینے اوپر ذکر کیا ہے۔ اور بلحاظ اُس متوہمانہ اِتقا و ہمدردی کے خیالات کے جو سورج کو اُس بدطینت اور کالی بلا سے نجات دلانے کی غرض سے سورج کی نسبت ظاہر کیئے جاتے ہیں۔ اور بلحاظ اُس دکھاوے کی پاٹھ پوجا و اشنان اور پن دان اور خیراتوں کے جو برہمنوں کو دیجاتی یاد دیا

دریا سے حباب کہیے ہے سدا تو او نہیں میں او نہیں ٭ ہمکو سمجھ اپنی سی جدا تو او نہیں میں او نہیں

سے نکالدیا ہے - اور فنا یہہ ہے کہ خدا پھر اپنی ذات یا اُس تار کو اپنے ہی
میں کھینچ لے - چنانچہ قیامت کے دن جسکو وہ پرلے یا مہاپرلے کہتے
ہیں - اور جسکی نسبت انکا یہہ عقیدہ ہے کہ اُسوقت تمام چیزیں نابود ہو جاویگی
خدا اپنے تمام اُن تاروں کو جو اُسنے اپنے اندر سے نکال کر پھیلا دیے تھے
بالکلیہ اپنے اندر کھینچ لیگا - اسلیئے انکی راے ہے کہ جو کچھ ہم دیکھتے یا سنتے یا
سونگھتے یا چکھتے یا چھوتے ہیں ان میں کوئی چیز واقعی نہیں بلکہ تمام دنیا سر
ایک خواب و خیال ہے - پس جو طرح طرح کی چیزیں بذریعہ حواس ظاہری محسوس
ہوتی ہیں وہ سب کی سب ایک ہی چیز ہیں - یعنی وہ سب حقیقتاً خدا ہیں
جیسے کہ اکائی کے عدد کو بار بار دوہرانے سے دس بیس - سو اور ہزار
کے اعداد بن جاتے ہیں اور دراصل وہ ایک ہی عدد ہے - لیکن اگر
تم اُن سے اس بات کی کوئی دلیل پوچھو یا ذات الٰہی کے پھیل جانے اور
پھر سمٹ جانیکی کچھ تشریح کراؤ اور طرح طرح کی صورتیں معلوم ہونے کی وجہ
دریافت کرو - یا یہہ پوچھو کہ خدا جو غیر جسمانی اور بقول تمہارے بیباک اور
غیر متغیر ہی تو پھر کسطرح اسقدر اجسام متعددہ اور ارواح مختلفہ میں تقسیم ہوگیا ہی
تو وہ اسکی عجیب مثالیں بیان کرینگے - مثلاً یہہ کہ خدا بمنزلہ ایک بڑے سمندر
کے ہے جسمیں بہت سے بلبلے تیرتے رہتے ہیں - خواہ یہہ بلبلے کہیں
چلے جائیں مگر وہ ہمیشہ اُسی سمندر اور اُسی پانی میں رہتے ہیں اور اگر وہ
بیٹھ جائیں تو جس پانی سے وہ بنے تھے وہ اُسی سمندر میں مل جائیگا - *

* مترجم کہتا ہے کہ اِس مضمون کو ایک شاعر نے اپنے اس شعر میں خوب ادا کیا ہے -

ایک ایسا مسئلہ ہے کہ ہمارے ہاں کے مہوس لوگ اکثر اُسکے سبب سے خراب و برباد ہوئے ہیں۔ ہندو پنڈت اس مسئلہ کو تمام حکما سے زیادہ طول دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ خدا یا اُس اعلیٰ وجود نے جسکو وہ اپنی زبان میں اَتُسر کہتے ہیں صرف یہی نہیں کہ اپنی ذات سے روح پیدا کی ہے بلکہ عموماً دُنیا کی ہر ایک مادّی اور جسمانی چیز کو بھی اِسیطرح اپنی ذات سی پیدا کیا ہے۔ اور اس مسئلہ خلق عالم کو وہ اس طرح پر خیال نہیں کرتے کہ علتِ تامّہ کا وجود معاً مستلزم وجود معلولات کا ہوتا ہے۔ بلکہ اس طرح پر تصوّر کرتے ہیں جیسے مکڑی جب چاہتی ہے اپنے ہی اندر سے جالا تن دیتی ہے اور جب چاہتی ہے اُسکو سمیٹ لیتی ہے۔ پس اِن خیال بند فلسفیوں یعنی پنڈتوں کا قول ہے کہ پیدائش صرف اِسکا نام ہے کہ خدا نے اپنی ہی ذات کو پھیلا دیا ہے۔ یا یہہ کہ ایک مکڑی کا تار ہے جو اُسنے اپنے اندر

بقیہ فٹ نوٹ: مشکل ہے۔ چنانچہ منجملہ اُن کے اُسکا ایک یہہ عقیدہ تھا کہ وہ اس عالم میں دو طرح کی قوتوں کو تسلیم سمجھتا تھا۔ ایک قوت انقباضی۔ دوسری انبساطی اور اِنپر کتنے ہی جنّات کو موکل جانتا تھا۔ اور اُن کے خاص طور کے اجتماعات کو باعث وجود امراض قرار دیتا تھا۔ اور اس بات کا بھی معتقد تھا کہ مکرا کوزم[1] کو جسکا ترجمہ عالم صغیر یا انسان کیا جاسکتا ہے۔ مکرا کوزم یعنی عالم کبیر یا نیچر[2] سے ایک خاص مشابہت اور مناسبت ہے۔ اِسکے معتقدات خواہ کیسے ہی فضول اور لایعنی تھے۔ مگر چونکہ اسنے اُنکو بہت عمدگی سے معقولات کے پیرایہ میں بیان کیا تھا۔ اسلئے اُس زمانہ کے حکما کو بالضرور اُنکی نسبت متوجہ ہونا پڑا یہانتک کہ اوّل کیپلر[3] نام ایک حکیم نے اور بعد ازاں گیسنڈی نے اُسکی تردید میں سن سولہ سو انتیس عیسوی میں کتابیں لکھیں فقط (ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا) س م ح

---

[1] Microcosm   [2] Nature   [3] Kepler

کی طرف مائل تھے - اور یہی عقیدہ ہندوستان کے قریباً تمام پنڈتوں کا ہے
اور یہہ وہی مسئلہ ہے جسکی نسبت صوفیوں اور اکثر علمائے ایران کے باہم لڑائی
جھگڑے رہا کرتے ہیں - اور جسکو گلشن راز* میں جو ایک فارسی نظم کی کتاب ہے
بڑے زور شور سے بیان کیا گیا ہے! فلڈ[۱] کی بھی یہی راے تھی جسکو
ہمارے نامور گیسینڈی نے نہایت قابلیت کے ساتھ رد کیا ہے - یہہ

---

* اس کتاب کے مصنف شیخ نجم الدین محمود ہیں جو تبریز کے قریب چبتر نام ایک گانو کے رہنے والے اور مشاہیر مشایخ صوفیہ سے تھے - یہہ کتاب اُنھوں نے ۷۱۷ھ سات سو سترہ ہجری کے ماہ شوال میں بعض مشایخ خراسان کی فرمایش سے تصنیف کی تھی جیسا کہ خود اُنکے اس شعر سے جو سبب تالیف کتاب میں لکھا ہے ظاہر ہوتا ہے "گذشتہ ہفت و دہ از ہفت صد سال ز ہجرت ناگہاں در ماہ شوال" یہہ کتاب بڑے رتبہ کی سمجھی جاتی ہے - اور اسلیئے اکثر بزرگوں نے اسکی شرحیں لکھی ہیں - لیکن شرح موسوم بمفاتیح الاعجاز جو ۸۷۷ھ آٹھ سو ستر ہجری کے خاتمہ میں لکھی گئی تھی اور جسکے مصنف شیخ شمس الدین محمد بن یحیی الاہیجانی ہیں - جو فقرا کی سلسلہ نوربخشیہ کے بانی سید محمد نوربخش کے اعظم خلفا میں سے تھے - سب سے عمدہ سمجھی گئی ہے چنانچہ علامہ قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی مشہور کتاب مجالس المومنین میں لکھا ہے - کہ جب مصنف نے اس شرح کو لکھکر دیکھنے کے لیئے مُلا عبد الرحمن جامی کے پاس ہرات میں بھیجا تو اُنھوں نے اپنے جوابی خط کے شروع میں اپنی یہہ رباعی لکھکر بھیجی رباعی "اے فقر تو نور بخش ارباب نیاز + خرم ز بہار خاطرت گلشن راز + یک رہ نظرے بر سر قابم انداز + شاید کہ برم رہ بحقیقت ز مجاز +" س م ح

---

[۱] Robert Fludd رابرٹ فلڈ قوم کا انگریز تھا اور ۱۵۷۴ء پندرہ سو چوہتر عیسوی میں پیدا ہوا تھا - یہہ اپنے زمانہ میں ایک مشہور طبیب اور ایک ایسے فرقہ حکما کا پیرو تھا جو یہہ خیال رکھتے تھے کہ ہماری دنیا سیدھی اُس مبدار فیاض سے تعلق رکھتی ہیں اور وہاں سے گوناگوں بے تعاونہ حادثات اسرار غیبی کا کرتی رہتی ہیں - اسی شخص کے تخیلات کا بیان جنکا وہ معتقد تھا مختصر طور پر نہایت

سے اُنکا وجود چلا آتا ہے - اور وہ اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے اور دوسرے مادوں میں ملے جلے پڑے رہتے ہیں اور نہ صرف احتمالاً بلکہ حقیقتاً وہ بیج بالکل ویسے ہی کامل ہیں جیسے کہ خود وہ نبات یا درخت یا حیوان جسکے وہ بیج ہیں - لیکن وہ اپنی اس حالت میں ایسے چھوٹے اور باریک ہیں کہ اُنکے جُدا جُدا اجزا اُسیوقت صاف طور پر نظر آ سکتے ہیں جبکہ وہ اپنی مناسب جگہہ پر لائے جائیں اور وہاں پرورش کے مادہ کے پہنچنے سے بخوبی نمایاں ہوں اور ترقی پائیں - پس ہر ایک سیب یا ناشپاتی کے درخت کا بیج لنگ شریر یعنی سیب یا ناشپاتی کا ایک چھوٹا درخت ہے جو اپنے تمام ضروری اجزا میں کامل ہے - علیٰ ہذا القیاس ایک گھوڑے یا ہاتھی یا آدمی کا بیج لنگ شریر یعنی ایک چھوٹا گھوڑا یا ہاتھی یا آدمی ہے جسکے واسطے صرف جان اور پرورش کے مادہ کی ضرورت ہے تاکہ وہ صاف طور پر اپنی صورت مرئیہ عرفیہ کو حاصل کر سکے

وحدت وجود کے مسئلہ کی بحث کا ذکر

اب میں آپکو ایک اَور مسئلہ کی نسبت ایک بحث کا حال سناتا ہوں - تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ اس مسئلہ کی بابت ہندوستان میں بڑا شور و غل تھا یہانتک کہ بعض پنڈتوں نے اسکو شاہجہاں کے بیٹوں دارا شکوہ اور سلطان شجاع کے بھی ذہن نشین کر دیا تھا - آپ اس بات کو یقیناً جانتے ہیں کہ اکثر قدیم حکما لائف گوئنگ پرنسپل Life giving Principle یعنی وحدت وجود کے مشہور و معروف مسئلہ کے قائل ہیں اور اُنکا قول ہے کہ ہم تم جتنی جاندار مخلوقات ہیں سب ایک ہی وجود واحد کے اجزا ہیں - چنانچہ اگر ہم غور سے ارسطو اور افلاطون کی تصانیف کو دیکھیں تو غالباً ہمپر یہہ بات ظاہر ہو جائیگی کہ وہ بھی اسی رائے

افسانے سُنانے لگتا ہے۔ اور آخر یہہ کہدیتا ہے کہ بید میں ایسا ہی لکھا ہے*

دیوتاؤں کی حقیقت کی نسبت اِن پنڈتوں کا بیان

پھر مینے اُن کے دیوتاؤں کی حقیقت کی نسبت اُن سے دریافت کیا مگر اُنکا بیان نہایت منتشر پایا۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمارے دیوتا تین قسم کے ہیں نیک۔ بد۔ اور نہ نیک نہ بد۔ بعض کا اعتقاد ہے کہ دیوتا آگ سے بنے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نور سے۔ اور بہتوں کی یہہ رائے ہے کہ وہ بیاپک ہیں (اور لفظ بیاپک کے معنی میں بجز اسکے کچھ نہیں سمجھا کہ خدا بیاپک ہے ہماری روح بیاپک ہے۔ اور جو چیز بیاپک‡ ہی وہ لازوال ہے) اور زمان ومکان سے مبّرا ومنزّہ ہیں۔ اُس فاضل فقیر اور اُسکے ساتھی پنڈتوں نے کہا کہ بعض پنڈت دیوتاؤں کو اجزاء ذات الہی کہتے ہیں۔ اور بعض کی یہہ رائے ہے کہ دیوتاؤں کے مختلف اقسام ہیں جو زمین پر پھیلے ہوے ہیں۔

لِنگ شریر کا مسئلہ جو شاستروں میں ہی اُسکی نسبت اِن پنڈتوں کا بیان

مجھے یاد پڑتا ہے کہ مینے اُنسے لِنگ شریر کے مسئلہ کی نسبت بھی سوال کیا تھا جسکو اُن کی بعض مصنّف مانتے ہیں۔ مگر جو واقفیّت مجھے اپنے پنڈت سے حاصل ہو چکی تھی اُس سے کچھ زیادہ حال معلوم نہیں ہوا۔ یعنی یہہ کہ چھوٹے چھوٹے نباتات اور درختوں اور حیوانات کے بیج نئے پیدا نہیں ہوتے بلکہ ابتدای آفرینش

---

* عیسائیوں بلکہ مسلمانوں کے پاس بھی بجز اسکے کہ توریت مقدّس کا حوالہ دیں دُنیا کی عمر کے شمار کی نسبت کوئی دلیل نہیں ہے۔ س م ح

‡ فارسی خواں ناظرین کو لفظ بیاپک "باہمہ و بے ہمہ" کی مرادف المعنی سمجھنا چاہئے۔ س م ح

نہیں کہا کہ دُنیا کی کچھ ابتدا ہی نہیں - مگر جو عمر اُنہوں نے بتلائی - اُس سے
ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ گویا وہ اُسکو قدیم سمجھتے ہیں - اُن کا یہہ بیان تھا کہ دُنیا کی
عمر چار جُگوں سے شمار کیجاتی ہے اور اُن کا جُگ ہمارے قرنوں کی طرح سَو برس
کا نہیں ہوتا - بلکہ وہ جُگوں کا شمار کرڑوڑ برس سے کرتے ہیں - جو جو عمر اُنہوں
نے ہر جُگ کی علیحدہ علیحدہ طور پر بتلائی وہ مجھے ٹھیک یاد نہیں رہی
لیکن ایسا یاد پڑتا ہے کہ پہلا جُگ یعنی ست جُگ پچیس لاکھ برس تک رہا -
پھر بارہ لاکھ سے زیادہ سال تک ترتیا جُگ رہا - پھر (اگر میری کچھ غلطی ہو تو)
آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار برس تک دواپر جُگ رہا - اور یہہ میں بھول گیا کہ چوتھا
یعنی کل جُگ جو اب ہی کتنے لاکھ برس تک رہیگا - پنڈتوں نے کہا کہ پہلے
تین جُگ اور بہت سا حصہ چوتھے جُگ یعنی کل جُگ کا گزر چکا ہے - اور جس
طرح کہ ان جُگوں کے خاتمہ پر دنیا قائم رہتی رہی ہے چوتھے جُگ کے ختم ہونے
پر ایسا نہ ہوگا بلکہ دُنیا "مہاپرلے" ہوکر نابود ہو جائیگی - اور تمام چیزیں اپنی اپنے
مبدا کی طرف عود کر جائیں گی - ! جب مینے پنڈتوں کو اس بات کے لئے مجبور کیا
کہ وہ دُنیا کی عمر مجھے ٹھیک بتلائیں تو اُنہوں نے کئی مرتبہ حساب لگایا -
مگر جب مینے دیکھا کہ وہ بیچارے اس میں بالکل اُلجھے ہوئے ہیں اور صرف لاکھوں
کی تعداد کی نسبت اُنکا اختلاف ہے تو مینے اپنے تئیں اسی عام واقفیت پر
مطمئن کر لیا کہ یہہ دُنیا نہایت ہی قدیم اور اسکی عمر کا حساب بڑا ہی تعجب انگیز ہے -
! جب کوئی شخص کسی پنڈت سے وہ وجوہات پوچھتا ہے جن سے کہ دُنیا
کے بیحد پُرانا ہونے پر وہ اپنا اعتقاد رکھتے ہیں - تو وہ ایک قسم کے بیفائدہ

اسکے ہمارا یہہ اعتقاد نہیں کہ یہہ مُورتیں خود برہما یا بشن ہیں - بلکہ یہہ قریب قریب اُنکی اصلی مُورتوں یا شبیہوں کے ہیں اور ہم اِنکا اَدَب صرف اُس دیوتا کی وجہ سے کرتے ہیں جنکی یہہ مورتیں ہیں - اور جو پوجا ہم کرتے ہیں وہ دیوتا کے واسطے ہے نہ کہ مُورت کے لیئے - ہمارے مندروں میں تو مُورتیں اسلیئے رکھی جاتی ہیں کہ دِلکو قائم رکھنے کیواسطے جب تک نظر کو کسی خاص چیز پر نہ جمایا جاوے تب تک پوجا عُمدہ طور سے نہیں ہو سکتی - لیکن حقیقت میں اعتقاد ہمارا یہی ہے کہ خُدا صرف وہی ایک ذات مطلق ہے - اور صرف وہی سب کا مالک اور سب سے بڑھکر ہے - پنڈتوں نے جو جواب مجھے دیا مینے اُسکو کم زیادہ کرکے نہیں لکھا - لیکن مجھے شک ہی کہ اُنہوں نے اس مدعا کو عمداً ایسے قالب میں ڈھالکر بیان کیا تھا کہ جو رومن کیتھلک* فرقہ والوں کے خیالات کے مشابہ ہو جاوے - کیونکہ اور برہمنوں کے خیالات اس سے بالکل مخالف تھے

عمر دُنیا کی نسبت اِن پنڈتوں کا بیان

پھر مینے دُنیا کی عمر کی نسبت گفتگو کی اور میرے ہم صحبت پنڈتوں نے ہمارے معتقدات سے بھی بڑھکر اِسکی قدامت ظاہر کی - یہہ تو

---

* تعجب ہے کہ مصنف نے ہندوؤں کی پرستش کے طریقہ کو تو اعتراض کی نظر سے دیکھا لیکن اپنی طرز عبادت کی بیہودگی پر جو گرجاؤں میں حضرت مسیح اور حضرت مریم کی شبیہیں اور پطرس حواری کے جوتے کی نقل رکھتے اور اُنکو مقدس جانکر اُنکی پرستش اور ہندوؤں کی طرح دھوپ دیپ کرتے اور گھنٹے بجاتے ہیں غور نہ کی اور انجیل مقدس کی اُس آیت پر عمل نہ کیا جو لکھا ہے "تو اگر اپنے بھائی کی آنکھ سے تنکا نکالنا چاہے تو اوّل اپنی آنکھ کا شہتیر نکال" افسوس انسان خواہ کیسا ہی عقلمند اور ذی علم کیوں نہو اُسکو اپنے مذہب کے رسوم اور عقائد کی بُرائی کبھی نہیں معلوم ہوتی - اور اُسکی طبیعت ہمیشہ غیروں ہی کی عیب جوئی پر متوجہ اور مائل رہتی ہے اور اُن کے ہنر اور خوبیاں بھی اُنکو بُرائی اور عیب ہی معلوم ہوتی ہیں م ح

کے روبرو بھی اکثر یہی مختصر لباس پہنے دیکھا ہے۔ اور دہلی کے بازاروں
میں وہ مجھے یا تو پیدل یا پالکی میں سوار جاتا ملا ہے۔ ایک سال تک وہ ہمیشہ
میرے آقا کے پاس اس اُمید پر آتا رہا کہ وہ اورنگ زیب سے سفارش کرکے
اسکی پنشن بحال کرادے جو اورنگ زیب نے جسکو اپنی دینداری دیکھانیکا
بڑا شوق تھا تعصب مذہبی کی وجہ سے تخت پر بیٹھتے ہی بند کردی تھی! مینے
اس مشہور فقیر سے بڑی ملاقات پیدا کرلی تھی۔ اور میری اُس سے اکثر دیر
تک باتیں ہوا کرتی تھیں۔ اور جب میں اُس سے بنارس میں ملا تو وہ نہایت
خلق اور مدارات سے پیش آیا اور مجھے وہاں کا کتب خانہ دیکھانے لیگیا۔ جہاں
اُسنے اَور بھی بڑے بڑے چھ پنڈتوں کو بلالیا تھا۔ جب مینے اپنے تئیں
ایسی عمدہ صحبت میں پایا تو میرا ارادہ ہوا کہ اس بات کی تحقیق کروں کہ انکی راے
بت پرستی کی نسبت کیا ہے۔ مینے ان سے کہا کہ میں ہندوستان کو اب
چھوڑنے والا ہوں جو ایک ایسی پرستش سے بدنام ہے جو معمولی سمجھ والے
انسان کے نزدیک بھی خلاف عقل ہے اور آپ جیسے اچارجوں کو شایاں
نہیں ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے مندروں میں بیشک مختلف
مورتیں مثلاً برہما۔ مہادیو۔ گنیش۔ اور گوبندی کی ہیں۔ جو ہمارے سب سے
بڑے دیوتا ہیں۔ اور ان کی مورتوں اور علاوہ بریں اَور بہت سے دیوتاؤں
کی مورتوں کا جو ان سے درجہ میں کم ہیں ہم بڑا ادب کرتے ہیں۔ چنانچہ
ان کے آگے ڈنڈوت کرتے ہیں اور بڑی عقیدت سے پھول چاول گھی
زعفران خوشبوئیں اور اَور ایسی ہی چیزیں انپر چڑہاتے ہیں مگر باوجود

مائل کرنے میں دقت پیش آتی کہ فی الواقع حقیقت حال یہی تھی بشرطیکہ میں
ان باتوں پر غور نکرتا کہ اوّل تو ہندوؤں کا مذہب ایک ایسے زمانہ سے
چلا آتا ہے جسکا حال کچھ معلوم نہیں۔ اور پھر انکی مذہبی اور علمی کتابیں سب
سنسکرت زبان میں ہیں جو مدت ہے دراز سے ایک ایسی زبان ہوگئی
ہے جسکو کوئی نہیں بولتا۔ اور اب صرف پڑھے لکھے لوگ ہی اسکو سمجھتے ہیں
اور اسکی اصل نامعلوم ہے۔ غرض کہ ان تمام باتوں سے بہت ہی قدامت
اور کہنگی ثابت ہوتی ہے ※

مصنف کا بنارس کے ایک بڑے پنڈت کے ساتھ چند اور پنڈتوں سے ملنا اور بت پرستی کی نسبت اُن کے جوابات۔

جب میں دریائے گنگا سے نیچے کے ملک کی طرف جاتا تھا تو میں بنارس میں ہوکر گزرا اور ایک سب سے بڑی پنڈت
سے جو اس مشہور دار العلم میں رہتا ہے ملا وہ ایک فقیر ہے جو اپنے علم و
فضل کی وجہ سے ایسا مشہور ہے کہ شاہجہاں نے کچھ تو اُسکی فضیلت کے
لحاظ سے اور کچھ راجاؤں کی خاطر سے اُسکے واسطے دو ہزار روپیہ سال
کی پنشن مقرر کردی تھی۔ وہ ایک موٹا تازہ اور خوبصورت آدمی ہے اور
اُسکی پوشاک یہہ ہے کہ ایک سفید ریشمی ساڑھی باندھے رہتا ہے۔ جو
پنڈلیوں تک لٹکتی رہتی ہے۔ اور ایک کسیقدر بڑی سی سُرخ ریشمی چادر
کاندھے پر ڈالی ہوئی ہوتی ہے! میںنے دہلی میں اس شخص کو بادشاہ اور اُمرا

※ مصنف کے نزدیک یہہ ایسے اسباب ہیں کہ جن سے اصلی حقایق پر ایک تاریکی کا پردہ پڑجاتا ہے اور اُسکے باعث سے لوگوں کو دھوکا ہوجاتا ہے۔ س م ح

ہے دوسرا شہد کا تیسرا گھی کا چوتھا شراب کا اور آگے اسیطرح تری اور خشکی یکے بعد دیگرے چلی آتی ہے یہانتک کہ ساتویں ولایت دامن کوہ سمیر میں ہے جو وسط میں واقع ہے - اوّل ولایت جو سمیر کے نہایت قریب ہے اوّل درجہ کے دیوتاؤں سے آباد ہے دوسری میں اُنسے کم درجہ کے دیوتا ہیں - اور اسی طرح باقی ولایتیں ہیں جنکے باشندے ہر ایک پہلی ولایت سے رتبہ میں کم ہیں - اور سب سے آخر ساتویں ولایت ہے جسمیں ہم انسان آباد ہیں جو ہر ولایت کے دیوتاؤں سے بہت ہی کم درجہ کے ہیں - ہندو یہہ بھی کہتے ہیں کہ دُنیا بہت سے ہاتھیوں* کے سروں پر اُٹھائی ہوئی ہے جنکی اتفاقیہ حرکت سے بھونچال آجاتا ہے -

ہندوؤں کے علوم کی نسبت مصنف کی رائے — اگر قدیم برہمنوں کے علوم میں جنکی اسقدر شہرت ہے یہی تمام بیہودہ باتیں بھری ہوئی ہیں جنکو مینے بالتفصیل لکھا ہے تو لوگوں نے بڑا دھوکا کھایا کہ اِن کے علم و عقل کی نسبت دیر سے ایک ایسی تعریف اور مدح سرائی کرتے چلے آئے ہیں - اور بالضرور مجھے اپنے تئیں اس امر

---

* ہاتھیوں کے سروں پر دُنیا کے اُٹھائے ہوئے ہونے کی روایت کبھی سُننے میں نہیں آئی اور نہ تحقیق سے اسکی کچھ صحت معلوم ہوئی - البتہ سیس ناگ یعنی ہزار سروالے مقدس سانپ کے سر پر اس دُنیا کا ٹھہرے ہوئے ہونا ضرور مانا جاتا ہے - اور ایک عام روایت یہہ بھی ضرور زبان زد ہے کہ ایک بیل کے سینگوں پر یہہ پرتھوی قائم ہے - اور جب وہ اس بوجھ کو ایک سینگ سے دوسرے سینگ پر بدلتا ہے تو بھونچال آجاتا ہے -

مائل کرنے میں وقت پیش آتی کہ فی الواقع حقیقت حال یہی تھی بشرطیکہ میں ان باتوں پر غور نکرتا کہ اوّل تو ہندوؤں کا مذہب ایک ایسے زمانہ سے چلا آتا ہے جسکا حال کچھ معلوم نہیں - اور پھر انکی مذہبی اور علمی کتابیں سب سنسکرت زبان میں ہیں جو مدت ہے دراز سے ایک ایسی زبان ہو گئی ہے جسکو کوئی نہیں بولتا - اور اب صرف پڑھے لکھے لوگ ہی اسکو سمجھتے ہیں اور اسکی اصل نامعلوم ہے - غرض کہ ان تمام باتوں سے بہت ہی قدامت اور کہنگی ثابت ہوتی ہے *

مصنف کا بنارس کے ایک بڑے پنڈت کے ساتھ چند اور پنڈتوں سے ملنا اور بت پرستی کی نسبت اُن کے جوابات -

جب میں دریائے گنگا سے نیچے کے ملک کی طرف جاتا تھا تو میں بنارس میں ہو کر گزرا اور ایک سب سے بڑے پنڈت سے جو اس مشہور دار العلم میں رہتا ہے ملا وہ ایک فقیر ہے جو اپنے علم و فضل کی وجہ سے ایسا مشہور ہے کہ شاہجہاں نے کچھ تو اسکی فضیلت کے لحاظ سے اور کچھ راجاؤں کی خاطر سے اسکے واسطے دو ہزار روپیہ سال کی پنشن مقرر کر دی تھی - وہ ایک موٹا تازہ اور خوبصورت آدمی ہے اور اسکی پوشاک یہہ ہے کہ ایک سفید ریشمی ساڑھی باندھے رہتا ہے - جو پنڈلیوں تک لٹکتی رہتی ہے - اور ایک کسیقدر بڑی سی سرخ ریشمی چادر کاندھوں پر ڈالی ہوئی ہوتی ہے! میںنے دہلی میں اس شخص کو بادشاہ اور امرا

* مصنف کے نزدیک یہہ ایسے اسباب ہیں کہ جن سے اصلی حقایق پر ایک تاریکی کا پردہ پڑ جاتا ہے اور اُسکے باعث سے لوگوں کو دھوکا ہو جاتا ہے - س م ح

ہے دوسرا شہد کا تیسرا گھی کا چوتھا شراب کا اور آگے اسیطرح تری اور خشکی یکے بعد دیگرے چلی آتی ہے یہانتک کہ ساتویں ولایت دامن کوہ کشمیر میں ہے جو وسط میں واقع ہے - اوّل ولایت جو کشمیر کے نہایت قریب ہے اوّل درجہ کے دیوتاؤں سے آباد ہے دوسری میں اُنسے کم درجہ کے دیوتا ہیں - اور اسی طرح باقی ولایتیں ہیں جنکے باشندے ہر ایک پہلی ولایت سے رتبہ میں کم ہیں - اور سب سے آخر ساتویں ولایت ہے جسمیں ہم انسان آباد ہیں جو ہر ولایت کے دیوتاؤں سے بہت ہی کم درجہ کے ہیں - ہندو یہہ بھی کہتے ہیں کہ دُنیا بہت سے ہاتھیوں* کے سروں پر اُٹھائی ہوئی ہے جنکی اتفاقیہ حرکت سے بھونچال آجاتا ہے -

ہندوؤں کے علم کی نسبت مصنف کی راے

اگر قدیم برہمنوں کے علوم میں جنکی اسقدر شہرت ہے یہی تمام بیہودہ باتیں بھری ہوئی ہیں جنکو مینے بالتفصیل لکھا ہے تو لوگوں نے بڑا دھوکا کھایا کہ اِن کے علم و عقل کی نسبت دیر سے ایک ایسی تعریف اور مدح سرائی کرتے چلے آئے ہیں - اور بالضرور مجھے اپنے تئیں اس امر

* ہاتھیوں کے سروں پر دُنیا کے اُٹھائے ہوئے ہونے کی روایت کبھی سُننے میں نہیں آئی اور نہ تحقیق سے اسکی کچھ صحت معلوم ہوئی - البتہ سیس ناگ یعنی ہزار سر والے مقدس سانپ کے سر پر اس دُنیا کا ٹھہرے ہوئے ہونا ضرور مانا جاتا ہے -! اور ایک عام روایت یہہ بھی ضرور زبان زد ہے کہ ایک بیل کے سینگوں پر یہہ پرتھوی قائم ہے - اور جب وہ اس بوجھ کو ایک سینگ سے دوسرے سینگ پر بدلتا ہے تو بھونچال آجاتا ہے -

س م ح

اونچا ہے - اور وہ ایک بالذات نورانی جسم ہے اور اُس سے انسانونکی دماغ میں امرت پہنچتا ہے جو دماغ سے اُتر کر آنکے اور اعضا میں سرائت کرتا ہے - چنانچہ پھر تمام اعضا اپنے اپنے عمل میں مصروفیت کے لایق ہوجاتے ہیں -

ہندوؤں کے نزدیک چاند اور سورج بھی دیوتا ہیں -

اِن کو یہہ بھی یقین ہے کہ چاند سورج اور ستارے یہہ سب دیوتا ہیں -

خیالی پہاڑ سمیر کا ذکر

اور جب سورج سمیر کے پیچھے چلاجاتا ہے - اُسوقت رات ہو جاتی ہے - سمیر ایک خیالی پہاڑ ہے جسکو فرض کرلیا گیا ہے کہ وسط زمین میں مصری کے اُلٹے کوزے کی طرح واقع ہے - اور معلوم نہیں کئے ہزار کوس بلند ہے - پس جب تک کہ سورج اس پہاڑ کے پیچھے سے ہٹکر نہیں آتا اُسوقت تک دن نہیں نکلتا -

علم جغرافیہ سے ہندوؤں کی ناواقفی کا ذکر -

علم جغرافیہ سے بھی ہندو ایسے ہی ناواقف ہیں وہ کہتے ہیں کہ دُنیا چپٹی اور مثلث شکل کی ہے اور اسمیں سات ولایتیں ہیں جو باعتبار اپنے باشندوں اور اپنی خوبصورتی اور ہر ایک طرح کی تکمیل کے ایک دوسرے مختلف ہیں اور ہر ولایت اپنے خاص سمندر سے گھری ہوئی ہے - اور کہتے ہیں کہ ایک سمندر دودھ کا

لیکن وہ اپنے وقت میں یکتائے روزگار اور اپنے تمام متقدمین سے اسمیں الیسا بڑھا ہوا تھا کہ اُس قدیم زمانہ میں اُسکی وفات کو فن تشریح کی وفات کہنا کچھ بیجا نہ تھا -
(انسایکلوپیڈیا برٹانیکا) س م ح

جسم میں پانچ ہزار رگیں ہیں اور اس سے کم ہیں نہ زیادہ گویا کہ بڑی صحت اور غور سے اُنہوں نے انکا شمار کیا ہوا ہے۔

ہندوؤں کے علم ہیئت کا ذکر

علم ہیئت کا یہہ حال ہے کہ ہندو اپنے پتر دں کی رو سے خسوف اور کسوف کا حال پہلے ہی بتا دیتے ہیں۔ اگرچہ انکے بیان میں فرنگستانی اہل ہیئت کی سی باریکی کے ساتھ صحت نہیں ہوتی۔ مگر پھر بھی وہ اکثر صحیح ہوتا ہے۔

چاندگہن کے سبب کی نسبت ہندوؤں کا عقیدہ

لیکن خسوف کی نسبت بھی انکا وہی بیہودہ اعتقاد ہے جو کسوف کی نسبت ہے یعنی یہہ کہ ایک کالا اور ناپاک اور شریر راچھس جس کا نام راہو ہے چاند کو پکڑ لیتا اور اُسکو اپنے اثر سے تاریک کر دیتا ہے

ہندو چاند کو بالذات نورانی جانتے ہیں

اور زیادہ تر اسی دلیل سے ہندو یہہ بھی کہتے ہیں کہ چاند چار لاکھ کوس کے فاصلہ پر ہے یعنی سورج سے ڈیڑھ لاکھ میل

اسکندریہ میں جاکر بعض اُستادوں سے فن تشریح کی تکمیل کی اور اٹھائیس برس کی عمر تک وہاں رہ کر ایسا ہوگیا کہ جو علوم اُس زمانہ میں اُستادوں سے حاصل ہو سکتے تھے۔ وہ سب سیکھ لیئے اور اپنے شہر پرگمس میں واپس آکر انتیس[۲۹] برس کی عمر میں بڑی شہرت پائی۔ کیونکہ یہاں اسنے ایسے ایسے زخمیوں کو اچھا کیا جنکے زخم مہلک سمجھے جاتے تھے اور چونکہ بتیس[۳۲] برس کی عمر میں اُسکے شہر میں کچھ بغاوت ہوگئی تھی اسلیئے وہ شہر روم کو چلا گیا اور ایک دفعہ شہر پرگمس میں پھر آکر آخر کار روم میں ہی جا ٹھہرا۔ کیونکہ وہاں کے کئی بادشاہوں کا طبیب خاص رہا تھا مگر وفات اُسکی شہر پرگمس میں ہی ہوئی۔ فن تشریح کے مختلف شعبوں میں اس حکیم نے بہت سے رسالے اور کتابیں لکھی ہیں اور اس فن میں بہت سی ایسی اصطلاحیں قائم کر گیا ہے کہ اب تک بھی وہی چلی آتی ہیں۔ اسنے بڑے شوق اور سرگرمی سے ہمیشہ مُردہ اور زندہ حیوانوں کو چیر چیر کر دیکھتا رہتا تھا۔ اور اگرچہ زمانہ حال کا فن تشریح اُسکی معلومات سے بہت بڑھا ہوا ہے

پس وہ گیلین* (جالینوس) کی ہدایت کے موافق اور جیسے کہ میںنے اکثر دیکھا ہے بیماری کو ابتدا ہی میں مغلوب کر لیتے ہیں

فن تشریح سے ہندوؤں کی ناواقفیت

یہہ بات کچھ قابل تعجب نہیں کہ ہندو علم تشریح کو بالکل نہیں سمجھتے - کیونکہ وہ کبھی کسی انسان یا حیوان کے جسم کو نہیں چیرتے اور جب کبھی میں کسی زندہ بھیڑ یا بکری کو اس غرض سے چیرتا تھا کہ اپنے آقا کو دوران خون کا طرز اور وہ رگیں دکھلاؤں جنکو ہیکیٹ نے دریافت کیا تھا اور جنمیں ہو کر کیلوس کا خلاصہ قلب کے وائیں خانہ میں پہنچتا ہے تو ہندو ہمارے گھر سے حیران اور خوف زدہ ہو کر بھاگ جاتے تھے - مگر باوجود اسکے کہ ہندو اس فن سے محض ناآشنا ہیں - کہتے ہیں کہ انسان کے

* کلاڈیئی اس گالی نس[1] جسکو انگریزوں نے گیلین[2] اور عربوں نے جالینوس بنایا ہے - ملک اٹلی کے شہر پرگمس[3] کا رہنے والا تھا - یہہ نامور شخص ۱۳۱ء اکیسو اکتیس عیسوی میں پیدا ہوا تھا - اور نوّے ۹۰ برس کا ہو کر مرا - جالینوس اپنے باپ کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ ریاضیات اور فن تعمیرات اور علم ہیئت میں بہت سربرآوردہ اور دقایق فلسفہ ارسطاطالیس سے بخوبی ماہر تھا - جالینوس نے سترہ ۱۷ برس کی عمر سے پہلے حکما کے چند مختلف طبقات کے مسائل فلسفہ کی تعلیم پائی تھی اور وہ لکھتا ہے کہ جب میں اس عمر میں پہنچا تو میرے باپ نے خواب دیکھا تھا کہ اس لڑکے کو علم طب کی تعلیم ہونی چاہیے - مگر اسنے صرف انیس ۱۹ برس کی عمر میں اوّل ایک اُستاد سے جسکا نام وہ بتانا نہیں چاہتا فن طب کی تحصیل شروع کی اور پھر اُس زمانہ کے بعض اور مشہور و معروف حکما سے جو فن تشریح اور علم الادویہ میں نامور تھے اِن فنون کی تعلیم پائی ابھی بیس برس کی عمر بھی نہ ہوئی تھی کہ اسکا وہ پہلا رہنما اور شفیق اُستاد مر گیا - بعد ازیں اسنے بہت سے شہروں میں کہ جہاں جہاں علما نے فلسفہ و طب مشہور تھے سفر کیے اور آخر کار شہر

[1] کل اڈی اس گ ال ی نس - Galenus, Claudius
[2] گ ی ل ی ن - (2) Galen
[3] پ ر گ م س - (3) Pergamus

وہ بھی ہندوؤں کی طرح ان طریقوں - خصوصاً یخنی یا شوربے سے پرہیز کرانی کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں -

مسلمان طبیب فصد زیادہ لیتے ہیں

مگر ہندوؤں کی نسبت مغلوں میں فصد لینے کا عمل زیادہ ہے - کیونکہ جہاں انکو مندرجہ بالا اورام کا اندیشہ ہوتا ہے - عموماً ایک دو مرتبہ خون نکلوا ڈالتے ہیں اور یہہ عمل وہ گو آ اور پیرس کے زمانہ حال کے اطبا کی طرح جزوی طور پر نہیں کرتے بلکہ قدمائے اطبا کی طرح اٹھارہ یا بیس[۲] اونس یعنی دس گیارہ چھٹانک تک خون نکلوا ڈالتے ہیں یہانتک کہ بعض اوقات غش کی نوبت ہو جاتی ہے -

---

بقیہ حاشیہ

کہلاتا تھا - یہہ اُن لوگوں کی نسل میں سے تھا جنہوں نے سنہ ترانویں ۹۳ ہجری مطابق سنہ سات سو گیارہ ۷۱۱ عیسوی میں ملک سپین کو فتح کرکے ممالک اسلامیہ میں شامل کیا تھا - یہہ ملک سپین کے مشہور شہر کارڈوا (قرطبہ) میں جہاں اسکے باپ دادا قاضی رہے تھے سنہ پانسو بیس ۵۲۰ ہجری مطابق گیارہ سو چھبیس ۱۱۲۶ عیسوی میں پیدا ہوا تھا - یہہ نہایت مشہور حکما عرب میں سے تھا اور طب اور فلسفہ اور فقہ اور ہندسہ میں کمال کا درجہ رکھتا تھا - اسکے زمانہ میں علم فلسفہ اہل عرب میں کمال کو پہنچ گیا تھا - اور اسکے بعد قوم عرب کی تاریخ میں کوئی بڑا فلسفی نہیں پایا جاتا اسکی اکثر تصنیفیں زبان عربی اور عبری میں ہیں - چونکہ اسنے کتب ارسطو کی شرحیں لکھی تھیں اسلیے شارح حکمت ارسطو کے معزز لقب سے جسکا وہ حقیقتاً مستحق تھا مشہور آفاق تھا - بعض آزادانہ رایوں کے ظاہر کرنے کیوجہ سے لوگوں نے اسکو الحاد سے منسوب کرکے اسکو اسکے مولد کارڈوا سے جلاوطن کرا دیا تھا - مگر اسکے کمال نے سلاطین وقت کی مہربانی کو پھر اپنی طرف کھینچ لیا - اور دربار مراکش (مراکو) میں پھر آ حاضر ہوا - جہاں کہ وہ سنہ ۱۱۹۸ گیارہ سو اٹھانویں ۹۸ یا ساڑھے ۹۹ عیسوی میں مرگیا -

(ماخوذ از انسائکلوپیڈیا برٹانیکا و تاریخ منتظم ناصری مطبوعہ طہران)

س م ح

ہندوؤں کی طب کی کتابوں کا ذکر۔

علم طب میں ہندوؤں کے پاس بہت سی چھوٹی چھوٹی کتابیں ہیں۔ لیکن بجائے اسکے کہ کوئی باترتیب کتاب ہو اِن کو صرف نسخوں کے مجموعے کہنا چاہیئے۔ اور اِن میں سب سے پُرانی اور بڑھیہ کی کتابیں نظم میں لکھی ہوئی ہیں۔

ہندوؤں کے طریق معالجے کے اہل یورپ سے مخالف ہونے کا ذکر اور اسکی مثالیں اور اسکی نسبت مصنّف کی راے

میں اُس طرز کو بیان کرتا ہوں جسمیں کہ اُن کا طریقِ علاج ہمارے طریقہ سے بالکل مختلف ہے۔ اور وہ اختلاف مندرجہ ذیل مُسلّمہ اُصول پر مبنی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تپ کے بیمار کو غذا کی کچھ بڑی ضرورت نہیں۔ اور فاقہ سب سے بڑا علاج ہے۔ اور اِس مرض میں شوربے یا یخنی سے زیادہ مضر اور کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ یہہ دو چیزیں تپ والے شخص کے معدہ میں فوراً خراب ہو جاتی ہیں۔ اور اُن کے نزدیک بجز خاص خاص اور نہایت ضروری موقعوں کے مثلاً یا تو جب سرسام کا اندیشہ ہو یا جب کبھی گُردہ یا جگر یا سینہ میں ورم پیدا ہو جاوے فصد نہ لینی چاہیئے۔ اس بات کا فیصلہ میں اپنے فاضل طبیبوں پر چھوڑتا ہوں کہ آیا یہہ معالجہ کے طریقے درست ہیں یا نہیں مگر ہاں صرف اتنا میں بھی کہتا ہوں کہ ہندوستان میں یہہ طریقے کارگر ہو جاتے ہیں۔

ہندوستان کے مسلمان طبیب بھی بعض معالجات ہندوؤں کی طرح کرتے ہیں

اور مغل اور اور مسلمان طبیب جو ابو علی سینا اور ایوروس (یعنی ابنِ رشد)* کے پیرو ہیں

* ابن رشد کا نام محمد تھا اور اپنے اجداد میں سے رشد نامے ایک شخص کی نسبت سے محمد ابنِ رشد

> بعض کے نزدیک نور و ظلمت اصلِ اوّل ہے۔

بعض نور اور ظلمت ہی کو اصل اوّل مانتے ہیں۔ اور اس رائے کی تائید میں وہ ایسے بیمعنی دلائل پیش کرتے ہیں جو صحیح فلسفہ کے خلاف محض ہیں اور ایسی ایسی طول طویل قیل و قال کرتے ہیں کہ جسکو صرف عامی اور ناخواندہ لوگوں ہی کے کان سن سکتے ہیں

> بعض کے نزدیک ایک یا چند برائی لیٹس ہی اصل اصول ہیں

بعض ایک یا چند پرائی ویشنوں ہی کو اصل اصول تسلیم کرتے ہیں۔ جنکو وہ نتھنگ سے جُدا سمجھتے ہیں اور جنکی تعداد کی نسبت ایک ایسا غیر حکیمانہ طول طویل اندازہ کرتے ہیں کہ مجھے یقین نہیں ہے کہ ایسی جزوی باتوں کی خاطر ان کے مصنفوں نے قلم اٹھاکر کچھ لکھا ہو۔ اور اسلیئے نہیں کہا جا سکتا۔ کہ انکی کتابوں میں یہہ بیہودہ باتیں موجود ہوں۔

> بعضے سمبندھ ہی کو اصل سمجھے ہیں

بعض قائل ہیں کہ ہر چیز اتفاق کا نتیجہ ہے یعنی جسکو پنڈت لوگ سمبندھ کہتے ہیں۔ اور اسکی نسبت بھی وہ ایسی لمبی چوڑی عجیب تقریریں کرتے ہیں جو جاہل لوگوں ہی کے لائق ہوتی ہیں۔

> ہندوؤں کے نزدیک اصول و مبادی اشیا ازلی و ابدی ہیں۔

ان تمام اصول کی نسبت پنڈتوں کا اتفاق ہے کہ یہہ ازلی و ابدی ہیں۔ اکاش سے کائنات کے پیدا ہونے کی نسبت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اتنا ہی سمجھے ہوئے ہیں جتنا کہ بہت سے قدیم حکما کے دلوں میں خیال تھا۔ مگر البتہ وہ کہتے ہیں کہ ایک اچارج نے اس مسئلہ کی نسبت کچھ لکھا ہے (یعنی اس بحث کو کسی قدر شرح اور بسط سے تحریر کیا ہے۔

بعضے مادہ اور صورت کو اصل قرار دیتے ہیں

بعض کا قول ہے کہ ہر چیز "میٹر[1] اور" فارم[2] یعنی مادہ صورت سے مرکب ہے۔ لیکن کوئی پنڈت مادہ اور صورت کو صاف صاف بیان نہیں کر سکتا۔ اور مادہ کی بابت تو کچھ بیان بھی کرتے ہیں مگر صورت کی نسبت بہت ہی کم تشریح کر سکتے ہیں۔ بہر حال اُن کا بیان صرف اسیقدر قابلِ فہم ہے کہ اُس سے مجھے ظاہر ہو گیا کہ یہہ لوگ اِن دونوں میں سے کسی ایک کو اُتنا بھی نہیں سمجھتے جتنا کہ یہی لفظ ہمارے مدارس میں جبکہ قوت مادیہ میں سے صورت نوعیہ کے ظہور کا مسئلہ بیان کیا جاتا ہے۔ طالب علموں کو ایک معمولی طور پر سمجھا دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمیشہ مصنوعی چیزوں کی مثالیں دیتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ملائم مٹی بطور مادہ کے ہے اور کمہار اُسکو پھرا پھرا کر جو طرح طرح کی شکلیں بنا لیتا ہے یہہ صورت ہے۔

بعضے عناصر اربعہ اور اکاش کو موجودات کی اصل جانتے ہیں۔

بعض کی یہہ رائے ہے کہ ہر چیز عناصر اربعہ اور "نتھنگ" (نَ تِھ نَ گ) یعنی اکاش سے مرکب ہے۔ لیکن وہ عناصر کے استحالہ یا آپسمیں مل جانے کے نسبت کچھ نہیں کہتے۔

لفظ اکاش کا لفظ پرائی وشن کے قریب المعنی ہونا۔

اور نتھنگ[3] یعنی اکاش کی جو ہمارے لفظ پرائی ویشن[4] یعنی عدم مطلق کے قریب المعنی ہے کئی قسمیں بتلاتے ہیں۔ جنکو میں خیال کرتا ہوں کہ نہ تو وہ خود سمجھتے ہیں نہ دوسرے کو سمجھا سکتے ہیں۔

---

(1) Matter (2) Form (3) Nothing

(4) Privation

اِس خیال پر وہ اپنے اور بہت سے تصوّرات کی بنیاد قائم کرتے ہیں جو کسی قدر ڈِمُی مَاکْ رِتْی ٹَس* (ذِمُی مَقراطِیس) اور اپی کیورس کے
Epecurees Demacritzes
خیالات سے مشابہ ہیں- لیکن وہ اپنے خیالات کو ایسے غیر منضبط اور ناتحقیق طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ اِن کا مطلب سمجھنا مشکل ہے- اور خواہ کیسے ہی بڑے فاضل مشہور ہیں- لیکن اگر انکی بیحد نافہمی پر غور کیا جاے تو اسمیں محل شبہ ہے کہ آیا یہہ بیہودگی اُن کتابوں کے اصل مصنفوں سے منسوب ہونی چاہیئے یا کہ اُنکے اِن مترجموں اور شارحوں سے زیادہ تر منسوب ہوسکتی ہے

---

* یہہ مشہور یونانی حکیم جو سنہ عیسوی سے چارسو اکہتر برس پہلے پیدا ہوا تھا بہت سے لوگوں نے اسکی تقلید کی ہے اور علوم حکمیہ اس سے سیکھے ہیں- چنانچہ اپی کیورس بھی جسکا ذکر متن میں ہے- اِسی کا شاگرد تھا- اس کا اعتقاد تھا کہ تمام اجسام کی بُنیاد ایسے چھوٹے چھوٹے اجزا ہیں جو باعتبار اپنی طبیعتوں کے ہم شکل اور باعتبار صورتوں کے مختلف اور ایسے سخت ہیں کہ اُنکی تقسیم صرف وہم ہی سے ممکن ہے- اور یہہ کہ یہہ اجزا باعتبار شمار کے غیر متناہی اور ایسی خلا کے اندر جسکی کوئی حد نہیں پھیلے ہوئے اور دائم الحرکت ہیں- پس کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہہ اجزا آپس میں ٹکراتے اور کبھی خاص صورت پر اکٹھے ہوجاتے ہیں اور انکے اس اتفاق اور اجتماع ہی سے جہان کا وجود ہے-! اور یہہ کہ ہمارے اس جہان کے مانند بے شمار جہان ہیں جو ایسی ہی نظم و ترتیب کے ساتھ خلاء غیر متناہی کے اندر موجود ہیں- لیکن اسکی راے میں امورات جزئی یعنی حیوانات اور نباتات کے وجود کا سبب اجزاء مذکور کا اتفاقاً باہم ٹکرانا اور مجتمع ہوجانا نہیں ہے- اِسکے شاگرد اپی کیورس کی بھی یہی راے ہے اور اُسکا قول ہے کہ ترکیب کی حالت میں یہہ اجزا حقیقتاً آپس میں [illegible] باہم بہت جاتے ہیں اور اجسام محسوسہ کے اندر بالفعل موجود اور ایک دوسرے سے متمیز رہتے ہیں پس جیسے کہ [illegible] عقل حسی سے متصل نہیں ہے بلکہ صرف ان اجزا کی باہم چھیڑ رہنے کا نام ہے [ماخوذ از تاریخ التواریخ]

باعث اُنکے پیروؤں کے باہم ازبس رشک اور بحث مباحثے رہا کرتے ہیں - کیونکہ ہر فرقہ کے پنڈت یہی ادّعا کرتے ہیں کہ ہمارے ہی مسائل سب سے زیادہ صحیح اور بید کے موافق ہیں -

بودھ مت اور اُسکے پیروؤں کا ذکر

اور ساتواں فرقہ بودھ کے پیروؤں کا ایک اور ہوگیا ہے - جسکی بارہ شاخیں ہیں - لیکن اِس فرقہ کے لوگ شمار میں اسقدر کثرت سے نہیں ہیں جیسے اَور فرقوں کے ہیں - اور اِنکو حقارتاً لامذہب اور دہریہ کہا جاتا ہے - اور قابل نفرت اور حقیر شمار کئے جاتے ہیں - اور یہہ لوگ ایک ایسے طریق سے زندگی بسر کرتے ہیں جو اُنہیں سے مخصوص ہے

پیدائش موجودات کے باب میں ہندوؤں کے مختلف مذاہب کا ذکر

First Principles
ہندوؤں کی تمام پوتھیوں میں فرسٹ پرنسپلز یعنی اُصول ومبادی اشیاء کا ذکر ہے لیکن طرز بیان میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں -

بعضے اجزاے لایتجزی کو کائنات کی اصل مانتے ہیں

چنانچہ بعضے تو یہہ کہتے ہیں کہ ہر چیز چھوٹے چھوٹے ناقابل التقسیم اجسام سے مرکب ہے - اور یہہ ناقابلیت انقسام اسوجہ سے نہیں ہے کہ وہ سخت یا غیر متخلخل اور ٹھوس وغیرہ ہیں - بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ بدرجہ غایت چھوٹے ہیں اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: فرقہ کے بعض مسئلے ارسطو کے مسائل منطق سے ملتے جلتے ہیں چوتھا بیشیشک جسکا بانی کناد مُنی ہے پانچواں سانکھہ جسکا بانی کپل مُنی ہوا - چھٹا جوگی یعنی پاتنجل شاستر کا پیرو جسکو پاتنجل رشی نے قائم کیا - یہہ دونوں فرقے موخرالذکر بہت سی رایوں میں متفق ہیں - اِن سب فرقوں کے مسائل کی تفصیل اگر کسیکو دیکھنی ہو تو الفنسٹن صاحب کی تاریخ ہندوستان کے پہلے حصہ میں اور اُس سے ہی زیادہ شیخ ابوالفضل کی آئین اکبری میں دیکھ لے - مترجم

ذکر ہوا ہے آتی رہی ہیں - اور وہی دیوتا ہو گئے ہیں یا اگر قدیم
بُت پرستوں کی اُن اصلاحوں میں جن سے ہم واقف ہیں کہا جاے تو
وہ طاقت ور دیوتا نیومینیا (بمعنی روح) جینائی (بمعنی دیو) ڈیمن خواہ یہہ کہو کہ سپرٹ اور فیری (بمعنی پری)
بنگئے - کیونکہ ہندوستانی لفظ دیوتا کے معنی بجز الفاظ مذکورۂ بالا میں بیان
نہیں کرسکتا -

ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح انسانی پرم آتما یعنی ذات الٰہی کا ایک جز ہے —

لیکن جب یہہ خیال کیا جائے کہ ہندوؤں کا
یہہ اعتقاد ہے کہ ہماری روحیں ذات الٰہی
کی جزو ہیں تو یہہ دوسرے معنی بھی قریباً پہلے
ہی معنی بن جاتے ہیں -

بعض ہندوؤں کے نزدیک اوتار اور راچھس کے لفظ سے خدا کی مختلف صفتیں مُراد ہیں —

بعض پنڈتوں نے یہہ عمدہ تشریح کی کہ جن
اوتاروں یا راچھسوں کا ہماری پوتھیوں میں
ذکر ہے اِن کے معنی پوشیدہ ہیں اور اِن سے
یہہ غرض ہے کہ خدا کی مختلف صفات ظاہر ہوں نہ یہہ کہ اِن کے لفظی معنی
لئے جاویں -

بعض پنڈتوں کے نزدیک اوتاروں کے قصّے محض مذہبی افسانے ہیں —

بعض نہایت فاضل پنڈتوں نے آزادانہ
صاف طور پر یہہ کہا کہ اِن اوتاروں کے
قصّہ سے زیادہ لغو اُور کوئی قصہ نہیں ہے
اور اُن اچارجوں نے جنہوں نے قوانین مذہبی کی کتابیں بنائی تھیں

ٖ پرسرام ساتواں رام یعنی رامچندر جی مہاراج اٹھویں سری کرشن مہاراج نہم بودھ دسواں کلکی جسکا ابتک ظہور نہیں ہوا - س م ح

مصنّف کے ایک رسالے اور فادر کرزکر کی ایک کتاب کا ذکر

کچھ عرصہ ہوا کہ میںنے مذہب ہنود کی نسبت ایک رسالہ لکھا تھا اور ہندوؤں کے مندروں کے بتوں کی بہت سی مورتوں کی تصویریں مع سنسکرت کے حرفوں کے اپنی اُس کتاب میں لگائی تھیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ میری کتاب کا جو لُب لباب تھا وہ فادر کرزکر کی کتاب مسمّٰے بہ چائینا ایلسٹریٹا† میں موجود ہے۔ اور فادر کرزکر کو فادر رُوآ سے جب وہ رُوم میں تھے معلومات کا ایک معتد بہ حصّہ حاصل ہوا تھا۔ اسلیئے میں آپکو فادر موصوف کی کتاب کے مطالعہ کی صلاح دیتا ہوں مگر ہاں اس جگہہ مجھے یہہ ضرور کہنا چاہیئے کہ لفظ انکارنیشن+ (یعنی ظہور ربانی بحیثیت اوتار) جسکو اُس محترم فادر نے استعمال کیا ہے مجھکو نیا معلوم ہوا۔ کیونکہ پہلے میںنے اس لفظ کو ٹھیک اِن معنوں میں بولے جاتی کبھی نہیں سُنا تھا۔

لفظ اوتار اور دیوتا سے ہندوؤں کی کیا مراد ہے

بعض پنڈتوں نے مجھ سے اپنا مسئلہ اس طرح بیان کیا کہ جن مختلف صورتوں کا اوپر ذکر ہوا ہے اگلے زمانہ میں اِن میں خدا ظہور فرماتا رہا ہے۔ اور مندرجہ بالا عجائبات اُسنے انہیں صورتوں میں پورے کیئے ہیں۔

ہندوؤں کے نزدیک بعض بہادر اور سورما بھی دیوتا ہو گئے ہیں

بعض پنڈتوں کا یہہ قول تھا کہ بڑے بڑے نامور سورما اور بہادروں کی روحیں جنکو ہم فرنگستان والے ہیرو کہتے ہیں اُن مختلف جسموں میں جن کا اوپر

دس اوتار مفصلہ ذیل بالاتفاق مانے جاتے ہیں اول مچھ دویم کورم یا کچھ سویم باراہ چہارم نرسنگھ پنجم بامن معروف باون ششم

† China Illustrata + Incarnation

سامنے آئے اور راجہ نے بیٹی کو اس پُر مسرت واقعہ کا حال کہلا بھیجا اور وہ بلا تامل شادی کرنے پر راضی ہو گئی۔ اور مہادیو اس آگ ہی کی شکل میں راجہ کے دربار میں بلائے گئے اور جب انہوں نے دیکھا کہ راجہ کے وزیروں کی رائے شادی کی نسبت نہیں ہے تو انہوں نے اول اُنکی داڑھیاں جلا ڈالیں اور پھر اُن سب کو مع راجا کے خاندان کے جلا کر بھسم کر دیا اور اسکے بعد راج کنیاں سے شادی کر لی! بشن جی کی نسبت ہندوؤں کا یہہ بیان ہے کہ اُن کا پہلا اوتار شیر کا دوسرا سؤر کا تیسرا کچھوے کا۔ چوتھا سانپ کا۔ پانچواں صرف ایک ہاتھ بھر کی بونی برہمنی کا چھٹا شیر کی شکل کے آدمی کا۔ ساتواں مچھ کا۔ آٹھواں جو اُوپر بیان ہو چکا ہے نواں بغیر دُم کے بندر کا اور دسواں اوتار ایک بڑی بہادر کا ہوگا[۵۱]! مجھے اس میں کچھ شک نہیں کہ فادر روآ کو ہندوؤں کے مسائل کی واقفیت بیدوں سے حاصل ہوئی تھی اور انہوں نے جو کچھ مجھ سے بیان کیا بیشک ہندوؤں کے مذہب کی یہی بنیاد ہے۔

---

۵۱ مصنف نے پادری روآ کے قول کے موافق اوتاروں کی بابت جو یہہ مضمون لکھا ہے اسمیں کئی غلطیاں ہیں۔ جسکو ہم پنڈتوں سے بڑی تحقیق کے بعد بیان کرتے ہیں۔ اول یہہ کہ شیر کا اوتار کوئی نہیں ہوا۔ دوئم یہہ کہ بونے برہمن کا اوتار ہوا ہے بونی برہمنی کا نہیں ہوا جیسا کہ پادری روآ نے بیان کیا ہے۔ سوئم یہہ کہ بغیر دُم کے بندر کا کوئی اوتار نہیں ہوا اور جیسا کہ آئین اکبری میں بہت سی شرح و بسط کے ساتھ درج ہے ہندو شاستروں کے موافق اوتار دو قسم کے ہیں اول پورن اوتار دوئم انش اوتار۔ پورن اوتار وہ ہیں جو علی وجہ الکمال ذات الٰہی کے مظہر ہوئے ہیں۔ اور انش اوتار وہ ہیں کہ جن میں ذات باری نے من وجہٖ ظہور کیا ہے۔ اگرچہ شمار اوتاروں کا چوبیس تک بھی مانتے ہیں مگر منجملہ اُنکے

مصنّف کے ایک رسالے اور فادر کِرکر کی ایک کتاب کا ذکر

کچھ عرصہ ہوا کہ مینے مذہب ہنود کی نسبت ایک رسالہ لکھا تھا اور ہندوؤں کے مندروں کے بُتوں کی بہت سی مورتوں کی تصویریں مع سنسکرت کے حرفوں کے اپنی اُس کتاب میں لگائی تھیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ میری کتاب کا جو لُب لباب تھا وہ فادر کِرکر کی کتاب مسمے بہ چائینا ایلسٹریٹا† میں موجود ہے۔ اور فادر کِرکر کو فادر رُوآ سے جب وہ روم میں تھے معلومات کا ایک معتدبہ حصّہ حاصل ہوا تھا۔ اسیلئے میں آپکو فادر موصوف کی کتاب کے مطالعہ کی صلاح دیتا ہوں مگر ہاں اس جگہہ مجھے یہہ ضرور کہنا چاہیئے کہ لفظ انکارنیشن‡ (یعنی ظہور ربانی بحیثیت اوتار) جسکو اُس محترم فادر نے استعمال کیا ہے مجھکو نیا معلوم ہوا۔ کیونکہ پہلے مینے اس لفظ کو ٹھیک اِن معنوں میں بولے جاتی کبھی نہیں سُنا تھا۔

لفظ اوتار اور دیوتا سے ہندوؤں کی کیا مراد ہے

بعض پنڈتوں نے مجھ سے اپنا مسئلہ اس طرح بیان کیا کہ جن مختلف صورتوں کا اوپر ذکر ہوا ہے اگلے زمانہ میں اِن میں خدا ظہور فرماتا رہا ہے۔ اور مندرجہ بالا عجائبات اُسنے انہیں صورتوں میں پورے کیئے ہیں۔

ہندوؤں کے نزدیک بعض بہادر اور سورما بھی دیوتا ہو گئے ہیں

بعض پنڈتوں کا یہہ قول تھا کہ بڑے بڑے نامور سورما اور بہادروں کی روحیں جنکو ہم فرنگستان والے ہیرو کہتے ہیں اُن مختلف جسموں میں جن کا اوپر

ترجمہ: دس اوتار مفصلہ ذیل بالاتفاق مانے جاتے ہیں اول مچھ دویم کورم یا کچھ سویم باراہ چہارم نرسنگھ پنجم بامن معروف باون ششم

† China Illustrata ‡ Incarnation

سامنے آئے اور راجہ نے بیٹی کو اس پُر مسرت واقعہ کا حال کہلا بھیجا اور وہ بلا تامل شادی کرنے پر راضی ہوگئی۔ اور مہادیو اس آگ ہی کی شکل میں راجہ کے دربار میں بُلائے گئے اور جب انہوں نے دیکھا کہ راجہ کے وزیروں کی رائے شادی کی نسبت نہیں ہے تو انہوں نے اول اُنکی داڑھیاں جلا ڈالیں اور پھر اُن سب کو مع راجا کے خاندان کے جلا کر بھسم کر دیا اور اِسکے بعد راج کنیاں سے شادی کر لی! بشن جی کی نسبت ہندوؤں کا یہہ بیان ہے کہ اُن کا پہلا اوتار شیر کا دوسرا سُور کا تیسرا کچھوے کا۔ چوتھا سانپ کا۔ پانچواں صرف ایک ہاتھ بھر کی بونی برہمنی کا چھٹا شیر کی شکل کے آدمی کا۔ ساتواں مچھ کا۔ آٹھواں جو اوپر بیان ہوچکا ہے نواں بغیر دُم کے بندر کا اور دسواں اوتار ایک بڑی بہادر کا ہوگا[۵]! مجھے اس میں کچھ شک نہیں کہ فادر رو آ کو ہندوؤں کے مسائل کی واقفیت بیدوں سے حاصل ہوئی تھی اور اُنہوں نے جو کچھ مجھ سے بیان کیا بیشک ہندوؤں کے مذہب کی یہی بُنیاد ہے۔

---

۵ مصنف نے پادری رو آ کے قول کے موافق اوتاروں کی بابت جو یہہ مضمون لکھا ہے اسمیں کئی غلطیاں ہیں۔ جسکو ہم پنڈتوں سے بڑی تحقیق کے بعد بیان کرتے ہیں۔ اول یہہ کہ شیر کا اوتار کوئی نہیں ہوا۔ دوئم یہہ کہ بونے برہمن کا اوتار ہوا ہے بونی برہمنی کا نہیں ہوا جیسا کہ پادری رو آ نے بیان کیا ہے۔ سوئم یہہ کہ بغیر دُم کے بندر کا کوئی اوتار نہیں ہوا اور جیسا کہ آئین اکبری میں بہت سی شرح و بسط کے ساتھ درج ہے۔ ہندو شاستروں کے موافق اوتار دو قسم کے ہیں اول پورن اوتار دوئم اَنش اوتار۔ پورن اوتار وہ ہیں جو علی وجہ الکمال ذات الٰہی کے مظہر ہوئے ہیں۔ اور انش اوتار وہ ہیں کہ جن میں ذات باری نے من وجہ ظہور کیا ہے۔ اگرچہ شمار اوتاروں کا چوبیس تک بھی مانتے ہیں مگر منجملہ اُنکے

کو ڈھانک لیا - اور جب نیچے گرا تو تمام زمین کانپنے لگی اور وہ اپنے ہی
بوجھ سے اِسقدر زمین میں دھس گیا کہ فوراً جہنم میں جا گرا - اس قوی الجثہ
دیئت کے ساتھ لڑتے لڑتے بشن جی خود بھی پہلو میں زخم کھا کر گر گئے
لیکن اِن کے گرنے سے تمام دشمن بھاگ گئے اور وہ پھر اُٹھے اور
دُنیا کو اِس بلا سے چھوڑا کر آسمان پر چلے گئے - اور چونکہ اِن کے پہلو میں
زخم آگیا تھا اسلئے وہ عموماً زخمی پہلو* والے کے نام سے مشہور ہیں !
ہندو یہہ بھی کہتے ہیں مگر بید سے اِسکی تصدیق نہیں ہوتی کہ لوگوں کو مسلمانوں
کے ظلم سے بچانے کے واسطے دسواں اوتار اَور ہوگا - اور ہم عیسائی لوگوں
کے اندازہ کے بموجب یہہ اُسوقت ہوگا جبکہ دجّال ظہور کریگا - ہندو کہتے ہیں
کہ مہادیو بھی دُنیا میں آئے ہیں - اور اُنکی نسبت یہہ روایت ہے کہ کسی راجہ
کی لڑکی جب سنِ بلوغ کو پہنچی تو اُسکے باپ نے پوچھا کہ تو کس سے شادی
کرنا چاہتی ہے - اور جب اُسنے یہہ جواب دیا کہ میں بجز کسی دیوتا کے
اور سے شادی کرنا نہیں چاہتی - تو مہادیو آگ کا روپ دھار کر راجہ کے

---

* اگرچہ ہمنے اپنے بعض دوست پنڈتوں کی معرفت بہت سی کوشش کی کہ بشن
پُران کی جس کتھا سے ڈاکٹر برنی آر نے یہہ مضمون لیا ہے اُس سے صحت اور
تشریح اسکی کیجائے خصوصاً بشن سہنسر نام میں سے بشن کا وہ لقب صحیح کرکے لکھا جاے
جس کے معنی بلحاظ اُس کتھا کے زخمی پہلو والے کے ہوں - مگر اطمینان کی لایق
کوئی بات حاصل نہوئی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح غیر ملک کے لوگ بعض
اوقات غلطیاں کیا کرتے ہیں اُسی طرح یہاں بھی کچھ خلط بحث ہوگیا ہے اور سری کرشن جی جو
بشن کے اوتار تھے کچھ تو اُنکی ولادت وغیرہ کی کتھا اور کچھ بشن کی کتھا کو باہم ایسے طور پر ملا دیا
گیا ہے کہ جس سے کسی اصل کتھا کے ساتھ یہہ بیان مطابق نہیں ہوتا - (س م ح)

برہما بشن مہیش اور اُن کے اوتاروں کی بابت فادر روا نام ایک مشنری مقیم آگرہ کا بیان

فادر روا[1] نے جو آگرہ میں ایک جرمن جیسوئٹ مشنری تھے اور سنسکرت خوب جانتے تھے مجھ سے کہا کہ ہندوؤں کی پوتھیوں میں صرف یہی نہیں لکھا کہ تین دیوتا ملکر ایک خدا ہے بلکہ یہہ بھی ہے کہ دوسرے دیوتا یعنی بشن نے نو مرتبہ اوتار لیا ہے - یعنی مجسم ہوکر دنیا میں ظہور کیا ہے - اِنھوں نے یہہ بھی کہا کہ جب میں شہر روم کو واپس جاتا ہوا شیراز میں ٹھہرا وہاں کارمیلائٹ[2] فرقہ کے ایک پادری نے عمدہ طور سے اِس بات کو تحقیق کردیا کہ ہندوؤں کے مندرجہ ذیل مسائل ہیں !
ہندو کہتے ہیں کہ اُنکی تثلیث کے دوسرے دیوتا یعنی بشن نے نو مرتبہ دنیا میں اسوجہ سے اوتار لیا ہے کہ جو جو پاپ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے اُن سے لوگوں کو چھوڑایا - جسمیں سے آٹھویں دفعہ کا اوتار لینا بہت مشہور ہے - کیونکہ ہندو کہتے ہیں کہ جب دنیا دَیتوں کی طاقت سی مغلوب ہوگئی تو بشن نے آدھی رات کیوقت کنواری لڑکی کے پیٹ سی پیدا ہوکر اوتار لیا اور دُنیا کو نجات دی - اور اس تمام رات کو آسمان سے پھولوں کی بارش ہوتی رہی اور فرشتے گاتے رہے - یہہ بات کسیقدر عیسائی مذاق کے موافق ہے مگر آگے بڑھکر یہہ کہانی کچھ اَور ہو جاتی ہے - کیونکہ ساتھ ہی یہہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اِس اوتار نے ایک دَیت کو مارنا شروع کیا جو آسمان کی طرف اُڑ گیا اور وہ ایسا قوی ہیکل تھا کہ اُسنے آفتاب

(1) Father Roa　(2) Carmelite

جنکو گمان تھا کہ ہندو بھی اُس اسرار کا جو تثلیث کے مسئلہ میں ہے کچھ نہ کچھ خیال رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بید میں صاف لکھا ہوا ہے کہ یہہ تین[۳] وجود اگرچہ بظاہر تین ہیں مگر وہ دراصل ایک ہی خدا ہے۔

برہما بشن مہیش کی جو حقیقت پنڈتوں نے بیان کی اُسکی فہم سے مصنف کی قاصر رہنے کا ذکر۔

یہہ ایک مسئلہ ہے کہ جسکی نسبت مینے پنڈتوں کو نہایت طولانی بحث کرتے سُنا ہے۔لیکن اُنکا بیان ایسا اُلجھا ہوا ہوتا ہے کہ اُنکی راے صاف طور پر میری سمجھ میں کبھی نہیں آئی۔بعض اُن میں سے یہہ کہتے ہیں کہ تین وجود جنکا ذکر ہے حقیقت میں تین مستقل وجود ہیں۔جنکو وہ دیوتا کہتے ہیں مگر وہ یہہ صاف صاف نہیں بیان کر سکتے کہ لفظ دیوتا سے اُنکی اس جگہہ کیا مُراد ہے اور جیسے کہ ہمارے قدیم بُت پرست جینائی[۱] اور نیومینا[۲] دو نام لیا کرتے تھے اور میری راے میں واضح طور پر وہ کبھی نہیں بیان کر سکتے تھے کہ اُنکی مراد اِن الفاظ سے کیا ہے۔ایسے ہی ہندوستانیوں کے یہہ دیوتا بمنزلہ اُنہی جینائی اور نیومینا کے ہونگے۔بعض نہایت ذی علم پنڈتوں نے گفتگو آنے پر یہہ بیان کیا کہ خدا ایک ہی ہے اور یہہ تین[۳] وجود ایک ہی خدا سے مُراد ہے جو تین مختلف صفتوں سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا۔پالنے والا۔اور نابود کرنے والا۔لیکن انہوں نے یہہ نہیں کہا کہ خدا بلحاظ اِن تین[۳] علیحدہ علیحدہ صفتوں کے کسی قسم کے جدا جدا وجودوں کا اپنے وجود واحد میں جامع ہے۔

(1) Genii (2) Numina

میں صاف یہہ بات آئی ہوئی تھی کہ یہہ کچھ خُدا کا حکم نہیں ہے اور صرف ایک انسانی ایجاد ہے - اِنہوں نے یہہ ہنسی کا جواب دیا کہ ہم یہہ نہیں کہتے کہ ہمارا قانون ہر جگہہ برتا جا سکتا ہے بلکہ خُدا نے یہہ محض ہمارے ہی واسطے بنایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم غیر شخص کو اپنے مذہب میں نہیں ملا سکتے - اور ہم یہہ بھی نہیں کہتے کہ تمہارا مذہب جھوٹا ہے - یہہ تمہاری حالتوں اور حاجتوں کے مناسب ہوگا - کیونکہ خدا نے جنّت میں جانے کے مختلف طریقے مقرر کردیئے ہیں - مینے اِنکو اس بات کا یقین دلانا ناممکن سمجھا کہ تمام روئے زمین کے واسطے عیسائی مذہب ہی بنا ہے - اور تمہارا مذہب محض ایک قصہ اور بیہودہ بناوٹ ہے -

برہما بشن مہیش کی پیدایش اور صفات کا بیان -

بید کا قول ہے کہ جب خُدا نے چاہا کہ دُنیا کو پیدا کرے تو اپنے اس ارادہ کے پورا کرنے سے پہلے اُسنے یہہ تین دیوتا پیدا کئے برہما - بشن - مہادیو - برہما کے معنی تمام موجودات میں رچے ہوئے کے ہیں - بشن کے معنی تمام چیزوں میں موجود رہنے والے کے ہیں - مہادیو کے معنی بڑا دیوتا - !!! برہما کے ذریعہ سے اُسنے دُنیا کو پیدا کیا - بشن کے وسیلہ سے وہ اُسکو قائم رکھتا ہے - اور مہادیو کے ہاتھوں وہ اسکو نیست و نابود کریگا - اور خدا کے حکم سے برہما نے چار بیدوں کو رچا - چنانچہ اِسی وجہ سے بعض مندروں میں برہما کی مورت چو مکھی ہوتی ہے -

بیدمیں تثلیث کے مسئلہ کے موجود ہونیکا گمان

یورپین پادریوں سے میری گفتگو آئی ہے

کا مسلہ بھی جانوروں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کا باعث ہوا کیونکہ انکو یہہ یقین ہے کہ کسی جانور کو مار ڈالنا یا کھالینا بغیر کسی اپنے باپ دادا کی مار ڈالنے کے ممکن نہیں ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اَور کوئی گناہ کیا ہوسکتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ برہمنوں کو یہہ خیال بھی ہوا ہو کہ ہمارے مُلک میں بجز تھوڑی مدت جاڑے کے موسم کے گائے بیل کا گوشت لذیذ اور صحت بخش بھی نہیں ہوتا

ترکال سندھیا اور روزمرہ کے اشنان کے فرض ہونے کا ذکر اور مصنف کے خیال کے موافق اشنان کے فرض ہونے کی وجہ

بید کی بموجب ہر ہندو کو فرض ہے کہ رات دن میں تین[۳] مرتبہ صبح[۱] دوپہر[۲] اور شام[۳] کو مشرق کی طرف مونہہ کر کے پوجا اور تین[۳] ہی مرتبہ اشنان کرے اور کم سے کم کھانے سے پہلے تو ضرور ہی نہانا چاہیئے۔ اور ٹھیرے ہوئے پانی کی نسبت بہتے پانی میں نہانا اور پوجا کرنا زیادہ ثواب کی بات ہے !!! یہاں غالباً پھر اسی بات کا لحاظ کیا گیا ہوگا جسکا ہندوستان جیسی گرم ولایت میں کیا جانا صرف مناسب ہی نہیں بلکہ از بس فائدہ مند اور ضروری تھا مگر جو لوگ سرد ولایت میں رہتے ہیں یہہ قانون اُنکے مناسب حال نہیں ہے۔ اور مینے اپنے سفر کی حالت میں اکثر لوگوں کو اس قانون کی پابندی کے باعث دریاؤں اور تالابوں میں کودتے اور غوطے لگاتے اور اگر یہہ میتسر نہوں تو سر پر پانی کے بڑے بڑے ڈول ڈالتے اور اس وجہ سے جان کے اندیشہ میں پڑتے دیکھا ہے۔ بعض اوقات مینے اُنکے مذہب پر یہہ اعتراض کیا کہ اُسمیں یہہ ایک ایسا قانون ہے جسکا سردی کے موسم میں سرد ولایتوں میں عمل میں لانا ناممکن ہے۔ بلکہ اسی سبب سی میرے جی

ہے اِس سے حاصل ہوتا ہے اور یہہ کہ بیل زراعت کا بڑا بھاری ذریعہ
ہے۔ اور اِس وجہ سے گویا کہ گائے بیل اُنکی زندگی کے محافظ ہیں
یہہ بات بھی قابل بیان ہے کہ چراگاہوں کی قلت کی وجہ سے ہندوستان
میں بہت سے مویشی کا پالنا بھی مشکل ہے۔ کیونکہ سال میں آٹھ مہینے گرمی
ایسی سخت پڑتی ہے اور زمین ایسی خشک رہتی ہے کہ مویشی بھوک کے
مارے سوروں کی طرح تمام قسم کے خس و خاشاک اور نجاستیں چر جاتے
ہیں۔ پس اگر ہندوستان میں فرانس اور انگلستان کی طرح گوشت کھایا
جائے تو تمام جانور فوراً نابود ہو جائیں اور ملک بالکل بے زراعت رہجائے۔

گاؤ کشی کی ممانعت کے باب میں جہانگیر کے ایک حکم کا ذکر

چنانچہ قلت مویشی ہی کی وجہ سے جہانگیر نے
برہمنوں کی درخواست پر چند سال کے لیئے
گاؤ کشی کی ممانعت کر دی تھی۔ اور تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ اُنہوں نے ایک
ایسی ہی عرضی اورنگ زیب کو بھی دی تھی اور اُسکی منظوری کی خاطر بہت سا
نذرانہ دینا چاہتے تھے۔ اور ظاہر کیا تھا کہ پچھلے پچاس ساٹھ سال میں جو
مُلک کے بہت سے حصے ویران اور بے تردد رہے اسکی وجہ یہی تھی
کہ بیل کم اور گران قیمت تھے۔ شاید ہندوستان کے قدیم اچارجوں کو
جنہوں نے ایسے قوانین بنائے تھے یہہ اُمید ہو گی کہ گوشت کھانے
کی ممانعت کر دینے سے لوگوں کی عادات میں ایک مفید اثر پیدا ہوگا۔
اور جب اُنکو قطعاً یہہ حکم دیا جائیگا کہ وہ جانوروں کے ساتھ ہمدردی
سے پیش آئیں تو وہ آپسمیں بھی بیرحمی کے مرتکب نہوں گے تناسخ

ہندوؤں کے چار برنوں اور اُنکے باہم شادی کے ممنوع ہونے کا ذکر

بید کا قول ہے کہ تمام لوگ جیسے کہ وہ حال میں ہیں چار قوموں پر تقسیم ہوں گے۔

اوّل برہمن یعنی حاملان شریعت **دوسرے** چھتری یعنی جنگجو۔ **تیسرے** بیش یعنی سوداگر اور دوکاندار جنکو عرف عام میں بنیا بولتے ہیں۔ **چوتھے** شودر یعنی دستکار اور مزدور۔! اور ان مختلف قوموں کو آپسمیں شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یعنی برہمن کی چھتری کے ہاں شادی نہیں ہو سکتی۔ علیٰ ہذا اَور قوموں کی نسبت بھی یہی حکم ہے۔

تناسخ ارواح اور جیو ہتیا یعنی قتل حیوانات کی ممانعت اور گائے بیل کے ادب کا بیان۔ اور اُسکی نسبت مصنف کی رائے

ہندو لوگ تناسخ ارواح یعنی آواگون کے مسئلہ کے قائل ہیں اور جانداروں کے مارنے اور کھانے کو حرام سمجھتے ہیں۔ مگر چھتری اِس سے مستثنےٰ ہیں۔ بشرطیکہ وہ گائے اور سور کا گوشت نہ کھائیں کیونکہ ہندو اِن دو جانوروں کا بڑا ادب کرتے ہیں۔ خصوصاً گائے کا اِس خیال سے کہ اُسکی دُم پکڑ کر اُس دریا (یعنی بےترنی) سے پار ہونا ہے جو دُنیا اور آخرت کے مابین حائل ہے۔ ممکن ہے کہ جن لوگوں نے پُرانے وقتوں میں ایسے قانون بنائے تھے اُنہوں نے مصر کے چرواہوں کو اِسی طرح بائیں ہاتھ سے بھینس یا گائے کی دُم پکڑے ہوئے اور اُن کے ہانکنے کیلئے دائیں ہاتھ میں لاٹھیاں لئے ہوئے دریائے نیل سے پار ہوتے دیکھا ہوگا۔! یا گائے کا ایسا بڑا لحاظ غالباً اس وجہ سے ہو گا کہ وہ ایک نہایت ہی فائدہ بخش جانور ہے۔ اور دودھ اور گھی جو اُنکی بڑی غذا

ہندوؤں کے چار بید اور اُن کے نام	ہندوؤں کا یہہ ادّعا ہے کہ خدا نے

جسکو وہ اچر[۵۱] (یعنی غیر متحرک) کہتے ہیں - ہمارے واسطے چار بید[۵۲] بھیجے ہیں (بید ایک لفظ ہے جسکے معنی علم کے ہیں) چنانچہ اُن کا قول ہے کہ بید میں سب علوم ہیں - اوّل بید کا نام اتھربن بید ہے دوسرے کا یجربید تیسرے کا رگ بید چوتھے کا سام بید -

۵۱ مترجم انگریزی نے اپنی زبان کے لہجہ کے موافق غالباً غلطی سے لفظ ایشر کو جسکے معنی خدا کے ہیں اچر سمجھا ہے - اور اسی بنیاد پر اصل کتاب میں توسین کے اندر اُسکے معنی غیر متحرک کے لکھے ہیں - کیونکہ مصنف کی تحریر میں جو حروف ستی اچج حرف شین قرشت کے تلفظ کے لئے مستعمل ہوئے ہیں انکا اکثر یہہ تلفظ زبان انگریزی میں حرف چے یعنی جیم فارسی کا ہے - س-م-ح

۵۲ جس طرح برہما کی عمر کا شمار بے انتہا برسوں سے کرتے ہیں اُسی طرح بیدوں کی نسبت اہل ہند کا یہہ ادّعا ہے کہ لاکھوں برس سے ہیں - مگر یورپ کے محققوں نے بڑی چھان بین کے بعد انکی تالیف کا زمانہ چودھویں صدی قبل از سنہ عیسوی قرار دیا ہے اور اُن کی اس رائے کا صحیح ہونا بہت پختگی کے ساتھ ایک مقام سے جسکو سر ایڈورڈ کالبروک صاحب نے بیدوں ہی میں دریافت کیا ہے صحیح ٹھہرتا ہے - چنانچہ تشریح انکی وہ یوں لکھتے ہیں - کہ ہر بید میں علم ہیئت کا ایک ایک رسالہ اس غرض سے لگا ہوا ہے کہ پترے کی ترتیب معلوم ہووے اور اُس سے فرائض مذہبی کے اوقات دریافت ہوجایا کریں - پس وہ صریح اور قطعی دلیل جسپر اُنہوں نے اپنی مذکورہ بالا رائے قایم کی ہے یہہ ہے کہ جو مقام راس سرطان اور راس جدی کا اُس رسالہ میں قرار دیا ہے وہ وہی مقام ہے جو چودھویں صدی قبل از سنہ عیسوی میں ان دونوں راسوں کا تھا - پس کچھ شک نہیں ہے کہ بیدوں کی تالیف اِسی زمانہ میں ہوئی تھی - (ماخوذ از تاریخ ہند مولفہ الفنسٹن صاحب) س م ح

اپنے آقا کو فارسی میں ترجمہ کردیا تھا اور پانچ چھہ سال تک بالتخصیص میرا یہی شغل تھا) گفتگو کرتے کرتے تنگ ہوجاتا تھا تو اُسوقت ہم اپنے پنڈت کی طرف مخاطب ہوکر کہتے تھے کہ ہاں پنڈت جی! اب آپ کی باری ہے۔ اپنے طور پر بحث کیجئے اور اپنے افسانے سُنائیے! چنانچہ وہ نہایت ہی سنجیدگی کے ساتھ۔ یہاں تک کہ اثنائے گفتگو میں کبھی تبسم تک نہ کرتا تھا اپنی باتیں سناتا تھا۔ لیکن آخرکار ہم اُس کی کہانیوں اور لڑکوں کی سی دلیلوں سے ناخوش ہوگئے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

فلسفہ مشہور ہے۔ اثبات نفس ناطقہ کی بحث میں اسنے یہہ لکھا ہے کہ ہم ہر شے کے وجود کی نسبت شک کرسکتے ہیں لیکن اپنے شک کے وجود کی نسبت شک نہیں کرسکتے اور شک کرنا خود بمنزلہ مدرک ہونیکے ہے اور مدرک ہونا صاحب ادراک کے وجود کی دلیل ہے۔ پس ہمارا یہہ کہنا کہ ہم ہیں۔ یا ہم ذی وجود ہیں ایک ایسا جملہ ہے کہ جب ہم اِنکو زبان پر لائیں یا اسکے تصور کو دل میں جگہہ دیں ہر حال میں اسکی صحت پر ہمکو اطمینان حاصل رہتا ہے اور اس کہنے سے ہمکو نہ صرف اپنے وجود ہی کا علم ہوتا ہے بلکہ اپنے ذی ادراک ہونیکا بھی علم ہوتا ہے اور اس کے بعد کہتا ہے کہ چونکہ ہم اپنے میں ایک ایسی غیر مادی شے پاتے ہیں جو ہر ایک نقصان سے منزہ ہے تو ضرور ہے کہ اُسکے لئے کوئی علّت ہو۔ کیونکہ علت کے بغیر معلول کا وجود ناممکن ہے۔ اور چونکہ ناقص کامل کی علّت نہیں ہوسکتا۔ اسلئے ہم جو ایک ادنیٰ اور ناقص وجود ہیں اُسکی علّت نہیں ہوسکتے اور اسلئے ضرور ہے کہ ہمارے سوا اُسکی علت کوئی اور ایسا ذی وجود ہو جسکی عظمت اور کمال اور قدرت سے یہہ معلول ہمیں خبر دیتا ہے۔ اور جس وجود نے بذریعہ اپنے اس معلول کے ہمارے نفس پر اپنا ایک نشان منقش کردیا ہے۔ مگر اس نشان سے خود اُس علت کا وجود مُراد نہیں ہے پس ہمارا ہونا ہمکو خدا کے ہونے کی بھی خبر دیتا ہے۔ س م ح

سُناتے تھک جاتا اور گیسینڈی اور ڈیکارٹس* کے فلسفہ پر (جسکا بنے

Gassendi

(۱) بارتھولین

اِس نامور محقق نے سنہ سولہ سو سینتالیس (۱۶۴۷) عیسوی میں برخلاف عقیدہ جمہور اطبار متقدمین کے یہ نئی بات نکالی کہ جگر کو خون بنانے سے کچھ تعلق نہیں بلکہ عروق ماساریقا سے عفوت کیلوس اوّل بشکل ایک سفید رطوبت کے ایک بڑی رگ میں سے ہو کر قلب کے دائیں خانہ میں جاکر مبتدل بہ خون ہوجاتی ہے -!!! س م ح

(۲) ولیم ہاروے

شہر فوک[۱] سٹون واقع صوبہ کینٹ[۲] میں پیدا ہوا - اُنیس[۱۹] برس کی عمر میں کیمبرج[۳] کالج سے بی اے کی ڈگری حاصل کرکے شہر پاڈوا[۴] واقع ملک اٹلی کے مدرسہ طبی میں جو اُس زمانہ میں بہت مشہور مدرسہ اس فن کا تھا داخل ہوا - اور بڑے بڑے نامی اُستادوں سے تعلیم پاکر چوبیس برس کی عمر میں ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی اور وہاں سے اپنے وطن انگلینڈ میں واپس آکر لندن میں سکونت اختیار کی - سنہ سولہ سو پندرہ (۱۶۱۵) میں یہ شخص انگلستان کے ایک طبی مدرسہ میں فن تشریح اور جراحی کا لیکچرار مقرر ہوا - اور یہاں اِسنے اپنی تحقیقات کے جدید مسئلہ دوران خون کو ظاہر کیا - اور کئی برس تک اپنے اور یورپ کے اور مُلکوں کے ڈاکٹروں کے ساتھ بحث مباحثے کرکے اس مسئلہ کو ثابت کر دکھایا - ڈاکٹر ہاروے اپنی لیاقتوں کے باعث انگلستان کے بادشاہ جیمس[۵] اوّل کا طبیب مقرر رہا - اور اس کے بعد بادشاہ چارلس[۶] اوّل کا بھی بہت معتمد رہا - اور جبکہ اِسکی شہرت و ناموری تمام فرنگستان میں پھیل چکی تھی تیسری جون سنہ سولہ سو ستاون (۱۶۵۷) کو اسی برس کی عمر میں مرض فالج سے قضا کی : حقیقت یہ ہے کہ اِن دونوں محققوں کے اِن نئے مسائل خصوص ہاروے کے مسئلہ دوران خون سے فن طب میں ایسے عجیب انقلاب پیدا کئے ہیں کہ گویا طبابت قدیم کے اُصول ہی کو بدل دیا ہے ! ز - ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا - س - م ح -

* ڈیکارٹس

ڈیکارٹس جسکو ڈی کارٹس بولتے ہیں مشاہیر حکمای فرانس سے ہے جو سنہ پندرہ سو چھیانوے (۱۵۹۶) عیسوی میں پیدا ہوا تھا اور سنہ سولہ سو پچاس (۱۶۵۰) عیسوی میں مرا - یہ پہلا شخص تھا جسنے علم مناظرہ مرایا کے مسائل کو دلائل ہندسی سے ثابت کیا - اور علم مقناطیس کے باب میں تجربات کثیرہ عمل کئے اور بسبب اپنی خاص رایوں کے مجدد علم

(۱) فوک سٹون Folkstone (۲) کینٹ Kent

(۳) کیمبرج Cambridge (۴) پاڈوا Padua (۵) James (۶) Charles

کہنے لگتے تھے " یہہ فرنگی جانتا ہے کہ ہم کون ہیں یہہ کئی سال ہندوستان میں رہ چکا ہے اور خوب جانتا ہے کہ ہم ہندوؤں کے پادری ہیں"

ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم و فنون وغیرہ

ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم و فنون وغیرہ کا ذکر۔

میں ان فقیروں کا بہت کچھ ذکر کر چکا اور اب مجھے اِن کے دھرم شاستر اور اَور علوم کی پوتھیوں کا ذکر کرنا چاہیئے۔ اگرچہ میں زبان سنسکرت سے جو اب ہندوستان کے خاص پنڈتوں اور غالباً قدیم زمانہ کے کُل برہمنوں کی عام زبان تھی ناآشنا ہوں اور باوجود اِس کے سنسکرت کی پوتھیوں کا ذکر کرتا ہوں تو یہہ کچھ تعجّب کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ میرے آقا دانشمند خان نے کچھ تو میری درخواست سے اور کچھ اپنے شوق کی خاطر ہندوستان کے ایک مشہور پنڈت کو نوکر رکھ لیا تھا جو پہلے شاہجہاں کے بڑے بیٹے داراشکوہ کی سرکار سے متعلّق تھا۔ اور تین سال کے عرصہ میں صرف یہی شخص میرا ہمیشہ کا ہم صحبت نہ تھا بلکہ اُسنے اَور کئی بڑے بڑے بدّیاوان پنڈتوں سے میری ملاقات کرادی تھی۔ جنکو وہ اپنے ساتھ لے آیا کرتا تھا۔! جب میں اپنے آقا کو پیکیٹ[1] اور ہاروے[2] کے علم تشریح کے معلومات جدیدہ کا حال سُناتے

[1] ڈاکٹر پے کیٹ Pecquet ایک فرانسیس طبیب تعلیم یافتہ مدرسہ مونٹ پیلیر montpellier واقع فرانس کا تھا۔

[2] ڈاکٹر ولیم ہاروے Harvey قوم انگریز سے تھا۔ یکم اپریل سنہ پندرہ سو اٹھہتر (۱۵۷۸ء) عیسوی کو

چھوٹا سا خوبصورت مٹی کا* پیالہ ہوتا ہے - جسکے تین پائے اور دو دستے ہوتے ہیں - یہہ اور فقیروں کی طرح دُکان دُکان مانگتے نہیں پھرتے بلکہ بے تکلف ہندوؤں کے گھروں میں چلے جاتے ہیں جہاں اُنکی بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے - اور اِن کا آنا گھر والوں کے واسطے موجب برکت گنا جاتا ہے -

اِن پاک فقیروں اور گھر کی عورتوں میں جو کچھ حال گزرتا ہے اگرچہ اُسکو سب لوگ جانتے ہیں مگر جو کوئی ایسا الزام اُن کو لگا دے تو اُسکا خدا ہی حافظ ہے - مگر اس بات کو اِس مُلک کی رسم خیال کیا جاتا ہے - اور اِسی وجہ سے اِن کے تقدّس میں کچھ فرق نہیں آتا - گھروں کی عورتوں کے ساتھ اِن فقیروں کے جو جو معاملات گزرتے ہیں اُنکے بیان پر میں چنداں زور دینا نہیں چاہتا - کیونکہ ہم اور آپ سب جانتے ہیں کہ ایسی حرکتیں صرف شہنشاہ مغلیہ ہی کی سلطنت میں نہیں ہوتیں !

لیکن بڑی ہنسی کی بات حقیقت میں یہہ ہے کہ یہہ بے ادب ہمارے پادریوں مقیم ہندوستان کے ساتھ اپنا مقابلہ کرتے ہیں - بعض اوقات میں اِن کی خود پسندی اور ضعیف العقلی سے خوب اپنا جی بہلایا کرتا تھا اور اِن سے بڑے خلق اور مدارات سے بولتا - اور بظاہر بڑا ادب کرتا تھا - چنانچہ فوراً آپسمیں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کرکے وہ بول

* یہہ ظرف مٹی کا تو کم اور اکثر روغن کیا ہوا ایک کاٹھ کا برتن مثل لوٹے کے ہوتا ہے جسکی اکثر نہایت چھوٹے چھوٹے تین پائے بھی ہوتے ہیں اُسکو اُنکی اصطلاح میں پاترا اور پاتری کہتے ہیں - س م ح

کہنے لگتے تھے " یہہ فرنگی جانتا ہے کہ ہم کون ہیں یہہ کئی سال ہندوستان میں رہ چکا ہے اور خوب جانتا ہے کہ ہم ہندوؤں کے پادری ہیں "

ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم وفنون وغیرہ

ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم وفنون وغیرہ کا ذکر۔

میں ان فقیروں کا بہت کچھ ذکر کر چکا اور اب مجھے ان کے دھرم شاستر اور اَور علوم کی پوتھیوں کا ذکر کرنا چاہیئے۔ اگرچہ میں زبان سنسکرت سے جو اب ہندوستان کے خاص پنڈتوں اور غالباً قدیم زمانہ کے کُل برہمنوں کی عام زبان تھی ناآشنا ہوں اور باوجود اس کے سنسکرت کی پوتھیوں کا ذکر کرتا ہوں تو یہہ کچھ تعجّب کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ میرے آقا دانشمند خان نے کچھ تو میری درخواست سے اور کچھ اپنے شوق کی خاطر ہندوستان کے ایک مشہور پنڈت کو نوکر رکھ لیا تھا جو پہلے شاہجہاں کے بڑے بیٹے داراشکوہ کی سرکار سے متعلّق تھا۔ اور تین سال کے عرصہ میں صرف یہی شخص میرا ہمیشہ کا ہم صحبت نہ تھا بلکہ اُسنے اَور کئی بڑے بدّیاوان پنڈتوں سے میری ملاقات کرادی تھی۔ جنکو وہ اپنے ساتھ لے آیا کرتا تھا۔! جب میں اپنے آقا کو پیکیٹ[1] اور ہاروے[2] کے علم تشریح کے معلومات جدیدہ کا حال سناتے

[1] ڈاکٹر پے کیٹ ایک فرانسیس طبیب تعلیم یافتہ مدرسہ مونٹ پیلیر واقع فرانس کا تھا۔ (Pecquet) (montpellier)

[2] ڈاکٹر ولیم ہاروے قوم انگریز سے تھا۔ یکم اپریل سنہ پندرہ سو اٹھتّر (۱۵۷۸) عیسوی کو (Harvey)

چھوٹا سا خوبصورت مٹی کا* پیالہ ہوتا ہے - جسکے تین پائے اور دو دستے ہوتے ہیں - یہہ اَور فقیروں کی طرح دُکان دُکان مانگتے نہیں پھرتے بلکہ بے تکلّف ہندوؤں کے گھروں میں چلے جاتے ہیں جہاں اُنکی بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے - اور اِن کا آنا گھر والوں کے واسطے موجب برکت گنا جاتا ہے -

اِن پاک فقیروں اور گھر کی عورتوں میں جو کچھ حال گزرتا ہے اگرچہ اُسکو سب لوگ جانتے ہیں مگر جو کوئی ایسا الزام اُن کو لگا دے تو اُسکا خدا ہی حافظ ہے - مگر اِس بات کو اِس مُلک کی رسم خیال کیا جاتا ہے - اور اِسی وجہ سے اِن کے تقدّس میں کچھ فرق نہیں آتا - گھروں کی عورتوں کے ساتھ اِن فقیروں کے جو جو معاملات گزرتے ہیں اُنکے بیان پر میں چنداں زور دینا نہیں چاہتا - کیونکہ ہم اور آپ سب جانتے ہیں کہ ایسی حرکتیں صرف شہنشاہ مغلیّہ ہی کی سلطنت میں نہیں ہوتیں ! لیکن بڑی ہنسی کی بات حقیقت میں یہہ ہے کہ یہہ بے اَدب ہمارے پادریوں مقیم ہندوستان کے ساتھ اپنا مقابلہ کرتے ہیں - بعض اوقات میں اِن کی خود پسندی اور ضعیف العقلی سے خوب اپنا جی بہلالیا کرتا تھا اور اِن سے بڑے خلق اور مدارات سے بولتا - اور بظاہر بڑا ادب کرتا تھا - چنانچہ فوراً آپسمیں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کرکے وہ بول

---

* یہہ ظرف مٹی کا تو کم اور اکثر روغن کیا ہوا ایک کاٹھ کا برتن مثل لوٹے کے ہوتا ہے جسکے اکثر نہایت چھوٹے چھوٹے تین پائے بھی ہوتے ہیں اُسکو اُنکی اصطلاح میں پاترا اور پاتری کہتے ہیں - س م ح

میں انکی ہر بات کی کُنہ کو پہنچنا چاہتا تھا - لیکن یہہ میری بدقسمتی تھی کہ مینے کبھی کوئی ایسا عجیب تماشا ندیکھا جو سمجھ میں نہ آسکے - اور جب میں کسی ایسے تماشے کے ہوتے جانکلتا تھا جسکو دیکھکر لوگ متحیر تھے تو یہہ عموماً میری بدقسمتی تھی کہ میں اُن سے بہت سے سوال کیا کرتا اور اُن کا امتحان کیئے جاتا تاوقتیکہ مجھے یقین نہ ہوجاتا کہ اس میں کیا فریب ہے یا کیا ہتھ پھیری ہے، مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ مینے ایک شخص کا فریب پکڑ لیا تھا! جسنے دعویٰ کیا تھا کہ کٹورا دوڑانے سے میں اُس شخص کو بتلا دونگا جسنے میرے آقا کا روپیہ چرایا تھا -

جین مت کے سادھوؤں اور اُنکی ناپارسائی اور اس غلط فہمی کا ذکر کہ اپنے فرقہ کے لیئے ہم بھی بمنزلہ پادریوں کے ہیں

لیکن بہرحال ایسے فقیر بھی ہیں جو ان فقیروں سے جنکا ہم ذکر کرتے آئے ہیں بہت چپ چاپ اور شایستہ صورت معلوم ہوتے ہیں اور اُنکی زندگی کا طرز اور طریق عبادت بھی اتنا فضول نہیں ہے! یہہ ایک دھوتی باندھے ہوئے جو انکے گھٹنوں تک ہوا کرتی ہے اور ایک سفید چادر اوڑھے ہوئے جو دائیں بغل کے نیچے سے ہوکر بائیں کاندھے پر جا گرتی ہے سر و پا برہنہ گلیوں اور بازاروں میں پھرا کرتے ہیں - اور اسکے سوا اَور کوئی کپڑا انکے بدن پر نہیں ہوتا مگر ان کے جسم ہمیشہ دُھلے* ہوئے ہوتے ہیں اور وہ بہر صورت صاف معلوم ہوتے ہیں - عموماً وہ بڑے اعتدال کے طریق کے ساتھ دو دو ہوکر پھرتے ہیں اور ہاتھ میں ایک

* یہہ لوگ نہاتے تو نہیں البتہ کپڑا تر کرکے بدن کو اُس سے ہمیشہ صاف کر لیتے ہیں - س ا ح

یہی نہیں ہے - بلکہ اِس قسم کے دو جوگی جب کہیں آپس میں مل بیٹھتے ہیں
اور اُن میں تقابل کا جوش پیدا ہوتا ہے تو اپنے فن کی ایسی عجیب عجیب
طاقتیں ظاہر کرتے ہیں کہ مجھے شک ہے کہ آیا "سیمن میگس*" بھی باوجود
اپنی تمام شعبدہ بازیوں کے ایسے عجیب کام کرسکتا تھا یا نہیں - وہ کسی
شخص کے دل کا بھید بتلا دینے اور گھنٹہ بھر میں درخت کی ایک شاخ
کو زمین میں گاڑ کر اُس میں پتے اور پھول پھل لگا دیتے ہیں - اور پاؤ گھنٹہ
سے کم عرصہ میں انڈے کو بغل میں لیکر جو جانور کوئی چاہے وہی پیدا کر دیتے
ہیں جو کمرے میں اِدھر اُدھر اُڑنے لگتا ہے - اور بہت سے اور ایسے
ہی تماشے کرتے ہیں جنکے بیاں کی ضرورت نہیں - مجھے افسوس ہے کہ
لوگ جو کچھ اِن شعبدہ بازوں کی نسبت بیان کرتے ہیں میں اُسکے سچ
ہونے کے باب میں اپنی شہادت نہیں دیسکتا - میرے آقا نے اِنمیں
سے ایک کو بُلایا اور وعدہ کیا کہ اگر تو کل کو میرے دل کی بات تبلا دیگا -
تو میں تین سو روپئے تجھے دونگا - اور اِس خیال سے کہ میری طرف سے
بے ایمانی کا گمان نہ ہو میں اُس بات کو ابھی تیرے روبرو کاغذ پر لکھدونگا
- اُسی وقت مینے بھی یہہ کہا کہ اگر تو میرے دلکی بات تبلا دیگا پچیس
روپئے میں بھی نذر کرونگا - مگر وہ غیب گو پھر ہمارے مکان کے پاس
بھی نہ پھٹکا - !!! ایک مرتبہ پھر مینے ایک شعبدہ باز کو کسی بات پر بیس
روپئے دینے کا وعدہ کیا مگر میں پھر بھی محروم و مایوس ہی رہا ! اگرچہ

* Simon Magus کہ اس شخص کا حال باوصف تلاش کے کہیں ہنہیں ملا - س اح

فرنگستان کے سرد ملکوں میں ہوتی ہے۔ ہندوستان وغیرہ میں اُتنی نہیں معلوم ہوتی۔

مہوّس اور شعبدہ باز اور ضمیر بتلانے والے رمتے جوگیوں کا ذکر

اَب میں ایسے فقیروں کا ذکر کرتا ہوں جو اُن فقیروں سے جنکا بیان اوپر ہو چکا ہے بالکل مختلف ہیں! مگر ہیں یہہ بھی عجیب لوگ! یہہ ہمیشہ تمام مُلک میں برابر پھرتے رہتے ہیں اور ہر چیز کو فضول بتلاتے ہیں اور یہہ ظاہر کرتے ہیں کہ گویا اُنکی زندگی کیسی بیفکر بسر ہوتی ہے۔ اور بڑے رازداں ہونے کا ادّعا کرتے ہیں۔ عموماً لوگوں کا یہہ خیال ہے کہ یہہ مقبول شخص سونا بنانا جانتے ہیں۔ اور پارہ کو ایسے عمدہ طور سے تیّار کر سکتے ہیں کہ ہر صبح کو ایک دو چاول کی برابر کھانے سے بیمار آدمی تندرست اور توانا ہو جاتا ہے۔ اور معدہ اتنا قوی ہو جاتا ہے کہ شوق سے جتنا چاہے کھائے اور آسانی سے ہضم ہو جائے۔ اور صرف

بقیہ حاشیہ صفحہ

منطق نیچرل ہسٹری یعنی علم ماہئیت وحقایق طبعیات۔ موسیقی۔ علم الادویہ۔ فن تشریح وغیرہ میں بہ تعداد ایک سو بائیس [۱۲۲] ہیں۔ اور اِن میں طرح طرح کے بیان ہیں۔ مگر اس شخص نے مسائل علمیّہ کے ساتھ اپنے مبالغہ امیز تخیلّات اور بیہودہ تصوّرات کو اُن سب میں شامل کر دیا ہے۔ اور بسبب اسکے کہ وہ سن طفولیت سے آخر عمر تک بدسلوکیاں اور مصیبتیں جھیلتا رہا تھا اُسکے مزاج میں تلخی وتندی اور انتقام پسندی کی عادت تھی اور اسکی خصلت اور مزاج اس درجہ نرالا اور انوکھا تھا کہ لوگ اُسکو عموماً پاگل اور خبطی کہتے تھے اور وہ اپنے آپ کو نوع انسان سے بالکل علیحدہ سمجھتا تھا اور اس عجیب بات کا اُسکو پکّا یقین تھا کہ میرے سامنے ہمیشہ ایک ایسی روح جسکو میں بخوبی پہچانتا ہوں حاضر رہتی ہے اور اُسکے باعث سے میں جب چاہتا ہوں عالم ارواح سے بات چیت کر لیتا ہوں (ماخوذ از انسائکلو پیڈیا برٹیانیکا) س م ح

حالت افلاس ان کو دیکھنے میں ایسا بنا دیتی ہیں۔

ہندو فقیروں اور ایشیا کے بعض عیسائی فرقوں اور یورپ کے راہبوں کے طریق ریاضت کا مقابلہ۔

ہمارے یورپ کے درویشوں اور راہبوں کو ہرگز یہہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ ان باتوں میں ہندو جوگیوں یا دگر ممالک ایشیا کے مذہبی فرقوں سے وہ کبھی فوقیت لیجا سکتے ہیں۔ چنانچہ مثلاً اگر طریق عبادت و ریاضت اور روزہ داری وغیرہ میں ارمنی قبطی یونانی نسطوری۔ جیکوبٹ یعنی یعقوبی اور میرونیٹ عیسائیوں کو بنظر مقابلہ دیکھا جائے تو ہمارے یورپین زاہد بالکل مبتدی معلوم ہوں گے۔ مگر ہاں اُس تجربہ کی رُو سے جو مجھے ہندوستان میں ہوا ہے یہہ بات ضرور قابل تسلیم ہے کہ جسقدر تکلیف فاقہ اور روزہ رکھنے سے

[illegible] کتاب سوانح عمری کے سنہ پندرہ سو چھہتر ۱۵۷۶ عیسوی میں قضا کی! یہہ شخص احکام نجوم کا اسقدر معتقد تھا کہ ایک بار اسنے ملک سکاٹلنڈ (Scotland) کے ایک مشہور و معروف پادری کو جو سخت مریض تھا۔ اور جسکو جرمنی کے بڑے بڑے نامی ڈاکٹر جواب دے چکے تھے اپنے معالجہ سے تندرست کیا۔ مگر اپنی اس کامیابی کی نسبت اسکو یہی خیال تھا کہ چونکہ مینے اُسکی جنم پتری کے حساب کو خوب طرح سمجھکر علاج کیا تھا محض اسیوجہ سے یہہ فائدہ ہوا ہے! اسکے شدت اعتقاد نجوم کی نسبت اسکے زمانہ کے دو مشہور عالموں نے ایک یہہ روایت بھی کی ہے کہ اُسنے اپنی جنم پتری کی رو سے اپنی عُمر کی ایک حد قرار دے رکھی تھی۔ پس جب وہ وقت قریب آیا چونکہ یہہ بھلا چنگا تھا اور کوئی بیماری وغیرہ نہ تھی جس سے مرگ کا گمان ہو سکتا اس وجہ سے اسکو یہہ خیال پیدا ہوا کہ مُبادا میری جنم پتری کا حساب غلط ہو جاسے! اسلئے اسقدر بھوکھا مرنا شروع کیا کہ آخر جنم پتری کی بدھ مل گئی! اسکی تصانیف کے رسالے اور کتابیں طبعیات۔ ریاضیات علم ہیئت۔ فن احکام نجوم۔ فصاحت و بلاغت۔ تاریخ اخلاق

ہندو جوگیوں اور مسلمان صوفیوں میں ایک بڑی بھاری راز کی بات ہے اور میں اس کو راز اسلیئے کہتا ہوں کہ وہ اِن باتوں کو آپس ہی میں پوشیدہ رکھتے ہیں! اور ایک ہندو پنڈت کی مدد کے بغیر جس کو دانشمند خان نے نوکر رکھ لیا تھا اور جو اپنے آقا سے کوئی بات چھپا نہ سکتا تھا مجھکو یہہ معلومات ہرگز حاصل نہ ہوتیں اور ایک یہہ بھی وجہ ہے کہ میرا آقا صوفیوں کے مسائل سے پہلے ہی سے واقف تھا

جوگیوں کے درویش صورت دکھائی دینے کی وجہ۔

اِن فقیروں کی صورتیں جو بظاہر درویشانہ نظر آتی ہیں۔ اِس کا بڑا سبب میرے گمان میں یہہ ہے۔ کہ ریاضات شاقہ اور مدّتوں کے برت اور فاقہ کشیاں اور سخت

تھا مگر تھوڑے دنوں بعد اسنے اُس گوشہ نشینی کے طریق کو ترک کر کے بہت شوق سے علم طب اور علم فلسفہ کو حاصل کرنا شروع کیا یہانتک کہ اٹلی کے ایک مشہور و معروف مدرسۂ طبّی سے ایم۔ ڈی کی ڈگری یعنی خطاب ڈاکٹری حاصل کیا۔ اِس مدرسہ میں یہہ ایسا مستعد طالب علم تھا کہ اپنے مدرس کی غیر موجودگی میں اقلیدس اور منطق کی جماعتوں کو خود تعلیم دیا کرتا تھا اور آخر اسکے علم و فضل و طبابت کی شہرت اسقدر ہوئی کہ اُس وقت کے بڑے امرا اور بادشاہوں سے بھی اسکی ملاقاتیں ہوئیں اور کئی جگہہ اُمرا نے اپنے طبّی مدارس میں اس کو مدّرس وغیرہ بھی مقرر کیا۔ مگر اس کا قدیمی رفیق افلاس اسکے ساتھ تھا۔ یہانتک کہ ایکبار سنہ پندرہ سو ستر ۱۵۷۰ء میں زیرباری قرض کے باعث کچھ عرصہ تک قید بھی رہا۔ اور جب وہاں سے رہائی پائی تو پوپ گریگوری سیزدہم[ⅰ] کے پاس چلا گیا۔ جس نے ازراہ قدر دانی اس کو اپنے مدرسۃ الاطبا کا ایک ممبر مقرر کر کے گزر اوقات کے لیئے کچھ پنشن بھی کردی۔ اور اسنے بقیۂ عمر کو شہر روم ہی میں بسر کر کے بعد اختتام اپنی

Rome [ⅰ] Pope Gregory

جوگیوں کے تصوّر اور دھیان جمانے کے طریقہ کا بیان۔

یہہ خیال اس وجہ سے بالتخصیص قریب القیاس ہے کہ یہہ لوگ اپنے اِن اشغال میں کسی نہ کسی ترتیب کو دخل دیتے ہیں۔ چنانچہ حواس کو بتدریج روکنے کی غرض سے وہ اپنے لیئے خاص خاص قاعدے مقرر کرتے ہیں۔ مثلاً اُن کا بیان ہے کہ بہت سے دنوں تک کھانا پینا ترک کرنیکے بعد کسی تخلیہ کی جگہہ میں تنہا بیٹھنا اور بڑے استقلال سے نظر کو آسمان کی طرف جمانا چاہیئے۔ اور جب کچھ عرصہ تک اِس کے عامل ہو جائیں تو پھر دونوں آنکھوں کو بتدریج نیچے کو کریں۔ اور اس طرح پر دھیان جمائیں کہ ایک ہی وقت میں ناک کی پھننگ اور ناک کے دونوں اطراف برابر دکھلائی دینے لگیں۔ اور یہہ تصوّر کا طریق علی الاتصال اُسوقت تک جاری رکھنا چاہیئے جب تک کہ نورِ عرفان صاف جلوہ گر ہو جائے۔ ! یہہ تصوّر اور مُراقبہ اور اُسکے حاصل کرنے کا طریقہ

تذکرہ جیرونیمس کارڈانس

ہوا تھا اور اپنے زمانہ کا ایک مشہور طبیب اور ریاضی داں اور فلسفی تھا۔ اِس عجیب شخص کے سوانح عُمری بھی عجیب ہی ہیں۔ اس کا باپ شہر میلانؔ میں ایک اچھا ذی مقدور شخص تھا مگر جیرومؔ اپنی سوانح عمری میں لکھتا ہے کہ میں روز ولادت سے مصیبتوں اور افلاس میں رہا ہوں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ یہہ اپنے باپ کا شرعی بیٹا نہ تھا اور جب وہ حمل میں تھا تو اُسکی ماں نے ہر چند اسقاط کے لیئے کئی دفعہ کوششیں کیں مگر یہہ سخت جان بچہ ہرگز نہ نکلا اور آخرکار جب نکلا تو اِس طرح پر کہ اُسکی ماں کا پہلو چیر کر نکالا گیا۔ روز پیدائش سے یہہ بیچارہ ضعیف القویٰ تھا اور اس کے علاوہ اِس کے باپ کے گھر میں اسکے ساتھ کئی طرح کی بدسلوکیاں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ مگر تحصیل ریاضیات میں اسنے پھر بھی بہت بڑی ترقی کی۔ اور اگرچہ ابتدا میں فرانسسکن گروہ کے تارک الدنیا درویشوں میں شامل ہو گیا

م ی ل ان Milan ف ر ان س س ک ن Francisean

کو یہہ خیال ہے کہ بغیر بھوجن کے بھی یہہ مہاتما سادھو زندہ رہ سکتے ہیں اور اپنی پہلی فاقہ کشیوں اور نفس کُشیوں کی بدولت یہہ خدا کے بھروسہ پر جیتے ہیں

یہہ مقدّس جوگی اکثر مراقبہ میں محو رہتے ہیں۔ انکا یہہ ادّعا ہے اور ایک فقیر نے جسے لوگ بہت ہی مانتے تھے خود مجھ سے کہا کہ ہماری روحیں گھنٹوں بے خودی اور استغراق کی حالت میں رہتی ہیں۔ ہمارے حواس ظاہری معطّل ہوجاتے ہیں۔ اور جوگیوں کو خدا کا دیدار حاصل ہوتا ہے جو ایک ناقابل البیان سفید اور چمکدار نور کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ اور ہمکو دنیا کے الجھیڑوں سے ایسی نفرت ہوجاتی ہے۔ اور سرورِ خالص کی حالت میں ہم ایسے محو ہوجاتے ہیں جو قابلِ بیان نہیں۔ اور میرے اِن مقدس سنت صاحب نے جو مجھے یہہ کیفیّت بتا رہے تھے کہا کہ میں جب چاہتا ہوں گھنٹوں ایسی محویّت کی حالت میں ہوجاتا ہوں۔

جو لوگ جوگیوں کے پاس آتے جاتے ہیں اُن میں سے کسیکو اِن لاف وگزاف کے استغراقات کے سچ ہونے میں کلام نہیں۔ مگر میرے خیال میں یہہ امر ممکن ہے کہ انسان کا دل ہمیشہ کی تنہائی اور فاقہ کشیوں کی وجہ سے کمزور ہوکر اِس قسم کے تخیّلات میں پڑجاتا ہوگا۔ یا اِن فقیروں کے یہہ استغراقات اُن طبعی بے خودیوں کے مشابہ ہوں گے۔ جنکی نسبت کارڈن* کا قول ہے کہ وہ جب چاہتا تھا اِس حالت میں ہوجاتا تھا۔

---

* جےروم[۵۱] کارڈن ملک اٹلی[۵۲] کا رہنے والا سن پندرہ سو ایک (سنہ ۱۵۰۱) عیسوی میں پیدا

---

۵۱ ج سے رُوم کا رڈن Jerome Cardan　۵۲ اِٹ ل ی Italy

ہندو فقیروں کا نہایت سخت ریاضتیں کرنا اس عقیدہ پر مبنی ہے کہ دوسرے جنم میں اس کا نہایت عمدہ ثمر ملے گا۔

میں نے سُنا ہے کہ یہہ فقیر بڑی بڑی سخت تپشیا اِس اُمید پر کرتے ہیں کہ ہم اگلے جنم میں راجہ ہو جاینگے۔ اور اگر راجہ بھی ہوئے تو ہماری حالت زندگی ایسی تو ضرور ہو گی کہ ہمکو اُن سے بھی زیادہ آرام و عیش حاصل ہوں۔ لیکن جیسے کہ اکثر اُن سے میرا قول تھا یہہ کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے کہ اگلی زندگی کی خاطر اس زندگی کو مصیبت سے کاٹا جائے۔ حالانکہ وہ زندگی بھی بالضرور ایسی ہی مختصر اور بے تحقیق ہو گی جیسی کہ یہہ زندگی ہے۔ اور جس میں زیادہ آرام اور خوشی ملنے کی اُمید نہیں کیجا سکتی۔ خواہ کوئی شخص اودے پور کے رانا ہی کے رتبہ کو کیوں نہ پہنچ جائے اور خواہ اُسکی حالت ہندوستان کے دو طاقتور راجاؤں جے سنگہ اور جسونت سنگہ ہی کے مشابہ کیوں نہ ہو جائے! میں نے اُن سے کہدیا کہ میں تو ایسی جلدی تمہارے فریب میں آتا نہیں۔ کیونکہ یا تو تم سخت احمق ہو یا تمکو خراب ارادوں کی تحریک ہے جنکو تم ہوشیاری کے ساتھ دُنیا سے چھپاتے ہو۔

بعض خدا رسیدہ اور کامل جوگیوں کے طرز بود و باش اور مراقبہ اور حالت محویت کا بیان اور اُسکی نسبت مصنف کی رائے

بعض فقیروں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ بڑے روشن ضمیر سنت اور کامل جوگی اور حقیقت میں خدا رسیدہ ہیں۔ اور اِن کی نسبت بالکل تارک الدنیا ہونے کا گمان ہے۔ یہہ فقیر ہمارے راہبوں کی طرح آبادی سے دُور کسی باغ میں تنہا زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور شہر میں کبھی نہیں آتے۔ کوئی اِن کو بھوجن لا کر دیدے تو لیلیتے ہیں۔ اور اگر نہ لائے تو لوگوں

پُرانی گدڑی میں ایسی ہی صاف معلوم ہوتی تھی جیسے کہ افلاطون[†] کے خوشنما لباس میں - اِنْ تمام اعجوبہ کاریوں کی پوشیدہ باعث ہوگی -

---

[illegible] سکندر نے کہا کہ کوئی خدمت فرمائیے - ؟ جواب دیا کہ بس یہی خدمت ہے کہ آپ پرے ہٹ جائیں اور میری دُھوپ روکیں فقط ماخوذ از ناسخ التواریخ و جام جم - س م ح

[†] افلاطون چار سو برس قبل سن عیسوی میں پیدا ہوا تھا - اور اکیاسی برس کا ہو کر اس دُنیا سے رخصت ہوا - یہہ سقراط کا شاگرد اور ارسطو کا اوستاد تھا - ! پس اِسی سے سمجھ لینا چاہیئے کہ یہہ کیسا شخص تھا - ! ابتداء عمر میں اس کو کُشتی اور شعر گوئی کا شوق تھا - اور بہت ہی خوب شعر کہتا تھا - مگر سقراط کی نصیحت سے شعر کہنا چھوڑ دیا اور تحصیل فلسفہ کی طرف متوجہ ہوا اور اوّل سقراط سے اور اُسکی وفات کے بعد مصر وغیرہ میں تحصیل علوم کرتا رہا - ! یہہ بہت خوبصورت خوش وضع اور خوش اخلاق آدمی تھا اور اپنے اور بیگانہ سے برابر احسان اور نکوئی سے پیش آتا تھا - اِسنے مختلف علوم میں چھوٹی بڑی اٹھ کتابیں اپنی تصنیفات سے دُنیا میں چھوڑیں - مرنے کے بعد یہہ اُس باغ میں دفن کیا گیا جو اسکی ملکیّت سے تھا - اور اُسکی متروکات پانی پینے کا ایک پیالہ اور ایک لوٹا اور سونے کا ایک کان کا بُندا تھا جسکو بچپن میں پہنا کرتا تھا - اِس کا عقیدہ تھا کہ اِس دنیا کا کوئی بنانے والا اور بغیر کسی نمونہ کے پیدا کرنے والا ہے جو ہمیشہ سے بغیر کسی سہارے کے موجود ہے - اور اپنی تمام مخلوقات کو جانتا ہے - اور ازل میں اُسکے وجود کے ساتھ کوئی ظلّی وجود نہ تھا مگر چند مثالیں جن سے اُسکی مُراد چند مجرد اور بسیط چیزیں ہیں جو پھیلی ہوئی ہیں اور تمام محسوس اور مادّی صورتیں اُنہیں کلّیات بسیط کی جزئیات ہیں اور اِس جہان میں جو کچھ موجود ہے وہ اُس جہان یعنی عالم مثال کا نمونہ ہے اور یہہ کہ ہر اثر کے لیئے ایسے مؤثر کا ہونا ضروری ہے جو کسی نہ کسی طور پر اُس اثر سے مشابہت رکھتا ہو - ! مطلب یہہ کہ عالم مثال یا عالم مجردات عالم کلّی ہے اور عالم مادّی یا عالم مرکّبات عالم جزئی ہے - اور جو کچھ اِس عالم جزئی میں ہے وہ اُس عالم کلّی کا نمونہ ہے -

(ماخوذ از ناسخ التواریخ) س م ح

حیوانیّت اور جہالت کے سوا اور کوئی بات دیکھ پاتا - یا اگر مجھے اِن میں آدمی کی ظاہری شکل صورت کے سوا کوئی بات انسانیّت کی بھی دکھائی دیتی - کبھی مجھے یہہ خیال گزرتا تھا کہ اگرچہ یہہ گمراہ ہیں مگر ہیں سچے فقیر - لیکن آخر کار معلوم ہوگیا کہ حقیقت میں یہہ لوگ تقویٰ اور تقدّس سے جہانتک خیال کیا جاے بالکل معرّا ہیں - مینے پھر یہہ خیال کیا کہ آوارہ گردی اور سستی اور مطلق العنانی کی زندگی اِن پر قوی اثر رکھتی ہے - اور اِن کو بھلی معلوم ہوتی ہے - یا یہہ کہ خود پسندی جو انسان کے ہر کام میں ملی ہوئی ہے - اور جو دیوجانس* کی بھٹی

---

* Diogenes دیوجانس جو حکماء یونان میں مشہور حکیم گزرا ہے مذکورہ بالا ننگ فرقہ میں سے تھا اور اِسی وجہ سے اہل عرب اُسکو دیوجانس کلبی کہتے ہیں - یہہ شہر کارنتھ کا رہنے والا تھا اور چار سو بتّیس ۴۱۲ برس قبل از سن عیسوی پیدا ہوا تھا اور چھیانوے ۹۶ برس کا ہوکر تین سو چوبیس ۳۲۴ قبل از سن عیسوی میں فوت ہوا - یہہ تارک الدنیا تھا اور موٹے جھوٹے کپڑے پہنے اور ایک لکڑی کا پیپا سر پر اُٹھائے ننگے پانوں پڑا پھرا کرتا تھا اور جو کچھ مل جاتا کھا لیتا اور جہاں چاہتا سو رہتا اور کبھی اُس لکڑی کے پیپہ میں بیٹھ کر آرام لے لیتا تھا ! لکھا ہے کہ جب سکندر اعظم نے شہر کارنتھ کو فتح کیا اور اِسکی ملاقات کو گیا تو اُسوقت یہہ سو رہا تھا - سکندر نے ٹھوکر مار کر کہا کہ تو پڑا سوتا ہے اور تیرا شہر مینے فتح کر لیا - اِس نے جواب دیا کہ شہروں کا فتح کرنا بادشاہوں کا کام ہے لیکن لات مارنا گدھوں کی خصلت ہے - سکندر نے خفا ہوکر کہا کہ شاید تو یہہ سمجھتا ہے کہ تجھکو کبھی مجھسے غرض پڑیگی اور یہہ ممکن نہیں ہے - اِسنے کہا کہ مجھکو اپنے غلام کے غلام سے کبھی غرض نہ پڑیگی - سکندر نے پوچھا وہ کون ہے ؟ کہا تو ! کیونکہ حرص و شہوت کو مینے اپنا غلام بنا رکھا ہے اور تو اُن کا غلام ہے ! ایک روز سکندر نے اِس سے پوچھا کہ نیکی کس طرح حاصل کیجا سکتی ہے ؟ جواب دیا نیک کام کرنے سے ! اور تو تو ایک دن میں وہ کچھ حاصل کر سکتا ہے جو اَور لوگ برسوں میں نہیں کر سکتے - ! لکھا ہے کہ ایک روز سکندر جو اِسکی ملاقات کو گیا تو یہہ اپنے اُس لکڑی کے پیپہ میں بیٹھا ہوا دھوپ کھا رہا تھا -

اور اس وجہ سے ہمنے اُن کو سخت بیحیائی کی حالت میں بالکل ننگے بڑے بڑے شہروں میں پھرتے دیکھا ہے۔

اور جیسے کہ ہمارے فرانسس کے گلی کوچوں میں کسی راہب کو پھرتے دیکھکر کوی خیال بھی نہیں کرتا ویسے ہی یہاں مرد عورتیں اور لڑکیاں اِن کو کچھ تعجّب کی نگاہ سے نہیں دیکھتیں۔ بلکہ عورتیں بڑے اعتقاد سے اِن کو خیرات لاکر دیتی ہیں۔ اور اُن کو یہہ یقین ہے کہ یہہ لوگ بڑے ہی مقدّس اور سب سے زیادہ پارسا اور نفس کو قابو میں رکھنے والے ہیں۔

مشہور و معروف سَرَمَد کا ذکر

میں دیر تک سَرَمَد نام ایک مشہور فقیر سے جو دہلی کے بازاروں اور گلی کوچوں میں ننگا مادرزاد پھرا کرتا تھا نفرت کرتا رہا۔ اُس نے نہ تو اورنگ زیب کی دھمکیوں ہی کو مانا اور نہ اُسکے وعدوں ہی کو! اور آخر اِسی وجہ سے کہ اُسنے کپڑے پہننے سے بڑی ضد کے ساتھ بالکل انکار ہی رکھا اُس کا سر اُتار اگیا۔ ※

※ سَرَمَد کاشان کا رہنے والا اور قوم کا یہودی تھا مگر مسلمان ہوگیا تھا اور صاحب علم اور تجارت پیشہ تھا۔ لکھا ہے کہ جب یہہ بتقریب تجارت اپنے وطن ایران سے شہر ٹھٹھہ واقع ملک سندھ میں آیا تو ایک مہاجن کے لڑکے پر جسکا نام ابھے چند تھا عاشق ہوگیا اور تمام مال و دولت کھو بیٹھا اور دیوانگی کی سی حالت ہوگئی رفتہ رفتہ وہ لڑکا بھی مال و دولت سے ہاتھ اُٹھا اُسی کے رنگ میں ملگیا۔ اور شاہجہاں کے عہد میں دونو بالاتفاق دہلی میں آئے اُسوقت کے اکثر لوگ اُس کو بڑا خدا رسیدہ اور عارفِ موحد اور صاحب کشف سمجھتے تھے۔ چونکہ داراشکوہ بھی جو فقیر دوست تھا اکثر سرمد کے پاس آتا جاتا۔ اور بادشاہ سے اُسکے کشف و کرامات کے تذکرے کرتا رہتا تھا اسلیئے شاہجہاں نے عنایت خاں

بہت سے جوگی ایک یا دونوں ہاتھ اوپر کو اُٹھائے رکھتے ہیں۔ ناخونوں کو اسقدر بڑہاتے ہیں کہ بڑھکر مُڑ جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کے ناخن میری چھنگلیا کے نصف سے جس سے مینے اُن کو ناپا تھا زیادہ تھے۔ اِن کے بازو ایسی سخت اور غیر طبعی ریاضت کی حالت میں کافی غذا نہ پہنچنے کے سبب اُن لوگوں کی طرح جو مزمن بیماریوں میں مبتلا رہکر مر جاتے ہیں سُوکھ کر نہایت دُبلے پتلے ہوجاتے ہیں۔ اور رگوں اور پٹھوں کے خشک اور سخت ہوجانیکے باعث اس قابل نہیں رہتے کہ جھکا کر اُنسے کچھ مُونہہ میں ڈال سکیں! اِن فقیروں کے پاس اِن کے چیلے حاضر رہتے ہیں جو اِن کو نہایت ہی مہاتما سمجھکر اِن کا بڑا ادب کرتے ہیں! جوگیوں کا ننگا اور کالا جسم لمبے لمبے بال دُبلی اور پتلی پتلی باہیں اور بل کھائے ہوئے ناخن اور وہ ڈرانی وضع جو مینے بیان کی ہے اس عالم سفلی میں اس سے زیادہ مقہور شکل خیال میں نہیں آسکتی۔

ناگے فقیروں اور اُن کی نسبت لوگوں کی خوش اعتقادی کا ذکر

مینے عموماً بعض بعض راجاؤں کے راج میں اِن ناگے فقیروں کی اکثر ٹولیاں کی ٹولیاں دیکھی ہیں۔ جنکے دیکھنے سے ڈر لگتا ہے۔ بعض کے تو ہاتھ (جیسے کہ اُوپر بیان ہوچکا ہے) اُوپر کو اُٹھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض کے دہشت ناک بال یا تو کھُلے لٹکتے ہیں یا سر کے گرد بندھے ہوئے اور بل دئیے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض کے پاس ایک بڑا بھاری سونٹا ہوتا ہے۔ اور بعض کے کاندھے پر شیر کی خشک اور نا مُلائم کھال ڈالی ہوئی ہوتی ہے۔

بڑے زور شور سے اِسکی تائید کرتے سُنا ہے۔

ہندو فقیروں کا حال

گُرو یا مہنت کا ہونا ضروری ہے

ہندوستان کے فقیروں اور درویشوں میں جو بیشمار اور طرح طرح کے ہیں اور ہندوؤں کے مذہبی فرقوں میں بہت سے ڈیرے اور اکھاڑے ہوتے ہیں۔ جن میں ایک ایک گُرو یا مہنت ہوتا ہے جسکے سامنے اُسکے چیلوں سے یہہ عہد و پیمان لیئے جاتے ہیں کہ پارسائی اور ترک دُنیا اور عاجزی سے گُرو کی اطاعت میں رہ کر زندگی بسر کریں۔

ہندو فقیر خصوصاً جوگی خوفناک اور غیر طبعی طور سے زندگی بسر کرتے ہیں

یہہ لوگ ایسے عجیب طور پر عمر بسر کرتے ہیں کہ اگر میں اُسکو بیان کروں مجھے شک ہے کہ آیا اُسپر کوئی اعتبار بھی کریگا۔ خصوصاً میرا اشارہ اُن لوگوں کی طرف ہے جو جوگی کہلاتے ہیں! اور جسکے معنی ہیں خُدا سے ملا ہوا! بہت سے جوگی بالکل ننگے رات دن اکثر تو تالابوں کے پاس بڑے بڑے درختوں کے نیچے یا مندروں کے اِرد گرد کے مکانوں میں راکھ کا بستر کیئے بیٹھے یا پڑے رہتے ہیں! بعض کی جٹیں پنڈلیوں تک لٹکتی ہیں۔ اور اُلجھکر اُن میں اُس طرح گرہیں پڑ جاتی ہیں جس طرح پر کہ ہماری مُلک کی پشمی کُتّوں کی بالوں میں۔ خصوصاً جن کو وہ آزار ہو جس کو پولش ڈسیز کہتے ہیں! پڑی ہوئی ہوتی ہیں

Polish Disease

اودھر اودھر چیلوں اور کوّوں کی ٹکڑیاں منڈلاتی رہتی ہیں اور یہہ پرندے اور دریا کی مچھلیاں اور مگرمچھ اُس سے اپنا پیٹ بھرتی ہیں

قریب المرگ بیمار کو بتدریج دریا میں ڈبو دینے کی رسم کا بیان

بعض ایسا بھی کرتے ہیں کہ قریب المرگ بیمار کو دریا کے کنارے لے آتے ہیں اور اُسکی پائوں پانی میں رکھکر بتدریج اُسکو گردن تک ڈبوتے ہیں۔ اور جب سمجھ لیتے ہیں کہ اب مرنے ہی کو ہے تو سارا بدن ڈبو دیتے ہیں۔ اور اُسکو وہیں چھوڑ کر اور روپیٹکر چلے آتے ہیں۔ اِس رسم کا جسکو مینے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یہہ مدعا ہے کہ اس طرح پر تمام گناہ جن سے مردہ کی روح اپنی جسمانی تعلق کے وقت ناپاک ہو رہی تھی دھوئے جاتے ہیں۔ یہہ بےمعنی خیال عام لوگوں ہی پر منحصر نہیں بلکہ مینے بڑے بڑے مشہور پڑھے لکھے شخصوں کو

میں ہے سوار ہوے اور منی لاس کا بھائی ایگےممن ان کا سپہ سالار بنا اتفاق سے ایک بارہ سنگا جو ڈائینا کا خاص جانور سمجھا جاتا تھا ! ایگےممن کے ہاتھ سے شکار میں مارا گیا۔ اور اسکے بعد موافق ہوا بند ہو گئی اور جو لوگ جہازوں میں ایک قسم کی دبا سے مرنے لگے جسکو اپنی جہالت سے انہوں نے ڈائینا کی خفگی سے منسوب کیا اور ایگےممن نے بارہ سنگا مارنے کی ہتّیا کا یہہ پراس چت (یعنی کفارہ) تجویز کیا کہ اپنی بیٹی افیجینیا کو ڈائینا پر قربانی چڑھانا چاہا۔ جس وقت قریب تھا کہ وہ قربانی ہو جاے تو ڈائینا نے خوش ہو کر افیجینیا کو معاف کر دیا۔ اور اُسکے عوض کوئی اور بدنصیب عورت قربانی کی گئی ! اور یونانی اپنے جہاز ٹرائے کیطرف بڑھا لیگئے اور دس برس کے محاصرہ کے بعد ایک فریب سے شہر میں داخل ہو کر باشندوں کو قتل کر ڈالا اور شہر کو جلاکر راکھ کا ڈھیر بنا دیا ! خیال کیا جاتا ہے کہ یہہ واقعہ سن گیارہ سو چوراسی ۱۱۸۴ قبل از سن عیسوی وقوع میں آیا تھا۔ انتہے۔ م۔م۔ ح

ہندو اپنے مُردوں سے کیا سلوک کرتے ہیں

داغ دیکر لاش کو دریا میں بہا دینے کی رسم کا ذکر

اکثر تو یہی دستور ہے کہ ہندو اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں - مگر بعض ایسا بھی کرتے ہیں کہ دریا کے کنارے مُردے کے کسی عضو کو گھاس پھوس سے جھُلس کر ایک اُونچے اور سیدھے کنارہ سے پانی میں دھکیل دیتے ہیں - چنانچہ مینے اِس داغ دیکر بہا دینے کی رسم کو گنگا کے کنارے کئی مرتبہ دیکھا ہے - لاش کے

بھی بنایا گیا مگر ویسا نہ بنا اور پھر اسکو بھی گاتھ[1] قوم کے لوگوں نے (جو پُرانے زمانہ میں ملک جرمنی کی ایک مشہور لڑاکا اور وحشی قوم تھی) ۲۵۶ء دو سو چھپن عیسوی میں جلا ڈالا اور اسکے بعد پھر کسی نے اسکو تعمیر نہیں کیا - شہر الفیسس شہر ازمیر[2] سے جو ایشیائے کوچک میں بالفعل سلطنت ترکیہ عثمانیہ کا ایک حاکم نشین مقام ہے ستائیس[۲۷] میل جنوب کی طرف ہے اور ہمارے زمانہ میں اُسکا نام آیازلوک[3] مشہور ہے -

اگے ممنن اور افیجینیا

قدیم زمانہ میں بحیرہ شام کے کنارے ایشیائے کوچک میں ٹرائے[4] ایک نہایت عظیم الشان شہر تھا جسکے گرد نہایت مضبوط پچاس[۵۰] ہاتھ اونچی دیوار جسکا محیط چار[۴] میل تھا بنی ہوئی تھی - پوڈاکیز[5] ملقب بہ پرائم[6] جب یہاں کا راجہ ہوا تو اُسنے اپنے دشمن یونانیوں کے پاس اپنے بیٹے پیرس[7] نامے کو صلح کا پیام دیکر بھیجا - پیرس نے یہہ نالایق حرکت کی کہ سپارٹا[8] کے راجا منی لاس[9] کی رانی ہیلن[10] کو بھگا لایا - اسپر یونان کے تمام راجاؤں کو نہایت غصہ ہوا اور اِس امر کا بدلہ لینے کو اُن کی متفقہ فوج جو ایک لاکھ آدمی کے قریب تھی - ایک ہزار ایک سو چھیاسی[۱۱۸۶] جہازوں پر بندرگاہ آلس[11] سے جو یونان کے صوبہ یُوبیا[12]

---

(۱) گ ا تھ Goth (۲) ازم ی ر (۳) آیَ ازلُ ؤکْ (۴) ٹ رائے Troy
(۵) پُ وڈاک ی ز (۶) پ را ام Priam (۷) پ ے رِس Paris (۸) س پ ار ٹ ا Sparta
(۹) مَ نِ ی ل اس Menelaus (۱۰) ہِ ے ل ن Helen (۱۱) آ لِ س Aulis (۱۲) یُ وب یْ ا

زندہ جلا دینے کے عوض کبھی زندہ زمین میں گاڑ دیتے ہیں

مینے ابھی پورا فوکراں کی وحشت اور سنگدلی کا نہیں کیا۔ کیونکہ ہندوستان کے بعض حصّوں میں تو یہہ غضب ڈہاتے ہیں کہ جلا کر ستی کر دینے کے عوض عورت کو اوّل رفتہ رفتہ گردن تک زمین میں گاڑ دیتے ہیں اور پھر دو تین برہمن یکایک آکر اُسکی مُنڈیا مروڑ ڈالتے ہیں۔ اور جب دم نکل جاتا ہے تو مٹّی کی ٹوکریاں ڈالکر پانوں سے دبا دیتے ہیں۔ *

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

تھے۔ جسکے سر کے بال گردن کے نیچے تک پڑے ہوی ہوں اور داہنے ہاتھ میں ترکش میں سے تیر نکالتی اور بائیں ہاتھ سے بارہ سنگی کو جو بھاگنا چاہتا ہو سینگ سے پکڑے ہوئے اور پانوں تک ایک لمبی پوشاک پہنے ہوئے ہو۔ اور اِس خیال سے کہ وہ چاند کی اوتار ہے اُسکے ماتھے کو ہلال کی صورت سے سجاتے تھے۔ ایشیا کوچک کے لوگ بھی اسکو پوجتے تھے مگر (مثل ہندوستان کی دیشنو دیوی کے) یونانیوں کے عقیدہ کے برخلاف وہ اسکو صرف مخلوق کے پالنے والی خیال کرتے تھے۔ اور اسلئے اُسکی صورت ایک ایسی عورت کی سی بناتے تھے جسکی بہت سی چھاتیاں ہوں اور اُسکے پوجاری خوجے ہوتے تھے۔ اسکا مندر جو شہر ایفیسس واقع ایشیا کوچک میں تھا لکھا ہے کہ دو سو بیس[۲۲۰] برس میں بن کر تیار ہوا تھا۔ اور اِس مُدّت میں ایشیا کے بادشاہوں نے اُسکی تعمیر کے واسطے روپیہ دیا تھا۔ یہہ مندر چار سو پچیس[۴۲۵] فٹ لمبا اور دو سو پچیس فٹ چوڑا تھا اور سنگ مرمر کے ایکسو ستائیس[۱۲۷] ستونوں پر جو ساٹھ ساٹھ[۶۰] فٹ اونچے اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو ٹن (ایک ٹن اٹھائیس من انگریزی کا ہوتا ہے) کے وزن کے تھے بنایا گیا تھا۔ اور بیس[۲۰۰۰۰] ہزار آدمی اُس میں بفراغت بیٹھ سکتے تھے۔ تین سو چھپن[۳۵۶] برس قبل از سن عیسوی یعنی جس رات کو سکندر اعظم کی ولادت ہوئی اراس طرتوس نامے ایک شخص نے اس مجنونانہ خیال سے جلا ڈالا کہ اس حرکت سے اُسکا نام دنیا میں باقی رہیگا! یہہ مندر اگرچہ دوبارہ

* دیکھو ایکٹ نمبر ۱۷ سنہ ۱۸۲۹ع سن اٹھارہ سو انتیس عیسوی مصدرہ گورنمنٹ ہند در باب امتناع رسم ستی

ایفیسس ذاے ف ی س س　Ephesus　س ص ح

اراس طرتوس۔ اِرَاس ٹارٹ رُس

اُسوقت کچھ نہ پوچھئے کہ غصّہ کے مارے کیا حال تھا - اور مینے کس طرح سے اپنے تئیں تھاما - لیکن چونکہ کچھ بس نتھا ناچار دل ہی دل میں کُڑھتا تھا کہ ہاے غضب یہہ لوگ کیسے قابل نفرت توہّمات میں گرفتار ہیں اور مینے شاعر کے یہہ اشعار جو اُسنے ⁽¹⁾ ایگے مم نن † کی بیٹی ⁽²⁾ ایفیجینیا کے باب میں کہے تھے - جس کو اُسکے باپ نے ⁽³⁾ ڈاینا پر قربانی چڑھایا تھا - اِن کے حسب حال پائے -

خُلاصۂ معنی اشعار لیوکری‌ٹس

" ایسی چیزوں کے نیست و نابود کر دینے میں بھی جو خوبصورت اور اچھی تھیں بعض اوقات مذہب نے بڑے بڑے بدکام کئے ہیں - چنانچہ بیچاری نوجوان اِفِ یانا سا (یعنی افیجینیا) کو کس بے دردی سے ڈاینا کی قربان گاہ پر قربانی کرنے کو بٹھایا گیا تھا - افسوس! یہہ مذہب انسان سے کیسے بدکام کرادیتا ہے "

---

† ڈاکٹر برنی اَر کے اِس خط میں ڈائنا - ایگے مم نن اور افیجینیا کا ذکر چونکہ قصّہ طلب باتیں ہیں - اسلیئے انسائیکلوپیڈیا برٹیانیکا اور کتاب جام جم وغیرہ سے انکا علٰحدہ علٰحدہ ذکر اسجگہہ لکھدینا مناسب معلوم ہوا -

ڈائنا

ڈائنا قدیم زمانہ کے یونانیوں اور رومیوں کی ایک دیوی تھی جسکو وہ شکار وغیرہ کی دیوی کہتے تھے - اور اُسمیں مارڈالنے اور بچا لینے کی دونوں قدرتیں خیال کرتے تھے اور اِس مناسبت سے اُسکی مورت ایک ایسی سرو قد کنواری اور جوان عورت کی سی بناتے

---

(1) اے گ مے م نن — Agamemnon

(2) اِفِ یِ ج نی ن یَ آ — Iphigenia

(3) ڈا یِ ن ا — Diana

حرکت نے ہندو دھرم کو کلنک لگایا۔ اسلئے وہ ہمیشہ انہیں اپنے ذلیل اور کمینے نئے محافظوں کی بدسلوکیاں سہتی اور زندگی کے دن پورے کرتی ہیں۔

جو عورت ستی ہونا نہ چاہے مغل اسکو پناہ نہیں دیتے مگر پرتگیز پناہ دیتے ہیں۔

جب کوئی ستی چتا پر جا پہنچے تو کسی مغل کو یہہ جراٗت نہیں ہوتی کہ اُسکی جان بچائے۔ یا کہ جب وہ برہمنوں کے پنجے میں سے بھاگ نکلی ہو اُسکو پناہ دینے کی جوکھوں اُٹھائے۔ کیونکہ ایسا کام کرتے ہوئے یہہ لوگ ڈرتے ہیں۔ البتہ پرتگیزوں نے بعض بندرگاہوں میں جہاں اُنکا زور زیادہ تھا بہت سی بیواؤں کو بچا لیا ہے۔

مصنف کا ایک کمسن لڑکی کو زبردستی جلائے جاتے دیکھنا

میں کچھ بیان نہیں کرسکتا کہ اِن حرکات کو دیکھکر غصّہ کے مارے میری طبیعت کا کیا حال ہوتا تھا۔ اور میں کس جوش سے چاہتا تھا کہ کوئی قابو اِن کمبخت برہمنوں کے استیصال کا ہاتھ لگے ! چنانچہ لاہور میں مینے ایک نہایت خوبصورت کمسن بیوہ کو ستی ہوتے دیکھا۔ جسکی عمر بارہ۱۲ برس سے زیادہ نہوگی۔ یہہ بدنصیب لڑکی جب چتا کے پاس آئی تو خوف کے مارے اُسپر مُردنی چھاگئی۔ اور میں بیان نہیں کرسکتا کہ وہ کس طرح کانپتی اور بلک بلک کر روتی تھی۔ لیکن تین برہمنوں اور ایک بڑھیا نے جس نے اُسے گود میں رکھا تھا زبردستی اُسے چتا پر بٹھا ہی دیا اور اُسکے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تاکہ بھاگنے نہ پائے۔ اور اِس طرح پر اُس بیچاری معصوم کو جلاکر خاک کردیا۔

خاطر صرف ترغیبیں اور بڑہاوے ہی نہیں دیتے بلکہ اُنکو زبردستی آگ میں ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ میرے سامنے ایک غریب جوان عورت اسی طرح زبردستی آگ میں ڈال دی گئی تھی۔! اسی طرح مینے ایک اور بیچاری بدنصیب عورت کو دیکھا کہ اُسکے اِرد گرد جب آگ بھڑکنے لگی تو اُسنے نکل بھاگنا چاہا۔ مگر اِن دیوسیرت جلاّدوں کے لمبے لمبے بانسوں کے مارے نکل نہ سکی۔

جو عورتیں چتا میں سے جاگ نکلتی ہیں وہ پھر ہندووں میں شامل نہیں ہوسکتیں۔ اور خاکروبوں کے ساتھ رہکر زندگی بسر کرتی ہیں

لیکن یہہ عورتیں اِن خونی برہمنوں کی آنکھ سے کبھی بچکر نکل بھی جاتی ہیں۔ چنانچہ میری ایک حسین عورت کے پاس اکثر آمد و رفت رہتی تھی جسنے خاکروبوں کی مدد سے اپنی جان بچائی تھی۔ یہہ لوگ جب سُنتے ہیں کہ ستی ہونے والی جوان اور حسین عورت ہے اور اُسکے گھر والے چندان نامی اور ذی مقدور نہیں ہیں اور صرف گنتی کے آدمی اڑوسی پڑوسی اُسکے ساتھ ہونگے تو وہاں بکثرت جمع ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو عورت مرگ کا یہہ سامان دیکھکر اس طرح پر ہمّت ہار دیتی ہے۔ اور اِن لوگوں کی مدد سے اس بن آئی موت سے بچ نکلتی ہے تو یہہ اُمید وہ ہرگز نہیں کرسکتی کہ اپنی زندگی کے باقی دن فارغ البالی سے کاٹے گی یا ہندو لوگ اُسکے ساتھ عزّت اور محبّت سے برتاؤ کرینگے۔ بلکہ وہ پھر کبھی اُن میں نہیں مل سکتی اور کوئی ہندو کسی وقت اور کسی حالت میں بھی اُس عورت سے جس نے اپنے تئیں اسطرح بے عزّت کر ڈالا ہو ہرگز میل جول نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ پرلے سرے کی بدنام اور مطعون ہو جاتی ہے۔ اور عموماً یہہ خیال کیا جاتا ہے کہ اُسکی اِس

ساتھ لوگوں سے بات چیت کرنا اور اپنے تئیں اشنان کرانے کی اجازت دینا اور بڑے اطمینان اور نہایت بے پروائی سے ہماری طرف دیکھنا اور ہر قسم کے رنج و فکر سے آزاد اور آرام کی حالت میں ہونا اور اُسکا وہ بلند ہمتی کا طور وطریق اور بغیر کسی قسم کی گھبراہٹ اور پریشانی کے اپنی "گھپا" کو جو گھانس پھونس اور پتلی پتلی لکڑیوں کو اُوپر نیچے چُنکر چتا پر بنالی گئی تھی دیکھ بھال کرنا اور پھر شوہر کا سر گود میں لیکر اُس میں بیٹھنا اور ایک مشعل لیکر خود اپنے ہاتھ سے اُس میں اندر کی طرف سے آگ لگانا۔ اور پھر نہ معلوم کتنے برہمنوں کا باہر کی طرف سے اُسکو جلانا ٹھیک ٹھیک بیان کرسکوں۔ !!!

حقیقت یہہ ہے کہ نہ تو اپنے بیان سے اِس دردناک واقعہ کی کیفیتوں کا کامل خاکہ ہی آپ کے سامنے کھینچ سکتا ہوں اور نہ اُس حالت ہی کا کچھ بیان کرسکتا ہوں۔ جو اِس حادثہ کو دیکھتے وقت میرے دل پر گذری ! اور یہہ ہیبت ناک واقعہ ابتک مجھے ایسا یاد ہے کہ گویا میری آنکھوں کے آگے ہے ! اور شدّت اندوہ سے اگرچہ چاہتا ہوں کہ خواب وخیال کیطرح اُسے بُھلادوں مگر ہرگز نہیں بھولتا۔ !

ستی کے چند واقعات کا بیان۔ جن میں عورتوں کو جبراً جلایا گیا

میںنے چند ایسی بدنصیب بیواؤں کی مصیبت بھی دیکھی ہے جو چتا کی شکل دیکھتے ہی بھاگنے لگی تھیں۔ اور اُنکی حالت کو دیکھکر میرے دلکو بالکل یقین تھا کہ اگر یہہ بے درد برہمن ستی ہونے سے انکار کردینے کی اجازت دیں تو وہ بخوشی تمام اِس سے رُک جائیں مگر یہہ کمبخت اِن خوف زدہ اور اجل گرفتہ عورتوں کو ستی ہوجانے کی

اُسپر رکھدیا اور آگ لگا دی - جب سب تیاری ہو چکی تو وہ چِتا کے گرد
اِس غرض سے پھرنے لگی کہ گلے مِل مِل کر اپنے خویش و اقربا اور ہمسایوں
وغیرہ سے رخصت ہو - اتفاقاً اُن لوگوں میں وہ مسلمان طنبورہ نواز بھی
کھڑا تھا جو اُور سازندوں کے ساتھ جو مُلک کی رسم کے موافق ستی کے سامنے
باجے بجاتے ہیں بُلایا ہوا آیا تھا - بس جونہیں یہہ عورت اُسکے قریب پہنچی تو
غصہ سے آگ بھبوکا ہوکر آخری رخصت کے بہانہ سے اُسکا گریبان اِس
شدّت اور زور سے پکڑا کہ کسی طرح چھوڑا نہ سکا اور کھینچکر اپنے ساتھ چِتا
میں لے گری اور اسطرح پر اِس جھوٹے عاشق سے اپنا بدلہ لیلیا - *

مصنف کا شہر سورت میں ایک عورت کو عجیب استقلال سے ستی ہوتے دیکھنا -

سورت سے ایران کو آتے ہوئے مینے ایک
اُور بیوہ کے ستی ہونے کی کیفیّت دیکھی اُسوقت
کئی اہل فرنگ بھی یعنی انگریز اور ڈچ اور شہر
پیرس کے رہنے والے - چارڈن صاحب بھی موجود تھے ! یہہ
عورت عمر کی ادھیڑ اور اچھی خاصی صورت دار تھی - مگر میری زبان
میں یہہ طاقت کہاں جو اُسکی وہ حیوانوں کی سی جُرأت اور دلیری اور
وحشیانہ چاؤ جو اُسوقت اُس کے چہرہ سے عیاں تھا اور اُس کا
وہ بیدھڑک چِتا کی طرف آنا اور بڑے استقلال اور دلجمعی کے

---

* مندرجہ ذیل ضرب المثل سے بھی جو عورتوں کی ہجو کے موقع پر استعمال کیجاتی ہے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ بعض عورتیں اس طرح بھی ضرور ستی ہوتی تھیں "تریا چلتر جانے نہ کوے - خصم مار کے ستی ہوے" س م ع

چارڈن - چ آر ڈِن Mr- Chardin

بدکاری کی وجہ سے ایک عورت کا اوّل اپنے خاوند کو ہلاک کرنا اور پھر ایک عجیب طور سے ستی ہونا۔

واقعہ کا بیان کرتا ہوں - اگرچہ واقعی یہہ حادثہ میرا چشم دیدہ نہیں ہے - مگر اس نظر سے انتخاب کیا گیا ہے کہ جسقدر ستی کے واقعات مینے دیکھے ہیں یہہ واقعہ بلحاظ اپنی خصوصیات کے ان سب سے کہیں بڑھکر ہے۔ اگرچہ ایسے بہت سے معاملات ہیں کہ باوجودیکہ مینے خود دیکھے ہیں مگر میں اُنپر اعتماد اور یقین نہیں کرتا - لیکن آپکو یا مجھے یہہ نہیں چاہیئے کہ اِس حکایت کو صرف اسوجہ سے نامعتبر تصوّر کرلیں کہ اُسمین ایک خاص طور کا انوکھا پن ہے - ہندوستان میں یہہ قصہ ہزاروں آدمیوں کی زبان پر ہے اور عموماً صحیح خیال کیا جاتا ہے - اور شاید کہ ابتک فرنگستان میں بھی پہنچ گیا ہو - چنانچہ وہ قصہ یہہ ہے کہ ایک عورت کچھ مدّت سے ایک نوجوان مسلمان درزی کے ساتھ جو اُسکا ہمسایہ تھا اور طنبورہ بجایا کرتا تھا ناجائز لگاؤ رکھتی تھی - اُسنے اپنے شوہر کو زہر دیدیا اور اُس سے جاکر کہا کہ اب اپنے وعدہ کے موافق مجھ سے نکاح کرلو اور جھٹ پٹ کہیں کو نکل چلو - کیونکہ اگر ذرا بھی دیر ہوگی تو مجھے بسبب دنیا کی لاج کے مجبوراً اپنے خصم کے ساتھ ستی ہونا پڑیگا - مگر جب اُس جوان نے اِس امر کو مشکل اور خطرناک سمجھکر انکار کردیا تو یہہ عورت بغیر کسی طرح کے اضطراب اور تردد کے فوراً اپنے خویش واقارب کے پاس گئی اور اُن سے کہا کہ میرا خاوند ناگہانی موت سے مرگیا ہے اور میرا مصمم ارادہ ستی ہونیکا ہے - وہ لوگ اُسکی اس پرہمّت ارادہ سے جو باعث افتخار خاندان تھا بہت خوش ہوئے - اور چتا تیار کرکے لاش کو

اُسپر رکھدیا اور آگ لگادی۔ جب سب تیاری ہو چکی تو وہ چِتا کے گرد اِس غرض سے پھرنے لگی کہ گلے مِل مِل کر اپنے خویش و اقربا اور ہمسایوں وغیرہ سے رخصت ہو۔ اتفاقاً اُن لوگوں میں وہ مسلمان طنبورہ نواز بھی کھڑا تھا جو اُور سازندوں کے ساتھ جو مُلک کی رسم کے موافق ستی کے سامنے باجے بجاتے ہیں بُلایا ہوا آیا تھا۔ پس جوہیں یہہ عورت اُسکے قریب پہنچی تو غصہ سے آگ بھبوکا ہو کر آخری رخصت کے بہانہ سے اُسکا گریبان اِس شدّت اور زور سے پکڑا کہ کسی طرح چھوڑا نہ سکا اور کھینچکر اپنے ساتھ چِتا میں لے گری اور اسطرح پر اِس جھوٹے عاشق سے اپنا بدلہ لیلیا۔*

مصنف کا شہر سورت میں ایک عورت کو عجیب استقلال سے ستی ہوتے دیکھنا۔

سورت سے ایران کو آتے ہوئے مینے ایک اُور بیوہ کے ستی ہونے کی کیفیت دیکھی اُسوقت کئی اہل فرنگ بھی یعنی انگریز اور ڈچ اور شہر پیرس کے رہنے والے۔ چارڈن صاحب بھی موجود تھے ! یہہ عورت عمر کی ادھیڑ اور اچھی خاصی صورت دار تھی۔ مگر میری زبان میں یہہ طاقت کہاں جو اُسکی وہ حیوانوں کی سی جُرأت اور دلیری اور وہ وحشیانہ چاؤ جو اُسوقت اُس کے چہرہ سے عیاں تھا اور اُس کا وہ بیدھڑک چِتا کی طرف آنا اور بڑے استقلال اور دلجمعی کے

---

* مندرجہ ذیل ضرب المثل سے بھی جو عورتوں کی ہجو کے موقع پر استعمال کیجاتی ہر یہی بات ثابت ہوتی ہر کہ بعض عورتیں اس طرح بھی ضرور ستی ہوتی تھیں "تریا چلتر جانے نہ کوے۔ خصم مار کے ستی ہوے" س م ؟

چارڈن - یَ اُ رْ ڈِنْ Mr- Chardin

بدکاری کی وجہ سے ایک عورت کا اوّل اپنے خاوند کو ہلاک کرنا اور پھر ایک عجیب طور سے ستی ہونا۔

واقعہ کا بیان کرتا ہوں - اگرچہ واقعی یہہ حادثہ میرا چشم دیدہ نہیں ہے - مگر اس نظر سے انتخاب کیا گیا ہے کہ جسقدر ستی کے واقعات مینے دیکھے ہیں یہہ واقعہ بلحاظ اپنی خصوصیات کے اُن سب سے کہیں بڑھکر ہے - اگرچہ ایسے بہت سے معاملات ہیں کہ باوجودیکہ مینے خود دیکھے ہیں مگر میں اُنپر اعتماد اور یقین نہیں کرتا - لیکن آپکو یا مجھے یہہ نہیں چاہیئے کہ اِس حکایت کو صرف اسوجہ سے نامعتبر تصوّر کرلیں کہ اسمین ایک خاص طور کا انوکھاپن ہے - ہندوستان میں یہہ قصہ ہزاروں آدمیوں کی زبان پر ہے اور عموماً صحیح خیال کیا جاتا ہے - اور شاید کہ ابتک فرنگستان میں بھی پہنچ گیا ہو - چنانچہ وہ قصہ یہہ ہے کہ ایک عورت کچھ مدّت سے ایک نوجوان مسلمان درزی کے ساتھ جو اُسکا ہمسایہ تھا اور طنبورہ بجایا کرتا تھا ناجائز لگاؤ رکھتی تھی - اُسنے اپنے شوہر کو زہر دیدیا اور اُس سے جاکر کہا کہ اب اپنے وعدہ کے موافق مجھ سے نکاح کرلو اور جھٹ پٹ کہیں کو نکل چلو - کیونکہ اگر ذرا بھی دیر ہوگی تو مجھے بسبب دنیا کی لاج کے مجبوراً اپنے خصم کے ساتھ ستی ہونا پڑیگا - مگر جب اُس جوان نے اِس امر کو مشکل اور خطرناک سمجھکر انکار کردیا تو یہہ عورت بغیر کسی طرح کے اضطراب اور تردد کے فوراً اپنے خویش واقارب کے پاس گئی اور اُن سے کہا کہ میرا خاوند ناگہانی موت سے مرگیا ہے [illegible] ارادہ ستی ہونیکا ہے - وہ لوگ اُسکے اس پرہمّت ارادہ سے جو [illegible] تھا بہت خوش ہوئے - اور چتا تیار کرکے لاش کو

بی بی کی جانب سے اپنے شوہر کی نسبت کمال محبّت دیکھی تھی جس نے اُس سے یہہ وعدہ کیا تھا کہ تمہارے بعد میں بھی زندہ نہ رہونگی۔ پس یہہ لونڈیاں بھی جوشِ اُلفت سے اسقدر مغلوب ہوئیں کہ اُنھوں نے بھی اپنا مرنا ٹھان لیا اور اُسی آگ میں جل مریں جسمیں اُنکی پیاری بی بی ستی ہوئی تھی

ستی ہونا محبّت کے سبب سے نہیں بلکہ ایک خاص طور کی تعلیم و تلقین کا نتیجہ ہے۔

بہت سے لوگ جن سے میںنے اُسوقت ستی ہونے کی نسبت گفتگو کی مجھکو اس بات پر یقین لانے کی جانب مائل کرتے رہے کہ ہندوستان کی عورتوں کے ستی ہونے کا سبب اپنے خاوندوں کے ساتھ شدّت محبّت ہے۔ لیکن مجھے جلد معلوم ہوگیا کہ اِس مکروہ رسم کا باعث صرف ایک قسم کے تعصّب اور توہّم کا اثر ہے۔ جو لڑکپن ہی سے لڑکیوں کے دلوں میں جمایا جاتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ ایک عمیق جڑ پکڑ گیا ہے۔ کیونکہ ہر ایک لڑکی کو اُسکی ماں یہہ تعلیم کرتی رہتی ہے کہ عورت کی پارسائی اور تعریف اِسی میں ہے کہ اپنے پتی کے ساتھ ستی ہو جائے۔ اور پتی برتا عورتوں کا یہہ ہی طریق ہے کہ اِس مقررہ رسم سے ہرگز مونہہ نہ موڑیں۔ علاوہ بریں مرد بھی عورتوں کو یہی عقیدے ہمیشہ تعلیم کرتے رہتے ہیں تاکہ عورتوں کی توجہ اپنے مالکوں کی اطاعت اور تیمارداری میں مشغول رہنے کیواسطے بآسانی حاصل ہو۔ اور اس طرح پر عورتوں کی طرف سے مالکوں کو زہر وغیرہ دیدینے کا ڈر بھی نہیں رہتا۔

اَب میں ایک نہایت عجیب اور زیادہ تر ہولناک

میں کسی اوتار یا شتی کی روح نے اُس میں حلول کیا ہے - لیکن ابھی اِس دو زخیانہ طور پر جان کھونے کی واردات کی ابتدا ہی تھی اور مینے یہہ سمجھ رکھا تھا کہ وہ پانچ گانے والی عورتیں بجز ایک امر سہی کے کسی خاص مطلب کے لیئے نہ ہونگی - مگر جب مینے یہہ دیکھا کہ اُن میں سے بھی جب ایک عورت کے کپڑوں تک آگ پہنچ گئی تو اُسنے بھی اپنے تیئں سر کے بل اُس آتشیں گڑھے میں گرا دیا اور اِسی طرح جب ایک دوسری کے کپڑے جلنے لگے اُسنے بھی اِس وہشت ناک حرکت کی تقلید کی اور اِسی طرح باری باری وہ تینوں عورتیں بھی جو ایک دوسری کا ہاتھ پکڑے کمال بیفکری اور آرام سے ناچ رہی تھیں میرے دیکھتے ہی دیکھتے آگ میں کود کر جل مریں - تب تو مجھپر سخت حیرت طاری ہوئی مگر اَب مجھکو ایک شخص کے ساتھ کئی عورتوں کے ستی ہونے کا مطلب بھی جلد معلوم ہو گیا یعنی یہہ پانچوں عورتیں لونڈیاں تھیں اور جب اُن کی بی بی کا مالک مرض الموت میں مبتلا تھا اُنہوں نے اِس

کھینچ لیا اور ہنسکر بولی کہ " مارا میترسانی از آتیش (آتش) من مے دانم کہ او آتیش ست رہا کنی مارا " جسکے یہہ معنی ہیں کہ کیا تم مجھکو آگ سے ڈراتے ہو میں جانتی ہوں کہ یہہ جلا ڈالنے والی آگ ہے - پھر اُسنے آگ کو سلام کرنیکی خاطر اپنے دونوں ہاتھ سر پر جوڑے اور اُس میں کود پڑی اور ساتھ نقارے اور سنکھ اور نفیریاں بجنے لگیں - جن لوگوں کے ہاتھ میں ایندھن تھا وہ اُنہوں نے اُسپر ڈال دیا - پھر اَور لوگوں نے لکڑیاں ڈال دیں تا کہ ہل نہ سکے اور بڑا شور و غل ہوا - اور یہہ سانحہ دیکھکر میری ایسی حالت ہوئی کہ اگر میرے ساتھی مجھکو نہ سنبھالتے اور پانی سے میرا مونہہ نہ دھوتے تو قریب تھا کہ میں اپنے گھوڑے سے گر پڑتا - س م ح

اور پانچ ادھیڑ عورتیں کسیقدر اچھی پوشاکیں پہنے ایک دوسری کا ہاتھ پکڑے چتا کے گرداگرد ناچتی گاتی ہیں اور بہت سے زن و مرد یہہ تماشا دیکھ رہے ہیں۔ چتا جسپر بہت سا گھی اور تیل ڈالا گیا تھا جلد بھڑک اٹھی اور عورت کے کپڑوں کو جن پر عطر اور زعفران وغیرہ چھڑکا ہوا تھا آگ لگ گئی مگر مینے کوئی علامت دُکھ درد یا گھبراہٹ کی اُسمیں نہ دیکھی اور کہتے ہیں کہ اُسنے بڑے یقینی طور پر پانچ اور دو کا لفظ کہا جسکا یہہ مطلب تھا کہ یہہ پانچویں دفعہ ہے کہ میں اپنے اسی خاوند کے ساتھ ستی ہوئی ہوں۔ اور اب صرف دو دفعہ اور ستی ہونا باقی ہے۔ پھر میں تناسخ (اواگون) کے مسئلہ کے موافق "مکتی" کو پہنچ جاؤنگی یعنی پیدا ہونے اور مرنے سے چھوٹ جاؤنگی اور یہہ لفظ اُسنے اسطرح سے کہے کہ گویا اُسکے اس اخیر وقت

گیا اور کوئی تین میل چلکر ہم ایک ایسی جگہہ پہنچے جہاں بہت سا پانی اور گھنے سایہ کے درخت تھے اور اُن میں چار مٹ بنے ہوئے تھے جنمیں پتھر کی ایک ایک مورت تھی اور اِن مٹوں کے بیچوں بیچ ایک بڑا اور پختہ تالاب تھا۔ جسپر درختوں نے ایسا گھن کا سایہ کیا ہوا تھا کہ دھوپ نہیں پڑسکتی تھی یہہ عورتیں جب اِن مٹوں کے قریب پہنچیں تو تالاب کے پاس جاکر اُتر پڑیں اور کپڑے اور گہنا پاتا اُتار کر خیرات کر دیا اور پانی میں غوطہ لگاکر ایک بن سلا موٹا سُوتی کپڑا سر سے پانوتک اوڑھ لیا! تالاب کے قریب ہی ایک نشیب زمین میں بہت سی آگ جلائی جارہی تھی جسپر بھڑکانے کے لیئے تلوں کا تیل ڈالا جارہا تھا اور کوئی پندرہ آدمی ایک ایندھن کے گٹھے ہاتھوں میں لیئے کھڑے تھے اور قریباً دس آدمیوں کے پاس بڑی بڑی لکڑیاں تھیں۔ اور ڈھول اور سنکھ بجانے والے لوگ اِن عورتوں کے منتظر کھڑے تھے۔ اور اِس خیال سے کہ کہیں دیکھ کر ڈر نجائیں لوگوں نے آگ کے سامنے قنات سے پردہ کر رکھا تھا جسکو ہاتھوں سے تھامے ہوئے تھے۔ القصّہ اُن میں سے ایک عورت کو مینے دیکھا کہ جب قنات کے پاس پہنچی تو اُسکو لوگوں کے ہاتھ سے جھٹک کر

والی دیوانی عورتوں کی جرأت اور بیدھڑک جان کھونے کا بیان
ٹھیک ٹھیک کرسکوں- جو جو کچھ اس پُر اندوہ اور خوفناک اور بدانجام
رسم میں ہوتا ہے غالب ہے کہ بے دیکھے کوئی بھی اسکو سچ نہ جانیگا
! جب میں احمد آباد سے راجستان ہوکر آگرہ کو جاتا تھا اور ہمارا
قافلہ دوپہر کاٹنے کو ایک قصبہ میں سایہ تلے ٹھہرا ہوا تھا مینے سُنا کہ
ابھی ایک عورت اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ ستی ہوا چاہتی ہے
! پس میں فوراً دوڑا ہوا وہاں گیا اور دیکھا کہ ایک بڑے تالاب میں
جو بجز تھوڑی جگہہ کے زیادہ تر خشک پڑا تھا ایک بڑا گڑھا لکڑیوں سے
بھرا ہوا ہے اور اُسپر مُردے کی لاش رکھی ہوئی ہے اور اُسی پر ایک
عورت بیٹھی ہے اور چار پانچ برہمن اُسکو ہر طرف سے آگ لگا رہے ہیں

لڑنے کو نکلا تھا جیدہ ہندو آدمی مارے گئے تو اُن میں سے تین کی عورتوں نے ستی ہونے کا
ارادہ کیا۔ جو ہندوؤں کے نزدیک اگرچہ فرض نہیں مگر ثواب کا کام ہے اور جو عورت ستی
ہوجاتی ہے وفادار اور اپنے خاندان کے لیئے باعث عزت سمجھی جاتی ہے اور جو ستی
نہیں ہوتی وہ موٹے جھوٹے کپڑے پہنتی اور سوداگی کی وجہ سے کنبہ والوں کے نزدیک
معیوب اور ذلیل خیال کیجاتی ہے اگرچہ ستی ہونے پر مجبور نہیں کی جاتی- چنانچہ جب
انہوں نے اپنا ستی ہونا ٹھان لیا تو تین دن تک گانے بجانے اور خوشیاں منانے
میں مصروف رہیں گویا دنیا سے رخصت ہوتی ہیں اور ادھر اُدھر کی عورتیں اُنکی مُلاقات
کو آتی رہیں- چوتھے روز کی صبح کو خوب بناؤ سنگار کرکر اور عطر وغیرہ لگا کر گھوڑوں پر سوار
ہوئیں اور دائیں ہاتھ میں ایک ایک ناریل اور بائیں میں ایک ایک آئینہ لیا جسکو اُچھالتی اور
اُس میں اپنا منہ دیکھتی جاتی تھیں اور ہندو آدمی اُن سے کہتے جاتے تھے کہ ہمارے
باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کو ہمارا سلام کہدینا ! جسکے جواب میں وہ ہنسکر کہدیتی
تھیں کہ اچھا ! میں اپنے ساتھیوں سمیت اُن کے ستی ہونے کی کیفیت دیکھنے کو

کی طرف کھسک گئے اور یہہ دیکھکر مجھے مناسب معلوم ہوا کہ اب اس کو
اسکے رشتہ داروں کے سپرد کرکے جو میرے ساتھ آئے تھے وہاں سے
چل دوں۔ چنانچہ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر اپنے گھر کو چلا آیا۔ !
شام کیوقت جب کہ میں دانشمند خاں کے پاس اس حال کی اطلاع کرنیکو
جاتا تھا راستہ میں اُسکا ایک رشتہ دار ملا اور بعد ادائے شکر بولا کہ اُسکے
شوہر کی لاش بغیر اُسکے جلائی گئی اور اُسنے اپنی جان نہیں گنوائی۔

مصنّف کا ایک بی بی اور اُسکی پانچ لونڈیوں کو لکھتے ستی ہوتے دیکھنا۔

اُب اُن عورتوں کا حال سُنیئے جو فی الواقع جل مرتی ہیں۔ میںنے یہہ اندوہناک واقعے اتنی مرتبہ دیکھے ہیں کہ آیندہ ستی کے کسی اَور واقعہ کے
دیکھنے کا حوصلہ نہیں رہا۔ اور نہ اُسکا اِعادہ عبرت اور نفرت سے خالی
ہے۔ بہر حال جو کچھ میری آنکھوں کے سامنے گزرا ہے حتی الامکان
اُسکا بیان کرتا ہوں* ! لیکن مجھکو یہہ توقّع نہیں ہے کہ اِن ستی ہونے

---

* مشہور و معروف سیّاح شیخ ابو عبد اللہ محمّد ابن عبد اللہ افریقی معروف بابن بطوطہ جو سن سات سو چونتیس (۷۳۴ھ) ہجری میں محمد شاہ تغلق کے زمانہ میں ہندوستان میں آیا تھا اپنے سیاحت نامہ میں جو عربی زبان میں ہے اور جسکی ایک نقل خوش قسمتی سے ہمارے کُتب خانہ میں بھی موجود ہے لکھتا ہے کہ جب کبھی ستی کا کوئی واقعہ سلطان ہند کی قلمرو میں ہوتا ہے تو اوّل سُلطان سے اجازت حاصل کیجاتی ہے اور اُسکے بعد عورت ستی ہوتی ہے ! اور پھر ایک اپنی آنکھوں دیکھے واقعہ کا یوں ذکر کرتا ہے کہ "میں مُلک سندھ ہی میں تھا کہ ایک شہر کے قریب (جس کا نام اُسنے ابہری لکھا ہے) قزاقوں نے جو نزدیک ہی کے رہنے والے تھے اور سُلطان کی حکومت نہیں مانتے تھے چند مسافروں کو لوٹ لیا اور حاکم شہر کے ہمراہیوں میں سے جو مسلمان تھا اور اُسنے

دو دو کروَن یعنی پانچ پانچ روپیے ماہواری کا وظیفہ جاری رکھیگا بشرطیکہ
تم اپنی جان تلف نہ کرو۔ کیونکہ تمہارا جیتا رہنا تمہارے بچّوں کی خبرگیری اور
تربیت کے واسطے ازبس ضرور ہے اور تمکو خوب معلوم رہے کہ ہم بہت
طرح سے تمہارا چتا پر بیٹھنا اور ستی ہونا روک سکتے ہیں اور اُن لوگوں کو جو
تُمھیں اس نامعقول بات کی جُرات دلاتے ہیں سزا دیسکتے ہیں۔ تمہارے
سب عزیز و اقارب تمہاری اولاد کی زندگی کی خاطر تُمہارا زندہ رہنا چاہتے
ہیں۔ اور اس حالت میں تُم پر کم ہمتی کا الزام اور وہ بدنامی بھی عاید ہوگی
جو ایک ایسی عورت کی نسبت عاید ہوسکتی ہے جو باوجود اولاد نہ ہونے کے
اپنے مالک کے ساتھ ستی ہونے کی جرأت نہ کرے اور مینے کئی بار اس تقریر
کو دوہرایا لیکن اُسنے مطلق جواب ندیا آخر کار بڑے استقلال سے آنکھ ملا کر!
یوں بولی کہ " خیر اگر میں ستی ہونے نہ پاؤنگی تو دیوار سے سر پھوڑ کر
مرجاؤنگی " یہہ سُنکر مینے اپنے دل میں ذرا سوچا اور پھر نہایت غصّہ سے
بگاڑ کر کہا کہ کیا تیرے سر پر کوئی بھوت چڑھا ہے ! بہت اچھّا ستی ہوجا
لیکن اے بدبخت بیرحم پہلے اپنے بچّوں کے گلے کاٹ کر اُن کو اسی چتا
پر جلا دے کیونکہ ہمکو یہہ ہرگز گوارا نہیں ہے کہ تُو تو ستی ہوکر اس دُنیا سے
چل دے اور اُن کو بھوکا مرنے کو پیچھے چھوڑ جائے اور میں ابھی دانشمند خان
کے پاس جاتا ہوں اور تیرے لڑکوں کا وظیفہ منسوخ کراتا ہوں۔ میرے
اس مستقل طور پر بلند آواز سے کہنے کا یہہ اثر ہوا کہ وہ چُپ ہوگئی اور فوراً سر
جُھکا کر گھٹنوں پر رکھ لیا پھر تو وہ بڑھیا عورتیں اور برہمن بھی دروازے

کے نوکر تھے اور اُن کو یہہ حکم دیا گیا تھا کہ اس کو اِس دیوانگی کی حرکت سے
باز رکھیں چنانچہ اُنھوں نے اُسے سمجھایا کہ اگرچہ تمہارا یہہ قصد پسندیدہ اور
باعثِ عزّت اور خوشنودی خاندان اور سراسر لایق تحسین اور ہمّت کا کام ہے
لیکن تمکو یہہ خیال کرنا چاہیئے کہ تمہارے بچّے کم عمر ہیں اور اُنکو چھوڑنا نہایت
بیرحمی ہے۔ اور تمکو اپنے فرزندوں کی بہبودی کا فکر اُس محبّت سے جو
تُم اپنے متوفی شوہر کی نسبت رکھتی ہو بہت زیادہ ہونا چاہیئے۔ اس بیوقوف
اور دیوانی عورت نے جب اِن کی فہمایش کو کسی طرح نہ مانا تو اُنھوں نے
مجھسے درخواست کی کہ آپ چلکر سمجھائیں۔ چونکہ ہمارے آقا کی بھی یہی
مرضی تھی اور اس خاندان سے میری دیر سے دوستی تھی اسلیئے میں اُسکے پاس گیا
جب مکان میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سات آٹھ بدصورت بُڑھیا عورتیں
اور چار پانچ مُسن اور ضعیف العقل برہمن لاش کے اِردگرد جمع ہیں اور یہہ سب
عورتیں باری باری بڑے شور و فغاں اور آہ وزاری سے روتی اور بڑے
زور سے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیٹتی ہیں۔ یہہ عورت لاش کے پائینتی بیٹھی
تھی اور بال کھُلے ہوی تھے اور چہرہ زرد ہو رہا تھا مگر آنکھوں میں آنسو نتھا۔ لیکن جب حاضرین مجلس
کی طرح وہ بھی بہت زور سے چلاکر رونے لگی تو آنکھیں لال انگارا ہو گئیں۔
اور باتفاق اُس خوفناک گروہ کے اپنی باری پر وہ بھی پیٹتی رہی جب
یہہ رونا پیٹنا فرو ہوا تو میں اُس کم بخت گروہ کے قریب گیا اور آہستگی
اور نرمی کے ساتھ اُس بیوہ سے کہا کہ میں دانشمند خاں کے حکم سے
تمہیں اطلاع دینے آیا ہوں کہ نوّاب تمہارے دونوں بیٹوں کیواسطے

مگر باوجود اِن سب امور کے ستی کی تعداد اَب بھی بہت ہے خصوصاً اُن راجاؤں کے علاقوں اور عملداریوں میں جہاں کوئی مسلمان صوبہ دار متعین نہیں ہے - لیکن ہر ایک عورت کے واقعات کے بیان سے جنکو مینے بچشم خود ستی ہوتے دیکھا ہے میں آپکی تضیع افزائی اور سامعہ خراشی نکرونگا- بلکہ منجملہ اُن کے صرف دو تین صدموں ہی کا بیان کرونگا- اور اِن میں بھی مفصل حالات صرف ایک ہی عورت کے لکھوں گا جسکو ستی ہونے کے مستقل اور خوفناک ارادہ سے روکنے کے واسطے میں بھیجا گیا تھا-

ایک عورت کا ذکر جسکو مصنف نے سمجھا بوجھا کر ستی ہونے سے روکا-

بندی داس نامے میرا ایک دوست تھا جو دانشمند خاں کا میر منشی تھا وہ تپِ دق کی بیماری سے جسکا معالجہ مینے دو برس سے کچھ زیادہ عرصہ تک کیا تھا مر گیا- اور اُسیوقت اُسکی زوجہ نے اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ ستی ہونے کا ارادہ کر لیا- اسکے رشتہ دار میرے آقا

بقیہ حاشیہ: کو ایکٹ نمبر سترہ جاری کرہی دیا جسکی رو سے یہہ دردناک رسم ہمیشہ کیواسطے ہندوستان سی دفع ہوگئی- اور اگرچہ کلکتہ کے دولتمند بابوؤں نے بہت غل مچایا اور اخباروں کے صفحے کالے کرڈالے مگر اِس باہمت شخص نے ایک نسنی اور خاص شاہی کونسل کی خدمت میں جو اپیل دائر کیا گیا تھا اور جسپر فرقہ برہم سماج کے مشہور بانی راجہ رام موہن رائے کے بھی دستخط تھے سن اٹھارہ سو بتیس (۱۸۳۲ء) عیسوی میں ولایت سی خارج ہوگیا- اور اس رسم کی موقوفی کی نیکنامی جو خدا نے سلطنت انگریزی کی قسمت میں لکھی تھی وہ اُسکو ہمیشہ کے لئے حاصل ہوگئی- (ماخوذ از تاریخ ہند مؤلفہ الفنسٹن صاحب- و پروفیسر محمد ذکاء اللہ صاحب) من مترجم

ہیں لیکن تاہم ستی کی رسم کو بعض ایچ پیچ کے طریقوں سے روکتے رہتے ہیں - یہاں تک کہ کوئی عورت بغیر اجازت اپنے صوبہ کے حاکم کے ستی نہیں ہو سکتی اور صوبہ دار ہرگز اجازت نہیں دیتا جب تک کہ قطعی طور پر اس امر کا یقین نہیں ہو جاتا کہ وہ اپنے ارادہ سے ہرگز باز نہ آئیگی - صوبہ دار بیوہ کو بحث مباحثہ سے سمجھاتا ہے اور بہت سے وعدے وعید کرتا ہے اور اگر اُسکی فہمایش اور تدبیریں کارگر نہیں ہوتیں تو کبھی ایسا بھی کرتا ہے کہ اپنی محلسرا میں بھیجدیتا ہے تاکہ بیگمات بھی اُسکو اپنے طور پر سمجھائیں -

---

اُصول کے مخالف ہو کہ سرکار رعایا کے مذہب اور رسم و رواج میں بشرطیکہ وہ انسانیت اور عقل اور انصاف کے خلاف نہوں کبھی مزاحم نہ ہوگی - چنانچہ تمام موافق و مخالف رائیں جمع کرکے صاحبان کورٹ آف ڈائرکٹرز نے سن اٹھارہ سو تئیس (۱۸۲۳) عیسوی میں گورنمنٹ ہند کے پاس بھیجیں اور کہا کہ ہمکو کمال خوشی ہوگی اگر یہہ رسم بغیر کسی فتنہ و فساد پیدا ہونے کے موقوف ہو جائے ! اسپر لارڈ ایمہرسٹ[†] نے پھر تمام دانشمند عہدہ داروں سے مشورہ لیا مگر یہی بات قرار پائی کہ اِس کا انسداد تو ضرور چاہیئے - لیکن بتدریج ہندوؤں کے اخلاق اور تہذیب اور عقل میں ترقی پیدا کر کے ! اور یہہ جواب ولایت کو بھیجا گیا کہ بالفعل یہہ رسم قطعی موقوف نہیں ہو سکتی مگر بتدریج اشاعت اور ترقی تعلیم سے خود موقوف ہو جائیگی ! سن اٹھارہ سو ستائیس (۱۸۲۷) عیسوی میں پھر گورنر جنرل کے پاس ولایت سے لکھا آیا کہ کسی طرح یہہ رسم شائستگی کے ساتھ بہت جلد موقوف بھی ہو سکتی ہے ؟ اِس پر لارڈ ولیم بنٹنک[‡] نے جو ابھی گورنر جنرل ہو کر آئے تھے پھر جنگی اور ملکی عہدہ داروں سے مشورہ لیا اور ہمت کرکے آخر کار چودھویں[۱۴] دسمبر سن اٹھارہ سو اُنتیس (۱۸۲۹) عیسوی

[†] ایمہرسٹ (اِ ے م ہ ر س ٹ) Amherst

[‡] ولیم بنٹنک (و ل ی م ب ے ن ٹ ن ک) Lord William Bentinck

جو بیانات ستی کی بابت لکھے گئے ہیں اُن میں بلاشک مبالغہ کیا
کیا گیا ہے اور آجکل پہلے کی نسبت ستی کی تعداد کم ہو گئی ہے کیونکہ
مُسلمان جو اِس مُلک کے فرماں روا ہیں اِس وحشیانہ رسم کے نیست و
نابود کرنے میں حتی المقدور کوشش کرتے ہیں - اور اگرچہ اسکے امتناع
کے واسطے کوئی قانون مقرر کیا ہوا نہیں ہے - کیونکہ اُنکی پالسی
(تدبیر مملکت) کا یہہ ایک جزو ہے کہ ہندوؤں کی خصوصیات میں
جنکی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے دست اندازی کرنا مناسب
نہیں سمجھتے بلکہ اُنکی مذہبی رسوم کے بجالانے میں اُنکو آزادی دیتے

تھے جاتے جاتے کیا کرسکتے تھے - مگر پھر بھی چلتے چلتے وہ اتنا لکھ گئے کہ اِس رسم کا
موقوف ہونا مناسب ہے - دسویں اپریل سن اٹھارہ سو دس (۱۸۱۰ء) عیسوی کو محکمہ
صدر نظامت بنگالہ نے اپنا ایک سرکلر اِس مضمون سے جاری کیا کہ بغیر اطلاع
مجسٹریٹ یا افسر پولیس کے کوئی بیوہ ستی ہونے نپائے اور یہہ عہدہ دار اِن اُمور
کی تحقیق کیا کریں کہ بیوہ خود اپنی مرضی سے ستی ہوتی ہے اور کوئی اُسپر زور و ظلم تو
نہیں کرتا ؟ کسی نے اُسے نشہ پلا کر تو یہہ سُتت نہیں چڑھا دیا ؟ یا کسی اَور طرح سے
بیہوش و حواس تو نہیں کردیا ؟ اُسکی عمر سولہ[۱۶] برس سے کم یا وہ حاملہ تو نہیں ؟

یہہ سرکلر اگرچہ ممانعت کے لیئے تھا مگر غور کرو تو حقیقت میں ایک طرح کی اجازت تھی !!!
گورنمنٹ بمبئی نے ایک عجیب و غریب حکم یہہ جاری کیا کہ چِتا کو ایک انگریز عہدہ دار بنایا کرے
جس سے یہہ غرض تھی کہ بیوہ اگر آگ کے شعلوں سے ڈر کر نکل بھاگنا چاہے تو بھاگ سکے
! سن اٹھارہ سو بیس (۱۸۲۰ء) عیسوی میں اِس معاملہ میں ہندوستان اور انگلستان
میں بڑے زور شور سے مباحثہ شروع ہوا مگر کسی کو یہہ حوصلہ نہوا کہ اسکے امتناع کا قطعی
حکم دیوے - بلکہ بعض کی تو یہہ رائے ہوئی کہ اِس کا روکنا گورنمنٹ کے اس بڑے

چِتا (چ ت ا) سُتت (س ت)

ستی کا بیان

※ ستی کی رسم اور اُسکے باب میں حکاّم مغلیہ کی پالسی کا بیان

ہندوستان کی عورتوں کے ستی ہونے کی نسبت جو روایتیں فرنگستان میں مشہور ہیں اگرچہ پہلے بھی اُنکی تصدیق بہت سے سیّاحوں اور مسافروں کے بیانات سے ہو چکی ہے مگر اُمید ہے کہ میرے ہموطن اِس پُراندوہ کیفیّت کو سُنکر اَب تو شبہ کرنا بالکل چھوڑ دینگے۔

※ ستی کی رسم ہندوستان میں بہت عرصہ سے تھی اور چونکہ منوسمرتی میں باوجودیکہ بیوہ عورتوں کے وفادارانہ چلن وغیرہ کا ذکر آیا ہے ستی کی نسبت کچھ اشارہ پایا نہیں جاتا اِس لیئے انگریز مورخ یہہ رائے قائم کرتے ہیں کہ یہہ رسم منوجی کے زمانہ سے پیچھے جاری ہوئی تھی اور چونکہ یجربید کی تالیف وترتیب کا زمانہ سن چوذہ سو قبل مسیح اُنہوں نے ثابت کیا ہے اسلیئے منوسمرتی کا تقریباً نوسو برس قبل سن مسیحی مرتب ہونا قرار دیتے ہیں۔ بہرحال دو ہزار برس سے زیادہ عرصہ سے ہندوؤں میں اس رسم کا ہونا یقینی معلوم ہوتا ہے۔ مسلمان بادشاہوں نے اِسکے امتناع کی نسبت کچھ توجہ نہیں کی اور ایک بے پروائی سے کبھی کبھی اِسکی مزاحمت کی! لیکن انگریزوں کو جب خدا نے اس مُلک کی حکومت عنایت کی تو پولیٹکل خیالات سے مدّت تک اِن کا حال بھی مسلمان بادشاہوں ہی کا سا رہا یعنی یہہ کہ بیوہ صرف اپنی مرضی سے ستی ہو یا اُس حالت میں ستی ہو جبکہ اُسکے رشتہ داروں کی خوشی ہو یا گرو کا حکم ہو غرض زبردستی نہ جلائی جائے! ایک دفعہ لارڈ ویلزلی کے عہد میں اِس کے امتناع کے لیئے تحریک ہوئی تھی مگر اُسوقت وہ ولایت کو جا نیوالے

یجربید (یَ جُ رب ے دْ) لارڈ ویلزلی (لَ اَرْ ڈْ وِ ے لْ زْ لِ ی) Wellesley

کہا جاتا ہے اِس ہندوستان کے مُولک کے کئی مندر ہیں۔ چنانچہ ایشڑا[۵۱] جو کلکتہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر گنگا کے کنارے ایک خوشنما گانوں ہے (اور جہاں پہلے وارن ہیسٹنگس صاحب گورنر جنرل ہند رہا کرتے تھے اور اب بھی گورنر جنرل حال کے باغ[۵۲] سے یہہ جگہہ سامنے نظر آتی ہے) خاص اُسکے متصل ہی جگن ناتھ کا مندر موجود ہے جہاں اکثر انسان کی قربانی کا خون مُبت کو چڑھایا جاتا ہے۔ چنانچہ باہ جون سن اٹھارہ سو سات (۱۸۰۷) عیسوی جبکہ ڈاکٹر بکانن صاحب رتھ جاترا کے میلے پر اِس جگہہ موجود تھے ایک بہت خوبصورت اور تازہ توانا نوجوان شخص نے کہ جسکے لمبے لمبے سیاہ بال بکھرے ہوئے تھے اور گلے میں پھولوں کا ہار پہنے ہوئے تھا یہہ حرکت کی کہ اُچھلتا کودتا آیا اور رتھ کے سامنے تھوڑی دیر تک اوّل تو بہت ذوق و شوق سے ناچتا اور گاتا رہا اور پھر یکایک اُس کے پہیّوں کے نیچے جا گھسا اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا۔ فقط انتہے ! س۔ م۔ ح

---

۵۱ (حاشیہ) شاید یہہ لفظ دراصل چترا ہے۔ جسکو بنگالی چیچڑا کہتے ہیں! کیونکہ ایشڑا کا نام ہندوستان کے نقشوں میں کلکتہ کے نزدیک کہیں نہیں ملتا۔ اور وہ باغ شاید بارک پور المعروف اچانک سے مُراد ہے۔ س۔ م۔ ح

---

۵۲ (حاشیہ) اصل کتاب میں لفظ کنٹری ہوس ہے۔ شہروں کے رہنے والے ذی مقدور یوروپین لوگوں میں رسم ہے کہ ایسے مکان مع باغ بیرونجات میں اِس مُدعا سے بنا رکھتے ہیں کہ جب کبھی شہر میں رہتے رہتے طبیعت دق ہو جاتی ہے۔ تو تفریح خاطر اور تبدیل آب و ہوا کے لیئے وہاں جا رہتے ہیں۔ س۔ م۔ ح

ایشڑا (اِ ئے شَ ڑا)

وارن ہیسٹنگس (وا ر ن ہ ے س ٹ ن گ س) Warren Hastings

اٹڑے طور پر پڑگئی تھی اِس وجہ سے فوراً ہلاک نہ ہوئی بلکہ کئی گھنٹوں میں اُس کی جان نکلی۔ مگر آج صبح کو جب میں اُس مُردوں کی کھوپڑیوں والی جگہہ سے گزرا تو مینے دیکھا کہ اُس عورت کی لاش میں بجز ہڈیوں کے اِس وقت اَور کچھ باقی نہ رہا تھا! پھر اکیسویں جُون سن اٹھارہ سو چھ (۱۸۰۶ء) عیسوی کو یوں لکھتے ہیں کہ " ابھی رتھ جاترا کے تماشے بدستور جاری ہیں لیکن ایسے افعال اور بیرحمیوں کو دیکھتے دیکھتے میں اسقدر تنگ آگیا ہوں کہ اَب دل یہی چاہتا ہے کہ یہاں سے جلد بھاگ چلئے! آج صبح کو اُس مقام پر جہاں مُردوں کو پھینکا جاتا ہے مینے ایک اَور بھی زیادہ دردانگیز واقعہ دیکھا کہ ایک عورت جو مُردہ یا قریب المرگ پڑی ہوئی تھی اُسکی لاش کو کُتّے اور گدھ چمٹے ہوئے تھے۔ اور اُس کے دو بچّے اُس کی لاش کی طرف بحسرت تک رہے تھے۔ اور جاتری لوگ جو اُس طرف ہوکر جاتے تھے اِن بچّوں کی حالت پر کوئی بھی اصلا ملتفت نہ ہوتا تھا مینے اُن بچّوں سے دریافت کیا کہ تمہارا گھر کہاں ہے اُنہوں نے کہا کہ جہاں ہماری ماں ہے وہیں ہمارا وطن ہے! افسوس کہ اِس جگہہ میں رحم نام کو بھی نہیں ہے۔ اِس وقت جاتری لوگ یہاں اسقدر جمع ہوئے ہیں کہ اُنکی تعداد کا اندازہ ٹھیک نہیں ہوسکتا۔ خاص تہواروں پر جسقدر جاتری جمع ہوتے ہیں اُنکی تعداد کی نسبت یہاں کے لوگ ذکر کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں کہ اگر بالفرض میلے میں سے ایک لاکھ آدمی چلا جائے تو کثرتِ خلایق میں کچھ کمی محسوس نہیں ہوسکتی۔ مینے ایک برہمن سے پوچھا کہ بڑے سے بڑے میلے پر تمہاری دانست میں کسقدر جاتری آتے ہوں گے تو اُس نے یہہ جواب دیا کہ میں کسطرح کہہ سکتا ہوں کہ مُٹھی بھر ریت میں کتنے ذرّے ہوتے ہیں۔

انگلستان میں انگریزوں کو اِس بات پر یقین نہیں آنے کا کہ یہہ سب خونریزیاں جو جگن ناتھ میں ہوتی ہیں آیا کلکتہ میں حُکّام انگریزی کو بھی معلوم ہیں یا نہیں۔ لیکن افسوس کہ گورنمنٹ ہوس کے دروازے کے آگے اور سُپریم گورنمنٹ کی نظروں کے سامنے یہہ سب باتیں ہوتی ہیں۔ خاص بنگالے میں بھی جو ایک خوشنما اور ایسا سرسبز اور شاداب مُلک ہے۔ جسکو دُنیا کا باغ

بیٹھے ہیں (جنکی وضع کا بیان میں جلد کرونگا) وقف کیا ہوا ہے۔

کے قریب پہنچ گیا۔ جس کو بہت سے لوگ بمشکل تمام کھینچتے تھے۔ اور اُسکے پہیے جو بہت سے تھے اُن میں سے گرج کی سی آواز نکلتی تھی۔ چند لمحہ بعد رتھ رُک گیا اور پوجا شروع ہوئی یعنی مندر کے بڑے پوجاری نے رتھ پر چڑھکر اور مُورت کے سامنے آکر چند فحش گیت گائے اور بیان کیا کہ جگن ناتھ جی کو ایسے گیت بہت پسند ہیں اور جب اِن گیتوں سے خوش ہوتے ہیں تب ہی اِن کا رتھ چلتا ہے۔ چنانچہ اِن گیتوں کے گانے کے بعد رتھ ذرا سا آگے بڑھکر پھر کھڑا ہوگیا۔ تب ایک لڑکا جسکی عمر کوئی بارہ ۱۲ برس کی ہوگی سامنے کیا گیا اُسنے اُس پوجاری سے بھی بڑھکر چند قابلِ شرم گیت اِس اُمید سے گانے شروع کئے کہ شاید اُن کا دیوتا قدم آگے بڑھائے اُس لڑکے نے دیوتا کی تعریف اور اُسکی بڑی دلربا آواز سے کی اور گیت کے مضامین کو جسمانی حرکات یعنی بتانے سے بھی ادا کیا جس سے دیوتا خوش ہوگیا۔ اور لوگوں نے ایک مصنوعی خوشی کا شور کر کے رتھ کو ذرا آگے بڑھا دیا مگر چند لمحہ بعد رتھ پھر ٹھہر گیا۔ پھر اِس دیوتا کے ایک بڈھے پوجاری نے کھڑے ہوکر اور ہاتھ میں ایک لمبی چھڑی لیکر اور اُسکو تھوڑے عرصہ تک ناشایستہ طور پر ہلا ہلا کر اِس مکروہ تماشے کو ختم کیا۔

واضح ہو کہ جگن ناتھ کی پوجا جسکو میں ہندوستان کا مولک کہتا ہوں فحش اور خون ریزی دو باتوں سے مرکب ہے۔ چنانچہ فحش کا ذکر تو ہو چکا۔ اب خون ریزی کا بیان سُنیئے۔!!! جب رتھ تھوڑی دُور اور آگے بڑھا تو ایک جاتری بولا کہ میں جگن ناتھ جی پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہوں۔ چنانچہ اُسنے چلتے ہوئے رتھ کے پہیوں کے آگے اپنے تئیں ہاتھ پھیلا کر موہنہ کے بل زمین پر ڈال دیا۔ اِس وقت ازدحام خلایق نے اُسکے لیئے جگہ چھوڑ دی اور رتھ کے پہیوں سے وہ کچل کر مر گیا۔ اِس حرکت پر جاتریوں کے ازدحام نے مُورت کی طرف دھیان کر کے بڑے زور سے جے جے کار کی صدا بلند کی۔ کیونکہ یہہ لوگ کہتے ہیں کہ جب اِس طرح سے دیوتا کو خون چڑھایا جاتا ہے تو دیوتا مسکراتا ہے۔ پھر اِن لوگوں نے اِس جاتری کی لاش پر بمراد اظہار استحسان اُسکے اس فعل کے کوڑیاں پھینکنی شروع کیں۔ پھر مبٹیوس جون نتن اٹھارہ سو چھ سنہ ۱۸۰۶ء کو اِسی مقام سے صاحب موصوف یہہ لکھتے ہیں کہ یہہ ہولناک رسمیں ابھی بدستور جاری ہیں۔ چنانچہ کل پھر ایک عورت نے اپنے تئیں قربان کیا۔ مگر وہ رتھ کے نیچے چونکہ سیدھی نہیں پڑی تھی اور معمول کے خلاف

پر جو ننگے دھونی رمائے اور جٹا دھارن کیئے مندر کے چاروں طرف

آیا ہوں۔ آج اس دیوتا کا بڑا دن ہے۔ چنانچہ دوپہر کیوقت ہندو جگن ناتھ کی مورت کو مندر سے باہر لائے اسوقت لاکھوں جاتری اور عقیدت مند لوگ اپنی جے جے کار سے نہایت شور و غل کرتے ہوئے ساتھ تھے اور جب مورت کو سنگھاسن پر بیٹھایا اُسوقت تو ایسا غل پڑا کہ مینے کبھی نہیں سُنا تھا۔ پھر تھوڑی سی خاموشی کے بعد دور سے کچھ شور سا سُنائی دیا۔ اور تمام خلقت کی آنکھیں اُسطرف کو اُٹھ گئیں اور مینے دیکھا کہ درختوں کا ایک جھنڈ سا چلا آتا ہے۔ ذرا قریب آنے پر معلوم ہوا کہ بہت سے آدمیوں کا ایک غول بڑی جلدی سے چلا آتا ہے اور ہر ایک کے ہاتھ میں کھجور یا کسی اور درخت کی سبز ٹہنی ہے اِس غول کے لیئے خلقت نے راستہ چھوڑ دیا اور جب وہ جگن ناتھ کے سنگھاسن کے سامنے جسپر مورت رکھی ہوئی تھی پہنچے تو زمین پر سر تا پا گر کر ڈنڈوت اور پوجا بجالائے۔ اُس وقت جگن ناتھ کا سنگھاسن ایک بہت اونچے رتھ پر رکھا گیا جو مثل ایک برج کے ساٹھ فٹ بلند تھا اور جسکے پہیئے بوجھ کے مارے زمین میں دھسے جاتے تھے۔ اِس رتھ میں جہاز کی سی بھاری اور لمبی لمبی چھ زنجیریں لگی ہوئی تھیں اور ہزاروں مرد عورت اور بچے اِن کو کھینچتے تھے اور اسقدر ازدحام تھا کہ بعض لوگ صرف ایکہی ہاتھ لگا سکتے تھے۔ بچوں سے اِس زنجیر کے کھچوانے کی یہہ وجہ تھی کہ ایسے دیوتا کی زنجیر کو کھینچنا ایک بڑے دھرم کی بات سمجھی جاتی ہے۔ رتھ کے اوپر سنگھاسن کے پاس برہمن اور پوجاری لوگ کھڑے تھے اور مینے سُنا کہ شاید ایکسو بیس ۱۲۰ پوجاری رتھ پر موجود تھے۔ جگن ناتھ کی مورت ایک لکڑی کا بنا ہوا قالب ہے (جسے ہندو کلیور کہتے ہیں) اُسکا چہرہ کالا رنگا ہوا اور نہایت مہیب ہے اور موہنہ بڑا سا اور کھلا ہوا لال رنگ سے بھرا ہوا ہے۔ بازو سونے کے ہیں اور پوشاک نہایت مکلّف اور نفیس پہنائی ہوئی ہے اور وہ دونوں مورتیں جو اُسکے ساتھ ہیں ایک کا رنگ سفید اور دوسری کا زرد ہے! پانچ ہاتھی جنکے اوپر بڑی اونچی اونچی جھنڈیاں بھی تھیں اِس تین گنبد والے رتھ کے آگے آگے چلتے تھے! اِن ہاتھیوں پر لال رنگ کی جھولیں پڑی ہوئی تھیں اور دونوں جانب معمولی گھنٹے بھی لٹکتے تھے۔ میں بھی اس جلوس میں جا شامل ہوا بلکہ خاص رتھ

قبول نہ کیا کہ ہمنے اپنے تئیں دیوتاؤں اور برہمنوں اور اُن ساڈھوؤں

ناشایستگی اور عیوب کی بیشمار اور مختلف مورتیں موجود ہیں جو خاص اس کی پوجا کے طریق کا لُبّ لُباب ہیں چنانچہ مندر کی دیواروں اور دروازوں کے تختوں پر ایسی خلاف تہذیب شکل کی مورتیں جنکو دیکھکر شرم آتی ہے بھاری بھاری اور پائدار پتھروں سے تراشی ہوئی کھڑی ہیں۔ میں سمندر کے کنارے کی ریتی کو بھی دیکھنے گیا تھا وہاں بھی بعض مقامات جاتریوں کی ہڈیوں سے بالکل سفید نظر آتے تھے۔ شہر کے نزدیک یہنے ایک اور جگہہ جسکو انگریز گنگلو تھا کہتے ہیں دیکھی جہاں جاتریوں کی لاشیں یونہیں پھینک دیجاتی ہیں اور کتّے اور گدھ وغیرہ وہاں ہمیشہ جمع رہتے ہیں۔

میں جیمس ہنٹر صاحب کے مکان میں جو سرکار آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے جگنناتھ کے مندر کے منتظم اور جاتریوں سے سرکاری محصول کے وصول کے ذمہ دار ہیں اُترا ہوا ہوں جو سمندر کے کنارے مندر سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہہ صاحب شہر کے قریب اسواسطے نہیں رہتے کہ وہاں متعفّن لاشوں کے باعث نہایت بدبو آتی ہے اور ان لوگوں کے گوناگوں توہّمات کے مشاہدہ سے قطع نظر شہر میں اور بھی بہت سی ایسی نازیبا باتیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ جن سے آدمی کے حواس پراگندہ ہوجاتے ہیں۔ مثلاً فاقوں کے مارے ہوئے ہزاروں جاتری نیم مردہ اور بھوت کی سی ڈرانی صورت کے ساتھ شہر میں دیکھے جاتے ہیں۔ جن میں سے اکثر بھوکھ اور بیماریوں کے مارے شہر کے گلی کوچوں ہی میں مرجاتے ہیں یا یہہ کہ اکثر وہ لوگ جو بڑے بھگت اور خوش عقیدہ ہوتے ہیں بالوں کے جوڑے باندھے اور بدن کو کئی طرح کے رنگ لگائے اور اپنی جان کو طرح طرح کے عذاب دیتے ہوئے جس کو عبادت سمجھتے ہیں نظر آتے ہیں اسکے سوا عورتیں اور مرد بغیر کسی قسم کے شرم اور حجاب کے شہر کے قریب ریتی میں قضائے حاجت کے لئے برابر بیٹھے دکھائی دیتے ہیں۔ جن کے فضلہ کو سانڈ جنکو یہہ لوگ مقدس سمجھکر چھوڑ رکھتے ہیں بے تکلف آکر چٹ کرتے ہیں!

پھر صاحب موصوف اٹھارہ دیں جون سنہ اٹھارہ سو چھ عیسوی کو جگنناتھ ہی سے یوں لکھتے ہیں کہ "میں ابھی ایک تماشا دیکھکر جسکو عمر بھر نہ بھولوں گا اپنے مکان پر

(جیمس ہنٹر - ج ئے مز ہن ٹ ر) James Hunter

عورتوں کو کئی اہل اسلام اور عیسائی اور بعض پردیسی قوم کے بت پرستوں
نے بہت کچھ دولت اور روپیہ دینا چاہا لیکن انہوں نے بایں عذر

• یہہ جاتری لوگ بہت سے راستہ ہی میں مرجاتے ہیں اور انکی لاشوں یا ہڈیوں کو کوئی دفن تک نہیں کرتا اور اسی طرح شاہراہ پر پڑی رہتی ہیں - چنانچہ اس منزل پر جہاں ہم مقیم ہیں ندّی کے کنارے جو جاتریوں کے اُترنیکے لیئے ایک سرا بنی ہوئی ہے کوئی قریب سو کھوپڑیوں کے ہمنے پڑی دیکھیں آج ہمکو ایک ایسا خوش اعتقاد جاتری ملا جو ہر قدم پر پوری ڈنڈوت کرتا اور گویا اپنے جسم سے جگن ناتھ کا راستہ ناپتا جاتا تھا اور اپنی دانست میں دیوتا کے خوش کرنیکے واسطے اِس طریق کو نہایت عمدہ سمجھکر بجا لا رہا تھا - پھر وہ چودھوّیں[۱۴] جون سن اٹھارہ سو چھ[۱۸۰۶] کو خاص جگن ناتھ سے یوں لکھتے ہیں "کہ مَیں نے جگن ناتھ کو دیکھا کوئی کتاب تاریخ اس دارالغنا اور وادی موت کا ٹھیک ٹھیک بیان نہیں کر سکتی - البتہ اِس کے مشابہ **وادیٔ ہِنّم*** ہو تو ہو یا جیسا کہ **مُولک** Moloch کی مورت پر شہر کنعان میں اگلے وقتوں میں انسان کی قربانیاں چڑہائی جاتی تھیں - ویسا ہی اگر جگن ناتھ کی مورت کو اِس زمانہ کا مولک کہا جاوے تو کچھ بادِ عجب نہیں ہے - کیونکہ جگن ناتھ کے آگے اپنے تئیں بلی دان اور قربانی کرنے والے لوگ بھی نہ تو مُولک کی قربانیوں سے تعداد ہی میں کم ہیں اور نہ اِس بُرے طور پر جان کھونے ہی میں! جگن ناتھ کے ساتھ اُسکے بھائی اور بہن **بلرام** اور **سوبھدرا** کے نام سے دو اَور مورتیں بھی ہیں اور تینوں کی پوجا ہوتی ہے اور تقریبًا تینوں کی مانتا ایک ہی سی ہے - کیونکہ تینوں کے سنگھاسن بلندی میں قریبًا برابر ہیں - آج صبح کو میں مندر کے دیکھنے کو گیا ! نہایت وسیع اور عالیشان عمارت ہے ! اور فی الواقع لایق شان اور منزلت ایسے ہی ہولناک بادشاہ کے ہے اور جیسا کہ سب مندروں میں اُس مندر کے دیوتا کے حالات اور خیالات اور معتقدات کی مناسبت سے اُس شکل کی مورتیں وغیرہ بنا کر قائم کیجاتی ہیں ویسا ہی اس مندر میں وہ سب

* ملک شام میں بیت المقدس کے قریب ایک جگہ کا نام ہے جہاں ایّام سلف میں مولک نامی ایک بت استادہ تھا اور اُسپر اکثر لوگ اپنی اولاد کو قربانی کرتے تھے - م م Hinnom

برہمن اِن لغویتوں کو بالکل اپنے مُلک کے مذہب کے مطابق خیال کرتے ہیں۔

یہ کسبیاں برہمنوں اور ہندو فقیروں کے سوا کسی کے پاس نہیں جاتیں

میں کئی ایک خوبصورت کسبیوں کو جانتا پہچانتا ہوں جو باوجود اِس پیشہ کے نہایت محتاط ہیں یعنی ہر کسی کے پاس نہیں چلی جاتیں۔ چنانچہ اِن

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

مندر کی ملازم تھیں جو گورنمنٹ کے حکم سے موقوف کی گئیں اور مندر کی آمدنی خزانہ سرکار میں داخل ہوتی تھی اور اس کے وصُول کے لیئے ایک عہدہ دار مقرر تھا مگر کچھ زمانہ بعد پادریوں نے جو مندر کے چڑھاوے کی آمدنی کا لینا اپنی عیسائی سرکار کے لیئے حرام جانتے تھے۔ حکام سرکاری کے ساتھ جھگڑا کر کے خزانہ سرکار میں اسکا آنا موقوف کرادیا اور اس طرح یہہ آمدنی خالص حق پوجاریوں کا ہوگیا۔ س۔م۔ح

اس کتاب کے انگریزی مترجم مسٹر اِرونگ† براک صاحب نے اس موقع پر ڈاکٹر کلاڈی اُس‡ بُکانن صاحب کی کتاب یادداشت سے ایک حاشیہ لکھا ہے جس کو مناسبت مقام کے سبب سے ترجمہ کر کے اسجگہہ نقل کیا جاتا ہے **قولہ** ڈاکٹر کلاڈی اُس بُکانن صاحب (جنہوں نے سن اٹھارہ سو چھ (۱۸۰۶ء) میں مُلک اوڈیسہ کے دورہ کرنے کے موقع پر مندر جگن ناتھ کی نسبت اپنی کتاب یادداشت میں بعض حالات تحریر کیئے ہیں) یوں لکھتے ہیں کہ آج بتاریخ تیسویں مئی سن اٹھارہ سو چھ (۱۸۰۶ء) ہم بمقام **بھدرینک** مقیم ہیں اور اگرچہ جگن ناتھ اب بھی پچاس میل سے زیادہ فاصلہ پر ہم سے ہے۔ لیکن ہم کئی دن سے برابر انسانوں کی ہڈیاں شاہراہ پر پڑی ہوئی دیکھتے آتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب ہم جگن ناتھ کے قریب پہنچتے جاتے ہیں۔ اِس مقام پر قریب دو ہزار کے جاتری ہمکو آملے ہیں جو ہندوستان کے اضلاع شمالی کے مختلف مقامات سے آئے ہیں۔ چنانچہ بعض اُن میں سے یوں کہتے ہیں کہ ہمکو اپنا گھر چھوڑے دو مہینے ہوئے اور باوجودیکہ آجکل موسم سخت گرمی کا ہے اِسپر بھی یہہ لوگ صرف تنہا نہیں بلکہ مع عیال و اطفال آئے ہیں

‡ Dr. Claudius Buchanan

† Irving Brock

کیواسطے انتخاب کرتے ہیں جو بڑی دُھوم دھام سے مورت کے ساتھ
مندر کو جاتی اور تمام رات وہاں رہتی ہے اور یہہ برہمن اُسکو یہہ دم دیتے
ہیں کہ خود جگن ناتھ جی رات کو تیرے ساتھ آکر رہینگے اور تو دیوتا سے پوچھیو
کہ اگلی دفعہ سماں کیسا ہوگا اور آپ کی اس کرپا کے عوض کس قسم کی پوجا اور
چڑھاوا اور رتھ کی روانگی کا جلوس آپ کو پسند ہوگا اور رات کیوقت ایک
شہوت پرست برہمن ایک چھوٹی سی چور کھڑکی کی راہ سے مندر میں پہنچ جاتا
اور اُس بیچاری کنواری لڑکی سے جو اُسکو جگن ناتھ سمجھی ہوتی ہے ہمبستر
ہوتا ہے اور جس بات کی برہمنوں کو ضرورت ہو اُسکو یقین کرا جاتا ہے۔ اور
جب صبح کو ویسی ہی دھوم دھام سے اِس کو دوسرے مندروں میں
لیجاتے ہیں تو برہمن اُس سے کہتے ہیں کہ جو کچھ تمنے دیوتا کی زبان سے
سُنا ہے وہ علانیۃً لوگوں کو سُنادو۔

کسبیاں جگن ناتھ کی مورت کے سامنے ناچتی ہوئی بہت بیحیائی کی حرکتیں کرتی ہیں

اَب ہم ایک اَور بیوقوفی کا ذکر کرتے ہیں
یعنی جگن ناتھ کے رتھ کے سامنے بلکہ
خاص مندر میں بھی میلہ کے دنوں میں ناچ کیوقت کسبیاں اپنے بدن سے مختلف
اوضاع کے ساتھ نہایت بے شرمی اور بے حجابی کی حرکتیں کرتی ہیں * اور

* مصنف کی مُراد اس عبارت سے وہ بیہودہ ناچ معلوم ہوتا ہے جو ابتک بھی بنگالہ میں مُروّج
ہے اور نوجوان بنگالی اپنے عیش و عشرت کے بے تکلفانہ جلسوں میں رنڈیوں کو برہنگی مطلق
کی حالت میں نچا کر خوش ہوتے ہیں اور اس قسم کے ناچ کو اُنکی زبان میں کھیمٹا کا ناچ کہتے ہیں
بعض تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ سن اٹھارہ سو تین (سنہ ۱۸۰۳ء) میں جب وہ
صوبہ جہاں یہہ مندر ہے سرکار انگریزی کے ہاتھ آیا تو اُسوقت تین سو ناچنے والی عورتیں

جگن ناتھ کے رتھ کے نیچے کچل کر مرجانا بڑا مہا تم سمجھا جاتا ہے۔

یہہ رتھ جسکے ساتھ ایک قیامت کا شور و غوغا ہوتا ہے جب احتشام کے ساتھ چلتا ہے تو میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ یہہ لوگ ایسے نادان خوش عقیدہ ہیں کہ اپنے تئیں اُسکے پہیّوں کے نیچے ڈال دیتے ہیں جو انکو بالکل کچل دیتے ہیں اور دیکھنے والے اِس امر سے ذرا بھی تعجّب اور نفرت نہیں کرتے اور اُن کے خیال میں کوئی کرم (عمل) ایسا بہادرانہ اور اس سے زیادہ راحت بخش نہیں ہے۔ اور جان دینے والا یہہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جگن ناتھ جی اُسکو بجائے اپنے بچہ کے سمجھیں گے اور اگلے جنم میں بہت آرام اور عزّت اور عیش کی زندگانی بخشیں گے۔!!! برہمن لوگوں کو ان توہّمات اور اِن بہاری غلطیوں کے ارتکاب کی اُور بھی ترغیب دیتے رہتے ہیں جسکے وسیلہ سے اُنکو دولت اور بڑائی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ لوگوں کا اُنکی نسبت یہہ اعتقاد ہے کہ یہہ غیب کے بھیدوں سے واقف ہیں اور اس لئے اُنکی بہت تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور وہ پُن دان لیکر مالدار ہوجاتے ہیں۔

ایک کنواری لڑکی جگن ناتھ کی دولہن بنائی جاتی ہے

برہمنوں کا دغا اور فریب یہانتک ہے کہ تاوقتیکہ مینے قطعی دلیلوں سے بخوبی تحقیق نہ کرلیا مجھکو اِس بات پر یقین نہ آتا تھا کہ یہہ ایک خوبصورت لڑکی کو جگن ناتھ کی شادی

کہ اس کی گرمی صبح کو (اسی ۸۰) دوپہر کو (چالیس ۴۰) شام کو (ساٹھ ۶۰) اور آدھی رات کو (سو ۱۰۰) درجے ہوجاتی ہے۔ (ماخوذ از جام جم وانسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)

جنوں کی تصویروں کی طرح جو ہمارے ملک میں ہوتی ہیں دو سر میں یعنی آدھا جسم انسان کا ہے اور آدھا حیوان کا اور کسیکے نہایت مہیب بندر اور دیو وغیرہ کا سا ایک سر ہے - یہہ رتھ پندرہ[۱۵] سولہ[۱۶] پہیوں کا ہے اور پچاس[۵۰] ساٹھ[۶۰] آدمیوں کے زور سے چلتا ہے اور اسکے عین وسط میں جگن ناتھ کی مورت کو نہایت متکلف اور زرق برق پوشاک پہناکر رکھتے اور عظم و شان کے ساتھ ایک مندر سے دوسرے مندر کو لیجاتے ہیں -

مورت کے درشن کے وقت لوگ کثرت ازدحام سے کچل جاتے ہیں

پہلے روز جس وقت اس مورت کے درشن کرائے جاتے ہیں اسقدر ازدحام ہوتا ہے کہ بہت سے جاتری جو کالے کوسوں چلکر نہایت ضعف اور کمزوری کی حالت میں یہاں پہنچتے ہیں لوگوں کے دھکم دھکا سے کچل جاتے ہیں اور ان کے اِرد گرد کے لوگ یہہ تعریف و توصیف کرتے ہیں کہ بڑے ہی خوش نصیب تھے ! جو اتنی دُور سے ایسی متبرک جگہ آن کر مرے - !!!

جگن ناتھ کی تحقیقات

عیسوی میں بَرَوْنی نامے ایک سیاح نے اس مندر کا مقام دریافت کیا اور سن سترہ سو اٹھانوے (۱۷۹۸ء) میں ہوارلی مین نامے ایک دوسرے سیاح نے اس چشمہ کو معلوم کیا - اور اِن کے بعد سن اٹھارہ سو سولہ (۱۸۱۶ء) میں ایک اور سیاح نے جسکا نام بلزونی تھا اس مقام کو دیکھا وہ لکھتا ہے کہ یہہ چشمہ کھجوروں کے ایک خوشنما جنگل کے درمیان واقع ہے اور چونکہ اُسکے پاس تھرمامیٹر تھا اِسلئے اُسنے اِس پانی کی نسبت قیاساً یہہ لکھا ہے

(بُروْنی ب رُوْن ی) (ہوارنی مین - دَ وَارْن ی م ے نْ) (بلزونی بے ل زُ ون ی)

ایک میلہ ہوتا ہے جو آٹھ نوروز تک رہتا ہے اور اس موقع پر لوگوں کا بڑا بھاری مجمع ہوتا ہے۔ جیسا کہ آگلے زمانہ میں ہمّن* کے مندر پر ہوتا تھا یا ہمارے وقت میں مکہ میں ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ قریب دو لاکھ کے جاتری جمع ہو جاتے ہیں۔

جگن ناتھ کے رتھ اور مورت کا بیان۔

لکڑی کا ایک نہایت عجیب و غریب رتھ بنا ہوا ہے (جسکا نقشہ ہندوستان کے بعض مقامات میں مینے دیکھا بھی ہے) جسپر بیشمار مورتیں بنی ہوئی ہیں جنمیں سے کیسے تو اُن

* ہمّن جوپی ٹر کا ایک دوسرا نام ہے جو قدیم بت پرست یونانیوں اور رومیوں کا سب سے بڑا دیوتا تھا۔ یہہ مندر جسکا ذکر متن میں ہے لیبیا کے (افریقہ کا ایک قدیم نام ہے) اُس ضلع میں تھا جسکا ہمارے زمانہ میں شہر برقہ دارالحکومت ہے۔ جہاں یہہ مندر بنا ہوا تھا اُس سے کسی قدر فاصلہ پر اب سیوہ نام ایک گانوں آباد ہے جو برقہ اور قاہرہ کے ما بین قاہرہ سے مغرب کی طرف تخمیناً تین سو بئیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ رومیوں کی سلطنت کے زمانہ میں یہہ بیحد و شمار جواہرات اور سونے چاندی سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن اُنکی سلطنت کے زوال کے بعد اُن لوگوں نے جو وندل کے نام سے مشہور تھے اِسکو لوٹ کر برباد کر دیا۔ جس ضلع میں یہہ مندر بنا ہوا تھا اُسکے چاروں طرف کی زمین بالکل بیابان تھی جسمیں نہ گھاس تھا اور نہ پانی۔ مگر اس مندر کے آس پاس کی زمین نہایت سرسبز اور شاداب تھی۔ اور اُس بیابان میں صرف وہ ہی ایک قطع تھا جہاں اوس پڑتی تھی مشہور رومی مورخ ہیرودوٹس کہتا ہے کہ اِس مندر کے نزدیک ایک ایسا چشمہ تھا جسکا پانی صبح کو گرم اور دوپہر سے ذرا پہلے ٹھنڈا اور ٹھیک دوپہر کو نہایت سرد ہوتا تھا جسکی خنکی دن کے گھٹنے کے ساتھ گھٹتی جاتی تھی یہاں تک کہ شام ہونے تک گرم ہو کر رفتہ رفتہ آدھی رات کو کھولنے لگتا تھا سن سترہ سو بانوے (سنہ ۱۷۹۲)

Hummon

(جوپی ٹر - جُ وپ ی ٹَ ر) (لیبیا - لِ ی بِ ی آ) (بَرقہ - بَ رْ قَ ہ) (سیوہ - س ی وَ ہ)
(وندل - وَ ن دَ ل) (ہیرودوٹس - ہ ی رو ڈو ٹ س) Herodotus

ایک دیوتا ہے مگر چونکہ نہایت رحم دل اور نیک نہاد ہے اس شریر کالی بلا
کے پنجہ میں پھنسکر سخت تکلیف اور ایذا پاتا ہے پس ہر ایک شخص کو یہہ لازم
اور واجب ہے کہ سورج بھگوان کو اس حالت سے نجات اور رہائی
دینے میں کوشش کرے - اور اسکی صرف یہی سبیل ہے کہ اشنان اور
پوجا پاٹھ اور پُن دان کیا جائے - کیونکہ یہہ دھرم کرم گہن کی حالت میں
نہایت ہی مہاتم اور گُن رکھتے ہیں اور جو پُن دان اُس وقت کیا جائے
وہ بہ نسبت معمولی پُن دان کے سو گُنا پھلتا ہے - پس ہندو لوگ یہہ کہتے
ہیں کہ بھلا کون ایسا شخص ہوگا کہ جس کام میں سو گُنا فائدہ ہو اُسکو نکرے !
صاحب من - یہی وہ دونوں سورج گہن ہیں کہ جنکی نسبت مینے آپ سے
کہا ہے کہ اِنکو ہرگز نہ بھولوں گا -

جگن ناتھ کی رتھ جاترا کا بیان

سورج گہن کی رسموں وغیرہ کے ذکر سے مجھکو طبعاً اور خواہی نخواہی
یہہ تحریک ہوتی ہے کہ کچھ اَور حال بھی اِن لوگوں کی بعض وحشیانہ طور
کی رسموں کا آپ کو سناؤں جنکو سُنکر آپ کی رائے میں جیسا مناسب معلوم
ہو نتیجہ نکال لیں -

رتھ جاترا کے موقع پر جاتری نہایت کثرت سے جمع ہوتے ہیں

خلیج بنگالہ میں جگن ناتھ نامے ایک شہر ہے اور
وہاں ایک مشہور مندر ہے جسمیں جگن ناتھ کی
مورت نصب کی ہوئی ہے - اور اگر میری یاد میں غلطی نہو وہاں ہر سال

چند برہمن اپنی قوم (ہندوؤں) کیطرف سے بطور وکیل حاضر ہوکر ایک لاکھ روپیہ پیشکش کرکے پوجا وغیرہ کی اجازت حاصل کرتے ہیں اور اسکے عوض کچھ خلعت اور ایک کم قیمت ضعیف ہاتھی انکو عطا ہوتا ہے*

گہن کے موقع پر پوجا پاٹھ اور پُن دان کرنے کی وجہ۔

اَب میں اِس گہن کی پوجا کی وجہ اور منشا اور یہہ کہ یہہ رسمیں کیوں جاری ہیں بیان کرتا ہوں! ہندو کہتے ہیں کہ ہمارے چار وید یعنی (کتب آسمانی) جو خدا نے ہمکو برہما کی وساطت سے دیئے ہیں یہہ بتلاتے ہیں کہ ایک دیوتا جس نے راچھس کا اوتار لیا ہے اور جو نہایت مفسد اور شریر اور نہایت کالا کلوٹا اور از بس نجس اور میلا کچیلا ہے سورج کو پکڑ کر بشدت میلا اور کالا بنا دیتا ہے۔ سورج بھی اگرچہ

بدایونی کی ہے مگر ابو الفضل نے لکھا ہے کہ پُرنی اور کِرنی جو دو نوں سنیاسیوں ہی کے فرقے ہیں انمیں اہبات پر جھگڑا ہو گیا تھا کہ میلے میں تیرتھ کے کنارے پُنڈیوں کے بیٹھنے کی جو جگہہ تھی اور جہاں خوب چڑھاوا چڑھتا تھا وہ گریوں نے چھین لی تھی۔ س-م-ح

* ہندو راجہ اور بڑے بڑے امیر سورج گہن کے موقع پر اکثر ہاتھی کا دان ایک قسم کے برہمنوں کو جو معمولی برہمنوں سے ذات میں کم سمجھے جاتے ہیں اور جنکو ہمارے مُلک ایں روئے تلج میں ڈکوت یا مہابرہمن یا گجراتی یا اچاج کہتے ہیں دیا کرتے ہیں پس غالب ہے کہ بادشاہ کیطرف سے یہہ ہاتھی اور پوشاک برہمنوں کو بطور دان دیا جاتا ہوگا۔ اور یہہ بات کچھ تعجب کی نہیں ہے کیونکہ سلاطین مغلیہ نے ہندوؤں کی تالیف قلوب کے لیئے انکی بعض رسمیں اختیار کرلی تھیں جو اکبر کے عہد سے لیکر اس سلسلہ کے اختتام تک سب بادشاہ انکو بجا لاتے تھے مثلاً تُل دان یعنی سال شمسی اور قمری کے حساب سے جب بادشاہ کی عمر کا کوئی سال شروع ہوتا تو بادشاہ کو سونے اور چاندی کے ساتھ تولا جاتا تھا اور وہ سب سونا اور چاندی مستحقین کو بطور خیرات دیا جاتا تھا اور اس موقع پر ایک بڑا جشن کیا جاتا تھا۔ س-م-ح

مکان کی چھت پر سے دیکھا۔ اور جیسا کہ یہاں ہوا ویسا ہی دریائے سندھ اور گنگا اور ہندوستان کے اَور دریاؤں بلکہ عام تالابوں پر بھی ہوا۔! کہتے ہیں کہ تھانیسر* میں قریب ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کے ہندوستان کے ہر ایک حصّہ سے اشنان کے واسطے آنکر جمع ہوئے تھے۔ کیونکہ اُس ندّی کا پانی جو وہاں بہتی ہے گہن کے دن اَور دریاؤں اور ندّیوں کی نسبت زیادہ متبرّک اور پاک سمجھا جاتا ہے۔

سورج گہن کے اشنان وغیرہ رسوم کے باب میں ہندوؤں کے ساتھ سلاطین مغلیہ کا برتاؤ۔

سلاطین مغلیہ اگرچہ مسلمان ہیں لیکن ان پُرانی رسموں کے آزاد طور پر بجالانے کو یا تو اِس خیال سے منع نہیں کرتے کہ ہندوؤں کے مذہبی معاملات میں دست اندازی کرنا چاہتے ہی نہیں! یا دست اندازی کی جرأت نہیں رکھتے۔ مگر ہاں اتنی بات بیشک ہے کہ تھانیسر کے میلہ سے پہلی

---

* ہندوستان کی تاریخ میں یہہ واقعہ بھی قابل یاد رکھنے کے ہے کہ سن پندرہ سو سڑسٹھ (۱۵۶۷ء) عیسوی مطابق سن نوسو چوہتر (۹۷۴ھ) ہجری میں جو شہنشاہ اکبر لاہور سے دہلی کیطرف آتا ہوا تھانیسر میں ٹھہرا تو اتفاق سے وہاں سورج گہن کے نہان کا میلہ تھا۔ پس کسی بات پر تکرار ہو کر سنیاسیوں اور جوگیوں میں جھگڑا اُٹھا اور دونوں بادشاہ کے پاس فریادی آئے اور درخواست کی کہ ہمکو تلوار سے لڑکر آپس میں فیصلہ کرلینے کی اجازت ملے! بادشاہ نے اوّل تو بہت سمجھایا مگر جب اُنہوں نے نہ مانا تو یہہ عجیب فیصلہ کیا کہ لڑنے کی اجازت دیدی اور حکم دیا کہ سنیاسی جو جوگیوں سے تعداد میں کم یعنی قریب تین سو کے تھے اور جوگی پانسو تھے۔ ہمارے سپاہی اُن میں شامل ہو کر جوگیوں سے لڑیں! پس بادشاہی سپاہی بھی بھبوت مل کر سنیاسیوں کے ساتھ میدان میں آکودے اور بادشاہ کی آنکھوں کے سامنے خوب لڑائی ہوئی اور حضرت شہنشاہ بڑے لطف سے بیٹھے تماشا دیکھا کئے۔ آخر کار جوگیوں کا ناس کرکے سنیاسی غالب آئے اور اسکے بعد بادشاہ نے انتظام کر دیا کہ یہہ کچھہ اَور زیادہ فساد نکرنے پاویں! یہہ روایت

صرف ایک چادر یا ساڑھی اوڑھے ہوئے تھیں - ذی مقدور شخصوں
اور بڑے بڑے آدمیوں یعنی راجاؤں اور متموّل اور صاحبِ امتیاز
لوگوں نے جو دربارشاہی میں معزز ہیں - اور صرافوں - مہاجنوں جوہریوں
اور بیوپاریوں وغیرہ نے یہہ بندوبست کیا تھا کہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ
دریا کے اُس کنارے سے اِس کنارے آکر پانی میں ڈیرے اور
قناتیں کھڑی کرالیں اور اسطرح پر پردہ میں اشنان وغیرہ کیا - ہندوؤں
کے اس مجمع نے جونہیں گہن لگتے دیکھا ایک عجیب نعرہ مارا اور چند بار متواتر
غوطے لگائے - پھر پانی میں کھڑے ہوئے اور اپنے ہاتھ اور آنکھیں
سورج کی طرف اُٹھائے ہوئے بڑے حضورِ قلب سے عبادت اور پوجا
کرتے ہوئے معلوم ہوئے - اور چند بار دونوں ہاتھوں میں پانی لیکر سورج کو
چڑھایا اور بہت ادب سے سر جھکا جھکا کر کبھی دائیں کبھی بائیں پانی دیتے
تھے - اور گہن کے ختم ہونے تک یہہ بیچارے غلطی میں پڑے ہوئے لوگ
ایسی ہی حرکتیں کرتے رہے اور جب جانے لگے تو جمنا میں دُور سے
روپئے اور دوانیاں چوانیاں وغیرہ پھینکیں اور برہمنوں کو جو بھلا ایسی
تقریب پر وہاں آنے سے کیوں چوکنے لگے تھے بہت کچھ پُن دان دیا -
مینے دیکھا کہ ہر ایک شخص نے جب پانی سے نکلا نئی پوشاک جو دریا کے
کنارے ریت پر پہلے کو رکھی ہوئی تھی پہنی - بلکہ بہت سے لوگوں نے جو
زیادہ دہرم آتما تھے اپنی پرانی پوشاکیں برہمنوں کو پُن کردیں -
اِس طرح سے مینے اس عظیم الشان سورج گہن کی پوجا کا تماشا اپنے

اور جس طرح پر ہمیشہ ہوتے رہے ہیں یہہ بھی بالکل بخطر ہے نجومیوں اور رمّالوں کے سے بیہودہ توہّمات نکرنے چاہئیں مگر اسپر بھی ہمارے ہموطنوں کو ایسے ایسے وسواس اور توہّمات تھے۔

دہلی میں ایک سورج گہن کے دیکھنے کا ذکر

جو گہن بمقام دہلی سن سولہ سو چھیاسٹھ (۱۶۶۶ء) عیسوی میں ہوا وہ ہندوؤں کے توہّمات اور عجیب غریب حرکات کی وجہ سے مجھے یاد رہیگا۔ جب گہن کا وقت آیا تو میں اپنی حویلی کی چھت پر جو جمنا کے کنارے تھی اور جہاں سے دریا کے دونوں کنارے نظر آتے تھے جن میں تخمیناً ایک "لیگ" یعنی تین میل کا فاصلہ ہے جا کھڑا ہوا ہزاروں لاکھوں ہندو کمر کمر پانی میں سورج کی طرف ٹکٹکی باندھے کھڑے دیکھ رہے تھے تا کہ گہن کے شروع ہوتے ہی غوطہ لگائیں۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اور لڑکے بالکل ننگے تھے۔ مرد صرف دھوتیاں باندھے ہوئے تھے۔ بیاہی ہوئی عورتیں اور چھ چھ سات سات برس کی لڑکیاں

چنانچہ سولہ[۱۶] برس کے سن میں تحصیل علم سے فارغ ہوا اور اٹھارہ برس کی عمر میں بمقام آئی علم الادیان اور فلسفہ کا پروفیسر مقرر ہوا۔ اسی زمانہ میں اس نے ارسطو کی تردید میں ایک کتاب لکھکر چھپوائی جسکے باعث یہہ تمام فرنگستان میں مشہور ہو گیا سن سولہ سو اٹھائیس عیسوی میں یہہ جب ملک ہالینڈ سے اپنے ملک میں واپس آیا تو علم ہیئت کیطرف زیادہ متوجہ ہوا اور سولہ سو اکتیس میں عطارد کے آفتاب کے سامنے سے گزرنے کی خبر دی جسکو انگریزی میں ٹرینزٹ اور عرب ہیئت داں لوگوں کی اصطلاح میں قِران یا مُرور کہتے ہیں۔
(ماخوذ از کتاب روضۃ الحکما) س-م-ح (ٹ رِ ے ن زِ ٹ Transit

اپنے زور طبیعت سے نکالے تھے اور لوگوں کو کم بتاتا تھا۔ (ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)
(س-م-ح)

رَابَ رْوَلْ Roberval

اپنے ہی ملک میں سن سولہ سو چوّن (سنہ ۱۶۵۴ء) عیسوی میں دیکھا تھا اور دوسرا سن سولہ سو چھیاسٹھ (سنہ ۱۶۶۶ء) عیسوی میں بمقام دہلی! پہلا گہن مجھے اِس سبب سے یاد ہے کہ اُس سے اہل فرانس کی طفلانہ زود اعتقادی اور اُن کے بے بنیاد خوف و ہراس کے عجیب عجیب تماشے دیکھنے میں آئے تھے۔ چنانچہ اُن کے یہہ بے وقوفانہ وسواس اِس حد کو پہنچ گئے تھے کہ بعض لوگوں نے تو ٹونے ٹوٹکے کرکے بچ جانے کے لئے قسم قسم کی جڑی بوٹی اور دوائیں مول لیں اور بعض نے محفوظ مکانوں اور تہ خانوں میں نہایت احتیاط سے اپنے تئیں بند کرلیا تاکہ اُس منحوس کے وقت آفتاب کی شعاع اُن تک نہ پہنچے اور ہزاروں آدمی گرجاؤں میں دُعا مانگنے گئے! بعض یہہ سمجھتے تھے کہ اَب کوئی ناگہانی آفت آنے والی ہے! اور بعض کی یہہ رائے تھی کہ قیامت کا دن یہی ہے اور یہہ جہان آج ہی ملیامیٹ ہوجائے گا اور اگرچہ گےسینڈی[1] اور رابرول[2] وغیرہ اہل ہیئت اور حکمار فرنگستان نے پہلے ہی خوب تکرار سے لکھدیا تھا کہ اس گہن میں اگرچہ دُھوپ بالکل نہ رہیگی مگر یہہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے

نوٹ مترجم: بااندیشۂ فوت مطلب جس جگہہ ترجمہ میں کوئی ملائم لفظ اختیار کیا جاسکتا تھا۔ بپاس خاطر اپنے ہموطنوں کے وہاں ایسا کیا گیا ہے بلکہ بعض لفظ چھوڑ بھی دیئے گئے ہیں امید کہ ناظرین دقت پسند ہماری اس فروگزاشت کو معاف فرمائیں گے۔ السید محمد حسین

[1] گےسینڈی نامک فرانس کے نامی حکما میں گنا جاتا ہے۔ یہہ سن پندرہ سو بانوے (سنہ ۱۵۹۲ء) عیسوی میں پیدا ہوا تھا اور سن سولہ سو پچپن (سنہ ۱۶۵۵ء) میں مرا۔ یہہ ابتدار عمر ہی سے علوم ریاضی کیطرف مائل تھا

[2] رابرول ایک فرانسیس عالم تھا اور ریاضیات اور خصوص ہندسہ میں بہت بڑی دستگاہ رکھتا تھا مگر علما اور حکما کے طریق کے برخلاف بخل اور خود غرضی سے اُن مسائل کو جو اُس نے

جو مکّہ سے آدھے دن کے راستہ پر پاک مانا ہوا ایک مقام ہے اور جزیرہ
کامیرن[1] اور لوہیا[2] میں ہوئے ہیں اُن کا مفصّل حال آپ کے پاس لکھ بھیجوں
اس لیے میرا ارادہ ہے کہ جب مجھے اپنی قلمی یادداشتوں کے کھولنے کی
فرصت ملے اُنکی تمنّا کو پورا کروں اور میں امید کرتا ہوں کہ جو واقفیّت مجھکو
بمقام مُخا ملک اتھیوپیا اور وہاں جانیکے لیئے عمدہ راستہ کی نسبت حاصل
ہوئی ہے اُسکو بھی لکھوں۔

مصنّف کا خط بنام مسٹر چیپلین† مورّخہ دسوین
جُون سن سولہ سو اڑسٹھ ۱۶۶۸ عیسوی بمقام شیراز واقع ایران
ہندوؤں کے عقائد اور توہّمات‡ اور بعض انوکھی رسموں اور مذہب وغیرہ کے بیان میں

سورج گہن

سورج گہن کے ایک موقع پر فرانس میں لوگوں کے توہّمات کا بیان۔

صاحب من! سورج گہن کے دو واقعے
مینے ایسے دیکھے ہیں کہ جنکو میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ پہلا واقعہ تو مینے

‡ کسی مصنف کی کوئی ایسی راے جو کسی قوم یا فرقہ کے مذہبی خیالات کے مخالف ہو اُس قوم یا فرقہ کے لوگوں کو اکثر ناگوار ہوا کرتی ہے۔ خصوصاً جبکہ الفاظ بھی کسیقدر سخت ہوں۔ پس اس کتاب کی اس فصل کے ترجمہ کرنے میں اگرچہ مورّخ کی راے پر تو ہمارا اختیار نہ تھا کہ اُسکو بدل دیا جاتا مگر اں

† Mr. Chapelan — چ ے پ ل ے ن
(2) Loheia — ل و ہ ی ا
(1) Camaran — ک ا م ے ر ن

کے جزیرے درختوں سے خالی ہیں بخلاف گنگا کے جزیروں کے جو بسبب
اُن چار مہینوں کی متواتر اور کثیر بارشوں کے جو گرمی کے موسم میں ہوتی
ہیں درختوں سے لدے ہوئے ہیں۔

مصر میں جو نہریں آبپاشی کی خاطر نیل سے کاٹی جاتی ہیں بنگالے
میں موسمی بارشوں کی بدولت اُن کی حاجت نہیں ہے اگرچہ وہ بھی آسانی
تیار ہو سکتی ہیں کیونکہ دریائے گنگا اور اَور دریا گرمی کے موسم میں اُن بارشوں
کے سبب سے جو اِس موسم میں ہمیشہ ہوتی ہیں اُسی طرح چڑھتے ہیں جس طرح نیل
چڑھتا ہے! دونوں ملکوں میں یہہ تفاوت ہے کہ مصر میں سمندر کے کنارے
کے سوا جہاں کبھی کبھی خفیف سی بارش ہو جاتی ہے خواہ کوئی موسم ہو بارش کو
کوئی جانتا بھی نہیں اور صرف اتھیوپیا میں دریائے نیل کے منبع کے قریب
بارش ہوتی ہے بخلاف ہندوستان کے جہاں بارش اُن ملکوں میں ہمیشہ
مقررہ موسم میں ہوتی ہے جنمیں دریا بہتے ہیں۔

ملک سندھ اور مصر کی مشابہت کا ذکر۔

مگر معلوم رہے کہ یہہ حالت عموماً نہیں ہے چنانچہ
دریائے سندھ کے دہانے پر ملک سندھ میں جو خلیج
فارس کی طرف واقع ہے برسوں ایک بوند بھی نہیں پڑتی خواہ اس دریا میں
کیسی ہی طغیانی کیوں نہ ہو اور یہہ ملک اُسوقت مصر کی طرح صرف نہروں
سے سیراب کیا جاتا ہے۔

تھیونٹ صاحب نے جو یہہ خواہش ظاہر کی تھی کہ جو جو تجربے
اور مشاہدے مجھکو بحر قلزم اور سوئز اور طور اور کوہ سینا اور جدہ میں

ہیں بلکہ ہمارے ملک سے اوپر کی طرف اتھیوپیا میں بھی ہوتی ہیں۔

ہندوستان کے دریا گنگا وغیرہ بھی بارش ہی سے طغیانی پر آتے ہیں۔

ہندوستان کی موسمی بارشوں اور دریائے نیل کے مصر میں ایک ہی وقت میں طغیانی پر آنے سے جو جو خیالات میرے دل میں گزرے اُن سے یہہ مضمون بہت صاف ہو جاتا ہے۔ اور آپ خیال کر سکتے ہیں کہ دریاے سندھ اور گنگا اور اس ملک کے اور دریا گویا دریائے نیل اور ان کے آس پاس کی زمینیں گویا مصر کی زمینیں ہیں۔

دریائے نیل اور گنگا اور مصر اور بنگالہ میں جو مشابہت ہے اُس کا ذکر۔

یہہ خیالات میرے دل میں اُسوقت گزرے تھے جبکہ میں بنگالے میں تھا اور مندرجہ ذیل عبارت وہ عبارت ہے جو میںنے اُسوقت اِس بحث کے متعلق لکھی تھی "خلیج بنگالہ میں دریائے گنگا کے دہانے پر وہ متعدد جزیرے جو زمانہ پاکر آپس میں مل گئے۔ اور آخرکار برِّ اعظم سے شامل ہو گئے ہیں مجھکو دریاے نیل کے دہانوں کی یاد دلاتے ہیں۔ جب میں مصر میں تھا تو صنایع قدرت کو دیکھکر مجھے خیال آتا تھا کہ ارسطو کا یہہ قول "کہ ملک مصر دریاے نیل کی صنعت ہے" بنگالے پر بھی صادق آتا ہے جو دریائے گنگا کا بنایا ہوا ہے! اِن دونوں دریاؤں میں صرف اتنا فرق ہے کہ دریائے گنگا نیل کی نسبت بہت بڑا ہے اور اِسی وجہ سے نیل سے زیادہ مٹّی اپنے ساتھ سمندر میں بہا لیجاتا ہے جسکے سبب سے اُسکے جزیرے نیل کے جزیروں کی نسبت بڑے ہیں۔ اور یہہ فرق بھی ہے کہ دریاے نیل

چاہیئے کیونکہ میری راے میں بیماری کے کم ہوجانے کا سبب گرمی کی وہ شدّت
ہے جو اُن دنوں میں بہ نسبت پہلے کے زیادہ ہوجاتی ہے جس سے مسامات
کُھل کر وہ سب مضر اور وبائی رطوبتیں جو جسم میں بند تھیں خارج ہوجاتی ہیں۔

ملاحوں معروف رہنے کے قول کے موافق بھی بارش ہی نیل کی طغیانی کا سبب ہے

علاوہ بریں مینے بہت احتیاط سے اکثر ملاحوں سے
بھی جنکو "ریز" کہتے ہیں اور جو دریاے نیل پر
مصر کے میدانوں کی حد اخیر یعنی چٹانوں اور آبشاروں
تک سفر کرتے تھے دریافت کیا تو اُنہوں نے بھی مجھے یہی بتایا کہ جب یہہ دریا
مصر کے میدانوں اور اُس زمین میں جو شور اور پرجوش بیان کی جاتی ہے
طغیانی پر آتا ہے تو آبشاروں اور پہاڑوں میں بھی بہت چڑھتا ہے اور ان
آبشاروں کو عجیب طور سے طغیانی پر لاتا ہے حالانکہ اُن پہاڑوں کی زمین
نہ مر شور نہیں ہے۔

سیتار کے بیٹرس کے بیان سے بھی [illegible] تائید ہوتی ہے

میں نے ہوشیاری کے ساتھ سیتار(۲) کے جنبیوں
سے بھی جو نوکری کے واسطے قاہرہ کو جاتے
[illegible] نیل کے کنارے پر اُن کوہستانی قطعات میں
[illegible] حبش کی سرحد میں اور شاہ ابیسینیا کا خراج گزار ہے
[illegible] سب نے بھی متفق اللفظ یہی بیان کیا کہ حقیقت میں [illegible] نیل مصر
کے [illegible] بھی چڑھتا اور زور پر آتا
ہے [illegible] پہاڑوں میں بٹتی

(Rays) [illegible]

نائب وکیل) مانشیور ڈی برمن صاحب کے ساتھ شب کو کھانا کھانے کا اتفاق ہوا تھا اور جماعت حاضرین طعام میں سے تین شخص اُسی رات کو طاعون کے مرض میں مبتلا ہوئے تھے۔ جن میں سے دو تو آٹھویں دن مر گئے اور تیسرا مریض بھی جو اتفاق سے خود ڈی برمن(۱) صاحب ہی تھے شاید اس بیماری سے جاں بر نہ ہوتا اگر میں جرأت کر کے یعنی اُس شبنم کی متخیلہ تاثیر کے بھروسہ پر نہ رہکر اُن کا پھوڑا نہ چیر ڈالتا اور دوا تجویز نہ کرتا۔

خود مصنف کے مرض طاعون میں مبتلا ہونے کا ذکر۔

اِس موقع پر خود مجھکو بھی یہہ متعدی بیماری لگ گئی تھی اور اگر میں فوراً بٹر آف اینٹی منی(۲) یعنی سرمہ کا جوہر استعمال نہ کرتا تو میں بھی مر جاتا۔ اور یہہ بات ثابت ہو جاتی کہ گوٹ کے گر جانیکے بعد بھی آدمی وبا سے مر جاتے ہیں! اِس قے لانے کی دوا نے جو میں نے بیماری کے آغاز ہی میں پی لی تھی عجیب اثر کیا اور میں تین چار دن سے زیادہ بیمار نہ رہا۔ ایک میرا بدوی(۳) نوکر جو اس بیماری میں میری خدمت کرتا تھا میری ڈھارس بندھانے کی خاطر وہ یخنی جو میرے پینے سے بچ جاتی تھی بے تامل پی جاتا تھا۔ اور چونکہ وہ ایک متوکل شخص تھا طاعون سے ڈرنے والوں کے خیال پر ہنستا تھا۔

شبنم کے شروع ہونیکے بعد طاعون میں کمی ہونے کا طبی سبب۔

میں اِس بات سے اِنکار نہیں کرتا کہ گوٹ کے گرنے کے بعد اِس بیماری میں عموماً ہلاکت کا کم خوف ہوتا ہے، لیکن میری غرض یہہ ہے کہ اِس خوف کے کم ہونے کو گوٹ سے منسوب کرنا

---

(۱) ڈِی بَرْمَنْ Monsieur de Bermon (۳) بَدْوِی

(۲) بٹر آف اَنْ ٹی مَنْ ی Butter of antimony

ہے کہ مصر کی زمین اپنی شوریت کی وجہ سے جوش کھاکر اسکی طغیانی کا باعث ہوجاتی ہے چنانچہ ایک مرتبہ مینے دیکھا کہ طغیانی کے اُس متخیلہ دن سے قریب ایک مہینا پہلے ہی یہہ دریا ایک فرانسیسی فٹ سے زیادہ چڑھا ہوا اور نہایت گدلے پن کی حالت میں بہ رہا تھا - اور مینے یہہ بھی دیکھا ہے کہ جب یہہ دریا طغیانی پر آتا ہے تو قبل اسکے کہ اسکی نہروں کے دہانے کھولے جائیں یہہ پہلے تو چند روز تک ایک یا دو فٹ چڑھتا ہے اور بعدازاں بتدریج اُترنا شروع ہوتا ہے اور پھر چڑھنے لگتا ہے اور ٹھیک اُسی اندازہ سے چڑہتا یا اُترتا ہے جسقدر کہ اُسکے منبع کے قریب بارش کی قلت یا کثرت ہوتی ہے اور اسکی یہہ حالت بعینہ ہمارے دریائے لوآئر کی سی ہے جسکا چڑھاؤ اور اُتار اُسی نسبت سے ہوتا ہے جسقدر کہ بارشیں اُن پہاڑوں پر ہوتی ہیں جہاں سے یہہ نکلتا ہے -

طغیانی کے متخیلہ دن اور شبنم کے پڑنے میں کچھہ تعلق نہیں

اُس دن سے قریب ایک مہینا پہلے جبکہ گوٹ کا گرنا بیان کیا جاتا ہے ایک مرتبہ بیت المقدس سے واپس آتے ہوئے میں ڈمیٹا (یعنی دمیاط) سے شہر قاہرہ تک اِس دریا کی بالائی جانب کو آیا تھا اور صبح کو ہمارے کپڑے شبنم کی وجہ سے جورات بھر پڑی تھی تر ہو گئے تھے -

شبنم کے گرنے اور وبائے طاعون میں جو تعلق خیال کیا جاتا ہے اسکا ابطال

گوٹ گرنے کے آٹھ دس روز بعد بمقام روسیٹا (یعنی رشید) مجھے اپنے وائس کانسل (یعنی

ملہ زد میں نے ٹ ا Rosetta | Vice Consul

ذاتی مشاہدوں کو جو اِس دریا کی طغیانی کے وقت مجکو دو مختلف اوقات میں ہوئے مجھے زیادہ معتبر سمجھتا ہوں اور اُن سے آپکو ظاہر ہوجائیگا کہ مصر کے عوام الناس کی جو رائیں اس بارہ میں ہیں وہ غلط ہیں بلکہ ثابت ہوجائیگا کہ وہ محض بے معنی قصّے کہانیاں اور ایسے لوگوں کی گھڑتیں ہیں جو توہمات میں اسوجہ سے پھنسے ہوئے ہیں کہ ایسے موسم میں یعنی جب گرمی شدت سے ہوتی ہے ایسے مُلک میں کہ جہاں بارش کو کوئی جانتا بھی نہیں دریا کی طغیانی کو دیکھکر سخت متحیّر ہوجاتے ہیں۔

نیل کی طغیانی کے متعلق عوام مصر کے بعض تخیلات اور اوہام کا ذکر اور اُن کا ابطال

چنانچہ منجملہ اُن توہّمات اور تخیلات کے میری مُراد اِس جگہہ بہ تخصیص اُن کے مفصلہ ذیل غلط خیالات سے ہے یعنی ایک تو وہاں کے لوگوں کا یہہ اعتقاد ہے کہ دریائے نیل کی طغیانی شروع ہونیکا ایک خاص دن مقرر ہے! دوسرا[۲] یہہ کہ ایک خاص قسم کی شبنم جسکو گوٹ[(۱)] کہتے ہیں۔ طغیانی کے اوّل ہی دن پڑنی شروع ہوتی ہے اور اسکے شروع ہوتے ہی وبا، طاعون فوراً جاتی رہتی ہے۔ تیسرے[۳] یہہ کہ جب گوٹ گرنے لگ جاتی ہے تو پھر اِس مرض میں اگر کوئی شخص مبتلا بھی ہو تو ہلاک نہیں ہوتا۔ ! چوتھے یہہ کہ اِس دریا کی طغیانی کے اسباب ایسے مخفی اور خاص طور کے ہیں کہ جو کسی کو معلوم نہیں ہیں ! مگر میرے مشاہدات کا خلاصہ یہہ ہے کہ مجھے بخوبی منکشف ہوگیا کہ یہہ مشہور دریا بھی مثل اَور دریاؤں کے صرف بارشوں کی کثرت سے طغیانی پر آتا ہے نہ یہہ کہ اِسکی طغیانی اِس سبب سے وقوع میں آتی

(۱) گوٹ Gout

طرف مملکت ڈیمبیا کے صوبہ اگوس ہیں اور آس پاس کے صوبوں میں گرمی کے
اُن دو مہینوں میں بہت بارش ہوتی ہے جنمیں کہ ہندوستان میں بھی ہوتی
ہے اور میرے قیاس کے بموجب یہہ ٹھیک وہ وقت ہے جبکہ مصر میں
دریائے نیل طغیانی پر آتا ہے - اُن سفیروں نے کہا کہ ہمکو خوب معلوم ہے
کہ دریائے نیل کی طغیانی اور اُس سے ملک مصر کی سیرابی کا باعث اتھیوپیا
کی بارشیں ہیں - اور ملک مصر کی زرخیزی کا باعث وہ چکنی مٹی ہے جس کو
دریائے نیل بہا کر یہاں لاڈالتا ہے - اُنہوں نے کہا کہ انہیں حالات کی
وجہ سے شاہان اتھیوپیا کو ملک مصر سے خراج لینے کا استحقاق حاصل تھا اور
جب اُس ملک پر مسلمان مسلط ہوگئے اور وہاں کی عیسائی رعایا ظلم رسیدہ اور ذلیل
ہوگئی تو شاہ اتھیوپیا نے چاہا تھا کہ اس دریا کا رُخ بحر احمر کی طرف پھیر دیا جاے
اور یہہ ایسی تدبیر تھی کہ مصر کی زرخیزی بالکل مفقود ہوکر یہہ ملک برباد ہوجاتا -
لیکن یہہ منصوبہ اگرچہ غیر ممکن نہ تھا مگر ایسا عظیم الشان تھا کہ مُطلق عمل میں نہ آیا !
ان تمام باتوں سے میں بمقام مخا پہلے ہی واقف ہوچکا تھا - کیونکہ گونڈار+ کے
رہنے والے دس بارہ سوداگروں سے (جو بادشاہ اتھیوپیا کیطرف سے ہر سال
اس شہر میں اس غرض سے آتے تھے کہ ہندوستان کے آئے ہوئے جہازوں
کے ساتھ لین دین کریں) مجھکو طرح طرح کی گفتگوؤں کا موقع ملا تھا - اور جو معلومات
مجھکو اُن سے حاصل ہوئے تھے اگرچہ وہ بہت مفید ہیں - کیونکہ اُن سے بھی
دریائے نیل کی طغیانی کا باعث صرف وہ بارشیں ہی ثابت ہوتی ہیں جو قریب
اُسکے منبع کے اور ملک مصر سے کچھ فاصلہ پر پڑتی ہیں - لیکن تاہم میں اپنے

+ Gondar

> اتھیوپیا کی بارش کی نسبت اُن سفیروں کے جواب اور نیل کی طغیانی سے اُسکی تعلق کا ذکر

ہمنے اِن صاحبوں سے یہہ بھی دریافت کیا کہ اتھیوپیا میں بارش کب ہوتی ہے اور یہہ ہندوستان کی طرح مقررہ موسم میں ہوتی ہے یا اَور طرح اُنہوں نے جواب دیا کہ بحرِ احمر کے ساحل پر سواکن اور آرکیکو[1] اور جزیرہ مُصَوّع سے لیکر باب المندب تک اُس سے زیادہ بارش نہیں ہوتی جیسی کہ مُخا میں ہوتی ہے جو اِس سمندر کے دوسرے کنارے پر ملک یمن میں ہے مگر اِس ملک کے اندر کی

۸۲۷ء عیسوی سے سن ایک سو ستاسی ۱۸۷ھ ہجری مطابق سن آٹھ سو دو عیسوی تک وزیر رہا تھا یونانی سے عربی زبان میں کیا تھا لیکن وہ اسکو پسند نہ آیا اور اُسنے ابو حیّان[2] اور ایک اَور عالم کو اسکے دوبارہ ترجمہ کرنے کا حکم دیا جنھوں نے نہایت عمدگی سے اس کام کو انجام دیا اور حجاج بن مطر ثابت بن قرّہ اور اسحاق نے اُسکے الفاظ کی اصلاح کی اور قریب سنہ ۱۲۳۰ء (بارہ سو تیس) کے اسی عربی ترجمہ سے یہہ کتاب زبان لیٹن میں ترجمہ ہوئی - بطلیموس نے اس فن میں ایک اَور رسالہ بھی اپنے شاگرد سوری کے واسطے لکھا تھا جسکا ترجمہ ابراہیم بن صلت نے عربی میں کیا اور حُنین[3] بن اسحاق نے اُسکی اصلاح کی - غرض بطلیموس متقدمین ہیئت والوں کا بادشاہ خیال کیا جاتا ہے جو اس علم کو مکمل کر کے ہمارے لیئے چھوڑ گیا - اسکے نظام مقررہ کو نظام بطلیموسی کہتے ہیں جسکا بڑا اصول یہہ ہے کہ زمین مرکز عالم ہے اور تمام ستارے اور افلاک اُسکے گرد حرکت کرتے ہیں بخلاف نظام مسلمہ حال کے جو نظام فیثاغورسی کہلاتا ہے جسمیں آفتاب کو مرکز عالم قرار دیا گیا ہے اور بطلیموس نے مارینس[4] باشندہ شہر ٹائر[5] کے اصولوں کی بُنیاد پر فن جغرافیہ میں بھی ایک کتاب لکھی تھی جسکا کندی[6] نے عربی میں ترجمہ کیا اور لیٹن میں بھی اسکا ترجمہ ہوا - جواب موجود ہے طول شرقی اور خط شمالی اِسی نے قائم کیئے اگرچہ اِسکا یہہ کام مکمل نہیں سمجھا جاتا مگر تاہم نئے جغرافیہ بنانے والوں کے لیئے بڑا مفید ہے اور متن میں بطلیموس کی اِسی کتاب کی طرف اشارہ ہے - یہہ علم موسیقی کا بھی بڑا ماہر تھا اور اُسکی ایک نہایت عمدہ کتاب تین جلدوں میں اس فن میں بھی موجود ہے - اسکی وفات اٹھتر ۷۸ برس کی عمر میں سنہ ۲۰۹ء دو سو نو عیسوی میں واقع ہوئی - [ماخوذ از ناسخ التواریخ و انسائیکلوپیڈیا برطانیکا] س م ح

---

(۱) آرکِیکُو Arkeeko (۲) اَبُو حَیّان (۳) حُنَین (۴) مَارِینَس Marinus (۵) ٹائِر Tyre (۶) کِنْدِی

بیان کیا کہ ڈیمبیا باب المندب کے مغرب میں ہے۔ پس ان سفیروں کے قول کے بموجب دریاے نیل کا منبع خط استوا کے شمال میں ہے نہ کہ جنوب میں جہاں بطلیموس* نے قرار دیا ہے۔ اور ہمارے نقشوں میں بھی جنوب ہی میں درج ہے۔

* بطلیموس۔ اِس شخص کا نام انگریزی مورخ کلاڈیس ٹولیمی اور مسلمان مصنف بطلیموس ابن قلوذیس لکھتے ہیں یہہ اصل میں یونانی تھا اور اسکندریہ میں آرہا تھا۔ لکھا ہے کہ جب اسنے ذرا ہوش سنبھالا تو مشہور حکیم جالینوس کی شاگردی اختیار کی اور جب علوم حکمیہ میں اچھی دستگاہ ہوگئی تو ریاضیات کی طرف اسکو زیادہ توجہ ہوئی چنانچہ جب یہہ اذریانوش کے عہد میں جو اذریاں قیصر روم کی طرف سے ملک مصر کا حاکم تھا اور جو اسکو بہت عزیز رکھتا تھا اپنے وطن سے اسکندریہ میں آیا تو رات دن ریاضیات ہی کا اسکو شغل تھا۔ یہاں اسنے ستاروں اور افلاک کی گردش وغیرہ دریافت کرنے کے لئے رصد خانہ بنایا۔ اور متقدمین علمائے اہل ہیئت خصوصاً ہپارکس (ابرخس) کے سیاروں اور ثوابت کی فہرستوں کی تصحیح کی اور ایسی جدولیں بنائیں جنسے سورج چاند وغیرہ کی گردش کا حساب لگ سکتا ہے اور یہہ پہلا شخص ہے جسنے اصطرلاب وغیرہ آلات رصدی ایجاد کئے اور اگرچہ بعض مورخوں کی یہہ راے ہے کہ ہپارکس انکا موجد ہے لیکن اعمال ریاضی اور آلات رصد جو بالفعل معمول بہا ہیں اُن کی تصحیح اور توضیح توفی الواقع اِسی نے کی تھی۔ چنانچہ اسنے اپنی مشہور کتاب مجسطی کے تیرے مقالہ کی آٹھویں نوع میں خود لکھا ہے ! اس کتاب کی برابر اس فن میں آجتک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ چنانچہ نامور مسلمان علمائے ہیئت فضل بن یحییٰ تبریزی و محمد بن جابر و ابوریحان خوارزمی جنہوں نے اِس کتاب پر حاشئے اور شرحیں لکھی ہیں جسقدر انہوں نے اِس کتاب کے مسائل کی تحقیق و تدقیق کی اُسیقدر بطلیموس کی فضیلت کا اعتراف کیا۔ اِس کتاب کے تیرہ[13] مقالوں کا ترجمہ اوّل چند یونانی علمانے خلیفہ ہارون رشید عباسی کے وزیر یحییٰ ابن خالد برمکی کے حکم سے جو سن ایک سو ستر ۱۷۰ھ ہجری مطابق سن سات سو چیاسی

بَ طْلِ مِی مُ وْس Ptolemy کَ لَا ڈِیْ اَس ٹ وْ لِ مِی Clauditus
(اذری ان دس) Adrianus (ہِ پ ار کَ س) Hipparchus (مِ جِ س ٹِ ی)

ہے کہ جس سے زمین کا ایک وسیع حصّہ جزیرہ نما کی صورت بن گیا ہے۔ اور پھر بہت اونچی اونچی چٹانوں پر سے اُتر کر ایک بڑی جھیل میں جو مملکت ڈیمبیا میں اِسکے منبع سے صرف چار پانچ منزل اور گونڈار دار الحکومت اتھیوپیا سے تین ہلکی منزلوں کے فاصلہ پر ہے جا گرتا ہے - اور اِس جھیل کو طے کر کے مع اُن تمام پانیوں کے جو اِس جھیل میں گرتے ہیں آگے کو بڑھتا ہے اور ممالک فنجی یعنی بربرستان جو شاہ اتھیوپیا کے باج گزار ہیں اُن کے خاص شہر سینار میں سے گزرتا ہوا آبشاروں کی صورت میں ہو کر مُلک مصر کے میدانوں میں آنکلتا ہے -

اتھیوپیا کے سفیروں کے قول کے موافق نیل کا منبع خط استوا کے شمال میں ہونا چاہیئے۔

جب یہہ سفیر دریاے نیل کا منبع اور اُسکی کیفیت بیان کر چکے تو مینے اُس مُلک کا موقع دریافت کرنا چاہا جہاں اِس دریا کا یہہ منبع ہے پس مینے پوچھا کہ ڈیمبیا باب المندب سے کس طرف کو اور افریقہ کے کونسے حصّہ میں واقع ہے - لیکن اُنہوں نے بجز اسکے اَور کچھ جواب نہ دیا کہ وہ مغرب کی طرف ہے - مجھکو یہہ تقریر سُنکر حیرت ہوئی خصوصاً ایک مسلمان سفیر سے جسکو کسی عیسائی کی نسبت مقامات کی نسبتی حالتوں سے زیادہ واقف ہونا چاہیئے تھا - کیونکہ مسلمانوں پر یہہ فرض ہے کہ اپنی پنجگانہ نماز پڑھتے وقت شہر مکّہ کی طرف رخ کریں - مگر بہر حال اُس مسلمان سفیر نے یہہ امر باصرار

ڈیمبیا Dembea ڈ ے م ب ی آ　گونڈار Gondar گ ّ و ن ڈ ا ر　فنجی Fungi ف ن ج ی

بربرستان Berberis　سینار Senaar س ی ن ا ر

ایک دوسرے کے قریب ہی زمین سے نکلکر اوّل تو کوئی تیس[۳] یا چالیس[۴] قدم لمبی ایک چھوٹی سی جھیل بنجاتے ہیں اور پھر اسمیں سے نکلکر یہہ دریا بہت پھیل جاتا ہے اور اسکے بعد راستہ میں اور بہت سے ندّی نالے ملجاتے ہیں اور ایک دریاے ذخار بنجاتا ہے - اِنہوں نے یہہ بھی کہا کہ یہہ ایسے طور پر پیچ کھا کھا کر گیا

دریاے نیل اپنے مخرج سے جُدا ہوکر جس شکل سے اور جس جس ملک میں ہوکر مصر میں پہنچتا ہے اُس کا بیان ——

کی زمینیں جلد خشک ہوجائیں اور ایسی کثرت کی گرمی سے اناج اور ترکاریاں جل جائیں - دریاے نیل سے مویشی کی پرورش میں بھی جو مصر کی دولت کا دوسرا ذریعہ ہے کچھہ کم مدد نہیں ہوتی - مصر والے اپنے مویشی کو نومبر کے مہینے میں چرنے کو باہر نکال دیتے ہیں اور مارچ تک چراتے ہیں - لفظوں میں اتنی گنجایش نہیں ہے کہ اُن چراگاہوں کی زرخیزی کا بیان اُنمیں ادا ہو سکے - مویشیوں کے ریوڑ جو بسبب معتدل اور خوش آیند ہوا کے دن رات باہر رہتے ہیں تھوڑی ہی مدّت میں بہت زیادہ اور فربہ ہوجاتے ہیں جن دنوں میں کہ نیل کی طغیانی ہوتی ہے اُن دنوں میں مویشی کو کھَلی اور گھاس اور جو اور مٹر کھلاکر پرورش کرتے ہیں -

مسٹر کارنبل لی برونن صاحب اپنی سیاحی کے حال میں لکھتے ہیں کہ مصر کے ملک پر خدا کی بہت بڑی عنایت ہے کہ ایک معیّن موسم میں اتھیوپیا میں اسقدر مینہہ برستا ہے کہ مصر کو پانی دیکر نہال کر دیتا ہے جہاں بالکل بارش نہیں ہوتی - اور اس اپنی عنایت سے ایسی خشک اور ریتلی زمین کو دُنیا کا ایک عمدہ زرخیز ملک بنا دیتا ہے - ایک اور بات بھی نہایت عمدہ ہے جس کو یہاں کے رہنے والے بیان کرتے ہیں کہ جون میں اور اُس کے اگلے چار مہینے میں شمالی اور شرقی ہوائیں چلتی رہتی ہیں تاکہ دریاے نیل کا پانی رُکا رہے اور جلدی سے بہکر سمندر میں نہ چلا جاے اگلے لوگوں نے بھی اِس قدرتی حکمت کے نکتہ کو بہت غور سے خیال کیا تھا -

کو واپس آیا تھا اُسکو دیکھا بھی تھا اُنھوں نے کہا کہ دریاے نیل کا منبع اگوس کے ملک میں ہے اور وہ دو بڑے جوشندہ چشمے ہیں جو

کے لیئے یہہ کل ایجاد کی تھی۔

مصر کی زرخیزی کا بیان جو دریاے نیل کے سبب سے ہوتی ہے

دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں ہے جسکی زمین مصر کی زمین سے زیادہ زرخیز ہو اور وہ صرف دریائے نیل کا باعث ہے اور دریاؤں کا یہہ دستور ہے کہ جب اُنکی رد زمین پر پھیر جاتی ہے تو وہ ریت دیجاتی ہے یعنی زمین کی مٹی جسکے سبب زمین نم رہتی ہے بہ جاتی ہے مگر برخلاف اسکے دریائے نیل اپنی رَو میں اوپر سے چکنوٹ مٹی بہالاتا ہے اور وہاں چھوڑ جاتا ہے اور زمینوں کو زرخیز کر دیتا ہے اور اس سبب سے اگلی فصل ہونے سے زمین جسقدر کمزور ہو جاتی ہے پھر اُتنی ہی زور آور ہو جاتی ہے کاشتکار کو ملک میں ہل چلانے اور زمین توڑنے کی حاجت نہیں پڑتی۔ جب دریاے نیل ہٹ جاتا ہے تو بجز اسکے کہ زمین کے اوپر جو چکنوٹ مٹی رہگئی ہے اُسکو اُلٹ پلٹ کر نیچے کی ریتلی مٹی سے ملاکر اُسکے مزاج کو معتدل اور اُسکی قوت کو کمزور کیا جائے اَور کچھ کام کرنا نہیں پڑتا۔ اِسکے بعد نہایت آرام سے اُسمیں بیج ڈالدیا جاتا ہے۔ اور اس سبب سے کھیتی کرنے میں کچھ خرچ کرنا نہیں پڑتا۔ دو مہینے میں سب زمینیں پھول پھل کر سبز ہو جاتی ہیں اور کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں اور اُن میں کثرت سے اناج پیدا ہوتا ہے۔ مصر والے اکثر نومبر اور اکتوبر میں جبکہ دریائے نیل کا پانی کم ہونے لگتا ہے کھیتی بوتے ہیں اور مارچ و اپریل میں فصل تیار ہو جاتی ہے۔ مصر کی زمینیں تہ فصلی اور چوفصلی ہیں۔ یعنی ایک زمین میں ہر سال تین یا چار قسم کی مختلف چیزیں بوئی جاتی ہیں پہلی دفعہ کھیرا کا ہو بو کر کاٹ لیتے ہیں اُسکے بعد اناج بوتے ہیں اور جب اناج کی فصل تیار ہو کر کٹ لیتی ہے تو مختلف قسموں کی ترکاریاں جو خاص کر مصر میں ہوتی ہیں بوتے ہیں اور چونکہ مصر میں آفتاب بہت تیزی سے نکلتا ہے اور دھوپ کی طپش بہت ہوتی ہے اور مینہہ بہت کم برستے ہیں اگر اُس ملک میں نہریں اور چشمے بکثرت نہ ہوتے جن سے نالیاں بنا کر کھیتوں اور باغوں میں بخوبی پانی دیا جاتا ہے تو قیاس چاہتا ہے کہ وہاں

Agomas	(اگوس اُگ وُ مَس)

خوب معلوم ہے اور اسکی نسبت کسیکو کچھ شک نہیں ہے - بلکہ ان سفیروں میں سے ایک نے مع ایک مغل کے جو انہیں کے ساتھ ہندوستان

نیل کی نہروں اور پانی کے کھینچنے کی کلوں کا بیان

اگرچہ خداتعالےٰ نے مصر کے ملک کو ایسا فیض رسان دریا دیا تھا اگر پھر بھی یہ نہیں چاہا کہ وہاں کے رہنے والے سست اور کاہل ہو جائیں اور بغیر محنت و مشقت کے ایسی بڑی نعمت کا فائدہ اُٹھائیں - یہ بات از خود معلوم ہو سکتی ہے کہ دریائے نیل تمام ملک کو سیراب نہیں کر سکتا اسلئے بہت سی محنت اور مشقت زمین کے پانی دینے میں کیجاتی تھی اور بہت سی نہریں ہر جگہ پانی پہنچانے کے لیئے کاٹی گئی تھیں جو دیہات دریائے نیل کے کنارے کے پاس اونچی زمینوں پر تھے - اُن میں نہریں بنائی تھیں - اور مناسب وقت پر بہت سے دیہات میں پانی پہنچانے کے لیئے کھولی جاتی تھیں جو دیہات کہ بہت دور دور از فاصلہ پر ملک کی سرحد پر تھے اُن میں بھی پانی پہنچانے کے لیئے نہریں بنی ہوئی تھیں - اور اس طرح سے نہایت دور دور کے مقاموں میں بھی نہر سے پانی پہنچتا تھا جب تک کہ دریائے نیل ایک معین حد تک چڑھ جاتا تھا - اُسوقت تک لوگوں کو پانی لینے اور نالیاں کاٹنے اور داموں کے کھولنے کی اجازت نہ ہوتی تھی - کیونکہ اگر اُس سے پہلے پانی لینا شروع ہو جاتا تو بعض زمینوں کو بہت سا پہنچ جاتا اور بعض کھیتوں کو کم پہنچنے کا احتمال ہوتا - بموجب اُن قاعدوں کے جو ایک کتاب میں لکھے ہوئے تھے اور جبمیں سب طرح کے انداز سے مقرر تھے پہلے اوپر کے حصہ ملک مصر میں اور پھر نیچے کے حصہ میں نہروں کا کھولنا شروع ہوتا تھا اسطرح پر پانی کی ایسی احتیاط سے تقسیم ہوتی تھی کہ تمام زمینوں کو بخوبی پہنچ جاتا تھا - جن ضلعوں میں کہ دریائے نیل کا پانی از خود پھیلتا تھا وہ اسقدر کثرت سے ہیں اور ایسے نیچے ہیں اور اُن میں اسقدر نہریں بنی ہوئی ہیں کہ جسقدر پانی جون اور جولائی اور اگست میں مصر میں پھیلتا تھا یقین ہوتا ہے کہ اسکا دسواں حصہ بھی سمندر تک نہیں جاتا تھا - مگر باوجود اسقدر نہروں کے بہت سی زمینیں ایسی بلند ہیں کہ نیل کی طغیانی کا پانی وہاں تک نہ پہنچتا تھا اسلئے پیچدار کلوں سے اُن زمینوں میں پانی پہنچا دیتے تھے اُن کلوں کو بیل پھراتے تھے اور پانی نلوں میں جا کر اُن اونچی زمینوں میں پہنچتا تھا - ڈایوڈورس صاحب کہتے ہیں کہ جب آرکی میڈیز صاحب بطریق سیر کے مصر میں گئے تو انہوں نے لوگوں

دریائے نیل کے منبع کی بابت اتھیوپیا کے سفیروں کا بیان۔

چنانچہ علاوہ اور باتوں کے ہمنے اُن سے دریائے نیل کے منبع کی نسبت جسکو وہ ابابائیل کہتے ہیں بہت گفتگو کی اُنہوں نے کہا کہ اسکے منبع کا حال تو کسی کو

چڑہاؤ کے تمام حالات کو اور اُسکے مختلف درجوں کو بخوبی غور کیا تھا اور ایک مدّت تک باقاعدہ امتحانوں سے جو بہت سے برسوں میں ہوئے تھے خود دریائے نیل کے چڑہاؤ سے یہہ بات معلوم ہونے لگی تھی کہ اس سال میں چڑہاؤ سے کیسی فصل پیدا ہوگی۔ مصر کے بادشاہوں نے شہر ممفس میں ایک پیمانہ لگایا تھا اور اُسپر دریائے نیل کے چڑہاؤ کے مختلف درجے لکھے تھے۔ اور اُن درجوں پر حساب کرکر تمام ملک مصر میں اطلاع دیجاتی تھی کہ اگلی فصل میں کیا نقصان آویگا یا کیا فائدہ ہوگا۔ سٹرے بو صاحب کہتے ہیں کہ اِسی مطلب کے لئے شہر سیئین کے قریب دریای نیل کے کنارے پر بھی ایک کنواں بنا ہوا ہے۔ آجتک یہہ رسم شہر قاہرہ میں جاری ہے کہ ایک مسجد کے صحن میں ایک مینار ہے اور اُسپر دریائے نیل کے چڑہاؤ کے درجوں کے نشان بنے ہوئے ہیں۔ شہر کے ہر گلی کوچہ میں ہر روز منادی ہوتی ہے کہ دریائے نیل میں اِسقدر چڑہاؤ ہوا! زمین کا خراج جو بادشاہ کو دیا جاتا ہے اُسکا تصفیہ نیل کے چڑہاؤ پر منحصر ہے جس دن دریائے نیل کا چڑہاؤ ایک معیّن بلندی پر پہنچ جاتا ہے اُس دن بہت خوشی ہوتی ہے اور عیش و عشرت کیجاتی ہے۔ اور آتشبازی چھوٹتی ہے۔ اور آپسمیں دعوتیں ہوتی ہیں۔ اور جو جو باتیں ہر طرح کی خوشی میں ہوتی ہیں وہ سب کیجاتی ہیں۔ قدیم زمانہ میں بھی دریائے نیل کی طغیانی ہونے سے تمام مصر میں عام خوشی کیجاتی تھی۔ اِس لئے اُس مُلک کی خوشی اور آسُودگی کی بنیاد یہہ ہی دریا ہے۔ اگلے زمانہ میں مصر کے لوگ جو بُت پرست تھے دریا کی طغیانی کو اپنے دیوتا سراپس کا سبب جانتے تھے اور جس مینار پر اُسکے چڑہاؤ کے درجوں کے نشان لگے ہوئے ہیں اُسکو اُس مندر میں مقدس سمجھکر رکھا تھا شہنشاہ قسطنطین نے اس مینار کو وہاں سے اُٹھاکر اسکندریہ کے گرجا میں لیجانے کا حکم دیا۔ اسپر مصریوں نے یہہ مشہور کیا کہ سراپس دیوتا کی خفگی کے سبب دریائے نیل میں کبھی چڑہاؤ نہیں آئیگا۔ دوسرے سال دریائے نیل میں معمولی قاعدہ پر چڑہاؤ آیا شہنشاہ جولین مرتد نے جو بُت پرستی کا مربی تھا اِس مینار کو اُسی مندر میں بھجوا دیا مگر شہنشاہ تھیوڈوشیس نے پھر اُسکو وہاں سے اُٹھوا منگایا۔

نواب صاحب کی اصل غرض یہہ ہوتی تھی کہ اُن کے ملک کی حالت اور حکومت کی وضع سے واقفیت حاصل کریں -

رہتی ہے اسلئے مصر میں دریائے نیل کا چڑھاؤ تین ہفتے یا ایک مہینے بعد ابی سینا میں بارش شروع ہونے سے ہوتا ہے - سیاحوں کا قول ہے کہ دریائے نیل مئی کے مہینے سے بڑھنا شروع ہوتا ہے - مگر اوّل نہایت آہستہ آہستہ بڑھتا ہے اور اپنے کناروں سے باہر نہیں نکلتا اور جون کے ختم ہونیکے قریب تک بھی اسمیں طغیانی نہیں ہوتی - ہیرڈوٹس صاحب کہتے ہیں کہ اسکے بعد جو تین مہینے آتے ہیں اُنہیں تین مہینوں میں اس دریا میں طغیانی ہوتی ہے - اگلے مصنفوں کی اصل کتابوں میں ایک اختلاف ہے جسکو میں بیان کرتا ہوں ہیرڈوٹس اور ڈایوڈورس ایک طرف ہیں اور سٹرےبو صاحب اور پلینی صاحب اور سولینس صاحب دوسری طرف ہیں - یہہ تینوں صاحب دریائے نیل کی طغیانی کے زمانہ کو بہت کم گنتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ تین مہینے یا سو دن میں کنارے کے باہر کی زمینوں میں سے لوٹ جاتا ہے اور زیادہ تر تعجب یہہ ہے کہ پلینی صاحب اپنی راے کی بنیاد ہیروڈوٹس کی گواہی پر قایم کرتے ہیں -

دریاے نیل کی طغیانی کی بلندی کا بیان

پلینی صاحب بیان کرتے ہیں کہ طغیانی کے دنوں میں دریاے نیل ٹھیک ٹھیک چودہ فٹ اونچا چڑھ جاتا ہے - جبکہ اُسکا چڑھاؤ اٹھارہ یا ساڑھے اٹھارہ فٹ اونچا آتا ہے تو ملک میں خشک سالی ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے - اور جبکہ چوبیس فٹ اونچا چڑھاؤ آتا ہے تو غرقی کا اندیشہ ہوتا ہے شہنشاہ جولین نے ایک چٹھی موسومہ ایکڈ یسٹیس مورخہ مینوس نمبر ۶۲ سنہ ۳۶۲ء میں دریاے نیل کی طغیانی کی بلندی بائیس فٹ لکھی ہے - دریاے نیل کے چڑھاؤ کی بلندی میں باہم متقدمین کے اور نیز زمانہ حال کے مورخوں میں اتفاق نہیں ہے - مگر بہت سا تفاوت بھی اُن میں نہیں ہے - اور اُسکے سبب یہہ ہوں گے ! اوّل یہہ کہ اگلے زمانہ کے اور زمانہ حال کے بیانوں میں شاید کچھ تفاوت ہو جسکا دریافت کرنا مشکل ہے - دوسرے متقدمین مورخوں نے بے پروائی سے اپنے بیانوں کو لکھا ہو - تیسرے یہہ کہ خود نیل کی طغیانی میں تفاوت ہوتا ہے کیونکہ وہ دریا جسقدر سمندر کے پاس آتا جاتا ہے اُسکے چڑھاؤ کی بلندی کم ہوتی جاتی ہے چونکہ مصر کے ملک کی زرخیزی دریاے نیل کی طغیانی پر منحصر تھی اسلئے مصریوں نے اُس کے

کرنے کا ہمیشہ شوق رہتا ہے انکو اکثر دعوت کی تقریب سے اپنے ہاں
بلا لیتے تھے اور میں بھی ہمیشہ شریک مجلس ہوتا تھا۔ اور اس سے

نیچے جاکر وہ لوگ ڈوب گئے لیکن وہ لوگ جب اصلی دھار پر جا پڑتے ہیں تو بہت دور تک بہ جاتے ہیں اور جہاں پانی دھیما ہو جاتا ہے وہاں سے نکل آتے ہیں اس عجیب تماشے کا بیان سینیکا صاحب نے کیا ہے اور حال کے زمانہ کے سیاح بھی اسکی تصدیق کرتے ہیں۔

دریاے نیل کی طغیانی کے سببوں کا بیان

اگلے زمانہ کے لوگوں نے مثل ہیرودوٹس اور ڈایوڈورس اور سیکولس اور سنیکا صاحب کے دریاے نیل کی طغیانی کے باریک باریک سبب بیان کئے ہیں۔ لیکن وہ پرانی باتیں اور صرف ناتحقیق خیالات تھے حال کے زمانہ میں کچھ زیادہ التفات کے لائق نہیں رہے۔ اس زمانہ میں سب کا اتفاق ہے کہ اتھیوپیا میں جہاں سے یہ دریا آتا ہے نہایت کثرت سے بارش ہونے کے سبب دریاے نیل کو اسقدر طغیانی ہوتی ہے کہ اول اتھیوپیا کو اور اسکے بعد مصر کو غرقاب کر دیتا ہے اور یہہ ہی دریا اس بارش کے سبب سمندر بنکر تمام ملک میں پھیل جاتا ہے۔ سٹرے بو صاحب کہتے ہیں کہ متقدمین کا صرف یہہ قیاس تھا کہ نیل کی طغیانی اتھیوپیا میں کثرت سے بارش ہونے کے سبب سے ہوتی ہے۔ لیکن اس قیاس پر وہ یہہ بات زیادہ کرتے ہیں کہ بہت سے سیاحوں نے اسکو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔ چنانچہ ٹولیمی فلیڈلفس یعنی بطلیموس ثانی بادشاہ مصر نے جو علوم اور فنون کی تحقیقات میں نہایت شوق رکھتا تھا اس امر کی تحقیقات کے لئے نہایت قابل قابل شخصوں کو وہاں بھیجکر اس امر کو تحقیق کیا تھا۔

دریاے نیل کی طغیانی کے موسم کا بیان

ہیرودوٹس صاحب اور اسی طرح ڈایوڈورس اور سیکولس صاحب اور بہت سے مصنف بیان کرتے ہیں کہ دریاے نیل گرمی کے موسم میں یعنی ماہ جون کے اخیر میں بڑھنا شروع ہوتا ہے اور ستمبر کے اخیر تک روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ اور اکتوبر اور نومبر میں رفتہ رفتہ گھٹنا شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنے اصلی حال پر آجاتا ہے۔ اس زمانہ کے لوگ بھی اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں اور حقیقت میں جو اصلی سبب اس دریا کی طغیانی کا ہے اسی پر اسکی بنیاد ہے اور وہ سبب وہی اتھیوپیا کی بارش ہے۔ جو لوگ وہاں گئے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ اپریل کے مہینے میں وہاں بارش شروع ہوتی ہے۔ اور پانچ مہینے تک یعنی اگست کے نصف اخیر یا ستمبر کے نصف اول تک برابر بارش

مسئلہ میں ایک عمدہ اور عالمانہ تحریر کی ہے۔

مصنف کا دہلی میں شاہ اتھوپیا کے سفیروں سے دریائے نیل کے حالات کا دریافت کرنا

میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ جب اتھیوپیا کے دو سفیر دہلی میں آئے تھے تو میرے آقا دانشمند خاں جنکو معلومات حاصل

کیونکہ فرانسیسی جغرافیہ کی شاہی سوسائیٹی نے اسکا حال تحقیق کرنے کے صلہ میں اُنکو سونے کا تمغہ دیا تھا۔ اُس جھیل سے ایک بہت بڑی چادر پانی کی نہایت زور شور سے جسکا عرض چار سو پانسو فٹ تک ہی گرتی ہے اور وہ بہکر دریا کی دھار بن جاتی ہے۔ کپتان اسپیک صاحب نے اس چادر کا نام رائپن رکھا ہے۔ کیونکہ جب وہ دریائے نیل کے مخرج کی تحقیقات کو روانہ ہوئے تو انگلستان کے جغرافیہ کی شاہی سوسائیٹی کے پریزیڈنٹ رائپن صاحب تھے! کپتان اسپیک صاحب کے نزدیک جو کچھ ضروری امر متعلق جغرافیہ درباب تحقیق مخرج نیل کے تھے وہ پورے ہو چکے ہیں۔ مگر اکثر محققین کے نزدیک ابھی اور زیادہ تحقیقات کی ضرورت ہے۔

دریائے نیل کی آبشاروں کا بیان

جن مقاموں میں کہ دریائے نیل سخت پتھروں میں ہو کر زور سے نیچے گرتا ہے اُنکو آبشار کہتے ہیں مُلک مصر میں آنے سے پہلے یہ دریا اتھیوپیا کے جنگل میں آہستہ آہستہ بہکر آبشار کی طرح گرتا ہے۔ اور پھر وہاں سے دفعتاً نہایت تیزی اور زور شور سے بہتا ہے اور رفتہ رفتہ تمام رُکاوٹوں سے نکل کر اور چند پہاڑوں سے گزر کر اسقدر زور شور سے بہتا ہے کہ اسکی آواز نو میل پر سے سُنائی دیتی ہے۔! اس مُلک کے رہنے والے جنکو اس دریا میں آنے جانے کی عادت ہو گئی ہے اُن لوگوں کو جو یہاں سیر کرنے کو آتے ہیں ایک عجیب تماشا دکھاتے ہیں جنمیں بنسبت دل لگی کے خوف زیادہ معلوم ہوتا ہے! ایک چھوٹی سی ڈونگی میں دو آدمی بیٹھکر دریا میں جاتے ہیں۔ اُن میں سے ایک تو ڈونگی کھیتا ہے۔ اور دوسرا ڈونگی میں سے پانی اُلیچتا جاتا ہے۔ بہت دیر تک وہ ڈونگی لہروں کی تیزی سے ٹکراتی ہے مگر وہ لوگ ہر طرح کا صدمہ اُٹھا کر اور ڈونگی کو ہوشیاری اور چالاکی سے اپنے قابو میں لاکر تیز دھارے پر لیجا کر بہاؤ پر چھوڑ دیتے ہیں اور تیر کی طرح اُسمیں سے نکل جاتے ہیں۔ خوف زدہ تماشا دیکھنے والے یہ گمان کرتے ہیں کہ جس بلندی سے اُن لوگوں نے اپنی ڈونگی کو چھوڑا ہے اُسکے

شخص† کو حاصل نہ ہوئی ہو گی جس نے بغیر اس کے کہ مُلک مصر میں سیاحت کی ہو صرف اپنی ذہانت اور سیر کتب اور مطالعہ کی رو سے اس عجیب

تحقیقات کی بہ نسبت اس دریا کی لمبان کو قریب بارہ یا پندرہ سو میل کے کم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دریاے نیل نکلتا ہے ایک بڑے پہاڑ کی جڑ میں سے جسکا نام گویام ہے اور مملکت ابی سینیا میں واقع ہے مگر زمانہ حال میں انگلستان کے شاہی جغرافیہ کی سوسائٹی نے اس دریا کے مخرج دریافت کرنے کو بہت سی کوششیں کیں اور کپتان اسپیک صاحب تین دفعہ اس کا مخرج دریافت کرنے کو افریقہ میں گئے۔ اخیر سفر اُن کا ۱۸۵۹ء میں تھا اُنہوں نے اپنے سفروں میں عین خط استوا کے نیچے ایک بہت بڑی جھیل پائی اور وکٹوریا نینزا اُسکا نام رکھا اُنکے نزدیک وہی جھیل درحقیقت دریاے نیل کا مخرج ہے جنوبی سرا اس جھیل کا قریب تیسرے درجہ عرض جنوبی کے واقع ہے۔ جو گویا سرا دریاے نیل کا ہے۔ اس حساب سے دریاے نیل جو چونتیس ۳۴ درجوں کی لمبان میں یعنی دو ہزار تین سو میل کے طول میں بہتا ہے اس جھیل کے جنوبی سری سے مغرب کیطرف آو تو کیٹنگول نامے ایک دریا ملتا ہے جو اِس جھیل میں پڑتا ہے مگر کپتان اسپیک صاحب کہتے ہیں کہ اس دریا سے اور دریای نیل سے کچھ واسطہ نہیں ہے۔ اور اگر جھیل کے اُسی جنوبی سرے سے مشرق کی طرف جاؤ تو وہاں کوئی بڑا دریا نہیں ہے۔ کیونکہ عرب کے سیّاحوں سے اُنہوں نے تحقیق کیا کہ کوہ کلی مانجارہ کے مغرب کی طرف نمک کی جھیلیں اور نمک کے میدان ہیں اور پہاڑی مُلک ہی پانی کی بہت قلت ہے کبھی کبھی کوئی چھوٹی ندی بہ آتی ہے۔ اس جھیل کے شمالی کنارے سے دریای نیل نکلتا ہی اِس جھیل کے شمال مشرق کو ایک اور جھیل ہی مگر کپتان اسپیک صاحب کا وہاں تک جانا نہیں ہوا۔ مشہور ہے کہ وہاں ایک آبناے ہے جو اِن دونوں جھیلوں کو ملا دیتی ہی۔ اِس پچھلی جھیل سے بھی ایک دریا نکلتا ہے جسکا نام آسو ہے اور تخمیناً سوا تین درجہ عرض شمالی تک بہکر دریاے نیل میں مل جاتا ہے۔ وکٹوریا نینزا جھیل کے شمالی کنارے میں سے تین دھاریں نکلتی ہیں اور تھوڑی دور بہکر سب آپسمیں مل جاتی ہیں اور ایک دریا یعنی دریاے نیل ہو جاتا ہے۔ اُنمیں سے مشرقی دھار اِس طرح پر نکلی ہی کہ جھیل میں سے ایک حصّہ پانی کا شمال کیطرف نکلا ہے اسپیک صاحب نے اُسکا نام نپولین چینل فرانس کے بادشاہ کے نام پر رکھا ہے۔

† مسٹر تھیوی نٹ سے مُراد ہے۔ س۔ م۔ س

میں بھی بعض ایسی معلومات حاصل ہوئی ہیں جن سے اس امر کی تحقیق میں مجھے
کچھ آسانی ملی ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ ایسی آسانی بالضرور اُس مشہور و معروف

کہ جن قحطوں میں بارش کی وہاں نہ تھی پروا + اس فیض رسان دریا سے زیادہ فائدہ اُٹھانیکے لئے
مصریوں نے زمینوں کے اندازہ پر اور مناسب مناسب موقعوں پر بیشمار نہریں مناسب مناسب
عرض و طول کی بنائی تہیں اور اُن کے ذریعہ سے دریاے نیل اپنی فیاض دھاروں سے ہر جگہ
کو زرخیز کرتا تھا نہروں کی راہ سے لوگ سفر کرتے تھے اور خشکی پر چلنے اور خشکی کے سفر کی مصیبت جاتے
رہنے سے گویا اس دریا نے شہروں کو پاس پاس کر دیا تھا۔ اور دریاے قلزم کو بحیرۂ روم
سے ملا دیا تھا اور اس سبب سے ملک کی اندرونی و بیرونی تجارت بہت رونق پر تھی اور دشمنوں
سے بھی ملک محفوظ تھا ان سب باتوں کے سبب کہا جاتا ہے کہ حقیقت میں یہہ دریا مصر کا مربی
اور اُسکا بہت بڑا محافظ ہے۔ مصر والے کھیتوں میں دریا کے پانی کو جانے سے نہ روکتے
تھے مگر شہروں میں جو بڑی محنت سے بنتے تھے اور جو طرف پانی بھر جانے سے جزیروں
کی طرح دکھائی دیتے تھے پانی نہیں جا سکتا تھا وہاں کے رہنے والے اُن میدانوں کو جو دریاے
نیل کے پانی سے بھر جاتے تھے اپنے اپنے مکانوں پر چڑھکر نہایت خوشی سے دیکھتے تھے۔

دریاے نیل کے مخرج کا بیان

متقدمین خیال کرتے تھے کہ دریاے نیل کا مخرج اُن پہاڑوں میں ہے جو کوہ قمر کے نام سے
مشہور ہیں اور جو خط استوا سے دس درجہ عرض جنوبی میں واقع ہیں۔ تقویم البلدان میں
بو علی سینا کا یہہ قول لکھا ہے کہ دریاے نیل تمام دنیا کے دریاؤں سے بڑا اور لمبا ہے مگر یہہ
پُرانے زمانہ کی بات ہے یورپ کے سیاحوں اور جغرافیہ دانوں نے جو نئی نئی تحقیقاتیں
کی ہیں اُنسے معلوم ہو گیا ہے کہ دنیا میں بہت سے دریا دریاے نیل سے بڑے اور
لمبے ہیں۔ سب سے بڑا دریا دنیا میں امریکہ کے ملک میں امیزان ہے اور دریاے نیل کی لمبان
سے دو گنے سے بھی زیادہ لمبا ہے۔ دریاے نیل کا مخرج اگلے زمانہ میں اچھی طرح تحقیق نہیں
ہوا تھا عربی جغرافیہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خط استوا کے جنوب کی طرف بالکل ویرانہ ہے اور
اس سبب سے وہاں کا حال دریافت نہیں ہو سکتا اور جو کچھ یونانیوں نے لکھا ہے اُس سے زیادہ
کچھ معلوم نہیں ہوا۔ راوکن صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ کے سیاحوں نے یہہ تحقیق کیا ہے
کہ خط استوا سے بارہ درجے عرض شمالی میں اسکا منبع ہے اور اس سبب سے متقدمین کی

چاند کے گرد ہالہ نظر نہ آئے - لیکن ہالہ اسی وقت نظر آتا ہے جبکہ چاند اُفق سے بہت بلند ہو چنانچہ میں تین چار رات تک متواتر دیکھتا رہا ہوں اور بعض اوقات دوہرا ہالہ بھی دیکھا ہے مگر جس قوس کا میں ذکر کرتا ہوں وہ چاند کے گرد کوئی ہالہ نہ تھا بلکہ وہ چاند کے مقابل اُسی طرح جیسے آفتاب کی قوس ہوتی ہے تھی - چنانچہ جب کبھی مینے قمری قوس کو دیکھا تو چاند کو مغرب میں پایا اور قوس کو مشرق میں - اور چاند قریباً پورا تھا - کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو میرے نزدیک اُسکی شعاع قوس پیدا کرنے کے قابل نہ ہوتی یہہ قوس ہالے کی طرح سفید نہ تھی اور اچھی طرح نمایاں تھی بلکہ طرح طرح کے رنگ بھی اُس میں نمودار تھے - پس آپ دیکھتے ہیں کہ میں متقدمین کی نسبت زیادہ خوش نصیب ہوں جنہوں نے ارسطو کے قول کے بموجب اُس کے زمانے سے پہلے قمری قوس قزح کا ہونا بیان نہیں کیا -

---

بقیہ حاشیہ ساتھ تھے جگاکر دکھایا اور وہ بھی متعجب ہوئے اور پھر مینے اِس کا ذکر جو اکثر اہل کمال سے کیا تو میں دیکھتا تھا کہ وہ بظاہر ہاں ہاں تو کرتے تھے مگر دل سے اسکا انکو یقین نہ تھا - اسکے بعد مینے کتاب تاریخ الحکما میں قمری قوس کا ہونا پڑھا جس سے مجھکو نہایت تقویت ہوئی اور ہمیشہ میں اپنے قول کی صداقت کی خاطر اس کتاب کا حوالہ دیتا تھا - مگر چونکہ مجھکو ہمیشہ اسکی تحقیق کا خیال تھا پھر مینے علم طبیعات کی کئی کتابوں میں دیکھا کہ حکماء فرنگستان میں سے کئی شخصوں نے قمری قوس کو دیکھا ہے - چنانچہ کتاب فزیک کانو کا مصنف لکھتا ہے کہ سورج کی طرح چاند سے بھی قوس پڑتی ہے مگر قمری قوس کے رنگ بہت ہلکے ہوتے ہیں اور کتاب فزیک راکن میں جو چار جلدوں میں ہے لکھا ہے کہ قمری قوس کے رنگ بہ نسبت آفتاب کے چاند کی روشنی کے کم ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے کم متمیز ہوتے ہیں اور ایک اور کتاب میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی چاند سے بھی قوس پڑتی ہے چنانچہ ماہ ستمبر ۱۸۷۹ء میں شہر شوٹر میں جو ملک فرانس کا ایک شہر ہے دیکھی گئی تھی - ۱۲ س م ح

(فزیک کانو - فِ زِ یْ کْ کَ اَ نُ وْ) (فزیک راکن - فِ زِ یْ کْ رَ اَ کِ نْ) (شوٹر - شُ وُ ٹْ رِ)

متعجب ہوئے خصوصاً دو پرتگیز جو کشتیوں اور جہازوں کے معلم یعنی
رہنما تھے اور جنکو مینے اپنے ایک دوست کے کہنے سے اپنے ساتھ
چڑھا لیا تھا۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمنے ایسی قوس نہ کبھی دیکھی نہ سنی!
تیسرے دن ہم اِن نہروں میں راستہ بھول گئے اور اگر ہمکو بعض پرتگیز
جو ایک جزیرے میں نمک بنا رہے تھے نہ ملتے تو میں نہیں جانتا کہ
ہمکو سیدھا راستہ کیونکر معلوم ہوتا۔ اِس رات کو جبکہ ہماری کشتی ایک
چھوٹی سی محفوظ کھاڑی میں لگی ہوئی تھی میرے پرتگیز رفیقوں نے جو
شب گزشتہ کے عجیب مشاہدے کے خیال میں اپنی نظر ہر وقت آسمان
کی طرف لگائے ہوئے تھے مجھکو نیند سے جگایا اور ویسی ہی قوس قزح
پھر دکھائی جیسی کہ ہمنے کل رات دیکھی تھی۔ یہہ آپکو خیال نہ کرنا چاہیئے کہ میں
غلطی سے چاند کے ہالہ کو قوس سمجھتا ہوں! نہیں میں ہالے کو خوب جانتا
ہوں کیونکہ بمقام دہلی برسات میں کوئی ایسا مہینا نہیں ہوتا جسمیں اکثر

بقیہ نوٹ: میں (جسکو علماء فضلا کی ایک کمیٹی نے بحکم ناصر الدین شاہ بادشاہ حال ایران مشہور و معروف اہل علم کے تذکرے
کے طور پر تالیف کیا ہے اور خوش قسمتی سے مطبع شاہی طہران کی چھپی ہوئی ہمارے کتب خانہ
میں موجود ہے) ابن بطلان طبیب کے تذکرے کی ذیل میں لکھا ہے کہ شاہزادہ علی قلی میرزا وزیر
علوم (دائرکٹر سررشتہ تعلیم ایران) نے اپنی ایک تالیف میں لکھا ہے کہ سن بارہ سو انہتر
۱۲۶۹ ہجری میں جبکہ ہم وبا کے خوف سے بادشاہ کے ساتھ موضع آامہ میں ڈیرے ڈالے
پڑے تھے ایک رات کو جو شب ماہ تھی اور خفیف سا ترشح ہو رہا تھا آدھی رات کیوقت حاجت میں ایک
بیہم کے لئے اپنے خیمہ سے باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چاند اُفق کے قریب ہے اور اُسکے مقابل
مشرق میں قوس پڑی ہوئی ہے۔ چونکہ دیکھنا تو کیا چاند سے قوس کا پڑنا کبھی سنا بھی نہ تھا مجھکو
نہایت حیرت ہوئی اور مینے امیرزادہ محسن میرزا اور ملا علی محمد اصفہانی اور حکیم قاآنی اور
محسن شاعر سرکش۔ اور جناب نصیر الدولہ میرزا عبد الوہاب خان وزیر تجارت کو جو میرے

نکل پڑا - مینے اِس امر کا ذکر سیکڑوں جہاز رانوں سے کیا مگر کسی نے
یقین نہیں کیا - البتہ ایک ڈچ ملّاح نے مجھسے کہا کہ چین کے کنارے
پر جبکہ میں ایک بڑی کشتی پر سفر کر رہا تھا تو مینے بھی ایک ایسی ہی نصور
دیکھی تھی اور کشتی سے باہر ہاتھ نکال کر بہت سی مچھلیوں کو پکڑ لیا تھا -

مصنف کا ایک رات کو قمری قوس قزح دیکھنا

اگلے دن ہم کچھ دیر کر کے اِن جزیروں
میں پہنچے اور ایک ایسی جگہہ پسند کر کے
جہاں شیر کا خوف نہ تھا خشکی پر اُتر پڑے اور آگ روشن کر لی
اور مینے اپنے نوکروں کو کہکر دو مرغ اور کچھ مچھلیاں تیّار کرالیں
اور خوب مزے سے کھانا کھایا - اور مچھلیاں فی الواقع لذیذ تھیں
مینے پھر کوچ کیا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ رات ہونے تک برابر
چلے چلیں کیونکہ اِن نہروں کے درمیان اندھیرے کے باعث راستہ
بھول جانے کا خوف تھا - اور ایک محفوظ کھاڑی تلاش کر کے ہم
بڑی نہر میں سے اُسمیں چلے گئے اور کشتی کو کنارے سے معقول فاصلہ
پر ایک درخت کے موٹے ٹہنے سے باندھ کر رات بسر کی - اور جبکہ میں
نگہبانی کے لئے جاگ رہا تھا تو مینے آسمان میں ایک عجیب صورت دیکھی
جیسے کہ دو مرتبہ دہلی میں بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا - یعنی ایک قمری
قوس قزح* دیکھی اور اپنے سب ساتھیوں کو جگا کر دکھایا جو دیکھکر بہت

بقیہ حاشیہ ہے جس سے ملّاح ہوشیار ہو جاتے ہیں اور اس باعث سے اسکو انسانوں کا دوست کہتے ہیں اور
یہہ بھی مشہور ہے کہ یہہ قریب المرگ ہوتی ہے تو گرگٹ کیطرح اپنا رنگ بدلنے لگتی ہے - س - م - ح

* قمری قوس قزح کو بعض ہمارے اس زمانہ کے لوگوں نے بھی دیکھا ہے چنانچہ کتاب نامہ دانشوراں

مچھلیاں لگی چلی آتی تھیں بھرا ہوا دیکھا میںنے اپنے آدمیوں سے کہا
کہ کشتی کو اِن کی طرف لے چلیں اور میںنے دیکھا کہ بہت سی مچھلیاں پہلو
کے بل اس طرح پڑی ہوئی ہیں جیسے مُردہ اور بعض کچھ کچھ حرکت کرتی
تھیں اور بعض نزع کی حالت میں بیہوش پڑی لوٹتی تھیں چنانچہ ہم
لوگوں نے چو بیس[1] مچھلیاں اپنے ہاتھوں سے پکڑلیں اور دیکھا کہ ہر ایک
کے مونہہ سے ایک پھکنا باہر نکلا ہوا ہے جیسا کارپ[2] مچھلی کے ہوتا
ہے اور اسمیں ہوا بھری ہوئی ہے اور اُسکا ایک سرا سرخی نما رنگ کا
ہے - میںنے آسانی سے معلوم کرلیا کہ یہی پھکنا مچھلیوں کو ڈوبنے نہیں
دیتا - مگر یہہ بات بالکل میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ باہر کو کیوں لٹک رہا
تھا - لیکن شاید یہہ سبب ہو کہ ڈالفن[3] مچھلیوں نے دیر تک اِنکا سخت
تعاقب کیا تو اِن بیچاریوں نے اپنے بچاؤ کی خاطر یہاں تک اپنا
بھوبانی ایک کیا کہ اِن کا پھکنا پھول کر سرخ ہوگیا اور مونہہ سے باہر

---

[3] یہہ لکھی ہے کہ ڈوبتے ہوئے آدمی کو دریا سے نکال کر کنارے پر ڈال دیتی ہے چنانچہ اسکی
اسی عادت کے اعتبار سے شیخ ابراہیم ذوق نے بھی اپنی ایک مثنوی میں محبوب کے بازوں
کی تعریف میں لکھی ہے " مچھلی بازو کی ماہی دلفین + غرقہ کشتی بحر خوں سے مردم عین "
اور کتاب مخزن الادویہ میں اسکی نسبت یہہ عبارت لکھی ہے کہ " ہم یونانی است و بعضے
گفتہ اند بلغت رومی (یعنی لیٹن) اسم نوعی از سمک است کہ بعربی خنزیر البحر و بفارسی
خوک آبی ماہی یعنی دراز دبہ و ہلیمی گجہ ماہی و بہندی سونس نامند " اور انگریزی کتابوں
میں یہہ ہے کہ یہ لفظ لیٹن زبان کا ہے اور انہوں نے اسکو ایک قسم وھیل[4] مچھلی کی
لکھا ہے اور وہ یہہ بھی کہتے ہیں کہ جب طوفان آنے کو ہوتا ہے تو یہہ مچھلی اچھلنے کودنے لگتی

[2] CARP [3] DOLPHIN [4] WH

پھر کر دوسرے جزیرے میں چلے جاتے ہیں اور کوئی جاندار مخلوق نظر نہیں آتی - چھوٹی کشتیوں میں بیٹھکر دریاے گنگا کو عبور کرتے ہوئے (جو ان جزیروں میں جانے کا معمولی طریقہ ہے) اکثر مقامات میں خشکی پر اُتر پڑنا پُر خطر ہے - اور اس بات کی احتیاط رکھنی چاہیئے کہ رات کو جو کشتی کو کسی درخت سے باندھ دیا جاے تو کنارے سے کچھ فاصلہ پر رکھنا چاہیئے کیونکہ ہمیشہ ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی آدمی شیر کا شکار ہو جاتا ہے کہتے ہیں کہ یہہ خونخوار جانور جب لوگ سوے پڑے ہوں کشتی میں آجاتے اور بقول اس مُلک کے ملّاحوں کے (بشرطیکہ سچ ہو) کسی ایسے آدمی کو پہچان کر اُٹھا لیجاتے ہیں جو سب سے موٹا تازہ ہو -

پیپلی سے ہوگلی تک دریا میں مصنف کے ایک سفر کرنے کا ذکر

مجھے وہ نو۹ دن کا دریائی سفر یاد ہے جو میں نے پیپلی سے ہوگلی تک ان جزیروں اور نہروں میں سے کیا تھا جس کو میں بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتا - کیونکہ اُس سفر میں کوئی دن ایسا نہیں گزرا جو کوئی نہ کوئی عجیب واقعہ پیش نہ آیا ہو - ان جزیروں اور نہروں کی طرف جاتے ہوئے جب ہماری سات ڈانڈ والی کشتی دریاے پیپلی سے نکلکر دس پندرہ میل سمندر میں بڑھ گئی تو ہمنے سمندر کو مچھلیوں سے جو ظاہرا بڑی کارپ کی قسم کی معلوم ہوتی تھیں

کارپ اور ڈالفن مچھلیوں کا ذکر

اور جنکے پیچھے تعاقب کے طور پر کثرت سے ڈالفن*

* صاحب ہنگ شیری نے اسکا تلفظ ڈلفین لکھا ہے اور اُسکی عادت جو ظاہرا ایک افسانہ ہے یہہ

مختلف مقامات میں پہنچ سکے۔ اِن نہروں کے دونوں طرف قصبے اور گانوٗں آباد ہیں جن میں ہندوؤں کی بہت گنجان آبادی ہے اور چاول اور اکھ اور غلّہ اور بہت قسم کے ساگ پات اور سرسوں اور تل کے بڑے بڑے کھیت موجود ہیں اور ریشم کے کیڑوں کی غذا کے واسطے کوئی دو تین فرانسیسی فٹ کے برابر چھوٹے چھوٹے شہتوت کے درخت ہیں۔

گنگا کے بیشمار ٹاپوؤں اور اُنکی خوبصورتی وغیرہ کا ذکر

لیکن بنگالے کو اُن بیشمار قطعوں نے جو بطور ٹاپوؤں کے دریائے گنگا میں ہیں اور جنکی وسعت بعض جگہہ چھ سات منزل کی مسافت کی ہے عجیب خوبصورت بنا رکھا ہے۔ اِن ٹاپوؤں کی وسعت کم وبیش ہے۔ لیکن سب نہایت زرخیز اور جنگلوں سے بھرے ہوئے اور میوہ دار درختوں اور اناناس سے پُر اور سبزے سے بالکل ڈھکے ہوئے ہیں۔ ہزاروں نہریں اتنی دُور تک کہ جہاں نظر کام نہیں کرتی اِن میں جاری ہیں اور ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ گویا لمبی لمبی روشیں درختوں کی محرابوں کے نیچے بنی ہوئی ہیں۔

بنگالہ کے سمندر کے قریب کے غیر آباد جزیروں کا ذکر۔

سمندر کے پاس کے بہت سے جزیروں کو جن پر آراکان کے قزاق لوٹ مار کرتے رہتے تھے اور جنکا ذکر اور کسی مقام پر کیا گیا ہے وہاں کے باشندوں نے چھوڑ دیا ہے اور اب وہ بالکل اُجاڑ پڑے ہیں جہاں بجز ہرنوں اور جنگلی سوروں اور پرندوں اور شیروں کے جو بعض اوقات ایک جزیرے سے

لوگوں کے ساتھ لڑائی ہونے کی وجہ سے یہاں سال بھر تک ٹھہرے رہے تھے دیکھا کہ بہت سے ملاحوں کے مرجانے کی وجہ سے اس قابل نتھے کہ کہیں کو جا سکیں! لیکن اب یہہ دونوں قومیں بہت احتیاط سے رہتی ہیں اور موت کم ہوگئی ہے - جہازوں کے مالک اس بات کی احتیاط رکھتے ہیں کہ اُن کے آدمی شراب کو پنچ* بناکر نہ پئیں (جو قندی شراب اور نیبو کے عرق اور پانی اور جائپھل کو ملاکر بناتے تھے اور جسکا ذائقہ گو بہت اچھا تھا مگر نتیجے مُہلک تھے) اور ہندوانی عورتوں کے نزدیک نہ جائیں اور شراب اور تمباکو بیچنے والوں سے نہ ملیں - لیکن عمدہ قسم کی انگوری شراب اور شیرازی خام شرابیں - انکو اگر اعتدال کے ساتھ استعمال کیا جائے تو مخالف آب و ہوا کے اثر سے بچنے کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی ہیں -

بنگالہ میں راج محل سے لیکر گنگا کے کنارے سمندر تک جو ملک ہے اسکی خوشنمائی اور ریشم کے کیڑوں کی غذا کے لئے توت کے درختوں کی کثرت کا ذکر -

اس مُلک کی خوشنمائی کو بیان کرتے ہوئے اِس بات کو بھی ظاہر کر دینا چاہیئے کہ اس مُلک میں جو دریائے گنگا کے دونوں طرف راج محل سے سمندر تک قریب تین سو میل کے ہے بے شمار نہریں ہیں جو دریائے گنگا سے بڑی محنت کے ساتھ اسلئے کاٹی گئی ہیں کہ تجارتی مال کے لیجانے میں آسانی ہو اور گنگا کا پانی جسکو ہندوستانی تمام پانیوں سے اعلیٰ گنتے ہیں

* شراب کے اس قسم کے مرکب کو جو بغرض تفریح تیار کیا جاتا ہے انگریزی میں پنچ کہتے ہیں س م ح PUNCH

چھانٹ لیا جائے اور احتیاط سے صاف کیا جائے تو اس سے نہایت ہی عمدہ کپڑا بن سکتا ہے۔

بنگالہ میں ریشم کے کارخانوں کا ہونا

ڈچ لوگوں کے قاسم بازار کے ریشم کے کارخانہ میں بعض اوقات سات آٹھ سو آدمی کام کرتے ہیں۔ اور اسیقدر انگریزوں اور اور سوداگروں کے کارخانوں میں۔

بنگالہ کے شورہ کا ذکر

بنگالہ شورے کی بھی بڑی منڈی ہے اور گنگا کے راستہ سے بہت سا شورہ پٹنہ سے دساور کو جاتا ہے اور ڈچ اور انگریز شورے کی بہت سی کھیپیں ہندوستان کے مختلف مقامات اور فرنگستان کو بھیجتے ہیں۔

بنگالہ کے گوند افیون موم وغیرہ دواؤں اور گھی کا ذکر

اس زرخیز ملک سے گوند افیون موم مشک لاکھ۔ مگھ پیپل اور اور بہت سی دوائیں حاصل ہوتی ہیں اور گھی جو آپکو ایک ناچیز جنس معلوم ہوگی یہاں اس افراط سے ہوتا ہے کہ اگرچہ غیر ملکوں کو بھیجے جانیکے واسطے ایک بڑی جسامت کی چیز ہے مگر پھر بھی سمندر کی راہ سے بیشمار باہر کو جاتا ہے

اہل یورپ کو بنگالہ کی آب و ہوا کے موافق نہ آنے اور اُس سے بچنے کی تدبیروں کا ذکر

لیکن یہہ بات واجبی ہے کہ یہاں کی ہوا خصوصاً سمندر کے پاس کی اجنبی لوگوں کو شاذ ہی موافق ہوتی ہے۔ چنانچہ ڈچ اور انگریز لوگوں میں جبکہ پہلے پہل یہاں آکر رہے موت کثرت سے ہوئی اور بندرگاہ بالاسور میں میننے دو خوبصورت انگریزی جہازوں کو جو ڈچ

بنگالہ میں روئی - ریشم اور سوتی - اور ریشمی کپڑوں کی کثرت اور تجارت وغیرہ کا ذکر

بلحاظ ایسی عمدہ عمدہ لائق تجارت چیزوں کے جنکے باعث سے غیر ملکوں کے سوداگر کسی ملک کی طرف متوجہ ہوا کرتے ہیں میرے خیال میں بنگالے کے برابر کوئی ملک نہیں ہے - اور علاوہ اُس قند و شکر کے جسکا مینے اُوپر ذکر کیا ہے - اور جسکو قیمتی لائق تجارت اجناس کی فہرست میں درج کرنا چاہیئے اِس ملک میں روئی اور ریشم بھی اسقدر ہوتا ہے کہ اِس ملک کو نہ صرف ہندوستان بلکہ آس پاس کے ملکوں اور نیز یورپ کا گودام گھر کہنا زیبا ہے - میں بعض اوقات روئی کے ہر قسم کے باریک اور موٹے اور سفید اور رنگ دار کپڑوں کی افراط کو دیکھکر حیران ہوتا تھا - جنکو خصوصیّت کے ساتھ ڈچ لوگ مختلف مقامات خصوصاً جاپان اور یورپ کو بھیجتے ہیں اور انگریز اور پرتگیز اور خاص یہاں کے سوداگر بھی ان چیزوں کی بہت سی تجارت کرتے ہیں - اور یہی کیفیّت ریشم اور ہر قسم کے ریشمی کپڑوں کی ہے - جسقدر روئی کا کپڑا تمام سلطنت مغلیّہ میں لاہور اور کابل تک بلکہ عموماً تمام غیر ملکوں کو یہاں سے جاتا ہے اُسکی مقدار معلوم کرنا ناممکن ہے -

مصنف کا ایران اور شام کے ریشم کو بنگالہ کے ریشم پر ترجیح دینا

حقیقت میں یہاں کا ریشم ایسا عمدہ نہیں ہوتا جیسے کہ ایران - شام - صیدا - اور بیروت* کا لیکن یہہ سستا بہت ہے اور میں قطعی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ اگر عمدہ

* ملک فلسطین اور شام کی دو بندرگاہوں کا نام ہے (س - م - ح) ص ے دا - ب ے رُو ت

ہی تھوڑی سی قیمت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور ایک روپیہ میں بیس سے زیادہ عمدہ مرغ مل سکتے ہیں اور بطخیں اور مرغابیاں بھی اسیقدر ارزاں ہیں۔ بھیڑ بکریوں کی بھی افراط ہے اور سوٗر تو اتنے سنتے ہیں کہ جو پرتگیز یہاں آباد ہیں وہ قریباً تمام سوٗر ہی کا گوشت کھاتے ہیں۔ اور سستا جانکر انگریز اور ڈچ بھی اپنے جہازوں کے واسطے نمک لگاکر رکھ لیتے ہیں۔ اور ہر قسم کی تازہ اور نمک سود مچھلی بھی اسی افراط سے ملتی ہے۔

ارزانی کی وجہ سے اہل یورپ کے بنگالہ میں آبسنے کا ذکر

غرضکہ بنگالے میں معیشت کی ہر ایک چیز افراط سے ہے۔ اور اس افراط ہی کا طفیل ہے کہ بہت سے پرتگیز اور دوغلے یورپین اور اَور عیسائیوں نے جنکو ڈچ لوگوں نے اُن کی مختلف نوآبادیوں میں سے نکال دیا ہے اِس زرخیز ملک میں آکر پناہ لی ہے۔ چنانچہ فرقہ جیسوٹ اور اگسٹین* کے لوگوں نے جنکی بڑی بڑی مذہبی جماعتیں ہیں اور جو اپنے اعمال مذہبی کو آزادانہ اور بلا دقت عمل میں لاسکتے ہیں مجھے اِس بات کا یقین دلایا کہ صرف ہوگلی میں آٹھ ہزار سے نو ہزار تک عیسائی بستے ہیں اور اِس ملک کے اَور حصّوں میں تو اُنکی تعداد پچیس ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ اور اِس ملک کی زرخیزی اور عورتوں کے حسن اور سلیم الطبعی نے پرتگیز۔ ڈچ اور انگریز لوگوں میں یہہ بات زبان زد کردی ہے کہ "بنگالے میں داخل ہونیکے واسطے تو سو دروازے ہیں مگر نکلنے کے لیئے ایک بھی نہیں"

* AUGUSTINE

کم پیدا ہوتی ہے اور مخا اور بصرہ کو ہو کر عرب اور عراق کو اور بندر عباس کے راستہ سے ایران کو جاتی ہے -

بنگالہ میں جو مربے بنائے جاتے ہیں اُن کا ذکر -

بنگالے کے مربّے بھی مشہور ہیں خصوصاً اُن مقامات کے جہاں پرتگیز لوگ آباد ہیں اور جو نہایت عمدہ مربّے بناتے ہیں اور ایک بڑی تجارت کی چیز سمجھے جاتے ہیں چنانچہ وہ میووں میں سے ویسے ہی بڑے بڑے چکوتروں کا جیسے کہ فرنگستان میں ہوتے ہیں اور ایک خاص قسم کی روئید گی کی جڑ کا جو عشبہ کی جڑ کی مانند ہوتی ہے اور آم کا اور اناناس کا جو ہندوستان کے دو عام میوے ہیں - اور آملہ اور نیبو اور ادرک کا مربّا بناتے ہیں -

مصر کی نسبت بنگالہ میں گیہوں کے کم پیدا ہونیکا ذکر

یہہ سچ ہے کہ بنگالے میں مصر کی برابر گیہوں پیدا نہیں ہوتا - لیکن یہہ یہاں کے باشندونکا قصور ہے جو مصر والوں کی نسبت چاولوں پر زیادہ گزران کرتے ہیں اور روٹی کبھی ہی کھاتے ہیں مگر پھر بھی مُلک کی ضرورت کے لحاظ سے گیہوں کچھ کم نہیں بویا جاتا - چنانچہ فرنگستانی اہل جہاز مثلاً ڈچ انگریز اور پرتگیز وغیرہ سستے داموں گیہوں خریدتے اور سمندر کے سفر کے واسطے بسکٹ بناتے ہیں -

ترکاری اناج اور کھانیکے جانوروں کے بنگالہ میں کثرت سے ہونیکا ذکر

اِس مُلک کے لوگونکی غذا زیادہ تر تین چار قسم کی ترکاری اور چاول اور گھی ہے جو بہت

اور اِس خیال کے اعتبار سے میری راے میں یہہ بات بھی کہہ سکتی ہیں کہ ہوا کی یہی دو بڑی اور بالعکس رفتاریں ہیں- اور اگر زمین پورے اور عام طور پر صاف اور برابر اور ایک ہی سی ہوتی تو مذکورہ بالا خیال کے موافق شمالی اور جنوبی ہواؤں کی رفتاریں بھی عموماً ایسے قاعدہ پر ہوا کرتیں-

جواب مسٹر دی نٹ صاحب کے چوتھے سوال کا-

ہر زمانے میں ملک مصر کو دنیا میں سب سے عمدہ اور زرخیز بیان کیا گیا ہے- بلکہ حال کے مؤرخ بھی یہی کہتے ہیں کہ کسی اَور ملک میں ایسی خصوصیت کے ساتھ قدرتی سامان موجود نہیں ہیں-

مصنف کا بنگالہ کو مصر پر ترجیح دینا-

لیکن بنگالے میں دو مرتبہ جانے سے جو واقفیت مجھکو اس ملک کی نسبت حاصل ہوئی ہے اُس سے مجھکو یقین ہے کہ جو فضیلت ملک مصر سے منسوب کی گئی ہے وہ زیادہ تر بنگالہ کا حق ہے

بنگالہ کے چاول اور اُسکے نکاس کا بیان-

بنگالے میں چاول اس کثرت سے پیدا ہوتا ہے کہ نہ صرف آس پاس کے بلکہ دور دور کے ملکوں کو جاتا ہے- چنانچہ گنگا کے راستہ پٹنہ کو اور سمندر کی راہ سے مچھلی پٹن وغیرہ بنادر ساحل کارومنڈل اور خصوصاً جزیرہ سراندیب اور جزائر مالدیپ کو بھیجا جاتا ہے-

بنگالہ کی کھانڈ اور اُسکے نکاس کا ذکر-

اسیطرح کھانڈ وغیرہ بھی کثرت سے ہوتی ہے جو گولکنڈا اور تمام کرناٹک کو جہاں یہہ بہت

فرنگستانیوں کو بھی پیش آجاتی ہے جو بہت دل چلے اور زیادہ تجربہ کار اور واقف ہیں اور جنکے جہازوں کی حالت اور سازوسامان بہت بڑھکر ہیں۔ دونوں وسطی موسموں میں سے وہ موسم جو جنوبی ہوا کے بعد آتا ہے۔ چونکہ اسمیں طوفان اور ناگہانی جھوکے اکثر آتے ہیں ایسا خطرناک ہے کہ اور کوئی موسم ایسا نہیں ہے۔ اور یہہ جنوبی ہوا اپنے عین موسم میں بھی شمالی ہوا کی نسبت زیادہ تُند اور غیر مساوی ہوتی ہے مجھے اس موقع پر یہہ بات بھی بیان کردینی چاہیئے کہ جنوبی ہوا کے موسم کے خاتمے اور برسات کے موسم میں گو سمندر میں کامل سکون کی حالت ہو مگر کناروں پر پچاس ساٹھ میل کے فاصلہ تک ہوا نہایت طوفانی ہوتی ہے۔ پس فرنگستانی اور غیر فرنگستانی جہازوں کی کپتانوں اور ناخدایوں کو اس امر کی بڑی احتیاط رکھنی چاہیئے کہ ہندوستان کے کسی بندر مثلاً سورت یا مچھلی پٹن پر ٹھیک برسات کے ختم ہوتے ہی نہ جانکلیں ورنہ اُن کے جہازوں کو زمین سے ٹکرائے جانے کے مخاطرہ میں پڑنا ہوگا۔ پس میں اپنے مختصر اور جزوی تجربہ کی رو سے کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان میں موسموں کی ترتیب اس طرح پر ہے۔

شمالی اور جنوبی ہواؤں کے پیدا ہونے کے اسباب کا بیان

کاش مجھکو ہر ایک نتیجے کے اصلی باعث کے معلوم کرلینے کی قُدرت ہوتی! مگر پروردگار عالم کے تمام بھیدوں کا دریافت کرلینا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں اپنی غور و فکر سے جو رائے میننے قائم

کبھی ایک آدہ روز اپنا رُخ بدلتی یا ٹھہر جاتی ہے - اور اسکے بعد کوئی
دو مہینے تک بقاعدہ ہوائیں چلتی ہیں جسکو ہم لوگ وسطی موسم اور فرنچ
لوگ غیر معیّن اور مختلف ہواؤں کا زمانہ کہتے ہیں - اور جب یہہ دو مہینے
ختم ہوجاتے ہیں تو سمندر پھر اپنا رُخ جنوب سے شمال کو کرلیتا ہے اور
جنوبی ہوا چلنی شروع ہوتی ہے - اور چار پانچ مہینے تک اِسی طرف
سے چلتی رہتی ہے اور سمندر کا بہاؤ بھی اِس تمام عرصہ میں بدستور شمال
ہی کو رہتا ہے - اور اسکے بعد پھر دو مہینے تک وہی وسطی موسم رہتا ہے
اور اِن وسطی موسموں میں جہازرانی کرنا نہایت مشکل اور خطرناک
ہوتا ہے - لیکن اُن دونوں معمولی موسموں میں بجز جنوبی ہوا کے
موسم کے اخیر حصّہ کی جہازرانی کرنا بہت آسان اور خوش آیند اور
بلااندیشہ ہوتا ہے پس آپکو اس بات سے متعجّب ہونا نہیں چاہیئے کہ
ہندوستانی جو بہت ڈرپوک اور فنّ جہازرانی سے محض ناآشنا ہیں جاہے
لبے اور مفید بحری سفر اختیار کرلیتے ہیں - مثلاً بنگالہ سے تناسرم
(دھناسری) آچین - ملاکا - سیام اور میڈی گاسکر - کویا
مچھلی پٹن - سراندیپ - جزائرمالدیپ - بندر مخا - اور بندر عباسی
کو اپنے جہاز لیجاتے ہیں - اور بڑی احتیاط کے ساتھ جانے اور
آنے کے موسم کی عمدگی کا لحاظ رکھتے ہیں - مگر اسپر بھی ایسا ہوتا ہے
کہ مناسب وقت سے زیادہ کہیں اُنکے رہنے کی حالت میں باد مخالف
سے مغلوب ہوکر تباہ ہوجاتے ہیں - البتہ یہہ صورت بعض وقت

ساحل مالابار کو سیراب کرتا ہے مغرب کیطرف باب المندب اور عرب
اور خلیج فارس کی سمت کو پھیلا ہوا ہے۔ مینے خوب غور کیا کہ اگرچہ بظاہر
دہلی میں بادل مشرق کیطرف سے آتے ہیں مگر انکی اصل انہیں سمندر
سے ہوگی جو جنوب کی طرف ہیں اور ایسی زمینوں یا پہاڑوں کے
حایل ہونے کی وجہ سے جنکی ہوا زیادہ سرد اور کثیف اور زیادہ مزاحم
ہے اپنا راستہ بدل لیتے ہیں اور ایسے ملک میں جا برستے ہیں جہاں کی ہوا زیادہ ہلکی اور
کم مزاحم ہو۔ میں ایک اور بات بیان کرنی بھول گیا جسکا مجھکو دہلی میں تجربہ
ہوا یعنی یہہ کہ کبھی اچھی بارش نہیں ہوتی تاوقتیکہ کئی دن تک بہت سے
بادل مغرب کیطرف نہ جالیں۔ گویا یہہ بات ضروری ہے کہ دہلی کے
پچھم میں ہوا کا طبقہ اوّل بادلوں سے بھر جاے۔ اور پھر ان بادلوں
کو کوئی چیز مثلاً کوئی ایسی ہوا جو کم گرم اور کم لطیف اور زیادہ بھاری
اور قابل مزاحمت ہو روکے یا اَور بادل اور مخالف ہوائیں مقابل
ہو کر انکو ایسا کثیف اور وزنی کردیں کہ پھوٹ کر برسنے لگیں جس طرح
پر کسی پہاڑ کی ہوا بادلوں کو جب پیچھے ہٹا دیتی ہے تو وہ برسنے
لگتے ہیں۔

جواب ٹھیوی نٹ صاحب کے تیسرے سوال کا

جب شروع اکتوبر میں عموماً بارش کا موسم ختم ہو جاتا ہے
تو سمندر جنوب کی طرف بہنا شروع ہوتا ہے اور
ٹھنڈی شمالی ہوا چلنے لگتی ہے جو چار پانچ مہینے تک برابر ایک ہی حالت
پر بلا طوفان وغیرہ ایک ہی طرف کو چلتی رہتی ہے۔ البتہ اس عرصہ میں

میں جذب کرکے پُر ہوجاتی ہے جو گرمی کی شدت سے پانی میں سے
اُٹھتے ہیں اور قرب وجوار کی ہوائیں جب اُسکو دھکیلتی اور حرکت میں
لاتی ہیں تو بادلوں کی صورت میں ہوکر اپنے تئیں طبعاً اُس زمین پر جہاں
کی ہوا اُسکی نسبت زیادہ گرم اور لطیف اور کم وزن اور کم مزاحم ہوتی ہی
اُن بخارات سے خالی کردیتی ہے اور اُسکا اپنے کو اِن بخارات
سے خالی کرنا اُسیقدر کم یا زیادہ قلت و کثرت سے ہوتا ہے جسقدر کہ گرمی
پہلے یا پیچھے شروع ہوتی اور کم یا زیادہ سختی سے پڑتی ہے - اِس تقریر
میں جو وجوہ بیاں کئے گئے ہیں اُن میں اس بات کا خیال کرنا بھی مناسب
ہے کہ ساحل مالابار کی نسبت ساحل کارومنڈل پر برسات پہلے شروع
ہونے کی یہی وجہ ہے کہ گرمی پہلے پڑنے لگتی ہے - اور اِسکے اَور
باعث ہوں گے جنکا تحقیق کرنا غالباً اُس مُلک کے دیکھنے کی حالت میں
شائد مشکل نہ ہوگا - اور آپ جانتے ہیں کہ زمین کے مختلف حصوں میں بلحاظ
سمندروں یا پہاڑوں کے اور بہ مناسبت اُنکی ریگستانی یا پہاڑی درختوں اور
جنگل سے پُر ہونیکے گرمی جلدی یا دیر سے شروع ہوتی اور کم و بیش سختی
سے پڑتی ہے - اور یہہ بات بھی کچھ تعجب کی نہیں ہے کہ بارش مختلف
اطراف سے آتی ہے - مثلاً ساحل کارومنڈل پر جنوب کی طرف سے
اور ساحل مالابار پر مغرب کی جانب سے کیونکہ یہہ بات ظاہر ہے کہ
جو سمندر پاس ہوگا اُسی سے مینہ آئیگا - چنانچہ ساحل کارومنڈل کے
پاس جو سمندر ہے وہ اِس سے جنوب کی طرف ہے - اور وہ سمندر جو

اور تھوڑی دیر کے لئے بھی بارش بند نہیں ہوتی - مگر دہلی اور آگرہ
میں نہ تو اسقدر بارش ہی ہوتی ہے اور نہ اُسقدر مدت تک رہتی ہے
اور اکثر یہہ حال ہوتا ہے کہ دو تین روز یوہیں خالی گزر جاتے ہیں یا
یہہ کہ صبح کو دن نکلنے کے بعد کوئی نو دس بجے تک اکثر خفیف سی بارش
ہوا کرتی ہے اور بعض اوقات تو بالکل ہی نہیں ہوتی - میں خصوصاً
اس بات کو دیکھکر بہت متعجّب ہوا کہ مختلف ممالک میں مختلف اطراف
سے مینہہ آتا ہے - مثلاً دہلی اور اُسکے نواح میں مشرق یعنی بنگالہ
کی طرف سے بارش آتی ہے - اور بنگالہ اور ساحل کارومنڈل پر
جنوب کی جانب سے اور ساحل مالابار پر قریباً ہمیشہ مغرب کیطرف
سے - مینے ایک اَور بات بھی دیکھی جسکی نسبت تمام ہندوستان میں بلا
اختلاف ایک ہی راے ہے یعنی یہہ کہ جسقدر گرمی کی تپش پہلے
یا پیچھے شروع ہوتی ہے اور کم یا زیادہ سختی سے گرمی پڑتی ہے
اور تھوڑے دنوں یا دیر تک قائم رہتی ہے اُسیقدر برسات بھی پہلے
یا پیچھے شروع ہوتی اور اُسی نسبت سے کم یا زیادہ اور تھوڑے یا بہت
عرصہ تک جاری رہتی ہے اور بلحاظ اِن امور کے مجھے یقین ہے
کہ زمین کی گرمی اور اُسکے سبب سے ہوا میں جو خفّت آجاتی ہے
وہی ہندوستان میں بارش کا سبب ہے - اور یہی دونوں چیزیں
بارش کو اِس مُلک میں کھینچ کر لاتی ہیں - یعنی آس پاس کی سمندروں
کی ہوا چونکہ سرد اور بھاری اور کثیف ہوتی ہے اُن بخارات کو اپنے

اپنے فضل و کرم سے اُسکی اصلاح کیواسطے یہہ معقول انتظام کردیا ہے
کہ جولائی میں جب گرمی نہایت ہی شدّت سے پڑتی ہے تو مینہ برسنا
شروع ہوجاتا ہے اور متواتر تین مہینے تک برستا رہتا ہے اور اسطرح پر
ہوامیں اسقدر اعتدال آجاتا ہے کہ برداشت کے لائق ہوجاتی ہے اور
زمین بھی ناقابل زراعت نہیں رہتی مگر یہہ بارشیں ایسی باقاعدہ نہیں
ہوتیں کہ ضرور اُسی دن یا اُسی ہفتہ میں ہوں چنانچہ مختلف مقامات خصوصاً
دلّی میں جہاں مَیں دیر تک رہا ہوں مینے دیکھا ہے کہ ایک سال کی
بارش دوسرے سال سے کبھی مطابق اور یکساں حالت پر نہیں ہوتی۔
چنانچہ بعض اوقات بارشیں دو دو تین تین ہفتے آگے پیچھے شروع
اور ختم ہوتی ہیں اور کسی سال میں پہلے سال کی نسبت زیادہ ہوتی ہیں
مینے ایک مرتبہ یہہ بھی دیکھا ہے کہ دو برس کامل ایسا امساک رہا کہ ایک
بوند بھی نہیں پڑی اور اس غیر معمولی خشک سالی کا نتیجہ یہہ ہوا کہ جدھر دیکھئے
بیماری اور قحط کی مصیبت نظر آرہی تھی۔ اِس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے
کہ اس مُلک کے مختلف حصّوں میں برسات اُسیقدر آگے پیچھے اور
کمی یا زیادتی سے ہوتی ہے جسقدر کہ وہ ایک دوسرے سے قریب
یا بعید ہیں۔ مثلاً بنگالہ میں اور ساحل کارومنڈل سے لیکر جزیرہ سراندیپ
تک ساحل مالابار کی نسبت برسات ایک مہینا پہلے شروع اور ختم ہوجاتی
ہے اور بنگالہ میں چار مہینے تک شدت سے بارش رہتی ہے اور اس
عرصہ میں کبھی کبھی بڑے زور سے آٹھ آٹھ روز کی جھڑی لگی رہتی ہے

انکار کرنا نہیں چاہتا کہ یہودی لوگ کشمیر میں آکر بسے ہوں میں خیال کرتا ہوں
کہ پہلے تو اُن کے مذہبی مسائل زمانہ پاکر بگڑ گئے ہوں گے اور آخر کار رفتہ رفتہ
تنزل کرتے کرتے بُت پرست بن گئے ہونگے اور بعد ازاں مثل اور بہت سے
بُت پرستوں کے مذہب اسلام اختیار کرنے کی طرف مائل ہو گئے ہونگے!

اور یہہ بات تو تحقیق ہے کہ بہت سے یہودی ایران میں بمقامات لار
اور اصفہان آباد ہیں اور ہندوستان میں بھی جزیرہ گوآ اور کوچین* کے
بعض مقامات میں بستے ہیں اور میں سُنتا ہوں کہ اتھوپیا† میں تو یہودی
بہت ہی زیادہ آباد ہیں جو اپنی شجاعت اور جنگی لیاقتوں کی وجہ سے
مشہور ہیں اور اگر میں اُن دو سفیروں کی بات کا یقین کروں جو حال
ہی میں شاہ اتھوپیا کیطرف سے اورنگ زیب کے دربار میں آئے
ہوئے تھے تو پندرہ سولہ برس ہوئے وہاں ایک یہودی الیاز بردست
ہو گیا تھا کہ اُسنے ایک دشوار گزار چھوٹے سے کوہستانی ضلع میں خود
مختار ریاست قایم کر لینے کی کوشش کی تھی۔

جواب تھیونٹ صاحب کے دوسرے سوال کا

ہندوستان میں سال بھر خصوصاً آٹھ مہینے تک
گرمی اس سختی اور شدت سے پڑتی ہے کہ زمین جلکر
بالکل ناقابل زراعت اور غیر آباد ہو جاتی ہے۔ مگر خداوند تعالیٰ نے

* مدراس پریزیڈنسی کے متعلق ساحل مالابار پر سمندر کے کنارے ایک ہندوستانی ریاست ہے مگر بندرگاہ کوچین خاص گورنمنٹ انگریزی کی حکومت میں ضلع مالابار میں ہے۔ س۔م۔ح۔

† ملک نُوبیا یا نُوبہ کا جو افریقہ کا ایک حصہ ہے قدیم نام ہے۔ س۔م۔ح

(ETHIOPIA (اِتھ یٰ اُو پِ یٰ آ) (NUBIA (نُ وب یٰ آ)

ہی تصور نفرمائی گا - اِن دیہاتیوں کے یہودی نما ہونے کی نسبت ہمارے پادری صاحب اور اَور بہت سے فرنگستانیوں نے بھی میرے کشمیر جانے سے بہت عرصہ پہلے ایسا ہی لکھا ہے*
! دوسری علامت یہہ ہے کہ اِس شہر کے باشندے باوجودیکہ تمام مسلمان ہیں مگر پھر بھی اُن میں سے اکثر کا نام موسیٰ ہے -
تیسرے یہاں یہہ عام روایت ہے کہ حضرت سلیمان اِسملک میں آے تھے اور بارہ مولا کے پہاڑ کو کاٹ کر اُنھوں ہی نے پانی کا راستہ کھول دیا تھا -
چوتھے یہاں لوگوں کو یہہ بھی گمان ہے کہ حضرت موسیٰ نے شہر کشمیر ہی میں وفات پائی تھی اور اُن کا مزار شہر سے قریب تین میل کے ہے
پانچویں یہہ بات دیکھی جاتی ہے کہ یہاں عموماً سب لوگوں کا یہہ عقیدہ ہے کہ ایک اونچے پہاڑ پر جو ایک مختصر اور نہایت ہی پرانا مکان نظر آتا ہے اُسکو حضرت سلیمان نے تعمیر کرایا تھا اور اسی سبب سے اُسکو آجتک تخت سلیمان کہتے ہیں - ‡
شفق من! وجوہ مذکورہ کے باعث سے آپ دیکھو گے کہ میں اس بات سے

---

* کرنل جارج فاشر صاحب نے اپنی ایک چٹھی میں جو کشمیر سے ۱۷۸۳ء میں لکھی تھی! لکھا ہے کہ "جب پہلے پہل مینے کشمیریوں کو کشمیر میں دیکھا تو اُن کے لباس اور چہرے کی ساخت سے جو لمبا اور سنجیدہ طور کا ہے اور اُن کی داڑھی کی وضع سے یہہ خیال کیا کہ گویا میں یہودیوں کے مُلک میں آگیا ہوں" مترجم انگریزی

‡ تعجب ہے کہ ایسی بے سروپا باتوں کو مصنف نے اپنی رائے کی بنیاد قرار دیا ہے اور شاید اُسکو معلوم نہ ہوگا کہ مسلمان اکثر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور اَور پیغمبروں کے نام پر قدیم سے اپنے نام رکھتے چلے آتے ہیں - س - م - ح

انکار کرنا نہیں چاہتا کہ یہودی لوگ کشمیر میں آکر بسے ہوں میں خیال کرتا ہوں کہ پہلے تو اُن کے مذہبی مسائل زمانہ پاکر بگڑ گئے ہوں گے اور آخر کار رفتہ رفتہ تنزل کرتے کرتے بت پرست بن گئے ہونگے اور بعد ازاں مثل اور بہت سے بُت پرستوں کے مذہب اسلام اختیار کرنے کی طرف مائل ہو گئے ہونگے!

اور یہ بات تو تحقیق ہے کہ بہت سے یہودی ایران میں بمقامات لار اور اصفہان آباد ہیں اور ہندوستان میں بھی جزیرہ گوآ اور کوچین* کے بعض مقامات میں بستے ہیں اور میں سنتا ہوں کہ اتھوپیا[1] میں تو یہودی بہت ہی زیادہ آباد ہیں جو اپنی شجاعت اور جنگی لیاقتوں کی وجہ سے مشہور ہیں اور اگر میں اُن دو سفیروں کی بات کا یقین کروں جو حال ہی میں شاہ اتھوپیا کیطرف سے اورنگ زیب کے دربار میں آئے ہوئے تھے تو پندرہ سولہ[۱۲] برس ہوئے وہاں ایک یہودی ایسا زبردست ہو گیا تھا کہ اُسنے ایک دشوار گزار چھوٹے سے کوہستانی ضلع میں خود مختار ریاست قایم کر لینے کی کوشش کی تھی۔

جواب تھیونٹ صاحب کے دوسرے سوال کا

ہندوستان میں سال بھر خصوصاً آٹھ مہینے تک گرمی اس سختی اور شدت سے پڑتی ہے کہ زمین جلکر ناقابل زراعت اور غیر آباد ہو جاتی ہے۔ مگر خداوند تعالیٰ نے

* مدراس پریزیڈنسی کے متعلق ساحل مالابار پر سمندر کے کنارے ایک ہندوستانی ریاست ہے مگر بندرگاہ کوچین خاص گورنمنٹ انگریزی کی حکومت میں ضلع مالابار میں ہے - س-م-ح-

[1] ملک نُوبیا یا نُوبہ کا جو افریقہ کا ایک حصہ ہے قدیم نام ہے۔ س-م-ح

(ETHIOPIA (اِتھِی اُو پِی آ) (NUBIA (نُو بِی آ)

پانچواں سوال دریائے نیل کی طغیانی کی بابت

پانچواں یہہ کہ دریاے نیل کی طغیانی اور چڑھاؤ کے اسباب کی نسبت زمانہ قدیم سے جو رد و قدح چلی آتی ہے میں اُسکی نسبت ایک قطعی راے پیش کروں۔

جواب تھے وی نٹ صاحب کے پہلے سوال کا۔

اگر میں یہودیوں کو اس پہاڑی مُلک میں دیکھ پاتا تو مجھکو ویسی ہی خوشی ہوتی جیسی کہ تھیوی نٹ صاحب کو! میری مُراد اُن یہودیوں سے ہے جنکے پائے جانیکی صاحب موصوف خواہش رکھتے ہیں یعنی وہ یہودی جو اُن قبائل کی اولاد سی ہوں جنکو شال مینے سرٌ* نے جلاوطن کیا تھا لیکن صاحب موصوف کو آپ یقین دلائیے کہ گو بظن غالب بعض وجوہ سے پایا جاتا ہے کہ اُن میں سے

* توریت میں اس شخص کا نام سلمانسار[1] آیا ہے۔ مگر انگریز مورّخ "شال مینے سرٌ" یا "شال مینے زر" لکھتے ہیں۔ یہہ ملک شام کا بادشاہ تھا اور مشہور شہر بابل اس کا پایۂ تخت تھا! اسنے سات سو اُنیس برس قبل از سنہ عیسوی ملک یہودا کے بادشاہ ہوشاع[2] پر جو بنی اسرائیل میں سے تھا مگر بت پرست ہوگیا تھا چڑھائی کی اور اُسکو اپنا باج گزار بنالیا۔ لیکن پھر یہہ سُنکر کہ وہ فرعون مصر کے ساتھ سازش رکھتا ہے دوبارہ اُسکے شہر شومرون[3] کو جا گھیرا اور تین برس کے محاصرہ کے بعد اُسکو فتح کرلیا اور ہوشاع اور اُسکی تمام قوم کے لوگوں کو قید کرکے بابل میں لے آیا اور اُن کی جگہہ بابل کے لوگ آباد کئے۔ اور تیرہ برس سلطنت کرکے آخر وہ بھی اِس دنیا سے چل بسا۔ (ماخوذ از ناسخ التواریخ و انسائکلوپیڈیا برٹانیکا) س۔م۔ح
(شَ اُلْ مِ نے اِن شے سَ رٌ) (SHALMANESER)

---

[1] (سَ لْ مَ ا نَ غ سَ ا رٌ) سلمانسار
[2] (ہُ وْ شَ اِ غ) ہوشاع
[3] (شَ وْ مْ رُ وْ نْ) شومرون

فرصت بھی ہے اسلئے میں مسٹر تھیوی نٹ صاحب کے پانچ سوالوں کا جواب لکھنا چاہتا ہوں کیونکہ صاحب موصوف نہایت ہی محقق اور جانکاہی کرنے والے شخص ہیں اور بہ نسبت اُن لوگوں کے جو ملکوں ملکوں سیر کرتے پھرتے ہیں کتابوں کے مطالعہ ہی سے بڑے بڑے نئے انکشافات اور اہم معلومات حاصل کر لیتے ہیں۔

پہلا سوال یہودیوں کے کشمیر میں ہونے کی بابت

اُنکا پہلا سوال یہہ ہے کہ آیا یہہ سچ ہے کہ یہودی ایک بہت لمبے عرصہ سے کشمیر میں بودوباش رکھتے ہیں اور آیا اُنکے پاس کتاب مقدّس موجود ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو اُنکی اور ہماری کتاب عہد عتیق میں کچھ اختلاف ہے یا نہیں

دوسرا سوال ہندوستان کے موسم برسات کی بابت۔

دوسرا یہہ کہ جو جو تجربے ہندوستاں کے موسم برسات کی نسبت مجھے حاصل ہوے ہیں! میں اُنکی خدمت میں لکھ بھیجوں۔

تیسرا سوال مشرقی سمندروں کی موسمی ہوا اور پانی کے بہاؤ کی بابت میں

تیسرا یہہ کہ مشرقی سمندروں میں جو ایک خاص طور کے انضباط اور نظام معینہ کے موافق ہواؤں کا اھتزاز اور پانی کی دھاروں کا بہاؤ رہتا ہے اُنکی نسبت میں اپنی راے اور خیالات ظاہر کروں۔

چوتھا سوال ملک بنگالہ کی زرخیزی اور دولتمندی اور خوش نمائی کے باب میں

چوتھا یہہ کہ کیا ملک بنگالہ واقع میں ایسا ہی زرخیز اور دولتمند اور خوشنما ہے جیساکہ عموماً خیال کیا جاتا ہے۔

جو ایک ایسے قصبہ میں ہو کر گزرتا ہے جو ختن سے کُل ملک کاشغر کی سرحد پر سب سے اخیر شہر ہے آٹھ منزل ہے - انہوں نے کہا کہ کشمیر سے کاشغر تک راستہ نہایت ہی خراب ہے اور منجملہ اَور مشکلات کے ایک جگہہ ایسی بھی آتی ہے کہ جہاں ہر موسم میں مسافر کو آدھے میل تک برابر برف ہی برف پر جانا پڑتا ہے -

ان اطلاعوں کے ناکمل ہونیکی بابت مصنف کا عذر

مشفق من - یہہ کل واقعات ہیں جنکو میں ایسے لوگوں سے حاصل کر سکا ہوں جنکی نادانی اور جہل رحم کے قابل ہے پس جو حالات اور کیفیات ایسے لوگوں سے حاصل ہوں بلاشک قلیل اور بے ترتیب ہی ہونگے جیسے کہ یہہ ہیں ! علاوہ بریں مجھے ایسے مترجموں سے بھی کام لینا پڑتا تھا جنکو خود میرے سوالات کے سمجھنے اور پھر بیان کرنے اور اُن کا جواب شافی دینے میں دقتیں اور مشکلیں واقع ہوتی تھیں -
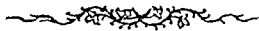
مسٹر تھیوی نٹ† صاحب کے پانچ سوال اور اُنکے جواب

اس موقع پر میرا ارادہ تھا کہ اپنے اِس خط کو جسے ایک کتاب کہنا چاہیئے ختم کردوں اور دہلی واپس پہنچنے تک آپسے بالکل رخصت ہولوں لیکن میرا شوقِ تحریر ابھی خاموشی کی اجازت نہیں دیتا اور کچھ

† THEVENOT

گورجی سے چلکر ہم آٹھ روز میں اِسکردُو میں پہنچتے ہیں جو چھوٹی تبت کا دار الریاست ہے۔ اور وہاں سے دو دن میں قصبہ جیکر* میں آتے ہیں جو چھوٹی تبت ہی کے علاقہ میں اُس ندی کے کنارے آباد ہے جسکا پانی بمنزلہ دوا کے مشہور ہے۔ اور یہاں سے پندرہ روز کے عرصہ میں ایک بڑے بَن میں جو چھوٹی تبت کی سرحد پر ہے پہنچتے ہیں۔ اور پھر پندرہ روز میں کاشغر پہنچ جاتے ہیں جو ایک چھوٹا سا شہر ہے اور جو اگلے زمانہ میں حاکم نشین مقام تھا گو بالفعل کاشغر کا رئیس جورسندھ میں رہتا ہے جو ذرا زیادہ شمال کیطرف کاشغر سے دس منزل کے فاصلہ پر ہے

کاشغر سے چین کو کاروانوں کے آنے جانے اور وہاں کے راستوں کا بیان۔

اِن سوداگروں نے یہہ بھی بیان کیا کہ شہر کاشغر سے چین تک دو مہینے سے زیادہ کا سفر نہیں ہے اور کاشغر سے ہر سال کاروان چین کو جاتے ہیں اور وہاں سے وہ جنسیں لیکر جنکا ذکر اوپر ہو چکا ہے مُلک اُذبک کے راستہ سے ایران کو چلے جاتے ہیں اور بعض کاروان ایسے بھی ہوتے ہیں جو چین ہوکر ہند میں آنے کے لئے پٹنہ کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اِن تاجروں نے مجھسے یہہ بھی کہا کہ کاشغر سے چین کو ایک اَور راستہ بھی ہے

---

* یہہ مقام مع اپنے متعلقہ علاقہ کے بالفعل مہاراجہ صاحب والی جموں و کشمیر کی عملداری میں ہے اور گورجی اور جیکر غیر معروف مقام ہیں مگر جیکر کا صحیح نام ایک تبت کے رہنے والے نے ہمکو شگر بتایا تھا اور فی التحقیق ایک مستند انگریزی نقشہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہوا ہے مگر گورجی کی صحت کچھ معلوم نہیں ہوسکی علی ہذا القیاس جورسندہ وغیرہ ناموں کا بھی پتہ نہیں لگ سکا ۱۱ س م ج

(اِسکردُو — اِس کَ رْ دُو) (جیکر — جِ نے کَ رْ) (شگر — شِ گَ رْ) (جُ وْ رْ)

وہاں کے راجہ نے نہ صرف کاروانوں کا آنا جانا بند کر دیا ہے بلکہ یہانتک
ممانعت کر دی ہے کہ کوئی کشمیر کا رہنے والا ابھی ہماری قلمرو میں قدم
نہ رکھنے پاے - یہی وجہ ہے کہ اب ہندوستان کے کاروان شہر
پٹنہ سے جو گنگا کے کنارے بنا ہے چل کر سیدھے ملک لاسا میں
جا پہنچتے ہیں اور بڑی تبت کو بائیں ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں

ملک کاشغر کا بیان

اس ملک کی نسبت جو یہاں (یعنی ہندوستان میں)
بنام کاشغر مشہور ہے اور بظن غالب وہ وہی ہے جسکو ہمارے جغرافیہ
کے نقشوں میں کاسکر لکھتے ہیں میں وہ سب حالات بیان کرونگا جو مجھکو
اس ملک کے رہنے والے سوداگروں سے معلوم ہوئے ہیں - یہہ
لوگ یہہ سنکر کہ اورنگ زیب کشمیر کی سیر کو آیا چاہتا ہے بہت سے
کم عمر غلام اور لونڈیاں بیچنے کو لائے ہیں انکا بیان ہے کہ کاشغر تھوڑا
سا شمال کو جھکتا ہوا کشمیر کے شرق میں ہے اور ان دونوں ملکوں میں
سیدھا اور نزدیک کا راستہ بڑی تبت میں کو ہے مگر اس سبب سے
کہ وہ اب بند ہے ہم ضرورتاً چھوٹی تبت ہو کر آئے ہیں - پہلا شہر جو
ہکو مراجعت کیوقت راستہ میں آتا ہے اسکا نام گورجی ہے جو توابع کشمیر
میں سے عین سرحد پر واقع ہے اور کشمیر سے چار دن کا راستہ ہے

رہتا ہوتا ہے اس کنارے پر اس کنارے تک بندھا ہوا جسمیں لوہے کے قلابے کے ساتھ
جھینکا لٹکا دیتے ہیں اور اسمیں مسافر کو بٹھاتے ہیں - اس جھینکے میں دو رسیاں بندھی ہوتی
ہیں ایک رسی کا سرا اس کناری والے کے ہاتھ میں اور دوسری رسی کا سرا دوسرے کنارے
کے ہاتھ میں ہوتا ہے - اس طرف کو مسافر کو اس کناری والا اور اس طرف کو مسافر کو اس کنارے
سے کھینچ لیتا ہے - س - م - ح

قادر نہ پایا۔

کشمیر سے تبّت ہو کر چین کے رستوں اور اشیاء تجارت وغیرہ کا بیان

بیس ۲۰ برس سے پہلے کشمیر سے چین کو ہر سال کاروان جایا کرتے تھے اور اُن کا راستہ بڑی تبّت کے کوہستان اور مُلک تاتار میں سے تھا اور تقریباً تین مہینے کے عرصہ میں چین میں پہنچ جاتے تھے۔ یہہ راستہ بہت دشوار گزار ہے اور ایسے تیز رو دریا اُترنے پڑتے ہیں کہ جن پر سے گزرنا صرف ایسے لمبے لمبے رسّوں کے ذریعہ سے ممکن ہے جو دریا کے وار پار بڑے بڑے پتھروں سے بندھے رہتے ہیں※ یہہ قافلے چین سے مشک۔ چوب چینی۔ ریوند۔ اور ماہیران۔ جو امراض چشم کے معالجہ کے باب میں ایک چھوٹی سی نہایت مشہور جڑ ہے لاتے تھے۔ جب یہہ لوگ واپسی کے وقت بڑی تبّت میں ہو کر گزرتے تھے تو اس مُلک کے تحائف بھی مثل مشک۔ بلور۔ سنگ یشب۔ اور خاص کر بھیڑوں اور جنگلی بکریوں کی پشم کے (جسکو اس اطراف میں توز کہتے ہیں اور جو حسب بیان سابق ملائمت میں ہیور کے مشابہ ہے) بھر لاتے تھے۔ مگر جب سے شاہجہاں نے بڑی تبّت پر حملہ کیا ہے

※ جہاں دریا پہاڑوں کے اندر بہت زور سے بہتے ہیں اور پتھروں کے سبب سے کشتی کو خوف ہوتا ہے وہاں لوگ جھولے یا چھینکے کے ذریعہ سے پار اُترتے ہیں۔ جھولا اسکو کہتے ہیں کہ دریا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کئی مضبوط رسّے برابر برابر باندھ کر تختوں سے پاٹ دیتے ہیں جنکی چوڑان اکثر ہاتھ دو ہاتھ سے زیادہ نہیں ہوتی اور سہارے کیواسطے دونوں جانب برابر رسّیاں باندھ دیتے ہیں۔ لیکن چھینکا اس سے بھی بدتر ہے وہ صرف ایک

طور پر اس قسم کا بیان کر رہا ہے لیکن پھر معلوم ہوگیا کہ نہیں فی الواقع اُسکو اِس روایت کی صحت پر پکّا اعتقاد ہے۔

ایک روز میں اُس ایلچی کے مکان پر اس طبیب کی ملاقات کو گیا اور ایک کشمیری سوداگر کو ترجمانی کے لیئے اپنے ساتھ لیگیا۔ یہہ تو میرا صرف بہانہ ہی تھا کہ مجھے کچھ پشمینہ جو اُسکے پاس تھا خریدنا ہے بلکہ اصل مطلب یہہ تھا کہ اُس سے اُن ممالک کے حالات دریافت کروں جنکی کیفیت مجھے کمّل طور پر معلوم نہیں ہے مگر کوئی نئی بات دریافت نہ ہوئی اکثر وہ یہی کہتا رہا کہ بڑی تبّت ہمارے مُلک کے ساتھ ہمسری نہیں کرسکتی ہمارے ہاں سال بھر میں پانچ مہینے سے زیادہ عرصہ تک برف پڑتی۔ اور اکثر تاتاریوں سے ہماری ہمیشہ لڑائی رہتی ہے۔ مگر وہ یہہ نہیں بتا سکا کہ تاتاریوں سے اُسکی مراد کونسے تاتاری تھے۔ آخرکار مجھے معلوم ہوگیا کہ جو وقت اُسکی ملاقات میں صرف ہوا ناحق ضایع ہوا کیونکہ مینے اُسکو اپنے اکثر سوالات میں سے کسی ایک کے جواب دینے پر بھی

بقیہ نمبر ۱۔ صرف ڈیڑھ برس کی تھی لیکن صاحب موصوف کی ملاقات کے وقت وہ بڑی شان و شوکت اور تحمل و استقلال کے ساتھ مسند پر بیٹھا رہا اور برابر اُنکی طرف متوجہ رہا۔ صاحب موصوف جب کوئی بات کہتے تو جواب میں اِس انداز سے گردن ہلاتا کہ جیسے کوئی امیر کسی بات کو سمجھکر اشارہ کرے۔ جب صاحب موصوف کا چاے کا پیالہ خالی ہوتا تو لاما اک بھوں چڑھا سر کو ہلاکر چینیا اور اپنے نوکروں کو اَور چاے دینے کا اشارہ کرتا بلکہ ایک دفعہ تو ایک سونے کی طشتری میں سے کچھ مٹھائی اُٹھاکر اپنے ہاتھ سے اُن کو دی۔ لاما جب قالب تبدیل کرتا ہے تو اُس کے مردہ جسم کو سُکھاکر اور چاندی سے منڈھ کر مندر میں پرستش کے لئے رکھ دیتے ہیں۔

(ماخوذ از جام جہاں نما) س م ح

ابجد لکھوائی۔ مگر اُسنے بڑی مشکل سے اور ایسی بدخطی سے لکھی کہ جسکے باعث ہمنے اُسکو بے علم اور جاہل جان لیا۔

مسئلہ تناسخ پر اس شخص کو سخت اعتقاد تھا جسکی نسبت اُسنے عجیب و غریب حکایتیں سُنائیں جنمیں سے اُسنے یہہ بھی ذکر کیا کہ ایک بار جب بڑا لاما بہت بُڈھا ہوگیا اور اُسکی موت کا وقت آن پہنچا تو اُسنے مجلس جمع کی اور ارشاد کیا کہ میری روح ایک نوزاد بچّے کے قالب میں حلول کر گئی چنانچہ اُس بچّے کو جسکی نسبت اُسنے یہہ خبر دی تھی بڑی غور اور پرداخت سے پالا گیا اور جب وہ چھ سات برس کا ہوگیا تو بہت سا مختلف قسم کا اسباب خانہ داری اور پوشاکیں وغیرہ امتحاناً اُسکے روبرو رکھی گئیں اور اُسنے ازراہ فراست اپنے اور بیگانے اسباب میں فوراً امتیاز کر دیا۔ یہہ حکایت اُس طبیب کے لئے مسئلہ تناسخ اور نقل ارواح پر اعتقاد کرنیکو ایک نہایت قاطع دلیل تھی۔ پہلے تو ہمکو یہہ گمان ہوا کہ یہہ شخص ہنسی کے

بقیہ نمبرا کشمیر۔ کمایوں۔ سری نگر۔ بہار اور بنگالہ اور مشرق میں مُلک ارزنگ اور خطا اور شمال رو تبت خورد اور کاشغر اور تمام مغولستان اور جنوب رو دشت قبچاق ہے اور یہاں کے راجہ کی فوج بارہ ہزار سوار اور بہت سے پیادے ہیں اور سپاہ میں اکثر فرقہ قلماق قوم کے لوگ ہوتے ہیں۔ س م ح

بقیہ نمبر۲۔ اور جب کبرسن کے باعث اُسکا جسم بوسیدہ ہوجاتا ہے تب نئے قالب میں چلا جاتا ہے۔ لیکن یورپین سیّاح اسکی نسبت یہہ خیال کرتے ہیں کہ جب لاما مرجاتا ہے تو اُسکے کارپرداز مخفی طور سے کسی قرنٹ کے پیدا ہوئے لڑکے کو لاکر لاما کی مسند پر بٹھا دیتے ہیں۔ اور اُسکو ایسے طور پر پالتے پوستے اور سکھاتے پڑھاتے ہیں کہ وہ تمام باتیں پہلے لاماؤں کے وقت کی بتانے لگتا ہے اور اُسکے ناواقف اور جاہل پیرو اسکو لاما کے کشف و کرامات کا کرشمہ سمجھکر یقین کر لیتے ہیں۔ کپتان ٹرنر صاحب جو ۱۷۸۳ء میں سرکار آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کیطرف سے تبت کے راجہ کے پاس جو لاما کا نائب ہوتا ہے بطور سفارت لاسا کو گئے تھے لکھتے ہیں کہ اُسوقت جو لاما تھا اگرچہ اُسکی عمر

سفیر تبت کے ایک ہمراہی طبیب سے مصنف کی ملاقات اور لاما گرو اور سلسلہ تناسخ کا ذکر

اِس ایلچی کے ہمراہیوں میں ایک طبیب تھا جسکو کہتے تھے کہ لاسا کا رہنے والا ہے اور فرقہ لاما میں سے ہے۔ لاما[۲]- لاسا میں ہندوستان کے برہمنوں کی طرح مذہبی اُمور میں مقتدا اور رہنما سمجھے جاتے ہیں مگر برہمنوں کے طریقے کے برخلاف اِن میں ایک گروہ بھی ہوتا ہے جسکی تعظیم و تکریم صرف مُلک لاساہی میں نہیں بلکہ کُل تاتار میں ہوتی ہے اور اُسکا ایسا اعزاز و احترام کرتے ہیں جیسے کسی بڑے دیوتا کا- اِس طبیب کے پاس نسخوں کی ایک کتاب تھی اور مینے ہرچند چاہا کہ وہ اُسکو بیچڈالے مگر اُسنے نہ دی- اُس کتاب کا خط دور سے کچھ ہمارے خط کے مشابہ دکھلائی دیتا تھا- ہم نے اُس سے اُس خط کی

بقیہ نمبر ۱ کو اپنے سر پر رکھا اور فرستادگان شاہی کی بہت خاطر و مدارات کی اور اُس سے دوسرے روز جو جمعہ کا دن تھا ایک بڑے مجمع عام میں بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور جب محی الدین محمد اورنگ زیب کا نام خطبہ میں لیا گیا تو خطیب کے سر پر بہت سا سونا چاندی لٹایا گیا اور خطبہ کے بعد مسجد کی نیو رکھی گئی اور بہت سے سونے چاندی پر بادشاہ کا سکہ لگایا گیا اور اسکے بعد ایک عریضہ جس میں بہت سے عجز و نیاز اور وفاے عہد کے وعدے تھے مع ایک طلائی کنجی کے جو بطور علامت سپردگی اپنی ولایت کے تھی اور ایک ہزار اشرفی اور دو ہزار روپیہ جسپر بادشاہ کا سکہ لگایا تھا مع اُور اپنے ملک کے تحائف کے حوالہ کر کے محمد شفیع کو رخصت کیا اور لکھا ہے کہ اس کارروائی کے باُمراد سرانجام پانے میں چھوٹی تبت کے راجہ مراد خاں نے بہت کچھ کوشش کی تھی اور پہلی ہی دفعہ تھی کہ بڑی تبت والوں نے کسی مسلمان بادشاہ کی اطاعت اختیار کی تھی- اِسی کتاب میں اُس ملک کی حدود کا حال اس طرح پر درج ہے کہ اسکا طول چھ مہینے کے راستہ سے زیادہ اور عرض بعض مقامات میں دو مہینے کا اور بعض جگہ ایک مہینے کا راستہ ہے- اسکے مغرب میں

نمبر ۲ بودھ مذہب والے اپنے گرو اور پیشواے مذہب کو لاما کہتے ہیں اور سب سے بڑا لاما شہر لاسا دار الحکومت ملک تبت میں رہتا ہے اور تبت اور چین کے وہ لوگ جو بودھ مذہب رکھتے ہیں تمام سکے بڑے لاما کو مجسم بودھ جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ حیات ابدی رکھتا ہے

کہ ہمارے فرانس کے ملاح پہنتے ہیں اور اُن کے باقی لباس کی شان وشوکت بھی اِن ٹوپیوں ہی سے خیال فرمایئے اور مجھے یاد ہے کہ اِن میں سے صرف چار پانچ بزرگ وار تو البتہ تلوار باندھے ہوئے تھے باقی کے پاس لاٹھی تک نہ تھی اور بالکل خالی ہاتھ ایلچی جی کے پیچھے پیچھے چلا کرتے تھے۔

سفیر تبت کا اپنے آقا کی طرف سے ادائے خراج اور تعمیر مسجد وغیرہ کے عہد و پیمان کرنا۔

الغرض اس شخص نے اپنے آقا کی طرف سے اورنگ زیب کے ساتھ عہد و پیمان کیا کہ دار الریاست تبت میں ایک مسجد تعمیر کرائی جائیگی جہاں اہل اسلام کے طور پر نماز ہوا کریگی اور سکہ کے ایک طرف اورنگ زیب کا نام منقوش ہوگا۔ اور ایک رقم سالانہ خراج کی بھیجی جایا کریگی - مگر اس میں کسی شخص کو بھی شبہ نہیں ہے کہ اورنگ زیب کے کشمیر سے مراجعت کرتے ہی اس عہد و پیمان پر کچھ بھی عمل نکیا جائیگا اور رئیس تبت شرایط عہد و پیمان کو اُس سے زیادہ بجا نہ لائیگا جیسے کہ اُس عہد کے شرایط کو بجا لایا تھا جو شاہجہاں اور اِس رئیس کے باہم ہوئے تھے۔ [1]

[1] عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ اورنگ زیب نے کشمیر سے واپس آکر سیف خاں صوبہ دار کشمیر کے پاس دلدن نمجل بڑی تبت کے "زمیندار" یعنی راجا کے نام کا ایک فرمان اس مضمون کا لکھکر روانہ کیا کہ اگر تم ہماری اطاعت اختیار کرکے اپنے ملک میں ہمارا سکہ اور خطبہ جاری کردو اور مسجد بنوا کر شعائر اسلام کو رواج دو تو بہتر تمہارا ملک و مال بحال رہیگا ورنہ فوج کشی کیجائیگی چنانچہ یہہ فرمان ہدایت شاہی کے موافق محمد شفیع نامی ایک بادشاہی سردار کے ہاتھ کشمیر سے اُسکے پاس بھیجا گیا جسکا دلدن نمجل نے تین میل تک استقبال کیا اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ فرمان

خلاف توقع خالی کر دیا- اور اس طرح سے بڑی تبت کا ملک جسکی
تسخیر آیندہ فصل بہار پر ملتوی رکھی گئی تھی محکوم ہونے سے بچ رہا-

بڑی تبت کے سفیر کے اورنگ زیب کی خدمت میں حاضر ہونے کا اور جو تحفے وہ لایا تھا ان کا اور اسکی ذلیل حیثیت کا ذکر-

چونکہ اس ملک کو اورنگ زیب کی فوج کشی
کا خوف تھا وہاں کے رئیس نے بادشاہ
کی کشمیر میں تشریف آوری سنکر اپنے ایک
سفیر کو اپنے ملک کے تحائف بلور مشک سنگ یشب اور سرہ گائے
کی سفید اور عمدہ دُمیں وغیرہ جو بالتخصیص اسی ملک میں ہوتی ہیں اور زیبائش
کی خاطر ہندوستان میں ہاتھیوں کے کانوں میں لٹکا دیتے ہیں بھیجا
سنگ یشب جو اس دفعہ پیشکش میں آیا ہے خلاف معمول بہت بڑا قطعہ
ہے اور اسی جہت سے بیش قیمت ہے- دربار مغلیہ میں یہ پتھر بڑی
قیمت اور قدر پاتے ہیں- ان کا رنگ سبزی مائل ہوتا ہے اور اسمیں
سفید سفید دھاریاں ہوتی ہیں اور ایسا سخت ہوتا ہے کہ صرف الماس کے
برادہ کے ساتھ تراشا جاتا ہے- پیالے اور پھولدان اسی پتھر کے بنتے
ہیں- چنانچہ میرے پاس بھی اس پتھر کی چند عمدہ بنی ہوئی چیزیں ہیں
جنمیں سنہری تار اور جواہرات جڑے ہوئے ہیں-

ان جناب ایلچی صاحب کی جلو میں تین چار تو سوار تھے اور دس
بارہ لمبے لمبے قد والے دبلے اور سوکھے ہوئے سڑیل پیادے-
جنکے سونہہ پر چینیوں کیطرح داڑھی کا کوئی بال صرف نام ہی کو تھا اور
ایک طرح کی غریبانی ٹوپیاں سرخ رنگ کی پہنے ہوئے تھے- جیسے

تبّت میری ریاست کی حد شرقی ہے اور اُسکا عرض قریب نوّے[۹۰] یا ایکسو بیس[۱۲۰] میل کے ہے اور کہا کہ گو ہمارے ہاں بلّور مشک اور پشم یہہ اشیاء بہم پہنچتی ہیں۔ مگر ہم چنداں متموّل نہیں ہوں اور لوگوں کا یہہ عام گمان کہ میرے قبضہ میں سونے کی کانیں ہیں بالکل غلط ہے۔ اُسنے یہہ بھی بیان کیا کہ اُسکے مُلک کے بعض اضلاع میں عمدہ عمدہ میوے پیدا ہوتی ہیں خصوصاً خربوزہ جو کئی قسم کا ہوتا ہے۔ مگر کثرت برف کے باعث جاڑا بڑی شدّت سے پڑتا ہے اور وہاں کے باشندے پہلے بُت پرست تھے مگر اَب اکثر مسلمان ہو گئے ہیں۔ چنانچہ میں بھی مسلمان ہوں اور شیعہ ہوں۔ اُسنے یہہ بھی ذکر کیا کہ "سترہ[۱۷] اٹھارہ[۱۸] برس گزرے کہ شاہجہاں نے بڑی تبّت کو جو پہلے راجگان کشمیر کی اکثر تاخت رہتی تھی تسخیر کرنے کا ارادہ کیا تھا اور سپاہ نے بعد سولہ[۱۶] دن کے ایک مشکل سفر کے جو کوہستان میں سے کرنا پڑا تھا ایک قلعہ کو محاصرہ کر کے لے بھی لیا تھا اور وہاں کی لوگوں میں ایسی ہل چل ڈال دی تھی کہ بیشک تمام مُلک مسخر ہو جاتا اگر سپاہ شاہی ایک مشہور اور تیز رو دریا سے جو راستہ میں آتا ہے اوتر کر اُسیوقت جرأت کر کے ریاست گاہ کو جا لیتی۔ مگر چونکہ موسم مخالف آن پہنچا تھا صوبہ دار کشمیر جو اِس فوج کا حاکم تھا اِس اندیشہ سے واپس آگیا کہ کہیں برف نہ آن دبائے اور اِس مفتوحہ قلعہ میں کسیقدر سپاہیوں کو اسلئے چھوڑ آیا کہ فصل بہار کے شروع میں پھر یورش کرونگا۔ مگر فوج متعینہ قلعہ نے عجیب حرکت کی کہ قلعہ کو یاتو دشمن کے خوف سے یا قلّت رسد کی وجہ سے ناگہاں اور

ڈاکٹر برنی ار...

...یا اور وہاں بھی اُسکی ویسی ہی آؤ بھگت ہوئی لیکن شاہم کیوت کی پھر یہہ میرا دوست ایک اور ضلع میں جو اس ضلع کے قریب ہی تھا ...تو ا ضع میں ایک بات کا فرق ہوا یعنی وہاں کے لوگوں نے اپنی لڑکیاں حاضر کی تھیں اور یہاں والوں نے اپنے ہمسایوں کو بیوقوف سمجھکر اور یہہ آل اندیشی کر کر کہ لڑکیاں تو آخر کار اپنے خاوندوں کے ساتھ اپنی اپنی سسرال کو چلی جائیں گی اپنی جورو ئیں پیش کیں

چھوٹی تبت کے فرمانروا کے پیشکش لیکر کشمیر میں حاضر ہونے اور اُسکی زبانی ملک تبت کے جو حالات معلوم ہوے اُن کا ذکر

چھوٹی تبت جو کشمیر کی سرحد پر ہے اُسکے فرمانروا خاندان کے لوگوں میں چند سال سے بڑی بڑی تنازع ہو رہے تھے جنمیں سے آخر کار ایک شخص* نے جو حکومت و ریاست کا دعوی دار تھا پوشیدہ صوبہ دار کشمیر سے مدد کی درخواست کی اور شاہجہاں کے حضور سے حکم ہو گیا کہ جو مدد درکار ہو دیجائے - چنانچہ صوبہ دار نے یورش کی اور بعض دعویدار تو قتل ہوے اور بعض بھاگ گئے اور اِسکو اس شرط کے ساتھ مسند پر بٹھا دیا گیا کہ سال بسال کسیقدر بلور مشک اور شال بنانے کی اُون بطور خراج دیا کرے اور یہی وجہ تھی کہ اس شخص کو یہہ چیزیں بطور پیشکش لیکر بذات خود اورنگ زیب کے حضور میں حاضر ہونا پڑا مگر ایسے حقیر سامان کے ساتھ آیا ہے کہ میں تو کبھی اُسکو عالی رتبہ شخص خیال نہیں کر سکتا ! ہمارے نواب نے اس غرض سے اُسکی دعوت کی کہ اُس سے اُسکے علاقہ کے کچھ حالات معلوم کر سکیں - چنانچہ اُسنے ہم سے بیان کیا کہ بڑی

* عالمگیر نامہ میں اس شخص کا نام "مراد خاں" لکھا ہے - س م ح

کے بھروسہ پر ادائے خراج سے انکار کر بیٹھے ہیں لیکن سرکاری فوج ہمیشہ جاکر پھر مطیع کر لیتی ہے۔ سوداگر لوگوں سے میں یہہ بھی سنتا ہوں کہ دُور دُور کے پہاڑوں میں جواب کشمیر کے باج گزار نہیں رہے اور بھی اچھے اچھے خوشنما علاقے ہیں جہاں کے لوگ سُرخ وسفید اور خوش اندام ہوتے ہیں لیکن اپنے وطن سے ایسا اُنس رکھتے ہیں کہ کبھی شاذ ونادر ہی باہر جاتے ہیں۔ اِن میں سے بعض علاقوں میں کوئی حاکم بھی نہیں ہوتا۔ اور جہاں تک تحقیق ہوسکتا ہے کچھ مذہب بھی معلوم نہیں ہوتا۔ مگر ہاں بعض بعض اقوام مچھلی کو ناپاک سمجھکر کھانیسے پرہیز کرتے ہیں۔

اب میں وہ حال بیان کرتا ہوں جو چند روز ہوئے مجھسے ایک بڈھے نیک مرد نے کہ جسنے کشمیر کے ایک قدیم راجہ کی نسل میں شادی کی تھی بیان کیا تھا۔ جس زمانہ میں جہانگیر بادشاہ راجگان کشمیر کے خانداں کے لوگوں کی بڑی سرگرمی سے تلاش کر رہا تھا یہہ بڈھا بچکر اپنے تین متعلقوں کے ساتھ مذکورہ بالا کوہستان کی جانب نکل گیا تھا اور کچھ نہیں جانتا تھا کہ کدھر جاتا ہوں مگر پھرتے پھرتے آخر کار وہ ایک خوشنما چھوٹے سے ضلع میں جا نکلا جہاں اُسکے شرف خاندان سے مطلع ہوتے ہی لوگ بڑے اخلاص اور عقیدت سے پیش آئے اور اِس خوش نصیب شخص کے روبرو پیش کش اور نذرانوں کے انبار لگا دیئے۔ اور شام کو اپنی سب سے زیادہ خوبصورت لڑکیاں اِس التجا سے لیکر حاضر ہوئے کہ آپ اِن میں سے کسیکو پسند فرمالیں تاکہ اِس مُلک کو آپ کی نسل سے فخر حاصل ہو۔

بہت دنوں کی غیر حاضری سے فکرمند او متردد ہیں اسلئے مجھے اپنا ارادہ ترک کرنا پڑا۔

کشمیر کے قرب وجوار کے پہاڑی ملکوں اور وہاں کی پیداوار وغیرہ اور باشندوں کے مذہب اور سادہ لوحی کا بیان

جب سے میں یہاں آیا ہوں ہرچند میرے خیالات اِسی مضمون کی طرف مائل رہتے ہیں مگر مجھے کوئی ہم شوق اور ہم خیال شخص بہم نہیں پہنچا۔ اور نہ کوئی ایسا آدمی ملا جسکو کاوش اور تلاش ہو اور اُن امور سے واقفیت رکھتا ہو جنکو میں تحقیق کرنا چاہتا ہوں۔ اور اسلئے مجھے افسوس ہے کہ کشمیر کے قرب وجوار کے کوہستان وغیرہ کی نسبت میں مختصر اور غیر مکمل ہی اطلاع دیسکتا ہوں۔ مگر بہرحال جو کچھ مینے دریافت کیا ہے آپکو لکھتا ہوں۔ وہ تاجر لوگ جو شال بنانے کی عمدہ پشم کے جمع کرنیکے لئے سال بسال پہاڑوں میں پھرتے رہتے ہیں متفق اللفظ بیان کرتے ہیں کہ اُن پہاڑوں کے اندر جو اب بھی کشمیر کے توابع میں شمار ہوتے ہیں زمین بہت زرخیز ہے اور اُن میں سے ایک علاقہ تو ایسا ہے کہ جسکے سالانہ خراج میں صرف اُون اور چمڑا دیا جاتا ہے اور عورتیں حسن وجمال اور پاکدامنی اور دستکاری میں ضرب المثل ہیں اور اس سے آگے بڑھکر ایک اور علاقہ جسکے وادی بہت خوشنما اور میدان سیر حاصل ہیں وہاں چاول اور کئی قسم کا غلہ اور سیب اور ناشپاتی اور زرد آلو اور نفیس خربوزہ اور انگور (جس سے عمدہ شراب بنتی ہے) کثرت سے ہوتا ہے اور اسکا خراج بھی چمڑے اور اُون ہی سے دیا جاتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی اتفاق ہوجاتا ہے کہ اسکے باشندے اپنے ملک کی دشوار گذاری

گرمی کے موسم میں بھی برف موجود رہتی ہے اور تند ہوا کے چلنے سے برف کے بہت بڑے بڑے ٹکڑے بحر منجمد کیطرح کبھی مجتمع اور کبھی منتشر ہوتے رہتے ہیں۔

مقام معروف سنگ سفید کے قدرتی پھولوں کی بہار اور اس روایت کا ذکر کہ شور و غل کرنے سے وہاں سخت بارش ہونے لگتی ہے

اِس کے بعد ہم اُس مقام سے ہو کر گذرے جسکو سنگ سفید بولتے ہیں۔ یہہ جگہہ دو باتوں کے لئے مشہور ہے۔

(۱) ایک یہہ کہ موسم بہار میں یہاں ہر قسم کے ویسے ہی پھول پیدا ہوتے ہیں جیسے کسی بڑے عمدہ باغ میں۔

(۲) دوسرے یہہ کہ یہاں قدیم سے ایک یہہ روایت چلی آتی ہے کہ جب آدمیونکا زیادہ ازدحام ہوتا ہے اور وہ شور و غل مچا کر ہوا میں حرکت پیدا کرتے ہیں تو ضرور شدت سے بارش ہونے لگتی ہے۔ ایسا اتفاق خواہ عموماً ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو مگر اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ چند سال گزرے جب شاہجہاں بادشاہ یہاں آیا تھا تو گو اُسنے غیر ضروری شور و غل کی ممانعت کیواسطے احکام بھی جاری کردئیے تھے مگر پھر بھی غیر معمولی اور شدید بارش کے باعث اُسکے تمام ہمراہی ہلاکت کے خطرہ میں پڑ گئے تھے اِس بیان کو سُنکر آپ اُس بڈھے فقیر کی گفتگو یاد فرمائینگے جو کوہ پیر پنجال پر مجھسے ہوئی تھی۔

میرا ارادہ تھا کہ اس پہاڑ کے ایک غار کو بھی دیکھتا چلوں جو سنگ سفید سے دو دن کی راہ پر تھا اور اسمیں عجیب عجیب طور کی منجمد چیزیں قابل مشاہدہ تھیں۔ مگر اتنے میں میرے پاس خبر پہنچی کہ ہمارے نواب صاحب میری

نیچے چلی جاتی ہے۔ اور اسکے بعد دو ایک لمحہ تک پانی کا جوش کھانا اور ریگ کا اوپر کو چڑھنا تھم جاتا ہے اور پھر بدستور سابق پانی زور کرتا ہے اور ریگ اوپر کو چڑھکر نیچے بیٹھ جاتی ہے۔ اور اس چشمہ کا یہہ حرکت اور سکون اسیطرح کے غیر معین نظام میں جاری رہتا ہے! سب سے زیادہ عجیب امر جو اس چشمہ کی نسبت بیان کرتے ہیں وہ یہہ ہے کہ بہت تھوڑا سا شور خواہ بولنے سے ہو خواہ زمین پر پاؤں مارنے سے پانی میں حرکت پیدا کر دیتا ہے اور جیساکہ مینے ابھی بیان کیا اُسکے اُبلنے اور بہنے کا باعث ہو جاتا ہے مگر مینے دریافت کر لیا کہ اسمین نہ تو بولنے سے حرکت پیدا ہوتی ہے نہ پاؤں مارنے سے بلکہ اُسکی حرکت اور سکون کا حال خواہ آپ بولیں یا نہ بولیں ایک ہی سا رہتا ہے! اور چونکہ مینے اسکے اصل باعث کی نسبت بخوبی غور نہیں کی اسلئے آپکی خدمت میں کوئی قابل اطمینان تشریح نہیں لکھ سکتا مگر شاید یہہ سبب ہو کہ ریت اپنے ثقل طبعی کے باعث اُس کم زور چشمہ کے تنگ مجرا میں عود کرکے پانی کے اُچھلنے میں روک پیدا کرتا ہے اور اس سبب سے پانی جب اندر زیادہ جمع ہو جاتا ہے تو ریت کے ہٹانے اور راستہ کے کھولنے کے لئے پھر زور کرتا ہے۔ یا بظن غالب شاید یہہ ہو کہ جو ہوا اسکے مجرا میں بھری ہوئی ہوتی ہے وہ لمحہ بلمحہ اوپر کو چڑھتی ہے جیسے کہ عموماً فواروں میں یہہ کیفیت مشاہدہ ہوا کرتی ہے۔

ایک جھیل کا ذکر جسمین برف کے بڑے بڑے ٹکڑے پڑے بہتے ہیں

جب ہم اس چشمہ کو اچھی طرح دیکھ چکے تو ایک اور وسیع جھیل کے دیکھنے کو پہاڑ پر چڑھے جس میں

ایک جھیل کے اندر ایک فقیر کے مکان کی نسبت لوگوں کے اس بیہودہ عقیدہ کا ذکر کہ وہ کرامت سے پانی پر تیرتا ہے۔

میں اپنے شوق کی وجہ سے شاہراہ سے علیحدہ ہوکر ایک بڑی جھیل کیطرف چلا گیا جو معمولی شاہراہ سے کچھ فاصلہ پر تھی۔ اِس جھیل میں مچھلیوں اور خصوصاً ماراہی کی بڑی کثرت ہے اور مُرغابیاں اور راج ہنس اور اور بہت سے آبی پرندے بکثرت رہتے ہیں اور صوبہ دار کشمیر جاڑوں میں اسجگہہ شکار کھیلنے اکثر آتا ہے اور اُسوقت پرندوں کی اس جگہہ نہایت کثرت ہوتی ہے اِس جھیل کے وسط میں ایک فقیر کا چھوٹا سا ایک باغچہ اور حجرہ ہے جسکو لوگ سمجھتے ہیں کہ کرامت سے پانی پر تیرتا ہے اور جو فقیر یہاں رہتا ہے مدت العمر اسمیں بسر کرتا ہے اور یہاں سے کبھی باہر نہیں جاتا۔ اُن ہزاروں مہمل اور بیہودہ حکایات سے جو اس حجرہ کی بابت مشہور ہیں بجز ایک معتبر روایت کے کہ کشمیر کے راجگان سلف میں سے کسی راجہ نے صرف تماشے کی غرض سے چند پُرکار اور مضبوط شہتیروں کو باہم جوڑکر اُن پر ایک حجرہ تعمیر کروایا تھا میں اپنے اس خط کو سیاہ کرنا نہیں چاہتا! وہ دریا جو بارہ مولا کو جاتا ہے اِس جھیل کے وسط میں ہوکر گزرتا ہے۔

ایک چشمہ کا ذکر جو دم بدم اُبلتا ہے اور اُسکے اس طرح اُبلنے کے سبب کی نسبت مصنف کا خیال

اِس جھیل سے چلکر میں ایک چشمہ کی تلاش میں گیا جسکو نہایت عجیب و غریب خیال کرتے تھے۔ یہہ چشمہ بُلبلے کی شکل میں آہستگی کے ساتھ اوبلتا اور کسیقدر زور سے تھوڑا سا بلند ہوجاتا ہے! اسکے پانی میں کسیقدر صاف اور شفاف ریگ ملی ہوئی نظر آتی ہے جو کچھ زور سے پانی کے اوپر کو چڑھکر پھر

اُنکو یقیناً یہہ اُمید تھی کہ دس آدمی کچھ زیادہ زور لگا کر اُس پتھر کو اُٹھا لینگے خواہ میں اپنی اُنگلی کی صرف ایک پور لگا نیکے سوا اُسکے اُٹھا دینے میں کچھ زیادہ مدد نہ دوں - اور اُنکو یہہ بھی توقع تھی کہ ایسی چالاکی کے ساتھ اُسکے اُٹھا لینے کا انتظام کریں گے کہ مجھکو اُنکا فریب معلوم نہ ہو سکے گا - مگر جب اُنکو یہہ معلوم ہوا کہ پتھر جسکو میں بجز اپنی اُنگلی کی پور کے اور کچھ سہارا نہیں لگاتا تھا برابر میری طرف جھکا اور گرا جاتا ہے تو وہ سخت نادم ہوے اور بالآخر میں نے عیاری کی راہ سے اُس پتھر کو اپنی اُنگلی اور انگوٹھے کے ساتھ بزور تھامنا مناسب سمجھا اور ہم سب اسکو بڑی مشکل کے ساتھ اُسکی معمولی بلندی تک لے آئے اور جب میں نے دیکھا کہ ہر شخص میری طرف بُری نگاہ سے گھور رہا ہے اور خدا جانے میری نسبت کیا کیا خیال کر رہے تھے مثلاً یہہ کہ یہہ شخص پتھر کے اُٹھانے کے مخاطرہ میں پڑنیکے باعث خود پتھر بن جانے کی سزا کے لایق ہے تو مینے مناسب جانکر یہہ "لفظ کرامت کرامت" پکارنے میں اُنکا شریک ہو جانا پسند کیا اور ایک تیسرا روپیہ اُنکی طرف اُور ڈالکر اُس ازدحام سے جھٹ پٹ آنکھ بچا کر نکل آیا - اور اگرچہ صبح سے مینے مطلق کچھ نہیں کھایا تھا مگر وہاں ٹھہرنا مناسب نہ جانا اور فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر پیر صاحب اور اُنکی کرامت کو ابدالآباد تک وہیں چھوڑ آیا - اسجگہہ کی آمد و رفت سے یہہ فائدہ البتہ ہوا کہ اُن مشہور چٹانوں کو دیکھ لیا جنکے بیچ میں سے گر کر تمام ولایت کشمیر کی نہروں اور چشموں کا پانی ایک دریا بنکر نکلتا ہے - اور جسکا اشارہ میں اِس خط کے شروع میں کر چکا ہوں -

میں بارہ مولا میں رہا پیر صاحب نے کسی مریض پر اپنی کرامت کا اثر نہیں ڈالا اور میں اُسکے مشاہدہ سے محروم ہی رہا۔

اب اُس بھاری سل کا حال سُنیئے جو بے مُسلمان بناتی تھی میںنے دیکھا کہ مجاوروں میں سے گیارہ آدمیوں نے اُسکے گرد حلقہ باندھ لیا مگر اُنکی نیچی نیچی قباؤں اور مشق کی ہوئی بلا فصل حلقہ بندی کی وجہ سے مجھے اُس طریقہ کے دیکھنے میں جس سے وہ اُس پتھر کو اُٹھاتے تھے بڑی دقّت پیش آئی مگر غور کرنے سے مجھے اُنکی سب مکّاری اور ہیتہ پھیری معلوم ہوگئی اور اگرچہ یہہ لوگ بڑی شد و مد سے ادّعا کرتے تھے کہ ہر شخص نے اپنی اُنگلی کی صرف ایک ہی پور لگائی ہے اور پتھر ایسا سبک محسوس ہوتا رہا ہے جیسا کہ ایک پر ہوتا ہے مگر مجھے صاف معلوم ہوگیا کہ سارا زور لگائے بدون وہ زمین سے نہیں اُٹھایا گیا۔ اور مجھے یہہ بھی معلوم ہوگیا کہ مجاوروں نے اُس پتھر کے اُٹھانے میں صرف اپنی اُنگلیاں ہی نہیں لگائیں بلکہ اپنے انگوٹھے بھی لگانے تھے۔ مگر با اینہمہ میں بھی اُن کے اور اُن کے طرفداروں کے ساتھ جو "لفظ کرامت کرامت" پکار رہے تھے ہم آواز اور ہم آہنگ ہوگیا۔ پھر میںنے اُنکو ایک روپیہ نذر کیا اور نہایت عقیدتمندانہ صورت بنا کر التجا کی کہ اگر ارشاد ہو تو میں بھی ایکدفعہ اِس مقدّس پتھر کے اُٹھانے والوں کے حلقہ میں شریک ہونے کا شرف حاصل کرلوں۔ یہہ لوگ پہلے تو متامّل ہوئے مگر جب میںنے ایک روپیہ اَور نذر کیا اور کرامت کی سچّائی کی نسبت اپنا اعتقاد ظاہر کیا تو اُن میں سے ایک نے مجھے اپنی جگہہ دیدی۔ کیونکہ

لو ں کو شفا ہوتی ہے - اور مرض یا شفا کے فی الواقع ہونے کو شاید آپ
نہ مانیں مگر اُس بزرگ کی کرامت سے ایک اور کرشمہ ظہور میں آتا ہے -
جسکو دیکھکر ہر شخص کو تسلیم کرنا پڑتا ہے - یعنی وہاں پتھر کی ایک بڑی مدوّر
سل پڑی ہے جسکو نہایت طاقت ور آدمی بھی زمین سے نہیں اُٹھا سکتا
لیکن گیارہ آدمی اُس ولی کے حقمیں کچھ فاتحہ وغیرہ پڑھکر اپنی اُنگلیوں کے سرے
سے ایسی آسانی کے ساتھ اُٹھا لیتے ہیں کہ جیسے ایک گھاس کا تنکا اُٹھا لیا"
مینے اِس دوسرے سفر کی تکلیف کو بھی بخوشی گوارا کرلیا اور اپنے دونوں
پہلے رفیقوں کے ساتھ چلدیا -

بارہ مولا کو مینے ایک فرحت بخش جگہہ پایا - اور اگرچہ مقبرہ تو کچھ بہت
بڑی لاگت کا مکان نہ تھا مگر اُس پیر کی قبر البتہ تکلف سے آراستہ تھی - اور
اُسکے چاروں طرف لوگ دعا وغیرہ میں مشغول تھے اور کہتے تھے کہ ہم بیمار
ہیں - اُس مقبرہ کے متصل ایک باورچیخانہ ہے جہاں مجھکو بڑی بڑی دیگیں
گوشت اور چاولوں سے بھری ہوئی نظر پڑیں جس سے مینے فوراً تاڑلیا کہ
بس یہی بیماروں کے یہاں کھینچ لانیکے لئے مقناطیس کا کام دیتی ہیں اور
یہی اُنکی شفا کے لئے کرامات کا حکم رکھتی ہیں - مقبرہ کے دوسری جانب
ایک باغ اور مجاور لوگوں کے حجرے ہیں جنہوں نے اپنے پیر کی مقدّس
کرامتوں کے اظہار کو اپنی گزران کے لئے ایک بخشش حیلہ بنا رکھا ہے اور
اُسکی کرامتیں اور محامد و مناقب بڑی سرگرمی کے ساتھ بیان کرتے رہتے
ہیں - لیکن چونکہ میں ایسے معاملات میں ہمیشہ سے بدقسمت ہوں بس جبتک

میں بارہ مولا میں رہا پیر صاحب نے کسی مریض پر اپنی کرامت کا اثر نہیں ڈالا اور میں اُسکے مشاہدہ سے محروم ہی رہا۔

اب اُس بھاری سل کا حال سُنیئے جو مجھے مسلمان بناتی تھی میںنے دیکھا کہ مجاوروں میں سے گیارہ آدمیوں نے اُسکے گرد حلقہ باندھ لیا مگر اُنکی نیچی نیچی قباؤں اور مشق کی ہوئی بلا فصل حلقہ بندی کی وجہ سے مجھے اُس طریقہ کے دیکھنے میں جس سے وہ اُس پتھر کو اُٹھاتے تھے بڑی دقّت پیش آئی مگر غور کرنے سے مجھے اُنکی سب مکّاری اور ہتہ پھیری معلوم ہوگئی اور اگرچہ یہہ لوگ بڑی شد و مد سے ادّعا کرتے تھے کہ ہر شخص نے اپنی اُنگلی کی صرف ایک ہی پور لگائی ہے اور پتھر ایسا سبک محسوس ہوتا رہا ہے جیسا کہ ایک پر ہوتا ہے مگر مجھے صاف معلوم ہوگیا کہ سارا زور لگائے بدون وہ زمین سے نہیں اُٹھایا گیا۔ اور مجھے یہہ بھی معلوم ہوگیا کہ مجاوروں نے اُس پتھر کے اُٹھانے میں صرف اپنی اُنگلیاں ہی نہیں لگائیں بلکہ اپنی انگوٹھے بھی لگائے تھے۔ مگر با اینہمہ میں بھی اُن کے اور اُن کے طرفداروں کے ساتھ جو "لفظ کرامت کرامت" پُکار رہے تھے ہم آواز اور ہم آہنگ ہوگیا۔ پھر میں نے اُنکو ایک روپیہ نذر کیا اور نہایت عقیدت مندانہ صورت بنا کر التجا کی کہ اگر ارشاد ہو تو میں بھی ایکدفعہ اس مقدّس پتھر کے اُٹھانے والوں کے حلقہ میں شریک ہونے کا شرف حاصل کرلوں۔ یہہ لوگ پہلے تو متامّل ہوئے مگر جب میں نے ایک روپیہ اَور نذر کیا اور کرامت کی سچّائی کی نسبت اپنا اعتقاد ظاہر کیا تو اُن میں سے ایک نے مجھے اپنی جگہہ دیدی۔ کیونکہ

لوگوں کو شفا ہوتی ہے۔ اور مرض یا شفا کے فی الواقع ہونے کو شاید آپ نہ مانیں مگر اُس بزرگ کی کرامت سے ایک اَور کرشمہ ظہور میں آتا ہے جسکو دیکھکر ہر شخص کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ یعنی وہاں پتھر کی ایک بڑی مدوّر سل پڑی ہے جسکو نہایت طاقت ور آدمی بھی زمین سے نہیں اُٹھا سکتا لیکن گیارہ آدمی اُس ولی کے حقمیں کچھ فاتحہ وغیرہ پڑھکر اپنی اُنگلیوں کے سرے سے ایسی آسانی کے ساتھ اُٹھا لیتے ہیں کہ جیسے ایک گھاس کا تنکا اُٹھالیا
مینے اِس دوسرے سفر کی تکلیف کو بھی بخوشی گوارا کرلیا اور اپنے دونوں پہلے رفیقوں کے ساتھ چلدیا۔

بارہ مولا کو مینے ایک فرحت بخش جگہہ پایا۔ اور اگرچہ مقبرہ تو کچھ بہت بڑی لاگت کا مکان نہ تھا مگر اُس پیر کی قبر البتہ تکلّف سے آراستہ تھی۔ اور اُسکے چاروں طرف لوگ دعا وغیرہ میں مشغول تھے اور کہتے تھے کہ ہم بیمار ہیں۔ اُس مقبرہ کے متصل ایک باورچیخانہ ہے جہاں مجھکو بڑی بڑی دیگیں گوشت اور چاولوں سے بھری ہوئی نظر پڑیں جس سے مینے فوراً تاڑ لیا کہ بس یہی بیماروں کے یہاں کھینچ لانیکے لئے مقناطیس کا کام دیتی ہیں اور یہی اُنکی شفا کے لئے کرامات کا حکم رکھتی ہیں۔ مقبرہ کے دوسری جانب ایک باغ اور مجاور لوگوں کے حجرے ہیں جنہوں نے اپنے پیر کی مقدس کرامتوں کے اظہار کو اپنی گزران کے لئے ایک بخالش حیلہ بنا رکھا ہے اور اُسکی کرامتیں اور محامد اور مناقب بڑی سرگرمی کے ساتھ بیان کرتے رہتے ہیں۔ لیکن چونکہ میں ایسے معاملات میں ہمیشہ سے بدقسمت ہوں پس جبتک

پیدا کرتی ہے جو قیاس سے باہر ہے۔ خصوصاً رات کیوقت جب اس کے نیچے دیوار کے طاقوں میں جو اس غرض سے بنائے ہوئے ہیں صدہا چراغ روشن کردیئے جاتے ہیں تو اور ہی سماں نظر آتا ہے۔

ایک اور بادشاہی باغ اور وہاں کی ایک حوض کی مچھلیوں کا ذکر

اچھ بل سے چلکر میں ایک اور بادشاہی باغ میں پہنچا جو وہ بھی ایسا ہی آراستہ ہے اور اس باغ کے حوض کی مچھلیاں آدمیوں سے ایسی مانوس ہیں کہ بلانے یا روٹی کا ٹکڑا ڈالنے سے نزدیک آجاتی ہیں۔ اور بڑی بڑی مچھلیوں کے جبڑوں میں سونے کے بالے پڑے ہوئے ہیں جنپر کچھ لکھا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہہ بالے نور محل (نور جہاں بیگم) نے جو اورنگ زیب کے دادا جہانگیر کی بیگم تھی پہنائے تھے۔

بارہ مولا میں کسی پیر کے ایک مقبرہ پر بیماروں کے شفا پانے کی غلط شہرت اور ایک ایسے ہی اور بیہودہ اعتقاد کا ذکر

جب میں نے واپس آکر سوندہ براری کے حالات دانشمند خاں سے بیان کئے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ انکو سنکر خوش ہوئے۔ پھر انہوں نے مجھے ایک اور طرف جانے کی فرمایش کی تاکہ میں بھی اس عجیب امر کی تصدیق کروں جسکو اور لوگوں کی طرح وہ بھی فی الحقیقت کرامت سمجھتے تھے اور ان کے گمان میں وہ ایسی کرامت تھی کہ میں اسے دیکھکر مسلمان ہوجاؤنگا۔ انہوں نے فرمایا کہ "آپ ذرا بارہ مولا تک ہو آئیے جسکا فاصلہ سوندہ براری سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ وہاں ایک مقبرہ ہے جسمیں ایک مشہور پیر کا مزار ہے جو اگرچہ اب زندہ نہیں ہیں مگر ان کی کرامت سے ابتک بیمار اور ناتوان

کے کثیر المقدار ہوتا ہے جسکا سبب ظاہر ہے یعنی یہہ کہ کسی دن گرمی زیادہ
ہوتی ہے اور کسی دن کم اور بعض اوقات ابر کے سبب دھوپ کی
حرارت میں کمی اور زیادتی کا ہو جانا پانی کے بہاو میں کمی اور زیادتی کا باعث
ہوتا ہے۔

اچھہ بل نام ایک جوشندہ چشمے اور واں کے باغ کا ذکر

سونده براری سے واپسی کے وقت میں شاہراہ
سے تھوڑا سا چکر کھا کر آیا تھا تاکہ اچھہ بل کی بھی سیر
کرتا چلوں ! یہہ جگہہ شہر کشمیر کے توابع میں ایک بادشاہی باغ ہے جو
سابق میں راجگان کشمیر سے متعلق تھا اور اب شاہان مغلیہ کی سیرگاہ ہے
جو چیز کہ بالتخصیص اس جگہہ کی حسن و خوبی کا باعث ہے وہ ایک جوشندہ
چشمہ ہے جسکا پانی سیکڑوں چھوٹی چھوٹی نہروں میں منقسم ہوکر اس مکان کے
گرد اور کل باغ میں پھرتا ہے اور خالی از لطف نہیں۔ اس چشمہ سے پانی ایسی
شدت سے اچھلتا ہے کہ گویا کسی کنوئیں کی تہ سے جوش مار رہا ہے اور
اتنا زیادہ ہے کہ اسکو دریا کہنا چاہیئے نہ کہ چشمہ۔ اور نہایت لطیف اور برف
کی مانند سرد ہے۔ یہہ باغ بہت خوبصورت ہے اسکی روشیں نہایت اسلوب
سے بنی ہوئی ہیں۔ میوہ دار درخت ہیں۔ مثل سیب۔ ناشپاتی۔ آلوچہ
اور زردآلو کے بھی بہت ہیں۔ پھول بھی مختلف وضع اور شکل کے اور مچھلیوں
کے رکھنے کے لئے حوض کثرت سے بنے ہوئے ہیں۔ اس جگہہ ایک
پشتہ زمین بلند ہے اگر اسکے اوپر پچیس قدم کے فاصلہ پر ایک
تصویر ... رنگ کی رکھی جاتی ہے۔ اور ایک ایسی عجیب کیفیت

آفتاب کے بلند ہوجانیکے باعث سرد ہوجاتا ہے تو اُس جگہہ سے پانی کا آنا بند ہوجاتا ہے۔ اور پھر جب دوپہر کیوقت آفتاب کی شعاع پہاڑ کی چوٹی پر اُسکے سر کی طرف سے پڑنے لگتی ہے تو پہاڑ کے دوسرے حصّہ کا پانی پگھلنا شروع ہوتا ہے اور بتدریج دوسرے راستوں سے اُنہیں پہلے راستوں میں آجاتا ہے اور رات کو چشمہ سے بہنے لگتا ہے۔ پھر جب آفتاب کی دھُوپ پہاڑ کی مغربی سمت پر پڑتی ہے تو وہی تاثیر اُس طرف کے منجمد پانی پر ہوتی ہے جو صبح کیوقت پانی نکلنے کا باعث ہے۔ مگر اس دفعہ جو پانی چشمہ سے آہستگی کے ساتھ نکلتا ہے اُسکا باعث یہہ ہے کہ مغربی سمت کے پانی کا ذخیرہ چشمہ کے موُنہہ سے کسیقدر فاصلہ رکھتا ہے اور یہہ بھی سبب ہے کہ کثرت اشجار کی وجہ سے تمازت آفتاب سے پہاڑ کی وہ طرف کم اثر پذیر ہوتی ہے یا فقط رات کی سردی اُسکا سبب ہے کہ جسکے باعث پانی کا جریان کسیقدر سُست ہوجاتا ہے۔

میرے اِن دلائل کو اِس بات پر غور کرنے سے تائید پہُنچتی ہے کہ پہلے دنوں میں پانی کثرت سے نکلتا ہے اور پھر بتدریج گھٹکر بالکل بند ہوجاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو پانی پہاڑ کی دراڑوں میں جما ہوا پڑا تھا ابتدا میں زیادہ تھا اور اخیر میں کم ہوتا گیا۔ علاوہ بریں یہہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اس چشمہ سے پانی کے بہاؤ کی مقدار خواہ ابتدائی موسم ہی میں کیوں نہ ہو بالکل غیر معیّن طور کی ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض اوقات دوپہر کو رات یا صبح کی نسبت زیادہ ہوجاتی ہے اور کبھی صبح کو بہ نسبت دوپہر

...یا ڈاکٹر برنی ار...
...سے انکا بیان چنداں دلچسپ نہ ہوگا - پانچ چھہ روز جو مجھکو یہاں ٹھہرنا
اتفاق ہوا تو میں اس عجوبگی کا سبب دریافت کرنے میں کوشس کرتا رہا
چنانچہ مینے اس پہاڑ کو جسکے دامن میں یہہ عجیب چشمہ نکلتا ہے بغور ملاحظہ
کیا اور سخت محنت اور مشکل کے ساتھ اسکی چوٹی پر پہنچکر قدم قدم پر تلاش کرنے
اور دیکھنے میں کوئی حصّہ اسکا دریافت سے باقی نہ چھوڑا - اسکا طول شمال سے
جنوب کی جانب ہے اور اگرچہ اور پہاڑوں کے بہت قریب ہے مگر تاہم
سب سے بالکل جدا ہے - اسکی ہیئت گدھے کی پیٹھ کے مشابہ ہے اور اگرچہ
چوٹی کا طول بہت بڑا ہے مگر عرض غایت درجہ سو قدم بھی مشکل سے ہوگا -
اسکی ایک طرف شمال رویہ ہے جسپر سبز گھاس کے سوا اور کچھہ نہیں ہے مگر
صبح کے آٹھ بجے تک مقابل کے پہاڑوں کے حائل ہوجانے کی وجہ سے
اسپر دھوپ نہیں آتی - اور غربی جانب درختوں اور نباتات سے پُر ہے -
پس یہہ حالات دیکھکر مینے اپنے دل میں خیال کیا کہ شاید حرارت آفتاب اسکی
موقع کی خصوصیت اور اندرونی کیفیّتوں سے ملکر اس عجوبگی کو پیدا کرتی ہے
اور اس بناء پر مینے اپنی یہہ راے قایم کی کہ جاڑے کے موسم میں جبکہ تمام
زمین برف سے ڈھک جاتی ہے کچھہ پانی اس پہاڑ کے اندرونی حصّوں میں
ریس کر اور منجمد ہوکر اسیطرح محفوظ پڑا رہتا ہے اور جب صبح کے وقت سامنے
کی دھوپ سے پہاڑ کا وہ حصّہ گرم ہوجاتا ہے جسپر سب سے پہلے دھوپ
آتی ہے تو وہ پانی پگھل کر پہاڑ کی دراڑوں میں سے دوپہر کے وقت چشمہ کی
جگہہ پھوٹ نکلتا ہے اور جسوقت وہ مقام جو صبح کی دھوپ سے گرم ہوا...

ہے تاکہ میں اُن عجائبات کا ملاحظہ کروں جو ایک اُبلتے چشمے سے منسوب کئے جاتے ہیں میرے ہمراہ ایک وہاں کا باشندہ اور محافظت کیواسطے نواب صاحب کا ایک سوار بھی تھا۔

چشمہ سوندھ براری کی وجہ تسمیہ اور اُسکے جاری و بند ہونیکے تعجب انگیز اوقات اور اُسکے سبب کی نسبت مصنف کا خیال

عجائبات یہہ ہیں کہ ماہ مئی میں جسوقت برف پگھلنے لگتی ہے پندرہ[۱۵] روز تک یہہ چشمہ فوّارہ کیطرح برابر جاری رہتا ہے اور رات دن میں تین بار یعنی طلوع آفتاب کے وقت اور دوپہر اور رات کو بند ہو جاتا ہے۔ اکثر پون گھنٹہ تک اُس سے متواتر پانی نکلتا رہتا ہے اور ایک ایسے مربع حوض کے بھر دینے کو جو دس بارہ فرانسیسی فٹ عُمق اور اسیقدر طول و عرض رکھتا ہے مکتفی سے بھی زیادہ ہے اور جب پندرہ روز گزر جاتے ہیں تو پانی کی آمد اسیقدر کم ہو کر اُس کا بہاؤ معمولی اندازہ پر آجاتا ہے اور ایک مہینا گزرنے کے بعد پانی کی آمد بالکل بند ہو جاتی ہے مگر سخت اور متواتر بارشوں میں مثل اَور چشموں کے بلا انقطاع اور بلا اندازہ جاری رہتا ہے۔ اِس حوض کے کنارے پر ہندؤں کا ایک مندر ہے جو براری دیوتا کے نام سے منسوب ہے اور اِسی وجہ سے یہاں کے لوگ اُس کو سوندہ براری یعنی آب برار کہتے ہیں ۔ چنانچہ جاتری لوگ دور دور سے آکر اِس مندر پر جمع ہوتے ہیں تاکہ اِس معجزنما اور پوتّر پانی سے اشنان کریں۔ اِس چشمہ کی اصلیّت کی بابت لوگ بہت سی حکایتیں بیان کرتے ہیں جو لغو اور بیہودہ ہونے کی

عجیب عجیب طرح کی گرج - طوفان - برف - اولے - اور مینہ پیدا ہو جاتا ہے
اُسکی سفید اور الجھی ہوئی داڑھی بہت گھن دار اور لمبی تھی اور چہرے پر
کچھ وحشت اور بدمزاجی کے آثار بھی نمایاں تھے اور خیرات بھی ایک اکھڑپن سے
مانگتا تھا اور لوگوں کو اُن مٹّی کے پیالوں سے پانی پینے کی اجازت دیتا تھا
جو ایک بڑے سے پتھر پر اُسنے بطور قطار کے چُنے ہوئے تھے اور ہاتھ
سے اشارہ کرتا جاتا تھا کہ یہاں توقف نکرو جلد اُتر جاؤ اور جو لوگ کچھ غل مچاتے
تھے اُن سے سخت ناراض ہوتا تھا - مگر جب میں اُس غار میں کہ جہاں وہ بیٹھا تھا
پہنچا اور مؤدب طور پر اُسکے ہاتھ پر ایک اٹھنی رکھکر اُسکا مزاج ٹھنڈا کیا تو اُسنے مجھے
کہا کہ یہاں شور و غل مچانے سے ہوا اور مینہ کا ایسا سخت طوفان پیدا ہو جاتا ہے
جو انسان کے خیال میں بھی نہیں آسکتا - اور کہا یہہ اورنگ زیب کی دانائی
ہے جو اُسنے ہماری نصیحت مان کر سپاہ و لشکر کو چُپ چاپ اور تعجیل کے ساتھ
اُتر جانے کا حکم دیدیا ہے اور اسکا باپ شاہجہاں بھی ایسے ہی حزم و احتیاط
کے ساتھ عمل کیا کرتا تھا - مگر جہانگیر نے ایک دفعہ ہماری نصیحت کو ہنسی میں
اُڑا کر باوجود ہماری تاکیدی ممانعت کے نقارے اور نفیریاں بجانیکا
حکم دیدیا تھا مگر وہ ایسے طوفان میں گھر کے ہلاک ہوتے ہوتے بچ گیا -

کشمیر کے بعض چشموں وغیرہ کا دلچسپ بیان

اَب میں آپکی خدمت میں اُس سیر و سیاحت کا حال
بیان کرنا شروع کرتا ہوں جو میں نے اِس مُلک کے
مختلف حصّوں میں کی ہے - شہر کشمیر میں پہنچتے ہی ہمارے نواب دانشمند خان
نے مجھکو اِس مُلک کی پرلی حد تک بھیجا جو دارالحکومت سے قریب تین منزل

اور ٹھنڈی ہوا ایسی تندی کے ساتھ چل رہی تھی کہ بیچارے ہندوستانی لوگ جنمیں سے اکثر نے کبھی سردی کی شدت نہیں اٹھائی تھی پہلے ہی پہل اُس برف کو دیکھکر بڑی تکلیف اور حیرت میں پڑ گئے اور بعض تو گھبرا کر بھاگ بھی گئے۔

(۲) صرف دو سو قدم کے فاصلہ میں دو مخالف سمتوں سے ہوا کا چلنا

دوسری یہہ کہ صرف دو ہی سو قدم کی مسافت کے اندر دو مخالف سمتوں سے ہوا چلتی تھی۔ یعنی چڑھائی کیوقت تو سامنے کی ہوا تھی جو شمال کی جانب سے آتی تھی اور اُترائی کے شروع ہوتے ہی ہماری پشت یعنی جنوب کیطرف سے چلنے لگ گئی۔ غور کرنے سے اِسکا سبب یہہ معلوم ہوتا تھا کہ سب طرف سے بخارات اُٹھکر جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے ہیں تو وہاں کی سردی سے کثیف ہوکر اُس ہوا کی پیدایش کا باعث ہوتے ہیں جو وہاں چلتی رہتی ہے۔ اور اُترائی کی دونوں مخالف اطراف میں ہوا چلنے کا سبب یہہ معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کے سبب سے جو نیچے زیادہ ہوتی ہے۔ نیچے کی ہوا جب ہلکی اور لطیف ہوجاتی ہے تو اوپر کی ثقیل ہوا اُسکی جگہہ لینے کو نیچے اُتر آتی ہے اور یہہ اُتار چڑھاؤ ہوا کی حرکت کا باعث رہتا ہے۔

(۳) ایک عمر رسیدہ درویش کا یہہ بتانا کہ پیر پنجال پر شور و غل مچانے سے طوفان آجاتا ہے

تیسری یہہ کہ اُس پہاڑ کی چوٹی پر ایک عمر رسیدہ درویش دیکھا جو جہانگیر کے وقت سے یہاں رہتا ہے اُسکے مذہب سے تو کسیکو کچھ واقفیت نہ تھی مگر لوگ یہہ بیان کرتے تھے کہ اُس سے خرق عادات اور کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں جس سے بادلوں میں

...ے گھوڑے نے بآرام وقت بسر کیا اور تھوڑی سی روٹی جو میرے
...کے پاس تھی ہم دونوں نے بانٹ کھائی۔

...بچھو پکڑنے کی عجیب حکایت

مجھکو یاد ہے کہ ایسی جگہہ پر پتھروں کے ہلانے جلانے
...سے ہمکو ایک بڑا سیاہ بچھو نظر پڑا جسکو ایک نوجوان مغل نے جو میرے
...جان پہچان والوں میں سے تھا اُسے اُٹھاکر اپنی مُٹھی میں دبالیا اور پھیر
میرے نوکر کے اور میرے ہاتھ میں دیدیا مگر اُس نے ہم میں سے کسی کو
بھی نہ کاٹا۔ اُس نوجوان سوار نے اسکا باعث یہہ بیان کیا کہ مینے اسیر قرآن
کی ایک آیت پڑھکر پھونک دی ہے۔ اور اکثر بچھوؤں پر میں اسیطرح
پڑھکر پھونک دیتا ہوں۔ مگر مجھے اُس آیت کے سکھلانیسے انکار کرنے
کی اُسنے یہہ وجہ بیان کی کہ اُسکی تاثیر اُس سے منتقل ہوکر میرے میں آجائیگی
جیسا کہ بقول اُسکے! اُسکے اُستاد کا حال ہوا تھا۔ یعنی جب اُسنے اُس
نوجوان کو یہہ عمل سکھلایا تو فوراً اُسکی تاثیر اُستاد کے ہاتھ سے جاتی رہی۔

پیر پنجال پر مصنف کا تین عجیب باتیں معلوم کرنا

جب ہم پیر پنجال پر سے جا رہے تھے مینے
اپنے فلسفیانہ خیالات کے ساتھ تین عجیب باتوں کا ملاحظہ کیا۔

(۱) گرمی و سردی کی دو متضاد کیفیتیں

ایک تو یہہ کہ ایک ہی ساعت میں گرمی اور سردی
کی دو متضاد کیفیتیں محسوس ہوئیں یعنی چڑھائی کے وقت تو دھوپ بہت
سخت معلوم ہوتی تھی اور ہم پسینے پسینے ہوے جاتے تھے لیکن چوٹی پر
پہنچتے ہی ہمنے اپنے تئیں جمی ہوئی برف کے اندر پایا جسکو کاٹ کر لشکر
کے گزر کیواسطے راستہ بنایا گیا تھا جہاں خفیف برفانی بارش بھی ہو رہی تھی

درختوں میں یہہ حالت اکثر واقع ہوجاتی ہے۔ یا یہاں کے لوگوں کے خیال کے موافق خشک اور پرانے ہوکر اُن میں خودبخود آگ لگ اُٹھتی تھی

ایک عجیب آبشار جسکے قریب جہانگیر کی بنائی ہوئی ایک عالیشان عمارت ہے

خوشنما آبشاروں نے جو یہاں چٹانوں کے مابین اکثر بڑے زور و شور سے گرتی ہیں خوبی اور لطفِ سیر کو نہایت ہی بڑھا دیا ہے۔ خصوصاً ایک آبشار جو اپنی نظیر آپ ہی ہے مینے اُسکو ایک اونچے پہاڑ پر کھڑے ہوکر کچھ فاصلہ سے دیکھا کہ پانی کا ایک سیلاب ایک لمبے اور تاریک راستہ سے جو برابر درختوں سے ڈھکا ہوا ہے آکر بڑی تیزی کے ساتھ دفعتاً ایک بڑی سیدھی اور بلند چٹان پر سے گرتا ہے جس سے ایسا شور ہوتا ہے کہ کان سن ہوجاتے ہیں۔ بادشاہ جہانگیر نے اِس آبشار کے متصل ایک پہاڑ کو ہموار کراکر اُسپر ایک عالیشان عمارت تعمیر کرادی ہے تاکہ اہل دربار اِس حیرت افزا صنع قدرت کے تماشا کو وہاں سے آرام بیٹھکر ملاحظہ کرسکیں۔ اِس آبشار اور اُن درختوں سے جنکا ذکر اوپر ہوا قدامت اور کُہنگی کے آثار ایسے نمایاں ہیں کہ آفرینش عالم کے ہم سن کہنا شاید بیجا نہیں ہے۔

پیر پنجال کی چڑھائی میں بیگمات کی سواری کے ہاتھیوں کا گرجانا اور کئی عورتوں کی جان کا تلف ہونا۔

اِس جگہہ ایک ایسا سخت حادثہ پیش آیا جس سے ہمارے سیر و تماشے کا لطف بالکل منغص ہوگیا

بادشاہ اِسوقت پیر پنجال پہاڑ کی چڑھائی پر تھا جو سب پہاڑوں سے اونچا ہے اور جہاں سے مُلک کشمیر پہلے ہی پہل دکھائی دینے لگتا ہے اور بادشاہ کے پیچھے پیچھے ہاتھیوں کی ایک لمبی قطار چلی آتی ہے جن پر عماریوں اور میگھڈنبروں میں بیگمیں سوار تھیں اس قطار میں کا سب سے اگلا ہاتھی لوگوں کی دانست میں راستہ

پہاڑوں میں پایا تھا جنہیں صنوبر۔ بلوط وغیرہ کے درخت کثرت سے ہیں
اور اس سیرگاہ اور ہندوستان کے جلتے بلتے میدانوں میں جنکو ہم ابھی
چھوڑ کر آئے تھے اور جہاں کوئی شے بھی اس قسم کی نظر نہیں پڑتی تھی
ایک نہایت بیّن فرق معلوم ہوتا تھا۔ اور میری توجہ خصوصاً اُس پہاڑ کیطرف
تھی جو کوہ بھمبر سے دو دن کی مسافت پر تھا اور جسکی دونوں طرفیں مختلف
طور کے درختوں سے لدی ہوئی تھیں یعنی جو طرف جنوب رویہ اور
ہندوستان کی جانب ہے اُس پر تو ہندوستانی اور فرنگستانی دونوں
قسم کے اشجار کھڑے ہیں اور دوسری طرف یعنی جانب شمال صرف
فرنگستانی درختوں اور نباتات سے بھری ہے اور ایسا معلوم ہوتا تھا
کہ ایک طرف پہ تو ہندوستان اور فرنگستان دونوں کی ہوا اور طبیعت
برابر ملی جلی ہے اور دوسری جانب (باعتبار زیادہ اعتدال کے)
صرف فرنگستان کی سی آب و ہوا ہے! راستہ میں مَیں اسحال کو دیکھکر
بھی نہایت متعجب ہوا کہ ادھر تو بیشمار درخت کھوہوں اور غاروں میں جہاں
انسان کو کبھی جانے کی بھی جرأت نہیں ہوتی نیچے اوپر پڑے ہوئے سڑگل
کر خاک ہو رہے ہیں اور اُدھر اسیطرح بیحد درخت اور ننھے ننھے پودے
اُنکی قائم مقامی اختیار کرنیکے لئے بڑی خوشنمائی سے سرسبزی اور
شادابی کی حالت میں لہلہا رہے ہیں! میں نے بعض جگہہ جلے ہوئے
درخت بھی دیکھے مگر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُن پر بجلی گری تھی یا ایک دوسرے
کے ساتھ رگڑنے سے جل گئے تھے۔ کیونکہ تیز و تند ہوا کے چلنے سے

گرد جمع ہو جاتی تھیں - اگرچہ اِس شوق کے پورا کرنے میں میرا بہت سا روپیہ خرچ ہوا مگر اِس تدبیر سے مجھے کچھ شک باقی نرا کہ حقیقتاً کشمیر میں ویسا ہی حُسن ہے جیسا کہ تمام فرنگستان میں -

بھمبر سے کشمیر تک کوہستانی راستے اور عجایبات قدرت کا بیان -

اَب مجھکو صرف اُس سفر کی کیفیت لکھنی رہگئی ہے جو بھمبر سے کشمیر تک کوہستان کے اندر مجھے کرنا پڑا اور مجھے اپنے اِس خط کے شروع ہی میں لکھنا چاہیئے تھا - اِس کیفیت میں کچھ حقایق تو ایسے ہیں جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھکر لکھے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو کوہستان قرب و جوار کشمیر کی بابت لوگوں سے حتی الوسع تحقیق کرکے بہم پہنچاے ہیں ! پس اَب بھمبر سے راستہ کا حال سُنئے کہ جو ہیں ہم اُس ہولناک دیوار عالم کی دوسری جانب پہنچے جس سے میری مُراد بھمبر کا وہ بلند اور سیدھا اور درختوں سی خالی سیاہ پہاڑ ہے تو ہمکو ایک صاف اور ملائم اور تازگی بخش ہوا ملی اور میں پہلی ہی رات کو اپنے تیئں منطقۂ حارّہ سے منطقۂ معتدلہ میں پاکر متعجب ہوا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہندوستان سے فرنگستان میں پہنچ گیا ہوں - جن پہاڑوں میں سے ہوکر ہمارا گزر ہوا وہ ہر قسم کے فرنگستانی درختوں اور جھاڑیوں سے سبز ہورہے تھے مگر اُن میں زوفا زیرہ اور ضیمراں* اور روزمیری† قسم کا گلاب نہ تھا - اور گویا میں اپنے تئیں آورن# کے

* ضَیمُراں ایک قسم ناز بو کی ہے - س - م - ح
# فرانس کے ایک ضلع کا نام ہے - س - م - ح

† Rosemary
# Auvergne

بہ نسبت تمام ہندوستان کے اُس شہر کی عورتیں زیادہ حسین ہوتی ہیں۔ رنگ گندمی ہوتا ہے۔ اور فی الواقع نزاکت اور لطافتِ اندام میں اُنکی شہرت بجا ہے۔ چنانچہ میں بعض ہاتھیوں کے پیچھے پیچھے ہولیا خصوصاً ایک ایسی ہاتھی کے پیچھے جس پر جھول اور سامان ازبس مکلّف پڑا ہوا تھا اور اس تدبیر سے مجھے یقین تھا کہ جس نظارے کا میں طالب ہوں وہ غالباً مجھے حاصل ہو جائیگا کیونکہ وہاں کی مستورات اُن نقرئی گھنٹوں کی آواز سنتے ہی جو ہاتھی کے دونوں طرف لٹکائے جاتے ہیں اکثر کھڑکیوں سے سر باہر نکال کر دیکھنے لگ جاتی ہیں۔

پھر ایک اور مکر اختیار کرنا

پہلے پہل کشمیر میں بھی میں اپنا دل اکثر اسی تدبیر سے بہلاتا رہا مگر آخر کار جب اِس سے بھی زیادہ ایک اور عمدہ طریق اِن کے دیکھنے کا اُس شہر کے ایک مشہور بڈھے مُلّا نے جس سے میں فارسی نظم کی کتاب پڑھا کرتا تھا مجھے سکھلایا تو مینے اپنے مدعا کے حصول کے لئے اُسپر عمل کرنا شروع کیا چنانچہ وہ طریق یہہ تھا کہ بہت سی مٹھائی خرید کر میں اُسکے ساتھ پندرہ سولہ گھروں میں جہاں وہ بغیر روک ٹوک کے جا سکتا تھا پھر گیا۔ اِن سب گھروں میں مجھے اُسنے اپنا رشتہ دار ظاہر کیا اور کہا کہ ابھی ایران سے آیا ہے اور بڑا متمول آدمی ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے۔ اور جونہیں ہم کسی گھر میں داخل ہوتے تھے وہ فوراً لڑکے بالوں کو شیرینی تقسیم کرنے لگ جاتا تھا اور اِس حکمت سے اُس گھر کی سب عورتیں کیا بیاہی کیا کنواری کیا بڈھی کیا جوان نہ صرف مٹھائی لینے کی خاطر بلکہ اِس مراد سے بھی کہ میں اُنکو دیکھ لوں ہمیرے

عمل میں آئیں مگر باوجود ہر طرح کی ہوشیاری کے کشمیری شال کی ملائمت اور بافت کی خوبی نصیب نہ ہوئی - اور شاید یہہ اُس ملک کے پانی ہی کا خاصہ ہے جسکے باعث کشمیری ریزے کو یہہ بے نظیر نفاست حاصل ہے - چنانچہ مچھلی پٹن کی چھینٹوں وغیرہ کی اعلی رنگت کو بھی جنکو ہاتھ سے چھاپتے ہیں اور جو ہر شوب میں عمدہ ہی نکلتی آتی ہیں وہاں کے پانی ہی کی خاصیت سے منسوب کرتے ہیں -

اہل کشمیر کی شکل و صورت کا بیان

کشمیری لوگ خوبصورتی اور صباحت کے سلئے اہل فرنگ کیطرح ضرب المثل ہیں اور نہ تو تاتاریوں کیطرح اُنکی ناک چپٹی ہوتی ہے اور نہ سُور کی سی بدنما چھوٹی آنکھیں ! جو اہل کاشغر اور اکثر بڑی تبّت کے رہنے والوں کی علامت ہے - خصوصاً عورتیں بہت ہی حسین ہوتی ہیں اور قریباً ہر شخص جو اوّل ہی اوّل سلطنت مغلیہ میں آکر اُمراء دربار کی ذیل میں داخل ہوتا ہے اِسی ملک سے اپنے لئے بیوی یا حرم پسند کرتا ہے تاکہ اُسکی اولاد بہ نسبت ہندوستانیوں کے زیادہ گوری ہو اور اصل مغلوں میں محسوب ہوسکے - اور جبکہ بازار میں اور دکانوں پر ادنے اور غریب لوگوں کی عورتیں حسین دیکھنے میں آتی ہیں تو میرے قیاس کی رو سے اونچے گھرانوں کی عورتوں کے جمیل ہونے میں کچھ بھی شک نہیں ہے

مصنف کا لاہور اور کشمیر میں ایک کیسے حسین مستورات کو دیکھنا

قیام لاہور کے زمانہ میں حسین مستورات کے دیکھنے کی خاطر میں بھی اُسی طور کا ذرا سا مکر عمل میں لایا! تھا جیسے کہ مغل لوگ اکثر ناک جھانک کی غرض سے کیا کرتے ہیں کیونکہ

رضائی کے سر سے اوڑھ کر دائیں طرف سے بائیں طرف کو اپنے جسم
پر ڈالے رہتے ہیں! شالیں یہاں دو قسم کی بنتی ہیں ایک تو کشمیری
اُون کی جو ملک اسپین* کی پشم سے زیادہ نفیس اور ملائم ہوتی ہے
دوسری اُس پشم کی جسکو توز[۵۱] کہا جاتا ہے اور جسکی ملائمت اور نفاست
کو بیور+ یعنی سگ آبی کی پوستین بھی نہیں پہنچتی اور بڑی تبت میں ایک قسم
کی جنگلی بکریوں کی چھاتی پر سے اُتاری جاتی ہے۔

کشمیری اُون کے ریزے سے توز کی شالیں زیادہ تر عمدہ اور پسندیدہ
ہوتی ہیں۔ چنانچہ میں نے اُن میں سے چند شالیں دیکھی ہیں جو اُمرا کے
واسطے فرمائشی تیار ہوئی تھیں اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپیہ لاگت آئی تھی۔ اور
کشمیری اُون کی شال میں نے کبھی پچاس روپیہ سے زیادہ کو فروخت ہوتی
نہیں سُنی [۵۲]

شال کو اگر کئی مرتبہ کھول کر ہوا نہ دیجائے تو بہت جلد کیڑا لگ جاتا ہے
ہرچند پٹنہ آگرہ اور لاہور میں ایسی شالیں بنانیکے واسطے بڑی بڑی کوششیں

---

[۵۱] ایک کشمیری سے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ تبت کی طرف سے جو پشم آتی ہے اُسکو تبتی لوگ توسا کہتے ہیں جسکو اصل کتاب کے مصنف یا غالباً مترجم انگریزی نے اپنی زبان کے لہجہ کے موافق حرف زیڈ یعنی زے کے ساتھ لکھدیا ہے۔ ۱۲ س-م-ح (توز) (ٹُوز)

[۵۲] ہمارے اس زمانہ میں تین چار سو روپیہ سے کم قیمت کی شال امیرانہ پوشش کے لایق نہیں سمجھی جاتی اور فرمائشی شالیں تو ایکہزار سے لیکر دو ڈھائی ہزار روپیہ تک کی قیمت کی بھی بن سکتی ہیں مگر عموماً معمولی قیمت اچھی شال کی دو سو روپیہ سے لیکر سات آٹھ سو تک ہے۔ پس اسوقت اور اُسوقت کی قیمت میں جسکا ذکر مصنف نے کیا ہے اختلاف کا سبب شاید یہہ ہو کہ اُسوقت ایسا عمدہ اور باریک کام نہ بنتا ہوگا یا یہہ سبب ہو کہ اُسوقت کی بنسبت چاندی کی قیمت متناسبہ کم ہوگئی ہے ۱۲۔ س-م-ح [* ئس پ ے ن Spain] [+ بٹ ی ور Beaver]

سے کچھ کم نہیں ہیں - یہہ لوگ محنتی اور جست و چالاک بھی ہوتے ہیں اور انکی کاریگری خوبصورت اشیا کے بنانے میں جیسے پالکی پلنگ کے پائے صندوق صندوقچے قلمدان چمچے وغیرہ فی الواقع قابل تعریف ہے - اور وہاں کے کارخانوں کی بنی ہوئی چیزیں ہندوستان کے تمام اضلاع میں برتی جاتی ہیں - یہاں کے لوگ روغن کاری کے فن میں نہایت کامل ہیں اور نہایت باریک اور نفیس سنہری تاروں کو کسی چیز میں جاکر ہر ایک قسم کی لکڑی کے رگ و ریشہ کی ایسی خوبصورتی سے ہو بہو نقل اُتارتے ہیں کہ میں نے کبھی کوئی ایسی نفیس اور بے عیب شے نہیں دیکھی -

کشمیری شال کا ذکر

لیکن جو شے کہ کشمیر سے مخصوص اور بڑی تجارت کی چیز ہے اور جسنے خاصکر وہاں کی سوداگری کو چمکا اور کشمیر کو دولت سے مالامال کر رکھا ہے وہ شال* ہے جسکو وہ اپنے کارخانوں میں بناتے ہیں - اور جنکی کثرت کے باعث اُنکے چھوٹے چھوٹے بچوں تک بھی بے شغل نہیں رہتے - ان شالوں کا طول قریب ڈیڑھ گز فرانسیسی کے ہوتا ہے اور عرض ایک گز اُسکے دونوں پلوں پر بہت نفیس نقش و نگار ہوتے ہیں جو ایک اڈے پر جسکا عرض قریب ایک فٹ فرانسیسی کے ہوتا ہے بنائے جاتے ہیں مغل اور ہندوستانی مرد اور عورتیں سب ان شالوں کو جاڑوں میں بطور

* آجکل کے زمانہ میں انگریزی سادی کپڑوں کے رواج پا جانے کے سبب سے ہندوستان میں عموماً شال کی پرستش بہت کم ہوگئی ہے اور اگرچہ اب سے دس پندرہ برس پیشتر کشمیر کی عمدہ شالیں فرانس کو بکثرت جاتی تھیں لیکن اب وہاں بھی بعض انقلابوں کی وجہ سے اسکی مانگ بہت کم ہوگئی ہے جس سے کشمیر کے بیچارے شالباف بہت مفلس ہو گئے ہیں ۱۲ س - م - ح

آراستہ کی گئی ہیں ـ اور جو چھوٹے ہیں وہ سرسبز اور چمکدار ہرے بھرے درختوں سے سجائے گئے ہیں اور یہہ اسلئے ہے کہ دنیا کے تمام ملکوں کی ملکہ کے سر پر ایسا ہی تاج زیبا ہے جسکے کلغی کے ہیروں کی کرنیں زمرد میں نمودار ہوں "! جب ہمارے نواب صاحب نے اس شاعر کے ان نتائج طبع کو میری تفریح خاطر کے لئے مجھے دکھلایا تو مینے کہا کہ " یہہ شاعر اگر اپنے مضمون کو یہانتک اور بڑھا دیتا کہ کوہستان اور ممالک قرب وجوار کو (جنسے چھوٹی تبت اور ریاست راجہ گوماں اور کاشغر اور سری نگر* مراد ہے) سرحد کشمیر میں داخل کر دیتا (کیونکہ اکثر ادعا کیا جاتا ہے کہ ایک زمانہ میں یہہ ملک کشمیر کے باج گزار تھے) اور اس سے بھی بڑھکر اگر وہ یہہ کہتا کہ دریائے گنگا اور سندہ اور چناب اور جمنا (جو خوبی اور عظمت میں دریائے جیحوں وغیرہ سے جنکا کتاب مقدس میں ذکر ہے کچھ کم نہیں ہیں) مملکت کشمیر ہی سے نکلتے ہیں تو کچھ مضایقہ تھا اور اسی بنیاد پر وہ یہہ بھی کہہ سکتا تھا کہ باغ عدن بھی کشمیر ہی میں لگایا گیا تھا نہ کہ آرمینیا میں جیسا کہ لوگوں کا عقیدہ ہے [۱]

> کشمیریوں کے ذہن وذکا اور ہنر و فن کا ذکر ـ

کشمیری لوگ لطافت وظرافت میں مشہور ہیں اور بہ نسبت اور ہندوستانیوں کے زیادہ ہوشیار اور ذہین سمجھے جاتے ہیں ـ اور شاعری اور فضائل علمیہ میں بھی ایرانیوں

---

* یہاں وہ سری نگر مراد ہے جہاں سلیمان شکوہ نے پناہ لی تھی ـ ۱۲ س ـ م ـ ح

[۱] مترجم کہتا ہی کہ شاعر کا یہہ شعر کہ ـ اگر فردوس بر روئے زمین است ٭ ہمین است و ہمین است و ہمین است ۱+ کشمیر کے خوب حسب حال ہے

طرح آخر چھین ہی لیا- اور اسکا بیٹا جہانگیر تو اس چھوٹی سی مملکت پر ایسا لٹو ہوگیا تھا کہ اُسنے کشمیر کو اپنا دل پسند آرام گاہ ہی مقرر کرلیا تھا- اور اکثر کہا کرتا تھا کہ ہماری اِس عظیم الشان سلطنت کا سارا مُلک اگر ہاتھ سے نکل جاے تو اتنا رنج نہ ہو جتنا کہ کشمیر کا-

ایک مشاعرہ کا ذکر جو کشمیر کی تعریف وتوصیف کے بابت میں ہوا تھا-

ایک مشاعرہ جو بڑے جوش وخروش کے ساتھ شعرا رکشمیر اور بادشاہی شاعروں کے باہم ہوا تھا میںنے بڑے شوق سے اُسے دیکھا تھا یعنی ہمارے کشمیر پہنچتے ہی اور نگ زیب کے حضور میں شعرا مذکور نے کشمیر کی تعریف وتوصیف میں قصائد پیش کئے جنکو بادشاہ نے قبول فرماکر بہت مہربانی سے مناسب صلے عطا فرماے ! اِن قصائد میں حد سے بڑھکر غلو اور مبالغے کئے گئے تھے- اور مجھکو یاد ہے کہ ایک شاعر نے کشمیر کے گرداگرد کے پہاڑوں کی بابت یوں بیان کیا تھا کہ " اُن کی عجیب بلندی ہی نے اِن آسمانوں کو جو نظر آتے ہیں اِس مقدس شکل کا بنادیا ہے" ! اور یہہ کہ " خالق کائنات اپنی تمام حکمت اور خوبی ایجاد وصنعت کو اِس مُلک کے پیدا کرنے پر ختم اور خرچ کرچکا اور خالق مطلق نے پہاڑوں کا یہہ حصار بناکر اِس ملک کو دشمن کی فوج کے حملہ سے محفوظ اور مامون فرمایا اور چونکہ والایت کشمیر تمام روے زمین کے مُلکوں کی ملکہ ہے اِسلئے فی الواقع ایسا ہی مناسب تھا کہ وہ اپنی کامل امنیت اور چین چان کی حالت میں بغیر کسی اطاعت کے تمام عالم پر حکومت کرسکے" شاعر آگے یوں کہتا ہے کہ " جو پہاڑ ذرا دور اور بہت اونچے ہیں اُنکی چوٹیاں سفید اور چمک دار پوشاک سے

خوشخط فارسی قلم میں لکھے ہوئے ہیں ! ان کے چاروں دروازے نہایت ہی قیمتی ہیں یعنی پتھر کے عجیب اور نایاب بڑے بڑے قطعات سے بنے ہوئے ہیں اور ہر ایک دروازے کی محراب دو دو ستونوں پر جو از بس خوشنما ہیں قائم ہے۔ یہہ محرابیں اور ستون ہندوؤں کے کسی مندر سے جسکو شاہجہاں نے ڈھوا دیا تھا آئے تھے اور اس وجہ سے اُنکی قیمت کا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ میں اس پتھر کی ذات اور قسم کی بابت کچھ بیان نہیں کر سکتا لیکن عقیق اور سب قسم کے سنگ مرمر سے کہیں بڑھکر ہے

کشمیر کی نسبت مصنف کی رائے

مجھے یقین ہے کہ آپ نے خود بخود پہلے ہی سمجھ لیا ہوگا کہ میں کشمیر پر فریفتہ ہو گیا ہوں مگر حقیقت یہہ ہے کہ اسکی سیر سے پہلے اسکی خوبصورتی اور خوشنمائی کی نسبت جسقدر اعلی سے اعلی میرے تخیلات اور تصورات تھے اُن سب سے یہہ سبقت اور فوقیت رکھتا ہے اور غالباً تمام دنیا میں بے نظیر ہے اور کوئی دوسرا ملک جسکا طول و عرض اتنا ہی ہو اسکی خوبیوں کو نہیں پہنچتا ! اور حق یہہ ہے کہ ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے۔ کیونکہ اگلے زمانہ میں یہہ اعجوبہ روزگار بڑے بڑے اولو العزم راجاؤنکا تخت گاہ تھا۔ اور تمام گرد نواح کے کوہستان بلکہ تاتار اور کل ہندوستان جزیرہ سراندیب تک اُسکی حکومت میں داخل تھا اور یہہ بات کچھ خلافِ قیاس نہیں ہے کہ سلاطین مغلیہ اسکو بہشت ہند (یعنی کشمیر جنت نظیر) کہتے ہیں۔ اور محل تعجب نہیں ہے کہ شہنشاہ اکبر اپنی کوششوں میں اس ملک کی خاطر علی الاتصال ایسا سرگرم رہا کہ اُسنے یہہ ملک وہاں کے فرماں رواؤں کے ہاتھ سے کسی کسی

اور اسی میں سے ہو کر ایک ایسے مکان* میں جو بالتخصیص گرمی کے موسم کے لیئے بنایا گیا ہے اور باغ کے عین وسط میں ہے پہنچتے ہیں۔ اِس نہر کے علاوہ ایک اَور نہر جو اِس سے بھی زیادہ نفیس ہے ایک ایسے ہی دوسرے مکان میں جو باغ کے دوسرے سرے پر ہے پہنچاتی ہے! اِس دوسری نہر میں بڑے بڑے ریتلے قسم کے پتّھروں کا فرش ہے اور اُسکے ڈھلوان کنارے بھی اُسی پتّھر سے بنے ہوئے ہیں۔ اِس نہر کے وسط میں ایک بڑی قطار فوّاروں کی ہے جنکے باہم پندرہ پندرہ قدم کا فاصلہ ہے اور اُن کے علاوہ اِدھر اُدھر بڑے بڑے گول حوض ہیں جنمیں مختلف شکل و صورت کے فوّارے چھوٹتے ہیں۔ یہہ مکان چونکہ مذکورہ بالا نہروں کے وسط میں واقع ہیں اِس لیئے اُن کے اِرد گرد پانی پھرتا رہتا ہے اور اُن کے دونوں اطراف پر دو قطاریں چنار کے بڑے بڑے درختوں کی لگی ہوئی ہیں! یہہ دونوں مکان گنبد کی شکل کے ہیں اور گرداگرد غلام گردش ہے اور اِن کے دروازے جو چار چار ہیں اُنمیں سے ایک ایک دروازہ تو دونوں طرف نہر پر کھلتا ہے اور ایک ایک دونوں جانب کے اُن پلوں کے رُخ کو جن پر سے ہو کر اُنمیں سے کنارے کی زمین پر پہنچ سکتے ہیں۔ اِن میں سے ہر ایک کے وسط میں ایک بڑا کمرہ اور چاروں کونوں پر چار چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں جنمیں اندر کی طرف سنہری اور رنگین اور منقّش کام بنا ہوا ہے اور سب کمروں کی دیواروں پر کچھ کچھ فقرات وغیرہ نہایت

* اصل کتاب میں لفظ سمر ہوس ہے (سَمَرْ ہَوْس Summer House) م ح

بیشمار گنجان مکانات اور پھلواڑی کے باغیچے بنے ہوے ہیں اور یہاں کی ہوا نہایت صحت بخش سمجھی جاتی ہے اور موقع نہایت خوشنما اور دلچسپ ہے اور جا بجا چشمے اور کولیں جاری ہیں! اور یہاں سے ڈل اور اُسکے ٹاپوؤں اور شہر کا نظارہ نہایت ہی دلچسپ ہے۔

شالامار باغ کا بیان

ان سب باغوں میں بادشاہی باغ کا نام شالامار[*] ہے جو نہایت ہی خوبصورت ہے۔ اسمیں داخل ہونے کا راستہ ڈل سے ایک بڑی وسیع نہر میں کو ہے جسکے دونوں کناروں پر گھاس جمائی ہوئی ہے اور چنار کے درخت برابر دورویہ نصب ہیں اور جسکا طول پانسو قدم کا ہے

---

[*] ٹیک چند بہار نے اِس کا نام شالامار لکھا ہے اور اس کو سنسکرت کا لفظ بتایا ہے اور لکھا ہے کہ یہہ شالا اور مار سے مرکب ہے جو بمعنی خانہ اور قوت شہوی کے ہے اور مجازاً باغ کے معنی میں مستعمل ہوگیا ہے اور اسکی سند میں مرزا عبد الغنی قبول کا یہہ شعر لایا ہے ؎ زباغ زلف ورخ یار داده ہست فراغم + کہ سنبل سہیش کم زشالہ مار نباشد۔ لیکن اِن معنوں کی غلطی خود ظاہر ہے کیونکہ شاعر نے اِس لفظ کو باغ کے عام معنوں میں نہیں لیا ہے اور ظاہرا یہہ ترکیب قواعد زبان سنسکرت کے بھی خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر یہہ لفظ ہندی ہوتا تو مارشالا ہونا چاہیے تھا۔ جیسے دھرم شالا۔ پاٹ شالا۔ گوشالا وغیرہ! اصل یہہ ہے کہ یہہ صرف اسجگہہ کا نام تھا جہاں شہنشاہ جہانگیر کے پندرھویں[۱۵] سال جلوس میں شاہجہاں نے باپ کی فرمایش سے باغ بنایا تھا اور مقام تعمیر کی مناسبت سے اُسکا نام شالامار پڑگیا تھا۔ جسکو شاہجہاں نے اپنے عہد کے ساتویں سال میں بدل کر فرح بخش نام رکھا چنانچہ تزک جہانگیری اور شاہجہاں نامہ وغیرہ کتب تاریخ میں صاف اور صریح لکھا ہے اور دیوان کرپارام صاحب نے جو اپنی کتاب موسوم بہ گلزار کشمیر کے صفحہ دو سو دس[۲۱۰] پر شاہجہاں کا ایک فرمان نقل کیا ہے اُسکے ایک فقرہ سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور وہ فقرہ یہہ ہے "وباغ فرح بخش کہ واقع است در موضع معروف شالامار، بدولت واقبال در ایام فرخندہ فرجام شاہزادگی احداث فرمودہ بودیم" ۱۲ س۔م۔ح

پہاڑ معروف تخت سلیمان کا ذکر

اِس پہاڑ کے مقابل ایک اَور پہاڑ نظر آتا ہے اور اُسپر بھی ایک چھوٹی سی مسجد مع باغ کے بنی ہوئی ہے۔ ! اور ایک اَور نہایت ہی قدیم عمارت موجود ہے جو ظاہری علامتوں سے ہندوؤں کا مندر معلوم ہوتی ہے اگرچہ اُسکا نام تخت سلیمان ہے اور یہاں کے مسلمانونکا یہہ ادعا ہے کہ حضرت سلیمان نے بموقع سیر کشمیر اُسکو تعمیر کیا تھا لیکن مجھے شبہ ہے کہ اُس مشہور بادشاہ نے اپنی تشریف آوری سے کبھی اس مُلک کو مشرف کیا ہو۔ اور میری راے میں یہہ لوگ اِس کا کوئی ثبوت نہیں دیسکتے۔

کشمیر کے ڈل کے نہایت سرسبز ٹاپوؤں کا ذکر

کشمیر کے ڈل میں بہت سے چھوٹے چھوٹے خوش فضا ٹاپو ہیں جو پانی کے اندر بالکل سرسبز اور نہایت ہی خوبصورت اور میوہ دار درختوں سے لدے ہوے نظر آتے ہیں اور اُن میں نہایت خوش اسلوبی سے بہت سی روشیں بنائی ہوئی ہیں جن پر عموماً دونوں جانب سے سُفیدے کے درخت جو دو دو قدم کے فاصلہ سے لگاے ہوے ہیں اور جنکے پتے بڑے بڑے ہوتے ہیں اپنا سایہ ڈالے ہوے ہیں۔ اِن درختونکا موٹاپا اگرچہ اسقدر ہے کہ سب سے بڑا درخت آدمی کی کولی میں آسکتا ہے مگر اُنچائی میں جہاز کے مستول کی برابر ہیں اور اُنکی چوٹی پر کھجور کیطرح ڈالیوں اور پتوں کی چھتری ہے۔

ڈل سے پرلی طرف جو پہاڑ ہیں اُنکے منظر کی خوشنمائی اور خوبی آب و ہوا کا ذکر

جو پہاڑ ڈل کے پرلی طرف ہیں اُنکی ڈھلانوں پر

! عیسائی اگرچہ حضرت سلیمان کے مُلہَم اور صاحب وحی ہونے کے قائل ہیں مگر مسلمانوں کیطرح اُن کو پیغمبر نہیں جانتے بلکہ ایک نہایت ہی دانا اور عاقل بادشاہ کہتے ہیں۔ ۱۲ س م ع

باغیچے ہیں جو خصوصاً بہار اور گرمی کے موسم میں جبکہ عیش و نشاط کے بہت سے جلسے پانی پر کئے جاتے ہیں عجب کیفیت دیکھلاتے ہیں۔

تفریحی کشتیوں کا ذکر

اِس شہر کے اکثر مکانوں میں بھی باغ اور ایسی نہریں ہیں جنہیں سیر و تفریح کے لئے کشتیاں پڑی رہتی ہیں۔ اور مالکِ مکان جب چاہتے ہیں سوار ہوکر ڈل کی سیر کر آتے ہیں۔

ہری پربت اور اُس کے مکانوں اور باغوں وغیرہ کی خوبصورتی اور خوشنمائی کا ذکر۔

شہر کے پرلے سرے پر ایک ایسا ٹیلہ نظر آتا ہے، جو بالکل الگ ہے اور اُسکی ڈھلانوں پر کئی خوبصورت مکان بنے ہوئے ہیں اور ہر ایک مکان کے ساتھ ایک ایک باغ ہے اور اُسکی چوٹی کیطرف ایک نہایت اچھی مسجد ہے جسکے ساتھ عابدوں اور گوشہ نشینوں کے لئے عُمدہ عُمدہ حُجرے بنے ہوئے ہیں! اور پہاڑ کی چوٹی پر ایک جھنڈ بہت سے خوبصورت درختوں کا ہے اور ان سب چیزوں کا مجموعہ ایک نہایت ہی دلچسپ منظر ہے - اور ان سبز درختوں اور باغوں کی وجہ سے اسجگہہ کا نام اِس مُلک کی زبان میں ہری پربت ہے یعنی سرسبز* پہاڑ۔

* یہہ وجہ تسمیہ خلاف محاورہ ہونے کی وجہ سے غلط ہے - کیونکہ سرسبز پہاڑ کو ہری پربت نہیں کہہ سکتے بلکہ ہرا پربت کہنا چاہئیے - اور وہ وجہ تسمیہ صحیح معلوم ہوتی ہے جو دیوان کرپارام صاحب آنجہانی دیوان ریاست جموں و کشمیر مؤلف تاریخ موسوم بہ گلزار کشمیر نے اپنی اس کتاب مطبوعہ ۱۸۷۰ء اٹھارہ سو ستر میں لکھی ہے یعنی یہہ کہ چونکہ کشمیری زبان میں ہاری شارک کو کہتے ہیں جو ایک معروف جانور ہے پس اس پہاڑ پر شارکا دیوی کے مندر کے ہونے کی وجہ سے اسکا یہہ نام مشہور ہوگیا ہے - اور صحیح نام ہاری پربت ہے - ۱۲ س م ح

طول دو میل سے کچھ زیادہ ہے اور عرض ڈیڑھ میل! شہر کشمیر ایک میدان میں واقع ہے جسکا فاصلہ پہاڑوں سے قریب چھ میل کے ہے۔ اور یہہ پہاڑ بصورت نصف دائرہ کے نظر آتے ہیں۔ اور شہر ایک شیریں اور خوشگوار پانی کے "ڈل" کے کنارے ہے جسکا محیط بارہ[۱۲] یا پندرہ[۱۵] میل سے کم نہ ہوگا آباد ہے۔ یہہ ڈل اُن چشموں اور نالوں سے بنگیا ہے جو پہاڑوں سے آکر گرتے ہیں! اور اس کا پانی بذریعہ ایک نہر کے جس میں کشتیاں بے تکلف چل سکتی ہیں اُس دریا میں جاملتا ہے جو شہر کے بیچ میں بہتا ہے۔ شہر میں اس دریا پر لکڑی کے دو پل بنے ہوئے ہیں اور شہر کے مکانات اگرچہ اکثر چوبی ہیں لیکن خوبصورت اور دو منزلے اور سہ منزلے ہیں۔

عمارات کے لئے اہل کشمیر کے لکڑی کو پتھر پر ترجیح دینے کا سبب

اگرچہ اس ملک میں ایک نہایت نفیس سنگ دار[*] پتھر بافراط موجود ہے اور چند پرانی عمارتیں اور ہندوؤں کے بہت سے پرانے مندر جو یہاں کے کھنڈروں میں موجود ہیں پتھر ہی کے ہیں۔ لیکن یہاں کے لوگ لکڑی کو پتھر پر اسواسطے ترجیح دیتے ہیں کہ ایک تو ارزاں ہے دوسرے یہہ پہاڑوں سے بذریعہ ان بیشمار ندی نالوں کے بآسانی پہنچ جاتی ہے۔

دریا کے کنارے کے مکانات اور باغچوں کا ذکر۔

اکثر مکانات میں جو دریا کے دونوں کنارے بنتے چلے گئے ہیں نہایت خوشنما چھوٹے چھوٹے

[*] اصل کتاب میں لفظ فری سٹون ہے Free Stone ۱۲- س م ح [رےگ دار]

دلفریب کیفیّت دیکھاتے ہیں۔ اور زمین کا تمام سطح فرنگستان کے پھولوں اور پودھوں سے مینا کار نظر آتا ہے۔ اور ہمارے مُلک کے میووں سیب ناشپاتی الوچہ خوبانی اور اخروٹ کے درختوں سے جنمیں بیشمار پھل لگے ہوے ہیں لدا ہوا ہے۔ ! خربوزہ تربوز اور اَوْر ہمارے دیس کی اکثر ترکاریاں مثل چُقندر وغیرہ اور اَوْر ساگ پات اور نباتات جنسے ہم واقف بھی نہیں یہاں کے عام کھیتوں اور باغچوں میں بکثرت ہیں۔

کشمیر کے میووں کے فرنگستاں کے میووں سے خوبی میں کم ہونے کی وجہ

یہاں کے پھل ہمارے مُلک کے میووں سے خوبی میں بلاشک کم ہیں اور نہ اُتنی قسم ہی کے ہیں لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ یہہ یہاں کی زمین کا قصور نہیں ہے بلکہ اِسکا باعث کاشتکاروں اور باغبانوں کی نادانی ہے جو اہل فرانس کیطرح فن زراعت اور درختوں کو پیوند وغیرہ کرنیکے ہنر سے ماہر نہیں ہیں۔ بہرحال مینے اپنے قیام کشمیر کے زمانہ میں نہایت نفیس اور لطیف میووے بکثرت کھاے ہیں اور کچھ شک نہیں ہے کہ اگر یہاں کے لوگ درختوں کی حالت کو ترقی دیں اور اُنمیں غیر مُلکوں کے درختوں کے پیوند لگانے کی نسبت ذرا توجہ کریں تو یہاں کے میووے فرنگستان کے میووں کی خوبی کو پہنچ سکتے ہیں۔

شہر کشمیر اور اُسکی جھیل یعنی ڈل کا بیان۔

مُلک کشمیر کے پایۂ تخت کا نام بھی کشمیر ہی ہے اور اُسکے گرد کوئی شہر پناہ نہیں ہے اِس کا

ہے - یہہ دریا تدریج اور آہستگی کے ساتھ اِسملک کے گرداگرد پیچ کھاتا اور یہاں کے شہر پائے تخت میں سے ہوکر چُپ چاپ بارہ مولا کیطرف خم کھاتا ہوا نکل گیا ہے جہاں اُسکو دو عجیب چٹانوں کے مابین ایک مخرج ملتا ہے اور یہاں سے بہت سی چھوٹی چھوٹی ندیوں سمیت جو پہاڑوں سے نکلتی ہیں ایک بہت سیدھی ڈھال پر گِرکر شہر اٹک کے نزدیک دریائے اباسین سے آملتا ہے -

کشمیر کی سرسبزی اور کھیتوں اور ترکاریوں اور میووںکا بیان

بیشمار نہریں اور آبشاریں جو پہاڑوں سے جاری ہیں وہ اِس وادی اور یہاں کی پہاڑیوں کو نہایت سرسبز اور شاداب رکھتی ہیں اور تمام مُلک سرسبز اور سیر حاصل اور ایک پھولا پھلا باغ معلُوم ہوتا ہے اور اس خوشنما اور دلکش سرسبزی کے اندر کہیں تو گانو اور مزرعے دیکھائی دیتے ہیں - اور کہیں ہری بھری چراگاہیں اور انگور دھان گیہوں سن زعفران اور ترکاریوں کے کھیت جنمیں کہیں تو چھوٹے چھوٹے تالاب ہیں اور کہیں نہریں اور کولیں اور کسی جگہہ آبشاریں اور چشمے جو ایک عجیب اور

بقیہ حاشیہ دیوتاؤں کو جمع کرکے سبہا اور جگ رچایا کرتا تھا اور ایک راستے سے جو اس آسمانی محل کے دھاتی گنبد میں بنایا گیا تھا اور جسکے دروازوں پر نہایت مگاز شے بادل تختوں کا کام دیتے تھے جب جاتا تھا اس جہان کے اُس طرف جایا جایا کرتا تھا - یونان کے قدیم شاعروں نے اس پہاڑ کی تعریف میں بہت کچھ کہا ہے اور فی الواقع وہ اَب بھی اپنے سرسبز اور ہرے بھرے سایہ دار جنگلوں اور اپنی دھاروں اور کھوؤں اور سفید سفید چمکیلی چوٹیوں کے سبب سے ایساہی قابل تعریف ہے فقط ماخوذ از انسائکلوپیڈیا برٹانیکا - ۱۲ س - م - ح

نہریں افراط کے ساتھ جاری ہیں - ان پہاڑوں سے پرلی طرف اور بڑے بڑے عظیم الشان پہاڑوں کی بلندیاں نظر آتی ہیں جنکی برف سے ڈھکی ہوئی سفید سفید چوٹیاں معمولی ابر اور بادلوں سے ہمیشہ زیادہ بلند اور اونچی اور کوہ اُولیمپس* کی مانند روشن اور صاف معلوم ہوتی ہیں -

کشمیر کے چشموں اور دریا کا بیان

ان سب پہاڑوں میں سے بیشمار چشمے اور کولیں بڑے زور شور سے جاری ہیں جو بعض عملی ذریعوں سے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں پر بھی جو اس وادی میں ہیں پہنچا دیجاتی ہیں - اور سطرح سے لوگ اپنے دھانوں کے کھیت بخوبی سینچ سکتے ہیں ! اور یہہ سب پانی اس دلچسپ ملک میں ہزاروں چشمے اور آبشاریں بنکر آخر کار خوبصورت اور کشتیوں کے چلنے کے لایق ایک ایسا دریا بن جاتا ہے جیسا ہمارے ملک فرانس میں دریائے سین"

* یہہ پہاڑ یونان کے صوبہ تھسے لی اور میسی ڈونیا (مقدونیا) کے مابین سرحدی خط پر واقع ہے اور مقدونیا کے میدان سے جو اسکے شمال میں اور خوشنما وادی ٹیمپ سے جو اس کے جنوب میں ہے نو ہزار سات سو چوّن فٹ اونچا اور آس پاس کے سب پہاڑوں کی چوٹیوں سے بلند ہے - اور شاہ بلوط اور اخروٹ وغیرہ درختوں کے جنگلوں سے لدا ہوا ہے - اسکا چٹان دار جسم کچھ آگے بڑھکر بہت سی چوڑی سی چوڑی کھوؤں میں منقسم ہوگیا ہے اور اسکی چوڑی چوٹی برف کی سفید اور چمکدار چادر اوڑھے ہوئے گویا آسمان سے باتیں کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے - اولیمپس کے اس عظم و شان کی وجہ سے قدیم یونانیوں نے اسکو اپنے دیوتاؤں کا مسکن خیال کیا تھا اور انکا یہہ اعتقاد تھا کہ انکا دیوتا جوو جو جوپیٹر یعنی **مشتری** کا دوسرا نام ہے - اور جسکو اہل ہند کے معتقدات کے لحاظ سے سمجھہ تمثیلاً اندر کہنا چاہیئے اسی پہاڑ پر بیٹھ کر آسمان کو گرجنے والے بادلوں سے پُر کرتا اور اپنی تجلّی کے آتشیں تیروں کو ادھر اُدھر پھینکتا تھا اور وہ اپنے محل میں جسکو ولکن نے (جو یونانیوں کے اعتقاد میں پاتال یعنے زیر زمین کی آگ اور دھاتوں کا دیوتا تھا) اُسکے لئے یہاں بنایا تھا تمام

1 Olympus (اولےمپس) (2 Soine سین) (3 Thessaly) (4 meccidonia
5 Tempe (ٹےمپ) (6 Jore جوو) (7 Jupiter جوپیٹر) (8 vrilcan

تیس[۳۰] لیگ یعنی نوّے میل انگریزی کے ہے اور عرض دس بارہ[۱۲] لیگ

کشمیر کے موقع اور حدود کا بیان

ولایت کشمیر لاہور سے شمال کیطرف مُلک ہندوستان کے انتہا پر واقع ہے اور اُسکی سرحد پر ایسے پہاڑوں کا سلسلہ ہے جو کوہ قاف سے نیچے چھوٹی اور بڑی تبت کے بادشاہوں اور راجہ گوماں کی عملداریوں میں ہیں۔

کشمیر کے پہاڑوں کے سرسبز اور عمدہ چراگاہوں سے مالا مال ہونے کا ذکر۔

جو پہاڑ کشمیر کے گرداگرد اور بہت ہی نزدیک ہیں اُنکی بلندی اعتدال کے ساتھ ہے اور سرسبز درختوں سے آراستہ اور چراگاہوں سے مالا مال ہیں جن پر گائیں بھیڑیں بکریاں۔ گھوڑے۔ اور سب قسم کے مویشی چرتے نظر آتے ہیں۔

کشمیر میں سب قسم کے مویشی اور سب طرح کے شکار اور شہد کی مہالوں کی افراط کا ذکر

اور سب قسم کے شکار مثلاً تیتر۔ خرگوش اور سینگوں* والے ہرن اور کستورا ہرن بکثرت موجود ہیں اور شہد کی مُہالیں بھی بافراط ہیں۔

کشمیر میں ہر قسم کے موذی جانوروں کے کمیاب ہونیکا ذکر

اور برخلاف ہندوستان کے یہ ایک عجیب اور نادر بات سمجھی جاسکتی ہے کہ یہاں موذی جانور مثلاً سانپ۔ ریچھ۔ شیر۔ چیتا وغیرہ کمیاب کیا بلکہ معدوم ہیں اور ان اوصاف کے باعث اِن پہاڑوں کو صرف خوشنما اور بےنظیر اور بخلش ہی نہیں کہنا چاہیئے بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ گویا اُنہیں دودھ اور شہد کی

---

* انگلستان میں سینگ والے ہرن کم ہوتے ہیں اسلئے مصنف نے ہرن کے لفظ کے ساتھ سینگوں والے کا لفظ لکھا ہے۔۱۲ س۔ م۔ ح ۔ ا ۔ گ ۔ و ۔ ت ۔ م ۔ ال

ممکن ہے کم ہی ہونگے اور جن اُمراکو ہمراہی کی اجازت ملی ہے اُنکے ساتھ اُن کے سواروں میں سے فیصدی پچیس^۲۵ سوار سے زیادہ نہونگے لیکن جو ضروری ضروری عہدہ دار اِن کے ذاتی کارخانجات پر مقرر ہیں وہ بہرحال ساتھ جائینگے۔

اِن قاعدوں کی بجاآوری میں کوئی بہانہ پیش نہیں چل سکتا کیونکہ ایک امیر پہاڑ کے درے پر متعین کیا گیا ہے جو ایک ایک آدمی کو شمار کرتا ہے اور بموجب اپنے اختیارات کے منصب داروں کی بھیڑ کو جو کشمیر کی ٹھنڈی اور لطیف ہوا کے مشتاق ہیں اور اُن چھوٹے چھوٹے دُکان داروں اور اہل بازار کو جو صرف کھانے کمانے کی خاطر آئے ہیں درے میں داخل ہونے سے روکتا رہتا ہے۔

چند منتخب ہاتھی بھی زنانی سواریوں اور باربرداری کے واسطے بادشاہ کے ساتھ ہیں۔ اگرچہ یہہ جانور بہت بھاری اور بڑے قدوقامت کے ہیں لیکن نہایت ہی جانچ کر قدم رکھتے ہیں اور راستہ کے مشکل اور خطرناک ہونے کی حالت میں اسطرح ٹٹول ٹٹول کر چلتے ہیں کہ جب تک پہلا قدم بخوبی جم نہیں جاتا دوسرا قدم نہیں اُٹھاتے۔ بادشاہ کے ہمراہ کچھ خچر بھی ہیں۔ لیکن اُونٹ جو بہت کارآمد ہیں نیچے چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ اُنکی سخت اور لمبی لمبی ٹانگوں کے واسطے یہہ پہاڑی راستے موزوں نہیں ہیں۔

اورنگ زیب کے کشمیر کے سفر میں جو قلی درکار تھے اُنکی تعداد اور اجرت وغیرہ کا ذکر۔

اور اسلئے اُن کے عوض قُلی اور مزدوروں سے کام لیا جاتا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے سُنا ہے

کچھ ذکر لکھا جا چکا ہے اور میرا معزز دوست دیانت خاں اور اُسکے دو بیٹے اور بہت سے اُور اُمرا اور راجے اور منصب دار شامل ہیں !
اُور اُمرا بھی جنہیں کشمیر چلنے کا حکم ہے اسیطرح نوبت بہ نوبت روانہ ہونگے تاکہ اس پانچ دن کے مشکل اور کوہستانی راستہ میں جو بھمبر اور کشمیر کے مابین ہے بے آرامی اور ابتری کم ہو جاوے۔

بادشاہ کے واپس تشریف لانے تک بہت سے اُمرا کا حفاظت کے لئے بھمبر میں چھوڑے جانے کا ذکر مع ذکرہ بعض اور انتظاموں کے۔

باقی اہل دربار جیسے فدائی خاں - میر آتش (افسر اعلیٰ توپخانہ) اور تین چار بڑے بڑے راجے اور بہت سے اُمرا تین چار مہینے تک یعنی جب تک کہ گرمی کا موسم گزر جاوے اور بادشاہ سلامت واپس تشریف لائیں محافظت کیواسطے پہرہ کے طور پر اسی قصبہ یا اسکے قرب وجوار میں مقیم رہینگے۔ جنمیں سے بعض تو اپنے ڈیرے دریای چناب کے کنارے لگا لینگے اور بعض قریب اور گرد نواح کے شہروں اور دیہات کو چلے جاوینگے۔ اور باقی کو اسی بھمبر کی جلتی ہوئی زمین پر ڈیرے ڈالے پڑے رہنا ہوگا۔

بادشاہ کے ہمرکاب بہت ہی کم اور خاص خاص لوگ جاوینگے تاکہ کشمیر کی چھوٹی سی ولایت میں رسد وغیرہ کی طرف سے دقّت عاید نہو
بیگمات میں سے صرف وہ اعلیٰ درجہ کی خاتونیں جائیں گی جو روشن آرا بیگم کی ہمدم اور سہیلیاں ہیں - یا وہ عورتیں جنکا ساتھ ہونا سرانجام خدمات کے لئے ضروری ہے ! اُمرا اور فوج کے لوگ بھی جہانتک

کے دامن میں ہے اور ہمارا خیمہ ایک خشک پہاڑی ندی کے بہاؤ میں پتھریوں اور جلتی ہوئی ریت پر جسکو ٹھیک آگ کی بھٹی کہنا چاہیئے لگا ہوا ہے۔ اور اگر آج اتفاق سے ایک خوب مینہہ کا چھینٹا نہ پڑ جاتا اور عین وقت پر پہاڑ سے ایک معقول مقدار سے نیبو۔ دہی اور مرغ وغیرہ نہ پہنچ جاتے تو معلوم نہیں کہ آپ کے اِس بیچارے وقایع نگار کا کیا حال ہو جاتا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ بالفعل تو ہوا کسیقدر سرد ہو گئی ہے اور میری بھوک بھی کھل گئی ہے اور طاقت میں ترقی معلوم ہوتی ہے اور سب سے پہلے جو میں نے اپنی بازیافتہ صحت سے کوئی کام لیا ہے تو وہ اِس خط ہی کا لکھنا ہے!

اَب آیندہ آپ نئی نئی منزلوں اور تکلیفوں کے حالات سے ضرور مطلع کئے جائینگے۔

کل رات کو بادشاہ نے اِس جگہہ کو جہاں دَم گھٹا جاتا ہے چھوڑ دیا ہے اور اُسکے ہمراہ روشن آرا بیگم اور محل کی اور بیگمیں اور راجہ رگھناتھ* جو وزیر کا کام کرتا ہے۔ اور فاضل خاں میر سامانِ اعلیٰ گئے ہیں! اور شب گزشتہ کو بادشاہی میر شکار بھی مع کئی بڑے بڑے عہدہ داروں متعلقہ کارخانجات خاصہ شریفہ اور چند معزز خاتونوں کے روانہ ہو گیا ہے اور آج رات کو ہماری باری ہے۔ اور ہمارے گروہ میں ہمارے نوّاب دانشمند خاں کے کنبے کے لوگوں کے سوا محمّد امین خاں خلف مشہور میر جملہ جسکا بہت

* اِس بالیاقت بوڑھے ہندو وزیر نے اِسی سفر میں انتقال کیا اور اُسکے بعد جو یہی فاضل خاں وزیر ہوا وہ بھی صرف چند روز زندہ رہکر اِسی سفر میں بمقام کشمیر چل بسا۔ س-م-ح (از عالمگیر نامہ)

غریبوں نے ہری گھاس کا تنکا تک نہیں دیکھا ! میرے ہندوستانی نوکروں کو بھی باوجود اپنے کالے اور خشک اور سخت بدن کے آگے قدم بڑھانے کا حوصلہ نہیں رہا۔ ہمارے چہرے اور پائوں اور ہاتھوں کی جلد تمام پھٹ گئی ہے اور سارا بدن چھوٹے چھوٹے سُرخ گرمی دانوں سے بھر گیا ہے جو سوئی کیطرح چُبھتے ہیں ! کل ہمارا ایک غریب سوار جسکے پاس ڈیرہ تھا ایک درخت کے نیچے جسکے سایہ میں وہ ٹھہرا ہوا تھا مُردہ ملا اور مجھے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ گویا آج دن ہی دن میں تمام ہوجاونگا ! اور میری ساری اُمیدیں یا تو اُن چار پانچ کاغذی نیبوؤں پر منحصر ہیں جو ابھی باقی ہیں یا تھوڑے سے خشک کئے ہوئے دہی پر جسکو میں پانی اور قند ملاکر ابھی پینے والا ہوں۔
لو اچھا خدا حافظ ! سیاہی قلم کی نوک پر خشک ہوئی جاتی ہے اور قلم ہاتھ سے گرا جاتا ہے۔

آٹھواں خط بنام مانشیور دی مرویلس جو مقام بھمبر سے جہاں سے کشمیر کے پہاڑوں کی چڑھائی شروع ہوتی ہے لکھا گیا

صاحب من ! آخر کار ہم بھمبر میں آ... جو ایک اُونچے اور سیاہ اور جھلسے ہو...

بھمبر کیسی جگہ ہے اور وہاں سے کشمیر کی جانب بادشاہ اور سرکے کی زیارت کرنے کا ذکر۔

جب میں لاہور میں تھا تو رات کو سایہ کے بغیر صحن چبوترے پر سونے کے باعث شبنم اور سردی کے سبب سے ایک سخت زکام اور درد اعضا میں مبتلا ہو گیا تھا (حالانکہ دہلی میں اسطرح پر سونے سے کچھ اندیشہ نہیں ہوتا) اور میری صحت حالت خرابی میں تھی۔ لیکن جب سے سفر شروع ہوا ہے تو آٹھ نو روز سے بشدت پسینہ آنیکے سبب سے تمام فاسد رطوبتیں جسم سے خارج ہو گئی ہیں اور میرا اُبھنا اور مُرجھایا ہوا جسم گویا پانیکی چھلنی بنگیا ہے اور سیر بھر پانی جو میں ایک ہی دم میں چڑھا جاتا ہوں بدن کے روئیں روئیں بلکہ اُنگلیوں کے پوروں تک سے فوراً نکل پڑتا ہے چنانچہ مجھے یقین ہے کہ آج دس گیارہ سیر سے کم پانی نہیں پیا۔ مگر ہماری سب آفتوں اور مصیبتوں میں یہہ بڑی تسکین کی بات ہے کہ جسقدر جی چاہے ہم اُسیقدر پانی بشرطیکہ صاف اور شیریں ہو بلا اندیشہ پی سکتے ہیں۔

ساتواں خط بنام مانشیور ڈی مرویلس جو لاہور سے کشمیر کو جاتے ہوئے دسویں منزل سے صبح کیوقت لکھا گیا

> گرمی کی شدت کے مارے۔ اپنی زیست سے ناامید ہو جانا۔

صاحب من! آفتاب ابتک اچھی طرح نکلا بھی نہیں ہے مگر اسپر بھی گرمی کا یہہ عالم ہے کہ اُٹھائی نہیں جاتی بادل نام کو بھی نہیں اور ہوا کی یہہ حالت ہے کہ پتّا تک نہیں ہلتا۔ میرے گھوڑے بالکل تھک گئے ہیں۔ کیونکہ جسدن سے لاہور چھوڑا ہے اِن

خاطر راستہ میں سے لوں کو ہٹانے کے لئے بڑی بیبا ڈنڈے
بازی کرتے ہیں۔۔! اس دریا پر ہمارے نواب کا بھی ایک اونٹ لوہے
کے تنور کے جو اسپر لدا ہوا تھا ضایع ہو گیا ہے۔ اور اب مجھکو یہہ فکر ہے
کہ ہمیں بازار کی روٹی کھانی پڑے گی۔

چھٹا خط بنام مانشیو ڈی مرویلس جو لاہور سے ٹیکو جاتے ہوئے آٹھویں منزل سے لکھا گیا

> گرمی کی شدت کے اسے جو حالت تھی اُس کا بیان۔

مشفق من! ایک یورپین شخص کا ایسی سخت گرمی کے تحمل پر آمادہ ہو جانا اور ایسی ہولناک اور پر تعب منازل اور سفر کے مخاطروں میں پڑجانا خود بخود اس سوال کا باعث ہوتا ہے کہ پھر کونسی چیز ہے کہ جسکے سبب سے کوئی شخص خواہی نخواہی ان صعبتوں کی برداشت کے لئے تیار ہو جائے؟ افسوس کہ اس کا جواب بجز اس کے کچھ نہیں ہے کہ ہم لوگوں میں دنیا کے عجائبات کی دید کا شوق جو بےجیسی حد سے بڑھا ہوا ہے وہی ان سب تکلیفوں کا باعث ہے حالانکہ شوق یہ ہے ایک سخت حماقت اور ناعاقبت اندیشی ہے چنانچہ اس سفر میں میری حیات پے در پے مسلسل اور غیر منقطع خطر کی حالت میں پڑی ہوئی ہے اور کچھ تسدید ہے تو صرف یہہ ہے کہ شاید اس برائی میں کوئی بھلائی [illegible] نکلتے۔

اگرچہ یہہ بات درست ہے کہ مینے ٹھیک دوپہر کی دھوپ میں جبکہ سب لوگ اپنے اپنے ڈیروں میں دن ڈھلنے کے انتظار میں آرام کر رہے تھے کشتی کے پل سے عبور کیا۔ لیکن اگر میں اپنے ڈیرے میں گھسا بیٹھا رہتا تو غالباً مجھے اپنی تکالیف میں کچھ کمی ہوجانے کی توقع نہتھی ! اور مَیں نے جس مُراد سے یہہ تدبیر اختیار کی تھی وہ مطلب حاصل ہوگیا ! یعنی یہہ کہ ہم بلادقّت وتشویش پُل سے پار ہوگئے۔

جس پریشانی اور دقّت سے اِس دریا کا عبور کیا اُس کا ذکر۔

جب سے ہم دہلی سے روانہ ہوے ہیں ایسی پریشانی اور چپقلش مَیں نے کسی دریا کے گھاٹ پر نہیں دیکھی مگر شاید میری ہوشیاری اور دوراندیشی ہی اِس امر کا باعث ہوی کہ مَیں اِس دریا پر کسی تہلکہ میں پڑجانے سے بچ گیا۔ کیونکہ پُل کے دونوں سروں کی سلامی چڑھنے اور اُترنیکے لئے نہایت خراب اور خطرناک تھی جسکا سبب یہہ تھا کہ یہہ سلامی جنپر چڑھنا اور اُترنا امرِ ضروری ہے نرم مٹّی اور ریت سے بنای گئی تھی جو بیشمار جانوروں کے پانوؤں کے نیچے دریا کے زور کے مارے بہی جاتی تھی اور اسیوجہ سے بڑے بڑے گڈھے پڑ گئے تھے جنمیں بہت سے اونٹ بیل اور گھوڑے گرتے اور لوگوں کے پانوؤں تلے کچلے جاتے تھے اور اسیطرح یہہ تھا کہ ہرطرف برابر دھکم دھکّا اور گھونسم گھانسا ہوتی تھی۔ کیونکہ ایسے موقعوں پر عموماً یہہ ہوتا ہے کہ عہدہ دار اور سوار جو اُمرا کے ہمرکاب ہوتے ہیں ! اپنے آقا اور اُن کے اسباب وغیرہ کے پہنچانے کی

فرحت بخش ہوا کے ہم تک پہنچنے کے مانع اور سدراہ ہیں! اور مزید برآں انہیں پہاڑوں کے سبب سے آفتاب کی سوزاں شعاعیں اِس قطعہ ملک پر بسبیل انعکاس پڑکر تمام زمین کو خشک کر دیتی ہیں جسنے دم گھٹنے لگتا ہے۔ لیکن یہہ شدید گرمی جو شاید کل تک مجھے زندہ بھی نہ چھوڑے اُسکی نسبت ایسی فلسفیانہ رائیں لکھنا کیا ضرور ہے۔

پانچواں خط بنام مانشیو ڈی مرویلس جو لاہور سے کشمیر کو جاتے ہوے چھٹی منزل سے لکھا گیا

دریاے چناب اور اُسکے پانی کی عمدگی کا ذکر۔

صاحب من! کل میں ہندوستان کے ایک بڑے دریا سے جسکو "چناب" کہتے ہیں پار اُترا اس دریا کے لطیف اور عمدہ پانی سے جسکو بڑے بڑے اُمرا بجاے گنگا کے پانی کے جو ابتک اُنکے ساتھ تھا اپنے اپنے خرچ کے لیے بھر رہے ہیں! مجھکو یہہ اُمید ہوتی ہے کہ اِس دریا کا منبع جدھر کو ہم جارہے ہیں ہمیں تحت الثریٰ کو نہیں لیجائیگا بلکہ فی الواقع کشمیر کیطرف رہبر ہوگا۔ جسکی بابت سب لوگ مجھکو تسلّی دے رہے ہیں کہ وہاں کی برف اور یخ کی سیر و تماشے سے تم خوش ہوجاؤ گے۔

ہر روز روز گذشتہ سے زیادہ ناقابل برداشت پیش آتا ہے اور جتنے ہم آگے بڑھتے ہیں اُتنی ہی گرمی بھی بڑھتی جاتی ہے۔

حالت میں بہت خرچ پڑتا - والسلام -

چوتھا خط بنام مانشیور دی مرویلس جو لاہور سے کشمیر کو جاتے ہوئے چوتھی منزل پر لکھا گیا

راستہ کی سخت گرمی اور اُسکے سبب کا بیان -

صاحب من ! مجھکو یہہ اُمید تھی کہ جیسی گرمی اَبنائے باب المندب کے قریب بمقام مُخا میں اُٹھا چکا ہوں پھر آفتاب کی ایسی سوزاں شعاعیں روئے زمین پر کبھی نہ پاؤنگا - لیکن چار روز ہوئے یعنی جب سے کہ فوج نے لاہور سے کوچ کیا ہے وہ میری اُمید بالکل رخصت ہو گئی ہے - ہندوستانی لوگ جو اسی گرم مُلک کے باشندے ہیں جبکہ وہ بھی لاہور سے چلتے وقت یہہ اندیشہ اور تردد ظاہر کرتے تھے کہ بھمبر تک پہنچنے میں (جو کوہستان کشمیر کا دروازہ اور گیارہ بارہ دن کا سفر ہے) بڑی ہی تکلیف اُٹھانی پڑیگی ! تو اسکے سُننے سے مجھکو ایک تعجّب ہوتا تھا - مگر اب تو فی الواقع یہہ میرا تعجّب بالکل رفع ہو گیا ہے اور میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ گرمی کی شدت نے نزع کی حالت کو پہنچ گیا ہوں اور کوئی باور نکریگا کہ آج صبحکو جب میں اُٹھا تو مجھے بہت ہی تھوڑی اُمید تھی کہ آج کی دھوپ مجھکو زندہ چھوڑیگی -

یہہ عجیب گرمی کشمیر کے بلند پہاڑوں کے باعث سے ہے جو ہمارے راستے سے شمال کیطرف ہونے کی وجہ سے شمالی ٹھنڈی ہوا

میں ہیں بلکہ واقع میں بہت سی عمارتیں بالکل منہدم ہوگئی ہیں اور پچھلے چند برسوں کی شدید بارشوں میں بہت سے باشندے بھی مکانات سے دبکر مر چکے ہیں مگر اب تک بھی چار پانچ بازار بہت بڑے بڑے ہیں جنمیں سے دو تین تو طول میں دو میل سے بھی تجاوز ہیں لیکن انمیں اکثر مکانات بالکل ڈھئے پڑے ہیں۔ اور چونکہ دریا کا رُخ تبدیل ہوتا جاتا ہے اِس لئے بادشاہی محل دریا کے کنارے سے دُور ہو گئے ہیں اور یہہ شاہی مکانات بھی اگرچہ بہت عمدہ اور عالیشان بنے ہوئے ہیں لیکن محلات شاہی واقع دہلی اور آگرہ سے ہر ایک بات میں بہت کم ہیں۔

لاہور سے کشمیر کی جانب کوچ کا ذکر

دو مہینے سے زیادہ ہوے کہ بانتظار اس امر کے کہ کوہستان کشمیر کی برف پگھل کر رستہ آسانی سے گزر کے لایق ہو جاسے ہم لاہور میں مقیم تھے۔ مگر اب کل کو ہمارا کوچ ٹھہر چکا ہے اور بادشاہ کو تو لاہور چھوڑے دو روز ہو چکے ہیں*۔ میں نے کل رات ایک خوبصورت چھوٹا سا کشمیر کے لایق خیمہ خرید لیا ہے۔ کیونکہ میرے دوستوں نے یہہ صلاح دی تھی کہ اپنے پہلے خیمے کو جو بڑا اور بھاری ہے اب آگے نہ لیجانا چاہیئے۔ وہ کہتے ہیں کہ کشمیر کے پہاڑوں پر جہاں اونٹ نہیں جاسکتے ہمارے تمام خیموں کیواسطے جگہہ ملنی بہت مشکل ہو گی اور چونکہ اس صورت میں مجھکو اپنی باربرداری کیواسطے مزدور اور قلی درکار ہونگے تو اپنے پہلے خیمے کے ساتھ لیجانے کی

* عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ انیسویں رمضان سن ایکہزار ہتر ہجری کو لاہور سے کوچ ہوا تھا۔ ۱۲ مترجم

محاصرہ کیا ہوا ہے نکل کر اور اس صوبہ کے میدانوں میں بہکر دریاے اباسین میں گرتے ہیں جو ملک سندھ میں خلیج فارس کے دہانیکے قریب سمندر میں جا ملتا ہے۔

میں یہہ امر معین نہیں کرسکتا کہ لاہور وہی قدیم شہر ہے جس کو یونانی لوگ بیوسؔ فلاؔ[1] کہتے تھے۔ کیونکہ اگرچہ الگزینڈر کا نام جسکو اس ملک میں سکندر ابن فیلقوس کہتے ہیں بخوبی معروف و مشہور ہے۔ مگر یہاں کے باشندے اُسکے گھوڑے کی نسبت کچھ واقفیت نہیں رکھتے

لاہور کے قریب جو راوی دریا ہے اُس کا ذکر۔

وہ دریا جسکے کنارے شہر لاہور آباد ہے پنجاب کے پانچ دریاؤں میں سے ایک بڑا دریا ہے۔ جیسا فرانس میں دریاے لوایر[2] ہے اور ویسے ہی بلند اور سنگین پشتہ کا محتاج ہے جیساکہ لوایر کے کنارے پر بنا ہوا ہے۔ کیونکہ اس دریا میں اکثر سیلاب آتے رہتے ہیں جس سے بڑا نقصان ہوتا ہے اور دریا اپنی جگہہ کو اکثر بدلتا رہتا ہے۔ چنانچہ چندہی سال کے اندر پورا نصف میل لاہور سے دور ہٹ گیا ہی جس سے باشندوں کو کمال بے آرامی اور تکلیف ہوئی ہے

لاہور کی عمارات کا ذکر

لاہور کی عمارتیں دہلی اور آگرہ کے برخلاف بہت اونچی اونچی ہیں اور چونکہ بیس برس سے زیادہ ہوے کہ بادشاہ مع اُمراء دربار آگرہ یا دہلی میں رہتا ہے اس لئے لاہور کے اکثر مکانات حالت ویرانی

[1] بیوس فلا یونانی میں بیل کے سر کو کہتے ہیں اور اس گھوڑے کا یہہ نام اس مناسبت سے رکھا تھا کہ اسکے اس شکل کا داغ دیا ہوا تھا اور اسکے مرنے کی جگہہ یادگاری کیواسطے ایک شہر اُسکے نام پر بسایا گیا تھا ۱۲ مترجم

1. Bucephala 2. Loir River

بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوں! میں اُن شہروں اور قصبوں کا جو دہلی اور لاہور کے راستہ میں پڑتے ہیں کچھ بیان نہیں کرنا چاہتا کیونکہ مینے اُن میں سے شاید ہی کسی کو دیکھا ہے۔ سبب یہہ ہے کہ ہمارے آقا کا ڈیرہ فوج کے وسط میں نہیں ہوتا تھا جہاں سے شارع عام اکثر مل سکتا ہے بلکہ دائیں جانب کے سامنے ہوتا تھا اور اسلئے ہم لوگوں کا یہہ معمول تھا کہ رات کو کوچ کیوقت ستاروں کا خیال رکھکر کھیتوں اور پگ ڈنڈیوں کے راستہ سے چل پڑتے تھے اور اس سبب سے اکثر راہ بھول جاتے تھے اور پو پھٹنے تک سیدھا راستہ ملنے میں بہت دشواریاں پیش آتی تھیں اور اسطرح پر بجاے دس بارہ میل کی مسافت کے جو دونوں پڑاؤں میں معمولاً ہوتی ہے پندرہ یا اٹھارہ میل کی منزل روز مرّہ طے کرنی پڑتی تھی۔

تیسرا خط بنام مانسیور دی مرویلس[1] جو اُسوقت لاہور سے لکھا گیا جبکہ بادشاہ نے کشمیر کیطرف کوچ کیا۔

پنجاب کے دریاؤں اور شہر لاہور کا بیان۔

صاحب من! یہہ امر بیوجہ نہیں ہے کہ وہ ملک جسکا پایۂ تخت لاہور ہے پنجاب کہلاتا ہے کیونکہ واقع میں پانچ دریا اُن بڑے پہاڑوں سے جنہوں نے ولایت کشمیر کا

[1] Monsieur de Merrilles.

کے ذمہ وار ہوتے ہیں اور انہیں کی دکانیں خواہ دہلی میں ہوں خواہ سفر میں رسد رسانی کے لئے برابر موجود رہتی ہیں - ان بیچاروں کو گھاس اور چارے کے بہم پہنچانے میں بڑی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اور وہ اس کام کے لئے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں مگر جو چیز لاتے ہیں اسکو فوج میں اچھے داموں بیچنا چاہتے ہیں - ان لوگوں کا عموماً یہہ معمول ہے کہ ایک خاص قسم کی گھاس جو تمام میدانوں اور جنگلوں میں جا بجا موجود ہے زمین میں سے کھرپے سے کھود لاتے ہیں اور اسکو جھاڑ کر اور دھو کر لشکر میں کبھی تو بہت گراں اور کبھی بہت ارزاں فروخت کرتے ہیں -

بادشاہ کے خیمہ گاہ میں داخل ہونیکے مختص طریق اور قاعدوں کا تذکرہ

بادشاہ کے حال کے متعلق ایک عجیب بات ابھی لکھنی باقی ہے - جسکا بیان کرنا میں بھول ہی گیا تھا اور وہ یہہ ہے کہ بادشاہ لشکر گاہ میں کبھی تو ایک طرف سے اور کبھی دوسری جانب سے داخل ہوتا ہے - یعنی ایک دن تو ایک جانب کے امرا کے خیموں کے قریب سے گذر کرتا ہے اور اگلے دن دوسری طرف کے امرا کے ڈیروں کے نزدیک سے -

آپ یہہ گمان نہ فرمائیں کہ یہہ ایک اتفاقیہ امر ہے نہیں بلکہ اس غرض سے ہے کہ وہ امرا جنکو بادشاہ اُنکے ڈیروں کے قریب ہو کر گذرنے کا افتخار بخشتا ہے اُنکو ضرور ہے کہ اپنے اپنے خیموں سے اشرفیوں کی ایک ایک تھیلی جنکی تعداد اُن کے حوصلے اور مشاہرے کے موافق بیس سے پچاس تک ہوتی ہے پیش کش کیواسطے ہاتھوں میں لئے ہوئے

تعداد بغیر مردم شماری کے معلوم نہیں ہوسکتی - البتہ میں اتنا دعوی ضرور
کرسکتا ہوں کہ فوج کا ہجوم اور انبوہ بحد اور قیاس سے باہر ہے اور
دہلی کی تمام خلقت حقیقتاً لشکر میں جمع ہے - کیونکہ اُن کے کام کاج
اور گزران بادشاہ اور لشکر ہی پر منحصر ہے اور اُن کے لئے اِسکے سوا
کچھ چارہ نہیں ہے کہ یا لشکر کے ساتھ جائیں یا دہلی میں پڑے بھوکے
مرا کریں ! کچھ شک نہیں ہے کہ آپ اِس کیفیت کو پڑھکر مجھسے یہہ سوال
ضرور کرنا چاہیں گے کہ اِسقدر انسانوں اور حیوانوں کے لئے کوچ کی حالت
میں خوراک اور چارا کسطرح بہم پہنچتا ہوگا؟ اِس کا مختصر اور سب سے بہتر جواب
یہہ ہے کہ ہندوستانیوں کی خوراک نہایت سیدھی سادی ہے چنانچہ
ایک لاکھ سواروں میں سے صرف دس ہزار بلکہ پانچ چھہ ہزار ہی ایسے ہونگے
جو گوشت کھاتے ہوں ورنہ سب کے سب کھچڑی ہی پر قانع ہیں - جو
چاولوں کے ساتھ مونگ یا ماش وغیرہ ملاکر پکاتے ہیں اور تھوڑا سا گھی
اسمیں ڈال لیتے ہیں اور یہہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اونٹ یہانتک
سفر اور بھوک پیاس کی تکلیف اُٹھا سکتے ہیں جس سے حیرت ہوتی ہے اور
تھوڑے سے ہر قسم کے چارے پر قناعت کرسکتے ہیں - چنانچہ ہر کوچ
کے بعد جنگل میں چرنے کو چھوڑ دئیے جاتے ہیں اور ہر قسم کا گھاس پھوس
اور جھاڑی وغیرہ اُن کے چارے کا کام دیتی ہے -
یہہ امر بھی بالضرور لحاظ کے لائق ہے کہ وہ اہل بازار جو دہلی میں سب
قسم کے اجناس وغیرہ بیچا کرتے ہیں وہی سفر میں بھی اِن اشیا کی بہم رسانی

دریا کے وار ایک میل کے فاصلہ پر اپنے ڈیرے کھڑے کروا کر ایک دو دن وہاں ہی ٹھہرے رہنے کی تکلیف گوارا کرتا ہے اور پھر اِسی طرح دریا کے پار جا کر دوسرے کنارے پر قیام کرتا ہے اور اِس تین دن کے عرصہ میں سب اہل لشکر آہستہ آہستہ دریا سے عبور کر جاتے ہیں۔

بادشاہی لشکر کی تعداد اور رسد کے بہم پہنچانے کے طریقہ کا ذکر

لشکر کے لوگوں کی تعداد کی نسبت فوج اور بہیر سمیت ایک ٹھیک اور صحیح حد مقرر کرنی آسان نہیں ہے کیونکہ کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ! مگر بہرحال میں بھروسہ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کشمیر کے اِس سفر میں کم سے کم ایک لاکھ تو سوار ہوں گے اور ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ جانور یعنی گھوڑے خچر اور ہاتھی اور اِن کے علاوہ اونٹ بھی پچاس ہزار سے کم نہ ہونگے اور قریباً اسیقدر بیل اور ٹٹو جن پر غریب بازاری لوگ خانہ بدوشوں کیطرح اپنے اہل و عیال اور غلہ وغیرہ اجناس لادے ہوئے لشکر کے ساتھ رہتے ہیں۔

اب اہل فوج کے نوکر چاکر بھی ضرور ہے کہ بیشمار ہوں کیونکہ بغیر اِن کی مدد کے کچھ کارروائی نہیں ہوسکتی۔ مثلاً میرا درجہ صرف ایک دو اسپے سوار کی مانند ہے اور اِسپر بھی تین نوکروں سے کم میں میری گزر نہیں ہوسکتی۔ اکثر لوگوں کی یہہ رائے ہے کہ کُل لشکر کی تعداد تین اور چار لاکھ آدمی کے اندر ہوگی۔ بعض کا یہہ قیاس ہے کہ یہہ تخمینہ بہت کم ہے اور بعض لوگ اِس تعداد کو مبالغہ سمجھتے ہیں! لیکن حقیقت یہہ ہے کہ صحیح

بھی جو گدھے کو کھلائی جاتی ہے اضافہ کرنے واجب ہیں چنانچہ ایک ذی رتبہ میر شکار نے مجھسے کہا کہ یہہ تو صرف حمقا اور عوام کی بنائی ہوئی کہانی ہے - اصل یہہ ہے کہ شیر جب خوب پیٹ بھر کر کھالیتا ہے تو یہہ شکم سیری ہی اُسکی گہری نیند کا باعث ہوجاتی ہے۔

پنجاب کے دریاؤں اور کشتیوں کے پلوں کا ذکر

مینے دیکھا کہ بڑے بڑے دریاؤں پر عموماً پل نہیں ہیں اور ان دریاؤں سے فوج نے بذریعہ دوہرے پلوں کے جو کشتیوں سے کسیقدر سمجھ بوجھ ہی کے ساتھ بنائے گئے تھے عبور کیا - اِن پلون کے باہم دو تین سو قدم کا فاصلہ رکھا جاتا ہے اور اُن کے سطح پر مٹی اور بھوس ملاکر ڈالدیا جاتا ہے تاکہ چوپایوں کے پانوں نہ پھسلیں مگر ان دونوں کے سروں پر ایک بڑی گھبراہٹ اور پریشانی اور دھکا پیل کا موقع ہوتا ہے نہ صرف اسوجہ سے کہ واں ایک سخت بھیڑ بھاڑ اور بڑے ہنگامے اور چپقلش کی جگہہ ہوتی ہے بلکہ زیادہ تر اِس باعث سے کہ اُن کے دونوں سروں کی سلامی اور گزرگاہ چونکہ نرم اور گیلی پھسلنی مٹی سے بنائی جاتی ہے اِس وجہ سے راستہ ایسا ٹوٹا پھوٹا ہوتا ہے اور اُسمین اتنے گڑھے پڑے ہوے ہوتے ہیں کہ گھوڑے اور لدے ہوے بیل ایک دوسرے پر گرے پڑتے ہیں اور اہل لشکر کو اُنہین گرے پھنسے حیوانات کے اوپر سے کمال بے ترتیبی اور گھبراہٹ سے گزر کرنا پڑتا ہے اور اگر کل فوج کو ایک ہی دن میں پار اترنا پڑتا ہے تو یہہ خرابی نہایت ہی بڑھ جاتی ہے - لیکن بادشاہ یہہ تدبیر کرتا ہے کہ

پہاڑوں سے ندیاں اور نالے آ کر گرتے تھے اور تمام میدان جھاڑیوں
اور اونچی اونچی گھاس سے جسمیں اونٹ تک چھپ جائیں ڈھکا ہوا تھا
کچھ بازاروں کا بندوبست بھی نہ ہوا تھا اور کوئی شہر اور بستی بھی نزدیک
نتھی پس وہ لوگ بڑے ہی خوش نصیب تھے جو اس پریشانی اور سرگردانی
میں کسی طرح کچھ اپنی گرسنگی رفع کر سکے ! کیا اب میں آپکو اس
نالائق مقام میں غیر ضروری توقّف کا اصلی سبب بھی بتا دوں ؟ لو
بتائے دیتا ہوں۔ آپکو خوب جان لینا چاہیئے کہ جب بادشاہ ایک شیر
مارتا ہے تو یہاں اسکو بڑی مبارک فال سمجھا جاتا ہے اور اسکے برعکس
اگر شیر بچ جائے تو بیحد و نہایت بدشگونی اور سلطنت کیواسطے بڑی
بدفالی خیال کیجاتی ہے اسلئے شیر کے شکار کا انجام حسب دلخواہ ہوتا ہے
تو اس مبارک تقریب میں بڑے اہتمام اور تکلّفات عمل میں لائے جاتی
ہیں چنانچہ بادشاہ ایک عام دربار کرتا ہے جسمیں سب اُمرا حاضر ہوتے ہیں
اور مارا ہوا شیر بادشاہ کے حضور میں لایا جاتا ہے اور جب اُسکی لاش
بڑی احتیاط سے ناپ لی جاتی ہے اور بڑی تفصیل اور باریک بینی سے
اُسکا امتحان اور ملاحظہ ختم ہو لیتا ہے تو بادشاہی دفتر میں لکھکر رکھا جاتا ہی
کہ فلاں بادشاہ نے فلاں تاریخ ایک شیر اِسقدر لمبا چوڑا اور اسطرح کے
قدوقامت اور جلد و پوست کا جسکے دانت اسقدر دراز تھے اور جسکے
پنجوں کی مقدار ایسی اور ایسی تھی شکار کیا۔
شکار کی اس کیفیّت کے ساتھ مجھکو چند لفظ اُس افیون کی بابت

اسی موقع پر جہاں اسقدر تھے قربانی ہو چکے تھے باندھ دیتے ہیں اور
یہہ آخری دعوت بیشک اس مراد سے ہوتی ہے کہ شیر کھا پیکر سُکھ
کی نیند سوجاے - اس کے بعد یہہ تدبیر کیجاتی ہے کہ قرب وجوار کے
۔۔ اروں کو جمع کر کے بڑے بڑے وسیع جال جو خاص اسی کام کے
واسطے بناے ہوے ہوتے ہیں تنوا دیئے جاتے ہیں اور جیسا کہ نیل گاے
کے شکار میں کیا جاتا ہے اُن کو بتدریج کھینچ کھینچکر اُنکی دائرہ کی وسعت کو تنگ
تے جاتے ہیں اور جب سب سامان اُس طرح تیار ہو جاتا ہے تو بادشاہ
ایک ہاتھی پر جسپر فولادی پاکھر پڑی ہوئی ہوتی ہے مع میر شکار اور
چند فیل نشین امیروں اور بہت سے گرزبردار سواروں اور بیدل شکاریوں
کے جنکے ہاتھ میں چھوٹی چھوٹی برچھیاں ہوتی ہیں جلدی سے جال کے
باہر کی طرف ٹھہر کر شیر پر ایک بڑی بندوق سے فیر کرتا ہے - اب
شیر جو اپنی عادت معہودہ کے موافق زخم کھا کر ہاتھی پر جھپٹتا ہے تو جال میں
اولجھ کر رہجاتا ہے اور بادشاہ بیہم گولیاں مار کر اسکو مار لیتا ہے -

اسی سفر کے ایک شکار میں ایکبار ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بپھرا ہوا
شیر جال پر سے کود کر ایک سوار پر جا پڑا اور اُسکے گھوڑے کو مار ڈالا اور اس
طرح پر کچھ دیر کے لئے جان بچا کر بھاگ گیا مگر شکاریوں نے تلاش اور پیروی
کر کے ڈھونڈھ ہی لیا اور پھر جال سے جا گھیرا ! شیر کے بھاگ جانیکی اس
واردات سے تمام فوج کو نہایت دقت اور پریشانی اُٹھانی پڑی یہانتک
؛ ؛ ۔۔روز تک برابر ایک ایسی سرزمین میں سرگردان رہے جسمیں

مار لیتے ہیں اور کبھی کبھی یہہ جانور اسقدر مارے جاتے ہیں کہ بادشاہ اُن کا گوشت تحفہ کے طور پر سب اُمرا کے لئے بھیجتا ہے۔

کونجوں کے پکڑنے کا عجیب اور قابلِ دید طریقہ ہے اور اُن کی اِس جُرأت کے دیکھنے سے جو وہ اپنے بچاؤ اور حفاظت کے لئے شکاری پرندوں کے مقابلہ میں دکھاتی ہیں بڑا لطف حاصل ہوتا ہے حتیٰ کہ کبھی کبھی وہ اپنے حریف کو مار بھی لیتی ہیں لیکن سُست پروازی کی وجہ سے جو پھرتی کے ساتھ اِدھر اُدھر نہیں پھر سکتیں دشمنوں سے جنکی تعداد دمبدم بڑھائی جاتی ہے مغلوب ہو جاتی ہیں لیکن ان سب شکاروں میں شیر کا شکار صرف خطرناک ہی نہیں بلکہ خاص بادشاہی شکار ہے کیونکہ بجز خاص اجازت کے جو کسی امیر کو دیجاتی ہے بادشاہ اور شہزادوں کے سوا اِس شکار میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا اِسکے شکار کے لئے سب سے پہلے یہہ ترکیب کیجاتی ہے کہ شکاری لوگ جب یہہ معلوم کر لیتے ہیں کہ شیر فلاں جگہہ اکر سوتا ہے تو وہاں ایک گدھا باندھ دیتے ہیں جس بدنصیب کو شیر پھاڑ کھاتا ہے اور چونکہ یہہ اُسکے پیٹ بھرنے کو کافی ہوتا ہے پھر وہ کسی اور شکار کی تلاش نہیں کرتا اور بغیر اسکے کہ کسی بیل یا بھیڑ بکری یا کسی چرواہے کو ستاوے پانی کی تلاش میں جاتا اور پانی پیکر پھر اپنی اُسی آرامگاہ پر آجاتا ہے اور اگلی فجر تک پڑا سویا کرتا ہے چنانچہ شکاری لوگ چند روز تک یہی حکمت اُسکے ایک ہی جگہہ پر مائل رہنے کے لئے کرتے رہتے ہیں اور جب بادشاہ کے قریب پہنچنے کی اطلاع ملتی ہے تو وہ ایک اور گدھا جسکے حلق میں بہت سی افیوں ٹھوس دیجاتی ہے

اور واجبی دوڑ میں چیتا ہرن کو پکڑے بیفائدہ ہے کیونکہ ہرن چیتے سی بہت تیز رَو اور دُور دم ہوتا ہے۔ ! چیتے بان کو اُسکے پھر پکڑ کر گاڑی پر بٹھا دینے میں کچھ دقّت نہیں اُٹھانی پڑتی چنانچہ آہستگی سے اُسکے پاس جاکر چمکارتا اور دو ایک گوشت کے ٹکڑے آگے ڈالکر اور آنکھیں بند کر کے زنجیر سے باندھ دیتا ہے۔

اِسی سفر میں ایک چیتے نے اتفاقاً ہم لوگوں کو ایک عجیب اور حیرت افزا تماشا دکھلایا یعنی ایک روز جو ہرنوں کی ایک ڈار فوج کے درمیان ہوکر نکل بھاگی جیسا کہ اکثر ہوا کرتا ہے تو اتفاقاً دو چیتوں کے بہت ہی قریب ہوکر نکلی جو حسب معمول گاڑیوں پر زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے اور اُن میں سے ایک نے جسکی آنکھیں بند نہ تھیں ایک ایسی تیز جھپٹ کی کہ زنجیر توڑ کر ہرنوں کے پیچھے دوڑ پڑا۔ لیکن کسیکو پکڑ نہ سکا لوگوں کی دوڑ دبک اور تعاقب سی مجبور ہوکر یہہ ہرنوں کی ڈار جو پھر پیچھے کو ہٹی اور ایک ہرن اُسی چیتے کے پھر قریب ہوکر نکلا تو اُسنے باوجودیکہ بہت سے گھوڑے اور اونٹ بیچ میں حائل تھے جھپٹ کر اُسکو پکڑ لیا اور اس سے یہہ عام مقولہ کہ " چیتا اپنے شکار پر جو اوّل دفعہ کی جھپٹ سی بچ جاے پھر نہیں دوڑتا " غلط ثابت ہو گیا۔

نیل گاے کے شکار کرنیکا طریقہ بہت دلچسپ نہیں ہے۔ اِن کو بڑے بڑے وسیع جالوں میں گھیر کر بتدریج اُن کے دائرہ کو تنگ کرتے جاتے ہیں اور جسوقت اُسکی وسعت بہت کم رہجاتی ہے تو بادشاہ اُمرا اور شکاریوں کو ساتھ لیکر اُسمیں داخل ہوتا ہے اور اُنکو تیر اور برچھی اور تلوار اور قرابین سے

سے جیسا جیسا کہ موقع اور حالت ہو محظوظ و مسرور ہوتا ہے۔

چیتے وغیرہ کے شکار کا ذکر

اب میں اوّل یہہ بیان کرتا ہوں کہ سدھائے ہوئے چیتوں سے ہرن کا شکار کسطرح کیا جاتا ہے مجھکو یاد ہے کہ میں نے کسی اَور موقع پر آپکو لکھا تھا کہ ہندوستان میں سینگ والے ہرن بکثرت ہیں جو ہمارے مُلک کے اُس قسم کے ہرن سے جسکو فان[1] کہتے ہیں بہت مشابہ ہیں اور اِن کی ڈاریں ہوتی ہیں جن میں اکثر پانچ چھ ہرن سے زیادہ نہیں ہوتے۔ اور ایک نر ہرن ڈار کے پیچھے چلتا ہے جو اپنی رنگ سے بآسانی پہچانا جاتا ہے۔

اب شکار کا طریقہ سُنیے کہ ہرنوں کی ڈار کے نظر پڑتے ہی ایک چیتے کو جو ایک چھوٹی سی گاڑی پر زنجیر سے بندھا رہتا ہے وہ ڈار دکھلا دیتے ہیں اور یہہ سیانا اور مکّار جانور فوراً اُسکی طرف نہیں دوڑ پڑتا بلکہ ایک بڑی احتیاط سے اُنکے اِرد گِرد چھپ چھپ کر اور دبک دبک کر چلتا ہے اور اِس طریق سے بے معلوم ایسا نزدیک جا پہنچتا ہے کہ پانچ ہی چھ جستوں میں جنکی بعید القیاس سُرعت اِس جانور میں مشہور ہے۔ اُن کے پکڑ لینے کا قابو بخوبی حاصل کر لیتا ہے اور اگر اپنے حملہ میں کامیاب ہوتا ہے تو معاً شکار کے خون اور دل و جگر سے پیٹ بھر لیتا ہے۔ اور اگر وار خالی جاتا ہے (چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے) تو پھر دوسرا حملہ نہیں کرتا بلکہ چپکا کھڑا ہو جاتا ہے! فی الواقع اِس امر میں کوشش کرنا کہ سیدھی

[1] فان Fawn

ساتھ شکار کھیل سکتا ہے - چنانچہ وہ صورت یہہ ہے کہ آگرہ اور دہلی کے
نواح میں دریاے جمنا کے کنارے کنارے کوہستان تک اور اس
شاہراہ کے دونوں جانب جو لاہور کو جاتا ہے زمین کا ایک بڑا حصہ بنجر پڑا
ہوا ہے جو جنگلی درختوں اور جھاڑیوں اور مختلف الاقسام گھاس سے جو
دو دو گز اونچی ہے ڈھکا رہتا ہے - اور ان سب زمینوں کی بڑی نگرانی
سے محافظت کیجاتی ہے - اور سواے تیتر بٹیر اور خرگوش کے جنکو
ہندوستانی لوگ جال سے پکڑتے ہیں کوئی شخص خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو
شکار گاہ میں جا کر کسی قسم کے شکار کو جو احتیاط او حفاظت کی وجہ سے
بیشمار ہے نہیں چھیڑ سکتا - جب کبھی بادشاہ شکار کو جاتا ہے تو وہ شکاری جسکے
ضلع کے قریب ہو کر لشکر شاہی کا گزر ہو حاضر ہو کر میر شکار شاہی کو اپنے
علاقہ کے مختلف القسم شکاروں کے حالات اور اس جگہہ کے احوال سے
جہاں شکار بافراط موجود ہو مطلع کرتا ہے اور اسکے اطلاع دینے پر شکار گاہ
کے ناکوں اور خاص خاص موقعوں پر پہرے بٹھا دیے جاتے ہیں
تاکہ وہ قطعے جو منتخب کئے گئے ہیں کامل طور پر محفوظ رہیں - یہہ قطعات
کبھی کبھی دس دس پانچ میل کے وسعت میں ہوتے ہیں اور اس شکار گاہ
سے کہ جہاں بادشاہ شکار کھیلا چاہتا ہے اہل لشکر کوچ کے وقت دائیں
بائیں کو اس طرح پر بچکر چلتے ہیں کہ بادشاہ بغیر کسی طرح کی وقت کے
صرف اس قدر امرا اور لوگوں کے ساتھ جنکو اجازت دیگئی ہو شکار گاہ کے
اندر بلا ہرج مرج داخل ہو کر بخوبی و اطمینان تمام انواع و اقسام کے شکار

تھے - مینے یہہ ٹھان لی تھی کہ خواہ کچھ ہی ہو ایک خوب مقابلہ کیے بغیر میں اُن سے مار نہیں کھانے کا - پس مینے اپنی تلوار کھینچ لی اور خوش نصیبی سے میرا گھوڑا بھی مضبوط اور بہت جاندار تھا اور اِس طرح پر اُس قابل ہوگیا کہ تیغ بکف اُن حملہ آوروں کی بھیڑ کو چیر کر نکل گیا اور ایک تیز رَو ندّی میں جو سامنے تھی گھوڑا ڈال کر پار اُتر گیا -

حقیقت یہہ ہے کہ تمام فوج میں یہہ بات ایک مَثَل کیطرح مشہور ہے کہ تین موقعوں سے نہایت بچنا اور احتیاط کرنا واجب ہے - **اوّل** خاصے اور کوتل گھوڑوں میں جا گھسنے سے جہاں دُولتیاں اور ٹھکین بحساب ہیں - **دویم** شکار گاہ میں جا داخل ہونے سے - **سویم** بیگمات شاہی کی سواری کے قریب جا رہنے سے ! اور ایران میں تو یہہ تیسری صورت سب سے بُری ہے - کیونکہ میں سُنتا ہوں کہ اگر وہاں کوئی شخص خواجہ سراؤں کو اتنے فاصلہ پر بھی نظر پڑ جاے کہ جہاں سے بیگمات تک ایک میل کا فاصلہ ہو تو اُس غریب کی جان نہیں بچ سکتی اور یہہ ضرور ہے کہ جس شہر اور گانو میں ہو کر بیگمات کی سواری نکلے وہاں کے تمام مرد اپنے اپنے مقام مسکن کو چھوڑ کر بہت فاصلہ پر بھاگ جائیں -

بادشاہ کے شکار کھیلنے کے طریقہ کا ذکر -

اَب میں کچھ بادشاہ کے شکار کا بیان کرتا ہوں ! میری سمجھ میں کبھی نہ آتا تھا کہ شہنشاہ مغلیہ ایک لاکھ آدمی کے لشکر کے ساتھ کسطرح شکار کھیل سکتا ہے - لیکن بلاشک ایک خاص صورت ہے جسکے سبب سے دو لاکھ بلکہ اِس سے بھی زیادہ فوج کے

مشاہرہ اور منصب کی مناسبت سے کم زیادہ ہوتی ہے گزرتی ہیں۔

بیگمات کی سواریوں کی شان وشوکت اور دلچسپی کا ذکر

اِن ساٹھ ستّر ہاتھیوں کا وہ تول تول کر قدم رکھنا اور میگڈنبروں کی وہ چمک دمک اور نہایت خوش لباس اور بے شمار ہمراہیوں اور خدم وحشم کا انبوہ کثیر واقع میں دیکھنے والے کے دل پر شاہی شان وشوکت کا ایک عجیب اثر ڈالتا ہے اور اگر میں اِن سب دلفریب سامانوں کو فلسفیانہ بے اعتنائی کی نظر سے نہ دیکھتا تو بیشک میں بھی اُنہیں ہندستانی کبشروں کی مانند جو استعارے کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ یہہ شاہزادیاں نہیں بلکہ دیویاں ہیں جو ہاتھیوں پر میگڈنبروں میں بیٹھی ہوئی خلایق کی نظروں سے پوشیدہ جارہی ہیں اپنے خیالات کی بلند پروازی کا مغلوب ہوجاتا۔

جو سخت انتظام بیگموں کی سواری کے نزدیک نجانے کے باب میں ہے اُسکا اور ایک اپنے گزرتے ہوے معاملہ کا ذکر

اور واقعی نہایت مشکل ہے کہ کوئی متنفس اِن بیگمات کے نزدیک جا سکے اور گویا محال ہے کہ وہ انسان کو نظر آسکیں بجز اُس بد قسمت ذی رحال اُس سوار کے جو کسی اتفاق سے بیگمات کی سواری کے نزدیک جانکلے کیونکہ یہہ شخص خواہ کیسا ہی ذی رتبہ کیوں نہ ہو خواجہ سراؤں اور خواصوں وغیرہ کے ہاتھ سے پٹے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہہ لوگ ایسے موقع پر بڑے شوق سے اُسکی خوب ہی گت بناتے ہیں۔ چنانچہ میں ایسی جلدی نہیں بھول سکتا کہ ایکبار میں بھی اس بلامیں پھنس گیا تھا و ہزار دقت و مشکل اُس بیرحمانہ سلوک سے نجات پائی تھی جسمیں بہت سے سوار پھنس چکے

زیادہ کوئی دلچسپ اور اعلیٰ درجہ کا تماشا قیاس میں نہ آئیگا - یہہ بیگم پیگو کے
ایک بہت ہی عمدہ اور بڑے قد آور ہاتھی پر ایسے میگڈنبر میں سوار ہوتی ہے
جسکی سُنہری اور لاجوردی رنگتوں کی چمک دمک قابل دید ہے
اُسکے ہاتھی کے پیچھے پانچ چھ اَور ہاتھی چلتے ہیں جنپر اُسکے محل کی معزز
عورتیں ہوتی ہیں - اور اُن کے میگڈنبر بھی شان اور خوبصورتی میں روشن آرا بیگم
کے میگڈنبر جیسے بلکہ قریباً ویسے ہی ہوتے ہیں - شاہزادی کے قریب بڑے
بڑے اور خاص خاص خواجہ سرا بھاری بھاری پوشاکیں پہنے ہوئے
نفیس گھوڑوں پر سوار ہاتھوں میں چھڑیاں لئے ہوئے چلتے ہیں اور اُسکے
ہاتھی کے اِرد گِرد ایک رسالہ کشمیری اور تاتاری عورتوں کا ہوتا ہے جو بڑے
بناؤ سنگار کئے ہوئے خوبصورت اور بادپا گھوڑوں پر سوار ہوتی ہیں
اِن کے عِلاوہ اَور بہت سے خواجہ سرا گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں جنکے
ساتھ ایک بڑی بھیڑ پیدل ملازموں کی ہوتی ہے جو ہاتھوں میں بڑی
بڑی چھڑیاں لئے ہوئے شاہزادی کی سواری کے دائیں بائیں بہت
دُور آگے اِس مُراد سے چلتے ہیں کہ راستہ کو صاف اور کُھلا رکھیں اور
ہر ایک شخص کو جو سامنے آجاے ہٹاتے جائیں -

بڑی بیگم اور اَور بیگموں کی سواریوں کا ذکر -

روشن آرا بیگم کی سواری کے ساتھ ہی محل کی
بڑی بیگم کی سواری نمودار ہوتی ہے اور قریباً
یہی سب تکلّفات اُسمیں بھی ہوتے ہیں - غرضکہ اِسی طرح پندرہ سولہ بڑی
بڑی بیگمیں شان و شوکت اور دھوم دھام کے ساتھ جو اُن کے مرتبہ اور

ہیں جلتی ہیں۔ چنانچہ مینے کبھی کبھی روشن آرا بیگم کو محل میں سوار دیکھا ہے اور کئی بار یہہ بھی دیکھا ہے کہ محل کے آگے کی جانب جو کُھلی ہوئی تھی ایک نوجوان خوش لباس لونڈی بیٹھی ہوئی گرد اور مکھیوں کے دُور کرنے کے لئے بیگم صاحبہ کو مورچھل کر رہی تھی۔ بیگمیں اکثر ہاتھیوں پر بھی سوار ہوتی ہیں جنکے بڑے بڑے چاندی کے گھنٹے پڑے ہوے اور بڑی قیمتی ساز و سامان سے سجے ہوے ہوتے ہیں۔ اور جنکی جھولیں وغیرہ نہایت زرق برق اور بیش قیمت اور وہ ایسے آرائشی چیزیں جو جھول وغیرہ میں لٹکائی جاتی ہیں نہایت عمدہ زردوزی کام کی ہوتی ہیں۔ یہہ حسین اور ممتاز بیگمیں اپنی میگھڈنبروں میں بیٹھی ہوئی یوں دیکھائی دیتی ہیں گویا ہوا میں پریاں اُڑی جاتی ہیں۔ اور ہر ایک میگھڈنبر میں آٹھ عورتیں بیٹھ سکتی ہیں۔ چار ایک طرف چار دوسری طرف اور میگھڈنبر کے ہر ایک خانہ پر ریشمین جالی کا غلاف پڑا ہوا ہوتا ہے۔ اور چوڈول اور تخت رواں کی شان وشوکت اور زرق برق سے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ اور بیگمات کی سواریوں کا تجمّل اسقدر دلچسپ ہے کہ اس سفر میں یہہ تماشا میرے لئے بدرجہ غایت کشش دلی کا باعث رہا ہے اور اُسکی یاد اور خیال سے اب بھی طبیعت کو ایک مسرت حاصل ہوتی ہے

روشن آرا بیگم کی سواری کے جلوس کا ذکر۔

چنانچہ آپ اپنے خیال کو خواہ کیسی ہی وسعت اور طول دیجئے مگر روشن آرا بیگم کی سواری ہے

نصب کی ہوئی ہوتی ہیں شامل ہوکر چلتی ہیں - جنہیں سے بعض تو عجیب عجیب جانوروں کی صورت کی ہیں بعض ہاتھ کے پنجے اور ترازو اور مچھلی وغیرہ اور بعض اور بعید الفہم اشیا کی شباہت کی -

قورخانہ کے بعد منصب داروں کا جو غول آتا ہے اُس کا بیان -

اِس کے پیچھے ایک بڑا غول منصب داروں یعنی کم درجہ کے اُمرا کا آتا ہے جو ہتھیار سجائے عمدہ گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں - یہہ لوگ اُن اُمرا سے جو بادشاہ سے پیچھے چلتے ہیں تعداد میں کہیں زیادہ ہیں - کیونکہ اُن منصب داروں کے علاوہ جنکو اپنے پہرہ کی وجہ سے علی الصباح بادشاہی خیمہ پر بادشاہ کی ہمرکابی کے لئے جمع ہونا ضرور ہے اور بھی بہت سے منصب دار اِس غرض سے شریک جلوس سواری ہوجاتے ہیں کہ بادشاہ کی زیر نظر رہکر کچھ ترقی حاصل کریں -

بیگمات کی سواری کی چیزوں اور اُنکی زیب و زینت کا بیان -

شہزادیاں اور محل کی بڑی بڑی بیگمیں بھی کئی قسم کی سواریوں میں چلتی ہیں جنمیں سے کسی کو تو چوڈول پسند ہے جسکو کہار اُٹھاتے ہیں اور تخت رواں سا ہوتا ہے اور جسپر مُلمّع اور روغنکاری کا کام بنا ہوا ہوتا ہے اور رنگا رنگ کے ریشمین خوشنما گھٹا ٹوپ پڑے ہوے اور زری کی جھالریں اور خوبصورت پھندنے وغیرہ ٹکے ہوے ہوتے ہیں - بعض عمدہ عمدہ پالکیوں میں جو چوڈولوں کی طرح خوب سجی سجائی ہوتی ہیں سوار ہوتی ہیں - اور بعض شاہزادیاں بڑے بڑے محملوں میں جو دو مضبوط اُونٹوں یا دو چھوٹے ہاتھیوں کے بیچمیں مُعلّق ہوتے

جن کے پاس چاندی کا گرز ہوتا ہے سب طرح سے ساز و سامان سے درست موجود رہتے ہیں۔

بہت سے گُرز بردار بادشاہ کے بھی ہمرکاب ہوتے ہیں جو آگے آگے دائیں اور بائیں پیدلوں کے ایک بڑے جمگھٹ کے ساتھ چلتے ہیں۔ گرز بردار چیدہ اور وجیہ جوان ہوتے ہیں اور احکام اور فرامین شاہی وغیرہ اُن کے ہاتھ بھیجے جاتے ہیں۔ اِن کے ہاتھ میں بڑے بڑے عصا ہوتے ہیں اور بادشاہ کی سواری کے آگے سے لوگوں کو ہٹاتے رہتے ہیں تاکہ راستہ صاف ملے۔

راجاؤں کی سواریوں کے بعد قور جلتا ہے جس میں بہت سی شہنائیں اور نقارے بھی ملے ہوئے ہیں

راجاؤں کی سواریوں کے بعد قور* چلتا ہے جس میں بہت سی شہنائیں اور نقارے بھی سلے ہوکر چلتے ہیں۔ اِس قور میں جیساکہ مینے پہلے بیان کیا ہے چاندی کی بنی ہوئی بہت سی مختلف الوضع چیزیں بھی جو ایک چاندی کی لمبی چوب پر

* قُور (ق ُ وْ ر) بمعنی ہتھیار ترکی لفظ ہے اور اس سے بادشاہی سلح خانہ مراد ہے۔ آئین اکبری میں لکھا ہے کہ شہنشاہ اکبر نے یہ آئین باندھا تھا کہ مختلف قسم کے سلاحات مثلاً تلوار نیزہ خنجر کمان تیر ترکش وغیرہ جیسے کہ اسوقت مروج تھے روزمرہ ایک مقررہ تعداد کے موافق منصبداروں اور احدیوں کی ایک جماعت کو اس مطلب سے سپرد رہتے تھے کہ بادشاہ سفر اور حضر میں جسوقت چاہے اُن میں سے کوئی ہتھیار لیکر خواہ خود استعمال کرے خواہ بہم وقت کے موافق کسی سردار یا سپاہی کو حسب ضرورت بخش دے اور سفر کے وقت جب یہ سلح خانہ چلتا تھا تو شان و شوکت دیکھانے کے لئے سامان جلوس شاہی یعنی نشانوں اور ماہی مراتب اور نقاروں وغیرہ کے ساتھ مل جُل کر چلتا تھا گو در اصل یہ کارخانے قور سے علحدہ تھے۔

س - م - ح

کوچ کے وقت امرا اور راجے بادشاہ کے ساتھ جسطرح سے چلتے ہیں اس کا بیان

ہر ایک کوچ میں بادشاہ کے ہمراہ بہت سے اُمرا اور راجے ہوتے ہیں جو بہت قریب قریب اُسکے پیچھے گھوڑوں پر چلتے ہیں اور بطور ایک بے ترتیب مجمع کے سب کے سب باہم اس طرح ملے جُلے چلتے ہیں جنمیں چنداں لحاظ کسی قاعدہ کا نہیں ہوتا۔ کوچ کے روز علی الصباح سب اُمرا باستثنار اُن کے جن کی عمر زیادہ ہو یا اُن کا عُہدہ ہی مقتضی اس استثنار کا ہو خیمہ عام وخاص میں جمع ہوتے ہیں اور اِس کوچ سے اُمرا کو بہت کوفت اور ماندگی ہوتی ہے خصوصاً شکار کے دن کیونکہ اُنکو اِس حالت میں اکثر اوقات سہ پہر یعنی تین بجے تک برابر دُھوپ اور گرد میں عام سپاہیوں کی مانند حیران ہونا پڑتا ہے۔

امرا بادشاہ سے علیحدہ جس لطف سے منزل طے کرتے ہیں اُسکا بیان۔

مگر یہہ آسایش پسند اُمرا جب بادشاہ کے ہمرکاب نہیں ہوتے تو اَور ہی طرح سفر کرتے ہیں اور نہ تو اُن کو دُھوپ ہی ستاتی ہے اور نہ گرد ہی بلکہ حسب پسند طبع بند یا کُھلی پالکی میں ایسے جاتے ہیں جیسے پلنگ پر لیٹے ہوئے اور بلا دِقّت آرام سے سوتے ہوئے اپنے خیمہ میں جا پہنچتے ہیں جہاں اُن کو یقیناً عمدہ کھانا اور ہر ایک ضروری چیز تیّار ملتی ہے۔ کیونکہ یہہ سب سامان رات کو کھانا کھانے کے بعد فوراً آگے کو روانہ کر دیا جاتا ہے

سواری کے وقت جو گرز بردار اُمرا اور بادشاہ کی سواری کے ساتھ رہتے ہیں اُن کا ذکر

سواری کی حالت میں ان اُمرا کے گرد و پیش بہت سے سوار جنکو گُرز بردار کہتے ہیں اور

بادشاہ کی سواری کے طریقہ کا بیان

اب میں شہنشاہ کے سفر کرنے کے وہ مختلف طریقے جو اُسنے اِس موقع پر اختیار کئے تھے بیان کرتا ہوں۔

تخت رواں کا ذکر

اکثر اوقات بادشاہ تخت رواں پر سوار ہوتا ہے۔ جسکو کہار اُٹھاتے ہیں۔ یہہ تخت ایک قسم کا مکلّف چوبیں بنگلہ ہوتا ہے جسکے روغن کاری اور مُلمّع کے ستون اور آئینہ دار کھڑکیاں ہوتی ہیں جو تیز ہوا اور بارش وغیرہ کے وقت بند کیجاتی ہیں۔ اِس تخت کے چاروں ڈنڈے جو کہاروں کے کاندھے پر ہوتے ہیں تیز رنگ کی سُرخ بانات یا کمخواب سے منڈھے ہوئے اور زری اور ریشم کی نہایت کامدار جھالر سے آراستہ اور سجے ہوئے ہوتے ہیں اور ہر ایک ڈنڈے کو دو مضبوط اور خوش پوشاک کہار لگے رہتے ہیں جنکی بدلی کے واسطے نوبت بہ نوبت اَور آٹھ کہار موجود رہتے ہیں۔

کبھی بادشاہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے۔ خصوصاً جب موسم موافق اور قابل شکار کے ہو اور کبھی ہاتھی پر میگہ ڈنبر یا ہودے میں بیٹھ کر سفر کرتا ہے جو نہایت ہی شان دار اور باشوکت سواری ہے۔ کیونکہ اُسکی جھول ایسی عمدہ اور سازوسامان اس قدر قیمتی اور مرصع اور زرق برق کا ہوتا ہے کہ اُسکی زیبایش پر کوئی چیز فوق نہیں لیجا سکتی۔

ہاتھی کے میگہ ڈنبر اور ہودے کا بیان

میگہ ڈنبر روغنکاری اور مُلمّع کا ایک چھوٹا سا چوبی بنگلہ مربع شکل کا سمجھنا چاہیئے۔ اور ہودا بیضوی شکل کی ایک نشست ہے جسکے سنہری اور نہایت منقش ستونوں پر ایک نہایت مُکلّف شامیانہ ہوتا ہے

رات کیوقت اسکی چوٹی پر ایک قندیل لٹکتی رہتی ہے - یہہ نہایت ہی مفید چیز ہے - کیونکہ اس دھواں دھار تاریکی میں جب کچھ نظر نہیں آتا تو یہہ دکھائی دیتا ہے اور جو لوگ راستہ بھول جاتے ہیں وہ یا تو اسی کے نیچے چوروں سے امن میں رات کاٹ لیتے ہیں یا وہاں پہنچکر پھر اپنے ڈیرے کا ڈھونڈ دھانڈ کر پتا لگا لیتے ہیں -

لفظ اکاس دیا کا ترجمہ آسمانی روشنی کے لفظ کے ساتھ ہو سکتا ہے کیونکہ حقیقت میں یہہ قندیل دور سے ستارہ سا چمکتی ہوئی معلوم ہوتی ہے

> بادشاہی لشکر میں چوری کے انسداد کا جو انتظام ہے اُس کا ذکر -

انسداد وزدی کیواسطے ہر ایک امیر اپنے اپنے خیمہ پر چوکیدار رکھتا ہے جو رات کو برابر ڈیرے کے آس پاس گشت کرتے "خبردار خبردار" پکارتے رہتے ہیں - اِسکے علاوہ تمام فوج کے گرداگرد پان پانسو قدم کے فاصلہ پر پہرہ والے ہوتے ہیں جو اپنے پاس آگ جلاے رکھتے اور "خبردار خبردار" پکارتے رہتے ہیں - اِس احتیاط کے علاوہ کوتوال ہر ایک طرف اپنے برقنداز بھیجتا ہے جو خاص کر بازاروں کی زیادہ تر خبرگیری کرتے اور شور و غل کے علاوہ نرسنگا بھی بجاتے رہتے ہیں - مگر باوجود ان سب احتیاطوں اور خبرداریوں کے چوری اکثر ہوتی رہتی ہے اسلئے مقتضاے احتیاط یہہ ہے کہ ہمیشہ بڑی خبرداری اور چستی سے رہنا چاہیئے اور اپنے ملازموں کی حفاظت اور بیداری پر زیادہ بھروسہ نرکھنا چاہیئے اور رات کو اوّل وقت کچھ آرام کر لینا چاہیئے تاکہ باقی ماندہ رات کو حفاظت کیواسطے گنجایش ہو -

گویا تم اُن کو ابھی پیٹ ڈالوگے مگر کسیکو ہاتھ تک لگانا نہیں چاہیئے۔
اور دونوں طرف کے نوکروں چاکروں کے باہم اوّل ایک سخت قال و
مقال پیدا کر کے پھر اُن کو یہہ ڈرا دینا چاہیئے کہ اِس حرکت کا نتیجہ اچھا
نہ ہوگا۔ اور اِس طرح پر اُن کے باہم صُلح کرا کر وقت کو غنیمت جانیئے
اور اپنے اونٹ نکال لیجائیے۔

شام کیوقت دھوئیں کی کثرت سے اِدھر اُدھر جانے میں جو دقت پیش آتی ہے اُس کا ذکر۔

شام کیوقت جب کسی کام کے لئے کچھ دُور جانا
پڑتا ہے تو حقیقت میں کمال دقّت ہوتی ہے
کیونکہ اسوقت عوام الناس اپنا اپنا کھانا پکاتے ہیں اور اکثر اُپلے اور اُونٹوں
کی مینگنیاں اور گیلی لکڑیاں جلاتے ہیں اور اِن کے بیحد و شمار چولھوں کا
دھواں خصوصاً جبکہ ہوا کم ہو نہایت مکروہ اور ناگوار ہوتا ہے اور آسمان بالکل
تیرہ و تار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میں بھی تین چار بار اس دھوئیں کے سمندر میں پھنس گیا
تھا اور ہر چند راستہ دریافت کرتا تھا مگر نہیں ملتا تھا اور اگرچہ اِدھر اُدھر بہت
سا چکر آیا پھر اگر کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ کدھر جاتا ہوں اور ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ
دھوئیں کے موقوف ہونے اور چاند کے نکلنے تک ایک جگہہ توقف کرنا پڑا
اور پھر ایک دوسری مرتبہ میں بڑی مشکل سے اکاس دیئے تک پہنچا اور مع

اکاس دیا اور اُسکے فوائد کا ذکر

اپنے گھوڑے اور سائیس کے اُسی کے نیچے رات بسر
کی۔ یہہ اکاس دیا جہاز کے ایک بڑے مستول کی مانند مگر نہایت نازک
اور پتلا ہوتا ہے جسکے اُتارتے وقت الگ الگ تین ٹکڑے ہو جا
ہیں یہہ بارگاہ شاہی کی طرف نقارخانہ کے قریب لگایا جاتا ہے۔

ملنے میں ایک نہایت خلط ملط اور دقّت ہوتی ہے خصوصاً فجر کو جب فوج اپنی فرودگاہ پر آتی ہے اور ہر متنفس بڑی سرگرمی سے اپنی خیمہ گاہ کی تلاش اور ڈیرہ کرنے کے بندوبست میں مشغول ہوتا ہے اور گرد وغبار کے مارے یہہ سب نشاں اور علامتیں بالکل چھپ جاتی ہیں اور بارگاہ شاہی اور مختلف بازاروں اور اُمرا کے خیموں کا پہچاننا اور امتیاز کرنا ناممکن ہوجاتا ہی - علاوہ بریں وہ خیمے جو نصب کئے جانے کے لئے پھیلائے ہوئے یا نیم استادہ ہوتے ہیں اکثر رستہ ملنے میں حارج ہوتے ہیں اور نیز وہ طول طویل رسّیاں جو کم درجہ اُمرا اور منصب دار جنکے پاس پیش خیمے نہیں ہوتے اپنی اپنی حدود کے گھیر لینے کو اور بلغرض السدا و آمد ورفت عوام اور اِس مُراد سے (بصورتیکہ اُن کے قبائل ساتھ ہوں) کہ اُن کے قریب کوئی غیر شخص ڈیرہ نکر سکے بندھوا دیتے ہیں بڑی سدّ راہ ہوتی ہیں - کیونکہ اُنکے نوکر چاکروں کی ایک فوج ہاتھوں میں ڈنڈے لئے نگہبانی کے لئے کھڑی رہتی ہے جو اِن رسیّوں کو نہ تو سرکانے ہی دیتے ہیں اور نہ نیچا کرنے دیتے ہیں اور لامحالہ اُلٹے پاؤں پھرنا پڑتا ہے اور اس عرصہ میں جو اس طرف راستہ لینے میں بیفائدہ سعی ہوتی رہے ہے دوسری طرف کا راستہ بھی بند ہوجاتا ہے -

اب اُونٹ لدے کھڑے ہیں اور اُن کے نکال لیجانے کی بجز اسکے کوئی سبیل نہیں ہے کہ اُن نوکر چاکروں کو دھمکایئے بھی اور مِنّت سماجت بھی کیجئے اور سمجھانے بوجھانے کے ساتھ کبھی ایسا غصّہ دکھلائیے کہ

معینہ کے موافق کُل خیمہ جات بخوبی فراغت سے نصب ہوسکیں تب
بھی میرے قیاس میں لشکر کا کُل دَور چھ سات میل سے زیادہ نہیں
ہوتا۔ حالانکہ لشکرگاہ کے اندر زمین کے بعض قطعات اکثر یوں ہی خالی اور
بے مصرف پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ البتہ مجھے اِس جگہہ یہہ بات بھی ظاہر
کردینی واجب ہے کہ بھاری توپخانہ جسکو ہمیشہ بہت جگہہ درکار ہوتی ہے عموماً
کُل لشکر سے ایک دو منزل آگے چلا جایا کرتا ہے۔

بادشاہی لشکر کے عجیب انتشار اور شور و غل کا ذکر——

علی ہذا القیاس جو عجیب انتشار اور شور و غل اس لشکر
میں ہوا کرتا ہے اور جو کسی نووارد شخص کو حیرانی
میں ڈالتا ہے اُسکے بیان میں بھی بہت مبالغہ کیا گیا ہے۔ حالانکہ آپکو
اگر تھوڑی سی بھی واقفیت اِس امر کی ہو کہ اس لشکر میں خیمے کس تفریق و ترتیب
سے نصب ہوتے ہیں تو آپ ایک تھوڑی ہی دِقّت کے ساتھ ہر جگہہ جہاں
ضرورت ہو پہنچ سکیں گے۔

لشکر کے مختص الوضع جھنڈوں اور نشانوں کے بپا ہونے کا ذکر-

خیام شاہی اور ہر ایک امیر کے مختص الوضع
خیمے اور نشان اور وہ سُوزہ گاسے کی دُم
والے جھنڈے جو بادشاہی بازاروں میں لگتے ہیں۔ اور جو سب بہت دُ
سے نظر آتے ہیں۔ چند روز کے تجربہ کے بعد ایسے راہبر ہوجاتے ہیں کہ
نہیں دیتے۔

منزل پر پہنچنے کے وقت فرودگاہ کے پہچاننے اور اُس تک پہنچنے میں جو کبھی کبھی دقت پیش آتی ہے اسکا ذکر

مگر واقعی باوجود اِن سب احتیاطوں اور ع
کے بھی کبھی کبھی ڈیرے کے پہچاننے

ضرور ہے کہ وہ اسقدر اونچے نہ ہوں کہ بادشاہ کی نظر اُنپر پڑجاسے اور وہ اُن کے گرا دینے کا حکم دیدے جیساکہ اُسنے ہمارے اِسی سفر میں کیا تھا۔ اور اِسی وجہ سے یہہ بھی ضرور ہے کہ اِن کے خیموں کی بیرونی جانب بھی تمام سرخ نہ ہو کیونکہ یہہ رنگ صرف بادشاہی ڈیروں کے واسطے مخصوص ہے۔ اور شاہی تعظیم اور ادب کے خیال سے یہہ بھی واجب ہی کہ اُمرا کے خیموں کے مونہہ عموماً عام و خاص اور قیام شاہی کی طرف کو رہیں۔ (یعنی پشت وغیرہ اُس طرف نہ ہونے پاسے)

چھوٹے درجہ کے امرا اور اوَر اہل لشکر کے خیموں وغیرہ کے قرینہ کا ذکر—

باقی زمین جو مابین خیام شاہی اور اُمرا کی خیمے گاہوں اور بازار کے ہوتی ہے اُسمین چھوٹے درجہ کے امیروں اور منصب داروں اور اہل توپخانہ اور ہر قسم کے تاجروں اور دُکان داروں اور مُلکی عُہدہ داروں اور اوَر اشخاص کے خیمے نصب ہوتے ہیں جو اپنی اپنی اغراض اور مطالب مختلفہ کی وجہ سے لشکر کے ہمراہ رہتے ہیں اور اس سبب سے اس لشکر میں بیحد و شمار خیمے ہوتے ہیں اور زمین کا ایک بہت ہی بڑا سطح اُنکے کھڑے ہونے کے لئے درکار ہوتا ہے۔

کُل لشکر کے لئے جسقدر زمین درکار ہوتی ہے اُس کا بیان —

اگرچہ کُل اشخاص موجودہ لشکر کی تعداد اور وسعتِ زمین خیمہ گاہ کی نسبت بعض فرنگستانی سیّاحوں نے بہت مبالغے کئے ہیں مگر اصل یہہ ہے کہ جب کبھی لشکر کا قیام کسی ایسے پڑاو میں بھی ہوتا ہے کہ جسمین ترتیب

معمولی فاصلہ پر ہو خواہ دائیں ہو خواہ بائیں اور کوئی شخص اپنی معمولی جگہہ کو جو اُسکے لئے مقرر ہے یا اُس جگہہ کو جو قبل از شروع سفر کسی شخص کی درخواست پر اُسکے واسطے مخصوص ہو چکی ہو بدل نہ سکے۔

جو تعریف کہ مینے اُس بڑے مربع قطعہ کی کی ہے اکثر صورتوں میں وہی تعریف اُمرا اور راجگان کی خیام گاہ پر بھی صادق آتی ہے۔ یہہ لوگ بھی عموماً اُسی طرح دو پیش خانے رکھتے ہیں اور آنکی خیمہ گاہیں بھی اُسیطور پر قناتوں سے جو اُنکے اور اُن کے زنانوں کے بڑے خیموں کے گرداگرد لگائی جاتی ہیں گھر کر مربع شکل کی ہو جاتی ہیں اور اُن کی اِن مربع صورت کی خیمہ گاہوں کے باہر بدستور اُن کے سرداروں اور سواروں کے ڈیرے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح ایک بازار بھی ہر امیر کی خیمہ گاہ کے متعلق ہوتا ہے جسمیں اُن کی فوج کے دوکاندار اور بیوپر کے لوگ چھوٹی چھوٹی بالیں وغیرہ لگا کر گھاس دانہ چاول گھی وغیرہ اجناس بیچا کرتے ہیں اور اسطرح پر اُمرا کے لشکروں میں بادشاہی بازاروں سے جنمیں کُل سامان اور اجناس اکثر مثل پایۂ تخت کے میسر آسکتی ہیں کسی شے کی خریداری کی چنداں احتیاج نہیں پڑتی۔ ہر ایک بازار کے دونوں سروں پر ایک ایک جھنڈا مع علحدہ علحدہ رنگ کے پھریروں کے جو بلندی میں بادشاہی بازاروں کے جھنڈوں کے برابر ہوتے ہیں استادہ رہتا ہے تاکہ ہر ایک امیر کی خیمہ گاہ دُور ہی سے جُدا جُدا معلوم ہو جائے

اُمرا کو بہت اونچے اور سرخ رنگ کے خیمے رکھنے اور خیام شاہی کیطرف پشت کر کے اپنے خیمے لگوانے کی ممانعت کا ذکر۔

اگرچہ بڑے بڑے اُمرا اور بڑے بڑے راجے اونچے اونچے ڈیرے رکھنا اپنا فخر جانتے ہیں مگر یہہ

اُسمیں اُتر سکیں۔

لشکر کے بازاروں اور اُنکی ترتیب کے قرینوں کا ذکر

جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے سب سے پہلے میر ساماں کو یہ فکر کرنی پڑتی ہے کہ بارگاہ شاہی کیواسطے ایک معقول موقع انتخاب کرے۔ اور سب خیموں سے خیمہ عام و خاص بلند موقع پر لگایا جاوے۔ کیونکہ تمام لشکر کے اُترنیکا انتظام اور ترتیب اسی کے باقرینہ نصب ہونے پر موقوف ہو۔ پھر وہ شاہی بازاروں کی جہاں سے تمام فوج کو رسد ملتی ہے داغ بیلیں لگواتا ہے۔ بڑا بازار ایک بڑی وسیع سڑک کی شکل پر کبھی عام و خاص کے دائیں اور کبھی بائیں سطور سے لگایا جاتا ہے کہ کل لشکر کے اخیر سرے تک برابر چلا جاتا ہے۔ اور جہاں تک ممکن ہے ہمیشہ اُس طرف لگایا جاتا ہے کہ جس طرف سے کہ اگلی منزل کے راستہ پر پڑے۔ دوسرے بادشاہی بازار جو عرض و طول میں ایسے نہیں ہوتے اور جنکے رستے اسی بڑے بازار میں سے ہوئے ہیں بارگاہ شاہی کے کوئی ایک طرف اور کوئی دوسری طرف ہوتا ہے۔ اور ہر ایک بازار میں امتیاز اور شناخت کیواسطے ایک ایک نہایت بلند جھنڈا جسمیں سرخ پھریرا اور سرے پر سُورۂ گاے کی دُم لگی ہوتی ہے تین تین سو قدم کے فاصلہ پر نصب ہوتا ہے۔

اُمرا کے خیمہ گاہوں اور اُن کے قرینوں وغیرہ کا ذکر۔

اِسکے بعد میر ساماں اُمرا کی خیمہ گاہوں کے لئے جگہہ تقسیم کرتا ہے تاکہ ہمیشہ ایک ہی قرینہ اور ترتیب ملحوظ رہے اور ہر ایک امیر کی خیمہ گاہ بارگاہ شاہی سے اپنے اپنے

سواریکے ہاتھیوں اور شکاری حیوانوں اور شکاری جانوروں کے لئے جو ہمیشہ بادشاہ کے ہمراہ رہا کرتے ہیں اور جن سے دونوں مطلب حاصل ہوتے ہیں یعنی شان و شوکت بھی اور سواری کیوقت شکار بھی اور شکاری کتوں اور چیتوں کے لئے جو ہرن اور نیل گاے کو پکڑتے ہیں - اور شیروں اور گینڈوں کے لئے جو شوکت دکھانے کے لئے ہمراہ لاے جاتے ہیں اور بنگالی بھینسوں* کے لئے جو شیر پر حملہ کرتے ہیں اور پلے ہوے ہرنوں کے لئے جو اکثر بادشاہ کے سامنے لڑائی جاتے ہیں

خیام شاہی کے مفہوم میں وہ خیمے بھی داخل ہیں جو مختلف کارخانوں وغیرہ سے متعلق ہیں

لفظ خیمہ گاہ شاہی کے سمجھنے کے لئے یہی خیال نہ کرلینا چاہیئے کہ جو خیمے اُس مربع قطعہ کے اندر ہیں صرف اُنہیں سے یہہ لفظ متعلق ہے بلکہ وہ بہت سے خیمہ جات جنکا ذکر میں ابھی کرچکا ہوں وہ بھی خیمہ گاہ شاہی کے مفہوم میں داخل ہیں اور اس تمام شاہی خیمہ گاہ کے لئے یہہ امر ضروریات سے ہے کہ حتی الامکان اُسکا موقع ہمیشہ سپاہ کے وسط میں ہو -

خیام شاہی کی شان و شوکت اور عجیب پرشکوہ منظر کا بیان

اَب آپ بآسانی سمجھ لینگے کہ یہہ شاہی بارگاہ کس شان و شوکت اور کس کیفیت کی ہے اور جب یہہ عظیم الشان سرخ خیموں کا مجموعہ ایک بڑی سپاہ کے بیچ میں قرب و جوار کی کسی بلندی سے دکھائی دیتا ہے تو دلپر اُسکی شان و عظمت کا ایک عجیب اثر ہوتا ہے - خصوصاً جبکہ لشکر گاہ کا میدان بقدر کافی کشادہ اور اس قسم کا ہو کہ بلا روک ٹوک سپاہ کے سب دستے اپنی اپنی معمولی ترتیب اور قرینہ سے

* ان بھینسوں سے جنگلی بھینسے جنکو ارنا بھینسہ کہتے ہیں مراد ہیں ۱۲ س - م - ح

مختلف کارخانوں کے خیموں کا ذکر

اس بڑے مربّع قطعہ کی باقیماندہ تینوں جانب کچھ تھوڑا سا فاصلہ دیکر بعض عہدہ داروں اور ایسے کارخانوں کے خیمے لگائے جاتے ہیں جنسے خاص خاص قسم کے شاہی اُمور متعلق ہیں اور اگر کوئی خاص وجہ مثل تنگی مقام وغیرہ مانع نہو تو یہہ خیمے ہمیشہ ایک ہی ترتیب اور قرینہ سے لگا کرتے ہیں۔ اِن ڈیروں کے جُدا جُدا نام اور لقب ہیں لیکن ان ناموں کا تلفظ مشکل ہے اور چونکہ میرا یہہ مدعا نہیں ہے کہ میں آپکو ہندوستانی زبان کی تعلیم دوں پس یہہ کافی ہے کہ اُن الفاظ کا مطلب بیان کردوں۔ یعنی اُن میں سے ایک ڈیرے میں تو بادشاہی ہتھیار رہتے ہیں اور دوسرے میں نہایت قیمتی زین اور جڑاؤ ساز وغیرہ اور تیسرے میں کمخواب اور زربفت کی قبائیں وغیرہ جو بادشاہ کیطرف سے اکثر خلعت میں دیجاتی ہیں۔ اور چار علیحدہ علیحدہ خیمے واسطے گنگا جل اور شورے کے جس سے پانی ٹھنڈا کرتے ہیں اور قسم قسم کے میووں اور حلووں اور مٹھائیوں اور پان وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ پان ایک قسم کا پتا ہے جو کچھ خاص مصالحے لگا کر تیار کیا جاتا ہے اور بطور علامت عنایات والطاف شاہی کے عطا ہوا کرتا ہے جسکے چبانے سے مونہہ سے خوشبو آتی ہے اور لب سرخ ہو جاتے ہیں۔ پندرہ سولہ ڈیرے اَور ہوتے ہیں جو باورچی خانہ اور اُسکے متعلقہ اشیا کے کام آتے ہیں اور ان سب کے وسط میں بہت سے عہدہ داروں اور خواجہ سراؤں کے ڈیرے ہوتے ہیں۔

سب سے اخیر خاصے گھوڑوں کے واسطے چھ ڈیرے اَور ہیں جو نہایت لمبے لمبے ہوتے ہیں۔ اِنکے علاوہ اَور بہت سے ڈیرے خاص بادشاہ کی

شاہی ڈیوڑھی کے دونوں طرف سجے سجائے کوتل گھوڑوں کے کھڑے رہنے اور ہمرکاب توپخانہ کی توپوں کا ذکر۔

اب اس مربع قطعہ کے باہر کی جانب کے منظر کا ذکر کرتے ہوئے پہلے میں ان دو خوبصورت ڈیروں کا ذکر کرتا ہوں جو شاہی ڈیوڑھی کے دونوں جانب ہوتے ہیں یہاں پر چند عمدہ کوتل گھوڑے کسے کسائے اور نہایت مکلف ساز و سامان سے سجے سجائے کھڑے رہتے ہیں تاکہ کسی ناگہانی ضرورت کیوقت فوراً کام آسکیں لیکن بڑی غرض اس سے شان و شوکت اور تکلف دکھانا ہے۔

اسی شاہی ڈیوڑھی کے دونوں طرف ہمرکاب توپخانہ کی پچاس ساٹھ توپیں جو چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں ایک قاعدہ سے لگی رہتی ہیں اور جس وقت بادشاہ خیمہ میں داخل ہوتا ہے اطلاع اہل لشکر کے لئے انہیں سے سلامی لی جاتی ہے۔

خیمہ معروف نقارخانہ کا ذکر

بادشاہی ڈیوڑھی کے سامنے بقدر مناسب و ممکن ایک وسیع صحن جسمیں کوئی خیمہ وغیرہ بالکل نہیں لگایا جاتا ہمیشہ چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس صحن کی انتہا پر ایک بڑا ڈیرہ کھڑا ہوتا ہے جسکو نقارخانہ کہتے ہیں کیونکہ اس جگہہ نقارے اور شہنائیں رہتی ہیں۔

امرائے چوکی دینے کا ذکر

اسی ڈیرہ کے قریب ایک اور بہت بڑا ڈیرہ لگتا ہے جسکو چوکی خانہ کہتے ہیں۔ یہاں امرا نوبت بنوبت ہفتہ میں ایک بار چوبیس گھنٹے پہرہ دیتے ہیں۔ مگر اکثر امرا ایسا کرتے ہیں کہ خاص اپنے ان کا ایک ڈیرہ ٹھیک چوکی خانہ کے متصل زیادہ آسایش و خلوت کی غرض سی کھڑا کر لیتے ہیں۔

شامیانہ کے تلے بیٹھکر بادشاہ لوگوں کا سلام مجرا لیتا اور عرض حال سنتا ہی

خرگاہ کا بیان

اور ڈیروں میں بھی ایسے ہی شامیانے ہوتے ہیں۔ مگر اُن میں خرگاہیں ہوتی ہیں جو مثل ایک چھوٹی سی کوٹھری کے ہیں اور اُن کے چھوٹے چھوٹے دروازوں میں چاندی کے قفل لگے رہتے ہیں۔ خرگاہ کا نقشہ سمجھنے کے لئے یہہ تصوّر کر لینا چاہیئے کہ گویا ہمارے ملک فرانس کا لپیٹ جانے والا ایک مربّع چھپر کھٹ* ہے۔ جو بمقدار دو چھپر کھٹوں کے بلندی میں ہے مگر چھت اُسکی چورس نہیں ہے بلکہ گنبد کیطرح کی ہے۔ لیکن خرگاہ اور چھپر کھٹ میں بڑا فرق یہہ ہے کہ خرگاہ کے چاروں طرف پردوں کی جگہہ بہت پتلے اور سُباک باہر کی جانب مُلمّع یا روغن کئے ہوے تختے لگے ہوے ہوتے ہیں اور زیبائش کیواسطے گرداگرد ریشم اور زری کی جھالر ٹکی ہوئی اور اندر کیطرف قرمزی رنگ کا ریشمی مشجر یا زربفت منڈھا ہوا ہوتا ہے۔

اِن حالات کے لکھنے کے بعد مجھے یقین ہے کہ اس مربع قطعہ کے اندر جو جو اُمور قابل بیان و لحاظ تھے مینے اُنمیں سے کوئی نہیں چھوڑا۔

---

* اس جگہہ لفظ چھپر کھٹ ہندوستانی مذاق کے موافق ترجمہ کیا گیا ہے مگر اصل کتاب میں لفظ (سکرین)[1] ہے جسکے معنی چھپر کھٹ کے نہیں ہیں بلکہ اوٹ اور پردہ کے ہیں اور چونکہ انگریزوں کے گھروں میں اکثر ایک قسم کے کپڑے سے منڈھے ہوے لکڑی کے ایسے چوکٹھے دیکھنے میں آتے ہیں جو تہہ کئے جا سکتے ہیں اور جنکو کمرے کے اندر کسی مناسب جگہہ پر کھڑا کر کے قنات یا پردہ کا کام لیا جاتا ہے تو اس سے خیال ہوتا ہی کہ غالباً مصنف نے کسی ایسی ہی قسم کی چیز سے خرگاہ کو تشبیہ دی ہی۔ س۔م۔ح

---

[1] سَ كْ رِیْ ن
1 Screen

ڈیرے لگتے ہیں۔ یہہ ڈیرے بھی مکلف قناتوں سے گھرے ہوئے ہوتے ہیں اور اُن کے پیچھیں ادنیٰ درجہ کی عورتوں یعنی اصیلوں اور خانہ زادوں اور ملازم عورتوں اور متعلقات محلسرا کے ڈیرے ہوتے ہیں اور یہہ ڈیرے اُن عورتوں کے مراتب اور درجہ کے لحاظ سے قرینہ کے ساتھ لگائی جاتے ہیں۔

خیمہ معروف عام خاص کی اونچائی اور تکلفات وغیرہ کا بیان۔

عام خاص اور پانچ چھ اَور خیمے سب ڈیروں سے بلند ہوتے ہیں جس سے دو مطلب ہیں۔ ایک یہہ کہ گرمی سے حفاظت ہو۔ دوسرے یہہ کہ دُور سے پہچانیں جاسکیں ! ان کے باہر کی جانب کا کپڑا مضبوط اور سخت سُرخ رنگ کا ہوتا ہے جسپر سجاوٹ کے لئے بڑی بڑی رنگا رنگ کی پٹیاں لگی ہوئی ہوتی ہیں (جس سے مصنف کی مُراد غالباً ٹپا پٹی کا کام ہے) لیکن اندر کی جانب خوبصورت مچھلی پٹن کی چھینٹ ہوتی ہے جو مخصوص اسی کام کیواسطے بنائی جاتی ہے جسپر عمدہ اور بڑھیا رنگ رنگ کے ریشمی شجر لگے ہوئے اور اسپر ریشم یا سُرخ وسفید زری کا کارچوبی یا چکن کا کام مع نہایت نفیس اور باریک جھالر کے بنا ہوا ہوتا ہے۔ اسمیں تین چار پانچ موٹے روئی کے گدیلوں کا فرش ہوتا ہے اور اُن پر مکلف قالین اور زربفت کی مربع مسندیں آرام سے تکیہ لگاکر بیٹھنے کے لئے بچھی ہوئی ہوتی ہیں۔ اِن خیموں کی چوبیں مُلمع یا عمدہ روغن کاری کی ہوتی ہیں۔

اور اِن دونوں ڈیروں میں جنمیں بادشاہ مع اُمرا و ارکانِ دولت رونق بخش ہوکر نظم و نسق اُمور مملکت کیا کرتا ہے بادشاہ کے لئے ایک نہایت ہی مکلف اور آراستہ مرتفع جگہہ ہوتی ہے جسپر ایک مخملی یا ریشمی شجر کے وسیع

تو دُور سے اندھیری رات میں یہہ ایک بڑا اور دلچسپ تماشا دیکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ یہہ مشعلیں ہمارے وطن فرانس کیطرح موم سے نہیں بنتیں لیکن بہت دیر تک جلتی ہیں اور صرف اس طرح سے تیار کیجاتی ہیں کہ ایک لکڑی پر لوہے کی ایک نلکی جڑی جاتی ہے اور اُسکے اندر گودڑ کا ایک موٹا فتیلہ لگایا ہوا ہوتا ہے جو تیل میں تر ہوتا ہے اور جسپر تھوڑی دیر کے بعد تیل کی کُپّی سے جو مشعلچی کے ہاتھ میں رہتی ہے اور جسکا گلا تنگ اور لنبا لوہے یا پیتل کا بنا ہوا ہوتا ہے تیل ڈالتے اور بوقت ضرورت اُس گودڑ کو بدلتے رہتے ہیں۔

خیمہ معروف خلوت خانہ کا ذکر

اِن دونوں سے چھوٹا اور زیادہ اندر کو بڑھکر ایک تیسرا خیمہ ہوتا ہے جسکو خلوتخانہ کہتے ہیں اس خیمہ میں سوائے بڑے بڑے اُمرا اور وزرا کے کوئی شخص دخل نہیں پاتا اور سلطنت کے اُمور اہم اور خاص کے سرانجام کے لئے یہی جگہہ ہے۔

بادشاہ کے خاص الخاص خیموں کا ذکر۔

خلوت خانہ سے اَور آگے کو بادشاہ کے خاص الخاص خیمے ہوتے ہیں جنکے گرداگرد ذرا چھوٹی قناتیں جو قد آدم سے زیادہ نہیں ہوتیں لگی رہتی ہیں اِن قناتوں میں سے بعض کے اندرونی جانب مچھلی پٹن کی عمدہ چھینٹ چڑھی ہوئی ہوتی ہے جسپر صدہا مختلف قسم کے پھول بنے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض ریشمی مشجر سے آراستہ اور باریک ریشمی جھالر اُنپر ٹکی ہوئی ہوتی ہے۔

بیگمات اور محل سرا کی متعلقہ مستورات کے خیمون کا ذکر

اِن شاہی خیموں کے متصل بیگمات اور اَور معزز خاتونوں اور محل کی بڑی بڑی نوکروں چاکروں کے

بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔

بادشاہی ڈیوڑھی جو اس مربع قطعہ کے ایک ضلع کے عین وسط میں رکھی جاتی ہے وسیع اور تکلف ہوتی ہے اور اسکی قناتوں کے اندر نقش و نگار بہ نسبت اُن قناتوں کے جن سے اِس قطعہ کی باقی طرفیں گھیری جاتی ہیں زیادہ خوشنما اور خوبصورت اور قیمتی ہوتی ہیں۔

خیمہ معروف عام و خاص اور بادشاہ کے دونوں وقت دربار کرنے کا ذکر۔

وہ پہلا اور سب سے بڑا ڈیرہ جو خیام شاہی میں لگایا جاتا ہے اسکو عام و خاص کہتے ہیں۔ جہاں بادشاہ اور اُمرا نو بجے صبح کے جمع ہوکر اُمور سلطنت پر غور اور انصاف و عدالت کیا کرتے ہیں! ہندوستان کے بادشاہ خواہ تخت گاہ میں ہوں خواہ سفر میں روزمرّہ دو دفعہ دربار کرتے ہیں جنہیں کبھی ناغہ نہیں ہوتا اور یہہ دستور ایک فرض واجب اور منجلہ آئین سلطنت سمجھا جاتا ہے جسکی بجا آوری میں بہت ہی کم فروگذاشت ہوتی ہے۔

خیمہ معروف غسل خانہ کا ذکر۔

دوسرا ڈیرہ جو ذرا چھوٹا اور اندر کیطرف کو کچھ بڑھا ہوا ہوتا ہے اسکو غسل خانہ کہا جاتا ہے یہاں سب اُمرا شام کیوقت مُجرے کے لئے اُسی قاعدہ سے جمع ہوتے ہیں جیسے کہ خاص دہلی میں۔

شام کے دربار کے لئے مشعلوں کے ساتھ امرا کے آنے جانے کا ذکر اور شمع بنانے کی ترکیب

اِس شام کے دربار سے اُمرا کو بہت بے آرامی اور تکلیف ہوتی ہے لیکن جب وہ خیمہ گاہ شاہی کے طول طویل ہنسروں میں سے مشعلیں ساتھ لئے ہوئے غسل خانہ کیطرف جاتے یا وہاں سے اپنے ڈیروں کو واپس آتے ہیں

تو دُور سے اندھیری رات میں یہہ ایک بڑا اور دلچسپ تماشا دیکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ یہہ مشعلیں ہمارے وطن فرانس کیطرح موم سے نہیں بنتیں لیکن بہت دیر تک جلتی ہیں اور صرف اس طرح سے تیاّر کیجاتی ہیں کہ ایک لکڑی پر لوہے کی ایک نلکی جڑی جاتی ہے اور اُسکے اندر گودڑ کا ایک موٹا فتیلہ لگایا ہوا ہوتا ہے جو تیل میں تر ہوتا ہے اور جسپر تھوڑی دیر کے بعد تیل کی کُپّی سے جو مشعلچی کے ہاتھ میں رہتی ہے اور جسکا گلا تنگ اور لنبا لوہے یا پیتل کا بنا ہوا ہوتا ہے تیل ڈالتے اور بوقت ضرورت اُس گودڑ کو بدلتے رہتے ہیں۔

خیمہ معروف خلوت خانہ کا ذکر

اِن دونوں سے چھوٹا اور زیادہ اندر کو بڑھکر ایک تیسرا خیمہ ہوتا ہے جسکو خلوتخانہ کہتے ہیں اس خیمہ میں سوائے بڑے بڑے اُمرا اور وزرا کے کوئی شخص دخل نہیں پاتا اور سلطنت کے اُمور اہم اور خاص کے سرانجام کے لئے یہی جگہہ ہے۔

بادشاہ کے خاص الخاص خیموں کا ذکر۔

خلوت خانہ سے اَور آگے کو بادشاہ کے خاص الخاص خیمے ہوتے ہیں جنکے گرداگرد ذرا چھوٹی قناتیں جو قدآدم سے زیادہ نہیں ہوتیں لگی رہتی ہیں اِن قناتوں میں سے بعض کے اندرونی جانب مچھلی پٹن کی عمدہ چھینٹ چڑھی ہوئی ہوتی ہے جسپر صدہا مختلف قسم کے پھول بنے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض ریشمی مشجر سے آراستہ اور باریک ریشمی جھالر اُنپر لٹکی ہوئی ہوتی ہے۔

بیگمات اور محل سرا کی متعلقہ مستورات کے خیمون کا ذکر

اِن شاہی خیموں کے متصل بیگمات اور اَور معزّز خاتونوں اور محل کی بڑی بڑی نوکروں چاکروں کے

خیام شاہی کے لئے جس احتیاط سے اور جسقدر جگہہ تجویز کیجاتی ہے اور جس قرینے سے شاہی ڈیوڑھی اور خیمہ عام و خاص اور خلوت خانہ وغیرہ لگائی جاتے ہیں اُسکا ذکر۔

پیش خانے کے منزل پر پہنچتے ہی میر سامان ایک عمدہ موقع خیام شاہی کے واسطے تجویز اور انتخاب کرتا ہے اور کمال توجہ کے ساتھ حتی الامکان اسمیں کوشش کرتا ہے کہ تمام لشکر گاہ نسبت اور قرینہ کے ساتھ ہو۔

اور ایک مربع قطعہ جسکی چاروں طرف میں تین تین سو معمولی قدم کی تعداد سے زیادہ ہوتی ہیں داغ بیل لگاکر محدود کر دیا جاتا ہے اور سو بیلدار فوراً اُسکو صاف و ہموار کرکے اُسکی سطح کو چبوترے کے طور پر ذرا بلند کر دیتے ہیں! پھر اِس کے گرداگرد قناتیں جنکی بلندی سات یا آٹھ فرانسیسی فیٹ کے برابر ہوتی ہے گھیر دیجاتی ہیں جنکے کھڑے کرنے کی ترکیب یہہ ہے کہ میخیں گاڑھ کر انکی رسیّوں کو ان سے باندھ دیا جاتا ہے اور ہر دس قدم کے فاصلہ پر دو دو چوبیں جنکے نیچے کے سرے زمین پر جمے ہوے ہوتے ہیں تھامنے کیواسطے دونوں طرف اس طور پر کھڑی کیجاتی ہیں کہ ایک چوب دوسری کے سہارے ہوتی ہے - یہہ قناتیں ایک مضبوط کپڑے کی بنائی جاتی ہیں اور اُسپر ہندوستانی چھینٹ سے نقش و نگار اور پھول وغیرہ

دوسری رجب کو لاہور پہنچکر باغ فیض بخش میں (جو شاہجہاں کیوقت میں شالامار کشمیر کی طرز پر تعمیر ہوا تھا اور جسے ہمارے زمانہ میں عموماً شالامار کہتے ہیں) ڈیرہ کیا اور چونکہ شہر اور قلعہ لاہور میں داخلہ کی ساعت دسویں رجب غرّہ اسفندیار ماہ فارسی وقت دوپہر سے پہلے نہیں تھی اسلئے تاریخ مقررہ تک اس باغ میں بدستور مقام رہا۔
واضح ہو کہ جمنا کی وہ نہر جو اس دریا کے بائیں کنارے سے دہلی کو گئی ہے اور جسکو نہر جمن شرقی کہتے ہیں شاہجہاں نے اُسکے سرے پر نہایت عمدہ عمارتیں بنوائی تھیں اور اُسجگہہ کو اُسوقت مخلص پور کہتے تھے فی زمانا مخلص پور کوئی بستی نہیں ہے۔ البتہ کچھ کھنڈر جنکو لوگ بادشاہی محل کہتے ہیں مابین فیض آباد و موضع کھارا کہ جنکے باہم تخمیناً چار میل کا فاصلہ ہے اور جہاں ہمارے زمانہ میں اس نہر کا سرا واقع ہے اُن عمارتوں کا پتہ بتاتے ہیں۔ فیض آباد ضلع سہارنپور کے متعلق اور خضرآباد کے محاذی جمنا پار ایک مختصر سا قصبہ ہے - ۱۲ س - م - ح

بادشاہی پیش خانہ (پیش خیمہ) کے ساز و سامان اور باربرداری وغیرہ کا ذکر

جب کبھی بادشاہ بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ سفر کرتا ہے تو اُسکے ذاتی آرام و آسایش کے لئے دوہرا سامان خیموں ڈیروں وغیرہ کا ہمراہ ہوتا ہے چنانچہ اِن میں سے ایک پورا سامان ہمیشہ ایک دن آگے جاتا ہے تاکہ بادشاہ کو منزل پر پہنچتے ہی سبطرح سے سجا سجایا اور تیّار ملے اور اسیواسطے اسکو پیش خانہ (پیش خیمہ) کہتے ہیں۔ یہہ دونوں پیش خانے قریباً ایک ہی سے ہیں۔ اور ایک پیش خانے کے اُٹھانیکے واسطے ساٹھ ستّر ہاتھی دو سو اُونٹ سو خچّر اور سو حمّال درکار ہوتے ہیں۔ بھاری اسباب تو ہاتھیوں پر لادا جاتا ہے جیسے بڑے بڑے ڈیرے اور اُنکی بھاری بھاری چوبیں جو باعث درازی اور وزن کے تین ٹکڑوں کی ہوتی ہیں۔ اور چھوٹے ڈیرے اونٹوں پر لادے جاتے ہیں۔ اور باورچی خانہ کا سامان خچروں پر۔ اور ہلکی اور زیادہ قیمتی چیزیں حمّال لیجاتے ہیں۔ جیسے چینی کے برتن جو بادشاہی دسترخوان پر لگائے جاتے ہیں۔ اور روغنی یا مُلمّع کے پاؤں کے پلنگ اور وہ قیمتی خرگاہ جسکا ذکر ہم بعد ازیں کرینگے۔

کو قصبہ خضر آباد میں (جو جمنا کے دائیں کنارے سے فی زمانا ضلع انبالہ تحصیل جگادھری کے متعلق ہے) دریا کے اِس پار آپہنچے اور نواحی خضر آباد کے شکار کے بعد گیارہویں تاریخ کو انبالہ میں ڈیرہ کیا۔ پندرہویں کو سرہند اُنیس کو لدھیانہ پہنچے دریای ستلج پر پہلے سے کشتیوں کا پُل بندھ چکا تھا۔ اسلئے دوسرے دن پھلور ڈیرہ ہوا۔ چونکہ بادشاہی "قراولون" یعنی میر شکاروں نے پھلور کے نزدیک کے جنگلوں میں دو شیر دیکھے تھے اسلئے بادشاہ سوار ہوئے اور دونوں کو بندوق سے شکار کیا۔ اسکے بعد چھبیس ۲۶ کو نواحی تلونڈی میں ڈیرہ کیا (وہ تکلیف اور سرگردانی جو شیر کے شکار میں کل اہل لشکر کو اس سفر میں اُٹھانی پڑی تھی اور جسکا ذکر ڈاکٹر برنیر نے آگے بہت تفصیل سے لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہی جگہ امین بھلہ اور تلونڈی کے تھی) بعد ازیں دریاے "بیاہ" یعنی بیاس کو بعضوں نے بذریعۂ کشتی کے اور بعضوں نے پایاب عبور کیا اور فتح آباد میں مقام ہوا اور

حقیقت یہہ ہے کہ بادشاہ نے فوج کا ایک بڑا حصہ ساتھ لیکر شارع عام سے علیحدہ رستہ اختیار کیا تھا تاکہ شکار کے عمدہ عمدہ موقعے ہاتھ آئیں اور دریاے جمنا کا پانی آسانی سے ملتا رہے۔ چنانچہ ہم ان دونوں باتوں کی خاطر معمولی شارع عام سے دائیں طرف کو روانہ ہوے اور جسطرح بادشاہ نے بلحاظ آرام و آسایش مناسب خیال کیا آہستہ آہستہ دریاے جمنا کے کنارے کوچ ہوتا رہا۔ اور ایسی لمبی لمبی گھاس ہیں جسمیں سوار بھی نظر نہ آتے تھے بندوق کا اور سب قسم کے شکاری جانوروں کا شکار ہوتا رہا اور سب طرح کا شکار بکثرت ملا۔ اور اب ہم ایک عمدہ شہر میں بڑے آرام سے ٹھہرے ہوے ہیں اور مجھکو اپنے صرف اوقات کے واسطے اس سے بہتر اور کوئی بات نہیں ہے کہ وہ طرح طرح کے حالات جنکی طرف میرا دل دہلی چھوڑنیکے وقت سے متوجہ رہا ہے قلمبند کروں۔ مجھے اُمید ہے کہ میں بہت جلد آپکو کشمیر کی سیر کراؤنگا۔ اور آپکو ایک ایسا مُلک دیکھاؤنگا جو دُنیا میں ایک نہایت خوشنما قطعہ* ہے۔

---

* تاکہ اس مضمون کی زیادہ تشریح ہوجاے اس سفر کا حال عالمگیرنامہ سے بطور انتخاب نقل کیا جاتا ہے۔ اسمیں لکھا ہے کہ بادشاہ کشمیر کی سیر بھی کرنا چاہتا تھا اور بعض مصالح ملک داری کے لحاظ سے بھی پنجاب کا جانا ضروری تھا اسلئے غرہ جمادی الاولی ۱۰۷۳ء - ایک ہزار بہتر ہجری کو کہ اُسکے جلوس کا سال پنجم اور "روز جشن وزن مقدس" یعنی تُل دان کا دن بتقریب سالگرہ آغاز سال چہل و پنجم بحساب شمسی اور روز شروع سال چہل و ششم بحساب قمری تھا دارالخلافہ شاہجہان آباد سے خیمہ جات شاہی باغ اعزآباد میں (جسکو اس کتاب کے مصنف یعنی برنیر نے شالامار لکھاہی) نصب ہوے اور ساتویں ماہ جمادی الاول کو مطابق ۷-۲ ماہ آذر فارسی ساعت مقررہ یعنی مہورت کے موافق حضرت شاہ شریعت پناہ نے سوار ہوکر باغ مذکور میں ڈیرہ کیا - گیارہویں کو یہاں سے کوچ کرکے چند روز اُن شکارگاہوں میں جو وہاں سے قریب تھیں بسر کئے اور پھر قصبہ سونی پت یعنی سنیت کی راہ سے ۲۷ کو کرنال پُہنچا - یہاں سے فاضل خاں میر سامان کو مع لشکر و اسباب زاید سیدھا لاہور کو روانہ کیا اور آپ معمولی شاہراہ چھوڑکر مخلص پور کی سیر و شکار کو چلے گئے اور وہاں سے شکار کھیلتے ہوے پانچوین جمادی الآخر

میں جو کسی موسم میں بھی کامل ایذا سے خالی نہیں ہے روزمرہ چلنا پڑیگا اور ہر روز اسباب کسطرح لادا اور اُتارا جائیگا اور نوکروں کو ہمیشہ یہہ وہ کرنے کو کہا جائیگا اور کبھی خیمہ لگانا اور کبھی اُکھاڑنا ہوگا اور کبھی رات کو اور کبھی دن کو کوچ کرنا پڑے گا خصوصاً جبکہ ایسی بے ٹھکانے اور خانہ بدوشی کی گزران یقیناً ڈیڑھ برس تک جسکی بابت حکم مل چکا ہے کرنی پڑیگی - میں یہہ علمی جھگڑے کیوں لے بیٹھا-

لو یار اب خدا حافظ ! میں اپنا وعدہ پورا کرونگا اور آپ کو اپنے حالات کی وقتاً فوقتاً اطلاع دیتا ہوں گا - اور چونکہ فوج اس موقع پر نرم نرم کوچ کریگی کیونکہ کچھ اضطراب اور کسی دشمن کا فکر تو ہے ہی نہیں بلکہ ایک بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت سے جیسا کہ بادشاہان ہند کا معمول ہے کوچ ہونگے اسلئے میں سب دلچسپ واقعات لکھتا ہونگا تاکہ لاہور پہنچتے ہی آپکی خدمت میں بھیجوں-

---

مُصنّف کا دوسرا خط بنام مانشیور دی مرولیس مؤرخہ ۲۵، فروری ۱۶۶۵ء بمقام لاہور

> دہلی اور لاہور کے فاصلے اور شکار کھیلنے کی غرض سے دریائے جمنا کے کنارے کنارے اگے زیب کے آہستہ آہستہ کوچ کرنیکا ذکر-

صاحب من ! یہہ کوچ فی الواقع آہستہ اور با شان و شوکت طور کا ہے - جسے ہم یہاں اعلیٰ حضرت کا سفر کہتے ہیں - لاہور دہلی سے قریب سوا سو لیگ[1] یا پندرہ منزل کے ہے - مگر ہمکو لاہور پہنچنے میں قریب دو مہینے کے لگے -

---

[1] یعنی تخمیناً (۳۷۵) میل ہے -

حقیقت یہہ ہے کہ بادشاہ نے فوج کا ایک بڑا حصہ ساتھ لیکر شارع عام سے علیحدہ رستہ اختیار کیا تھا تاکہ شکار کے عمدہ عمدہ موقعے ہاتھ آئیں اور دریاے جمنا کا پانی آسانی سے ملتا رہے - چنانچہ ہم ان دونوں باتوں کی خاطر معمولی شارع عام سے دائیں طرف کو روانہ ہوے اور جسطرح بادشاہ نے بلحاظ آرام و آسایش مناسب خیال کیا آہستہ آہستہ دریاے جمنا کے کنارے کوچ ہوتا رہا - اور ایسی لمبی لمبی گھاس ہے جسمیں سوار بھی نظر نہ آتے تھے بندوق کا اور سب قسم کے شکاری جانوروں کا شکار ہوتا رہا اور سب طرح کا شکار بکثرت ملا - اور اب ہم ایک عمدہ شہر میں بڑے آرام سے ٹھہرے ہوے ہیں اور مجھکو اپنے صرف اوقات کے واسطے اس سے بہتر اور کوئی بات نہیں ہے کہ وہ طرح طرح کے حالات جنکی طرف میرا دل دہلی چھوڑنیکے وقت سے متوجہ رہا ہے قلمبند کروں - مجھے اُمید ہے کہ میں بہت جلد آپکو کشمیر کی سیر کراؤنگا - اور آپکو ایک ایسا مُلک دیکھاؤنگا جو دُنیا میں ایک نہایت خوشنما قطعہ* ہے -

---

* تاکہ اس مضمون کی زیادہ تشریح ہوجاے اس سفر کا حال عالمگیر نامہ سے بطور انتخاب نقل کیا جاتا ہے - اسمیں لکھا ہے کہ بادشاہ کشمیر کی سیر بھی کرنا چاہتا تھا اور بعض مصالح ملک داری کے لحاظ سے بھی پنجاب کا جانا ضروری تھا اسلئے غرہ جمادی الاولی ۱۰۷۳ - ایک ہزار بہتر ہجری کو کہ اُسکے جلوس کا سال پنجم اور " روز جشن وزن مقدس " یعنی تُل دان کا دن بتقریب سالگرہ آغاز سال چہل و پنجم بحساب شمسی اور روز شروع سال چہل و ششم بحساب قمری تھا دار الخلافہ شاہجہان آباد سے خیمہ جات شاہی باغ اعز آباد میں (جسکو اس کتاب کے مصنف یعنی برنیر نے شالامار لکھا ہے) نصب ہوے اور ساتویں ماہ جمادی الاول کو مطابق ۲۷ ماہ آذر فارسی ساعت مقررہ یعنی مہورت کے موافق حضرت شاہ شریعت پناہ نے سوار ہوکر باغ مذکور میں ڈیرہ کیا - گیارہویں کو یہاں سے کوچ کرکے چند روز اُن شکارگاہوں میں جو وہاں سے قریب تھیں بسر کئے اور پھر قصبہ سونی پت یعنی سنیت کی راہ سے ۲۷ کو کرنال پہنچا - یہاں سے فاضل خاں میر سامان کو مع لشکر و اسباب زاید سیدھا لاہور کو روانہ کیا اور آپ معمولی شاہراہ چھوڑکر مخلص پور کی سیر و شکار کو چلے گئے اور وہاں سے شکار کھیلتے ہوے پانچویں جمادی الآخر

میں جو کسی موسم میں بھی کامل ایذا سے خالی نہیں ہے روزمرہ چلنا پڑیگا اور ہر روز اسباب کسطرح لادا اور اُتارا جائیگا اور نوکروں کو ہمیشہ یہہ دہ کرنے کو کہا جائیگا اور کبھی خیمہ لگانا اور کبھی اُکھاڑنا ہوگا اور کبھی رات کو اور کبھی دن کو کوچ کرنا پڑے گا خصوصاً جبکہ ایسی بے ٹھکانے اور خانہ بدوشی کی گذران یقیناً ڈیڑھ برس تک جسکی بابت حکم مل چکا ہے کرنی پڑیگی - میں یہہ علمی جھگڑے کیوں لے بیٹھا -

لو یار اب خدا حافظ ! میں اپنا وعدہ پورا کرونگا اور آپ کو اپنے حالات کی وقتاً فوقتاً اطلاع دیتا ہوں گا - اور چونکہ فوج اس موقع پر نرم نرم کوچ کریگی کیونکہ کچھ اضطراب اور کسی دشمن کا فکر تو ہے ہی نہیں بلکہ ایک بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت سے جیساکہ بادشاہان ہند کا معمول ہے کوچ ہونگے اسلئے میں سب دلچسپ واقعات لکھتا ہونگا تاکہ لاہور پہنچتے ہی آپکی خدمت میں بھیجوں -

---

مُصنف کا دوسرا خط بنام مانشیور دی مرولیس مؤرخہ ۲۵ . فروری ۱۶۶۵ء مقام لاہور

دہلی اور لاہور کے فاصلے اور شکار کھیلنے کی غرض سے دریائے جمنا کے کنارے کنارے اورنگزیب کے آہستہ آہستہ کوچ کرنیکا ذکر -

صاحب من ! یہہ کوچ فی الواقع آہستہ اور با شان و شوکت طور کا ہے - جسے ہم یہاں اعلیٰ حضرت کا سفر کہتے ہیں - لاہور دہلی سے قریب سوا سو لیگ٭ یا پندرہ منزل کے ہے - مگر ہمکو لاہور پہنچنے میں قریب دو مہینے کے لگے -

٭ یعنی تین سو پچھتر (۳۷۵) میل ہے - س م ۲۲

جو پانی اور روشنی کی لطافت* میں ہے۔

یہہ صراحی کہیں باہر جانیکے وقت کام آتی ہے۔ لیکن جب ہم لوگ مکان پر ہوتے ہیں تو پانی کو مٹی کے مٹکوں میں جو مسامدار مٹی سے بنائے جاتے ہیں رکھتے ہیں اور اُن پر تر کپڑا لپیٹتے ہیں اور اگر یہہ مٹکے ہوا میں رکھے جائیں تو اُنکا پانی اِن صراحیوں سے بھی زیادہ خنک ہوتا ہے۔

شورہ سے پانی ٹھنڈا کرنے کی ترکیب۔

بڑے اُمرا خواہ شہر میں ہوں خواہ لشکر میں شورہ استعمال کرتے ہیں اور اُسکی ترکیب یہہ ہے کہ پانی یا جو چیز سرد کرنی منظور ہو جست کی صراحی میں جسکی گردن لمبی اور پیٹ گول انگریزی بوتل کا سا ہوتا ہے ڈال کر اسکو سات یا آٹھ منٹ تک اُس پانی میں ہلاتے ہیں جسمیں تین چار مٹھی شورہ ڈالا ہوا ہوتا ہے اور صراحی کے اندر کی چیز نہایت سرد ہو جاتی ہے اور کسیطرح ناگوار یا مضر نہیں ہوتی جیساکہ مجھے پہلے خیال ہوا تھا مگر ابتداءً کبھی کبھی کُچھ تلیّن کا اثر کرتی ہے۔ لیکن معلوم نہیں بجائے ان خیالوں کے کہ تمام سفر سر پر کھڑی ہے اور اس مُلک کی جلتی بلتی دھوپ

* جب کوئی سیّال جسم مثلاً پانی مٹّی کے ایک ایسے برتن میں بھرا جائے جسپر کانچ پھرایا ہوا نہ ہو تو پانی کے اجزا برتن کے مسامات میں سے بھاپ بنکر اُڑجاتے ہیں اور اس بھاپ کے ساتھ بہت سی حرارت بھی جو پانی میں جذب رہتی ہے نکل جاتی ہے تو اُس برتن میں پانی بیشک ٹھنڈا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اسیطرح جم بھی سکتا ہے اور یہہ تاثیر اُس وقت اور بھی زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔ جبکہ برتن کو دُھوپ میں رکھا جائے اور اُس کے باہر کی سطح کو جس سے بھاپ خارج ہوتی رہتی ہے ہر طرف سے برابر تر کپڑا لپٹا جاوے۔ اگلے زمانہ کے علم کیمیا کے علما کا یہہ قیاس تہا کہ کوئی نہایت لطیف شے جسکے اُنہوں نے مختلف نام رکھے ہوئے تھے اس عمل کے وقت برتن کے مسامات سے خارج ہوتی ہے اور زمانہ حال کے علما اُس شے کو کیلورک[1] یعنی جوہر حرارت کہتے ہیں ۱۲ مترجم انگریزی

[1] Caloric　　[1] ک ے ل و رک

گنگا جل کے بہت سے اونٹ لدوا لئے ہیں۔

صراحی یا مٹی کے برتنوں میں پانی ٹھنڈا رکھنے کی ترکیب اور اسکی وجہ۔

پانی کی صراحی ایک ٹین٭ کا برتن ہے جسپر سُرخ کپڑا منڈھا ہوا ہوتا ہے اور اسکو ایک خدمتگار ہاتھ میں لیکر اپنے آقا کے گھوڑے کے آگے آگے چلتا ہے اسمیں عموماً ایک سیر پانی آتا ہے لیکن مینے اپنی صراحی قصداً دو سیر کی بنوائی ہے اور مجھے اُمید ہے کہ یہہ تدبیر میرے لئے بہت مفید ہوگی۔ اِس صراحی میں پانی خوب ٹھنڈا رہتا ہے بشرطیکہ وہ کپڑا جو اُسپر منڈھا ہوا ہوتا ہے تر رہے اور صراحی بردار اُسے ہلا ہلا کر ہوا دیتا رہے یا اُسے ایک ہوادار جگہہ میں جیساکہ یہاں عموماً معمول ہے زمین سے اونچی ایک تپائی پر رکھا جاے تاکہ زمین کی گرمی صراحی کو نہ لگے۔ پس کپڑے کی نمی اور ہوا میں ہلانا یا ہوا میں رکھنا پانی ٹھنڈا رہنے کیواسطے ازبس ضرور ہے گویاکہ یہہ نمی جس سے کپڑا تر ہے اُن چھوٹے چھوٹے آتشی اجزا (فائری پارٹی کلز)[1] کو جو ہوا میں ہوتے ہیں اور جن سے پانی گرم ہوجاتا ہے صراحی کے اندر داخل ہونے سے روک لیتی ہے معہذا اُن شوریلے اجزا (نائٹرس پارٹی کلز)[2] اور اَور اجزا کو جو اُس کپڑے اور ظرف کے اندر گُھس کر پانی میں سکون کا اثر پیدا کر کے اُسکو ٹھنڈا کر دیتے ہیں نہیں روکتی جسطرح شیشے میں سے روشنی تو اندر آجاتی ہے مگر پانی نہیں آسکتا اور یہہ امر شیشہ کی بناوٹ اور اُسکے اجزا کی خاصیت اور اُس فرق کیوجہ سے ہے

٭ اصل کتاب میں بجاے جست کے ٹین لکھا ہے۔ س-م-ح

1 ف ایری پ ارٹ ی ک ل ز — Fiery particles

2 ن اۓ ٹ رس پ ارٹ ی ک ل ز — Nitrous particles

ایسی نہیں رہتی کہ جسکی برداشت نہو سکے - اور میں اس خیال سے بھی خوش ہوں کہ اب مجھکو دہلی کے بازار کی روٹی کھانے کی آفت اُٹھانی نہ پڑے گی جو اکثر خراب پکائی جاتی ہے اور گرد و غبار سے صاف نہیں ہوتی اور اب یہہ بھی اُمید ہے کہ پینے کا پانی بھی دہلی سے بہتر ملے گا جسکا میلا پن مجھسے بیان نہیں ہو سکتا - کیونکہ ہر انسان و حیوان بیدھڑک وہاں تک پہنچ سکتے ہیں اور پانی کو انواع و اقسام کے میل کچیل کا مخزن بنا رکھتے ہیں - اس پانی سے بہت عسیر العلاج تپیں پیدا ہوتی ہیں اور پنڈلی میں کیڑے یعنی نارو سے پیدا ہوجاتے ہیں جنمیں بڑی سخت سوزش اور ورم ہوتا ہے اور آیندہ بڑے بڑے اندیشے ہوتے ہیں - اگر مریض دہلی سے کہیں چلا جاوے تو یہہ کیڑے جلد دفع ہو جاتے ہیں - اگرچہ کبھی کبھی ایک برس اور کبھی اس سے بھی زیادہ عرصہ تک تکلیف دیتے ہیں - یہہ کیڑے اکثر عرض و طول میں چکارے کے تارے تانت کے موافق ہوتے ہیں اور جن پر بے تکلف نس یا پٹھے کا دھوکا ہوتا ہے - ان کے نکالنے میں بڑی بھی احتیاط کرنی چاہیئے تاکہ ٹوٹ نہ جائیں اور ان کے نکالنے کی سب سے بہتر تدبیر یہہ ہے کہ ایک تنکے پر لپیٹ کر روزمرہ آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا نکالا جاوے

دربار دہلی کے امرا کا معمولی پانی کی جگہہ گنگا جل استعمال کرنا -

میرے لئے یہہ بات نہایت اطمینان کی ہے کہ میں اس قسم کی بے آرامیوں اور خطروں سے محفوظ رہونگا کیونکہ ہمارے نواب نے نہایت مہربانی سے حکم دیا ہے کہ ایک تازہ خانہ ساز روٹی اور گنگا کے پانی کی ایک صراحی ہر روز صبح کیوقت مجھے عنایت ہوا کرے کیونکہ اَور امراے دربار کیطرح ہمارے نوّاب نے بھی اپنے ساتھ کے لئے

مع ایک آہنی قلابے کے جسمیں لٹکا کر دہی کو چھانا جاتا ہے مینے یاد کرکے ساتھ رکھ لی ہے - کیونکہ اس ملک میں نیبو کا شربت اور دہی نہایت مفرح چیز ہے - یہہ سب چیزیں جیساکہ مینے ابھی بیان کیا ہے ایک بڑے شلیتہ میں باندھ دی گئی ہیں جو حسب معمول ایسا بڈھنگا پھیلا ہوا ہے کہ اُسے تین چار آدمی بشکل سے اونٹ پر لاد سکتے ہیں حالانکہ اونٹ شلیتہ کے نہایت قریب بیٹھا ہوا ہوتا ہے اور لادنے والوں کو صرف اتنا ہی کرنا ہوتا ہے کہ شلیتہ کا ایک سرا زمین سے اُٹھا کر اونٹ کی پیٹھ پر الٹ دیں - ایسے لمبے سفر میں اگر آرام چاہو تو مذکورہ بالا اشیاء میں سے ایک بھی فالتو نہیں ہے - کیونکہ ایسے ملک میں ہمکو ولایت کے سے اِنّ[1] یعنی مسافر خانوں اور آرام و آسایش کے سامان کی بہمرسی کی اُمید نہیں ہے اور ہماری مہماں سرا صرف ہمارا وہی ڈیرہ ہے جسکو عرب اور تاتاریوں کیطرح ہمکو ایک منزل سے اُکھاڑ کر اور دوسری منزل پر لیجا کر روزمرہ لگانا چاہیئے - اور ہم اپنی حاجت روائی لوٹ کھسوٹ سے بھی نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ ہندوستان میں ایک ایک بسوہ زمین خالصہ شریفہ سمجھی جاتی ہے اور رعیت پر دست درازی اور تعدّی کرنا گویا بادشاہ کے مال میں دست اندازی کرنا ہے -

شہر دہلی کی ادا رسی رو ٹی اور پانی کی خرابی اور اُس سے نارسے کی بیماری کے پیدا ہونے کا ذکر -

اس طویل سفر کے اختیار کرنے میں میرے دِل کو صرف اتنی ہی خوشی ہے کہ ایک تو ہم شمال کیطرف کوچ کرتے ہیں دوسرے یہہ کہ معمولی برسات کی بارشیں ہو چکی ہیں اور موسم سرما کا آغاز ہے اور فی الحقیقت ہندوستان میں سفر کے واسطے یہی موسم مناسب ہے کیونکہ جاڑے کے شروع میں بارش بھی ہو چکتی ہے اور گرمی اور گرد بھی

[1] Inn اِنّ

ایسی نہیں رہتی کہ جسکی برداشت نہو سکے - اور میں اس خیال سے بھی خوش ہوں کہ اَب مجھکو دہلی کے بازار کی روٹی کھانے کی آفت اُٹھانی نہ پڑے گی جو اکثر خراب پکائی جاتی ہے اور گرد و غبار سے صاف نہیں ہوتی اور اَب یہہ بھی اُمید ہے کہ پینے کا پانی بھی دہلی سے بہتر ملے گا جسکا میلا پن مجھسے بیان نہیں ہوسکتا - کیونکہ ہر انسان و حیوان بیدھڑک وہاں تک پُہنچ سکتے ہیں اور پانی کو انواع و اقسام کے میل کُچیل کا مخزن بنا رکھتے ہیں - اِس پانی سے بہت عسیر العلاج تپیں پیدا ہوتی ہیں اور پنڈلی میں کیڑے یعنی نارو سے پیدا ہو جاتے ہیں جنمیں بڑی سخت سوزش اور ورم ہوتا ہے اور آیندہ بڑے بڑے اندیشے ہوتے ہیں - اگر مریض دہلی سے کہیں چلا جاے تو یہہ کیڑے جلد دفع ہو جاتے ہیں - اگرچہ کبھی کبھی ایک برس اور کبھی اس سے بھی زیادہ عرصہ تک تکلیف دیتے ہیں - یہہ کیڑے اکثر عرض و طول میں چکارے کے تیارے تانت کے موافق ہوتے ہیں اور جن پر بے تکلف نس یا پٹھے کا دھوکا ہوتا ہے - اِن کے نکالنے میں بڑی احتیاط کرنی چاہیئے تاکہ ٹوٹ نہ جائیں اور اِن کے نکالنے کی سب سی بہتر تدبیر یہہ ہے کہ ایک تنکے پر لپیٹ کر روزمرہ آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا نکالا جاے

دربار دہلی کے امرا کا معمولی پانی کی جگہہ گنگا جل استعمال کرنا -

میرے لئے یہہ بات نہایت اطمینان کی ہے کہ میں اس قسم کی بے آرامیوں اور خطروں سے محفوظ رہونگا کیونکہ ہمارے نواب نے نہایت مہربانی سے حکم دیا ہے کہ ایک تازہ خانہ ساز روٹی اور گنگا کے پانی کی ایک صراحی ہر روز صبح کیوقت مجھے عنایت ہوا کرے کیونکہ اَور امراے دربار کیطرح ہمارے نوّاب نے بھی اپنے ساتھ کے لئے

مع ایک آہنی قلابے کے جسمیں   دہی کو چھانا جاتا ہے میں نے یاد   ساتھ رکھ
لی ہے - کیونکہ اس ملک میں لیمو کا شربت اور دہی نہایت مفرح چیز ہے - یہہ
سب چیزیں جیسا کہ مینے ابھی بیان کیا ہے ایک بڑے شلیتہ میں باندھ دی گئی
ہیں جو حسب معمول ایسا بیڈھنگا پھیلا ہوا ہے کہ اُسے تین چار آدمی مشکل سے اونٹ
پر لاد سکتے ہیں حالانکہ اونٹ شلیتہ کے نہایت قریب بیٹھا ہوا ہوتا ہے اور لادنے
والوں کو صرف اتنا ہی کرنا ہوتا ہے کہ شلیتہ کا ایک سرا زمین سے اُٹھا کر اونٹ کی
پیٹھ پر اُلٹ دیں - ایسے لمبے سفر میں اگر آرام چاہو تو مذکورہ بالا اشیاء میں سے ایک بھی
فالتو نہیں ہے - کیونکہ ایسے ملک میں ہمکو وانس کے سے ان[1] یعنی مسافر خانوں اور آرام
و آسایش کے سامان کی بہمرسی کی اُمید نہیں ہے اور ہماری مہماں سرا صرف ہمارا
وہی ڈیرہ ہے جسکو عرب اور تاتاریوں کیطرح ہمکو ایک منزل سے اُکھاڑ کر اور
دوسری منزل پر لیجا کر روزمرہ لگانا چاہیئے - اور ہم اپنی حاجت روائی لوٹ
کھسوٹ سے بھی نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ ہندوستان میں ایک ایک بسوہ
زمین خالصہ شریفہ سمجھی جاتی ہے اور رعیت پر دست درازی اور تعدی کرنا
یا بادشاہ کے مال میں دست اندازی کرنا ہے -

شہر دہلی کی بازاری روٹی اور پانی کی خرابی اور اُس سے نارو سے کی بیماری کے پیدا ہونے کا ذکر -

اس طویل سفر کے اختیار کرنے میں میرے دل کو صرف
اتنی ہی خوشی ہے کہ ایک تو ہم شمال کیطرف کوچ
کرتے ہیں دوسرے یہہ کہ معمولی برسات کی بارشیں ہو چکی
ہیں اور موسم سرما کا آغاز ہے اور فی الحقیقت ہندوستان میں سفر کیواسطے یہی موسم
مناسب ہے کیونکہ اسکے شروع میں بارش بھی ہو چکتی ہے اور گرمی اور گرد بھی

1 Inn

مصنف کی تنخواہ اور اُن چیزوں کا بیان جو سفر کشمیر میں اُسنے ضروری سمجھکر ساتھ لیں۔

پس لپنے ذاتی امور کا بندوبست کر لینے کے بعد میں آج رات کو ہی روانہ ہونگا اور چلنے سے پہلے مجھے اِس قدر اسباب و سامان درست کر لینا چاہیئے جسقدر کہ رسالہ کے ایک ذیعزت عہدہ دار کو درکار ہے - کیونکہ میری تنخواہ تین سو روپیہ ماہوار ہے اور اسلئے ضرور ہے کہ دو اچھے تُرکی گھوڑے مع ایک سائیس کے میرے پاس ہوں - اور ایک مضبوط ایرانی اونٹ بھی مع ایک شتربان کے ساتھ ہونا چاہیئے اور ایک باورچی اور ایک خدمتگار ہونا چاہیئے جو مُلک کے دستور کے موافق پانی کی صُراحی لیکر گھوڑے کے آگے آگے چلتا ہے - مینے ضروری اور آرام کی اَور بھی سب چیزیں ساتھ کے لئے تیّار کر لی ہیں - مثلاً ایک درمیانہ خیمہ ایک قالین اور ایک ہلکی سفری چارپائی جو چار ہلکے اور مضبوط بانسوں سے بنتی ہے - اور ایک تکیہ اور دو لحاف جنمیں سے ایک کو دوہرا کرکے توشک کا کام لیا جاتا ہے - اور ایک گول چرمی سفرہ کھانا کھانے کے واسطے اور چند رنگین رومال اور تین چھوٹے تھیلے باورچی خانہ کے ظروف اور گلی ظروف وغیرہ کے واسطے جو یہ سب ایک بڑے تھیلے میں رکھے جاتے ہیں اور یہہ بڑا تھیلا پھر ایک ٹاٹ کے بڑے شلیتہ میں جسکے دو حصّے ہوتے ہیں اور جسمیں تسمے لگے ہوئے ہوتے ہیں باندھا جاتا ہے - علاوہ بریں شلیتہ میں آٹا دال وغیرہ کھانے کی چیزیں مع آقا اور ملازموں کے بستر اور کپڑوں وغیرہ کے رکھی جاتی ہیں - مینے احتیاطاً پانچ چھ روز کے خرچ کے موافق کچھ عمدہ چاول اور کُچھ میٹھے بسکٹ بھی جنکو چاشنی اور نیبو کے عرق سے خوش ذائقہ بنایا گیا ہے رکھ لئے ہیں اسکے سوا باریک کپڑے کی ایک تھیلی

فوج و لشکر کی کثرت سے لوگوں کا یہہ شبہ کہ کشمیر کی جگہہ ہم قندھار کی مہم پر جاتے ہیں۔

یہہ بادشاہی لشکر اور ہم کاب فوج ایسی بڑی اور کثیر التعداد ہے جس سے لوگوں کو یہہ شبہہ ہوگیا ہے کہ ہم کشمیر جانے کی جگہہ قندھار کے محاصرہ کے واسطے جاتے ہیں۔ جو حدود ایران اور ہندوستان اور ملک اُزبک کے مابین ایک نہایت کارآمد مقام ہے۔ قندھار ایک خوش نما اور زرخیز مُلک کا دارالحکومت اور بڑی آمدنی کی جگہہ ہے اور اِس وجہ سے اُسپر قبضہ حاصل کرنے کو بادشاہانِ ایران اور ہندوستان کے باہم بڑے بڑے سخت معرکے اور محاربے ہمیشہ وقوع میں آتے رہے ہیں۔ اِس عظیم الشان فوج کے کوچ کا اصل میں خواہ کچھ ہی منشا اور مقصد ہو مگر ہر ایک متنفّس کو جو اُس سے علاقہ رکھتا ہے اَب دہلی سے روانہ ہونے میں جلدی کرنا ضروریات سے ہے اگرچہ اُسکے ضروری امور کیسے ہی مقتضی اِس بات کے ہوں کہ کچھ توقّف کرے پس اگر میں اپنے جانے میں دیر لگاؤں تو لشکر میں شامل ہونا مجھے مشکل ہو جائیگا۔

نواب دانشمند خاں کے علمی شوق کا ایک ضمنی ذکر

علاوہ بریں ہمارا نوّاب دانشمند خاں میرا نہایت منتظر ہے کیونکہ ہمارا آقا جو وزیر معاملات متعلق ممالک غیر اور سوارونکی فوج کا میر بخشی ہے اپنے منصب کے اہم کاموں سے اُسکو صبح کیوقت تو فرصت نہیں ملتی اِس وجہ سے وہ اپنے سہپر کے وقت کو جو کتب حکمیہ کے مطالعہ کے لئے مخصص کیا ہوا ہے ضایع کرنا نہیں چاہتا۔ اُسکو علم ہیئت اور جغرافیہ اور تشریح کا خاص شوق ہے۔ اور وہ گیسینڈی[1] اور ڈِس کارٹس[2] کی تصانیف کو بڑے شوق سے پڑھتا ہے۔

---

1 Gassendi. — ۱ گ س ی ن ڈ ے
2 Descartes — ۲ ڈ س ک ا ر ٹ س

ہیں اور نہ صرف وہ معمولی پیادہ سپاہ جو دس ہزار سے زیادہ ساتھ رہا کرتی ہے بلکہ بھاری توپخانہ اور ہمرکاب توپخانہ بھی ساتھ ہے۔

ہمرکاب توپ خانہ اور اسکی وجہ تسمیہ۔

اِس توپ خانہ کو ہمرکاب توپخانہ اِس واسطے کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ کی ذات خاص سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا کیونکہ بھاری توپ خانہ وقت بیوقت راہ کے نشیب و فراز وغیرہ کے باعث رکاب شاہی سے علیحدہ ہو کر پیچھے سے سہولت کے ساتھ آیا کرتا ہے۔

بھاری توپخانہ

بھاری توپخانہ میں ستّر توپیں ہوتی ہیں! جنہیں زیادہ پیتل کی ہیں اور اکثر ایسی بھاری ہیں کہ بیلوں کی بیس بیس جوڑیاں اُن کے کھینچنے کیواسطے ضرور ہیں اور بعضی تو ایسی بھاری ہیں کہ جب راہ ناہموار ہو یا کہ چڑھائی کا موقع ہو تو معمولی بیلوں کی مدد کے واسطے ہاتھی درکار ہوتے ہیں تاکہ توپ کے تخت اور پہیّوں کو اپنے سر اور سونڈ سے دھکیلیں۔

ہمرکاب توپخانہ کا بیان

ہمرکاب توپخانہ میں پچاس یا ساٹھ میدانی چھوٹی توپیں ہوتی ہیں! اور سب پیتل کی ہیں! اور ہر ایک توپ ایک چھوٹے سے خوبصورت اور خوش رنگ تخت پر چڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ جسپر زینت کیواسطے چند سرخ جھنڈیاں لگاتے ہیں چنانچہ اِسکا ذکر مینے کسی اور مقام پر بھی کیا ہے۔ ہر توپ کو دو خوبصورت گھوڑے کھینچتے ہیں۔ جنکو ایک گولنداز ہانکتا ہے۔ اور ہر ایک جوڑی کے ساتھ ایک تیسرا گھوڑا کوتل ہوتا ہے جسکو ایک اور سپاہی لیکر چلتا ہے۔ یہہ میدانی توپیں بہت تیز ہانکی جاتی ہیں تاکہ بارگاہ شاہی کے سامنے قائم کیجائیں اور اتنی پہلے پہنچ جائیں کہ بادشاہ کے لشکر گاہ میں پہنچتے ہی سلامی اُتار سکیں۔

کشمیر کی سیر کا عزم رکھتا ہے حقیقت یہہ ہے کہ بہت سے عقیل آدمیوں کو اس بات کے یقین کرنے میں تامل تھا کہ جس حالت میں کہ اسکا باپ آگرہ کے قلعہ میں مُقید ہے وہ ایسا دُور و دراز سفر کرنے کی جرأت کسطرح کریگا!

اورنگزیب کے سفر کشمیر کا زیادہ تر باعث روشن آرا بیگم کی ترغیب تھی۔

لیکن بہر حال حفظ صحت کے خیالات مصالح سلطنت پر غالب آئے! اور زیادہ تر روشن آرا بیگم کی ترغیب و تحریص اسکا باعث ہوئی جو بہت دنوں سے اس امر کی آرزومند تھی کہ بہ نسبت اپنے محلات کی ہوا کے زیادہ صاف ہوا سے تفریح حاصل کرے اور اس اپنے اقتدار کے زمانہ میں شاہانہ کر و فر سے فوج کے ساتھ جاے جیسے کہ اُسکی بہن بیگم صاحب شاہجہاں کے عہد میں گئی تھی۔

اورنگ زیب کا چھٹی دسمبر سن سولہ سو چونسٹھ عیسوی کو مہورت کے موافق دہلی سے لاہور کو کوچ کرنا۔

الغرض بادشاہ نے اس مہینے کی چھٹی تاریخ تین بجے دن کے جو جوتشیوں نے اس لمبے سفر کیواسطے مبارک ساعت [مہورت] تجویز کی تھی! کوچ کیا اور شالامار باغ میں جو پای تخت سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے جا کر قیام فرمایا اور وہاں چھ روز کامل اس غرض سے توقف فرمایا کہ اِس لمبے سفر کے سامان کیواسطے جو ڈیڑھ برس میں ختم ہونے والا ہے لوگوں کو فرصت اور مُہلت ملے۔ اور آج ہم سُنتے ہیں کہ بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ خیام شاہی لاہور کی سڑک پر لگائے جائیں اور یہہ کہ دو مقام کرنیکے بعد پھر کوچ میں اَور زیادہ توقف نہ ہوگا۔

...ب کے سفر کشمیر میں تعداد...

اِس سفر میں بادشاہ کے ساتھ صرف وہی پینتیس ہزار سوار نہیں ہیں جو بطور قاعدہ مقررہ ہمیشہ اُسکے ہمرکاب رہتے

جلد دویم

وقایع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنئر اَز عہد شاہجہان و اورنگ زیب

یعنی ڈاکٹر موصوف کے چند خطوط متضمن حالات ہندوستان

ہر کہ عاقل بود از خوبی عنواں داند ٭ کہ دریں نامہ چہ اسرار نکو خواہد بود

مُصنّف کا پہلا خط بنام مانشیور دی مرویلس[1] ٭ مقام دہلی مورخہ ۱۴ دسمبر سن سولہ سو چونسٹھ ۱۶۶۴ عیسوی متضمن حالات سفر اورنگ زیب بجانب کشمیر جنت نظیر

اورنگ زیب کا بیماری سے شفا پاکر بغرض تبدیل آب و ہوا کشمیر کو جانا۔

صاحبِ من! جب سے اورنگ زیب کا مزاج مائل بصحت ہوا ہے اُسی وقت سے یہہ خبر برابر مشہور ہو رہی تھی کہ بادشاہ بغرضِ تبدیلِ آب و ہوا اور آیندہ گرمی سے بچنے کے لئے جسکے باعث عَودِ مرض کا اندیشہ تھا لاہور اور

٭ بعض فرانسیسی نام جو اس کتاب میں ہیں معلوم نہیں کہ خاص اُن کے لب و لہجہ کے موافق اُنکا صحیح تلفظ کیا ہی اگرچہ یہہ دقّت انگریزی میں بھی ہے کہ جن حروف سے کسی لفظ کو لکھتے ہیں تلفظ اُس کا اکثر مطابق اصوات مقرّرہ اُن حروف کے نہیں ہوتا۔ مگر یہہ دقّت فرانسیسی الفاظ و اسمار کی ہجی میں اور بھی زیادہ ہے اور خاص اہل زبان سے سُنے بدون تصحیح ناممکن ہے۔ س۔ م۔ ح

[1] Monsieur de Merveilles مانشیور دی مرویلس

(یب) فہرست مضامین متعلق حواشی صفحہ

صفحہ

تمت بالخیر

فہرست مضامین متعلق حواشی

مُصنّف کا خط بنام مانشیور دی لاماتھی لی وائز

فہرست مضامین متعلق حواشی

فہرست مضامین متعلق حواشی

مُصنّف کا خط بنام مانسیور دی لاماتھی لی ویاز

ستی کا بیان

جلد دویم

وقائع سیر وسیاحت ڈاکٹر برنیئر

بعہد شاہجہاں و اورنگ زیب

جسکو اول جناب کرنل ہنری ہور صاحب بہادر سی آی (و) سی ایس آئی۔ ترجمان ہزایکسیلنسی کمانڈر انچیف صاحب بہادر نے ترجمہ کیا۔ اور پھر ان کی فرمائش سے جناب مشیر الدولہ ممتاز الملک خلیفہ سید محمد حسین صاحب میر منشی ریاست پٹیالہ نے ازسرنو ترجمہ فرماکر باضافہ مفید حاشیوں کے بعد نظر ثانی جناب وزیر الدولہ مدبر الملک خلیفہ سید محمد حسن خاں صاحب بہادر وزیر اعظم ریاست موصوف کے چھپواکر بغرض فائدہ عام مشتہر کیا۔

بزیر نگرانی و اہتمام کمترین محمد حسین مرادآبادی

سنہ ۱۸۸۶ع

مطبع ریاض ہند امرتسر میں بسعی شیخ نور احمد صاحب چھپی

تموّل بسبب اُن سونے اور چاندی کی کانوں کے تھا جو اُن ریاستوں میں موجود تھیں
چنانچہ اسی دولت کے لالچ سے پرتگیزوں نے ۱۵۰۸ع (پندرہ سو آٹھ) عیسوی
میں انکو مغلوب اور تباہ کر کے اپنے لیئے ایک نئی سلطنت جو سُفالہ سے
میلندا تک پھیلی ہوئی تھی اور جسکا وسط اور دار الحکومت جزیرہ موزم بیق
کو مقرر کیا تھا قائم کر لی تھی - پس یہہ کامیابیاں اور فتوحات اگر معقول اصلاحوں سے
محفوظ رکھی جاتیں تو ممکن تھا کہ ایسی سلطنت بنجاتی جسکا زوال و انتقال مشکل ہوتا -
لیکن پُرتگیز سرداروں کی بداعمالی اور حماقت اور دولت و حکومت کی ناقدر شناسی
کی وجہ سے اِن لوگوں کی چال ڈھال شروع ہی سے ایسی بیقید تھی کہ واسکوڈیگاما
- کابریل دی المیدا وغیرہ نے ایسی عجیب عجیب طور کی بیرحمیاں کیں کہ
جنکو شائستگی اور انسانیّت کی پیشانی پر ایک کلنک کا ٹیکہ کہنا چاہیئے ہندو مسلمان
وغیرہ ایشیائی لوگوں کے بیوجہ لوٹ لینے اور غلام بنانے میں کچھ بھی دریغ
نکرتے تھے - سفاکی - بیدردی اور وحشت یہانتک اِن کے خمیر میں تھی کہ
بیگناہ قیدیوں - مظلوم عورتوں - اور معصوم بچّوں کو بھی اِنکی تلوار اور آگ سے
پناہ نہیں ملی - بیچاری ہندوستانی عورتوں سے سِوَلِیِٔ زِلیشن کے اِس
برتاؤ میں بھی دریغ نتھا کہ کرسچن بنا کر فوج میں تقسیم کر دی جاتی تھیں - چنانچہ خود
البیوکرک جیسے نامور شخص کے عہد کی (جو حقیقتاً اِن کے سرداروں میں سب
سے بہتر تھا) کیا ہی لطیف ! روایت چلی آتی ہے - کہ منجملہ تدابیر آبادی گوآ
کے ایک دفعہ یہہ تدبیر بھی کی گئی کہ بہت سی عورتیں اچھے بُرے خاندانوں
کی جو بندی میں آئی تھیں اُنکی نسبت پادری صاحب کو یہہ خدمت سپرد ہوئی کہ
کرسچن بنا کر پُرتگیزوں سے اُن کے جوڑے ملا دیں - چونکہ پادری صاحب کو
جوڑے ملاتے ملاتے رات پڑ گئی اور حسن اتفاق سے روشنی بھی بجھ گئی
تو ہجوم اور اجنبیت کے باعث سے یہہ تمیز نرہی کہ کونسی عورت کس مرد کی
نکاح میں آچکی ہے پہلے تو پادری صاحب اس مسئلہ کے حل کرنے میں چکرائے

[illegible]

چنانچہ انواع و اقسام کی ایشیائی اور فرنگستانی چیزیں فراوانی سے جاپان اور وہاں کے رؤسا اور شرفا اور عام خلایق کے صرف میں آنے لگیں اور جاپان میں تو ایسی جنسیں کہاں تھیں کہ اسکے معاوضہ میں پرتگیزوں کو دیتے - کیونکہ جاپان اکثر کوہستانی اور سنگلاخ اور کم زراعت ملک ہے اور اسمیں کوئی چیز و سادر کے لایق پیدا نہیں ہوتی - اور اگر اس ملک میں سونے اور چاندی اور تانبے کی کانیں بھی نہوتیں جو شاید تمام دنیا کی کانوں سے بہتر ہیں تو ملک کی آمدنی سے سلطنت کا خرچ بھی پورا نہوتا - یہاں کی معدنی پیداوار میں سے یہہ لوگ ہر سال بقدر چھ کرور روپیہ کے حاصل کرکے لیجاتے تھے اسکے علاوہ انہوں نے اس ملک کے اچھے اچھے گھرانوں میں شادیاں کرکے اسطرح پر وہاں کے امرا اور ذی اقتدار خاندانوں سے قرابتیں پیدا کرلی تھیں پس بلحاظ ایسے ایسے فواید کے اگر پرتگیز لوگ ذرا قناعت کا طریق اختیار کرتے تو مناسب تھا - کیونکہ اس زمانہ میں سواحل ملک گنی (1) اور بحر عرب اور خلیج فارس اور تمام سواحل ہند ہر طرح ان کے قابو میں تھے - اور جزائر ملاکا اور سراندیپ اور سنڈا (2) میں تو خاص انکی حکومت ہی تھی - اور جزیرہ مکاؤ میں ان کے قیام کے باعث سے تجارت چین اور جاپان بھی گویا انہیں کے ہاتھوں میں تھی - اور ان سب ممالک اور سواحل وسیعہ میں انہیں کی مرضی او منشا بمنزلہ قانون اور حکم ناطق کے تھا - اور کسی قوم کو اتنی جرات نتھی کہ بغیر انکی اجازت کے بحری سفر کرسکے - اور بہت سی اجناس تجارت جنکے ذریعہ سے اکثر قومیں نہایت دولتمند ہوگئی ہیں وہ بالکل انہیں کے اختیار میں تھیں اور اس اختیار اور انحصار تجارت کے باعث سے فرنگستان کی مصنوعات اور ممالک ایشیا کی پیداواروں کا نرخ صرف انہیں کی مرضی سے گھٹتا اور بڑھتا تھا علاوہ بریں پرتگیزوں نے اس حصہ افریقہ کی حکومت کو بھی حاصل کئے بدون نچھوڑا تھا جو مابین کیپ آف گڈ ہوپ اور بحر احمر کے ہے - ان اطراف میں ایک مدت سے اہل عرب قابض اور سکونت پذیر ہوگئے تھے - اور انہوں نے ساحل زنگبار پر چھوٹی چھوٹی چند خودسر ریاستیں قائم کرلی تھیں جنکی رونق اور

(1) Guinea; (2) Sunda;

تموّل بسبب اُن سونے اور چاندی کی کانوں کے تھا جو اِن ریاستوں میں موجود تھیں چنانچہ اسی دولت کے لالچ سے پرتگیزوں نے ۱۵۰۸ء (پندرہ سو آٹھ) عیسوی میں انکو مغلوب اور تباہ کر کے اپنے لیئے ایک نئی سلطنت جو سُفالہ سے میلنڈا تک پھیلی ہوئی تھی اور جسکا وسط اور دارالحکومت جزیرہ موزمبیق کو مقرر کیا تھا قائم کر لی تھی۔ پس یہہ کامیابیاں اور فتوحات اگر معقول اصلاحوں سے محفوظ رکھی جاتیں تو ممکن تھا کہ ایسی سلطنت بنجاتی جسکا زوال و انتقال مشکل ہوتا۔ لیکن پرتگیز سرداروں کی بد اعمالی اور حماقت اور دولت و حکومت کی ناقدر شناسی کی وجہ سے اِن لوگوں کی چال ڈھال شروع ہی سے ایسی بیقیدی تھی کہ واسکوڈیگاما کابریل دی المیڈا وغیرہ نے ایسی عجیب عجیب طور کی بیرحمیاں کیں کہ جنکو شایستگی اور انسانیت کی پیشانی پر ایک کلنک کا ٹیکہ کہنا چاہیئے ہندو مسلمان وغیرہ ایشیائی لوگوں کے بیوجہ لوٹ لینے اور غلام بنانے میں کچھ بھی دریغ نکرتے تھے۔ سفاکی۔ بیدردی اور وحشت یہانتک اِن کے خمیر میں تھی کہ بیگناہ قیدیوں۔ مظلوم عورتوں۔ اور معصوم بچوّں کو بھی اِنکی تلوار اور آگ سے پناہ نہیں ملی۔ بیچاری ہندوستانی عورتوں سے سِولِی زِلیشن کے اِس برتاؤ میں بھی دریغ نتھا کہ کرسچن بناکر فوج میں تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ چنانچہ خود البوکرک جیسے نامور شخص کے عہد کی (جو حقیقتاً اِن کے سرداروں میں سب سے بہتر تھا) کیا ہی لطیف! روایت چلی آتی ہے۔ کہ منجملہ تدابیر آبادی گوا کے ایک دفعہ یہہ تدبیر بھی کی گئی کہ بہت سی عورتیں اچھے بُرے خاندانوں کی جو بندی میں آئی تھیں اُنکی نسبت پادری صاحب کو یہہ خدمت سپرد ہوئی کہ کرسچن بناکر پرتگیزوں سے اُن کے جوڑے ملا دیں۔ چونکہ پادری صاحب کو جوڑے ملاتے ملاتے رات پڑ گئی اور حسن اتفاق سے روشنی بھی بجھ گئی تو ہجوم اور اجنبیت کے باعث سے یہہ تمیز نرہی کہ کونسی عورت کس مرد کی نکاح میں آچکی ہے پہلے تو پادری صاحب اس مسئلہ کے حل کرنے میں چکرائے

چنانچہ انواع و اقسام کی ایشیائی اور فرنگستانی چیزیں فرمانروا ے جاپان اور وہاں کے رؤسا اور شرفا اور عام خلایق کے صرف میں آنے لگیں اور جاپان میں تو ایسی جنسیں کہاں تھیں کہ اسکے معاوضہ میں پرتگیزوں کو دیتے - کیونکہ جاپان اکثر کوہستانی اور سنگلاخ اور کم زراعت ملک ہے اور اسمیں کوئی چیز دساور کے لایق پیدا نہیں ہوتی - اور اگر اس ملک میں سونے اور چاندی اور تانبے کی کانیں بھی نہوتیں جو شاید تمام دنیا کی کانوں سے بہتر ہیں تو ملک کی آمدنی سے سلطنت کا خرچ بھی پورا نہوتا - یہاں کی معدنی پیداوار میں سے یہہ لوگ ہر سال بقدر چھ کرور روپیہ کے حاصل کر کے لیجاتے تھے اسکے علاوہ انہوں نے اُس ملک کے اچھے اچھے گھرانوں میں شادیاں کر کے اس طرح پر وہاں کے امرا اور ذی اقتدار خاندانوں سے قرابتیں پیدا کر لی تھیں پس بلحاظ ایسے ایسے فواید کے اگر پرتگیز لوگ ذرا قناعت کا طریق اختیار کرتے تو مناسب تھا - کیونکہ اس زمانہ میں سواحل ملک گنی[1] اور بحر عرب اور خلیج فارس اور تمام سواحل ہند ہر طرح اُن کے قابو میں تھے - اور جزائر ملاکا اور سراندیپ اور سنڈا[2] میں تو خاص انکی حکومت ہی تھی - اور جزیرہ مکاؤ میں اُن کے قیام کے باعث سے تجارت چین اور جاپان بھی گویا انہیں کے ہاتھوں میں تھی - اور ان سب ممالک اور سواحل وسیعہ میں اُنہیں کی مرضی او منشا بمنزلہ قانون اور حکم ناطق کے تھا - اور کسی قوم کو اتنی جرات نتھی کہ بغیر انکی اجازت کے بحری سفر کر سکے - اور بہت سی اجناس تجارت جنکے ذریعہ سے اکثر قومیں نہایت دولتمند ہو گئی ہیں وہ بالکل انہیں کے اختیار میں تھیں اور اُسی اختیار اور انحصار تجارت کے باعث سے فرنگستان کی مصنوعات اور ممالک ایشیا کی پیداواروں کا نرخ صرف اُنہیں کی مرضی سے گھٹتا اور بڑھتا تھا علاوہ بریں پرتگیزوں نے اُس حصہ افریقہ کی حکومت کو بھی حاصل کئے بدون نچھوڑا تھا جو مابین کیپ آف گڈ ہوپ اور بحر احمر کے ہے - ان اطراف میں ایک مدت سے اہل عرب قابض اور سکونت پذیر ہو گئے تھے - اور انہوں نے ساحل زنگبار پر چھوٹی چھوٹی چند خودسر ریاستیں قائم کر لی تھیں - جنکی رونق اور

(1) Guinea; (2) Sunda;

[illegible]

جاپانی متواتر کامیابیوں سے نہایت زبردست ہوگیا تھا جزیرہ مکاؤ[1] پر قابض ہوگیا۔ اور وہاں سے چین کی بندرگاہوں کے راستے بندکردیئے اور یہاںتک بڑھا کہ شہر کانٹن کو جاگھیرا۔ اُسکی اِن حرکتوں سے شرفا و اُمرا اور حکّام چین اسقدر تنگ ہوئے کہ پرتگیزوں سے مدد چاہی۔ یہہ لوگ اِس موقع کو غنیمت سمجھکر کانٹن کے بچانیکے لیئے دوڑ پڑے اور اُس قزاق کو شکست دیکر محاصرہ اُٹھادیا۔ اِسکے صلہ میں فغفور چین نے خوش ہوکر جزیرہ مکاؤ انہیں کو بخشدیا۔ اور اِن لوگوں نے اُس جزیرہ میں ایک شہر بسالیا جو تھوڑے ہی مدت میں بخوبی رونق پکڑ گیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں جاپان کے ساتھ بھی اُنکی تجارت جاری ہوگئی۔ سنہ ۱۵۴۲ (پندرہ سو بیالیس) عیسوی میں پرتگیزوں کا ایک جہاز شدت طوفان سے بہکر جزائر جاپان میں جا پہنچا تھا۔ جاپانیوں نے اُنکی بہت خاطرداری کی اور واپس آنیکے لیئے جس جس چیز کی ضرورت تھی بخوشی مہیا کردی۔ جب یہہ لوگ گوا میں پہنچے تو جاپان کے حالات جو کچھ دیکھے تھے سب اپنے نائب السلطنت سے بیان کیئے اور کہا کہ ہم ایک ایسا ملک دیکھ آئے ہیں جو نہایت آباد اور دولتمند ہے اور ہمارے تاجروں کو وہاں آنے جانے سے بہت فائدہ ہوگا یہہ سنتے ہی پرتگالی سوداگر اور پادری جہازوں پر چڑھ روانہ ہو پڑے اور جاکر دیکھا کہ حقیقت میں ایک بڑی مملکت ہے جو شاید چین کے سوا دنیا کی اور سلطنتوں سے زیادہ قدیم ہے۔

الغرض جب پرتگیز جاپان میں پہنچے تو اُنکے آنے سے سب لوگ خوش ہوئے اور عموماً اپنی بندرگاہوں میں تجارت کی اجازت دیدی۔ اور تمام چھوٹے چھوٹے فرمانروا رئیسوں نے اپنے اپنے علاقوں میں اُنہیں درخواست کر کر بُلایا۔ اور سب کو ایک ایسی ریس پیدا ہوئی کہ ہر ایک رئیس یہی چاہتا تھا کہ سب سے بڑھکر اُنکی خاطرو مدارات کرے اور اُنکو فائدہ پہنچاوے۔ اور بڑے بڑے حقوق عطا کرنے میں دوسروں سے سبقت لیجاوے۔ یہہ دیکھکر پرتگیزوں نے بھی تجارت کا بڑا ٹھاٹھ پھیلایا۔ چنانچہ ھندوستان کا مال جاپان کو لیجاتے تھے اور فرنگستانی چیزیں ذخیرہ کے طور پر مکاؤ میں جمع کرکے بموقع مناسب ادھر اُدھر بھیجتے رہتے تھے

(1) Macao

کے آس پاس ہیں تو اکو چینی جہازوں سے آن گھیرا فرڈی نینڈ اینڈ راڈا[1] نے جو پُرتگالی جہازوں کا سردار تھا اور راہ دانائی چینیوں کو اپنے جہازوں پر آنیکی اجازت دی اور اپنے آنے کا مدعا بیان کرکے طامس پیریز کو کنارہ پر اُتار دیا اور چینی اُسکو اپنے مُلک کے پایۂ تخت شہر پیکن میں لیگئے اس پیکیج پیریز کو معلوم ہوا کہ چین کے اہل دربار پُرتگیزوں کے ساتھ رعایت اور خاطرداری سے پیش آنا چاہتے ہیں جسکا سبب اوّل تو اُنکی وہ ناموری تھی جو تمام مشرقی ملکوں میں پہلے ہی پھیل رہی تھی اور اسکے علاوہ فرڈی نینڈ اینڈ راڈا کے معقول طریقہ کارروائی سے پرتگیزوں کا اہل چین کی نظروں میں اَور بھی رُتبہ بڑھا ہوا تھا اسوجہ سے چین کی بندرگاہوں میں پرتگیزوں کو تجارت کرنے کی اجازت ملنے ہی والی تھی اور طامس پیریز کے ساتھ عہدنامہ ہونے ہی والا تھا کہ اتنے میں فرڈی نینڈ اینڈ راڈا کا بھائی سائمن اینڈ راڈا[2] کچھ اور جنگی جہاز لیکر آگیا۔ اور اہل چین سے وہی نا ملایم حرکتیں کرنے لگا جو یہ لوگ تمام اہل شرق کے ساتھ مُدّت سے کیا کرتے تھے اور بلا اجازت دربار چین کے ایک قلعہ جزیرہ ٹیمُس[3] میں تعمیر کرلیا اور وہاں ہوکر جو جہاز چین کی بندرگاہوں کو آتے جاتے تھے اُن کے ساتھ جَور و تعدّی اور لوٹ کھسوٹ کا عمل کرنے لگا۔ اور بہت سے چینیوں کو پکڑکر غلام بنالیا اور نہایت بے باکی کے ساتھ دریائی قزاقی اختیار کی۔

اہل چین ان حرکتوں کو دیکھکر سخت غضبناک ہوگئے اور ایک بڑا بیڑا جنگی جہازوں کا پُرتگیزوں کی تنبیہ کے لیئے مامور کیا۔ لیکن پُرتگیز بغیر مقابلہ کئے بھاگ نکلے۔ اور فغفور چین نے طامس پیریز کو جو پایۂ تخت میں موجود تھا قید کرلیا چنانچہ قیدی ہی میں مرگیا

اس واقعہ کے باعث اگرچہ چند سال کے لیئے پرتگیز چین کی حدود سے بالکل خارج ہوگئے تھے۔ مگر اسکے بعد چینیوں نے پُرتگیزوں کو بندرگاہ جان سین[4] میں تجارت کرنے کی اجازت دیدی اور بعد ازیں یہ اتفاق پیش آیا کہ ایک بحری قزاق

(1) Fordinand Andrada (2) Simon Andrada (3) Tamoo (4) [illegible]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

قافلے کے قافلے اِن جزیروں میں جو بیدا وار کی جہت سے مشہور ہیں آکر ذلیل ہوگئے اور تب سے اب تک یہاں کے مصالحون کی تجارت اُنہیں کے ہاتھوں میں تھی کہ یکایک یہہ پرتگالی جو کسی جگہہ اُن کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے یہاں بھی آن پہنچے اور اس تجارت کو اُن سے چھین لیا - اور اسوقت سے شاہان پرتگال نے اِن جزیروں کو اپنے متعلق سمجھنا شروع کیا - اور حقیقتاً چند روز بعد اُنہیں کے ہو بھی گئے - البیوکرک نے ۱۵۱۵ء (پندرہ سو پندرہ) عیسوی میں بمقام گوا انتقال کیا - اور لوپز سوارِیز* اُسکا جانشین مقرّر ہوا - یہہ شخص بھی تدابیر ملک گیری اور حدود سلطنت کے بڑھانے میں اپنے جانشین سابق ہی کا مقلد تھا - مگر کچھ عرصہ تک اُسکو اُن مزاحمتوں کی روک تھام کی تدبیروں میں مصروف رہنا پڑا جو ہندوستان میں پرتگیزوں کے مقابلہ کے لیئے قریب الوقوع تھیں لیکن اِن تفکرات سے چھوٹتے ہی اُسنے چین کا راستہ معلوم کرنے کا عزم مصمم کیا -

ملاکا میں البیوکرک کے عمل و دخل کرنے سے پہلے ملک چین اور وہاں کے لوگوں کے حالات فرنگستان میں کسی کو معلوم نتھے کیونکہ فرنگستان سے اب تک صرف مارکوپولو† نامے شہر وینس‡ واقع اٹلی کا رہنے والا ایک مشہور سیّاح خشکی کے راستہ وہاں گیا تھا اور اُسنے اُس ملک کے کچھ کچھ حالات لکھے تھے جسکو لوگوں نے باور نہ کرکے محض واہیات اور افسانہ سمجھا ہوا تھا - مگر جب البیوکرک ملاکا میں چین کے بعض جہازی سوداگروں سے ملا - اور اُسنے اِس عظیم الشان سلطنت کی وسعت و فسحت وغیرہ کے حالات معلوم کیئے اور اُن کو قلمبند کرکے فرنگستان کو بھیجا تب البتہ مارکوپولو کے بیان سے مطابق پاکر فرنگستان کے لوگوں نے بھی اِس سیّاح کی روایتوں کی تصدیق کی - چنانچہ ۱۵۱۸ء (پندرہ سو اٹھارہ) عیسوی میں پایۂ تخت لزبن سے طامس پریز¶ نامے ایک سفیر جسکے ساتھ چند جنگی جہاز تھے چین کو روانہ ہوا - جب یہہ جہاز سفیر کو لیکر اُن جزیروں کے قریب پہنچے جو کانٹن

* Lopez Soarez. † Marco Paolo. ‡ Venice. ¶ Thomas Perez.

البیوکرک یکایک آن پڑیگا اسیلئے وہ بھی لڑائی کے لیئے ہرطرح تیار ہی بیٹھے تھے - چنانچہ اوائل ۱۵۱۱ء (پندرہ سو گیارہ) عیسوی میں جو البیوکرک ملاکا کے سامنے نمودار ہوا تو انکو مقابلے کے لیئے مستعد اور تیار پایا - پرتگیزوں نے شہر پر حملہ کیا - اور کئی بار سخت اور خونریز لڑائیاں ہوئیں - مگر آخر کار شہر چھین لیا گیا اور بیشمار مال و دولت اور سامان حرب و ضرب پرتگیزوں کے ہاتھ آیا - اور قبضہ قائم رکھنے کے لیئے ایک قلعہ تعمیر کیا گیا - لیکن البیوکرک نے زیادہ دست اندازی مناسب نہ جانکر صرف شہر ملاکا ہی پر اکتفا کیا - سیام اور پیگو کے بادشاہوں اور قرب وجوار کے رئیسوں نے پرتگیزوں کی اس فتح سے جو اُن کے استقلال اور آزادی کے لیئے ازبس مضر تھی خائف ہوکر البیوکرک کی خدمت میں مبارکباد کے لیئے سفیر بھیجے - اور درخواست کی کہ ہمارے اور شاہ پُرتگال کے باہم دوستی اور اتفاق کا عہد و پیمان ہو جائے - اور یہہ خواہش بھی ظاہر کی کہ آپ ہمارے مُلک میں کاروبار تجارت جاری کریں -

جب شہر ملاکا میں پُرتگیز اپنے قدم جما چکے اور قرب وجوار کے رئیسوں پر بھی اپنا رعب داب بخوبی بٹھالیا تو البیوکرک نے اپنے بیڑے میں سے چند جنگی جہاز جزائر متعلقہ ملاکا کی تسخیر وغیرہ کے لیئے روانہ کیئے -

یہہ ٹاپو بطور ایک مجموعہ جزائر کے ہیں - اور اُن کے باشندے پُشت ہا پشت سے ساگو دانہ اور ناریل کے دودھ پر گزراں کیا کرتے تھے - مگر اتفاقاً کسی طوفان وغیرہ کے حادثہ کے باعث سے جو ایک چینی جہاز وہاں آگیا تو پہلے پہل اُنہیں کی بدولت لونگ اور جائپھل نے جو اُن جزائر میں بکثرت تھے دنیا میں مشہور ہونا شروع کیا - چنانچہ اس سے تھوڑے ہی عرصہ بعد یہہ مصالحے ہندوستان میں عموماً پسند اور مرغوب طبع ہو گئے - اور پھر ہند سے ایران اور فرنگستان میں جا پہنچے - اہل عرب جو اُس زمانہ میں تقریباً تمام دنیا کی تجارت پر قابض تھے بھلا اس پرمنفعت سوداگری پر اُنکی آنکھہ کیونکر نہ پڑتی - چنانچہ عرابی تاجروں کے

ہی فوج سے بخوبی ہو سکتی تھی - مگر نائب السلطنت مذکور نے اِن فوائد کا کچھ خیال نکیا۔ بلکہ ساحل کارومنڈل پر قابض ہو جانے میں بھی فروگزاشت ہی کی - اور اگرچہ یہاں سے وہ عمدہ اور نہایت لطیف اور مہین سوتی کپڑے بہم پہنچ سکتے تھے۔ جو دُنیا بھر میں بے مثل گنے جاتے تھے - اور بنگالہ اور اَور ممالک کی تجارت کے لیئے یہہ مقام قدرتی طور پر نہایت مفید اور مرقع کا تھا - مگر باوجود اسکے بھی کوئی اچھی جگہہ اس ساحل پر قائم نہ کی - حتیٰ کہ مقامات سین طامس St. Thomas اور ناگ پٹن بھی ایک مدت کے بعد قائم کیئے - اسنے یہہ خیال کرلیا تھا کہ درحالیکہ ہم جزیرہ سراندیپ کے مالک ہو گئے ہیں (جنکی فتوحات کو ویسراے سابق دی المیدا D'Almeyda نے شروع کیا تھا) اگر ملک ملاکا بھی ہمارے قبضہ میں آجاے تو پھر ساحل کارومنڈل کی تمام تجارت خود ہی ہمارے قابو میں آجائیگی - پس اسوجہ سے اُسنے ملاکا ہی کو مقدم سمجھکر اسی کی طرف عزیمت کی - یہہ مُلک جسکا دارالحکومت شہر ملاکا ہے طول میں تین سو میل کے قریب اور عرض میں بہت تنگ سا ہے - اسکے شمال کی طرف جنگل میں تو سیام کا مُلک ہے - اور باقی تین طرف سمندر ہے - چونکہ ملاکا اپنے موقع کے لحاظ سے ہندوستان کے تمام تجارتی مقاموں میں سب سے بہتر منڈی ہے - اور پُرتگیزوں کو اسبات کی بڑی آرزو تھی کہ مشرقی مُلکوں کی سبطرح کی تجارت میں جسطرح بنے سہیم و شریک ہو جائیں - اسلیئے یہہ لوگ اِس مُلک میں پہلے پہل صرف تجارت ہی کے لباس میں نمودار ہوے - چونکہ انکی دست درازیوں نے جو وہ ہندوستان میں کرتے آئے تھے اُنکی تدبیروں کو بہت شبہ خیز کردیا تھا - اسلیئے اہل ملاکا اُن کے آنے سے بہت ڈرے - اور باہم تجویز کر کے بہت سے تو مار ڈالے اور باقیماندہ قید کرلیئے - اگرچہ البیوکرک کو ملاکا پر حملہ کرنیکے لیئے پہلے بھی کسی حیلہ بہانہ کی حاجت نہ تھی - مگر اب تو خود بخود ایک جائز سبیل نکل آئی - اِس واقعہ کے باعث اہل ملاکا کو بھی یہی خیال تھا کہ کسی نہ کسی دن

[illegible]

جو اُنکی طرف سے وہاں کا صوبہ دار تھا خودسر ہوکر ملابار تک اپنی حکومت پھیلانے میں کوشش کرتا تھا - اور جبکہ یہہ غاصب مُلک گیری کے منصوبوں میں کسی طرف مصروف تھا تو البیوکرک نے میدان خالی دیکھکر تھموجی نامے اپنے ایک دوست کے مشورہ سے جو کنیھڑا کے علاقہ میں دریائی غارتگری کے ذریعہ سے بہت زبردست ہوگیا تھا ۱۵۱۰ (پندرہ سو دس) عیسوی میں گوآ پر ناگہاں حملہ کیا - اور شہر کو لے لیا - اِس واقعہ کے باعث عادل خاں گوآ کو واپس آیا - اور پُرتگیز جو ابھی مستحکم طور سے پاؤں نہ جما چکے تھے ناچار شہر چھوڑکر جہازوں پر جا چڑھے لیکن اِس سے تھوڑے عرصہ بعد جو عادل خاں کو وجے نگر کے راجہ سے لڑنے کو جانا پڑا تو البیوکرک نے اپنے اُسی یار کی امداد سے پھر ایک چھاپا مارا اور گوآ پر قابض ہو بیٹھا - اور مورچہ بندی کرکے اور حصار وغیرہ بناکر اُسکو خوب مستحکم کر لیا - اور کالی کٹ کا بندر جو کسی کام کا نہ تھا وہاں کی دولتمندی اور تجارت سب گوآ میں سمٹ آئی - اور اُسی دن سے پرتگیزوں کے مقبوضات واقعہ ہند کے لیئے شہر گوآ بمنزلہ پاے تخت کے ہوگیا - اور رفتہ رفتہ جب پرتگیزوں کی حکومت خلیج فارس اور بحر عرب اور ساحل ملابار میں بخوبی قائم ہوگئی تو اُنہوں نے ایشیا کے اور مشرقی مُلکوں کی طرف رخ کیا - اور اِس مہم میں البیوکرک نے سب سے پہلے جزیرہ سراندیپ کو مسخر کیا - اگر پرتگیز دور بینی اور عاقبت اندیشی کو کام میں لاتے تو اُنکے لیئے یہہ زیادہ مفید تھا کہ اپنی تمام قوت اور طاقت کو اسی جزیرہ میں قائم کرتے - کیونکہ اول تو یہاں کے بندر ہندوستان کی تمام بندرگاہوں سے بہتر تھے - دوسرے یہہ جزیرہ مشرقی ملکوں کے وسط میں تھا اور تمام دولتمند مُلکوں کے رستے ادھر ہی سے تھے - اور اسکی سب بندرگاہیں اس طور کی تھیں کہ وہاں سے جنگی جہاز ایشیا کے تمام ملکوں پر دباؤ ڈالنے اور خوف قائم رکھنے کو بآسانی بھیجے جا سکتے تھے - اور خود اسکے بندرگاہوں کی حفاظت و حراست تھوڑی

جہاں وہ پہنچتے تھے وہاں کے فرمانروا ہو جاتے تھے - اور کسی راجہ سے تب تک وہ اِن تین باتوں کو قبول نکرے اتفاق باہمی کا عہد و پیمان نکرتے تھے -

اوّل - یہہ کہ ہم دربار لزبن کے تابعدار اور مطیع الحکم ہیں -

دوسرے یہہ کہ پرتگیز اُسکی ریاست گاہ میں ایک قلعہ بنالیں -

تیسرے یہہ کہ پرتگیز جو اجناس تجارت خریدیں اُسکی قیمت کی تشخیص اور کسی ایسی تکرار و نزاع کا فیصلہ وہ اپنی ہی راے سے کرلیں -

اِسکے علاوہ سب غیر ملکی تاجروں پر یہہ امر لازم کیا گیا کہ جب تک پرتگیز خرید مال سے فارغ ہوکر اُسکو اپنے جہازوں پر نہ چڑھالیں وہ سب لوگ مال کی خرید اور روانگی سے رُکے رہیں - اور اُن کے اجازت نامہ اور سند راہداری کے بغیر کوئی شخص سمندر کے سفر کا مجاز نتھا - اگرچہ پرتگیزوں کو چند بار لڑائیاں بھی لڑنی پڑیں - لیکن اس سے اُنکی تجارت میں چنداں خلل نہ پڑا - بلکہ اُنھوں نے اپنے تھوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ بڑی بڑی فوجوں کو شکستیں دیں - اور چند ہی سال میں اسقدر اقتدار پالیا کہ اُنکی مقبوضہ بندرگاہوں میں سامُرِی یا اُسکے باجگذار راجاؤں کے یا عرب وغیرہ سوداگروں کے جہاز بالکل نہیں جا سکتے تھے -

اسی عرصہ میں جب اَلفانسو اَلبیُوکرک (Alphanso Albuquerque) شاہ پُرتگال کی طرف سے ویسراے مقرر ہوکر آیا تو براہ دور اندیشی اُسکی یہہ راے ہوئی کہ ھِندوستان میں ٹھہرنیکے لئے کوئی ایسی جگہہ قرار دینی چاہیئے جسکو دشمن کے حملہ سے آسانی بچاسکیں اور وہ ایک اچھی بندرگاہ بھی ہو - اور آب و ہوا بھی عمدہ ہو تاکہ نووارد پرتگیز دور و دراز بحری سفروں کے بعد وہاں آرام لے سکیں - چنانچہ اِن صفتوں کے باعث سے اُسنے اپنے خیال میں جزیرہ گوآ جو کنھڑا کی حدود میں واقع ہے تاکا - اگرچہ اُسوقت گوآ ایسا نامی مقام نتھا جیسا کہ آجکل ہے - لیکن پھر بھی وہاں کا بندرگاہ اُن اطراف میں ہر طرح سے مفید اور بہتر سمجھا جاتا تھا - اُن دنوں میں یہہ مقام فرمانروا دکن (یعنی خاندان بھمنیہ) کے راج میں تھا - لیکن یوسف عادل خاں

گرچہ اِن کے آنے پر ساموری کی طرف سے بھی کچھ بدسلوکی ہوئی اور کابریل نے بھی اُن شخصوں کو جنہیں واسکوڈی گاما پکڑ کر لیگیا تھا واپس لا کر چھوڑ دیا - اور ان قیدیوں نے اُس حسن سلوک اور رعایتوں کی بھی جو پرتگیزوں نے اپنے وطن میں اِن سے برتی تھیں نہایت تعریف و توصیف کی - لیکن ساموری کے دل کے شبہات ایک مدت دراز کے بعد رفع ہوئے - مگر چونکہ وہی عرب[×] یا افریقی تاجر جو ساموری اور واسکوڈی گاما کے باہم ان بن کا باعث ہوئے تھے - اسکے راج میں زیادہ اعتبار رکھتے تھے - اُن کے بہکانے سے اب یہہ ایک اور نئی حرکت ہوئی کہ شہر کے لوگوں نے پچاس پرتگیزوں کو مار ڈالا - اسکے انتقام میں کابریل نے عربوں کے کل جہازوں کو جو بندرگاہ میں موجود تھے - جلا دیا - اور شہر پر بھی خوب گولے مارے - اور وہاں سے کوچین کو ہوتا ہوا کانانور کو چلا گیا - اور اِن دونوں شہروں کے راجاؤں نے اُسکو بہت سے گرم مصالحے اور روپیہ اشرفیاں نذر کیں - اور ساموری کے برخلاف جسکے وہ باجگذار تھے اُس سے دوستی اور اتفاق کا عہد و پیمان کرنا چاہا - اور قرب و جوار کے اور کئی راجاؤں نے بھی یہی درخواست کی - اِن سب کو یہہ ہوس تھی کہ اس طرح ساموری کی اطاعت سے آزاد ہو جائینگے - اور اپنے اپنے مُلکوں کی حدود کو بڑھا لینگے - چنانچہ انکی اس دیوانگی کا نتیجہ یہہ ہوا کہ تمام مُلک ملاباد پر پرتگیزوں کو اِسقدر اقتدار حاصل ہو گیا کہ

× مُلک مراکش جو افریقہ کے ساحل شمال و مغرب پر یُورپ کے قریب واقع ہے اہل یورپ وہاں کے باشندوں کو جو مسلمان ہیں انگریزی میں مور کہتے ہیں - مگر جس طرح کُل ممالک مختلفہ افریقہ کے سیاہ رنگ باشندوں کو مُلک حبش کے قرب کے باعث ہم عموماً حبشی کہتے ہیں - یا کُل یوروپین لوگوں کے لئے فرانس کے قرب کی وجہ سے بلا لحاظ اختلاف اقوام لفظ فرنگی بولا جاتا ہے - اسی طرح انگریزی میں لفظ مور کا اطلاق مجازاً اُن سب عرب اور افریقی سانولے رنگ کے مسلمانوں پر کیا جاتا ہے جن سے یورپ کے لوگوں کو مشرقی سمندروں میں سابقہ پڑتا تھا - س - م - ع

[illegible]

جب یہ لوگ دارالسلطنت میں پہنچے تو اہل شہر نے یہ خیال کر کے کہ اب تمام دنیا کی نہایت پر منفعت تجارت ہمارے قابو میں آنے والی ہے بیحد خوشیاں منائیں اور واسکوڈی گاما کو اس کارگزاری کے صلہ میں بادشاہ نے ایک بھاری پنشن اور بڑے بڑے خطاب عنایت کئے -

اور رومن کیتھلک فرقہ کے پیشوائے اعظم پوپ آف روم نے جو ہمیشہ اسی تاک میں رہا کرتے ہیں کہ عامہ خلائق کے دلوں میں اس خیال کو جمائے رکھیں کہ روئے زمین پر پوپ کی سی عظمت اور اقتدار کسی کا نہیں ہے! بقول شخصے "آب از دریا بخشیدن" ! پر عمل کر کے اپنی طرف سے بھی ان اپنے مریدان کو یہ عطیہ مرحمت کیا کہ مشرقی ملکوں میں جتنے ساحل اور بندرگاہیں تم دریافت کرو وہ سب تمہیں! تمہیں کو بخشیں !!!

اس کامیابی سے اِمانوئیل ایسا مسرور ہوا کہ اپنے القاب شاہی میں ایسے الفاظ اضافہ کئے کہ شاہ پرتگال - اتھوپیا - عرب - فارس اور ھند کے سواحل و جزائر کی فتوحات اور جہازرانی کا بھی مالک ہے - اور فوراً ہی عمدہ ایسے تیرہ جہاز اور بارہ سو آدمیوں کی جمعیت سے بہ حکم الفریس کابریل اور ایک سنہ (پندرہ سو) عیسوی کو روانہ ہو کر کالی کٹ میں آئے -

---

[illegible]

صندوق پر بیٹھا ہوا ایک مرغ ہاتھ میں رہتا تھا کہ اسکی آواز جاتے تک ملک پر تم ہی قبضہ کرو -

صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ یہ مرغ والی بات جو کالی کٹ کے قدیم نام کالی کوڈو کی اصل بیان کی گئی ہے - اسکی بابت خوام [illegible] نہیں خود بادشاہ [illegible] کی [illegible] ان سب [illegible] پر [illegible] ہی غالب آگیا اور [illegible] اسی کی حکومت ہو گئی - اور [illegible] نام [illegible] اسکے جانشینوں کا لقب [illegible] سامری بھی ہو گیا -

[illegible]

واسکوڈی گاما یہاں کا نقشہ بگڑا ہوا اور ناقابل اصلاح دیکھکر چلدیا - اور جاتے ہوئے سامُری کو یہ کہلا بھیجا کہ مسلمان سوداگروں کے بہکانے سے تمنے ہمکو چور اور بیعزت تو سمجھا ہے - مگر یاد رکھو کہ عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ پُرتگیز کون اور کیسے ہیں - اور اُسکی رعایا کے چند لوگوں کو بھی جو باہمی اَن بَن کی حالت میں پکڑ لیئے تھے اپنے بادشاہ اور اہل وطن کے دکھانیکے لیئے ساتھ ہی لیتا گیا - اور اگرچہ سامُری کے چند جہازوں نے کچھ دور تک اُسکا تعاقب بھی کیا مگر باد کی مدد سے وہ صحیح وسلامت نکل گیا - اور دو برس دو مہینے کے بعد ایک سو اٹھ ہمراہیوں میں سے صرف پچاس آدمیوں کو زندہ لیکر ماہ ستمبر ۱۴۹۹ء کو چہرہ شادمان اپنے وطن میں واپس پہنچگیا -

---

(1) کہ شاہ ملابار سے چیرومان پیرومال نے جب اپنے باجگذار کے طور سب سے پہلے سامُری کو ریاست عطا کی تو ایک تلوار اور مُرغا دیکر یہ حکم دیا تھا کہ مقام تالی ٹیل (2) کو (جو بعد ازاں سامریوں کا دار الحکومت ہوا) جائے اور جہانتک مُرغ کی آواز پہنچے اُستقدر علاقہ پر قبضہ کرے - اسوجہ سے کالی کوڈو نام پڑگیا - جسکے معنی وہاں کی زبان میں " مرغ کی ریاست" ہوتے ہیں جسکو ہمارے مُلک کے ہندی محاورہ کے موافق " کوکڑ راج" کہنا چاہیئے -

بیورج (3) صاحب کی تاریخ ہند سے بھی (جو ایک عمدہ اور جامع کتاب ہے) اسی روایت کی تائید ہوتی ہے - چنانچہ صاحب موصوف نے ڈاکٹر بکانن صاحب کے سفرنامہ کے حوالہ سے یوں لکھا ہے کہ اُس مُلک میں افسانہ کے طور پر عام روایت یوں چلی آتی ہے کہ شاہ ملابار نے ایک روز اپنے سرداروں کو تمام مُلک بانٹ دیا تھا یہانتک کہ جب سامُری نامے ایک سردار نے اپنے لیئے بھی مانگا تو اُسکے پاس دینے کو تو کچھ باقی ہی نتھا اسوجہ سے اپنی تلوار دیدی اور کہا کہ وہ سامنے

---

(1) Cheraman Perumal, (2) Talipil. (3) Beveridge.

پرتگیزوں کا زاموراں سے معاہدہ

اُسی کے زیر فرمان تھا۔جب واسکوڈی گاما نے سنا کہ کالی کٹ ایک بڑا تجارتی بندر ہے تو وہ اُسی دیس کا ایک جہازی رہنما ہم پہنچا کر کالی کٹ میں پہنچگیا۔ خوش قسمتی سے یہاں ٹونس[1] کا رہنے والا ایک مسلمان شخص ایسا ملگیا جو پرتگیزی زبان سے واقف اور ان سے میل جول اور اُنس و محبت کو پسند کرتا تھا۔اس شخص کے ذریعہ سے واسکوڈی گاما نے ساموری کے دربار میں باریابی حاصل کر کے اپنے بادشاہ کی طرف سے دو متحد المضمون نامے جو ایک پرتگالی میں اور دوسرا عربی میں تھا پیش کیے۔اور یہہ درخواست کی کہ دوستی اور تجارت کا ایک عہدنامہ بادشاہ پرتگال اور ساموری کے باہم ہوجاے۔

یہہ عہدنامہ ہوجانے ہی کو تھا کہ وہاں کے مسلمان تاجروں نے جو پرتگیزوں کی اولوالعزمی اور مستعدی سے خائف تھے ساموری کے دل میں کچھہ شکوک ڈالدیے اور اُن کی باتوں نے ایسی تاثیر کی کہ اُسکے اور واسکوڈی گاما کے باہم سخت ان بن ہوگئی۔یہانتک کہ چند ہی روز پہلے جن لوگوں کی اُسنے بہت کچھہ خاطر اور عزت کی تھی اُنہیں کے قتل کے درپے ہوگیا۔

زاموراں کی وجہ تسمیہ

سرگباشی والی ٹراونکور جو بہت صاحب علم رئیس تھے۔اور اُن کی ریاست بھی ساحل ملابار ہی پر واقع ہے اُنکی تحقیق چاہی۔چنانچہ حضور ممدوح کے حکم سے اُنکے سکرٹری نے جو جواب بذریعہ انگریزی چٹھی کے لکھا اُسکا خلاصہ یہہ ہے۔کہ زیموران تو پورپین لوگوں نے بنالیا ہے۔میم کی پیش کے ساتھہ صحیح لفظ ساموری ہے۔ Samuri مگر اسکے معنی اور اشتقاق معلوم نہیں۔

اور کالی کٹ کی اصل کالی کوڈو بتاکر اسکی وجہ تسمیہ کی نسبت یہہ روایت لکھی

---

[1] افریقہ کے ساحل مغربی و شمالی پر ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست ہے جہاں کا مترک رئیس فی زماننا محمد صادق باشا ہے س۔م۔ح

نے جسکے دور بین خیال میں یہہ امر یقینی تھا کہ واں سے ھندوستان کا راستہ ضرور ملیگا - اِس نامبارک اور ہمت شکن نام کا بدل دینا مناسب سمجھکر اُس کا نام کیپ آف گڈھوپ (1) یعنی راس نیک اُمید رکھدیا - اور اسکے بعد جب اِمانوائل (2) تخت نشین ہوا تو وہ بھی شاہ جان کی اِسی تدبیر کی پیروی میں مصروف رہا - چنانچہ آٹھویں جولای ۱۴۹۷ء (چودہ سو ستانوے) عیسوی کو ایسے چھوٹے چھوٹے چار جہازوں کا بیڑا جنمیں صرف ایکسو ساٹھ آدمی سوار تھے زیر حکم واسکوڈی گاما (3) ھندوستان کے راستہ کی تلاش کے لیئے پھر روانہ کیا گیا - یہہ باہمت سردار اوّل کیپ آف گڈھوپ پُہنچا اور پھر اس سے آگے ایسے سمندروں کو طے کرتا ہوا جنکو پہلے کسی نے نہیں دیکھا تھا دس مہینے نو دن کے ایک پُر صعوبت اور طولانی سفر کے بعد سترہویں مئی روز جمعہ ۱۴۹۸ء (چودہ سو اٹھانوے) عیسوی کو ساحل ملابار پر آ پہنچا - اور جس کام کے لیئے یہہ اولوالعزم لوگ ساٹھ برس سے جانیں کھپا رہے تھے آخر کار اُنکی محنت ٹھکانے لگ گئی - اُسوقت ھندوستان کا مُلک دِھلی کے علاوہ جنوب و مغرب کی طرف مختلف فرمان رواؤں میں منقسم تھا اور ان کے ماتحت اور چھوٹے چھوٹے راجا اور باجگذار رئیس حکمراں تھے - اِن میں سے کالی کٹ کا فرمانروا جسکا لقب زیمورن[1] (سامُری) تھا - ساحلوں اور بندرگاہوں پر سب سے زیادہ حکومت اور اقتدار رکھتا تھا - اور ملابار کا تمام ملک

[1] فارسی تاریخوں میں زیمورن کو سامری لکھا ہے اور زمانہ حال کی بعض اُردو تصنیف میں کالی کٹ کا لفظ کلی کوڈو اور کسی جگہہ کالی کوٹ درج ہے - اسلیئے ہمنے مدراس گورنمنٹ کے ایک عالی منزلت عہدہ دار کی معرفت خود صاحب کلکٹر ملابار سے اِنکی اہلیت دریافت کی تھی - مگر افسوس کہ صاحب موصوف کو اِن پُرانے لفظوں کی اہلیت کا کچھہ پتہ نہ مل سکا - آخر کار ہمنے حضور مہاراجہ صاحب بہادر

Zumorin Kali Kodu Calicut

(1) Cape of goodhope (2) Emanuel (3) Vasco di

حاشیہ

(متعلق صفحہ ۳۰۸)

(پرتگیزوں کا ھندوستان میں آنا اور اُن کا عروج وزوال)

صفحہ ۳۰۸ میں ہم لکھ آئے ہیں کہ اس کتاب کے مترجم انگریزی مسٹر اردنگ براک نے پرتگیزوں کے ھندوستان میں آنے اور ممالک مشرقیہ میں اُن کے عروج وزوال کا حال ایک دلچسپ حاشیہ میں تفصیل سے لکھا ہے جسکو خفیف تغیر وتبدل کے ساتھ ہم اس جلد کے خاتمہ میں لگائینگے۔ چنانچہ وہ اس طرح پر ہے کہ

"ھندوستان کی دولتمندی کی شہرت اور یہاں کے گرم مصالحوں کی افراط اور سوتی مہین کپڑوں کی عمدگی نے مدتہائے دراز سے یورپ کی اکثر قوموں کو اس مُلک کے ساتھ اپنا کاروبار تجارت جاری کرنیکے لئے نہایت بیچین کر رکھا تھا۔ لیکن خشکی کے راستہ کی مشکلات اور سمندر کی راہ معلوم نہونے کی وجہ سے سب لاچار تھے۔ مگر آخرکار جب پرتگال کے بادشاہ جان دوم نے جو نہایت ذی ہوش شخص تھا عملدرآمد سابق کے برخلاف اپنے پایۂ تخت لِزبَن کو جو دریائے ٹیگس کے کنارے آباد ہے۔ ایک ایسا بندرگاہ قرار دیا کہ جسمیں ہرطرف کے جہاز بغیر کسی طرح کی روک ٹوک کے آنے لگے۔ اور اُسی کی اعانت اور حُسن توجہ سے بذریعہ علم ہیئت سمندر میں سفر کرنے کا نیا طریق جاری ہوا تو پرتگیزوں نے پہلے کیپ کا راستہ نکالا جو ممالک افریقہ کے انتہائے جنوب کی طرف واقع ہے۔ مگر یہہ لوگ اُن تکلیفوں کے باعث جو یہانتک پہنچنے میں طوفان کی شدت سے اُنکو اُٹھانی پڑی تھیں اِسکو کیپ آف سٹارم یعنی راس الطوفان کہنے لگ گئے تھے۔ اور آگے بڑھنے سے کسیقدر جھجکتے تھے۔ لیکن اس بادشاہ

پرتگیزوں کا ...

لِ زْ بَ نْ — ٹَ یے گَ سْ - کِ یے پْ آف سِ ٹا رم

Cape of storm — Tagus — Lisbon

کوچ بہار کے راستہ پر پہنچکر باوجود شدت مرض کے بیم نارائن کی سزادہی اور اُسکا
ملک چھیننے کے ارادہ سے اُتر پڑا - اور لشکر کے جمع ہو جانیکے انتظار میں جو پیچھے
آتا تھا اسی جگہہ ٹھہر رہا - مگر شدت امراض سے جب اُسنے اپنے جاں برہونیکی
اُمید نہ دیکھی تو ناچار عسکر خاں کو کوچ بہار کی تسخیر کے لیئے مامور کر کے خضر پور
کو کوچ کیا - اور بدھ کے دن رمضان کی دوسری کو خضر پور سے دو کوس اِس
دُنیا ناپائدار ہی سے سفر آخرت اختیار کیا ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ !!!
اور جب یہہ خبر بادشاہ کے پاس جبکہ وہ کشمیر کو جاتا تھا لاہور میں پہنچی اُسکے
بیٹے محمد امین خاں کو جو میر بخشی اور پنجہزاری پنجہزار سوار کا امیر تھا نہایت
تسلی دیکر بہت سی شاہانہ عنایتوں سے سرفراز کیا - فقط س م ح

کرنا اور پیم نارائن کو بھی اُسکی دوبارہ فساد انگیزی کے سبب سزا دینا ضروری تھا۔ اور برسات کا موسم قریب آگیا تھا اسلیئے میرِ جُملہ کچھ فوج اپنے ساتھ لیکر اور باقی فوج و لشکر دلیر خاں کے زیر کمان لکھوگدہ میں چھوڑکر اٹھائیسویں ۲۸ جمادی الآخر کو گواہٹی کی طرف چل پڑا۔ اور یہاں سے غرّہ رجب کو آسام کی نئی سرحد کے ملاحظہ کے لیئے دامن کوہ کے راستہ سے کوچ کیا۔ چونکہ جنگل بہت گھنا تھا تین چار منزل لشکر نے بڑی تکلیف اُٹھائی۔ چہارم رجب کو دریاے کلنگ سے اُترکر قلعہ کجلی کے نیچے ڈیرہ کیا۔ اور اسجگہہ دڈانگ اور ڈومرؤ کے راجاؤں کو جنہوں نے اِس مہم میں اچھّی خدمتیں کی تھیں مناسب حال عنایتوں سے سرفراز کیا

میرِ جُملہ کے امراض کی ترقی فرنگی ڈاکٹروں کا علاج اور اُسکا انتقال

مگر اِن ایام میں میرِ جُملہ کو بسبب استعمال بعض دواؤں کے جو "اطباے فرنگی" یعنی یورپین ڈاکٹروں نے دی تھیں اور صاحب عالمگیر نامہ کے خیال میں وہ حار تھیں (جیساکہ ہمارے زمانہ میں بھی انگریزی دواؤں کی نسبت اکثر ہندوستانیوں کا یہی اعجوبہ خیال ہے) پہلی بیماریوں کے علاوہ ضیق النفس اور خفقان و ترحہ نشش اور استسقا کے آثار پیدا ہو گئے۔ غرض کہ اِسی حال میں تیرہویں ۱۳ رجب کو کجلی سے کوچ کرکے دریا پار قصبہ گواہٹی کے محاذی موضع ناندو میں اُتر پڑا۔ اور بادشاہ کے حکم کے موافق رشید خاں کو سرکار نامروپ کا فوجدار مقرر کیا اور اور ضروری اُمور کا بندوبست مناسب کرکے چھبیسویں ۲۶ کو موضع ناندو سے کشتی میں بیٹھکر آخر تاریخ رجب کو بمقام بری تلا ریاست

علاقہ کامروپ کے جوانب بھی نامروپ وغیرہ کے پہاڑوں میں قید تھے بادشاہی لشکر میں بھیجدینا منظور کرلیا - اور بابت مُلک مفتوحہ کے اُتر کون کیطرف دریاے الی بوادہی اور دکن کون کیطرف دریاے کلنگ راجہ اور بادشاہی مُلک میں حد فاصل مقرر ہوگئی - اور ان اُمور کی نسبت آسامیوں کی طرف سے عہدنامہ اور میر جملہ کی طرف سے قول نامہ تحریر ہوکر دیا اور لیا گیا - اور پانچویں جمادی الآخر کو راجہ کے وکیلوں نے اِس معاہدہ کی تعمیل میں دونوں لڑکیاں اور مقررہ سونا چاندی اور چاروں سرداروں کے لڑکے حاضر کردیئے -

میر جملہ کی مراجعت اور حالت مراجعت میں نومفتوحہ مُلک کے بندوبست اور بیم نارائن کی سزادہی کے لیے انتظامات مناسب کاعمل میں لانا -

اور میر جملہ نے دسویں جمادی الآخر کو اورنگ زیب کے جلوس کے پانچویں سال میں اس باعزت صُلح کے بعد کوہستان نامروپ سے بنگالہ کو مراجعت کی (اِس حساب سے من ابتداے شروع کوچ جو جمادی الاوّل کی تیرہویں تھی دوسرے برس کی دسویں جمادی الثانی تک کُل ایّام مُہم ایک برس سے کچھ زیادہ ہوے) اور چونکہ اسکو بیماری سے کسیقدر افاقہ ہوگیا تھا منزل بمنزل جلد جلد کوچ کرتا ہوا بائیسویں ماہ مذکور کو لکھوگڈہ میں پُہنچگیا - اور میر مرتضے وغیرہ سرداروں اور ہمراہیوں کے انتظار میں جو کھڑگانوں سے مع اشیا و اموال بادشاہی اور مع ایک گروہ کثیر ہندو و مسلمان زن و مرد کے جو قید سے رہائی پاکر اور اُس مُلک کو چھوڑکر آتے تھے توقف کیا - اور چونکہ نومفتوحہ علاقوں درانگ اور ڈھرویہ وغیرہ کا بندوبست کرنا اور گوہاٹی کے نظم و نسق کو جو آسامیوں کے ایّام تصرف میں پر اختلال ہوگیا تھا پھر درست

تاکہ دشمن دلیر نہو جاوے باوجود بیماری کے ایک منزل اور آگے بڑھ گیا
لیکن مذکورہ بالا وجوہات سے بخلاف اپنی اصل آرزو کے دل میں صلح کرنیکا
کا ارادہ کرلیا - اور اس عرصہ میں جو راجہ کے بھیجے ہوئے سفیر اور وکیل اُمراء
ہمراہی کے ذریعہ سے معافی اور صلح کی متواتر درخواستیں کرتے تھے او قبول
نہیں کیجاتی تھیں اور اب جو اُسنے دلیرخاں کے ذریعہ سے درخواست کی
تو میر جملہ بھی بناچاری موقعہ وقت دیکھکر راضی ہوگیا -

راجہ کے وکیلوں کا حاضر ہونا شرائط صلح اور انکی تعمیل

اور سترھویں ماہ مذکور اپنے لشکرگاہ سے آگے بڑھکر موضع پتام میں جو ناموپ کے درہ پر
تھا جا اُترا - یہہ پتام کا علاقہ راجہ کے ایک رشتہ دار کی ریاست میں تھا -
جسکو اُسکی طرف سے راجگی کا خطاب تھا - اور اسجگہہ جنگل اور درہ کے سرے
پر نہایت مضبوط مورچہ بنا ہوا تھا - غرضکہ اس جگہہ راجہ کے وکیل حاضر ہوئے - اور
بعد بہت سی قیل و قال کے اِن شرائط پر صلح ٹھہر گئی - کہ راجہ ایک اپنی بیٹی اور
ایک راجہ پتام کی لڑکی - بیس ہزار ۲۰۰۰۰ تولہ سونا - ایک لاکھ بیس ہزار ۱۲۰۰۰۰ تولہ چاندی -
بیس ہاتھی بادشاہی پیشکش میں - پندرہ ہاتھی میر جملہ کو اور پانچ ہاتھی دلیرخاں
کو دیوے - اور بعد ازیں بارہ ۱۲ مہینے کے اندر اندر تین لاکھ تولہ چاندی اور
نوّہ ہاتھی سرکار میں داخل کرے - اور بطور پیشکش سالانہ بیس ۲۰ ہاتھی بھیجتا رہے اور
مذکورہ بالا شرائط کی تعمیل تک اپنے چار بڑے بڑے سرداروں کے بیٹوں
کو اول کے طور پر بنگالہ میں حاضر رکھے - اور بدلی پھوکھن کے اہل وعیال
کو (جو حسب شرح صدر میر جملہ کی خدمت میں حاضر ہوگیا تھا) مع بعض اشخاص

عذابوں سے مروا ڈالا- اور صورت معاملات ایک مدت تک خراب رہکر اَب سب طرح میر جملہ کے حسب دلخواہ ہوچلی تھی اور باوجود مرض کے بھی اُسکا یہہ مستقل ارادہ تھا کہ جس طرح بنے راجہ سے آسام کا کُل مُلک چھینکر اُسکو خارج کردے اور اسی ارادہ سے پانچویں جمادی الاوّل کو کوہستان نامروپ کی طرف یہاں سے کوچ بھی کر دیا تھا بلکہ ساتویں جمادی الاوّل کو قصبہ سولہ کوہی میں پہنچکر اور آٹھویں کو دریاے دھنگ کے پار ہوکر (جسکے کنارہ یہہ قصبہ آباد تھا) اَور آگے بڑھکر جا اُترا تھا-

میر جملہ کی بیماری کا سخت و شدید ہو جانا اور اُسکی مرضی کے خلاف افسروں کا یہہ ارادہ کہ مہم کو ختم کرنا چاہیے-

مگر اسی مقام پر اُسکی بیماری بہت ہی سخت و شدید ہوگئی- سینہ اور معدہ میں درد ہوکر شدّت سے تپ چڑھ گیا- اور دو تین دن کے بعد مرض ذات الصدر میں بھی مبتلا ہوگیا- اس سبب سے اہل لشکر اور سردار جو متواتر لڑائیوں کے علاوہ گزشتہ بارش اور قحط اور بیماری سے تنگ آئے ہوئے تھے اَب اُنکو یہہ فکر پیدا ہوئی کہ مبادا سردار مرجائے یا مُہم طول کھینچکر دوبارہ برسات کا موسم آجائے اور لشکر تباہ ہو جائے- اِسلئے اکثر سرداروں نے یہہ ارادہ کرلیا کہ اگر میر جُملہ اس مہم کو زیادہ طول دینا چاہے تو خود سری اختیار کرکے بنگالہ کو چلے جائیں-

شدت مرض میں سرداروں کی راے سے مجبور ہوکر میر جملہ کے صلح کے منظور کرنے پر [illegible]

اگرچہ میر جُملہ کو عین شدت مرض میں سرداروں کے اس ارادہ سے نہایت ہی رنج ہوا- مگر عالی ہمتی اور حسن تدبیر سے

میر جملہ کے مرض الموت کا آغاز اور اسپر بھی اُسکا آگے کو بڑھنا جانا

مگر اب قدرت ایزدی سے یہہ عجیب اور نئی بات پیش آیا کہ مخالف تو اسکو دریا کے پار ہی پہنچا ہوا دیکھکر خود بخود بھاگے جاتے تھے - مگر یہاں میر جملہ پر یہہ حالت گزری کہ جسوقت اپنے گھوڑے پر سوار اس کنارہ سے آسامیوں کے مورچوں اور اُن کے حال احوال کو حملہ کی تدبیر سوچنے کے لیئے بنظر غور و احتیاط دیکھ بھال رہا تھا - یکایک اسپر ضعف کی سی کیفیت ایسی طاری ہوئی کہ گھوڑے سے اُتر کر زمین پر لیٹ گیا - اور تھوڑی دیر تک بالکل بیہوشی اور غشی میں پڑا رہا اور اگرچہ تھوڑی دیر بعد ہوش آگیا مگر کئی روز تک اسکو یہیں مقام کرنا پڑا - اور اب باوجودیکہ اسکے مقابلہ سے دشمن بالکل ہٹ گئے تھے - بلکہ ایسا اچھا اثر پیدا ہوگیا تھا کہ رعایا کے لوگ عموماً اطاعت کرنے لگ گئے تھے اور بالی پھوکن نامے جو آسام کے سرداروں میں راجہ کا ایک بہت بڑا رکن تھا - اور بسبب کسی رنجش کے راجہ سے اُسکی اَن بَن ہوگئی تھی اپنے اہل و عیال کی بھی پروا نکر کے اور راجہ کی رفاقت چھوڑ کر میر جملہ کے لشکر میں حاضر ہوگیا تھا بلکہ میر جملہ کی خواہش کے موافق راستوں وغیرہ کے بندوبست اور شاہی خدمات کے لیئے کئی ہزار آسامیوں کی فوج بھی بھرتی کرادی تھی - اور اس باعث سے راجہ کو اپنے سب سرداروں کی طرف سے ایسی بدظنی پیدا ہوگئی تھی کہ اُس بیچارہ وفادار مذکورہ بالا بھوکھن کو بھی جو نہایت بہادری کے ساتھ بادشاہی فوج کو کئی مہینے تک دق کرتا رہا تھا خواہ مخواہ سستی اور کوتاہی کا الزام لگاکر ازراہ وحشت عیال و اطفال سمیت لوہے کی گرم سیخوں میں پرو پرو کر سخت

دونوں راستوں سے کوٹ گانوں میں رسد پہنچنگئی۔ اور قحط کی سختیت رفع ہوئی اور برسات کے اتار کے ساتھ آسامی بھاگ کر پھر جنگلوں۔ دروں اور اونچی اونچی پہاڑوں پر جاچڑھے۔ اور راجہ بھی سولہ کوڑی سے پھر نامروپ کے پہاڑوں کو چلا گیا۔ اور اگرچہ اسکا نامور سردار یعنی وہی مذکورہ بالا بھوکھن بسبب اپنے مورچہ کی مضبوطی اور جمعیت فوج کے ابھی تک کوٹ گانوں کے قریب ایک ندی کے کنارے ٹھہرا ہوا تھا۔ مگر اُسنے بھی عاجزی سے پھر صلح کی درخواست کرنی شروع کی جسکو قبول نکر کے میر جملہ نے آٹھویں ربیع الثانی کو چند سرداروں اور فوج کو کشتیوں پر بٹھاکر اسکی سزادہی کے لیے روانہ کیا اور ایک سخت لڑائی ہوئی جسمیں بھوکھن مذکور سے اسکا بانسوں کا قلعہ جو اُسنے اپنے لشکر کے گرداگرد بنایا ہوا تھا چھین لیا گیا۔ مگر چونکہ اسکے ساتھ جمعیت کثیر موجود تھی اور اُسنے ایک دوسرے قلعہ میں جو ڈنکا ندی کے قریب تھا پاؤں جاجمائے تھے۔ اور اب وہ اس حملہ آور فوج اور لشکر مقیم کھڑگانوں کے بیچ میں آگیا تھا۔ اسلئے چودھویں ربیع الثانی کو میر جملہ بذات خود کوٹ گانوں سے اُسپر حملہ کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ مگر چونکہ وہ پہلی ہی شکست سے ہمت ہارچکا تھا۔ اور اب میر جملہ کے بذات خود چڑھائی کرنیکا حال بھی اسکو معلوم ہوا تو خائف ہوکر اس مورچہ سے بھی جو بہت مضبوط تھا بے لڑے بھاگ گیا۔ اس جگہ پر قابض ہوجانیکے بعد میر جملہ کو خبر ملی کہ ابھی ایک اور مورچہ دریائے دھنگ کے اس پار باقی ہے۔ اسلئے وہاں سے اٹھارہویں ربیع الثانی کو روانہ ہوکر وہ اس دریا کے کنارے پہنچا ہی تھا کہ آسامی اسکو بھی خالی کر گئے۔ حالانکہ دریا کے عرض و عمق کے باعث وہ حملہ سے محفوظ تھے۔

قصہ مختصر نصف ماہ صفر تک سب سرداروں اور سپاہیوں نے بیماری
اور قحط کی مصیبت کو نہایت تحمّل اور استقلال سے برداشت کیا اور چونکہ بارش میں
بھی کچھ کمی ہونے لگی تھی اسلیئے میر جُملہ اور اُسکے سرداروں نے پھر کارروائی
شروع کی اور معلوم کیا کہ براہ چارنگ دریاے دیکھو کے پار دیول گانوُں
تک دامنِ کوہ کے قریب ایک ایسی آل بنی ہوئی ہے جو برساتی پانی میں
نہیں ڈوبتی۔ اور اُسپر آمدورفت کے لیئے خشک راستہ موجود ہے۔ اسلیئے
میر جملہ نے اکیسویں صفر کو تھوڑی سی فوج اور ابو الحسن نامے اپنے ایک معتبر
سردار کو جو اُسکے ذاتی ملازموں میں سے تھا واسطے تنبیہ مفسدان اور اُس راستہ
کے جاری کرنیکے مامور کیا اور یہہ بھی ہدایت کی کہ ابن حسین نواڑہ کے داروغہ کو
خبر دیوے کہ رسد کی کشتیاں جس طرح ہو سکے دیول گانوُں میں بھیجدے چنانچہ
اس بندوبست کے موافق مخالفوں کی تنبیہ و تادیب کے بعد یہہ دیول گانوُں
میں پہنچگیا۔ اور چونکہ دریا کنارے اب بھی آسامیوں کے مورچے اور نو تعمیر گڑھیاں
تھیں اور رسد کی کشتیوں کے لیئے اسوجہ سے اندیشہ تھا اسلیئے کچھ رسد تو کشتیوں سے
نکال کر بجمعیت مناسب چارنگ کے راستہ سے کہڑ گانوُں کو بھیجدی اور خود نواڑہ
کے ساتھ ہوکر کہڑ گانوُں کو روانہ ہوا اور اُنکی گڑھیاں جو ڈھنگ ندی کے کنارے
تھیں اُنکو بھی چھین کر مسمار کر ڈالا۔ اور چارنگ اور گجپور اور دیول گانوُں میں
راستہ کی حفاظت کا بخوبی بندوبست کر دیا۔

انکی تدبیروں کا راست آنا۔ چھ مہینے کے بعد رسد کا راستہ کُھل جانا۔ اور آسامیوں کا پھر منتشر اور مغلوب ہونا۔

خلاصہ یہہ کہ یہہ تدبیریں راست آئیں اور اواخر
ربیع الاوّل میں چھ۶ مہینے کے بعد خشکی اور تری

چھینے ہوئے تھی۔ بلکہ ایک مدت تک سواے اسکے کہ بیل کا گوشت پانی میں جوش دے لیں یا اُسیکی چربی میں بھون لیں یا لیمو اور نارنج کے ساتھ جو اُس مُلک میں کثرت سے تھے تبدیل ذائقہ کر لیں بڑے بڑے اُمراے خوش خور کو بھی کھانے کے لیئے اَور کچھ میسر نہ آتا تھا اور آخر کو یہہ بھی نایاب تھا۔

بادشاہی لشکر کی اس مصیبت کا یہہ نتیجہ ہوا کہ آسامی جو پہلے ذرا دب گئے تھے اُنہوں نے پھر سر اُٹھایا اور وہی بھوکھن جو عجز و نیاز اور اطاعت کے پیغام سلام بھیج رہا تھا۔ پھر لڑنے کو تیار ہو گیا! اور چونکہ متھراپور میں بیماری زیادہ تھی اور تقریباً تین ۳ مہینے سے دن رات کی بارش اور لڑائی اور قحط کی مصیبت نے مجبور کر دیا تھا۔ اور اسیلئے میر جملہ بارھویں ۱۲ محرم کو وہاں سے ڈیرہ اُٹھا کر دیو گانو میں چلا آیا تھا۔ آسامیوں نے اِس امر کو اَور بھی زیادہ اُنکی کمزوری پہ محمول کیا اور از سر نو دن رات حملے کرنے شروع کر دیئے یہاں تک کہ یہہ بھوکھی اور بیمار فوج رات کو سونے نہیں پاتی تھی۔

دلیر خاں اور اَور سرداروں کی شجاعت اور استقلال اور برسات کے کم ہونے پر میر جملہ کا پھر اپنی کارروائیاں شروع کرنا

لیکن ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ چاندنی رات میں آسامیوں نے جو دلیر خاں اور راجہ سجان سنگھ کے مورچوں پر نہایت جمعیت سے حملہ کیا اگرچہ وہ شکست کھا کر پسپا ہو گئے تھے۔ مگر دلیر خاں نے بمقتضاے اپنی شجاعت کے صرف اُن کے معمولی پسپا ہونے پر اکتفا نکر کے چاندنی رات کے موقع کو غنیمت سمجھا اور دُور تک تعاقب کر کے اسقدر تہ تیغ کیا کہ اسکے بعد پھر اُنکو کبھی کانوتی پہ حملہ کرنے کی جُرأت نہوئی۔

تین لاکھ تولہ سونا مع اپنی بیٹی کے جو بادشاہی بیگمات کی خدمتگذاری کے لیے بھیجی جائے بالفعل حاضر کرے - اور آیندہ کے لیے پچاس ہاتھی ہر سال بطور پیشکش بھیجتا رہے اور جہانتک ہماری فوج پہنچ چکی ہے وہ تمام ملک ہمارے قبضہ میں رہے - اور کوہستان ناروپ وغیرہ راجہ کے پاس - مگر ان سخت شرطوں کے ساتھ براہ دانائی یہہ نرمی بھی ظاہر کی کہ پودن مل نامے اپنے ایک ہندو سردار کو پھوکھن کی تسلّی کے لیے بھی بھیجدیا - جسکی نہایت درجہ کی خاطر اور تواضع و تکریم پھوکھن مذکور نے کرکے سب شرطوں کو قبول کرلیا - بلکہ ایک دن تخلیہ میں یہانتک کہدیا کہ اگر راجہ ان شرطوں کو منظور نکریگا تو میں اُسکا ساتھ چھوڑکر خود میر جملہ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤنگا

بیماری اور قحط کی تازہ مصیبت کا پیش آنا - اور اُسکے بُرے نتیجے

مگر یہہ کام بنتے بنتے پھر اس طرح بگڑ گیا کہ اسی اثنا میں بدقسمتی سے یہہ تازہ مصیبت پیش آگئی کہ شدّت بارش سے متھراپور کے لشکر میں آب و ہوا خراب ہوکر تپ لرزہ اور دستوں کی بیماری ایسی پھیلی کہ اکثر لوگ مر گئے بلکہ بعد میں معلوم ہوا کہ یہہ وبا تمام ملک اور خصوصاً راجہ کی سپاہ اور رعایا کے لوگوں میں جو بھاگ کر پہاڑوں جنگلوں اور تنگ مقاموں میں جا گھسے تھے یہانتک پھیل گئی تھی کہ اُسکے بعض ملازموں کے قول کے موافق دو لاکھ تیس ہزار آسامی ضایع ہوئے تھے - !!! اس بیماری کے علاوہ میر جملہ کے لشکر میں رسد کا بھی ایسا قحط تھا کہ منجملہ اُن ایکسو تہتر [۱۷۳] انبار چاولوں کے جو کچھ ڈھیر پانی کی طغیانی اور دشمنوں کی دست و برد سے بچے ہوئے تھے یا تو کسیقدر اُنپر گزران تھی یا اُن بیلوں کے گوشت پر جو لڑائیوں بھڑائیوں میں دشمنوں کی

متھراپور اور کھیر گانوں میں ناکامیاب ہوکر آساامیوں کا مغلوبانہ طور پر منتشر ہوجانا اور خصوصاً لکھوگڈھ میں ابن حسین کی کوشش سے انکا زیادہ مغلوب ہونا۔

سخت حملے کیئے کہ اُنکے مورچے چھین کر جلا ڈالے اور دشمنوں کو قتل اور غارت کر کے محصور و مغلوب سے پھر غالب ہو گئے اور اس دلیری اور ہمت کا یہہ نتیجہ ہوا کہ دشمن منتشر ہو گئے۔ اور فوج موجودہ کھیر گانوں کو روزمرہ کی لڑائیوں سے کسیقدر فرصت مل گئی۔ اسیطرح جو فوج مع نواڑہ وغیرہ لکھوگڈھ میں ابن حسین داروغہ نواڑہ کے زیر حکومت تھی۔ (جو نام سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی جہاز راں عرب تھا) باوجود آسامیوں کی کوشش اور بیحد حملوں کے جو نواڑہ کے علاوہ دریا کنارہ سے بھی آ آکر دق کرتے تھے کسی طرح مغلوب نہوئی بلکہ ابن حسین اور اُسکے رفیق سرداروں نے خود حملے کر کے آسامیوں کی کئی کشتیاں چھین لیں۔ اور کتنے ہی اُنکے مورچے بھی تباہ کر ڈالے۔ اور ابتدا سے برسات میں دیول گانوں وغیرہ سے جو تھانے اُٹھگئے تھے پھر قائم کر دیئے۔ بلکہ ایسا عمدہ بندوبست کیا کہ اُنکے کئی سردار بھی پکڑ لیئے اور لکھوگڈھ سے گواہٹی تک اپنے رعب و دبدبہ کو جیسا کہ چاہیئے ویسا قائم رکھا۔ اور گواہٹی سے رسد اور خبر کی آمدورفت کے سلسلہ کو منقطع ہونے نہیں دیا۔

آسامیوں کا پھر طالب صلح ہونا اور میر جملہ کا براہ مصلحت پہلے سے زیادہ کڑی شرطیں پیش کرنا۔

خلاصہ یہہ کہ جب مذکورہ بالا جوکھن اپنی تمام جرأت اور بہادری خرچ کر چکا اور بادشاہی فوج باوجود قلت تعداد کے غالب رہی تو اُسنے راجہ کی مرضی سے میر جملہ کے پاس متھراپور میں وکیل بھیجکر پھر صلح کی درخواست کی۔ لیکن میر جملہ نے از راہ مصلحت پہلے سے بھی زیادہ یہہ کڑی شرطیں پیش کیں کہ بانسواڑی

راجاؤں کا قدیمی دارالحکومت تھا آکر ٹھہر گیا - بھوکپن مذکور ایک ندی کے
کنارے ہے جو متھراپور کے نزدیک گزر کر دریائے دھنگ میں گرتی اور برسات
کے موسم میں دریائے عظیم ہو جاتی ہے اُترا - اور ہشیار آسامیونکو جمع کرکے
(بقول صاحب عالمگیرنامہ) ایک دیوار عریض و مرتفع تیس کوس لمبی اور کمال
مستحکم کہ جسکا ایک سرا پہاڑ سے اور دوسرا دریائے دھنگ سے ملا ہوا تھا نہایت
قلیل عرصہ میں اپنے لشکر کے آگے تیار کر لی - یہہ شخص اکثر راتوں کو ندی سے
پار اُتر کر اگرچہ کتنی ہی دفعہ سخت سخت حملے کرتا رہا مگر ہمیشہ ناکامیاب ہی ہوتا رہا لیکن
آخر میں میرجملہ نے ایک روز خود سوار ہوکر انکو ایسا تہ تیغ کیا کہ پھر اُسکو حملہ کرنے
کی جرأت نہوئی - اور ایسا ہی چادانگ کے راجہ کو بھی جو آسام کا ایک بہت بڑا
ذیلدار تھا اور جسنے متھراپور کے نزدیک دوسری جانب سے مورچے آن لگائے
تھے راجہ سبحان سنگھ نے ایک سخت لڑائی لڑ کر بھگا دیا -

جب آسامی اس طرح سے متھراپور پر متواتر حملے کرکے ہمیشہ پسپا ہی
ہوتے رہے تو اس جگہہ کا خیال چھوڑ کر اوایل ذیقعد سے کھٹ گانوں پر حملے
کرنے شروع کیئے - چنانچہ اکثر راتوں کو ایسے سخت حملے ہوئے کہ مدد کے لیئے
میرجملہ کو متھراپور سے بعض سردارونکو بھیجنا پڑا - اگرچہ اسپر بھی ذی الحجہ کے مہینہ
میں آسامیوں نے کئی بار رات کو ایسی شدت سے حملے کیئے کہ اگر بادشاہی سردار
اور فوج ذرا سی کوتاہی کرتے تو ضرور مغلوب ہو جاتے - مگر یہہ سپاہ کمال استقلال
اور مردانگی سے اُنکے حملوں کو دفع ہی کرتی رہی -

آخر کار روزمرہ کی لڑائی بھڑائی سے دق ہوکر مغلیہ فوج نے خود اپنے

بیڑے بنائے اور اُن پر چیدہ چیدہ بہادروں نے چڑھ کر طلوع آفتاب سے بہت پیشتر کہ جب آسامی بالکل بیفکر پڑے سو رہے تھے یکایک حملہ کیا اور انکو وہاں سے بھگا کر اکتالیس کشتیاں چھین لائے اور پھر ان کشتیوں پر اپنے لشکر کو ندی نالوں سے پار اُتار کر تمام لشکر کو صحیح سلامت متھراپور میں دوسری ذیقعدہ کو پہنچا دیا۔

میرجملہ کا بمجبوری کل سپاہ کو کھڑگانوں اور متھراپور میں جمع کرلینا - اور بجز لکھوگڈہ کھڑگانوں اور متھراپور کے سب جگہ سے عمل و دخل اُٹھ جانا۔

مگر بعد اسکے جو بارش کی شدت اس سے بھی زیادہ ہوئی - اور تھانوں اور چوکیوں تک مدد کا پہنچانا بہت دشوار ہو گیا - تو میرجملہ نے ازراہ دانائی کل سپاہ کو سب جگہ سے اُٹھا کر کھڑگانوں اور متھراپور میں جمع کرلیا - اس باعث سے تمام ملک پر پھر آسامی ہی قابض ہو گئے - اور سوائے متھراپور - کھڑگانوں - اور لکھوگڈہ کے اور کوئی مقام بادشاہی لشکر کے تصرف میں باقی نہ رہا - بلکہ آسامیوں کی جرأت اور جسارت یہانتک بڑھی کہ متھراپور اور کھڑگانوں کے مابین جو صرف چند میل کا فاصلہ تھا یہاں بھی بغیر جمعیت فوج کے آمد و رفت نہیں ہو سکتی تھی

سرداروں اور اہل لشکر کی فکرمندی رسد کی قلت اور آسام کے ایک بھوکن اور چانگما کے باپ کے تئیں میرجملہ کے شک پر

اب ظاہر ہے کہ اس حالت میں سرداروں اور اہل لشکر کے فکر و تردد کا کیا ٹھکانا تھا - اور قلت رسد اسپر اور بھی مستزاد تھی علاوہ بریں راجہ نے میرجملہ کے پاؤں اُکھیڑ دینے کے لیئے اپنے ایک بتیوکیشن کو اپنا قائمقام بنا کر اور بڑے بڑے اختیارات دیکر فوج کثیر کے ساتھ متھراپور کو روانہ کیا - اور خود بھی قلعہ سولہ گوڑی میں جو کھڑگانوں سے چار منزل اوپر آسام کے

ایک آل پر جو اس نواح میں تھی جا چڑھے۔ میر جملہ نے اس حادثہ کی خبر پاکر محمد مومن کو فوج کثیر کے ساتھ انکی کمک کے لیئے روانہ کیا۔ مگر وہ بھی ترمهانی سے آگے نہ بڑھ سکا۔ خلاصہ یہہ کہ فرہاد خاں اور اسکی سپاہ اور تمام سردار آل پر گھرے ہوئے بھوکھ سے ناچار ہوکر لشکر کے بیلوں کا گوشت کھاکر مصیبت کے دن کاٹتے تھے۔ اور اس عرصہ میں اگرچہ آسامی کشتیوں پر سے بھی گولے مارتے تھے۔ اور دن اور رات میں کئی کئی بار آل تک پہنچکر حملے بھی کرتے تھے۔ مگر یہہ لوگ ایک ہفتے تک باوجود ہر طرح کی تکلیف کے کمال جرأت اور بہادری سے انکو پسپا ہی کرتے رہے۔

فرہاد خاں اور راجہ سجان سنگہ کی ماموری۔ انکی مصیبت۔ مگر عجیب استقلال سے اپنے گھرے ہوئے لشکر کو بچانا اور دشمنوں پر غالب آکر فوج کو صحیح و سلامت واپس لیجانا۔

اور آخرکار فرہاد خاں نے ایکروز یہہ تدبیر کی کہ جب آسامی راجہ سجان سنگہ کے راجپوتوں پر حملہ کرنیکے لیئے بڑھے چلے آتے تھے تو اسنے انکو بطور حکمت عملی پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔ اور جب راجپوت پیچھے ہٹے اور یہہ مجہول آسامی مغرور ہوکر اسقدر آگے بڑھ آئے کہ انکی کشتیوں سے جو دریائے دھنگ میں کھڑی تھیں انکو بہت فاصلہ ہوگیا۔ تو خان مذکور نے موقع دیکھکر یکبارگی سخت دھاوا کیا اور ایسی تلواریں ماریں کہ حملہ کرنے والوں کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ اور انکی چند کشتیاں بھی چھین لیں۔ لیکن چونکہ اسکے پاس سپاہ کے کھانیکو کچھہ نہیں تھا تو آخر یہی صلاح ٹھہری کہ جسطرح بنے اس مصیبت سے نکلنا چاہیئے مگر نکلنے کے واسطے چونکہ کشتیاں کافی نہ تھیں۔ اور وہی چند کشتیاں تھیں جو دشمنوں سے چھینی تھیں اسلیئے کیلے اور بانس کاٹ کر اور چھال اور گھاس سے باندھ کر

پس ترمہانی تک پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ آسامیوں نے واں سے لیکر دریای ڈھنگ تک نہایت چوڑی اور عمیق نہریں کھودکر اور کنارہ پر مستحکم مورچے بناکر اور توپ اور رہکلے وغیرہ سامان حرب سے مضبوط کرکے واپس جانیکا راستہ بند کر رکھا ہے اور یہہ سپاہ اسمقام پر پہنچی ہی تھی کہ بہت سے آسامیوں نے اپنے مورچوں اور جنگی کشتیوں پر سے گولے برسانے شروع کیئے۔ اور بادشاہی فوج کو انوقت بڑی دقت پیش آئی کہ نہ اِن کے پاس رسد اور چارہ تھا اور نہ کشتیاں کہ اُنپر سوار ہوکر اور دشمنوں کو دفع کرکے ندی نالوں سے پار ہوجائیں۔ اور نہ آگے جاسکتے تھے اور نہ کہیں پیچھے ہٹ سکتے تھے۔ اور کسی طرح کی مدد بھی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ناچار

بالے پیتل کے اتنے بڑے بڑے بڑے رہتے ہیں کہ چھاتی تک لٹکا کرتے ہیں آسام کے امیر لوگ بھی گھاس پھوس کے بنگلے یا چھپروں میں رہتے ہیں پچھم کا حصہ آسام کا ابتک کامروپ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ لیکن ہندوؤں کے شاستر میں جو سرحد کامروپ دیس کی لکھی ہوئی ہے۔ اُسکے بموجب رنگپور۔ میمنسنگھ۔ سلہٹ۔ جینتیاپور۔ کچھار۔ منی پور۔ اور آسام یہہ سب کامروپ دیس ٹھہرتا ہے۔ اور اگلے زمانہ کی پوتھیوں میں اس دیس کے بڑے بڑے اچنبے کی باتیں اور نہایت تعجب کی حکایتیں لکھی ہیں۔ نادان آدمی ابتک اُسکو جادو کا گھر خیال کرتے ہیں۔ تان ترک مذہب اسی جگہہ سے پھیلا تھا۔ کامکھشا دیوی کا مشہور مندر ۹۲ درجہ ۵۶ دقیقہ طول شرقی اور ۲۶ درجہ ۳۰ دقیقہ عرض شمالی میں واقع ہے۔ واں کے آدمیوں کی صورت شکل چین والوں سے ملتی ہے۔ صدر مقام گواہٹی کلکتہ سے تین سو پچیس ۳۲۵ میل گوشہ شمال و مشرق کی طرف جو کسی زمانہ میں کامروپ کا تخت گاہ تھا اور اب واں صاحب کمشنر رہتے ہیں برہماپتر کے بائیں کنارے پر بستا ہے۔ نقد انتہیٰ کلامہ۔

س م ح

کا راستہ کھولنا سب سے زیادہ ضروری تھا اسلیئے اُسنے ایک فوج باندازہ مناسب
متھراپور سے زیر حکم فرہاد خاں بمعیّت راجہ سُبحان سنگہ ہاڑہ و قراول خاں
وغیرہ سرداروں کے اِس مطلب کے پورا کرنیکے لیئے روانہ کی۔ اگرچہ فرہاد خاں
نے کھڑگانوں پہنچکر کمال ہمّت سے ایسی کوشش کی کہ راتوں رات اپنے لشکر
کو دکھوندی سے جو بڑی طغیانی پر آئی ہوئی تھی پار اُتارا۔ مگر آخر کچھ دور آگے
جاکر کثرت بارش اور شدّت سیلاب سے یہہ حالت دیکھی کہ تمام مُلک مثل ایک
دریاے بیکراں کے تھا اور باوجود کوشش کے کہیں راستہ نملتا تھا۔ اور چونکہ
بارش شدّت سے ہورہی تھی۔ اور سواروں اور پیادوں کو سواے پانی میں کھڑے
رہنے کے کوئی جگہہ ہی نتھی اُسنے ناچار واپس آنا چاہا۔ اور جب اِس پانی ہی پانی

تاکہ کوئی آدمی کھوٹے روپیہ کی طرح کسی گاڈڑو کی کھوپڑی بنگالی کی کھوپڑی کے عوض میں دیکر
اُنہیں ٹھگ نہ لیا کرے۔ شادی بیاہ وہاں عورت مرد کی خوشی اور رضامندی سے ہوتا ہے
اور اگر اُنمیں سے کسی کا باپ اِس شادی سے ناراض ہوجاے تو پھر وہ سب لوگ اُسکو اتنا پیٹتے
ہیں کہ وہ بیچارہ راضی ہوجاتا ہے۔ خاوند کے مرجانیکے بعد وہاں کی عورتیں اپنے جیٹھ دیور
سے نکاح کرلیتی ہیں اور اگر خاوند کا کوئی بھائی زندہ نہو تو اپنے خسر سے شادی کرلیتی ہیں
مالک میراث وہاں چھوٹی لڑکی ہوتی ہے۔ مُردہ کو چار روز کے بعد جلاتے ہیں۔ اور اگر اُن کا
کوئی چھوٹا سردار مرجاے تو اُسکے ساتھ ایک غُلام کا بھی سر کاٹ کر آگ میں جلا دیتے ہیں
اور جو کوئی بڑے درجہ کا سردار مرجاے تو اُسکے سب غُلام ملکر ایک ہندو کو پکڑ لاتے ہیں اور
اُسکا سر کاٹ کر اُسکے ساتھ جلا ڈالتے ہیں۔ وہ لوگ محنت کش اور مضبوط ہوتے ہیں۔ صُورت
شکل اُنکی یہہ ہے کہ ناک حبشیوں کی سی پھیلی ہوئی اور آنکھیں چھوٹی۔ ماتھے پر جُھرّیاں پڑی
ہوئیں۔ بڑا سا مونہہ۔ ہونٹھ موٹے۔ چہرہ گول۔ اور رنگ اُنکا گندمی ہوتا ہے۔ عورتیں
ناٹی اور دبنگی ایسی کہ مردوں سے زیادہ مضبوط کانوں میں اُنکے بیس بیس تیس تیس

[illegible]

کہ عمال بادشاہی نے جو بیوقوفی سے ممالک محروسہ شاہی کیطرح کڑی جمعبندی کرکے سختی سے مطالبے شروع کر دیئے اسلئے رعایا نے باغی ہوکر بیم نارائن کو بھوٹنٹ سے واپس بلالیا اور فوجدار کو قتل کر کے (جیساکہ ہم ایک حاشیہ میں قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں) بادشاہی عمل و دخل اٹھادیا اور تمام عہدہ دار مجبور ہوکر گھوڑا گھاٹ میں چلے آئے۔ اس خبر کے مشہور ہوجانے سے آسامیوں کے حوصلے اور بھی زیادہ بڑھ گئے اور بادشاہی فوج کی جرأت و ہمت پر بھی برا اثر پیدا ہوا

میر جملہ کی کوشش اس حالت کی اصلاح کے لئے

میر جملہ نے اس سیلاب بلا کے روکنے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کیں اور چونکہ کھڑگانوں میں لکھوگڈھ سے رسد کا پہنچنا اور اسکے گرد و نواح کے مفسدوں کی تنبیہ و تادیب کرکے آمد و رفت

اور پھر اُس پیڑ کو بھی (جو گویا لڑائی کی جڑ تھی) کاٹ ڈالتے ہیں۔ راجہ صاحب موصوف نے اُن لوگوں کی وحشت کی اپنی کتاب میں شروع عملداری انگریزی کے وقت کی روایتیں یہاں تک لکھی ہیں کہ جب لڑائی جھگڑے میں کسی بنگالی زمیندار کا سر کاٹ لاتے ہیں تو اسکے گرد پہلے سب سے سب بکرا چتے گاتے ہیں اور پھر اُسکی کھوپڑی صاف کرکے اپنے گھر میں لٹکا دیتے ہیں۔ وہ کھوپڑیاں آپسمیں بیچ بھی ڈالا کرتے ہیں۔ بلکہ اشرفی اور بنک نوٹ کی برابر وہاں یہ بنگالیوں کی کھوپڑیاں اُنکے بازار میں چلتی ہیں۔ چنانچہ سنہ ۱۸۱۵ء (اٹھارہ سو پندرہ عیسوی) میں کالو مالو پاڑے کے زمیندار کی کھوپڑی اکیہزار روپیہ کو چلتی تھی۔ اور آنند تعلقدار کی کھوپڑی پانسو روپیہ کو بھنائی جاتی تھی۔ وہ لوگ اپنے مُردوں کو جلاکر بالکل راکھ کر ڈالتے ہیں

راجہ صاحب موصوف نے میرے خط کے جواب میں اس مضمون کے اندراج کی نسبت یہ ارقام فرمایا ہے کہ مینے آسام کا حال معتبر انگریزی کتابوں سے نقل کیا ہے مثلاً والٹر ہیملٹن صاحب کا ایسٹ انڈیا گزیٹیر جو سنہ ۱۸۲۸ء میں چھپا تھا اسکے حصہ اول کا پینسٹھواں صفحہ اور ہیملٹن صاحب موصوف نے بعض حالات سنہ ۱۸۰۹ء کے کاغذوں سے نقل کیے ہیں۔ س م ح

آگے بڑھ گیا - اور آسامیوں نے موقع پا کر رات کیوقت جہاں یہہ ٹھہرا ہوا تھا
ایک ایسا چھاپا مارا کہ سب کشتیاں مع ساز و سامان کے چھین لیں اور وہ ایسا
سراسیمہ ہوا کہ مع اپنی سپاہ کے بغیر لڑے ترمہانی کو بھاگ گیا - اس کامیابی
سے آسامی اور بھی مغرور ہو گئے اور لکھوگڑہ سے رسد اور خبر آنیکا راستہ بالکل
مسدود ہو گیا - اور جہاں کہیں باوشاہی فوجیں تھیں بجز اپنی حفاظت کے اِدھر
اُدھر کہیں نہیں جا سکتی تھیں - اور آسامی جو اس شدت طغیانی میں گویا اِن ندی
نالوں کی مچھلیاں ہی تھے میدان اور پہاڑ سے آکر بے تکلّف اور متواتر حملے
کرتے تھے یہانتک کہ خود گھڑگانوں کے صدر لشکر پر بھی حملے شروع کر دیئے
اِن حالتوں کو دیکھکر رعایا کے لوگ بھی اطاعت اور فرمانبرداری سے منحرف
ہو کر بگڑ بیٹھے - اور اِسی اثنا میں اتفاق سے کوچ بہار میں یہہ واقعہ پیش آیا

کی کھوپڑیاں خالی کر کے آرایش کیواسطے بندھن وار کی طرح گھروں میں لٹکاتے ہیں - کوئی
اُن میں بودھ کا مذہب بھی رکھتا ہے - اکثر درختوں کی چھال کا لنگوٹ بنا کر باندھتے ہیں
اور سینگ کا کن ٹوپ پہنتے ہیں - کوئی تکلّف کرتا ہے تو کمبل بھی اوڑھ لیا کرتا ہے -
کہتے ہیں کہ اِن اقوام میں گاڑو قوم کے لوگ جو برھما پُتر کے دکن اور سلہٹ اور
میمن سنگھ کے اُتر میں بستے ہیں سانپ کو بھی کھا جاتے ہیں - اور کتّے کا پلہ تو اِن کے
بڑے مزے کی چاٹ ہے - پہلے اُسکو پیٹ بھر کر چاول کھلاتے ہیں بعد اِسکے جیتا ہی
آگ پر بھون کر کھا جاتے ہیں - اِس قوم میں یہہ بھی دستور ہے کہ جب اِنکے آپسمیں تکرار
ہوتی ہے تو دونوں آدمی اپنے اپنے گھر میں چٹاکی کا درخت لگاتے ہیں اور اس بات
کی قسم کھاتے ہیں کہ قابو پاتے ہی اپنے دُشمن کا سر کاٹ کر اس پیڑ کے کھٹے پھل کے
ساتھ کھا جائینگے - اور جب دشمن کا سر کاٹ لاتے ہیں تو فی الحقیقت اُسکو چٹاکی کے درخت
کے ساتھ چٹ کر جاتے ہیں - بلکہ اپنے دوست آشناؤں کو بھی دعوت میں کھلایا کرتے ہیں

شوال میں اکثر مقامات پر پھر قابض ہو گئے خصوصاً اپنی قدیمی چال کے موافق رسد کی آمد روکنے کے لیئے لکھوگڈھ اور گجپور کے مابین دریائے دھنگ کے کنارے جابجا مورچے بنا لیئے اور رسد پہنچنے کا راستہ روک لیا۔

رسد کی آمد بند ہوگئی رعیت بگڑ بیٹھی اور صدر لشکر گاہوں تک حملے ہونے لگے۔

جب میر جملہ اس حال سے مطلع ہوا تو راستہ کے کھولنے کے لیئے کچھ فوج دریا کے کنارے کنارے سرانداز خان ازبک کے زیر حکم اور کچھ بذریعہ نواڑہ محمد مراد بیگ کے ماتحت کھڑگانوں سے روانہ کی تاکہ ایک دوسرے کی مدد اور اتفاق سے کام کریں۔ مگر بدبختی سے تھوڑی ہی دور چلکر ان دونوں میں اتفاقاً ایسی ناچاقی ہوگئی کہ سرانداز خاں تو پیچھے رہگیا۔ اور محمد مراد بیگ براہ نخوت اسکی مدد کی پروا نکرکے مع اپنی کشتیوں کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے قریب میں چھپا تھا) لکھتے ہیں کہ مقام چیراپونجی میں جہاں موسم گرما میں بنگالہ اور آسام سے انگریز لوگ جاکر اکثر رہا کرتے ہیں سال بھر کی بارش کی پیمایش تین سو چھ انچ تک کی گئی ہے حالانکہ یہ مقام سطح سمندر سے صرف ساڑھے چار ہزار فٹ کے قریب بلند ہے۔ اور جسقدر ندیاں اور دریا اس ملک میں جاری ہیں یقین ہے کہ اور کسی جگہ نہونگے۔ چنانچہ اکثر ندیاں تو ایسی ہیں جنمیں بارہ مہینے ناؤ چلتی ہے۔ اگلے زمانہ میں وہاں کے راجاؤں نے بارش کی کثرت ہی کے باعث سے پانی کے بیچ میں سے راستہ جاری رکھنے کو تین تین گز زمین سے اونچی سڑکیں (دہی آل) بنائی ہوئی تھیں۔ اور راجہ صاحب لکھتے ہیں کہ ان سڑکوں پر اب تو جنگل اگا ہوا ہے اور بجائے انسانوں کے شیر اور بھالو چلتے ہیں۔ اگرچہ سارا ملک جنگل اور پہاڑ ہے مگر پورب اور اتر کی طرف پہاڑ اور جنگل بہت ہی زیادہ ہیں انمیں مختلف قسموں کی جنگلی قومیں بستی ہیں۔ اور انکی ذات اور مذہب کا کچھ ٹھکانا نہیں ہے سب چیز کھاتے ہیں۔ تیروں کو زہر میں بجھاتے ہیں۔ گندے ایسے کہ آبدست تک نہیں لیتے۔ چوپایوں

پانی ہوجاتا ہے اسلیئے میر جملہ نے میر مرتضے سردار توپخانہ اور راجہ امر سنگھ ہاڈہ کو کھڑگانوں میں ٹھہرا کر خود متھراپور میں جو یہاں سے تین ۳ چار ۴ کوس آگے بڑھ کر کچھ اونچی جگہہ تھی جا ڈیرہ کیا - اور جا بجا چوکیاں اور تھانے بٹھا دیئے -

> برسات کی شدّت سے بادشاہی فوج کا مجبور ہوجانا - اور آسامیوں کا پھر سر اُٹھانا اور اکثر مقامات پر قبضہ کرلینا

مگر چند ہی ہفتے بعد جب برسات کی معمولی شدّت سے اس تمام نیچے کے ملک میں جہاں جملہ آوروں کا قبضہ تھا پانی ہی پانی ہوگیا اور اہل سپاہ کو ایک دوسرے سے ملنے اور کہیں آنے جانے میں بہت ہی دشواری ہوگئی - اسلیئے آسامیوں نے جنگلوں اور پہاڑوں سے نکلکر میر جملہ کی چوکیوں اور تھانوں پر حملے شروع کردیئے - اور لڑ بھڑ کر آخر کار شروع ماہ

(بحساب سنہ عیسوی) اس صدی کے شروع سے سرکار انگلشیہ کا مقبوضہ خاص ہے - چونکہ یہاں کے باشندے اس زمانہ میں بھی بہت خاصے جانگلو ہی ہیں - اسیلئے سنہ ۱۸۷۰ء اٹھارہ سو ستر عیسوی تک حکّام انگریزی نے طریقہ انتظام اور طرز حکومت کو مصلحتاً سرسری اور غیر قانونی طور پر رکھا ہوا تھا - مگر سنہ ۱۸۷۴ء (اٹھارہ سو چوہتر) سے اسمیں ایک حاکم اعلیٰ بلقب چیف کمشنر مع ڈپٹی کمشنروں وغیرہ معمولی ماتحت عہدہ داروں کے مامور ہوگیا ہے - جسکا دار الحکومت سلہٹ کے شمال کی جانب کھاسی اور جینتیا کے پہاڑوں میں بمقام شیلانگ ہے جو سطح سمندر سے ۵۶۶۷ پانچہزار چھ سو سرسٹھ فٹ بلند ہے مقرر کیا گیا ہے - اور اس صوبہ میں اب ضابطہ اور آئین کی پابندی پہلے سے بہت زیادہ ہوگئی ہے - یہ ملک کثرت بارش کے لیئے تمام ہندوستان میں ایسا مخصوص ہے کہ راجہ شیو پرشاد صاحب - سی - ایس - آئی سابق عہدہ دار سررشتہ تعلیم ممالک مغربی و شمالی اپنے مشہور جغرافیہ جام جہاں نما میں (جو پہلے پہلے سنہ ۱۸۵۰ء

حاشیہ: [illegible]

سے زاید تھا اور اِس احاطہ کے اندر راجہ کے بڑے بڑے مکانات تھے مگر سب لکڑی کے یا پھوس اور بانس کے۔ جنمیں سب سے عمدہ ڈیڑھ سو گز لمبا اور چالیس گز چوڑا ایک چوبیں دیوانخانہ تھا جسکے چھیاسٹھ ستون ایسی موٹی لکڑی کے تھے جنکا چار چار گز کا دَور تھا۔ اور اِس مکان کے اطراف میں طرح طرح کی مُنبّت کار لکڑی کی جالیاں لگی ہوئی تھیں اور پیتل کے پتّر صیقل کرکے جالیوں کے اندر باہر سطح سے لگائے تھے کہ آفتاب کی شعاع پڑنے سے آئینوں کی طرح چمکتے تھے۔ تین ہزار بڑھئی اور بارہ ہزار مزدوروں نے دوسال تک برابر کام کرکے اِس مکان کو بنایا تھا۔ جب راجہ اِس دیوانخانہ میں آکر بیٹھتا یا سوار ہوکر کہیں جاتا تو بجائے نقّارہ اور شہنائی کے ڈھول اور "داند" بجاتے تھے۔ اور یہ "داند" ایک موٹی اور مدوّر پیتل کی تختی گویا اِس قسم کی ہوتی تھی (جیسے کہ ہندو فقیروں کی جماعتوں کے ساتھ یا مُردوں کے جنازوں کے آگے گھڑیال بجاکرتے ہیں)۔

برسات کی آمد کے خیال سے میرجملہ کا متھرا پور میں ڈیرہ کرنا

چونکہ برسات کی آمد کے آثار شروع ہوگئے تھے جو آسام میں تمام ہندوستان سے پہلے اور اِس شدّت سے ہوتی ہے کہ مُلک کے نشیبی حصّوں میں سب جگہ پانی ہی

یمنز آسام کی کثرت بارش اور وہاں وحشی قوموں کے رسم و رواج وغیرہ عجیب و غریب حالات زمانہ حال کی تحریروں کے بموجب

اِس مُلک کے کچھ تمام حالات اگرچہ اِس سے پہلے حسب بیان مصنّف عالمگیرنامہ لکھے گئے ہیں۔ مگر اِس موقع پر وہ حالات بھی جو زمانہ حال کی تصنیف شدہ کتابوں وغیرہ میں پائے جاتے ہیں لکھے جانے خالی از لطف نہ

واضح ہو کہ ملک آسام جو صوبہ بنگالہ۔ اور برہما اور تبّت کے مابین واقع ہے

شہر کھرگانوں کے حالات | اسوقت شہر کی آبادی (بقول مصنف عالمگیرنامہ)

اس طور سے تھی کہ دیکھوندی بیچ میں بہتی تھی۔ اور اسکے دونوں طرف آبادی تھی جسکے گرداگرد شہر پناہ کے طور پر نہایت گھنی اور ناقابل گذر بانسی لگائی ہوئی تھی۔ اور اسمیں اینٹ پتھر کی پختہ عمارت کے چار دروازے تھے۔ اور ہر دروازہ راجہ کے مکان سے تین تین کوس کے فاصلہ پر تھا۔ اور ایک اونچی اور چوڑی آل شہر کے اندر برسات میں آرام سے چلنے پھرنیکے لیئے اس سرے سے اس سرے تک بنی ہوئی تھی۔ اور یہہ شہر کیا تھا گویا دیہات اور کھیتوں کا ایک مجموعہ تھا۔ کیونکہ ہر شخص کے گھر کے گرد و پیش باغ اور کھیتیاں تھیں اور معمولی بازار جن سے شہروں کی رونق اور زیب و زینت ہوتی ہے یہاں نتھے۔ شہر کے لوگ سال بھر کیواسطے غلہ وغیرہ سب قسم کے مایحتاج اپنے اپنے گھروں میں عموماً جمع رکھتے تھے اس سبب سے سوا سے پنواڑیوں کی چند دکانوں کے بازار کی ضرورت ہی نتھی۔

راجہ کے مکان کی وضع اور اسکا چوبیں دیوانخانہ۔ سواری کیوقت "داند" اور ڈھول بجانیکی رسم۔

راجہ کا مکان جسکے چاروں طرف بطور حصار ایک آل بنی ہوئی تھی دیکھوندی کے کنارہ تھا۔ اور جیساکہ فصیلوں اور حصاروں پر دشمن کی زد سے بچنے کے لیئے سینہ پناہ کی دیوار ہوتی ہے یہاں بجاے اسکے یہہ اعجوبہ ترکیب تھی کہ خوب مضبوط بانسوں کو برابر برابر آل کے گرداگرد اس طرح سے گاڑا ہوا تھا کہ سینہ پناہ کا کام دیتے تھے اور آل کے چاروں طرف خندق تھی جو ہمیشہ پانی سے بھری رہتی تھی۔ جسکا دور ایک کوس

کے دروازہ کو بڑے بڑے لکڑوں سے بند کر دیتے تھے - اہل لشکر نے ایسے چند مقاموں کو جا کھولا اور اُن میں سے نوہ ہزار کا سونا چاندی نکال لائے -

کسقدر سامان جنگ اور کشتیاں ہاتھ آئیں

اور اس تمام مُہم میں مذکورہ بالا ہاتھیوں کے علاوہ کُل چھ سو چھتہر توپیں جنمیں سے ایک اتنی بڑی تھی کہ تین من کے قریب گولہ پڑتا تھا - اور دو ہزار تین سو سینتالیس زنبورک بارہ سو رام جنگی - اور چھ ہزار پانسو ستاون معمولی بندوقیں - پانچہزار من بارود کے دو ہزار صندوق - ساٹھ ہزار اٹھائیس ڈھالیں لوہا - سکہ - گندھک بحساب اور ایکہزار سے زیادہ جنگی کشتیاں - اور خاص راجہ کی سواری کی مکلف کشتیاں ایکسو بیس ہاتھ آئیں -

دھانوں کے ایکسو تہتر ڈھیر

اور سب سے زیادہ کارآمد چیز جو قبضہ میں آئی وہ دھانوں کے ایکسو تہتر ڈھیر تھے جنمیں سے ہر ایک ڈھیر دس ہزار من کے قریب تھا اُنکی نسبت براہ دُور اندیشی میر جملہ نے فوراً یہہ بندوبست کیا کہ لُوٹ کر ضایع نکیئے جائیں - اور احتیاج سے زیادہ صرف نہوں -

تھانے اور چوکیاں بٹھائی گئیں اور سکہ خطبہ جاری کیا گیا

خلاصہ یہہ کہ میر جملہ نے کھڑگانوں پر قابض ہوکر جو جو انتظام مناسب وقت تھے وہ کرنے شروع کیئے اور جہاں جہاں موقع دیکھا اپنی جنگی چوکیاں اور تھانے مقرر کر دیئے - اگرچہ آسامی کچھ عرصہ تک جنگلوں اور پہاڑوں سے نکل نکل کر اِن چوکیوں اور تھانوں پر حملے کرتے اور لڑتے رہے مگر آخر کار ایسے دبائے گئے کہ جا بجا چُپ ہوکر بیٹھ رہے اور بادشاہ کے نام کا سکہ و خطبہ کھڑگانوں میں جاری ہوگیا -

قید تھے اور جنکو اپنی رہائی کی توقع خواب و خیال میں بھی نہ تھی یہہ اطلاع پاکر کہ راجہ دکن کوت (جنوب) کی طرف نامروپ کے دشوار گزار اور بدآب و ہوا پہاڑوں کو جہاں وہ اپنے معتوب قیدیوں کو بھیجا کرتا تھا بھاگ گیا ہے اور اُسکی سپاہ اور سردار جنگلوں میں جا چھپے ہیں اور شہر بے وارث و والی خالی پڑا ہے میر جملہ نے براہ احتیاط کچھ فوج اپنے پہنچنے سے پہلے وہاں بھیجدی اور بعد ازاں چھٹی شعبان کو اورنگ زیب کے جلوس کے چوتھے برس گویا گواھٹی سے پچھتر کوس کے فاصلہ پر ساڑھے چار مہینے کے عرصہ میں کھڑگانوں پہنچکر بلا مزاحمت قابض ہوگیا۔

اور راجہ نے جو اپنی توپیں اور رہکلے وغیرہ تالابوں اور ندیوں میں ڈبو دیئے تھے۔ اور ہاتھی جنگلوں میں چھوڑ دیئے تھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر سب پر قبضہ کیا۔ چنانچہ ایک سو ہاتھی اور قریب تین لاکھ روپیہ کے سونا چاندی اور اور اسباب جسکو راجہ اپنے ساتھ لیجا نہ سکا تھا ضبطی میں آیا۔

ایک عجیب لوٹ جسکا ذکر اُمراے آسام کے طریقہ دفن میت سے متعلق ہے

مگر سب سے زیادہ عجیب لوٹ یہہ تھی کہ وہاں کا دستور تھا کہ جب کوئی راجہ یا بڑا آدمی مرجاتا تو پارسیوں کے دخمہ کی طرح متوفی کی لاش کو دفنائے بدون یوں ہی کسی محفوظ جگہہ میں رکھدیتے تھے اور اُسکے ساتھ سونے چاندی کے برتنوں اور فرش فروش لباس پوشاک اور سامان خورش وغیرہ مایحتاج حالت زندگانی حتے کہ اُسکی عورتوں خواصوں کو بھی مردہ کے لیئے کار آمد سمجھکر اُسکے پاس چھوڑ آتے اور ایک بہت بڑے چراغ کو تیل سے بھر کر اُس جگہہ

چنانچہ ستائیسویں رجب کو لکھوگڈھ میں جہاں دریاے دھنگ کوہستان جنوبی سے آکر مع اور بہت سی ندیوں اور نالوں کے برھماپتر میں ملتا ہے جا پہنچا - اِس جگہہ ایک اور بھی زیادہ معتبر شخص نے جو راجہ کے مذہبی پیشواؤں میں سے تھا عجز و نیاز کر کے صلح چاہی اور راجہ کے ایک رشتہ دار نے بھی آکر ایک طلائی پاندان اور ایک سونے کا لوٹا - اور دو چاندی کی گاگریں اور کچھ اشرفیاں مع ایک خط کے جسمیں اظہار ندامت اور عذر و معذرت کے بعد فوج کی واپسی اور صلح کی درخواست اور پیشکش کی قبولیت درج تھی پیش کیا - جسکا جواب (جیساکہ غالب اور فتحمند اکثر دیا کرتے ہیں) یہہ دیا گیا کہ "اب تو لشکر نے کہڑگانوں پہنچنے کا ارادہ کرلیا ہے وہاں پہنچکر جو مناسب ہوگا کیا جائیگا"

چونکہ شہر کہڑگانوں دیکھو ندی کے کنارے آباد تھا اور اُسمیں اسقدر پانی نہیں تھا کہ بڑی کشتیاں چل سکیں اسلیئے بھاری نواڑہ کو لکھوگڈھ میں چھوڑ دیا اور چھوٹی کشتیاں ساتھ لیکر غرۂ شعبان ۱۰۷۳ھ ایکہزار بہتر ہجری کو لکھوگڈھ سے آگے ایک مقام میں کہ جہاں نواڑہ کا کارخانہ تھا قریب ایکسو کے بڑی بڑی کشتیوں پر جو وہاں موجود تھیں قبضہ کیا - اور پھر وہاں سے دیول گانوں میں جہاں دیاکنارے راجہ کا کسی اپنے گرو کے لیئے بنوایا ہوا نہایت عمدہ مندر اور باغ تھا ڈیرہ کیا -

میر جملہ کا کہڑگانوں پر قابض ہونا - اور مال غنیمت

اسجگہہ بعض مسلمانوں کے نکلنے سے جو رعایاے بادشاہی میں سے راجہ کے یہاں مدتوں سے

بھی آ پہنچی اور اس ناگہانی اندیشہ سے ان کے جی ایسے چھوٹے کہ غالباً سے مغلوب ہوکر اکثر تو بھاگتے ہوئے پانی میں ڈوب گئے - اور بہت سے مارے گئے - اور چار سو کشتیاں جن میں سے ہر ایک پر بڑی بڑی توپیں سامان کے تھی چھین لی گئیں -

راجہ کا دارالریاست سے بھاگنا اور اسکے سرداروں اور وزیروں کی عجز و نیاز کی عرضیاں اور ان کا جواب

ان متواتر فتوحات کا یہہ نتیجہ ہوا کہ راجہ کے نخوت اور غرور کا نشہ کرکرا ہو گیا - اور دارالریاست کو چھوڑ کر دشوار گزار پہاڑوں میں جہاں مغلیہ فوج کے سواروں کے پہنچنے کا چنداں اندیشہ نہ تھا بھاگ گیا - اور راجہ کے سرداروں اور وزیروں نے جنکو انکی اصطلاح میں بھوکن کہتے تھے - میر جملہ کے پاس اپنے وکیل اور عجز و نیاز کی عرضیاں بھیجنی شروع کیں جنکا جواب یہہ دیا گیا کہ " شاہی سپاہ اور رعیت کا وہ سب مال اور وہ توپخانہ جو تم لوگ گواھٹی سے لوٹ لائے تھے مع ان سب لوگوں رعایاے بادشاہی کے جنکو راجہ نے مدت سے قید کر رکھا ہے - اور راجہ کی لڑکی کا ڈولہ اور ایک معقول پیشکش فوراً حاضر کرو اور آیندہ کو اگر راجہ ہر سال چند عمدہ ہاتھی بطور خراج کے بھیجتا رہے اور بادشاہی احکام کی اطاعت کرتا رہے تو البتہ ہم واپس ہو جاوینگے ورنہ بادشاہی فوج کو کھڑگانوں میں پہنچا سمجھو "

میر جملہ کا اور آگے بڑھنا کھڑگانو میں، راجہ کی طرف سے بعض شخصوں نے کچھ نذرانہ لاکر شرایط صلح کا پیش کرنا اور قبول نہونا وغیرہ وغیرہ ———

مگر اس خیال سے کہ یہہ عجز و نیاز کا اظہار صرف دفع الوقتی اور مکاری کے طور پر ہے جواب کا منتظر نہ رہ کر میر جملہ برابر بڑھے گیا -

شخصی حکومت سے جو نتیجے ہندستان میں پیدا ہوے وہی ایشیا کو چک اور مصر میں بھی ہوئے۔

پس جو حقایق مینے بیان کیئے ہیں وہ اس امر کے ثبوت کے لیئے کافی ہیں کہ ایشیائی سلطنتیں جلد جلد کس طرح زوال پذیر ہوتی ہیں اور حکومت کے اسی ناقص طریقہ کا یہہ نتیجہ ہے کہ ہندوستان کے بہت سے شہروں کے مکانات کچّے یا گھاس پھوس وغیرہ سے بنے ہوئے ہیں۔ اور یہاں کے شہر اور قصبے خواہ بالفعل خستہ حال اور ویران نہوں مگر ایسا کوئی بھی نہیں کہ جس میں جلد تباہ اور خراب ہوجانیکی علامتیں موجود نپائی جائیں۔ اور ہندوستان ہی پر کیا منحصر ہے یہہ تو ہم سے ایک بہت دور کی سلطنت ہے ہم اپنے قریب ہی

سال دیگر بلکہ تمام سال ہا ارند ہردو حصّہ محصول را فروختہ میگیرند وزہے خداترسی کہ برہمین ظلم اکتفا نمودہ کار بفروختن گاؤ و ارابہ کہ مدار قلبہ رانی برآنست نرسانند و باز بخرج دربار و سہ بندی نقصان تعہدے کہ نمودہ وفا نماید و بساط باقیماندۂ رعایا راحتیٰ اشجار میوہ دار و زمین ملکی و موروثی آنہا را بفروش نیارد و تاخت و تاراج مُفسدان آن نواح علاوہ موجب ویرانی ملک وخرابی حال رعایا میگردد۔ ازآنست کہ دہ کروہ بست کروہ زمین نامزروع افتادہ بجای زراعت اشجار خار دار دامنگیر مسافران و نشتر جگر جاگیرداران بے سرمایہ ہست بسیار پرگنہ وقصبہ جات سیرحاصل بمرتبہ خراب و ویران ازتعدی حکّام بدانجام گردیدہ کہ بیشۂ شیر و مسکن سباع گشتہ وآنقدر دیہات خرابہ محض و بیچراغ شدکہ نام آبادی راہ ہا برخاستہ اگرچہ از شامت نفس رعایا و تقاضاے ایّام بدفرجام ہست کہ روز بروز ملک زیادہ ازین خراب شود و رعایا پامال جور وجفائے عمّال بدآل گردد وجاگیرداران گرفتار وبال آہ عیال مزارعان مظلوم گردند امّا ظلم وتعدّی وبیداد حاکمان ازخداے بیخبر بجاے رسیدہ کہ اگرخواہد عشرعشیر آنرا باحاطۂ بیان آرد از سررشتہ کلام دور مے اُفتد درصورتیکہ یکے ازعمّال کہ فی الجملہ اندیشۂ روزجزا داشتہ باشد وخواہد برخلاف دیگر ظلم پیشگان سختی وتعدی راجزو اعظم شیوۂ عاملی نداند و ترحمے برحال رعایا نماید و درپرداخت حال رعیت مال گزار و افزونی محصول سال بسال و نیکی عاقبت ومآل کار خود و فرزندان خود داند مردم روزگار او را مطعون ساختہ ازجملہ بیوقوفان ناکردہ کار محسوب مینمایند

نقشہ حاصلات صفحہ ۳۸۹

آئے اور سب کچھ چھین لیجائے - اور اگر چاہے تو ہماری بسر اوقات کے لیئے بھی ہمارے پاس کچھ چھوڑے - اور دوسری طرف جاگیردار اور صوبہ دار اور مستاجر یہہ سوچتے ہیں کہ ہم کیوں افتادہ اور ویران زمین کا فکر کریں اور اپنا روپیہ اور وقت اُسکے بارآور بنانے میں لگائیں - کیونکہ نہ معلوم کسوقت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے اور ہماری کوشش اور محنت کا ثمرہ نہ تو ہمکو ہی حاصل ہو اور نہ ہماری اولاد کو - پس زمین سے جو کچھ وصول ہو سکے کرلیں اور ہماری بلا سے! کاشتکار بھوکے مریں یا اُجڑ جائیں! اور جب ہمکو اُسکے چھوڑ دینے کا حکم ملیگا تو ویران اور غیر آباد چھوڑ کر چلے جائینگے - ✱

✱ خافی خاں نے بھی اپنی تاریخ میں (جو اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے صرف بارہ برس بعد محمد شاہ کے زمانہ میں لکھی گئی تھی) جلال الدین محمد اکبر کے عہد دولت اور اُسکے مشیر خوش تدبیر راجہ ٹوڈر مل کے ذکر میں زمینداروں کی پرورش اور مالگذاری کے عمدہ بندوبستوں کی تعریف و توصیف لکھکر پھر اپنے زمانہ کے عاملوں اور مستاجروں کے ظلم و ستم کی جو دردناک کیفیت نہایت ہی افسوس کے ساتھ لکھی ہے ہم اُسکو اس جگہہ نقل کرتے ہیں یہہ شخص اور اس کا باپ ابتدا از اورنگ زیب کے بھائی مُراد بخش کے ملازموں میں سے تھے - اور اِسنے شاہ جہاں کے خوشحال عہد سلطنت سے لیکر محمد شاہ کے پُرخلل زمانہ حکومت تک بہت کچھ دیکھا بھالا تھا - جن خرابیوں کا اُسنے ذکر لکھا ہے اُنکی نسبت یہہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اورنگ زیب کے بعد یا سدا رنگیلے محمد شاہ ہی کے زمانہ میں پیدا ہوگئی تھیں بلکہ ظاہر ہے کہ انتظامیہ اصولوں کی خرابی کے باعث پہلے ہی سے چلی آتی تھیں

قولہ " اہر عقلاے باہوش تجربہ کار ظاہر است کہ احوال موافق تقاضاے وضع روزگار طریقۂ غور امور ملکی و رعیت پروری و آبادی ملک و افزونی محصول از میاں برخاستہ دوال اجارہ دار کہ مبلغہا خرج و دہ بار دادہ بر سر محالات میروند و باعث وبال حال رعایای مالگزار میگردد آنہارا اصلا نظر بر آبادی ملک و خرابی حال رعایا نیست و از انکہ اعتماد بر بحال ماندن

حق اُنکو حاصل نہیں ہے احتیاط کے ساتھہ مقابلہ کیا ہے - اور بعد غور میری راے یوں قائم ہوئی ہے کہ یہہ امر نہ صرف رعایا بلکہ خود بادشاہ کے فوائد کے لیے بھی بہت ہی مضر ہے - چنانچہ میں یہہ امر بیان کر چکا ہوں کہ هندوستان میں سونے چاندی کے کم دکھائی دینے کا کیا باعث ہے یعنی جاگیرداروں صوبہ داروں اور مستاجروں کا ظلم کہ جسکا انسداد اگر بادشاہ بھی چاہے تو نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً اُن صوبوں میں جو پاے تخت کے قریب نہیں ہیں اور یہہ ظلم اسقدر بڑھا ہوا ہے کہ کاشتکاروں اور اہل حرفہ کے پاس بسر اوقات کے لیے کچھ بھی نہیں رہنے دیتا اور وہ حالت افلاس اور تنگدستی میں پڑے مرتے ہیں اور اسی ظلم کے سبب سے اوّل تو ان بیچاروں کے کچھ اولاد ہی نہیں ہوتی - اور اگر ہوتی ہے تو فاقوں کے مارے بچپن ہی میں چل بستی ہے خلاصہ یہہ کہ اس ظلم و ستم کی وجہ سے کاشتکار اپنے کمبخت وطن کو چھوڑکر کسیقدر آسایش ملنے کی اُمید پر کسی ہمسایہ ریاست کے علاقہ میں جا رہتے ہیں یا فوج میں جاکر کسی سوار کے پاس نوکری کر لیتے ہیں - اور چونکہ زمین کا تردد شاذ و نادر ہی جبر کے بغیر ہوتا ہے اور کوئی شخص اس قابل پایا نہیں جاتا کہ اپنی خوشی سے اُن نہروں اور نالیوں کی مرمت کرے جو آبپاشی کے لیے بنی ہوئی ہیں - اسوجہ سے تردد بخوبی نہیں ہوتا - اور خشکی کے سبب سے زمین کا ایک بڑا حصہ خالی پڑا رہتا ہے - اور زمین ہی پر کیا موقوف ہے مکانات بھی اکثر ویرانی اور تباہی کی حالت میں رہتے ہیں اور بہت ہی کم لوگ ایسے ہیں جو نئے مکان بناتے یا اُنکی مرمت کرتے ہیں اور ایک طرف تو کاشتکار اپنے دل میں ہمیشہ یہہ خیال کرتے ہیں کہ کیا ہم اسلیئے محنت کریں کہ کوئی ظالم

زیر زمین کسی عمیق گڑھے میں گڑا رہتا ہے - اور سب لوگوں میں خواہ کاشتکار ہوں خواہ کاریگر یا اہل بازار ہندو ہوں یا مسلمان عموماً یہی طریقہ جاری ہے علی الخصوص ہندوؤں میں جنکے ہاتھ میں ملک کی دولت اور تجارت ہے اور جنکا یہہ عقیدہ ہے کہ جو دولت ہم اپنے ایام حیات میں چھپا کر رکھینگے مرنے کے بعد ہمارے* کام آئیگی - البتہ بعض اشخاص جو بادشاہ یا اُمرا کے ہاں نوکر ہیں یا جنکا کوئی بڑا وسیلہ ہے اُنکو اپنی تنگدستی دکھانے کی کچھ حاجت نہیں ہوتی اور عیش و آرام سے عمر بسر کرتے ہیں اور مجھے کچھ شک نہیں ہے کہ سونے چاندی کو زیر زمین دفن رکھنے اور اس طرح پر اُسکے ایک کے ہاتھ میں سے دوسرے کے ہاتھ میں جانے سے روکنے کی یہہ عادت ہی اُس ملک میں سونے چاندی کے بظاہر کم دکھائی دینے کا بڑا سبب ہے -

ہندوستان میں رعایا کو حق ملکیت زمین حاصل نہونے سے جو مضر نتیجے حکام اور رعایا کے لیئے پیدا ہوتے ہیں اُن کا مفصل بیان -

اَب جو کچھ مَیں بیان کر چکا ہوں اُس سے طبعاً یہہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بادشاہ زمین کی ملکیت بالکل چھوڑ دے - اور یہہ حق رعایا کو حاصل ہو جائے تو آیا یہہ امر رعیت اور بادشاہ دونوں کے حق میں مفید ہوگا ؟ یا نہیں ؟

اسکے جواب میں مَیں یہہ کہتا ہوں کہ میںنے فرنگستان کی حالت کا کہ جہاں حق ملکیت زمین رعایا کو حاصل ہے اور اُن ملکوں کی حالت کا جہاں یہہ

---

* شاید فرانسیسی سے انگریزی میں ترجمہ ہونیکے وقت کچھ غلطی ہوئی ہے - کیونکہ ہندوؤں میں کوئی ایسا عام عقیدہ نہیں ہے غالباً اصل میں یوں ہوگا کہ مرنیکے بعد اولاد کے کام آئیگا - مترجم

زیادہ کوئی بیرحمانہ اور تکلیف دہ امر خیال میں نہیں آسکتا اور ایسا کوئی شخص نہیں ہے کہ جسکے پاس یہہ مظلوم کسان اور کاریگر اور سوداگر اپنا استغاثہ پیش کر سکیں یعنی نہ تو فرانس کی طرح یہاں کوئی گریٹ لارڈ ہے - اور نہ پارلیمنٹ اور پریسیاڈل کورٹ کے جج جو ان بیرحم ظالموں کے ظلم کو روکیں اور جو قاضی یہاں مقرر ہیں اُنکو ان بدنصیب لوگونکی دادرسی کا کافی اختیار نہیں ہے - مگر ان بلاقید اختیارات کی یہہ بد استعمالی بڑے بڑے شہروں مثلاً دہلی - اور آگرہ اور بندرگاہوں اور بڑے بڑے قصبوں کے قرب و جوار میں اس درجہ تک محسوس نہیں ہوتی - کیونکہ ایسے مقاموں میں کوئی بڑی ناانصافی کا کام دربار شاہی سے مخفی رہنا آسان نہیں ہے -

غلامانہ حالت سے تجارت اور لوگوں کے اوضاع و اطوار اور طریق معاشرت پر اثر کا ذکر۔

رعایا کی یہہ غلامانہ حقیر حالت ترقی تجارت کی مانع اور لوگونکے اوضاع و اطوار اور طریق معاشرت کی خرابی کا باعث ہے اور تجارت کرنے کا کسی کو اسلیئے حوصلہ نہیں ہوتا کہ منافع کی صورت میں بجائے اسکے کہ وہ اُسے اپنے عیش و آرام میں صرف کرے اُسکو دیکھکر کسی ظالم اور ذی اختیار ہمسایہ کے مونہہ میں پانی بھر آتا ہے جسکا میلان طبع ہمیشہ اس طرف ہے کہ کسی شخص کو اُسکی محنت کے ثمرہ سے محروم کر دے اور اگر کسی کو دولت حاصل ہو بھی جاتی ہے (جیسا کہ بعض اوقات ہونا ضروری ہے) تو برخلاف اسکے کہ سابق کی نسبت آسودہ حالت میں رہے اور آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرے مفلسوں کی سی صورت بنائے رہتا ہے - اور لباس اور مکان اور اسباب خانہ داری بہت ہی ذلیل رکھتا ہے - اور سب سے زیادہ کھانے پینے میں خست دکھاتا ہے - اور اس حالت میں اُسکا روپیہ اور اشرفی

میں اُمرا سے لیکر سپاہیوں تک کچھ نہ کچھ ملمع اور طلاکاری کی چیزیں زیب و زینت کے لیے پہنتے ہیں اور ایک ادنیٰ سپاہی بھی (کنبہ خواہ بھوکوں کیوں نہ مرجائے جو ایک معمولی امر ہے) اپنی بیوی اور بچوں کو کچھ نہ کچھ زیور ضرور پہناتا ہے۔

ستاجروں اور جاگیرداروں کے ظلم و تعدی اور دادرسی کے کافی انتظام نہونے کا ذکر۔

بادشاہ جو زمین کا مالک ہے اہل سپاہ کو کسیقدر زمینیں تنخواہ میں دیدیتا ہے کہ جسکو یہاں "جاگیر" اور سلطنت ٹرکی میں "تیمار" کہتے ہیں اور جسکے معنی ہیں وہ جگہہ کہ جہاں سے کچھ لیا جائے یا تمام وصول تنخواہ اور اسی قسم کی جاگیریں صوبہ داروں کو بھی اُنکی اور اُنکی فوج کی تنخواہ میں اس شرط پر دیجاتی ہیں کہ فاضل آمدنی میں سے ایک خاص رقم سال بسال خزانہ شاہی میں داخل کرتے ہیں اور جو زمینیں جاگیریں نہیں دیجاتیں اور خاص بادشاہ اور اُسکے اہل خاندان کے متعلق ہیں اور شاذ و نادر ہی کسی کو جاگیر میں دیجاتی ہیں وہ ستاجروں کو دیدیجاتی ہیں جو سال بسال زر معینہ ادا کرتے رہتے ہیں اور اس طرح پر جو لوگ زمین پر قبضہ حاصل کرتے ہیں خواہ تیماردار ہوں خواہ صوبہ دار یا ستاجر۔ کاشتکاروں پر اُنکے اختیارات ایسے غیر محدود ہیں کہ گویا مطلق العنان ہی کہنا چاہیئے۔ اور کاشتکاروں ہی پر منحصر نہیں بلکہ اپنے علاقہ کے گانوؤں اور قصبوں کے اہل حرفہ اور سوداگروں پر بھی ویسا ہی اختیار ہے۔ اور جن طریقوں میں یہہ اپنے اِن اختیارات کو عمل میں لاتے ہیں اُس سے

ذیل نمبر ۱ "بلخ کہ آخر رائگاں رفتہ دہ آمدہ ہشت وچہار کرور روپیہ واز جنس اشرفی سوائے طلا ونقرۂ غیر مسکوک وظروف طلائی ونقرئی وجواہر کہ تخمیناً تا پانزدہ شانزدہ کرور تومان نیز صرف شدہ بود"

س م ح

هندوستان میں سونے چاندی کے بظاہر کم دیکھائی دینے اور لوگوں کے متمول معلوم نہونے کا سبب۔

اپنے اس خط کے ختم کرنے سے پہلے میں یہہ بات بیان کرنی چاہتا ہوں کہ اگرچہ سونا اور چاندی اکثر ملکوں میں پھر پھرا کر آخر کار هندوستان میں آجاتا ہے۔ مگر اسپر بھی بہ نسبت اور ملکوں کے یہاں زیادہ محسوس نہیں ہوتا۔ اور هندوستانی لوگ اور ملکوں کے باشندوں کیطرح متمول معلوم نہیں ہوتے جسکا سبب یہہ ہے کہ اول تو بہت سا مال باربار گلائے جانے اور عورتوں کے ہاتھوں کی چوڑیوں اور پاؤں کے کڑوں اور توڑوں وغیرہ اور بالیوں اور نتھوں اور انگوٹھیوں کے بنانے میں چھیج جاتا ہے اور اس سے بھی زیادہ مقدار زردوزی اور کارچوبی کام کے کپڑوں اور الاچوں اور پگڑیوں کے طرّوں اور سنہری روپہری کپڑوں اور اوڑھنیوں اور پٹکوں اور رومالوں اور کمخابوں کے بنانے میں خرچ ہوجاتی ہی اور یہہ چیزیں اسقدر بنائی جاتی ہیں کہ سننے والے کو یقین نہیں آسکتا اور تمام فوجوں

میرسعید در فیل خانہ او موجود بود و دوازدہ ہزار اسپ در طویلہ و ہزار یوز در چیتہ خانہ داشت وبعد وفات او کہ عرض خزانہ گرفتند دہ کرور روپیہ را اشرفی یازدہ ماشہ و سیزدہ ماشہ و چہاردہ ماشہ سوائے اشرفیہائے کلاں کہ از صد تولہ تا پانصد تولہ ہزار اشرفی در خزانہ موجود بود و دو صد وہفتاد و دو من طلائے غیر مسکوک و سہ صد وہفتاد من نقرہ و یک من جواہر خاصہ کہ قیمت آن از سہ کرور روپیہ تجاوز نمودہ بود بر آمد۔" (عبارت متعلقہ حال خزانہ عہد شاہجہان)

" بر عقلا ظاہر است کہ اگرچہ در ملک گیری و استقلال بہ از محمد اکبر بادشاہ رونق افزائے سلطنت هندوستان در تیموریہ نبودہ اما در بندوبست و نسق فراہم آوردن خزانہ و آبادکاری ملک و قدردانی سپاہ و رفاہ لشکر بہ از شاہجہان بادشاہ در عرصہ پر وسعت هندوستان فرمان فرمائے نگردیدہ۔ سوائے خرچ لازم و ملزوم سلطنت و آنچہ بخرچ عمارات و قلعہ و مساجد شاہجہان آباد و دیگر بلاد و بانعام ایلچیان و مہم قندھار

تین کروڑ[۵۱] روپیہ کی قیمت کا ہے - یہہ سب جواہرات اور قیمتی چیزیں ہیں - راجپوتوں کے قدیمی خاندانوں - اور پٹھان بادشاہوں - اور اُمراء سے لوٹی ہوئی اور ایک مدت دراز میں جمع کی ہوئی ہیں - اور ہر ایک بادشاہ کے عہد میں اُمرائے سلطنت کے معمولی سالانہ پیشکشوں کے ذریعہ سے جو انکو مجبوراً دینے پڑتے ہیں - انکا شمار بڑھتا گیا ہے - اور یہہ سب خزانہ تخت کا مال سمجھا جاتا ہے اور اسکو چھیڑنا ممنوع ہے یہانتک کہ خود بادشاہ بھی کیسی ہی ضرورت کیوں نہو اسکی کفالت پر تھوڑا سا روپیہ بھی نہایت مشکل سے حاصل کر سکتا ہے - [۵۲]

---

[۵۱] اسکا مفصل حال جلد دوم کے صفحہ ۲۰۹ کے حاشیہ میں دیکھنا چاہیئے - س م ح

[۵۲] شاہ جہاں کی سلطنت کے بیسویں سال کے خاتمہ پر مُلّا عبد الحمید لاہوری نے بادشاہنامہ میں جو عبارت خزانہ اور جواہرات کی نسبت لکھی ہے اُسکا خلاصہ یہہ ہے - "خزانۂ کہ امروز دریں دولت خداداد فراہم آمدہ محاسب وہم خیال در درک اندازۂ آن بعجز و قصور معترف است - اگرچہ خزانۂ کہ حضرت عرش آشیانی (محمد اکبر بادشاہ) در مدت پنجاہ و یک سال فرمانروائی جمع نمودہ بودند اکثر آنرا حضرت جنت مکانی (جہانگیر بادشاہ) در سلطنت بست و دو سال خرج نمودند ہیچ یکے از سلاطین ہندوستان را میسر نشدہ تا بفرمانروایان دیگر ولایت چہ رسد - اما آنچہ دریں عہد بیامن نسبت عالم آرا و معدلت گیتی پیرا باوجود فراوان اخراجات گردآمدہ بمراتب ازاں افزون است و آنچہ در سرکار مقدس از انواع کالا و اقسام جواہر زواہر و زر سرخ و سفید طلا آلات و نقرہ آلات جمع شدہ غالبا بحسب کمیت و کیفیت نزد کل فرمانروایان عالم نباشد"

اور میر محمد ہاشم خافی المخاطب بہ ہاشم علیخاں و آخر کار مخاطب خافی خاں نظام الملکی نے اکبر اور شاہ جہاں دونوں کے خاتمہ احوال میں جو عبارتیں لکھی ہیں اُنکا خلاصہ یہہ ہے - (عبارت متعلق ذکر خزانہ عہد اکبر)

" در وقت وفات محمد اکبر بادشاہ زیادہ از پنجہزار فیل کہ تا قریب شش ہزار

خیال کرتے ہیں۔

شہنشاہ مغل کی دولتمندی کی مبالغہ آمیز شہرت اور خزانے اور جواہرات کا ذکر

شہنشاہ مغل کے اخراجات کثیر اور لازمی کی نسبت جو کچھ مینے بیان کیا ہے اُس سے اور اُن دو باتوں سے جو مجھکو بخوبی تحقیق ہو چکی ہیں غالباً آپکی راے بھی یہی قرار پائیگی کہ شہنشاہ مغل کی دولتمندی کی شہرت مبالغہ سے خالی نہیں۔ چنانچہ اُن میں سے ایک تو یہہ ہے کہ گزشتہ لڑائی کے خاتمہ کے قریب اورنگ زیب کو نہایت فکر تھی کہ فوج کی تنخواہ کس طرح ادا کیجائے۔ حالانکہ لڑائی صرف پانچ برس ہی تھی اور فوج کی تنخواہ بھی معمول سے کم تھی اور بنگالہ کے سوا جہاں سلطان شجاع ابتک لڑتا تھا اور سب صوبوں میں بالکل امن وامان تھا اور باپ کے اکثر خزانے بھی اُسکے قبضے میں آچکے تھے۔

دوسری یہہ کہ شاہجہاں جو بڑا کفایت شعار تھا اور کسی جنگ عظیم میں پھنسنے اور اُلجھنے کے بغیر چالیس[1] برس سے زیادہ عرصہ تک سلطنت کرتا رہا کبھی چھ کروڑ روپیہ سے زیادہ جمع نہیں کرسکا۔ لیکن اس رقم میں مَیں اُن کثیر التعداد سونے چاندی کی طرح طرح کی مرصع چیزوں کو جن پر نہایت عمدہ عمدہ کام بنے ہوئے ہیں اور بڑے بڑے قیمتی موتیوں اور قسم قسم کے کثیر التعداد جواہرات کو شامل نہیں کرتا اور مجھے شک ہے کہ اس سے زیادہ جواہرات شاید ہی دُنیا کے کسی اَور بادشاہ کے پاس ہوں۔ چنانچہ اُسکا ایک تخت ہی (اگر میری یاد میں کچھ غلطی نہو)

---

[1] شاہجہاں کی مدت سلطنت کی صحیح تعداد اس جلد کے ۳۶۰ صفحہ کے حاشیہ میں مندرج ہے۔ م ح

خیموں اور اُنکے متعلقہ چھوٹے خیموں اور بیگموں اور محل کی اور عورتوں اور
سازوسامان اور باورچیخانہ کے اسباب اور گنگا جل اور اور بہت سی چیزوں کے
اُٹھانیکے لیئے جنکا بادشاہ کے ساتھ رہنا سفرا ورحضر میں ضروری ہے اور جو یورپ
میں کسی کے خیال میں بھی نہیں آتیں رکھنے پڑتے ہیں۔ اسکے سوا محلسرا کے بیشمار
اخراجات ہیں جسمیں عمدہ ململیں اور زربفت اور ریشمی اور زردیدار کپڑے اور موتی اور
مشک اور عنبر اور عطر اسقدر صرف میں آتا ہے کہ خیال میں نہیں آسکتا پس اگرچہ شہنشاہ
مُغل کے مداخل بیشمار ہیں مگر مخارج بھی اُسیقدر ہیں اور اسیوجہ سے (جیسا کہ بہت
سے لوگ غلطی سے خیال کرتے ہیں) بہت زیادہ روپیہ پس انداز نہیں ہوتا۔

ہندوستان ور ایران اور روم کے محاصل کا مقابلہ

میں مانتا ہوں کہ سلطان رُوم اور شاہ ایران دونوں کے محاصل کو اگر ملائیں تو شہنشاہ مغل کا محاصل غالباً
اُس سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن اگر اُسکو دولتمند بادشاہ کہوں تو اسکے یہ معنی
ہونگے کہ گویا وہ ایک ایسا خزانچی ہے جو ایک ہاتھ سے بیشمار روپیہ لیتا اور دوسرے
ہاتھ سے دیدیتا ہے۔ اور میرے نزدیک واقعی دولتمند اُس بادشاہ کو کہنا چاہئیے
کہ جسکا محاصل اسقدر ہو کہ بغیر اسکے کہ ظلم اور زیادہ ستانی سے رعایا فقیر ہو جاسے اُمرا
اور اہل دربار کا ایک عظیم الشان مجمع قائم رکھنے اور مفید خلائق اور عالیشان عمارتیں
بنانے اور فیاض کریم الطبع ہونے اور مُلک کی حفاظت کے لیئے فوج کثیر تیار رکھنے
کے علاوہ اسقدر روپیہ پس انداز رکھ سکتا ہو کہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ کسی اتفاقیہ
لڑائی جھگڑا کے وقت جو خواہ کئی برس تک جاری رہے کام میں لا سکے۔ اور
اگرچہ شہنشاہ ہند کو ان میں سے اکثر باتیں حاصل ہیں لیکن اُسقدر نہیں جسقدر کہ لوگ

شاہزادوں کی باہمی جنگ و جدال قریب ختم ہونیکے تھا مینے بچشم خود دیکھا ہے
کہ سواروں کا میلان اس طرف بڑھتا جاتا تھا کہ اپنے گھوڑے بیچ ڈالیں اور کچھ شک
نہیں ہے کہ اگر لڑائی کو طول ہوتا تو ضرور ایسا ہی کرتے - اور یہہ کچھ تعجب کی بات
نہیں ہے - کیونکہ شہنشاہ مغل کے لشکر میں کوئی ایسا سپاہی مشکل سے مل سکتا ہی
جو جورو بچے نوکر چاکر اور لونڈی غلام نرکھتا ہو - اور اِن سب کی گزران اُسی
تنخواہ پر موقوف ہی جو اُسکو سرکار بادشاہی سے ملتی ہے اور اسیوجہ سے مینے ایسے
بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جو اس حالت کو دیکھکر سخت حیرت میں رہ جاتے ہیں
کہ خرچ کے لیئے اتنا بیشمار روپیہ کہاں سے آتا ہے کہ جس سے لاکھوں بندگان خدا
کی پرورش ہوتی ہے - جبکا مدار معاش محض بادشاہی تنخواہ کے ذریعہ پر ہے -

شہنشاہ مغل کے اخراجات کثیر کا بیان

مگر یہہ لوگ اس امر کا خیال نہیں کرتے کہ شہنشاہ ہند
اس مُلک میں کس طرز خاص سے حکومت کرتا ہے اور اُسکی دولتمندی کے ذریعہ
کسقدر ہیں - اور مینے تو اُسکے اخراجات کا گویا ابھی ذکر ہی نہیں کیا مثلاً
خیال فرمائے کہ آگرہ اور دھلی کے اصطبل میں دو یا تین ہزار تو صرف عمدہ گھوڑے
ہی ہیں جو اوقات ضرورت کے لیئے ہمیشہ تیّار رہتے ہیں - اور آٹھ یا نو سو ہاتھی اور باربرداری
کے لیئے بہت سے ٹٹو اور خچریں اور حمّال جو اُن بیشمار اور بہت وسیع اور بڑے بڑے -

---

حاشیہ: فوج کی تعداد تین لاکھ اٹھتر ہزار سے کچھ زیادہ ہے - اور ہند کی فوج بحری جو منجملہ انگلینڈ کی جہازی فوج کے ہے مگر هندوستان کے لیئے ماتحت ایک جداگانہ افسر اعلیٰ کے مامور رہتی ہے اور جسکے سولہ جہاز بحر احمر سے خلیج فارس تک اور لنکا سے خلیج بنگالہ تک اور بمبئی سے سواحل افریقہ تک گشت لگاتے رہتے ہیں اس سے بالکل الگ ہی - س م ح

ٹھیک وقت پر تنخواہ نملنے کے خراب نتیجوں کا ذکر

یہہ امر بھی بیان کرنا واجب ہے کہ اُمرا سے لیکر سپاہیوں تک کی تنخواہ کا دو ماہہ وار تقسیم ہوجانا نہایت ضروری ہے - کیونکہ تنخواہ کے سوا جو بادشاہی خزانہ سے ملتی ہے کوئی اور ذریعہ انکی معاش کا نہیں ہے -

فرانس میں اگر کسی وجہ خاص سے واجب الادا تنخواہ کے دینے میں گورنمنٹ کی طرف سے کچھ دیر ہوجاتی ہے تو سردار تو کیا سپاہی بھی اپنی کسی خاص آمدنی سے گزارہ کر سکتے ہیں - لیکن ھندوستان میں اگر فوج کو تنخواہ کے ملنے میں کبھی غیر معمولی توقف ہوتا ہے تو یقیناً نہایت خوفناک نتایج پیدا ہوتے ہیں یعنی سپاہی اپنا خفیف سا اسباب جو اُنکے پاس ہوتا ہے بیچ کھوچ کر چل دیتے اور بھوکھے مرنے لگتے ہیں - چنانچہ جس زمانہ میں کہ

نوٹ: مگر ایک لاکھ بینتالیس ہزار ایکسو چار باقاعدہ فوج پولیس جو اندرونی نظم سلطنت کے قایم رکھنے کے لیئے مختص ہے اسکے علاوہ ہے - جسمیں سے تین ہزار اٹھاسی سوار ہیں اور باقی سب پیدل - اور دیہات میں جو چوکیدار متعلقہ پولیس امور رہتے اور گانوؤں سے تنخواہ پاتے ہیں وہ اس حساب سے خارج ہیں اور سوا فوج آئین اور فوج پولیس کے سترہ ہزار فوج والنٹیر ہے جسمیں سوار تھوڑے اور پیدل زیادہ ہیں - اور اسمیں اب تک صرف یوروپین یا یوریشین وغیرہ عیسائیوں ہی کو داخل ہونے کا استحقاق ہے - یہہ لوگ سرکار سے تنخواہ یا لباس جنگی وغیرہ کچھ نہیں پاتے - البتہ آئین وقانون اور ان کے عہدہ داروں کے منصب اور درجے سرکار مقرر کرتی ہے - اور جن بڑے بڑے مقامات میں یوروپین اور یوریشین زیادہ رہتے ہیں وہاں کے سوداگر اہل حرفہ - دفتروں کے کلرک وغیرہ اہل قلم اپنی مرضی اور خوشی سے اس جماعت میں داخل ہوکر جنگی قواعد اور آلات حرب کا استعمال کرنا سیکھتے ہیں اور اپنی قوم اور سلطنت کی خدمت کے لیئے بر وقت ضرورت کام دینے کو مستعد رہتے ہیں - پس اس حساب سے فی زمانا میزان کل متنوع قسم کی

بادشاہ کے لشکر میں بھیڑ کی کثرت کا سبب

خداوندمن - یہہ بات یاد رکھنے کے لایق ہے کہ اس ملک کی طبعی حالت اور طرز حکمرانی کے لحاظ سے کہ (جہاں سلطنت کی زمین کا صرف بادشاہ ہی مالک ہے) اس ملک کی دارالحکومت شہر آگرہ یا دھلی کے باشندوں کی معاش کا بڑا دارومدار صرف فوج کی موجودگی پر ہے - اور اسلیئے وہ مجبور ہیں کہ جب کبھی بادشاہ کوئی لمبا سفر اختیار کرے تو وہ بھی ساتھ جائیں - اور یہہ شہر پیرس سے کچھ مشابہت نہیں رکھتے بلکہ انکی زیادہ صحیح تشبیہ ایک کمپ سے دیجا سکتی ہے - اور صرف اتنا فرق ہے کہ بجائے خیموں کے اُن میں مکان ہیں اور آسایش کے اور سامان بھی کمپ کی نسبت کسیقدر اچھے ہیں -

---

عام سوار ایک لاکھ پچاسی ہزار [۱۸۵] - اور پیدل فوج کی تعداد جسمیں گولندار - بان انداز اور بندوقچی سب شامل ہیں چالیس ہزار [۴۰] لکھی ہے - جسمیں سے دس ہزار [۱۰] حاضر رکاب اور تیس ہزار [۳۰] صوبوں اور قلعوں میں متعین رہتی تھی -

اور اب ہمارے زمانہ میں گورنمنٹ انگریزی کی اُس فوج بری کی تعداد جو "گولر" یعنی فوج آئین کہلاتی ہے حسب شرح ذیل دو [۲] لاکھ سولہ [۱۶] ہزار دو [۲] سو دو [۲] ہے -

یوروپین	ہندوستانی	
۷۰۲۶۴	۱۴۵۹۳۹	

	یوروپین	ماتحت نواب کمانڈر انچیف سپہ سالار کشور ہند	ماتحت گورنمنٹ ہند
پیدل	۵۲۶۰۱	۱۰۴۵۸۹	۱۲۸۳۸
سوار	۵۶۵۷	۲۱۲۷۵	۴۸۴۹
توپخانہ	۱۲۰۰۵	۱۸۳۳	۵۵۵
میزان	۷۰۲۶۳	۱۲۷۶۹۷	۱۸۲۴۲

لوگ خیال کرتے ہیں کہ سوار جو بادشاہ کے ہمرکاب رہتے ہیں راجپوتوں اور پٹھانوں سمیت پینتیس۳۵ یا چالیس۴۰ ہزار ہونگے جو صوبوں کی فوج کے ساتھ ملکر دو لاکھ سے زیادہ ہوتے ہیں

> پیدل فوج کی اصلی تعداد اور لوگوں کے غلط اندازہ کرنے کی وجہ۔

مینے بیان کیا ہے کہ پیدل تھوڑے سے ہیں چنانچہ میری دانست میں پیادہ فوج جو بادشاہ کی ہمرکاب رہتی ہے بندوقچیوں اور توپخانہ کے پیدل سپاہیوں اور اور لوگوں سے جو توپخانہ سے متعلق ہیں مل جلکر پندرہ۱۵ ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ اور اسی سے صوبوں کی فوج کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر میں نہیں جانتا کہ بعض لوگ پیدل فوج کی تعداد کیوں بہت زیادہ بتاتے ہیں شاید نفروں خدمتگاروں بھٹیاروں اور تمام اہل بازار کو جو ساتھ رہتے ہیں فوج ہی میں گن لیتے ہونگے۔ اور واقعی اگر اس سب بھیڑ بھاڑ کو شامل کر لیا جائے تب تو صرف اُسی لشکر کی تعداد جو بادشاہ کی ذات خاص کے ساتھ رہتا ہے خصوصاً جبکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ بادشاہ کا ارادہ کچھ مدت کے لیئے تخت گاہ سے باہر رہنے کا ہے دو تین۳ لاکھ پیادوں سے کم نہیں رہتی اور جب اِن امور پر غور کیا جائے کہ کسقدر ڈیرے خیمے اور باورچیخانے اور اسباب اور ساز و سامان اور عورتیں عموماً لشکر کے ساتھ رہتی ہیں اور ان سب کے اُٹھانیکے لیئے کسقدر ہاتھی۔ اونٹ۔ بیل۔ گھوڑے اور حمال ضروری ہیں تو اس تعداد میں جو مینے خیال کی ہے مبالغہ نہیں معلوم ہوگا[۱]

---

[۱] بادشاہنامہ میں جو شاہ جہان کے عہد سلطنت کے بیس سال کی بہت معتبر تاریخ ہے سوار فوج کی تعداد بموجب تفصیل ذیل درج کی گئی ہے۔ منصبدار آٹھ ہزار۔ احدی اور برقنداز سات ہزار۔

بادشاہ کے لشکر میں بھیڑ کی کثرت کا سبب	خداوند من - یہہ بات یادرکھنے کے لائق ہے کہ اِس مُلک کی طبعی حالت اور طرزِ حکمرانی کے لحاظ سے

کہ (جہاں سلطنت کی زمین کا صرف بادشاہ ہی مالک ہے) اِس مُلک کی دارالحکومت شہر آگرہ یا دھلی کے باشندوں کی معاش کا بڑا دار و مدار صرف فوج کی موجودگی پر ہے - اور اِسلیئے وہ مجبور ہیں کہ جب کبھی بادشاہ کوئی لمبا سفر اختیار کرے تو وہ بھی ساتھ جائیں - اور یہہ شہر پیرس سے کچھ مشابہت نہیں رکھتے بلکہ انکی زیادہ صحیح تشبیہ ایک کیمپ سے دیجاسکتی ہے - اور صرف اتنا فرق ہے کہ بجائے خیموں کے اِن میں مکان ہیں اور آسایش کے اُور سامان بھی کیمپ کی نسبت کسیقدر اچھے ہیں -

---

[illegible]

عام سوار ایک لاکھ پچاسی ہزار (۱۸۵) - اور پیدل فوج کی تعداد جسمیں گولندار - بان انداز اور بندوقچی سب شامل ہیں چالیس (۴۰) ہزار لکھی ہے - جسمیں سے دس (۱۰) ہزار حاضر رکاب اور تیس (۳۰) ہزار صوبوں اور قلعوں میں متعین رہتی تھی -

اور اب ہمارے زمانہ میں گورنمنٹ انگریزی کی اُس فوج بری کی تعداد جو "رگولر" یعنی فوج آئین کہلاتی ہے حسب شرح ذیل دو (۲) لاکھ سولہ (۱۶) ہزار دو سو دو (۲) ہے -

یوروپین	ہندوستانی	
۶۰۲۶۳	۱۴۵۹۳۹	
	ماتحت نواب کمانڈر انچیف سپہ سالار کشور ہند	ماتحت گورنمنٹ ہند
پیدل ۵۲۶۰۱	پیدل ۱۰۴۵۸۹	پیدل ۱۲۸۳۸
سوار ۵۶۵۷	سوار ۲۱۲۷۵	سوار ۴۸۴۹
توپخانہ ۱۲۰۰۵	توپخانہ ۱۸۳۳	توپخانہ ۵۵۵
میزان ۶۰۲۶۳	میزان ۱۲۷۶۹۷	میزان ۱۸۲۴۲

لوگ خیال کرتے ہیں کہ سوار جو بادشاہ کے ہمرکاب رہتے ہیں راجپوتوں اور پٹھانوں سمیت پینتیس[۳۵] یا چالیس ہزار ہونگے جو صوبوں کی فوج کے ساتھ ملکر دو لاکھ سے زیادہ ہوتے ہیں

پیدل فوج کی اصلی تعداد اور لوگوں کے غلط اندازہ کرنے کی وجہ۔

مینے بیان کیا ہے کہ پیدل تھوڑے سے ہیں چنانچہ میری دانست میں پیادہ فوج جو بادشاہ کی ہمرکاب رہتی ہے بندوقچیوں اور توپخانہ کے پیدل سپاہیوں اور اور لوگوں سے جو توپخانہ سے متعلق ہیں بل جملکر پندرہ[۱۵] ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ اور اسی سے صوبوں کی فوج کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر مَیں نہیں جانتا کہ بعض لوگ پیدل فوج کی تعداد کیونکر بہت زیادہ بتاتے ہیں شاید نفروں خدمتگاروں بھٹیاروں اور تمام اہل بازار کو جو ساتھ رہتے ہیں فوج ہی میں گن لیتے ہونگے۔ اور واقعی اگر اس سب بھیڑ بھاڑ کو شامل کر لیا جائے تب تو صرف اسی لشکر کی تعداد جو بادشاہ کی ذات خاص کے ساتھ رہتا ہے خصوصاً جبکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ بادشاہ کا ارادہ کچھ مدت کے لیے تخت گاہ سے باہر رہنے کا ہے وہ تین[۳] لاکھ پیادوں سے کم نہیں رہتی اور جب ان امور پر غور کیا جائے کہ کسقدر ڈیرے خیمے اور باورچیخانے اور اسباب اور ساز و سامان اور عورتیں عموماً لشکر کے ساتھ رہتی ہیں اور ان سب کے اٹھانیکے لیے کسقدر ہاتھی۔ اونٹ۔ بیل۔ گھوڑے اور ٹٹو ضروری ہیں تو اس تعداد میں جو مینے خیال کی ہے مبالغہ نہیں معلوم ہوگا[۱۵]

۱۵ بادشاہ نامہ میں جو شاہجہان کے عہد سلطنت کے بیس سال کی بہت معتبر تاریخ ہے سوار فوج کی تعداد بحسب تفصیل ذیل دو لاکھ لکھی ہے۔ منصبدار آٹھ ہزار۔ احدی و برقنداز سات ہزار

اور جب بادشاہ خیمہ گاہ میں داخل ہوتا ہے تو اہل لشکر کی اطلاع کے لیئے سلامی کیجاتی ہے۔

صوبوں کی فوج اور سواروں کی کُل فوج کی تعداد کا ذکر۔

جو فوج صوبوں میں مامور رہتی ہے اُسکی اور حاضر رکاب فوج کی حالت میں اسکے سوا اور کچھ فرق نہیں ہے کہ صوبوں کی فوج تعداد میں زیادہ ہے۔ اور ہر ایک صوبہ میں اُمرا منصبدار روزینہ دار۔ معمولی سوار۔ پیادے۔ اور توپخانہ موجود رہتا ہے۔ چنانچہ ایک صوبہ دکن ہی میں بیس۲۰ پچیس۲۵ اور بعض اوقات تیس۳۰ ہزار سوار رہتے ہیں جو گولکنڈے کے طاقتور بادشاہ کے دھمکانے اور بادشاہ بیجاپور اور اُن راجاؤں سے لڑنیکے لیئے ضرورت سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ جو باہمی بچاؤ کی خاطر اپنی اپنی فوجیں لیکر شاہ بیجاپور کے ساتھ شامل ہوجاتے ہیں۔ صوبہ کابل میں جو فوج ہے اور جسکا ایران۔ بلوچستان۔ افغانستان اور اور پہاڑی مُلکوں کی مخالفانہ حرکات کی روک تھام کے لیئے رہنا ضروری ہے بارہ۱۲ یا پندرہ۱۵ ہزار سے کم نہیں ہوسکتی۔ صوبہ کشمیر میں چار ہزار سے زیادہ فوج ہے۔ اور بنگالہ میں جہاں ہمیشہ لڑائی بھڑائی رہتی ہے بہت زیادہ فوج رہتی ہے۔ اور چونکہ کوئی صوبہ ایسا نہیں ہے کہ جسمیں بلحاظ اُسکی وسعت اور خاص موقع کے کم یا زیادہ فوج کا رکھنا ضروری نہو۔ اسلیئے کُل فوج کی تعداد اسقدر ہے جسپر مشکل سے اعتبار ہوسکتا ہے۔ چنانچہ فوج پیادہ کو جو شمار میں کم ہے الگ رکھکر اور گھوڑوں کی اُس تعداد کو جو صرف نام کے لیئے ہے۔ اور جسکو سُنکر ناواقف شخص دھوکھا کھا سکتا ہے چھوڑ کر میں اور اور واقف کار

شکار ہے۔

ہمرکاب توپ خانہ جو لاہور اور کشمیر کے سفر میں ساتھ گیا تھا مجھکو نہایت باقرینہ معلوم ہوتا تھا۔ اور اُسمیں پچاس یا ساٹھ چھوٹی چھوٹی برنجی توپیں تھیں جو سب مضبوط اور خوبصورت رنگین تختوں پر چڑھی ہوئی تھیں جنکے ساتھ گولے بارود کے لیئے ایک آگے اور ایک پیچھے دو دو پیٹیاں تھیں اور اُنپر سجاوٹ کے لیئے مختلف وضع کی سُرخ جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں ان میں دو دو عمدہ گھوڑے جُتتے تھے۔ جنکو ایک ایک سوار ہانکتا تھا اور ایک تیسرا گھوڑا اور ایک اور سپاہی مدد کیواسطے ساتھ لیئے رہتا تھا۔

بھاری توپ خانہ بادشاہ کے ساتھ نہیں رہتا تھا۔ کیونکہ شکار کھیلنے یا پانی سے نزدیک رہنے کی غرض سے بادشاہ شاہراہ سے علیحدہ ہو کر چلتا تھا اور یہہ توپیں ایسی بھاری تھیں کہ دشوار گزار راستوں یا کشتیوں کے پلوں پر سے جو شاہی لشکر کے عبور کے لیئے بنائے گئے تھے گزر نہیں سکتی تھیں۔ لیکن ہلکا توپ خانہ ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہتا ہے۔ اور اسی لیئے اُسکو ہمرکاب توپ خانہ کہتے ہیں۔ اور جب بادشاہ علی الصباح کوچ کرتا ہے۔ اور شکار گاہوں میں جو بادشاہ کیواسطے محفوظ رکھی ہوئی ہوتی ہیں اور جانوروں کے روکے رکھنے کے لیئے جنگی ناکہ بندی بھی شکار کیوقت کیجاتی ہے بندوق سے یا اَور طرح شکار کھیلنا چاہتا ہے تو یہہ توپخانہ جسقدر جلد ممکن ہوتا ہے سیدھا اگلی منزل پر جہاں بادشاہ اور بڑے بڑے اُمرا کے خیمے پہلے سے لگے ہوئے ہوتے ہیں جا رہتا ہے۔ اور خیام شاہی کے سامنے توپوں کی لیں لگا دیجاتی ہے

گولہ اندازوں یعنی پرتگیزوں - انگریزوں - ڈچوں - جرمنوں - اور فرانسیسوں کی جو گوآ - اور ڈچوں - اور انگریزوں کی کمپنیوں کے کارخانوں میں سے بھاگ آتے ہیں - اوّل جب مغل توپ کے فن سے بہت کم واقف تھے تو اہل فرنگ کی تنخواہ زیادہ تھی اور اُن میں سے اَب بھی کچھ لوگ باقی ہیں کہ جنکو دوسو روپیہ ماہوار ملتا ہے - مگر اَب بادشاہ اِن لوگوں کو مشکل سے نوکر رکھتا ہے - اور بتیس ۳۲ روپیہ سے زیادہ تنخواہ نہیں دیتا -

توپ خانہ کا ذکر - توپ خانہ دو قسم کا ہے ایک بھاری دوسرا ہلکا جسکو ہمرکاب توپخانہ کہتے ہیں - بھاری توپ خانہ کی بابت مجھے یاد ہے کہ جب بادشاہ بیماری کے بعد فوج سمیت لاہور کے راستہ سے گرمی کاٹنے کو کشمیر کو گیا تھا جسکو ھندوستان میں "کشمیر جنّت نظیر" کہتے ہیں - تو اُس سفر میں زنبورکوں کے علاوہ جو دو تین سو چالاک اُونٹوں پر اُسی طور سے کَسے ہوئے تھے جس طرح ہمارے چھوٹے جہازوں میں رہکلے بندھے رہتے ہیں اور جو وزن میں دو دو بندوقوں کے برابر تھے - ستر بھاری توپیں جو اکثر برنجی تھیں ساتھ تھیں -

بادشاہ کے سفر کشمیر کا حال مَیں کسی اَور موقع پر بیان کرونگا - اور یہہ بھی لکھونگا کہ اُس لمبے سفر میں بادشاہ اکثر اپنا دل شکار میں کس کس طرح بہلاتا رہا - یعنی کبھی شکاری پرندوں کو کلنگ وغیرہ جانوروں پر چھوڑا اور کبھی نیل گائے کا شکار کیا جو "ایلک" کی قسم کا جانور ہے - اور کسی دن چیتوں سے ہرنوں کو پکڑوایا - اور کبھی شیر کا شکار کھیلا جو بالتخصیص بادشاہی

روپیہ ماہوار کے حساب سے تنخواہ ملتی ہے۔ لیکن سواروں کو کم یا زیادہ دینا بہت کچھ امیر کی فیاضی پر موقوف ہے۔

> پیدل سپاہیوں اور گولہ اندازوں کی تنخواہ وغیرہ کا ذکر۔

پیدل سپاہیوں کی تنخواہ سب قسم کے مذکورہ بالا تنخواہ داروں سے کمتر ہے۔ اور منجملہ اُن کے جو لوگ بندوقچی ہیں حقیقت یہہ ہے کہ وہ تو اچھے خاصے آرام کے وقت میں بھی بہت ہی بدہیئت معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً بندوق چلانے کو جب زمین پر پھسکڑا مار کر! بیٹھتے ہیں اور اپنی بندوقوں کو لکڑی کے سہ پاؤں پر رکھکر جو بندوق کے ساتھ لٹکتے رہتے ہیں!! چلاتے ہیں تو انکی یہہ وضع دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ اور ماشاء اللہ اس احتیاط پر بھی یہہ خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں ہماری لمبی لمبی داڑھیاں اور آنکھیں نہ جل جائیں!!! یا کسی جن بھوت کے خلل سے ہماری بندوق نہ پھٹ جائے!!!

پیدل سپاہ میں کسی کی تنخواہ ۲۰ روپیہ مہینا ہے کسی کی پندرہ اور کسی کی دس۔ مگر گولہ اندازوں کی تنخواہ بہت زیادہ ہے۔ خصوصاً فرنگی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: وغیرہ کے نام بھی درج ہیں جو شاہجہاں کے مقید ہونے سے پہلے ہی مر چکے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اُس فہرست میں اس بادشاہ کے سب زندہ و مردہ امیروں کو گن ڈالا ہے۔ اور اگرچہ حسب شرح بالا دہ سالہ اوّل و دوم میں کوئی منصبدار پنجہزاری سے زیادہ نہ تھا۔ مگر دور اخیر میں یہہ قید بھی توڑ دی گئی تھی۔ چنانچہ مہاراجہ جسونت سنگھ ہفت ہزاری اور راجہ میرزا جے سنگھ شش ہزاری ہو گئے تھے۔ م س م ح

میں سے بہت سے متصدّی اور نائب متصدّی ہیں اور بہت سے اس کام پر مامور ہیں کہ "براتنٹ" یعنی اُن احکام پر جو روپیہ کے ادا کرنیکے باب میں صادر ہوتے ہیں سرکاری مُہر لگائیں اور وہ اِن احکام کے جلد جاری کر دینے کی عوض بیدھڑک رشوتیں لیا کرتے ہیں۔

عام سواروں کی تنخواہ وغیرہ کا بیان

عام سوار اُمرا کی ماتحت کام دیتے ہیں اور دو قسم کے ہیں۔ ایک دو اسپے جنکا بادشاہی خدمت کیواسطے حاضر رکھنا اُمرا پر لازم ہے اور جنکے گھوڑوں کی رانوں پر اُن امیروں کے داغ لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ دوسرے ایک اسپے۔ دو گھوڑوں والوں کی تنخواہ اور قدر بہ نسبت ایک گھوڑے والوں کے زیادہ ہے۔ اور اگرچہ سرکار سے ایک اسپے سوار کی بابت پچیس[۲۵]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:

تھے) اس دہ سالہ میں صرف چھ امیر پہنچے تھے۔ خان دَوراں بہادر نصرت جنگ علیمردان خان امیر الاُمرا۔ سَعِیدْ خان بہادر ظفر جنگ۔ اِسلَام خاں علامی سَعْدُ اللہ خاں۔ اَفضَلْ خاں۔ اور ششہزاری کا منصب سَیّد خان جہاں بارہہ وال۔ اَعظَم خاں۔ عَبْدُ اللہ خاں بہادر فیروز جنگ۔ صدر الصدور سَیّدْ جَلَال بُخَارِیْ۔ خسرو ولد نَذَر مُحَمَّدْ خاں اُزبک والی ترکستان صرف پانچ شخصوں نے پایا تھا۔ ہندو اُمرا کی حد ترقی (جنکو آجکل کی انگریزی اصطلاح کے موافق نیٹو کہنا چاہیئے) دوسرے دہ سالہ تک پنجہزاری سے زیادہ نتھی) اور اس دہ سالہ کی فہرست میں کُل پانسو اسّی[۵۸۰] نام ہیں جنمیں سے ایکسو آٹھ[۱۰۸] یا بقدر پانچویں حصّہ کے ہندو ہیں۔ اور ایک اَور فہرست سے جو تاریخ عمل صالح کے خاتمہ میں مندرج ہے شاہجہان کے عہد اخیر تک اُمرا اور منصبداروں کی تعداد آٹھ سو اڑسٹھ[۸۶۸] معلوم ہوتی ہے جسمیں ایکسو تریسٹھ[۱۶۳] ہندو امیروں کے نام درج ہیں۔ مگر چونکہ اس میں آصِفْ خاں و عَلِیمَردان خاں و سَعْدُ اللہ خاں

روزینہ داروں کی تنخواہ اور انکی خدمات اور مندرس ہسپا کا علم بیجا اعا

روزینہ دار بھی ایک قسم کے سوار ہی ہیں جنکی تنخواہ روز مرہ ملجاتی ہے جیسا کہ خود لفظ روزینہ دار سے ظاہر ہے۔ مگر انکی تنخواہ بیش قرار ہے۔ اور بعض اوقات تو اکثر منصبداروں سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ مگر یہہ تنخواہ چونکہ خاص طور کی ہوتی ہے اسوجہ سے کچھ زیادہ عزت کی بات خیال نہیں کیجاتی۔ اور منصبداروں کی طرح یہہ لوگ "اجناس" یعنی ایسے قالین اور فرش فروش وغیرہ کے قیمتاً لینے پر بھی مجبور نہیں ہیں جو بادشاہی مکانوں میں استعمال میں آنیکے بعد منصبداروں کو حکماً لینے پڑتے ہیں۔ اور بعض اوقات ایک غیر واجب قیمت لگا دیجاتی ہے۔ ان لوگونکی تعداد بہت زیادہ ہے اور چھوٹے چھوٹے کام انکے متعلق ہیں۔ چنانچہ ان

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

کہ شاہ جہاں کی حکومت کے دہ سالہ اول کے خاتمہ تک کل امرا اور منصبدار ہفت ہزاری سے پانصدی تک پانسو بانوے[۵۹۲] تھے جنمیں سے ایکسو اٹھاون[۱۵۸] شخص اسی دہ سالہ میں مرگئے تھے اور ان کے علاوہ شہزادہ دارا شکوہ پندرہ ہزاری اور شجاع۔ اور اورنگ زیب دوازدہ ہزاری تھے اور شاہزادہ مراد بخش کو محض پانسو روپیہ روزینہ ملتا تھا۔ کیونکہ شاہزادوں کے لیے (بقول خافی خاں) دستور یہہ تھا کہ جب تک امرا کی طرح کسی مہم وغیرہ پر مامور نہوں منصب نہیں دیا جاتا تھا۔ اور صرف یمین الدولہ آصف خان خانخانان سپہ سالار و وزیر اعظم (بطور ایک غیر معمولی عنایت کے) نہ ہزاری تھا۔ اور دہ سالہ دوئم کے خاتمہ میں جو فہرست ہے اسمیں شاہزادہ دارا شکوہ بست ہزاری اور شجاع اور اورنگ زیب پندرہ ہزاری اور مراد بخش دوازدہ ہزاری تھے۔ اور آصف خاں کے مرجانیکے بعد نہ ہزاری کا منصب پھر کسی کو نہیں ملا۔ ہفت ہزاری کے درجہ تک (جو معمولی طور پر اس سے زیادہ منصب ہی تھا اور) بقول خافی خاں ایک وقت میں چار امیروں سے زیادہ ہفت ہزاری ہوتے

مسجد کو جاتا ہے تو بعض اوقات جریدہ بھی چلا جاتا ہے - یعنی صرف وہی اُمراءَ ساتھ ہوتے ہیں جنکی اُس روز چوکی ہوتی ہے - اور دستور ہے کہ بادشاہ پر تو خواہ شکار میں ہو خواہ فوج کو ساتھ لیکر کسی مہم پر جائے خواہ ایک شہر سے دوسرے شہر کو جاتا ہو بخوبی سایہ ہوتا ہے - مگر اُمراء کو خواہ کیسی ہی دھوپ یا بارش کیوں نہو اور گرد و غبار سے دم کیوں نہ گھٹا جائے عموماً گھوڑے پر چڑھکر بغیر کسی طرح کے سایہ کے ساتھ رہنا پڑتا ہے -

منصبداروں کی تنخواہ وغیرہ کا بیان

منصبدار ایک قسم کے سوار ہیں جو منصب کی تنخواہ پاتے ہیں اور وہ ایک خاص قسم کی بیش قرار اور عزت کی تنخواہ ہے - اور اگرچہ اُمراء کی تنخواہ کے برابر نہیں ہے - مگر معمولی سواروں سے بہت زیادہ ہے اور اسیوجہ سے یہہ کم درجہ کے اُمراء میں شمار ہوتے ہیں - اور انہیں میں سے اُمراء منتخب کیئے جاتے ہیں - اور یہہ بادشاہ کے سوا کسی کے ماتحت نہیں ہیں اور جو کام اُمراء سے لیئے جاتے ہیں وہی اِن سے لیئے جاتے ہیں - اور اگر اِن کے پاس بھی کسیقدر سوار ہوں جیساکہ پہلے دستور تھا تو یہہ بھی اُمراء کے برابر ہو جائیں مگر آجکل اِن کے پاس صرف دو یا چار یا چھ گھوڑے ہوتے ہیں جنپر بادشاہی داغ لگا ہوا ہوتا ہے - اِنکی تنخواہ بعض اوقات ڈیڑھ سو روپیہ مہینہ ہوتی ہے - اور سات سو روپیہ ماہوار سے زیادہ کبھی نہیں ہوتی - اِن کی تعداد معیّن نہیں ہے - لیکن اُمراء کی بہ نسبت بہت زیادہ ہیں اور اُن کے سوا جو صوبوں میں یا افواج مامورہ مہمات میں متعیّن ہیں میںنے دربار میں دو تین سو سے کم کبھی نہیں دیکھے ※

※ اُمراء اور منصبداروں کی اسم وار فہرستیں جو بادشاہ نامہ میں موجود ہیں اُن سے ظاہر ہے

کبھی گھر سے باہر نہیں نکلتے - اور کبھی ہاتھی اور کبھی گھوڑے پر اور اکثر پالکی
میں سوار ہوتے ہیں جنکے ساتھ بہت سواروں کے علاوہ بہت سے نفر
خدمتگار وغیرہ ہوتے ہیں جو سواری کے آگے آگے اور دونوں طرف پاپیادہ چلتے
ہیں جو نہ صرف راستہ میں سے لوگوں کو ہٹاتے ہیں بلکہ مورچھل ہلاتے اور
گرد و غبار جھاڑتے اور خلال اور پیکدان اور پانی کی صراحی اور کبھی کبھی کوئی
قصہ کہانی کی کتاب یا کاغذ لیکر ساتھ رہتے ہیں -

امرا کے تسلیمات کے لیئے حاضر ہونے اور چوکی دینے اور شاہی خاصہ میں سے کھانا عنایت ہونے کی کیفیت -

ہر ایک امیر پر واجب ہے کہ ہر روز صبحکو دس گیارہ بجے جبکہ بادشاہ دربار میں عدالت کرنیکو بیٹھتا ہے - اور پھر شام کو چھ بجے تسلیمات
کے لیئے حاضر ہو ورنہ سزا ملتی ہے - اور ہر ایک کو اپنی اپنی باری پر قلعہ
میں حاضر ہوکر ہفتہ وار ایک رات دن چوکی دینی پڑتی ہے - اُسوقت یہہ لوگ
اپنا بستر اور قالین اور اور سامان ساتھ لاتے ہیں مگر کھانا شاہی خاصہ میں سے
عنایت ہوتا ہے جسکے لینے کیوقت ایک خاص رسم ادا کیجاتی ہے - یعنی
کھڑے ہوکر اور بادشاہ کے محل کی طرف رُخ کرکے امیر تین دفعہ تسلیمات
بجالاتا ہے - یعنی اپنا ہاتھ اوّل زمین تک لیجاکر پھر ماتھے تک اُٹھاتا ہے -

بادشاہ کی سواری کے وقت اُمراء کے حاضر رکاب رہنے کا ذکر -

جب کبھی بادشاہ پالکی یا ہاتھی یا تخت رواں پر سوار ہوکر نکلتا ہے تو تمام اُمراء کو بجز اُن کے جو بیمار
یا ضعیف العمر یا کسی خاص کام کی وجہ سے معاف ہوں حاضر رکاب رہنا ضروری
ہے - البتہ جب کبھی شہر کے قرب و جوار میں شکار کو یا کسی باغ کو یا نماز کے لیئے

اونٹوں اور گھوڑوں کی کثرت اسکا باعث ہیں - *

امرا کی تعداد اور انکی سواری کے طریقہ کا ذکر

امراے متعینۂ صوبہ جات - اور امراے مامور بافواج اور امراے حاضرین دربار بہت ہی ہیں مگر کچھ تعداد مقرر نہیں ہے - اور میں معلوم نہیں کرسکا کہ سب کتنے ہیں - لیکن دربار میں پچیس[۲۵] یا تیس[۳۰] سے کم مینے کبھی نہیں دیکھے جو سب وہ بڑی بڑی تنخواہیں پاتے ہیں جنکا مینے ابھی ذکر کیا ہے - اور جو گھوڑوں کی تعداد پر موقوف ہے - جو ایکہزار سے لیکر بارہ[۱۲] ہزار تک مقرر ہے - انہیں امرا کو افواج مامورہ مہات اور صوبجات اور دربار میں بڑے بڑے عہدے ملتے ہیں - اور یہی لوگ ارکان سلطنت ہیں جیسے کہ وہ خود بھی کہتے ہیں - اور دربار کی شان و شوکت انہیں کے وجود سے قائم ہے - اور یہہ نہایت عمدہ پوشاک کے بغیر

---

* آئین اکبری میں جو درجہ وار فہرستیں ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ امرا اور منصبداروں کو باندازہ اپنے اپنے منصب کے گھوڑے یابو - ہاتھی - اونٹ - خچریں اور چھکڑے گاڑیوں کا ایک مقررہ تعداد کے موافق اپنے پاس موجود رکھنا لازمی تھا - مثلاً پنجہزاری امیر کو تین سو سینتیس[۳۳۷] گھوڑے اور یابو اور ایکسو ہاتھی اور اسّی قطار اونٹ اور بیس[۲۰] قطار خچریں اور ایکسو ساٹھ[۱۶۰] ارابہ یعنی چھکڑے اور گاڑیاں رکھنی واجب تھیں اور اِن کے خرچ خوراک وغیرہ کے لیئے پنجہزاری کے منصبدار کو (علاوہ تنخواہ فوج کے جو اسکو رکھنی پڑتی تھی) تیس[۳۰] ہزار روپیہ ماہوار سرکار شاہی سے ملتا تھا - اور چار ہزاری کے منصبدار کو دو سو ستر[۲۷۰] گھوڑے - اور اسّی ہاتھی اور پینسٹھ[۶۵] قطار اونٹ اور سترہ[۱۷] قطار خچریں اور ایکسو تیس[۱۳۰] ارابہ رکھنے پڑتے تھے - اور بائیس[۲۲] ہزار روپیہ ماہوار ملتا تھا - س م ح

القابوں کے موافق اتنے ہی گھوڑے ضرور رکھنے پڑتے ہیں۔ یا کہ یہ عظیم الشان لقب جو زود اعتقاد اور اجنبی لوگوں کے بہکانے اور دھوکا دینے کے لیے ایجاد کیے گئے ہیں ٹھیک ٹھیک انہیں کے موافق تنخواہ ملتی ہے۔ بلکہ اصل بات یہہ ہے کہ بادشاہ خود مقرر کر دیتا ہے کہ ہر ایک امیر کو حقیقتاً کتنے گھوڑے رکھنے لازم ہیں اور کتنے رعایتاً معاف اور فرضی ہیں جنکی تنخواہ اُسکو ملتی رہیگی اور یہہ فرضی سواروں کی تنخواہ ہی امیروں کی تنخواہ کا ایک بہت بڑا حصہ ہے۔ مگر یہہ لوگ ہر ایک سوار کی تنخواہ میں سے کچھ وضع کر کے اور اُن گھوڑوں کی جو حاضر رکھنے لازمی ہیں جھوٹی فردیں پیش کر کے اپنی آمدنی اور بھی بڑھا لیتے ہیں جو اس طرح رل مل کر بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ خصوصاً جبکہ خوش قسمتی سے تنخواہ کے عوض جاگیر ملجائے۔ چنانچہ مَیں ایک پنجہزاری امیر کے ماتحت ملازم تھا جسکے پاس جاگیر بھی تھی اور صرف نقد تنخواہ خزانہ سے ملتی تھی۔ گر اسپر بھی پانسو گھوڑوں کی تنخواہ وغیرہ کے ادا کرنیکے بعد جو اُس کو حاضر رکھنے لازمی تھے پانچہزار کراؤن یعنی ساڑھے بارہ ہزار روپیہ ماہوار اُسکی آمدنی تھی۔ مگر باوجود اِن بڑی بڑی آمدنیوں کے مینے یہہ امیر دولتمند بہت کم دیکھے بلکہ بہت مفلس اور نہایت قرضدار ہیں۔ اور یہہ قرضداری اسوجہ سے نہیں ہے کہ اُور ملکوں[1] کے امیروں کی طرح کھانے کھلانے میں بہت کچھ خرچ کر دیتے ہیں بلکہ نہایت قیمتی پیشکش جو سالانہ جشنوں کے موقعوں پر بادشاہ کو دینے پڑتے ہیں اور اُنکی عورتوں اور نوکر چاکروں کا ایک لشکر اور

[1] لارڈوں وغیرہ سے مُراد ہے۔

تو اپنے جیتے جی اپنی اولاد کے لئے بشرطیکہ بادشاہ کی مہربانی ہو کوئی منصب بھی حاصل کر سکتا ہے خصوصاً اُس حالت میں جبکہ وہ ڈیل ڈول اور چہرے مُہرے کے اچھے اور رنگ کے بھی گورے چٹّے ہوں۔ جس سے یہہ معلوم ہو سکے کہ وہ اصل مُغل ہیں۔ لیکن بشاہی عنایت کی صُورت میں بھی بیٹا باپ کا جانشین نہیں ہوجاتا۔ کیونکہ یہہ معمُولی قاعدہ ہے کہ چھوٹے اور قلیل تنخواہ کے منصب سے بڑی ذمہ داری اور کثیر تنخواہ کے منصب تک رفتہ رفتہ اور بہت تدریج کے ساتھ ترقی ملتی ہے۔ اسلئے اُمرائے سلطنت ایسے مختلف الاقوام شخصوں کا مجموعہ ہیں۔ جو ایکدوسرے کی دیکھا دیکھی قسمت آزمائی کے لیئے مُمالک غیر سے یہاں آ گھُستے ہیں۔ اور اکثر کم نسلے بلکہ غلام۔ اور باستثناء بعض خاص شخصوں کے عموماً علم سے بے بہرہ ہیں اور اُن کا اعلی سے اعلی منصب پر پہنچا دینا یا بالکل ذلیل و خوار بنا دینا محض بادشاہ کی خوشی اور تلوّن طبع پر موقوف ہے۔

اُمرا کے مدارج اور تنخواہ وغیرہ کا ذکر

بعض امیروں کا منصب اور لقب ہزاری ہے یعنی ایکہزار کا مالک اور بعض کا دو ہزاری اور بعض کا پنجہزاری اور بعض کا ہفت ہزاری۔ اور بعض کا دہ ہزاری۔ اور کسیوقت کوئی امیر دوازدہ ہزاری بھی ہوجاتا ہے جیسا کہ شہنشاہ مغل کا بڑا بیٹا تھا۔ مگر اِن کی تنخواہ کا اندازہ سوار و پیدے تمار پر نہیں ہے۔ بلکہ بلحاظ گھوڑوں کی تعداد کے ہے۔ اور عموماً ہر ایک سوار کو دو گھوڑے رکھنے کی اجازت ہے تاکہ نوکری میں حرج نہو۔ کیونکہ اِس گرم مُلک میں یہہ ایک کہاوت ہے کہ ایک گھوڑے کا سوار لنگڑا ہے۔ لیکن یہہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ امیروں کو فی الواقع دوازدہ ہزاری وغیرہ بڑے بڑے

فوج حاضر رکاب میں سے میں پہلے اُمرا پھر منصبدار پھر روزینہ دار اور سب سے
اخیر میں معمولی سواروں کا ذکر کرکے اُسکے بعد فوج پیادہ اور اُسکے ضمن میں
بندوقچیوں اور تمام پیدل سپاہیوں کا جو دونوں قسم کے توپخانوں میں
کام دیتے ہیں بیان کرتا ہوں۔

دربار مغلیہ کے امیروں کے موروثی اور خاندانی امیر نہونے کی وجہ۔

یہہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ دربار مغلیہ کے امیر بھی اُمرائے فرانس کی طرح موروثی امیر ہیں۔ کیونکہ سلطنت
کی تمام زمین بادشاہ کی ملکیّت ہے اور اسیوجہ سے یہاں کوئی ایسی خاندانی
ریاست نہیں ہے جیسے کہ ہمارے کسی ڈیوک یا مارکوئیس کی ہوتی ہے
اور نہ کوئی ایسا خاندان پایا جاسکتا ہے جو خود اپنی ملکیّت کی زمین اور جائداد
جدّی و خاندانی کی وجہ سے صاحب ثروت گنا جاتا ہو۔ اور اُسکی آمدنی سے
اُسکے اخراجات چلتے ہوں۔ بلکہ برعکس اسکے یہاں کے اہل دربار تو اکثر ایسے
ہیں جنکے باپ تک بھی امیر نتھے۔ اور چونکہ اُمرا کی کُل جائداد اُن کے مرتے ہی
ضبط سرکار ہوجاتی ہے اسیلئے ظاہر ہے کہ کسی خاندان کا اعزاز و امتیاز دیر تک
کسطرح قائم رہ سکتا ہے۔ بلکہ اکثر تو امیر کے مرتے ہی سب کچھ نیست و نابود ہوجاتا
ہے۔ اور اُسکے بیٹوں کی نہیں تو پوتوں کی حالت تو ضرور فقیروں کی سی ہوجاتی
ہے۔ اور عام لوگوں کی طرح کسی امیر کی فوج کے سواروں میں نوکری کرنے پر
مجبور ہوجاتے ہیں۔ مگر ہاں اتنی رعایت ضرور ہوتی ہے کہ جو امیر مرجاتا ہے
جائداد ضبط کرلینے کے بعد بادشاہ اُسکی بیوہ کے لیئے تو عموماً اور اہل خاندان
کے لیئے اکثر کسیقدر وظیفہ مقرر کردیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی امیر بڑی عمر پاتا ہے

کسی اَور ہمسایہ راجہ کی مدد کو جبکو شہنشاہ مغل مطیع کرنا چاہتا ہے تیّار ہوجاتا ہے - تو اُسکے مقابلہ کے لیئے اِن راجاؤں کو اور اُمرا پر جو اکثر ایرانی اور بادشاہ گولکنڈہ کے ہم مذہب ہیں ترجیح دیجاتی ہے - لیکن سب سے زیادہ یہہ راجہ اُسوقت کام آتے ہیں جبکہ شاہ ایران سے لڑائی کا موقع آن پڑتا ہے - اور امراء دربار جو ایران کے رہنے والے ہیں جیساکہ مینے ابھی بیان کیا ہے اس خیال سے کانپتے ہیں کہ اپنے اصلی بادشاہ سے لڑیں خصوصاً وہ اُسکو اولاد علیؑ اور اپنا امام اور خلیفہ ماننے کی وجہ سے اُسکے مقابلہ میں ہتھیار اُٹھانیکو نہایت گناہ سمجھتے ہیں

پٹھانوں کی فوج کے ملازم رکھنے کا سبب

اور جن خیالات سے راجپوتوں کی فوج رکھی جاتی ہے اُسی قسم کے وجوہات سے شہنشاہ مغل کو پٹھانوں کی بھی ایک فوج موجود رکھنی پڑتی ہے -

ولایت زا یا سپاہ مغلیہ کا بیان

اَب ولایت زا یا سپاہ مغلیہ کا (جیساکہ میں لکھ چکا ہوں) تیار رکھنا بھی ایسا ہی ضروری ہے اور چونکہ سلطنت کی اصل فوج یہی سپاہ ہے - اور اسپر بڑا روپیہ صرف ہوتا ہے - پس اُمید ہے کہ آپ کے نزدیک بھی اسکا اسیقدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جانا بیموقع نہوگا - اِس فوج میں سوار بھی ہیں اور پیادے بھی - اور اسکے دو حصّے خیال کیئے جاسکتے ہیں جنمیں سے ایک تو ہمیشہ حاضر رکاب اور دوسرا مختلف صوبوں میں متعیّن رہتا ہے

* مصنف کے زمانہ میں یہہ ایک اتفاقی بات تھی کہ شاہان صفویہ فرمانروائے ایران ذات کے سیّد تھے مگر اُن کا امام یا خلیفہ مانا جانا بالکل غلط ہے - گو سیادت کے باعث سے کیسے ہی واجب الادب سمجھے جاتے ہوں - س م ح

امیر بھی واجب ہے یہانتک کہ اپنی جمعیت کے ساتھ معمولی چوکی دینے کو حاضر ہوتے ہیں - مگر اتنا فرق بیشک ہے کہ جب کبھی بادشاہ قلعہ میں ہوتا ہے تو یہ باہر اپنے خیموں ہی میں نوکری بجا لاتے ہیں - اور چوبیس[۲۴] گھنٹے تک قلعہ کی دیواروں کے اندر محصور رہنے کو گوارا نہیں کر سکتے - اور جبتک کہ انکے جانباز راجپوت سپاہی ساتھ نہوں کسی قلعہ کے اندر جانا قبول نہیں کرتے - راجپوتوں کی جانبازیوں کا امتحان ایسے موقعوں پر بخوبی ہو چکا ہے جبکہ کسی راجہ کی نسبت یہہ ارادہ کیا گیا کہ فریب سے قید کیا جائے -

راجپوت راجاؤں کے فوج میں بھرتی کیئے جانے کے سبب -

بادشاہ جو ان راجاؤں کو اپنی ملازمت میں رکھتا ہے اسکے کئی سبب ہیں - اوّل یہہ کہ راجپوت نہ صرف عمدہ سپاہی ہیں بلکہ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں بعض راجہ ایک روز میں بیس[۲۰] ہزار سپاہی لڑائی کے لیئے حاضر کر سکتے ہیں - دوسرے یہہ کہ جو راجہ بادشاہی ملازم نہیں ہیں اور خراج دینے یا ضرورت کے وقت جنگی خدمات کے بجا لانے کے عوض خود مقابلہ کو تیار ہو جاتے ہیں انکی مزاحمت اور تنبیہ و تادیب کا کام ان سے لیا جاتا ہے - تیسرے یہہ کہ شہنشاہ مغل کی یہہ پالیسی ہے کہ ان راجاؤں کے باہم نااتفاقی اور حسد و رشک قائم رہے - چنانچہ جب چاہتا ہے کسی ایک کی نسبت اپنی مہربانی و التفات کا اظہار کرکے ان میں لڑائی کرا دیتا ہے چوتھے یہہ کہ راجپوت لوگ پٹھانوں یا کسی باغی امیر یا صوبہ دار کے دبانے کے لیئے کار آمد ہوتے ہیں - اور اس کام کے لیئے ہمیشہ مستعد اور تیار ملتے ہیں پانچویں کبھی گولکنڈے کا بادشاہ خراج ادا نہیں کرتا یا شاہ بیجاپور یا

ہیں۔ مگران سب اقسام کے لوگوں کو ایک عام لقب کے طور پر مغل ہی کہا جاتا ہے۔ مگر ہاں مجھے اس بات کا بیان کر دینا بھی مناسب ہے کہ مذکورہ بالا اقسام کے نو وارد مسلمانوں کی اولاد کے لوگ جو تیسری چوتھی پشت میں گندمی رنگ اور ہندوستانیوں کے سے کاہل مزاج ہو جاتے ہیں انکی قدر تازہ واردلوگونکی سی نہیں کیجاتی[۵۱]۔ اور انکو شاذونادر ہی کوئی عہدہ دیا جاتا ہے۔ اور وہ اسکو اپنی خوش طالعی سمجھتے ہیں کہ کہیں سواروں یا پیدلوں میں نوکری مل جائے۔

شہنشاہ مغل کی فوجی قوت

خداوندمن۔ اب اس بات کا موقع ہے کہ میں شہنشاہ مغل کی سپاہ کا خاص طور سے کچھ ذکر کروں تاکہ آپ بلحاظ ان اخراجات کثیر کے جو اسکو فوج کی بابت کرنے پڑتے ہیں اپنی رائے قائم کر سکیں کہ آیا حقیقتاً اسکی فوج کسقدر ہے اور وہ کن لوگوں میں سے بھرتی کیجاتی ہے۔ پس پہلے میں اس دیسی فوج کا ذکر کرتا ہوں جسکی تنخواہ کا ادا کرتے رہنا بادشاہ پر واجبات سے ہے۔

واضح ہو کہ جے سنگھ۔ جسونت سنگھ اور اور راجہ جنکو بڑی بڑی رقمیں اس غرض سے ملتی ہیں کہ اپنے ہمقوم راجپوتونکی ایک خاص تعداد شاہی خدمات کے لیئے ہمیشہ تیار رکھیں۔ انکی فوجیں اسی ذیل میں ہیں۔ اور ان سے خواہ اس فوج میں کام لیا جائے جو ہمیشہ حاضر رکاب رہتی ہے خواہ کسی صوبہ میں مگر منصب مسلمان امرا کے برابر ہیں۔ اور جن قاعدوں کی پابندی انپر واجب ہے

[۵۱] جیساکہ ہمارے زمانہ میں بھی بمقابلہ ولایت زا انگریزوں کے مخلوط النسل اور ہندوستان زا انگریزوں کی قدر و منزلت کم ہے۔ س م ح

جتلانی ضرور ہے کہ شہنشاہ مغل مسلمانوں کے "سُنّی" فرقہ میں سے ہے جیسے کہ تُرک لوگ ہیں جو پیغمبر اسلام کا سچا خلیفہ عثمان کو جانتے اور عثمانی[1] کہلاتے ہیں - مگر دربار کے اُمرا زیادہ تر ایرانی ہیں جنکا مذہب شیعہ ہے اور اس امر کے معتقد ہیں کہ برحق خلیفہ علی تھے - ان باتوں کے سوا شہنشاہ مغل اس مُلک میں اجنبی ہے - کیونکہ وہ تیمور کی نسل سے ہے جو اُن مغلوں کا سردار تھا جو ممالک تاتار سے آئی تھی - اور جسنے ۱۴۰۱ع (ایکہزار چار سو ایک) میں ہندوستان کو تاخت و تاراج اور فتح کیا تھا اور بدیں نظر وہ گویا دشمنوں کے ملک میں یا کم سے کم ایسے ملک میں جہاں ایک مغل بلکہ ایک مسلمان کے مقابلہ میں سیکڑوں ہندو موجود ہیں سلطنت کرتا ہے بس ایسی حالت میں کہ جہاں ایسے زبردست اور اندرونی دشمن موجود ہیں قوت قایم رکھنے اور سرحد پر اُزبکوں اور ایرانیوں کے حملوں کے روکنے کے کو مستعد رہنے کے لیئے اُسکو صلح کے زمانہ میں بھی ایک بڑی فوج تیار رکھنی پڑتی ہے جسمیں یا تو اس ملک کے باشندے بھرتی ہیں جیسے راجپوت اور پٹھان - یا اصل مغل اور وہ لوگ جو اگرچہ مغل نہیں ہیں اور اسی وجہ سے اُنکی ویسی قدر بھی نہیں ہے - مگر پردیسی اور مسلمان اور گورے رنگ کے ہونیکی وجہ سے مغل ہی کہلاتے ہیں - لیکن زمانہ سابق کے موافق اُمرا دربار اب اکثر اصل مغل نہیں ہیں - یا تو ازبک (ترکستانی) - ایرانی - عرب - ترک (رومی) وغیرہ لوگوں کا مجموعہ ہیں - یا اِن سب قسم کے لوگوں کی ہندوستان زاد اولاد میں سے

---

[1] - چین عثمانیہ کے عثمانی کہلانے کی وجہ اور مصنف کے اس بیان کی غلطی ہم ایک حاشیہ میں اسی جلد کے ستاویں صفحہ میں لکھ چکے ہیں اُسکو ملاحظہ کرنا چاہیئے - م م ح

(جو کسیوقت اِن راجاؤں کا شہنشاہ خیال کیا جاتا تھا اور جسکو راجہ پورَس[۵۱] کی نسل سے بتاتے ہیں) اور جے سِنگھ اور جسونت سِنگھ ایسے ہیں کہ اگر یہہ تینوں اتفاق کر لیں تو شہنشاہ کے لیئے بیشک خطرناک ثابت ہوں۔ کیونکہ اِن میں سے ہر ایک بیس[۲] ہزار سوار لڑائی کے لیئے ہر وقت مہیا کر سکتا ہے اور وہ بھی ایسے عمدہ کہ ہندوستان میں کوئی اُن کے مقابلہ کا نہیں ہے۔ یہہ سوار راجپوت کہلاتے ہیں جسکے معنی ہیں راجاؤں کی اولاد۔ سپاہ گری انکا آبائی پیشہ ہے اور اس شرط پر اِن کو جاگیریں ملتی ہیں کہ ہمیشہ گھوڑے پر چڑھکر راجہ کی رفاقت میں رہیں۔ یہہ لوگ بڑے جفاکش ہیں اور اگر لڑائی کے فن کی تعلیم دیجائے تو نہایت ہی عمدہ سپاہی بن سکتے ہیں۔ یہہ بات بھی

نہیں کیا جاتا۔ البتہ چھہتر کرور روپیہ کی رقم ایسی ہے کہ سرکار جسطرح چاہتی ہے اُسکے خرچ کی تفریق کرتی ہے۔ مگر ہندوستانی ریاستوں کی طرح اُس میں سے بھی خزانہ سلطنت میں پس انداز اور جمع کچھ نہیں کیا جاتا۔ سال وار جسقدر آتا ہے اُسیقدر رعایا کی بہتری اور انتظام سلطنت کے کاموں میں خرچ کر دیا جاتا ہے۔ اور برخلاف شاہ جہاں اور عالمگیر کے زمانہ کی طرز حکومت کے جس میں ریاستوں کی رعایا شاہی رعیّت سے زیادہ آرام پاتی تھی۔ اَب گورنمنٹ انگریزی کی رعایا زیادہ خوشحال اور فارغ البال ہے۔ س م ح

---

۵۱ یہہ وہی شخص ہے جسکا نام نظامی نے سکندر نامہ میں پوُر لکھا ہے جو ایک زبردست راجا تھا جسکا راج کوہ کمایوُں سے لیکر قنوج تک تھا اور جو ستلج کے شمالی کنارہ پر سنہ مسیحی سے تین سو اٹھائیس برس پہلے مقدونیا کے مشہور و معروف بادشاہ سکندر اعظم سے لڑکر مغلوب ہوگیا تھا۔ اور سکندر کی سلطنت ہندوستان میں قنوج تک ہوگئی تھی۔ س م ح

الغرض جو لوگ شہنشاہ مغل کو کچھ خراج نہیں دیتے اُن میں سو[15] سے زیادہ اچھے
طاقتور ہندو راجہ بھی شامل ہیں جنکی ریاستیں دہلی اور آگرہ سے کوئی دور
کوئی نزدیک تمام سلطنت کے اندر جا بجا پھیلی ہوئی ہیں اور اِن میں سے پندرہ[15]
یا سولہ تو بہت ہی دولتمند اور زبردست ہیں۔ خصوصاً راناے اودے پور

---

[15] فی زماننا ہندوستان کے چھوٹے بڑے ہندو اور مسلمان والیان ملک جو ملکہ معظمہ
کوئین وکٹوریا قیصر ہند کے ظل عاطفت شاہنشاہی میں گورنمنٹ ہند کی پولیٹکل نگرانی کے زیر
ہندوستان کے مختلف حصوں میں اپنے اپنے علاقوں میں فرمانروائی کا اختیار رکھتے ہیں
چارسو پچاس کے قریب ہیں۔ جن میں بعض سے گورنمنٹ انگریزی قابل برداشت اور معینہ طور پر کچھ
سالانہ خراج لیتی ہے۔ اور بعض سے کچھ بھی نہیں لیکن جنکی ریاستوں کی بقا اور قیام کے لیئے اپنی بے نظیر
فیاضی سے شہنشاہی سرکار نے اُنکے بے اولاد ہونے کی حالت میں عموماً متبنےٰ کر لینے کا بھی
اختیار دیا ہوا ہے۔ باعتبار رقبہ کے پانچ لاکھ میل مربع زمین اور پانچ کروڑ رعایا پر انکی حکومت
ہے۔ اور فوج اِن کل ریاستوں کی شمار میں تین لاکھ چھیالیس ہزار ہے۔ مگر باقاعدہ اور کام کے
لائق کم اور مختلف الکیفیت ہونیکی وجہ سے کمی زیادہ تر ہے۔ اور مقابلہ اسکے کل سلطنت ہند
کا رقبہ مع ملک برہما مفتوحہ جدید (مگر باستثنا، بلوچستان ونیپال وبھوٹان کی ریاستوں
کے جنکی پیمائش اور مردم شماری ابھی نہیں ہوئی) پندرہ لاکھ میل مربع اور قریب چھبیس کروڑ کے
مردم شماری ہے۔ پس اس حساب سے مجموعی رقبہ سلطنت کے مذکورہ بالا ہندوستانی والیان ملک کے قبضہ
میں ایک ثلث زمین ہے۔ اور کل مردم شماری میں سے پانچویں حصہ سے کچھ کم انکی رعیت ہے۔
اور گورنمنٹ ہند کی آمدنی جو گذشتہ کی بجٹ کی رو سے چھہتر کروڑ روپیہ ہے اسکے مقابلہ میں اِن سب
ریاستوں کی آمدنی من کل الوجوہ قریب ایک چوتھائی کے ہے۔ مگر گورنمنٹ انگریزی کی چھہتر
کروڑ سالانہ آمدنی خزانہ میں دو کروڑ روپیہ شامل نہیں ہے جسکو لوکل فنڈ لوکل ریٹ میونسپل چندہ
وغیرہ کہتے ہیں۔ اور جسکا مقصود یہہ ہے کہ جس شہر یا ضلع سے جن مقاصد مخصوصہ رفاہ رعایا
کے لیئے لیا جاتا ہے۔ اُنہیں مقاصد اور اُنہیں مقامات کے سوا اُنکو کسی کام اور مقام میں صرف نہیں

دور پہاڑوں کی جانب نکالدیا) سخت نفرت رکھتے ہیں اور ان میں سے اگرچہ بعض بعض پہاڑوں میں چھوٹے چھوٹے رئیس بن بیٹھے ہیں مگر کچھ زیادہ طاقتور نہیں ہیں۔

شاہ بیجاپور بھی کچھ خراج نہیں دیتا بلکہ اپنے ملک کے بچاؤ کے لیئے شہنشاہ ھندوستان سے ہمیشہ لڑتا رہتا ہے۔ لیکن اُسکے ملک کی حفاظت کا ذریعہ صرف اُسکی فوج ہی نہیں بلکہ اَور بھی بہت سی خاص حالتیں ہیں۔ مثلاً اُسکا ملک آگرہ اور دھلی سے جو شہنشاہ مغل کے دارالسلطنت ہیں بہت فاصلہ پر ہے۔ اور شہر بیجاپور بذات خود بھی ایک مستحکم مقام ہے اور قرب وجوار کے ملک میں گھاس اور پانی کی کمیابی اور خرابی کی وجہ سے حملہ آور فوج کو آسانی کے ساتھ وہانتک پہنچنا دشوار ہے۔ اور بہت سے راجہ خود اپنے بچاؤ کی خاطر غنیم کے حملہ کے وقت اپنی اپنی فوجیں لیکر اُسکی مدد کو آجاتے ہیں۔ چنانچہ تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ سیواجی نامے ایک مشہور شخص نے خاص شاہی عملداری میں گھسکر بندر سورت کو جو دولتمندی کے لحاظ سے ایک مشہور جگہہ ہے خوب لوٹا اور جلایا۔ اور یہہ چال چلکر بیجاپور کو عین ضرورت کیوقت بادشاہی فوجوں کے زور اور غلبہ سے بچالیا۔

اِن باتوں کے علاوہ شاہ گولکنڈا بھی جو ایک دولتمند اور طاقتور بادشاہ ہے مخفی طور پر اُسکو روپیہ پیسے سے مدد دیتا رہتا ہے۔ اور سرحد پر ہمیشہ اس غرض سے فوج متعین رکھتا ہے کہ ایک تو اپنے ملک کی حفاظت کرے اور دوسرے اگر بیجاپور پر زیادہ زور پڑے تو اُسکو بھی مدد دے سکے

مغل کو بجز قدر قلیل کچھ نہیں دیتیں اور اپنے آپکو قریب خودسر اور آزاد کے
سمجھتی ہیں اور انکی خودسری اور آزادی اس سے ثابت ہے کہ شہنشاہ مغل
نے جب قندھار کے محاصرہ کی غرض سے کابل جانیکے لیے مقام اٹک سے
کوچ کیا (جو دریائے سندھ کے کنارہ آباد ہے) تو ان قوموں نے پہاڑوں سے
پانی کا ان میدانوں میں پہنچنا بند کردیا جو شاہراہ کے متصل تھے اور جبتک بادشاہ
نے انعام حاصل نکرلیا جو خیرات کے نام سے عنایت کیا گیا تھا فوج کا آگے کو بڑھنا
اس طرح پر بالکل روکے رکھا۔ پٹھان لوگ بھی بڑے سرکش ہیں اور یہہ وہ
مسلمان قوم ہے جو پہلے بنگالہ[۱] کی جانب گنگا کے کنارے آباد تھی اور
مغلوں کے ہندوستان پر حملہ کرنے سے پہلے اکثر مقامات میں انکو بہت
قوت حاصل تھی اور بالتخصیص دہلی[۲] میں تو بہت ہی زور تھا۔ اور اُسکے قرب
جوار کے بہت سے راجہ ان کے خراج گزار تھے اس قوم کے ادنی شخص
یہانتک کہ ایسے لوگ بھی جو سقائی کرکے گزران کرتے ہیں دلیر اور سپاہی
منش ہیں۔ اور جب کسی بات کی صداقت پر زور دینا چاہتے ہیں تو انکا یہہ معمولی
مقولہ ہے "کہ اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو دہلی کا تخت مجھے نصیب نہو"
یہہ ہندو اور مغل دونوں کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور
اپنے پہلے رتبہ اور اقتدار کو یاد کرکے مغلوں سے (جنہوں نے ان کے
بزرگوں کو انکی بڑی بڑی ریاستوں سے بیدخل کردیا اور دہلی اور آگرہ

۱؎ معلوم ہوتا ہے کہ شیرشاہ سور کی سلطنت سے مراد ہے۔

۲؎ لودیوں کی سلطنت سے مراد ہے۔

دیتا ہے[۱] اور یہاں کی نسبت کچھ آرام ملتا ہے بھاگ جاتے ہیں۔ اور اس سلطنت میں بہت سی قومیں ایسی بھی آباد ہیں جنپر بادشاہ کی کامل حکومت نہیں ہے اور اکثر اُن میں سے ایسی ہیں جنکا رئیس خود اُنہیں میں کا ایک شخص ہے اور صرف اسوقت خراج ادا کرتے ہیں جبکہ سلطنت کی طرف سے کچھ زور ڈالا جاتا ہے۔ اور اُن میں سے اکثر تو بہت تھوڑا خراج دیتے ہیں۔ اور بعض کچھ بھی نہیں دیتے۔ اور بعض ایسی ہیں کہ دینا تو کیا اُلٹا کچھ لیتے رہتے ہیں۔ مثلاً وہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں جو سرحد ایران پر ہیں شاذ و نادر ہی ایران یا ھندوستان کو کچھ خراج دیتی ہیں۔ ایسا ہی حال بلوچستان اور اَور پہاڑی قوموں کا ہے جو شہنشاہ

---

[۱] یہہ بات بالکل سچ ہے۔ چنانچہ اُن سببوں کے بیان میں جنکے باعث کوچ بہار کی فتح کے بعد اُس علاقہ کی رعایا نے بغاوت کی اور اپنے بھاگے ہوئے راجہ بیم نراین کو واپس بُلاکر پھر قائم کرلیا خود صاحب عالمگیر نامہ نے بضمن واقعات ۱۰۷۱ و ۱۰۷۲ ہجری مطابق سال چہارم و پنجم جلوس اورنگ زیب جو کچھ لکھا ہے مزید وثوق کے لیئے ہم اسجگہہ بعینہٖ نقل کرتے ہیں "و این سانحہ بداں جہت وقوع یافت کہ جمعے کہ بہ نظم و نسق مہمات مالی آن ولایت متعین گشتہ بودند باقتضاے مصلحت و تدبیر کار نکردہ بدستورے کہ در ممالک محروسہ بادشاہی معمول است شروع در جمعبندیِ آن ولایت و مطالبتِ اموال از رعیت نمودند۔ ازانجا کہ زمینداران مملکتِ ھندوستان بمقتضاے تدبیر بجہت تسخیرِ قلوب و استمالتِ رعایا کہ سر از ربقۂ اطاعت و مالگذاریِ آنہا بر ندارند در زمینداری خویش مساہلہ در اخذِ مال بکار می برند و دستور و قانونے کہ در ممالک محروسہ معمول است بعمل نمی آرند و بیم نراین نیز برین شیوہ عمل میکرد کافہ رعایاے آنجا از وقوعِ آن معاملہ و قرارِ آن دستور کہ از آئینِ معہودِ آن دیار بعید بود و بایستے بتدریج سمت ظہور و استمرار گیرد متوحش و نفور گشتہ خواہان بیم نراین شدند و او را بفرود آمدن از کوہستان و تحریک سلسلۂ فساد ترغیب نمودند و ہمگی اہل آن دیار بہ او پیوستند و دگربارہ او را بحکومت دست یا برگرفتہ بر سر محمد صالح نام یکے از منصبداران بادشاہی کہ در موضع کُمل باڑی بود ریختند" ص ۷۲۴

میں ضبط ہوجاتی ہے اور اس سے بڑھکر یہہ امر ہے کہ ہندوستان کی تمام
زمین مکانات اور باغات کے سوا جنکے فروخت وغیرہ کی اجازت بعض اوقات
رعایا کو دیدی جاتی ہے بادشاہ کی ملکیت ہے۔ اور مَیں خیال کرتا ہوں کہ
اس تمام بیان سے مینے یہہ ثابت کردیا ہے کہ اگرچہ سونے چاندی کی
کانیں یہاں نہیں ہیں مگر تاہم سونا چاندی یہاں کثرت سے ہے اور یہہ
کہ شہنشاہ مغل جو اس ملک کے ایک بڑے حصہ کا مالک ہے اُسکا محاصل
بیشمار اور وہ نہایت ہی دولتمند ہے۔ لیکن باوجود اسکے بہت سے ایسے
اسباب مخالف بھی ہیں جو بالموازنہ اُسکی دولتمندی کے نقصان کے باعث
ہیں۔ مثلاً ملک کے بہت وسیع حصے جن سے ہندوستان کی شہنشاہی
مرکب ہے۔ خشک پہاڑوں اور ریت کے بیابانوں سے کچھہ ہی اچھے
ہیں۔ طریق زراعت بھی خراب ہے۔ اور آبادی بھی بہت ہی کم ہے۔ اور
قابل زراعت زمین کا ایک بڑا حصہ کاشتکاروں کی قلت کی وجہ سے جو اکثر
حکام کی بدسلوکی سے تباہ اور برباد ہوجاتے ہیں خالی پڑا رہتا ہے* چنانچہ یہہ
بیچارے غریب آدمی جب اپنے سخت گیر اور لالچی حاکموں کی خواہشوں کو
پورا نہیں کرسکتے تو نہ صرف اُن کے رزق کا ذریعہ ہی چھین لیا جاتا ہے بلکہ
اُن کے بال بچے بھی پکڑ کر لونڈی غلام بنالیئے جاتے ہیں۔ اور یہہ بیچارے
اپنا گھر بار چھوڑکر کسیقدر آرام سے دن کاٹنے کے لیئے شہروں یا لشکرگاہوں
میں چلے جاتے اور حمالی سقائی یا سائیسی وغیرہ کرکے اپنا پیٹ پال...
...م۔ اور نیز کسی راجہ کے علاقہ میں جہاں یہہ ظلم و ستم کسیقدر کم...

کے رستے ایران سے - اور بندر مُخا اور بَصرہ اور بندر عبّاس کی راہ
سے اتھوپیا (حبش) اور عرب اور فارس سے آتے ہیں - اسی طرح
بہت سا تر و خشک میوہ سمرقند - بلخ - بخارا - اور ایران سے آتا ہے
مثلاً سردے - سیب - ناشپاتی - اور انگور جو کثرت سے دہلی میں خرچ
ہوتے ہیں - اور جاڑے بھر بڑی قیمت پر بکتے رہتے ہیں اور بادام - پستہ
فندق - زرد آلو - خوبانی - کشمش وغیرہ جو بارہ مہینے ملتے ہیں - اسی طرح
کوڑیاں جزائرہ مالدیپ سے آتی ہیں جو بنگالہ اور اَور مقامات میں بجائے
پیسے و دھیلے وغیرہ کم قیمت سکوں کے مستعمل ہیں - اور عنبر جزائر مالدیپ
اور موزم بیق سے آتا ہے - اور گینڈے کی سینگ اور ہاتھی دانت اور غلام
اتھوپیا سے اور مُشک اور چینی کے برتن چین سے اور موتی بحرین
اور ٹوٹی کارن سے جو سیلان کے نزدیک ہے آتے ہیں - مگر باوجود
اسکے اِن چیزوں کے بدلے سونا چاندی نہیں جاتا کیونکہ جو سوداگر یہہ جنسیں
لاتے ہیں وہ اِسمیں زیادہ فائدہ سمجھتے ہیں کہ اُنکے مبادلہ میں یہاں کی
جنسیں ہی اپنے مُلک کو لیجائیں - پس اگرچہ ہندوستان میں غیر ملکوں
سے قدرتی یا مصنوعی چیزیں آتی ہیں مگر وہ دُنیا بھر کے سونے یا چاندی
کے ایک بڑے حصّہ کی جو بہت سے ذریعوں سے یہاں آتا ہے ہیں
ریجانے کی مزاحم نہیں ہیں - اور پھر وہ بمشکل ہی یہاں سے کہیں کو واپس جاتا ہے

شہنشاہ مغل کی دولتمندی کے ذریعوں اور اُسکے مخالف امور کا ذکر -	یہہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جب کوئی امیر یا منصبدار چھوٹا یا بڑا مرتا ہے تو اُسکی جائداد سرکار بادشاہی

میں جو جزیرہ ھُرمز کے نزدیک ہے اِن ملکوں سے روپیہ آتا ہے اور
یہاں سے اُن جہازوں کے ذریعہ سے جو ہر سال ہوا ئے موافق کے موسم
میں ھِندُوستان کا مال لیکر اِن مشہور بندرگاھوں میں آتے ہیں ھندوستان
میں پہنچ جاتا ہے - یہہ بھی ملحوظ رہے کہ ھِندُوستانیوں - ڈچوں - انگریزوں
اور پُرتگیزوں کے تمام جہاز جو ہر سال ھِندُوستان کا مال پیگو - تناسرم (تناسرن)
سِیام - سِیلاَن - آچِین - مَکاسَر - جزایرِ مَالدِیپ - مُوزمبِیق وغیرہ
مقامات کو لیجاتے ہیں وہ بھی اُسکے مبادلہ میں سونا چاندی ہی لاتے ہیں اور
یہہ بھی اُس روپیہ کی طرح جو بَندرِ مُخا - بَصرہ - اور بَندرِ عبّاس سے آتا ہے
یہیں رہجاتا ہے - اور جو سونا چاندی ڈیچ لوگ جاپان کی کانوں سے
نکالتے ہیں اُسمیں سے بھی تھوڑا بہت کسی نہ کسی وقت یہاں آرہتا ہے -
اور جو روپیہ براہ راست فِرانس اور پُرتگال سے آتا ہے وہ بھی شاذونادر
ہی یہاں سے پھر باہر جاتا ہے کیونکہ اُسکے عوض بھی مال و اسباب ہی دیا
جاتا ہے - اگرچہ مَیں جانتا ہوں کہ لوگ یہہ اعتراض کرینگے کہ ھِندُوستان کو
تانبا - لونگ - جائپھل - دارچینی وغیرہ چیزوں اور ہاتھیوں کی ضرورت
رہتی ہے کہ جنکو ڈچ فرنگستان - جاپان - ملاکا اور سیلان سے
لاتے ہیں اور سیسہ بھی باہر ہی سے آتا ہے - جسمیں سے تھوڑا سا
انگلستان سے انگریز بھیجتے ہیں - اور فرانس سے بانات اور اَور چیزیں
آتی ہیں اور غیر ملک کے گھوڑوں کی بھی احتیاج رہتی ہے - جو ہر سال ۲۵
ہزار سے زیادہ ملک اُزبک (ترکستان) سے اور بہت سے قندھار

حقیر پیشکش کے جو پیش کرنیوالے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنی ندرت کے اعتبار سے قابل قدر و قیمت ہے حاضر ہونے میں تامل کروں تو مجھے اُمید ہے کہ معاف کیا جاؤنگا۔

ہندوستان کا گزشتہ انقلاب جو عجیب و غریب حادثوں پر مشتمل ہے ہمارے عظیم الشان بادشاہ کی توجہ کے لائق ہے۔ اور یہہ عریضہ جسمیں ایسی بڑی بڑی باتیں مندرج ہیں اسکا ملاحظہ فرمانا اُس رُتبہ کے شایان ہے جو آپکو دربار شاہی میں حاصل ہے اور بیشک اسکا ایسے ہی شخص کی خدمت میں پیش کیا جانا زیبا تھا جسکی خوش تدبیری سے سلطنت کے بہت سے صیغوں کا جو میرے جانیکے وقت ناقابل علاج حالت میں پڑے ہوئے معلوم ہوتے تھے نہایت عمدہ طور پر انتظام ہوگیا ہے۔ اور جسنے اپنی کوشش اور محنت سے ہماری بادشاہ کی شان و عظمت کو تمام عالم میں پھیلا دیا اور یہہ ثابت کردیا ہے کہ قوم فرنچ اُن باتوں کو کس قابلیت سے عمل میں لاتی ہے جو اُسکے فواید اور نام آوری کی خاطر تجویز کی جائیں۔

صفحہ گزشتہ کا بقیہ: میں بیان کیا ہوگا کہ خلفائے بنی عباس کے زمانہ میں اُنکی آستین وغیرہ کو بوسہ دینے کی رسم تھی جنکے تاریخی حالات سے اہل یورپ اکثر واقف تھے۔ س م ح

+ صفحہ گزشتہ اور اس صفحہ کے اُن الفاظ سے جنپر خط ہے۔ اور بادشاہ اور وزیر دونو کو علیحدہ علیحدہ نذریں دینے کی مندرجہ صدر تمہید سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے کتاب کا یہہ پہلا حصہ جسمیں شاہجہاں کے بیٹوں کی لڑائیاں اور انقلاب سلطنت کے واقعات لکھے ہیں اپنے بادشاہ کو نذر کیا۔ اور یہہ خط اُسکے وزیر کو۔ س م ح

شخص وزراے سلطنت میں سے تھا - بڑے بڑے کام اسکے متعلق تھے
اور طبیبوں کی ذیل میں میری تنخواہ کا تجویز کرنا اُسیکی راے پر منحصر تھا -
اگرچہ میری یہہ مجال نہیں ہے کہ فرانس میں کسی نئی رسم کو جاری کروں
لیکن جبکہ میں ھندوستان سے مدت کے بعد ابھی واپس آیا ہوں تو یہہ
امر خلاف توقع ہے کہ مَیں اُس دستور کو جسکا ذکر ابھی کر چکا ہوں ایسی جلدی
سے بھول جاؤں پس اگر مَیں اپنے بادشاہ کے حضور میں جسکا ادب میرے
دل میں بہ نسبت اورنگ زیب کی تعظیم کے اَور ہی قسم کا ہے یا اُسکے وزیر
کی خدمت میں جو فاضل خاں کی نسبت بہت زیادہ ادب کا مستحق ہے بغیر ایک

رہنے والے تھے اور کسی اتفاق سے فرانس میں جا رہے تھے - اسکا دادا شراب کا
سوداگر تھا - مگر اسکا باپ کچھ عرصہ کے بعد یہہ شغل چھوڑ کر نوکری پیشہ ہو گیا تھا کولبرٹ
نے بعد تحصیل علوم و فنون بذریعہ اپنے برادر نسبتی کے جو اُسوقت فرانس کا منسٹر آف سٹیٹ
یعنی وزیر السلطنت تھا - امور سلطنت میں دخل پایا - اور رفتہ رفتہ حسن لیاقت اور کارگزاری
اور ایمانداری کے باعث لوئیس چہاردہم کا Louis The 14th جو اُسوقت کے یورپین بادشاہوں میں
نہایت ہی نیکنام بادشاہ تھا وزیر ہو گیا - اس خوش تدبیر شخص نے اپنے عہد وزارت میں
انواع و اقسام کی ایسی عمدہ عمدہ اصلاحیں کیں اور ایسے مفید قاعدے اور قانون جاری کیے کہ
جن سے حقیقتاً اُسکی قوم اور سلطنت کو بڑی ہی ناموری اور ترقی حاصل ہوئی - (از انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا)
—— م ح ——

اسی کتاب میں لکھے ہیں اُسنے بھی یہی ظاہر ہے کہ ایسا دستور تھا اور درحالیکہ برابر کے بادشاہوں
کے سفیروں کو بھی اسقدر قرب نصیب نہو تو غریب برنیر کو یہہ رتبہ کہاں ؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
یا تو اُسوقت دربار فرانس میں کوئی ایسی تعظیمی رسم ہوگی جسکے لحاظ سے مصنف نے شرف بابی
اس عام مطلب کو مجازاً ان الفاظ خاص میں استعمال کیا ہوگا یا ایک ایسے مسلمان بادشاہ کے دربار میں حاضر
ہونیکی رسم کو جسکے دربار کی آداب رسوم سے مصنف کے ہموطنوں کو واقفیت نتھی اسوجہ سے بتفصیل

مصنف کا عریضہ مانسیور کول برٹ Col Bert [51] وزیر فرانس کے نام جسمیں مفصلہ ذیل امور کا دلچسپ بیان ہے۔

ہندوستان کی وسعت - سونے چاندی کا اس ملک میں پہنچکر یہیں کھپ جانا - ملک کی دولتمندی - سپاہ - انتظام عدالت - ایشیائی سلطنتوں کے زوال کے اصلی سبب

خداوندمن - ممالک (ایشیا) میں اُمرا اور حُکّام کی خدمت میں کوئی شخص خالی ہاتھ نہیں جاتا - چنانچہ شہنشاہ مغل کے [52] دامن قبا کو بوسہ دینے کا اعزاز جب مجکو حاصل ہوا تو مینے بھی نذر کے طور پر جو تعظیم کی ایک علامت ہے آٹھ روپیہ پیش کیے تھے - اور ایک نائف کیس [53] - ایک کانٹا اور کہربا کے دستہ کا ایک قلمتراش فاضل خاں کی نذر کیا تھا - کیونکہ یہہ نامور

---

[51] یہہ عالی منزلت شخص جسکا پورا نام جی آن بیپ ٹسٹ کولبرٹ Jean Baptiste Colbert ہے اور مارکوئس آف سگنی لے Marquis of Signelay کے خطاب سے مخاطب تھا فرانس کے وزرا میں ایک ایسا نامور مدبر سلطنت ہو گزرا ہے کہ ایسے لایق فایق وزیر کم ہوتے ہیں سنہ ۱۶۱۹ع (سولہ سو انیس) میں بمقام پیرس پیدا ہوا تھا اور کہتے ہیں کہ اسکے بزرگ دراصل سکاٹلینڈ کے

[52] شاہان مغلیہ جو جلال و عظمت اور ترفع کے اظہار کے لیئے دیوان عام کے شہ نشین میں زمین سے کئی ہاتھ اونچے ہو کر تخت پر بیٹھتے تھے دامن قبا وغیرہ کو بوسہ دینے کی رسم اُن کے دربار میں نتھی چنانچہ بعض سفیروں کے حاضر دربار ہونیکے چشم دیدہ حالات جو خود مصنف نے

[53] نائف کیس knife case غالباً پیش قبض کا میان ہوگا - م س ن
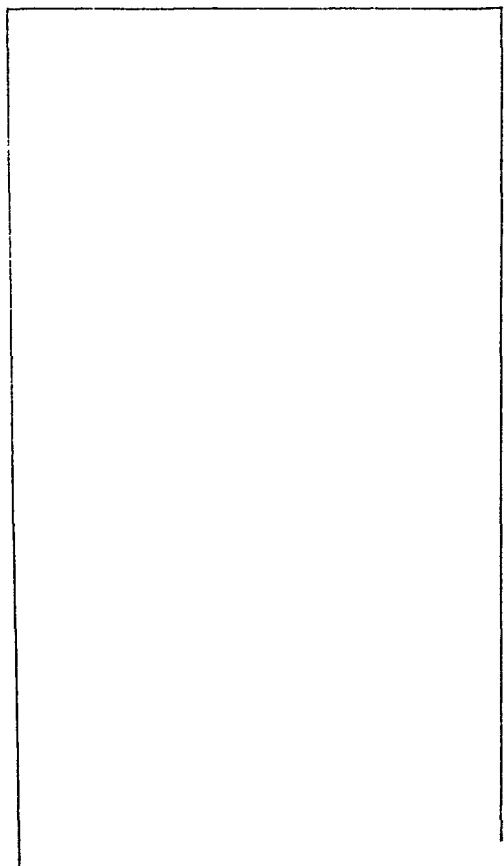
لوگوں کو بھی جو ملک کے دستور اور رسم خاندان اور تعلیم و تربیت کے اثر کے عذر کو قبول نہیں کرتے یہہ تو ماننا ہی پڑیگا کہ اورنگ زیب کو خدا نے مستثنٰے طور کی عقل و فکر اور استقلال ذہن عطا کیا ہے۔ اور یہہ کہ وہ بڑا ہی مدبر اور عالیشان بادشاہ ہے۔ فقط

تعلیق: حاشیہ صفحہ گذشتہ

عالمگیر نامہ اس امر کو نہیں لکھ سکتا تھا کہ شاہ جہاں کا جنازہ شاہانہ احتشام سے نہیں اُٹھایا گیا۔ اور ایسے سادہ طور سے دفن کیا گیا جو اُسکے مرتبہ کے شایاں تھا اور یہہ عمل خواہ عالمگیر کے حکم سے ہوا ہو خواہ قلعہ دار و صوبہ دار کی کم فہمی سے مگر صاحب عمل صالح نے اس امر کو بہت ہی رنج و افسوس کے ساتھ عبرت ناک الفاظ میں جتایا ہے۔ اور چونکہ شاہزادہ محمد معظم (بموجب بیان مندرجہ عالمگیر نامہ) شاہ جہاں کے انتقال کیوقت آگرہ سے صرف سات کوس کے فاصلہ پر موجود تھا اور ابھی پہنچا بھی نہ تھا کہ جنازہ بہت سویرے ہی دفنا دیا گیا۔ تو اس سے مصنف عمل صالح کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال اورنگ زیب کے جلوس کے آٹھویں سال ۱۰۷۵ (ایکہزار پچھتر) ہجری کے ماہ رجب میں بیچارے شاہ جہاں نے جو ہندوستان کے نہایت نیکنام بادشاہوں میں سے تھا چھہتر برس تین ہینے بائیس دن کی عمر میں بحساب قمری اور تین دن کم چوہتر برس کی عمر میں بحساب شمسی قلعہ آگرہ میں آٹھ برس کے قریب قید بلکہ قید ہستی سے رہائی پائی۔ جسمیں سے اکتیس برس دو مہینے تئیس دن بحساب قمری اور تیس برس چار مہینے اٹھارہ دن بحساب شمسی تخت نشین رہا۔ فقط

صاحب عالمگیر نامہ نے اسکے سال انتقال کی نسبت اپنی تصنیف کی ہوئی ایک تاریخ لکھی ہے جسکو ہم بھی پر مضمون سمجھکر اس جگہہ نقل کرتے ہیں۔

چوں شاہ جہاں خدیو قدسی ملکات	برخاست بعزم عقبیٰ از تخت حیات
جستم از عقل سال تاریخش را	گفتا خردم "شاہ جہاں کرد وفات"

اور بڑے بیٹے کے سوا کوئی جانشین نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہندوستان میں باپ کے بعد شاہزادوں میں سلطنت کے لیئے ہمیشہ جھگڑا ہوتا ہے اور ان دو بیرحمانہ باتوں میں سے ایک بات اختیار کرنی پڑتی ہے۔ یا سلطنت کی خاطر خود قربان ہو جائیں یا بھائیوں کو قربانی بنائیں۔ تاہم اُن

تاریخ: ۲۶ رجب ۱۰۷۶ھ

اُس دروازہ سے جو اُسکے محاذی تھا جنازہ کو باہر لائے اور ہوشدار خاں صوبہ دار نے مع اَور بادشاہی ملازموں کے ساتھ ہو کر "بآئین شائستہ" (یعنی مراسم اعزاز و احتشام شاہانہ کے ساتھ) علی الصباح جمنا کے کنارہ جا پہنچایا۔ اور دریا سے پار ہو کر سید محمد قنوجی۔ قاضی قربان وغیرہ علما و صلحا نے جنازہ کی نماز پڑھکر اُسکی زوجہ ممتاز الزمانی ارجمند بانو بیگم معروف بہ تاج محل کے مقبرہ میں کہ جسکا حال اس کتاب کے بعض اَور مقامات میں مفصل درج ہے دفن کر دیا۔ لکھا ہے کہ اورنگ زیب کو جب باپ کے انتقال کی خبر پہنچی تو بہت رویا اور سوگواری کی اَور رسموں کے علاوہ اُسنے اور تمام اہل دربار نے جیسا کہ اب بھی ہندوستانی ریاستوں میں دستور ہے لباس سفید پہنا۔ اور بسواری کشتی دہلی سے آگرہ پہنچکر زیارت قبر کے وقت بھی بہت سا گریہ و بکا کیا۔ اور مجالس مولود اور ختم و فاتحہ جیسا کہ بادشاہوں کی وفات کے موقع پر دستور تھا منعقد کر کے دھوم دھام سے خیر و خیرات کی۔ اور اپنی غمزدہ بڑی بہن بیگم صاحب کے پاس بھی کئی بار قلعہ میں گیا۔ اور نہایت تسلی و تشفی کی بلکہ حد سے بڑھکر خاطر و مدارات کی کہ تمام اہل دربار کو حکم دیا کہ انکی ڈیوڑھی پر حاضر ہو کر نذریں پیش کریں۔ چنانچہ جب ایسا ہی ہوا تو بیگم صاحب نے بھی جو دریا دلی اور فیاضی میں مشہور اور بڑی ہی سیر چشم شاہزادی تھی تمام اہل دربار کو عموماً ہزاری کے منصب تک بھاری بھاری خلعت مرحمت کیئے اور اسکے بعد جب اورنگ زیب پھر ملنے کو گیا تو رسم پا انداز و رسم نثار بجا ایک نہایت قیمتی پیشکش جسکا برنیئر نے اشارہ کیا ہے نذر کیا۔ اگرچہ صاحب

خاتمہ اور اورنگ زیب کی نسبت مصنف کی راے

اب میں اپنی تاریخ کو ختم کرتا ہوں۔ جن جن ذریعوں سے اورنگ زیب نے یہہ عروج اور اقتدار حاصل کیا یقیناً ناظرین اُنکو بہت ناپسند کرینگے۔ کیونکہ وہ حقیقتاً بیرحمانہ اور نامنصفانہ تھے۔ لیکن شاید یہہ ناانصافی ہوگی کہ ہم اُنکو اُسی سخت نظر سے جانچیں جس سے اپنے مُلک یورپ کے شاہزادوں کے افعال کو جانچتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے مُلک میں جانشینی کے لیئے معقول قواعد مقرر ہیں

شاہجہاں کی تجہیز و تکفین

دستور سلطنت کے موافق نہایت بھاری سامانوں کی ضرورت تھی اسلیئے باوجود تاکید اختصار سامان کے بھی چند روز کا توقف ہونا ضروری تھا۔ اسوجہ سے اپنے بڑے بیٹے محمد معظم کو اپنی روانگی سے پہلے احتیاطاً جلدی سے روانہ کردیا ابھی شاہزادہ آگرہ سے سات کوس اس طرف ہی تھا کہ شاہجہان پر حالت نزع طاری ہوگئی۔ اور چھبیسویں۲۶ رجب شب یکشنبہ کو آدھی رات سے پہلے انتقال ہوگیا۔ بیچاری مصیبت زدہ بیگم صاحب نے جو باپ کے ایّام قید میں ایک وہی اُسکی غمخوار اور رنج و راحت کی شریک تھی رعد انداز خان قلعہدار اور بہلول خواجہ سرا کو جو قیدی بادشاہ اور قلعہ کے محافظ تھے مکان معروف غسلخانہ میں طلب کرکے اور اُنکی معرفت اُسوقت قلعہ کے دروازوں کی کھڑکیاں کھلواکر غسل و کفن کی تیاری کے لیئے سید محمد قنوجی کو جو بڑے عالم اور درویش مسلک تھے۔ اور اس قید کے زمانہ میں اکثر شاہجہان کی صحبت میں رہا کرتے تھے مع مُلّا قربان قاضی دارالخلافہ آگرہ قلعہ میں بُلوالیا۔ چنانچہ آدھی رات کیوقت جب وہ دونوں حاضر ہوئے تو قضاے روزہ و نماز کے عوض (اگرچہ بقول صاحب عالمگیرنامہ اُسکی نماز و روزہ کبھی قضا نہوے تھے) برسم "اسقاط" اوّل بہت سا روپیہ خیرات کیا گیا۔ اور بعد ازاں برج مثمن سے کہ جہاں انتقال کیا تھا لاش کو اُٹھاکر ایک قریب کے مکان میں غسل و کفن دیکر صندل کے تابوت میں رکھا گیا۔ اور برج مثمن کے نیچے کا دروازہ جو مسدود کیا ہوا تھا کھلواکر اُسکے راستہ سے اور فصیل بیرونی کے

شاہ جہاں کی وفات کا ذکر	میں ابھی گولکنڈا ہی میں تھا کہ

شاہ جہاں کے انتقال کی خبر سُنی گئی اور یہہ بھی سُننے میں آیا کہ اورنگ زیب نے باپ کے مرنے کا بڑا غم کیا اور سوگ کی وہ تمام علامتیں ظاہر کیں جو بیٹے کو باپ کے ماتم میں کرنی چاہییں - اور فوراً آگرہ کو کوچ کر دیا - اور وہاں پہنچنے پر بیگم صاحب نے بڑی دھوم سے اُسکا استقبال کیا اور کمخواب کے تھان لٹکا کر بادشاہی مسجد سجائی گئی - اور اسی طرح وہ مکان بھی سجایا گیا جہاں قلعہ میں داخل ہونے سے پہلے ٹھہرنے کا ارادہ تھا - اور جب محل میں پہنچا تو شاہزادی نے ایک بڑا سا سونے کا تھال جواہرات سے بھرا ہوا نذر کیا جنمیں سے کچھ تو شاہ جہاں کے متروکہ تھے اور کچھ اُسنے اپنے پاس سے پیشکش کیئے تھے - بہن کیطرف سے یہہ گرمجوشی اور محبت کا برتاؤ دیکھکر اورنگ زیب کا بھی دل پسیج گیا - اور اُسنے اُسکی گزشتہ باتوں سے درگزر کی - اور اُسوقت سے اُسکے ساتھ مہربانی اور فیاضی سے پیش آتا ہے - [1]

---

[1] شاہ جہاں کی وفات کا احوال جو کچھ عالمگیر نامہ میں لکھا ہے اُسکا ماحصل یہہ ہے کہ اس قیدی بادشاہ کو بارہویں رجب سنہ ۱۰۷۶ (ایکہزار چھہتر) ہجری کو حبس بول کا وہی پرانا عارضہ جسکو مرض الموت کہنا چاہیئے پھر لاحق ہوا - حکیم مومنائے شیرازی نے جو اُسوقت کے شاہی طبیبوں میں ایک مشہور شخص تھا ہر چند علاج کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا - بلکہ اسہال وغیرہ کئی طرح کے اور عوارض پیدا ہو کر زندگی سے یاس ہوگئی - جب یہہ خبر عالمگیر کو پہنچی تو باپ کی آخری زیارت کو دہلی سے آگرہ جانے کا ارادہ کیا - مگر چونکہ بادشاہی کوچ و مقام کے لیئے

بقیہ حاشیہ سیواجی

اور انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ اسکی حکومت کا کل زمانہ مسلسل لڑائیوں اور پولیٹکل سازشوں کا ایک ایسا منظر ہے کہ جسمیں وہ ایک نہایت ہوشیار جنرل اور ایک قابل مگر مکار تدبر کی سی لیاقتیں ظاہر کرتا رہا۔ اور ہر ایک خوفناک ضرورت کے وقت خواہ وہ کیسے ہی انتہا درجہ کی اور یکایک پیش آئی ہو اسکی شجاعت و جرات میں ذرا بھی فرق نہ آتا تھا۔ بلکہ فی الفور اسکا ایسا تدارک کرتا جو عین موقعہ وقت کے موافق ہوتا۔ اور کسی جان جوکھوں میں پڑتے وقت موت و زندگی کی اسکو مطلق پروا نہوتی تھی"۔

خلاصہ یہہ کہ حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیر بہادر اور سیواجی مہاراج اپنے اپنے طور پر دونوں ہی عجیب و غریب شخص تھے۔ اور اگرچہ مختلف قالبوں میں ڈھلے ہوئے تھے مگر مادہ ایک ہی تھا

س م ح

بقیہ حاشیہ لفظ ھن

اور سرکاری حساب کتاب اور لین دین میں بھی بجائے روپیہ کے پیگوڈا ہی کا چلن تھا۔ مگر ۱۸۱۹ء (اٹھارہ سو انیس) عیسوی سے حکام انگریز نے آخر کار بجائے اُس طلائی سکّہ کے روپیہ کو تمام ہندوستان کے لیے سکہ رائج الوقت قرار دیدیا اور دیوا، ھن، پیگوڈا۔ سب متروک ہوکر اُنکے نام کتابوں میں لکھنے کو رہ گئے۔

ماخوذ از:

- خط مولوی چراغ علیخاں صاحب بہادر عہدہ دار گورنمنٹ نظام۔
- چٹھی مسٹر چارلس راجرس صاحب سابق پرنسپل شہری نارمل سکول امرتسر حال از جبولاجی کل سرویہ۔
- رسالہ ڈاکٹر بیڈی صاحب سرجن میجر و سوپرنٹنڈنٹ عجائب خانہ مدراس مندرجہ جنرل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال مطبوعہ ۱۸۵۳ء جلد ۲۲ حصہ اوّل نمبر اوّل۔

س م ح

عالمگیرنامہ وغیرہ فارسی تاریخوں میں جو اُسکے مخالفوں کی لکھی ہوئی ہیں جہاں اُسکی مکاری اور غارتگری اور مکر وفریب وغیرہ کی ہجو لکھی ہے اُسی کے ساتھ اُسکی چستی چالاکی اور بیحد دلاوری وجرأت کا بھی اقرار کیا ہے۔ اور الفنسٹن صاحب کہتے ہیں کہ بلحاظ اُس وقت کے اُسکا ملکی اور فوجی انتظام دونوں عمدہ تھے۔

سے یہ کسیقدر مقعّب یعنی کچھ اُبھرا ہوا ہے۔ اور ایک اَور ھن جو ہمارے کرمفرما کرنل سی۔ ایچ۔ ٹی۔ مارشل صاحب بہادر نے حیدرآباد ہی سے بھیجا ہے اُس سے چھوٹا ہے۔ اور اسکے نقوش بھی اُس سے مختلف ہیں۔ یعنی رو کی طرف گوڈا پرندہ (نیکنٹھ) بنا ہوا ہے۔ اور اُسکی دونوں چونچوں اور دونوں پنجوں میں ہاتھی لٹکتے ہیں۔ اور پشت کی جانب سنسکرت کے کچھ حروف ہیں اور بجسب ظاہر شکل اُسکی مطابق اُس نقشہ کے پائی جاتی ہے جو ڈاکٹر بیڈی نے راجہ دیورائے وجے نگروالے کے ایک سکہ کا اپنے مضمون کے خاتمہ میں چھاپا ہے۔ جب پرتگیزوں۔ ڈچوں۔ انگریزوں نے ھندوستان کے ساحل جنوبی ومغربی پر ابتداءً دخل پایا۔ تو بعض راجاؤں کے ہنوں پر مندر کی صورت مضروب دیکھکر انہوں نے بجائے پہلے ناموں ویراھا یا ھن کے عموماً اسکا نام پیگوڈا رکھدیا۔ جسکو بعض انگریزی ڈکشنریوں میں لفظ بتکدہ کی خرابی بتایا ہے۔ لیکن بارتال میو نامے ایک یورپین محقق سیاح نے جو مدراس میں ۱۷۷۶ (سترہ سو چہتر) عیسوی سے لیکر ۱۷۸۹ (سترہ سو نواسی) عیسوی تک رہا تھا اُسکی اصل یہ بتائی ہے کہ بعض پر "بھگوتی یا بھگودی (دیوی) کی تصویر ہوتی تھی۔ اسوجہ سے اُسکو بھگوتیہ یا بگھودتیہ کہتے تھے تو ان نووارد فرنگیوں نے بگاڑ کر پیگوڈا بنالیا۔ بہرحال حیدر نایک اور اُسکے بیٹے سلطان ٹیپو کے زمانہ میں بھی ھن مضروب ہوتے تھے جو بہادری اور سلطانی ھن کہلاتے تھے۔ اور آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی دکن کی ٹکسالوں میں بھی برابر ۱۸۱۸ (اٹھارہ سو اٹھارہ) تک پیگوڈا مضروب ہوتے رہے۔

انتقال کے وقت اُسکی حکومت چار سو میل طول اور ایکسو بچیس میل عرض کے
قطعہ زمین پر پھیلی ہوئی تھی - اور راج تلک کی رسم باقاعدہ اور ازادانہ طور پر
بڑی شان و شوکت سے ادا کرکے خودسر راجہ بن چکا تھا - جسکو چھٹی جون ۱۶۷۴ع
(سولہ سو چوہتر) عیسوی کو ایسٹ انڈیا کمپنی انگریزی کے کارخانہ بمبئی کے ایک
ایجنٹ نے جو مبارکباد دینے کے لیئے ایلچی بنکر گیا تھا بچشم خود دیکھا تھا اور اُسنے
ایک ایسی مستقل اور دیرپا حکومت قائم کرلی تھی اور اپنی قابلیت اور تدبیروں سے
پولیٹکل اغراض کو مذہبی تعصبات کا رنگ چڑھاکر اور سادہ لوح لوگوں کو ایسے اشارے
اور کرشمے دیکھاکر جس سے معلوم ہو کہ اُسکے حال پر دیوی دیوتاؤں کی طرف سے
بھی دیا کی نگہ ہے - جیساکہ دنیا کے اکثر حصّوں میں ہوتا رہا ہے اپنے مُلک کے
بھوکے اور جاہل باشندوں میں ایک ایسی سپاہیانہ اُمنگ اور مذہبی جوش پیدا
کردیا اور اپنے مُلک کے گمنام باشندوں کا پیشرو بنکر اُنکو بہادر اور جنگجو قوم
مرہٹہ کے نام سے ھندوستان کی تاریخ میں نامور اور مشہور کردیا - اور ایک
ایسی بنیاد ڈال گیا جو اُسکے پیچھے آنے والوں کے لیئے مغلیہ سلطنت کے ضعف
کے زمانہ میں مُلک و حکومت حاصل کرنے میں بہت ہی کار آمد ہوئی -

---

علم تاریخ کے لیئے چنداں فائدہ نہیں پہنچتا - اور اگرچہ ان سکوں کا مقدار وزن
کسیقدر مختلف رہا ہے اور ایک بڑے مقدار کا سکہ دام ٹکہ کے نام سے بھی
مضروب ہوچکا ہے - مگر اکثر یہ وزن اس سکہ کا قریب ایک ثلث مروجہ اشرفی
کے رہا - چنانچہ ایک ھُن جو ہمارے کرمفرما مولوی چراغ علیخاں صاحب
بہادر عہدہ دار گورنمنٹ نظام نے مع بعض کوائف تاریخی متعلقہ سکہ ھُن
کے حیدرآباد دکن سے بھیجا ہے - اسکا وزن ساڑھے تین ماشہ ہے
اسکے رو کی طرف تین ہندوانی مورتیں ہیں جنمیں سے ایک بیچ کی بڑی اور
دو آس پاس کی چھوٹی چھوٹی ہیں - اور پشت کی جانب صرف باریک باریک
دانے یا نقطے سے ہیں اور اسکا قطر انگریزی دوانی سے کچھ کم ہے اور اسیقدر

بقیہ حاشیہ سیواجی:

تو فروغ اسکا زیادہ سے زیادہ ہو گیا۔ یہانتک کہ اُسنے تیرہویں سال جلوس مطابق سنہ ۱۰۸۱ (ایکہزار اکاسی) ہجری میں نہ صرف بندر سُورت کو ہی لوٹا اور جلایا بلکہ اکثر قلعے وغیرہ بھی جو اُس سے چھین لیئے گئے تھے اُنپر بھی پھر قابض ہو گیا۔ اور چونکہ وہ کسی طرح بادشاہی فوجوں کے قابو میں نہ آتا تھا اورنگ زیب نے دق ہو کر اس مناسبت سے کہ اُس ملک کے پہاڑوں اور جنگلوں میں چوہے بہت کثرت سے ہوتے ہیں اُسکا نام "موش کوہی" رکھ دیا تھا۔

اسنے عالمگیر کے جلوس کے تیئیسویں سال میں چوبیسویں ربیع الثانی سنہ ۱۰۹۱ (ایکہزار اکانوے) ہجری کو (حسب قول مصنف ماثر عالمگیری) و بقول الفنسٹن صاحب پنجم اپریل سنہ ۱۶۸۰ (سولہ سو اسی) عیسوی کو ترپن برس کی عمر میں راجگڈھ میں جو اُسکا دار الریاست تھا انتقال کیا۔ اسکی موت کا باعث ماثر عالمگیری میں یہ لکھا ہے کہ "کہیں سواری سے آکر شدت گرمی سے وہ دو دفعہ خون کی قے کی اور مر گیا"۔ اور انسائیکلوپیڈیا میں اُسکا مرنا ذات الصدر کی بیماری میں اور مرہٹوں کی تاریخ میں مرنے سے پہلے وجع المفاصل یا نقرس کے باعث سر گھٹنوں کے ورم اور تپ میں اُسکا مبتلا ہونا لکھا ہے۔

بقیہ حاشیہ لفظ ہن:

میں سفارت پر آیا تھا اپنی کتاب مطلع السعدین و مجمع البحرین میں دیجانگر کے عظیم الشان راجہ کے سکہ کا نام ویراہا ہی لکھا ہے۔ اور وزن اسکا ایک مثقال (یعنی ساڑھے چار ماشہ) بتایا ہے۔

اغلب ہے کہ جب مسلمانوں کی حکومت دکن و مدراس میں قائم ہوئی تو ویراہ (سور) کے لفظ کو مکروہ سمجھکر اس سکہ کو اسکی جنس کے نام سے بجائے ویراہا کے ہن کہنا شروع کر دیا۔ جیسا کہ زمانا بخارا کے سونے کے سکہ کو عموماً طلا کہتے ہیں۔ غرضکہ دکن میں زمانہ دراز سے ہندوؤں کے مختلف اقسام سونے کے سکوں کا نام ہن ہے۔ مگر اقوام یورپ اور اہل اسلام کے سکوں کی طرح انپر اکثر صاحب سکہ کا نام اور سال و مقام ضرب نہیں ہوتا۔ اسلیئے ہن سے

بقیۂ حاشیہ سیواجی

اردگرد پہرے لگادے - اور راجہ جے سنگھ کو کہ جسکی وساطت سے
وہ حاضر ہوا تھا لکھا گیا کہ اسکے معاملہ میں جو مناسب جانے رپورٹ کرے - اس
عرصہ میں اگرچہ سنبھاجی دربار میں حاضر ہوا رہتا تھا - مگر سیواجی کو ایسا ہراس
غالب ہوا کہ وہ سب ہوا اُسکے دماغ سے نکل گئی اور امرا کے پاس جاجا کر گڑگڑانے
لگا - اسی اثنا میں راجہ جے سنگھ کا جواب بھی آگیا کہ چونکہ میں اسکے ساتھ عہد
کرچکا ہوں اور ہنوز بیجاپور کی مہم میں مشغول ہوں ، اگر درگذر کیجائے تو اس میں
میری بھی سرخروئی ہے - اور کاروبار مہم کے لیئے بھی یہہ امر مناسب اور قرین مصلحت
ہے - اسپر بادشاہ نے اسکی خطا معاف کردی - اور پہرے اُٹھوا دیئے اور سنبھاجی
پر بھی کچھ اور زیادہ اظہار عنایات ہونے لگا - اور ارادہ تھا کہ چند روز بعد خود اُسکو بھی
حاضر دربار ہونے کی اجازت دیکر باعزاز و اکرام رخصت کردیا جائیگا - مگر سیواجی
کو اپنی سابقہ اور حالیہ حرکتوں کے باعث اور بادشاہ کے "قہر و غضب" کے اندیشہ
سے ایسی بیقراری تھی کہ جب اُسنے دیکھا کہ پہرے اُٹھ گئے ، اور کنور رام سنگھ
نے بھی خواہ غفلت سے خواہ سازش سے نگرانی میں کوتاہی کی تو ستائیسویں صفر
۱۰۷۶ھ (ایکہزار چھہتر) ہجری مطابق سال نہم جلوس عالمگیری کو بھیس بدل کر آگرہ
سے ایسا بھاگا کہ پھر کبھی قابو میں نہ آیا - اور جب آٹھ نو مہینے کے بعد خدا جانے
کن کن حکمتوں اور تدبیروں سے اپنی اور اپنے بیٹے کی تلاش اور تعاقب کرنیوالوں
سے جان بچاکر ماہ دسمبر ۱۶۶۶ء (سولہ سو چھیاسٹھ) عیسوی میں راجگڈھ واپس جا پہنچا -

---

بقیۂ حاشیہ لفظ ھن

اُس ملک میں انکا سکہ عموماً ویراھا مشہور تھا - اور اگرچہ ان کی حکومت تقریباً
۱۲۵۰ء (بارہ سو پچاس) عیسوی میں جاتی رہی تھی مگر اس ملک کے سونے
کے سکہ پر لفظ ویراھا کا اطلاق بعد میں بھی جاری رہا - چنانچہ کمال الدین
عبدالرزاق سمرقندی نے جو نویں صدی ہجری مطابق ۱۴۴۱ء (چودہ سو اکتالیس)
عیسوی میں سلطان شاہ رُخ والی خراسان کی طرف سے راجہ دیو رائے
کے پاس (جسکو چلوکیہ خاندان سے کچھ تعلق نہ تھا) اسکی دارالحکومت وجی نگر

ایسی معقول دی گئی کہ جو امراء خاص کے لیئے تھی اور اُسی دن کچھ اور اعزاز و اکرام بھی ہونیوالے
تھے اور یہہ امر مقرر ہو چکا تھا کہ چند روز حاضر دربار رکھکر عزت و توقیر کے ساتھ رخصت کر دیا
جائیگا - مگر اُس اکھڑ مزاج شخص کو اپنے کھڑے ہونے کی جگہ جو بعض مورخوں کے
نزدیک تیسرے درجہ کے امیروں یعنی پنجہزاری کے منصب والوں کے لیئے
مقرر تھی - اور اور رسوم درباری کچھ ایسی ناگوار اور اپنی عزت کے منافی معلوم ہوئیں
کہ اُسنے کنور رام سنگھ کو علٰحدہ لیجاکر اُسی وقت سخت شکایت کی اور بقول صاحب
عالمگیر نامہ جو "توقعات بیجا و مقاصد دور از کار در خیال اسے خام" پکائے ہوئے
تھے نہایت رنجیدگی سے اُنکا اظہار کیا - اگرچہ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اُسکو
مارے رنج و غیرت کے دربار میں غشی ہوگئی تھی - مگر یہہ قول کچھ معتبر نہیں معلوم
ہوتا — کیونکہ صاحب عالمگیر نامہ کو اسکے چھپانے کی بجب ظاہر کچھ ضرورت
نہ تھی المختصر بادشاہ نے اِس حرکت سے ناراض ہو کر بغیر اُن مراسم اعزاز و عنایت
کے جو اُسکے لیئے تجویز ہوئے تھے حکم دیا کہ ڈیرہ کو چلا جائے اور کنور رام سنگھ
کو جو اُسکے معاملات میں متوسط تھا یہہ ارشاد ہوا کہ اُسکو اپنے ڈیرے پاس (جو شہر
سے باہر تھا) اُتار کر نگرانی کرتا رہے - اور اُسکے بیٹے سنبھاجی کو جو منصب
پنجہزاری پر بدستور مامور تھا کبھی کبھی اپنے ساتھ دربار میں لاتا رہے اور اُسکے
بھاگ جانیکے اندیشہ سے فولاد خاں کوتوال کو حکم ہوا کہ اُسکے ڈیرہ کے

اُس خاندان کے راجاؤں نے جنکو ڈاکٹر بیڈی صاحب چلوکیہ لکھتے ہیں
جب اودھ سے جاکر دکن میں اپنی بادشاہی قائم کی تو منجملہ اُن علامتوں کے
جو بطور اپنے نشان کے وہ سکوں وغیرہ پر لگاتے تھے ویراہ کی تصویر
(جو سنسکرت میں سُور کو کہتے ہیں خواہ ویراہ اوتار کی مناسبت سے یا
کسی اور وجہ سے) اُنکے سکہ پر منقش ہوا کرتی تھی چونکہ اس خاندان کی شاہی
حکومت مدراس - حیدرآباد دکن - اور بمبئی کے ایک بہت بڑے
حصہ پر تقریباً آٹھ نو سو برس تک بڑی شان و شوکت سے
رہی تو ہو سکتا ہے

تتمۂ حاشیہ سیوا جی

باقیماندہ بارہ قلعے مع علاقہ جمعی ایک لاکھ ہُن سیوا جی کے پاس چھوڑ دیے گئے۔
اور اُسکے ہشت سالہ بیٹے سنبھاجی کے نام پنجہزاری پنجہزار سوار کا منصب
عطا ہوگیا۔ اور سیوا جی نے یہہ بھی قبول کرلیا کہ اُس نواح میں اگر کوئی مہم پیش
آئیگی تو بذات خود بادشاہی فوج میں شامل ہوکر خدمت کرونگا۔ غرض کہ جب
شرطیں طے ہوچکیں اور سنبھاجی بھی راجہ کے لشکر میں پہنچگیا تو سیوا جی کو جو
بغیر ہتھیار باندھے دربار میں آیا کرتا تھا راجہ جے سنگ نے اپنے سامنے ہتھیار
بندھوا دیئے۔ اور خلعت دیکر عزت کے ساتھ رخصت کردیا۔ اور چونکہ راجہ کو وہی
جگہہ سے بیجاپور پر فوج کشی کرنے کا حکم آگیا تھا۔ اسلیئے سیوا جی بذات خود
مع پندرہ سو سواروں اور سات ہزار پیادوں کے اس مہم میں کام دیتا رہا اور
اگرچہ اس نے کچھ عرصہ بعد اُسنے اوّل سنبھاجی کو عالمگیر کے دربار میں بھیجدیا
اور راجہ جسونت سنگ کی معرفت جان و عزت کی حفاظت اور حسن سلوک کا وعدہ
لیکر۔ اور اپنی جگہہ فوج کی سرداری پر اپنے داماد کو راجہ کے پاس چھوڑکر دربار جشن
سالانہ کے موقعہ پر بادشاہ کو سلام کرنے کے لیئے بطور جریدہ اکبر آباد کو چلا آیا۔
اور بادشاہ کی طرف سے بھی یہہ مدارات ہوئی کہ کنور رام سنگ پسر راجہ جے سنگ
اور مخلص خاں نامے ایک اور امیر اُسکو استقبال کرکے دربار جشن میں لائے
اور بادشاہ کے حضور میں اُسکے کھڑے ہونے کو بقول صاحب عالمگیر نامہ جگہہ بھی

تتمۂ حاشیہ لفظ ھُن

کہ فارسی اور بھاشا میں جو سین اور ہاء ہوز کہیں کہیں (مثل آماسیدن
وآماہیدن۔ وماہ وماس۔ وده ودس یا ہور وسور۔ وبوس وبوہ وبیاس
وبیاہ وغیرہ) باہم بدل جایا کرتے ہیں اسیطرح اس لفظ میں سونے کا سین
ھون کی ہے سے بدل گیا ہو۔ اگرچہ یہہ امر تحقیق ہے کہ بہت قدیم زمانہ سے
ممالک دکن میں سکہ رائج الوقت سونے ہی کا ہوتا تھا۔ لیکن ٹھیک طور پر یہہ بات
معلوم نہیں ہوتی کہ بودھ مت والوں کے زمانہ میں یا اُس سے پہلے اِن
سکوں کا عام نام کیا تھا۔ مگر البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی عیسوی میں

سے بنگالہ کی صوبہ داری پر بدل دیا اور بجائے اسکے شاہزادہ محمد معظم کو دکن کا
صوبہ دار مقرر کرکے راجہ جے سنگہ کچھواہہ کو جو لیاقت اور دانائی میں مشہور اور
ایک بڑا رکن سلطنت تھا راجہ جسونت سنگہ کی جگہہ جسکی نسبت سیواجی کے
ساتھ سازش رکھنے کا شبہ تھا اپنے جلوس کے ساتویں سال سنہ ۱۰۷۵ (ایکہزار پچہتر) ہجری
میں مع دلیرخاں و راجہ رائے سنگہ سسودیہ اور اور دس بارہ ہندو اور
مسلمان بڑے بڑے سرداروں کے چودہ ہزار سواروں کی جمعیت سے روانہ کیا۔
خلاصہ یہہ کہ راجہ جے سنگہ نے اورنگ آباد پہنچکر اول شاہزادہ سے ملازمت
حاصل کی اور بعد ازاں پونا میں جاکر راجہ جسونت سنگہ سے مہم کا چارج لیا
اور قلعہ رود رمال وغیرہ خصوصاً سیواجی کے کلاں تر قلعہ پورن دھر کو کہ
جسمیں اسکا بہت سا ساز و سامان اور چار ہزار لڑاکے سپاہی اور تین ہزار اور مرد و عورت
اور بعض عزیز و اقارب اور کتنے ہی کارآزمودہ افسر موجود تھے زور شور سے دلیرخاں
اور کیرت سنگہ نے گھیر لیا سیواجی جو اسوقت قلعہ راج گڈہ میں مع اہل و
عیال خود موقعہ جنگ سے قریب ہی تھا حملہ آوروں کی شجاعت و لیاقت کے باعث
پورن دھر کے بچاؤ سے مایوس ہوگیا اور مجبور ہوکر عجز و نیاز کا اظہار شروع کیا جسکے
جواب میں راجہ نے یہہ کہلا بھیجا کہ اگر مجرموں کی طرح ہتھیار کہولکر حاضر ہوجائے تو اسکی اطاعت
قبول کیجائیگی غرض رجب ۱۰۷۶ (ایکہزار چہتر) ہجری عالمگیر کے آٹھویں سال جلوس
میں سیواجی حاضر ہوگیا تو راجہ نے اسکی بہت خاطر کی اور اول قلعہ پورن دھر کو جو
قریب الفتح ہوگیا تھا مع کل سامان جنگ وغیرہ اس سے لیکر آخر ان شرائط پر صلح کرلی
کہ ملک کوکن کے پینتیس ۳۵ قلعوں میں سے جو اسوقت اسکے قبضہ میں تھے تیئس ۲۳
قلعے مع بندر جیول و ملحقات جنکی دس لاکہ ہن کے سرکار بادشاہی میں آگئے۔ اور

حاشیہ در حاشیہ ہن:

* ہندوستان کے ساحل مغربی و جنوبی پر ملک کا وہ حصہ اور طولانی قطعہ جسکو کنھڑ
کہا جاتا ہے اور شمال کی طرف علاقہ کوکن سے شروع ہوکر جنوب کی سمت میسور
کے قریب ختم ہوتا ہے وہاں کی زبان میں جسے کنھڑی کہتے ہیں ھن یا ھونو
سونے کو کہتے ہیں اور اسجگہہ اس سے سونے کا سکہ مراد ہے۔ اور تعجب نہیں ہے

شبخون شائستہ خاں پر سیواجی

ٹھیرتا تھا رسد و باربرداری کی ضرورتوں کی وجہ سے وہاں کے باشندوں پر ایک تباہی آن پڑتی تھی۔

غرضکہ جب شائستہ خاں کو کامیابی نہوئی تو مہاراجہ جسونت سنگ راٹھور صوبہ دار گجرات کو بھی مع اسکی کل فوج کے مدد کے لیئے بھیجا گیا۔ اگرچہ یہہ بھی مدت تک مامور رہا مگر کوئی کار نمایاں اس سے بھی ظہور میں نہ آیا۔ بلکہ اورنگ زیب کے جلوس کے چھٹے سال ۱۰۷۳ (ایکہزار تہتر) ہجری میں جبکہ شائستہ خاں پونا میں اُترا ہوا تھا سیواجی نے یہانتک جسارت کی کہ ایک روز سرشام اپنے پہاڑی قلعہ سنگم نیر سے جو پونا سے بارہ میل کے فاصلہ پر تھا روانہ ہوا۔ اور راستہ میں تھوڑے تھوڑے سپاہی اس خیال سے چھوڑتا آیا کہ اگر ضرورت پڑے تو کام آیئں اور خود صرف پچیس ۲۵ ماہولی مرھٹوں کو ساتھ لیکر ایک برات میں جو حسب اتفاق پونا کو جاتی تھی ملکر شہر میں داخل ہوگیا۔ اور اس طرح پر شائستہ خاں کے چوکی پہروں کی مزاحمت سے بچ نکلا۔ چونکہ شائستہ خاں اسی مکان میں رہتا تھا جسمیں سیواجی نے پرورش پائی تھی۔ اور اسوجہ سے اسکو اُس مکان کی کُل حالت بخوبی معلوم تھی اسلیئے اُسکے ایک دروازہ سے جو پشت مکان کی طرف تھا چپکے سے شائستہ خاں کی خوابگاہ میں جا گھسا اور یکایک اس طرح سے حملہ کیا کہ اس ہڑبڑاہٹ میں ایک کھڑکی کے راستہ نیچے کے مکان کی طرف کود کر بھاگتے ہوئے شائستہ خاں کی تو ایک اُنگلی کٹ گئی اور ابوالفتح اُسکا بیٹا مقابلہ میں مارا گیا۔ چونکہ سیواجی اپنے ارادہ کے موافق شائستہ خاں کو قتل یا گرفتار نکر سکا تو قبل اسکے کہ باہر کے پہرہ والے اس حادثہ سے خبردار ہوں پھرتی سے باہر نکل آیا۔ اور جوں جوں آگے بڑھتا گیا تو وہ لوگ جو راستہ میں بٹھائے ہوئے تھے ساتھ ملتے گئے اور صحیح و سلامت اپنے قلعہ میں جا داخل ہوا اور اس کامیابی کی اسقدر خوشی منائی گئی کہ چراغوں اور مشعلوں کی روشنی بادشاہی فوج کو پونا میں بخوبی دکھائی دیتی تھی سیواجی کے اس کارنامہ سے اُسکے اور اسکی قوم کے حق میں ایک نہایت ہی مفید اثر پیدا ہوا۔ بادشاہ نے اس حادثہ کو امیرالامرا کی غفلت پر محمول کیا اور میر جملہ کی وفات کے باعث

سال جلوس میں دولت آباد سے فوج کشی کرکے قد. پونا اور چاکنہ کے مضبوط قلعہ کو سیواجی سے چھین لیا۔ مگر اسکے ناہموار و پہاڑی ملک کی دشوارگزاری اور مرہٹوں کی سخت جفاکشی کی عادت سے شایستہ خاں کو حسب دلخواہ کامیابی نہوئی۔ اگرچہ ظاہر ہے کہ سیواجی کے اس ابتدائی زمانہ میں اُسکے گرد کے لوگ اور بھی زیادہ جفاکش ہوں گے مگر اسکے مرجانیکے بعد بھی مرہٹوں کا یہ حال تھا کہ جب اورنگ زیب اپنے بڑھاپے کے دنوں میں گولکنڈا اور بیجاپور کو نیست و نابود کرکے مرہٹوں کے پیچھے دوڑ دھوپ کر رہا تھا تو الفنسٹن صاحب نے اس عالی ہمت بڈھے بادشاہ کی ناکامیابی کی وجوہات کے ذکر میں مرہٹوں کی عادت جفاکشی کا بیان اس طرح پر لکھا ہے کہ " انکی سواری میں چالاک اور دور دم گھوڑے ہوتے تھے جن پر بجاے زین کے کمبل کے تہ در تہ صرف ایک گدی سی کس لیتے تھے اور توڑہ دار بندوق اور ڈھال تلوار کے علاوہ عموماً ایک لمبا برچھا رکھتے تھے خوراک و لباس میں اسی پر قناعت تھی کہ جوار کی ٹکیہ اور کچی پیاز انکی معمولی غذا تھی! اور لباس میں ایک پگڑی چست جانگیہ اور ایک چھوٹی سی کرتی! سواے سرداروں کے خیمہ کسی کے پاس نہوتا تھا۔ اور لڑائی بھڑائی کے موقعوں میں مرہٹے سوار اپنے برچھے اور بھالوں کو زمین میں گاڑکر گھوڑوں کی لگامیں اپنے اپنے بازو سے باندھکر زمین پر پڑ رہا کرتے تھے " غرض کہ اس شعر کے مصداق تھے۔ شعر

" تنگ زیر تنگ بالا ــ نے غم دزد ــ نے غم کالا " نہ باربرداری کی ضرورت نہ کمسریٹ کی حاجت۔ اور ان کے مقابلہ میں مغلیہ فوجوں کی یہ صورت تھی کہ اگرچہ بہادری اور سپاہگری کی توان میں بھی کچھ کمی نہ تھی مگر عموماً یہ خرابی پھیلی ہوئی تھی کہ امیر سے لیکر سپاہی تک ساز و سامان بہت رکھتے تھے یہانتک کہ ان کے لشکروں میں اہل خدمت اور اہل بازار وغیرہ کی یہ بھیڑ بھاڑ ہوتی تھی کہ ہر کے لوگ سپاہیوں سے دس گنے ہوجاتے تھے جسکا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ رسد اور باربرداری دونوں کی نہایت ہی غیر معمولی ضرورت رہتی تھی اور اسکے باعث سے کوچ و مقام میں وہ پستی رہا کی جو مرہٹوں جیسے جفاکش اور سبک بار دشمنوں کے مغلوب کرنے کو خصوصاً ایسے پہاڑی ملک میں ضروری تھی۔ اسنے نہیں ہوسکتی تھی۔ بلکہ جہاں کہیں انکا لشکر جاکر

بنفسے - علانیہ باغی ہوکر یہہ عجیب دانوں کھیلا کہ ۱۶۹۹ء سولہ سو ننانوے عیسوی میں افضل خاں نامے اُن کے ایک بہت بڑے سردار کی خدمت میں جو اسکی سزادہی کے لیئے فوج لیکر آیا تھا اور جسکی شجاعت اور زور و قوّت سے فی الحقیقت یہہ خائف تھا یہہ درخواست پیش کی کہ اگر خانصاحب میرے حال پر ترس کھائیں تو مہربانی فرماکر میرا خوف اور اندیشہ دور کرنے کے لیئے ایک جگہہ لشکر سے اکیلے ہوکر تشریف لے آئیں اور اسی طرح میں بھی اکیلا ہی حاضر ہوجاتا ہوں اور جب وہ میری معروضات سنکر تسلی وتشفی فرمادینگے تو فرمانبرداری اور اطاعت سے مجھے کچھ عذر نہیں - چنانچہ جبکہ اس قرارداد کے موافق خانصاحب باریک ململ کا جامہ پہنے ہوئے - اور صرف شان دکھانے کے لیئے ایک سیف ہاتھ میں اُٹھائے اور محض ایک خدمتگار ساتھ لیئے ہوئے خراماں خراماں آگے کو بڑھے اور سیواجی بھی قلعہ پرتاب گڈھ سے سہمی صورت بنائے لرزتا کانپتا سامنے سے صرف ایک ہمراہی سمیت نظر آیا - اگرچہ ظاہر میں کوئی ہتھیار اُسکے پاس موجود نتھا - مگر روئی کے دگلے کے نیچے زرہ پہنے اور ایک آبدار تیغہ چھپائے ہوئے اور اُنگلیوں پر فولادی کانٹے جسکو بگھ نوہ یعنی ناخن شیر کہتے ہیں جڑھائے ہوئے تھا - افضل خاں نے اُسکو خوف زدہ دیکھکر اظہار عنایت کے لیئے بغلگیر ہونے کو جوں ہیں ہاتھ پھیلائے تو اسنے چھپ سے ہے فولادی پنجہ کو جو آستین میں چھپا ہوا تھا بڑے زور سے اُسکے پیٹ میں گڑو دیا - اور ہنوز وہ اس حرکت بیجا کے تعجب سے فارغ نہوا تھا کہ بغل سے تیغہ نکالکر کام تمام کیا ! اور خانصاحب نے جو پنجہ کھاکر سیف کا وار کیا تھا وہ اسکی زرہ کے باعث سے کارگر نہوا - اس کامیابی کے بعد اور اس دشوار گزار پہاڑی ملک میں جسکی حد سمندر تک منتہی ہوتی ہے ایسا زبردست شخص ہوگیا کہ ۱۶۶۲ء سولہ سو باسٹھ عیسوی تک اُسکے پاس سات ہزار سوار اور پچاس ہزار پیدل کی جمعیت ہوگئی تھی جنکی معاش کا مدار بہ نسبت مقررہ تنخواہ کے زیادہ تر لوٹ کھسوٹ پر تھا اور سمندر کے کنارہ تک مع چند بندرگاہوں کے اپنی حکومت کو وسعت دیکر کچھ کچھ مغلیہ سلطنت کے علاقوں واقع دکن میں بھی غارتگری اور دست درازی شروع کردی تھی اسلیئے امیرالامرا شایستہ خاں صوبہ دار نے عالمگیر کے دوسرے

آپسیں سنتے ہیں تو ان سپاہیانہ شوق اور سیر و شکار کے سپاٹوں کے باعث سے
سیواجی کے بڑے رفیق ابتدا ہی سے ایسے لوگ ہوئے جو یا تو اُسکے باپ کے
سواروں میں بھرتی تھے یا گھاٹوں (یعنی کوہستان سہیادری کے سلسلوں کے)
پاس پڑوس کے رہنے والے ڈاکو اور لٹیرے تھے۔ اور کہتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسا
بھی اتفاق ہوا کہ بعض ڈکیتی کی وارداتوں میں مخفی طور سے یہ اُن کا شریک بھی ہوتا تھا
غرض کہ ان جفاکش اور مضبوط آدمیوں کی صحبت سے اور اُن دیہاتی راگوں (یعنی ساکھوں)
کے سننے سے جن میں اُس ملک کے بعض سورما لوگوں کی کہانیاں گائی جاتی تھیں
اُسکی طبیعت میں بڑے بڑے خیال پیدا ہوئے اور جب یہ آفت کا پرکالہ سولہ برس کی
عمر کو پہنچا تو اپنے اتالیق دادا جی کے قابو سے بھی نکل گیا اور باپ کی جاگیر کے کاروبار
میں خواہ مخواہ دخل دینے لگا۔ اور جب تھوڑے عرصہ بعد وہ برہمن بھی مرگیا۔ تو قلعہ
چاکنہ پر قلعدار سے ملکر قبضہ کرلیا۔ اور قلعہ سنوپا کو چھاپہ مارکر چھین لیا۔ اور وہ
جفاکش مرہٹے جو پونا کی سمت مغربی کے اُجاڑ علاقہ کے رہنے والے (اور ایک
پرانے قصبہ ماھول متصل شولاپور کے قرب وجوار کی سکونت کی مناسبت سے)
ماھولی کہلاتے تھے۔ اور بھیل اور کولی اور راموسی وغیرہ لٹیرے
لوگوں کو جو پونا کے پاس ملک کوکن کے پہاڑوں اور جنگلوں میں بستے اور مثل اسکی
سب بیجاپور کی رعایا تھے جمع کرکے آس پاس کے ملک کو کہ جہاں کے حالات
سے سیر و شکار اور چوریوں ڈکیتیوں کی شرکت اور اُن لٹیروں کی ہمراہی سے بخوبی
واقف ہوچکا تھا لوٹنا شروع کیا اور کہیں زور سے کہیں تابعداری سے اور کہیں فریب
اور مکاری سے محمد عادل شاہ فرمانروائے بیجاپور کی حکومت کے
آخر زمانہ میں بسبب حاکموں کی غفلت اور ضعف وغیرہ کے علاقہ کوکن کے بہت سے
حصوں پر دخل کرلیا۔ اور منجملہ انہیں حرکتوں کے ایک حرکت یہ بھی تھی کہ اپنے مقام
کو موقع سمجھ کر [illegible] کہ جو پونا کے جنوب میں اکثر پہاڑی علاقوں پر حکومت رکھتا
تھا [illegible] سے [illegible] تھا۔ اور علی عادل شاہ کے ایام خوردسالی میں باوجودیکہ
[illegible] سے [illegible] تھے اور اسکو ان حرکتوں سے بہت منع کرتے

که مالوجی فوراً بول اُٹھا کہ ساری سبھا گواہ رہے میرے بیٹے کا رشتہ جادو راؤ جی کی لڑکی سے ہو گیا !!! اگرچہ جادو راؤ اپنے خاندان و منصب کے غرور کے باعث مالوجی کے اس بڑے بول سے ایسا ناراض ہوا کہ دونوں کے باہم بدمزگی ہو گئی۔ مگر مالوجی برابر اس سگائی کا دعوا کیے جاتا تھا - اور چونکہ تھوڑے ہی عرصہ میں خوش قسمتی سے یہہ بھی ایسا بڑھا کہ اُسی ریاست میں پانچہزار سواروں کی رسالداری کے منصب پر سرفراز اور صاحب جمعیت ہو گیا - اور مضافات ملک کوکن میں بمقام پونا (جو اُسپہ ریزیڈنسی بمبئی میں ایک مشہور شہر ہے) اسکو ایک بڑی سی جاگیر مل گئی جسمیں چاکنہ اور سوپا کے دو قلعے بھی شامل تھے - تو آخر کار لکہجی جادو راؤ کو بھی یہہ خواہ مخواہ کی سگائی کا دعوا ماننا ہی پڑا - اور ساھوجی کی شادی اُسکی بیٹی سے ہو گئی - جس سے دو بیٹے پیدا ہوئے - ایک ونکاجی - دوسرا سیواجی (جو ماہ مئی ۱۶۲۷ سولہ سو ستائیس عیسوی میں پیدا ہوا)

جب شاہ جہاں نے والیٔے بیجاپور کے اتفاق سے احمد نگر کی حکومت کو پامال کر کے ملک کو آپسمیں بانٹ لیا اور منجملہ اسکے کوکن کا علاقہ بیجاپور کے حصہ میں آیا تو ساھوجی نے والیٔے بیجاپور کی نوکری اختیار کر لی - اور اسکی جاگیر واقع پونا بھی جو بیجاپور کے حصہ میں آگئی تھی بدستور اسکے قبضہ میں رہی اور وہ بیجاپور کی طرف سے کرناٹک میں ملک گیری کرتا رہا جسکے باعث سے میسور کے نزدیک بھی اُسکو ایک بہت بڑی جاگیر حاصل ہوئی جسمیں بنگلور وغیرہ بڑے بڑے شہر داخل تھے -

الغرض ونکاجی تو اپنے باپ کے ساتھ کرناٹک میں رہتا تھا - اور خورد سال سیواجی پُونا میں - اُس زمانہ میں مرہٹے سردار خود تو ناخواندہ ہوتے تھے - اور اُن کے کاروبار کا انتظام اُن اہل قلم برہمنوں کے اختیار میں ہوتا تھا - جو دکن کے مسلمان بادشاہوں کے عہد میں بڑے بڑے کار آمد عہدوں پر مامور ہوا کرتے تھے - چنانچہ ساھوجی کی اس جاگیر کا اہتمام اور سیواجی کی سرپرستی داداجی کنڈدنا مے ایک برہمن کو سپرد تھی اُسوقت کے نوجوان مرہٹوں کو شہسواری - شکار بازی - اور نیزہ بازی وغیرہ سپاہیانہ ریاضتوں کے سیکھنے کا شوق ہوتا تھا - اور چونکہ پُونا ایسی جگہہ ہے کہ وہاں میدان اور پہاڑی ملک

بقیہ حاشیہ (۷)

[illegible] خاندان سیواجی

تک امور ہو جاتے تھے۔ منجملہ ان کے اگرچہ بعضوں نے قدر و منزلت بڑھانے کو راجپوت ہونے کا دعویٰ کیا ہے مگر الفنسٹن صاحب کی تحقیق میں قومیت کی حیثیت سے سارے ہی شودر تھے۔ اور سولھویں صدی عیسوی سے پہلے نہ تو مرہٹے بطور ایک قوم ہی کے مشہور تھے اور نہ ان میں کوئی ایسا سردار تھا جو پولیٹکل لحاظ سے امورا ذی اقتدار گنا جاتا ہو۔ مگر اس صدی کے آغاز میں ان کے اقبال کا زمانہ اسطرح شروع ہوا۔ کہ ملک عنبر نے (جو احمد نگر والوں کے اں ایک مشہور اور نہایت زبردست امیر تھا) مرہٹوں کو اپنے سواروں میں زیادہ بھرتی کیا۔ چنانچہ اُسکی فوج میں لکھجی نامے ایک سردار نے (جسکو بطور اعزازی لقب کے جادو راؤ کہتے تھے) ایسی ترقی پائی کہ دس ہزار سواروں کی سرداری کے منصب پر سرفراز ہو گیا اور یہاں تک اقتدار حاصل کیا کہ شاہ جہاں اور احمد نگر والوں کی لڑائی کے زمانہ میں جب اس نے شاہ جہاں سے سازش اور پیوستگی کر لی تو ملک عنبرؔ کی تقدیر الٹ گئی اور لڑائی اگیا الفنسٹن صاحب خیال کرتے ہیں کہ مرہٹوں میں اگر کسیکو راجپوت ہونے کا دعویٰ پہنچتا ہو تو البتہ یہ دعوا اسی کے گھرانے کو شایاں و سزاوار ہو سکتا تھا کیونکہ دیوگڈھ (دولت آباد) کا وہ راجہ جو دکھنی راجاؤں میں سب سے بڑا تھا۔ اور جس سے مسلمانوں نے ملک دکن فتح کیا تھا جادو بنسی ہی کہلاتا تھا۔ اسلئے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ شخص غالباً دیوگڈھ کے کسی قریب ضلع کا دیسمکھ اور جادو بنسی راجپوتوں کی نسل سے ہونے کے باعث جادو راؤ کہلاتا ہوگا۔ المختصر مالوجی بھونسلا۔ سیواجی کا دادا اسکے متوسلوں میں ایک ایسا شخص تھا جو اگرچہ کسیقدر خاندانی اور ذی عزت گنا جاتا تھا مگر حیثیت اسکی اس سے زیادہ نہ تھی کہ چند خود اسپہ سواروں سمیت اسکے ہمنوں میں تھا

تقاضائے کردگار ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ جادو راؤ کے یہاں کسی تہوار وغیرہ کی تقریب میں بہت سے لوگ جمع ہوئے جنمیں مالوجی بھی اپنے پانچ برس کے بیٹے شاہ جی کو ساتھ لیکر آیا تھا۔ اس محفل میں جہاں حسب معمول ہنسی خوشی کی باتیں ہو رہی تھیں اتفاقاً جادو راؤ نے ساہو جی اور اپنی سہ سالہ لڑکی دونوں کو زانوؤں پر بٹھا کر ہنسی اور پیار کے طور پر یہ بات کہدی کہ یہ دونوں ایک تو بنا بنی بنانے کے قابل ہیں! جادو راؤ کا یہ کہنا تھا

اس طرح پر بیجاپور کا پیچھا چھوٹا رہتا ہے - اور سب سے مقدم کام یہی سمجھا جاتا ہے کہ سیواجی کی جڑ کس طرح اُکھاڑی جائے - سیواجی کو سورت میں جو کامیابی ہوئی ناظرین اُسکو پڑھ چکے ہیں - اسکے بعد اِسنے جزیرہ Bardes باڈیز پر جو گوآ کے نزدیک پرتگیزوں کی ایک بستی ہے قبضہ کر لیا ہے ※

سیواجی کا حسب نسب

※ سیواجی کا مختصر حال جو ڈاکٹر برنیر نے لکھا ہے اُسکو پڑھ کر خواہ مخواہ یہہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس عجیب شخص کا حسب و نسب کیا تھا - اور اسنے اسقدر اقتدار کس طرح پایا - اور اسکے متعلق جو واقعات برنیر نے لکھے ہیں اُنکی مفصل اور صحیح روداد کیا تھی

پس واضح ہو کہ انسائکلوپیڈیا برطانیکا میں اِسکو غیر صحیح النسب طور پر اودے پور کے رانا کی نسل سے (یعنی چھتری) لکھا ہے - مگر سر مونٹ الفنسٹن صاحب سابق گورنر بمبئی جنکی تحقیق اُدھر کی قوموں وغیرہ کے بارہ میں زیادہ بھروسہ کے قابل ہے اپنی مشہور تاریخ ہندوستان میں سیواجی کے اُن تمام ہمقوم لوگوں کو جو ×مہاراشٹر دیس کی سکونت کے باعث مرہٹے کہلائے عموماً شودر بتاتے ہیں - اور سیواجی کے حسب و نسب کی حقیقت کو اس طولانی تمہید سے بیان کرتے ہیں کہ گولکنڈا - بیجاپور - اور احمدنگر کے مسلمان بادشاہوں کے وقت میں مرہٹوں کو قلعوں وغیرہ کے پیدل سپاہیوں میں نوکریاں ملا کرتی تھیں - مگر جب معلوم ہوا کہ جنگی سواروں میں بھی اچھی خدمت دیسکتے ہیں تو رسالوں میں بھرتی ہونے لگے - اور ان میں سے ایسے لوگ جو ہمارے مُلک کے دیہات میں چودھری اور نمبردار وغیرہ کہلاتے ہیں اور اُس ملک میں اُن کا لقب پٹیل اور دیس مکھ وغیرہ ہوتے تھے موروثی عزت کے باعث سے رسالداریوں اور جمعداریوں کے عہدوں

مہاراشٹر کا بیان

× ہندوؤں کی حکومت کے قدیم زمانہ میں مہاراشٹر کا اطلاق مُلک کے اُس وسیع قطعہ پر ہوتا تھا جو دریائے نربدا کے جنوب کی طرف فی زمانا چیف کمشنری ناگپور اور ریاست حیدرآباد دکن اور پریزیڈنسی بمبئی کی مختلف حکومتوں میں منقسم ہے - چنانچہ خاندیس و برار و کوکن وغیرہ کے علاقے جو علی الترتیب مذکورہ بالا حکومتوں میں واقع ہیں مہاراشٹر کے عام لفظ میں داخل تھے - مترجم

سیواجی کی خود سری اور اُسکی روز افزوں قسمت کا ایک مکرر ذکر

سیواجی جسکا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے اس سلطنت کی یہہ حالت دیکھکر بہت سے قلعوں پر جو اکثر پہاڑوں کے اندر ہیں قابض ہو گیا ہے۔ اور خود سر بادشاہ کی طرح جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ اور شہنشاہ مغل اور شاہ بیجاپور جو کبھی اسکو دھمکاتے ہیں تو اُن کی باتوں پر ہنس دیتا۔ اور سورت سے لیکر گوا کے دروازے تک مُلک کو تاخت و تاراج کرتا رہتا ہے۔ اور اگرچہ وقتاً فوقتاً بیجاپور کی ریاست کو سیواجی بڑے بڑے صدمے پُہنچاتا رہتا ہے۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ یہہ جری شخص عین وقت پر اسکے کام بھی آجاتا ہے۔ کیونکہ اورنگ زیب کو ہمیشہ اسی کی تاخت و تاراج کا فکر رہتا ہے۔ اور اُسکی فوجیں ہمیشہ اسکے پیچھے لگی رہتی ہیں اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: کے لحاظ سے نتیجہ اسکا نتمندوں کے حق میں چنداں مفید نہوا۔ کیونکہ مُلک مفتوحہ کی تقسیم پر باہم جھگڑے پیدا ہو گئے۔ اور اسوجہ سے اس راج کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر وہاں کے "پالی گار" یعنی زمیندار ہی اپنے اپنے علاقوں میں راجا بنگئے۔ اور رام راج کے بھائی نے بیجے نگر سے اپنی دارالریاست کو شرق کی جانب منتقل کیا۔ اور آخر کو چندر گڈھی کو اپنی ریاست گاہ بنایا۔ جو مدراس سے شمال مغرب کی طرف ستّرہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

اور زمین کا وہ قطعہ جو انگریزوں نے اپنے کارخانہ کے لیئے پہلے پہل مدراس میں لیکر آخر کار قلعہ سینٹ جارج تعمیر کیا اسی شخص کی اولاد کے ایک راجہ سے سنہ ۱۶۴۰ع ایکہزار چھ سو چالیس عیسوی میں لیا تھا۔ س ا م ح

(ماخوذ از تاریخ فرشتہ۔ عالمگیرنامہ۔ اثر عالمگیری۔ سیر المتاخرین۔ تاریخ الفنسٹن۔ تاریخ منشی ذکاءاللہ)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

قطب الملک اور عادل خان اور الفاظ القاب اپنے نوکروں اور صوبہ داروں کی طرح لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ نمونے ان دونوں کے القابوں کے یہہ ہیں۔

عنوان فرمان از طرف شاہ جہان بنام قطب شاہ ۱۰۴۵ھ

"ایالت و امارت پناہ ارادت و عقیدت دستگاہ عمدۃ الاماجد کرام سلالۃ اکارم عظام نقاوۂ خاندان عز و علا عضادۂ دودمان مجد و اعتلا زبدۂ مخلصان صلاح اندیش خلاصۂ متخصصان سعادت کیش مورد الطاف شاہنشاہی مصدر آیات خیر خواہی جوہر مراۃ صفا و صفوت فروغ ناصیۂ دولت و رفعت سزاوار عاطفت بیکران المخصوص بعنایت الملک المنان قطب الملک مشمول عنایات بادشاہانہ بودہ بداند۔"

ایضاً بنام عادل شاہ بسنہ مذکور

"ایالت و شوکت پناہ عدالت و نصفت دستگاہ زبدۂ ارباب دول عمدۂ اصحاب ملل خلاصۂ مریدان عادل خان بوفور عنایات بادشاہانہ مفتخر و مستظہر بودہ بداند۔"

بھمنیہ خاندان کے غلام اور متوسل بادشاہ (جیسا کہ برنیر نے لکھا ہے) سب کے سب شیعہ نہ تھے۔ مگر ہاں گولکنڈا اور بیجاپور والے ضرور شیعہ تھے چنانچہ سلاطین مغلیہ ان سے کاوش کرنے کے لیئے کبھی کبھی کسی مذہبی بحث کو بھی حیلہ بنا لیتے تھے مگر آخری وجہ گولکنڈا اور بیجاپور کی بربادی کے لیئے یہہ تھی کہ یہہ لوگ سیوا جی کے بیٹے سنبھا جی کو مدد دیتے تھے۔ اور اورنگ زیب نے بذات خود دکن میں پہنچکر گولکنڈا۔ بیجاپور۔ اور سنبھا جی تینوں پر ایک ہی زمانہ میں فوج کشی شروع کی تھی اور راجہ رام راج کا ذکر جس طرح پر ڈاکٹر برنیر نے لکھا ہے وہ بھی درست نہیں ہے۔ بلکہ (بقول سر مونٹ الفنسٹن صاحب) صحیح حال اسکا یوں ہے کہ وہ خاص دکن میں (یعنی مدراس کی طرف) شہر بیجے نگر میں ایک بہت بڑا زبردست راجہ تھا۔ بھمنیہ خاندان کے سب غلام بادشاہوں نے جنکا ذکر اوپر ہو چکا ہے متفق ہوکر اسکا ملک چھیننے کا ارادہ کیا اور پچیسویں جنوری ۱۵۶۵ء ایکہزار پانسو پینسٹھ مطابق بستم جمادی الثانی ۹۷۲ھ نوسو بہتر ہجری کو دریائے کرشنا کے کنارے تالی کوٹ کے قریب جانبین سے بڑے اہتمام اور جوش و خروش کے ساتھ ایک نہایت خونریز لڑائی ہوئی جسمیں یہہ ضعیف العمر اور بہادر راجہ مغلوب ہوکر پکڑا اور مارا گیا۔ مگر اصل مطلب

[illegible]

اور گویا عیش و عشرت کا پتلا تھا - جسکے عیش و نشاط اور لطافت و نفاست مزاج کے قصّے ابتک زبان زد خلایق اور ضرب المثل چلے آتے ہیں چونکہ یہہ بیحد سست اور کاہل مزاج تھا کہ اپنی پندرہ برس کی حکومت کے زمانہ میں شہر حیدرآباد اور قلعہ گولکنڈا یا اپنے باغ میں جانے آنے کے سوا اپنے ملک کو کبھی سیر و شکار کی خاطر بھی جاکر دیکھا تھا - اسکا لازمی نتیجہ یہہ ہوا کہ اپنے سابق ہم جنسوں کی طرح آخر یہہ بادشاہی بھی دہلی کی اعلیٰ سلطنت کا ایک جزو ہوگئی - یعنی جفاکش اور اولوالعزم شہنشاہ اورنگ زیب نے اپنی عمر کے بہترہویں سال مطابق ۱۰۹۶ھ ایکہزار چھیانوے ہجری میں شہر حیدرآباد کو اور بعد ازاں ۱۰۹۸ھ ایکہزار اٹھانوے ہجری میں قلعہ گولکنڈا کو مدت کے محاصرے اور سخت حملوں کے بعد تانا شاہ سے چھین لیا - اور اسکی پچاس ہزار روپیہ سالانہ پنشن مقرر کرکے قلعہ دولت آباد میں نظربند کر دیا -

اسی طرح بیجاپور کی سلطنت کا بانی گرجستان کا رہنے والا محمد یوسف نام ایک دوسرا غلام تھا - جسکو بعض خوشامدی مورخوں نے سلاطین آل عثمان یعنی روم کے ترک بادشاہوں کی نسل میں جا ملایا ہے - اسکو شہاب الدین محمود بہمنی نے خریدا تھا جو خوش قسمتی سے رفتہ رفتہ بیجاپور کا طرفدار اور آخر کار خودسر ہوکر عادل خاں سے عادل شاہ بن گیا - اسی کے پوتے ابراہیم عادل شاہ کی کتاب نورس پر ملا نورالدین ظہوری ترشیزی نے اپنی دو فصیح و بلیغ نثریں جو خوبی و لطافت انشا کی وجہ سے ایران و ہندوستان میں ابتک متداول و مشہور اور سہ نثر ظہوری کے نام سے معروف ہیں لکھی تھیں - یہہ سلطنت بھی ۱۰۹۷ھ ایکہزار ستانوے ہجری میں اورنگ زیب نے چھین لی - اور سکندر عادل شاہ کو جو ایک لڑکا تھا اپنے امیروں کی ذیل میں داخل کرکے اور خان کا خطاب دیکر لاکھ روپیہ سالانہ گزارہ مقرر کردیا - اگرچہ یہہ دونوں گھرانے اخیر تک بادشاہ کہلاتے اور اپنے آپ کو خودمختار سمجھتے رہتے - مگر سلاطین مغلیہ نہ تو ان کو خودمختار ہی مانتے تھے - اور نہ ان کے لقب شاہی کو ہی تسلیم کرتے تھے - اور ہمیشہ پیشکشوں اور نذرانوں کے متقاضی اور طلبگار اور اُس وقت کے دستور کے موافق ہر ایک جائز و ناجائز حیلے سے ان کے پامال کرنے کے لیے آمادہ اور تیار رہتے تھے - اور خط کتابت میں ان کے وہی اصلی خطاب

حرکتوں سے سلطنت میں خلل پیدا ہوئے۔ اور دکن میں بغاوت ہوکر ملک لاچین مارا گیا۔ اور تغلقوں کی حکومت جاتی رہی تو اتفاقات وقت سے ۷۴۸ھ سات سو اڑتالیس ہجری میں یہہ شخص دکن کا بادشاہ بن بیٹھا۔ اور اپنے پہلے نام اور لقب پر علاء الدین کا لفظ بڑھاکر علاء الدین حسن کانگو بھمنی کہلانے لگا۔ حسن آباد گلبرگہ اور احمد آباد بیدر (بدر) اس خاندان کے دارالحکومت تھے۔ اور اس گھرانے کے سترہ بادشاہ ایکسو ستتر برس تک ممالک دکن کے فرمانروا رہے۔ گولکنڈا اور بیجاپور کے سوا ملک براڑ۔ و خاندیس وغیرہ بھی اسی سلطنت میں داخل تھے۔

نظام شاہ بھمنی بارہویں بادشاہ سے لیکر اس خاندان کے اخیر شخص ولی اللہ شاہ بھمنی تک بادشاہی کا تو ایک نام ہی نام تھا۔ کیونکہ اُمرای سلطنت اپنے اپنے متعلقہ صوبوں میں خودمختارانہ حکومتیں کرتے تھے۔ مگر آخرکار ۹۳۵ھ نوسو پینتیس ہجری میں اُنہوں نے اُس نام کو بھی مٹا ڈالا۔ اور بیجاپور۔ گولکنڈا۔ براڑ۔ خاندیس۔ وغیرہ میں خود اپنے اپنے نام سے جدا جدا بادشاہتیں قائم کرلیں۔ چونکہ اکبر کے وقت سے شاہجہاں کے زمانہ تک خاندیس وبراڑ وغیرہ کی حکومتیں سب دہلی کی شہنشاہی میں جذب ہوچکی تھیں۔ اسیلئے ہم انکا ذکر قلم انداز کرتے ہیں اور خاندان گولکنڈا اور بیجاپور کا حال لکھتے ہیں۔

گولکنڈا کے خاندان کا بانی سُلطان قلی نامے ہمدان کا رہنے والا ایک ترک اور محمود شاہ بھمنی کا غلام تھا۔ اور رفتہ رفتہ ایسا بڑھا کہ اس سلطنت کا وزیر ہوگیا۔ قطب الملک کا خطاب پایا۔ گولکنڈا کا "طرفدار" یعنی صوبہ دار بنا۔ اور آخرکار (جیساکہ اوپر بیان ہوچکا ہے) ۹۳۵ھ نوسو پینتیس ہجری میں خود اپنے ہی نام سے سکہ وخطبہ جاری کرکے قطب شاہ بن بیٹھا۔ اسکی نسل کے چار بادشاہ ایکسو چھبیس برس تک حکومت کرتے رہے۔ لیکن جب اس خاندان کا اخیر فرمانروا عبداللہ قطب شاہ ساٹھ برس بادشاہت کرکے مرگیا تو اُسکا داماد سید ابوالحسن معروف تانا شاہ اُسکا جانشین ہوا۔ ڈاکٹر برنیر اپنے بیان مندرجہ متن میں غفلت اور سُستی کا اشارہ اسی کی طرف کرتا ہے۔ اور یہی واقع ہے کہ بادشاہ اپنے وقت کا راجہ اندر

کہ دربار سے دور رہکر فوج پر شاہانہ طور سے حکومت کرتے ہیں۔ اور اسلیئے
اپنے کام میں دیر و درنگ کرتے اور طرح طرح کے حیلوں اور بہانوں
سے لڑائی کو جو اُن کے اعزاز و اکرام کے علاوہ اُن کی آمدنی کا بھی ذریعہ
ہے خواہ مخواہ طول دیتے رہتے ہیں اور اسوجہ سے یہہ بات ہندوستان
میں ایک ضرب المثل ہوگئی ہے کہ مُلک دکن تو ہندوستانی سپاہی
کی روٹی اور گزارہ ہے!

علاوہ بریں سلطنت بیجاپور میں پہاڑیوں کے اندر دشوار گزار
مقاموں میں اسقدر قلعے اور گڑھیاں ہیں کہ جنکا فتح کرنا بہت ہی مشکل ہے
اور جو مُلک سلطنت مغلیہ سے ملتا ہوا ہے وہ خصوصیت کے ساتھ چارے
اور پانی کے موجود نہ ہونے کے باعث دشوار گزار ہے۔ خصوصاً شہر پایتخت
ایک نہایت بے آب و علف زمین پر واقع ہونے کی وجہ سے نہایت ہی
مستحکم مقام ہے یہانتک کہ پینے کے قابل پانی صرف شہر ہی کے اندر
ملتا ہے۔ مگر باینہمہ اس سلطنت کو بھی چراغ سحری ہی سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ
شہنشاہ مغل نے قلعہ پریندا پر جو اس مُلک کا دروازہ سمجھنا چاہیئے۔
اور بیدر پر جو ایک مستحکم اور خوبصورت شہر ہے اور اور بڑے بڑے
مقامات پر دخل کرلیا ہے۔ اور ان سب سے بڑھکر یہہ امر ہے کہ بادشاہ
لاولد مرگیا ہے اور اُسکی بیگم نے جو شاہ گول کنڈا کی بہن ہے ایک لڑکے
کو جو اپنا متبنٰی بناکر پرورش کیا تھا اُسنے اسکا یہہ اجر دیا ہے کہ ابھی چند روز
ہوئے جو یہہ شاہزادی حج کرکے واپس آئی تو اُس سے سرد مہری اور حقارت

شکستہ حالی اور افلاس اور حقیر حالت سے اُسکو لڑائی کی دھمکی دینے میں تذبذب نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر مقام سین طامس (جو چند سال ہوئے انہوں نے خود ہی شاہ گول کنڈا کو اس خیال سے دیدیا تھا کہ ڈچ جو ان سے طاقت میں زیادہ ہیں اُنکو اُسکے حوالہ کر دینے کی ذلت اُٹھانی نہ پڑے) ہمکو نہ دیدوگے تو ہم مچھلی پٹن اور اَور مقامات پر قبضہ کر لینگے اور لوٹ لینگے - مگر باوجود ان سب باتوں کے گول کنڈا ہی میں چند ذی فہم لوگ مجھ سے یوں بھی کہتے تھے کہ بادشاہ کے فہم و فراست میں کچھ بھی فرق نہیں اور اُسنے ضعیف العقلی اور ناقایم مزاجی اور سلطنت کے معاملات سے بے پروائی کی یہہ حالت صرف اپنے دشمنوں کے دھوکہ دینے کو بنا رکھی ہے - اور اُسکے ایک ایسا جری بیٹا بھی ہے جو نہایت تیز مزاج بلند خیال گویا ایک پر کالۂ آتش شاہزادہ ہے - جسکو مصلحتاً عوام کی نظروں سے چھپا رکھا ہے اور کبھی موقع پاکر اُسکو تخت پر بٹھلا دیگا - اور جو عہد و پیمان اورنگ زیب سے کر رکھا ہے اُسکو بالائے طاق رکھدیگا -

بیجاپور کی کیفیت اب میں ان رایوں کی غلطی اور صحت کے فیصلہ کو آیندہ زمانہ پر چھوڑ کر چند الفاظ بیجاپور کی بابت کہنا چاہتا ہوں - اگرچہ شہنشاہ مغل کی طرف سے اِس سلطنت کے ساتھ اکثر لڑائی بھڑائی رہتی ہے مگر ابتک یہہ خود سر اور آزاد کہلاتی ہے - لیکن اصل بات یہہ ہے کہ جو سپہ سالار بیجاپور کی مہم پر مامور ہوتے ہیں اُن سرداروں کی طرح جو ایسی ہی اَور مہموں پر بھیجے جاتے ہیں یہہ سالار بنے رہنے کے شوق میں اس امر کو غنیمت جانتے ہیں

کے دربار کا صرف ایک امیر ہے گول کنڈا میں اُسکا اسقدر ادب کیا جاتا ہے
کہ اُسکا "ٹاپیٹا" یعنی دلاّل یا گماشتہ جو مچھلی پٹن میں رہتا ہے۔ بندرگاہ کے
حاکم کا سا اختیار رکھتا- تمام تجارتی جنسیں خریدتا ہے۔ بیچتا ہے - جہاز وں پر
مال چڑھاتا ہے۔ اُتارتا ہے - مگر محصول کی ایک کوڑی تک نہیں دیتا۔
اور نہ اسکے کام میں کوئی دخل دیسکتا ہے۔ عجب بات ہے! کہ میر جملہ
کا رعب و داب اس ملک میں اس درجہ تک تھا کہ اُسکے مرنیکے بعد گویا وہ بھی
وراثت میں محمد امین خاں کو ملگیا ہے۔

چوتھی یہہ کہ کبھی کبھی ڈچ لوگ گول کنڈا کے سوداگروں کے تمام جہازوں
کو مچھلی پٹن کی بندرگاہ میں روکے رکھتے ہیں۔ اور جبتک یہہ بادشاہ اُنکی
بات نہیں مان لیتا اُن کو باہر نہیں جانے دیتے۔ اور خود مینے اس بادشاہ
پر اُن کو یہہ بیہودہ اعتراض کرتے دیکھا ہے کہ "مچھلی پٹن کے حاکم نے
ہمکو انگریزوں کے ایک جہاز پر جبراً قبضہ کر لینے سے کیوں روکا! اور لوگوں
کو ہمارے مقابلہ کے لیئے ہتھیار دیکر ہمارے اس ارادہ میں کیوں مزاحم ہوا
اور ہمکو یہہ دھمکی کیوں دی کہ تمہاری کوٹھی کو جلادونگا اور تم پردیسی بدمعاشوں
کو قتل کرڈالونگا"

پانچویں علامت اس سلطنت کے زوال کی یہہ ہے کہ یہاں کا چلنی
سکّہ نہایت مبتذل حالت میں ہے اور اسلیئے اس مُلک کی تجارت کے
حق میں نہایت مضر ہے۔

چھٹی یہہ کہ یہانتک تو نوبت پہنچی ہوئی ہے کہ پرتگیز بھی باوجودیکہ

کہ ملک میں ابتری اور بے انتظامی پھیل رہی ہے اور امرا و حکام جو نہ اب بادشاہ کا کچھ حکم ہی مانتے ہیں اور نہ اُس سے کچھ محبت ہی رکھتے ہیں بیحد ظلم کرتے ہیں۔ اور اُمید ہے کہ اگر کبھی موقع ہوا تو رعایا جو اس ظلم و بدعت سے تنگ آرہی ہے بہت جلد اورنگ زیب کی اطاعت قبول کرلیگی جسکی حکومت گولکنڈا کی بہ نسبت بہتر اور منصفانہ ہے۔

اب میں چند باتیں وہ بیان کرتا ہوں کہ جن سے اُس مبتذل حالت کا ثبوت ہوتا ہے جسکو یہہ بدبخت بادشاہ پہنچگیا ہے۔ چنانچہ اُن میں سے ایک تو یہہ ہے کہ ۱۶۶۷ء سولہ سو سرسٹھ میں جبکہ میں گولکنڈا میں تھا اورنگ زیب کی طرف سے ایک سفیر خاص یہہ پیغام لیکر آیا کہ یا تو دس ہزار سوار بیجاپور کی مہم کے لیئے حاضر کرو۔ یا تم بھی مقابلہ کے لیئے تیار ہو۔ پس اگرچہ اس نے فوج کا بھیجنا تو قبول کیا لیکن اُسقدر روپیہ جو دس ہزار سواروں کی تنخواہ کے لیئے کفی ہوسکتا ہے۔ اور جس سے اورنگ زیب اور بھی زیادہ خوش ہوا دیدیا اور سفیر کی بہت ہی آؤ بھگت کی۔ اور بہت سے گراں بہا تحایف خود اسکو دیئے اور ایک بڑا بھاری پیشکش اورنگ زیب کے لیئے روانہ کیا۔

دوسری یہہ کہ اورنگ زیب کا معمولی سفیر جو گولکنڈا میں متعین رہتا ہے احکام جاری کرتا ہے! راہداری کے پروانے دیتا ہے! اور لوگوں کو دھمکاتا اور بدسلوکی کرتا ہے! غرضکہ اُسکی گفتار و رفتار ایسے مطلق العنان طور کی ہے کہ گویا بجائے خود ایک بادشاہ ہے۔

تیسری یہہ کہ میر جملہ کا بیٹا محمد امین خاں جو زاہد برین مست کہ اورنگ زیب

چنداں میلانِ خاطر اسپر چڑہائی کرنے کی طرف معلوم نہیں ہوتا - اور اُس روز سے غالباً وہ اُسے اپنا ہی سمجھتا ہے - اور چونکہ وہ مدت سے باجگزار ہے - اور بہت سا روپیہ اور وہاں کی بنی ہوئی نہایت عمدہ عمدہ چیزیں اور پیگو اور سراندیپ اور سیام کے ہاتھی سال بسال خراج کے طور پر بھیجتا رہتا ہے اور اب گول کنڈا اور دولت آباد کے مابین کوئی ایسا قلعہ بھی باقی نہیں رہا جو کسی مخالف کے قبضہ میں ہو اسلیئے اورنگ زیب کو یقین ہے کہ ایک ہی دفعہ کی چڑہائی اس مُلک کی فتح کے لیئے کافی ہوگی - لیکن میری رائے میں اورنگ زیب کو گول کنڈا کی فتح سے بجز اسکے اَور کسی بات نے نہیں روکا کہ مبادا شاہ بیجاپور اپنے اس اندیشہ سے کہ کل کو یہی دن اُسکے لیئے بھی پیش آنے والا ہے کہیں خود صوبہ دکن ہی کی تاخت و تاراج شروع کردے - بیان بالا سے اُمید ہے کہ ناظرین تصور کر سکینگے کہ سلطنت مغلیہ اور گولکنڈا کے باہم کس قسم کے تعلقات ہیں - اور اس میں کچھہ شک نہیں ہے کہ گول کنڈا کے قیام و بقا کی حالت بالکل غیر متیقن ہے -

اور جب سے کہ وہ مکروہ معاملہ پیش آچکا ہے جو میرجملہ کی تجویز کے موافق اورنگ زیب نے اُس سے برتا تھا - شاہ گول کنڈا کے قوائے دماغی میں بھی بالکل فتور آگیا ہے - اور سلطنت کی باگ اُسنے نہایت ڈھیلی چھوڑ دی ہے - اور رسم مُلک کے موافق نہ کبھی دربار میں آکر بیٹھتا ہے اور نہ انصاف و عدالت کرتا ہے - بلکہ اتنی ہمت بھی نہیں رہی کہ کبھی قلعہ کی دیوار سے باہر نکلے - جسکا طبعی اور لازمی نتیجہ یہہ ہے

دیر ہوئی کہ نظام شاہ اپنے سابقہ دارالحکومت دولت آباد ہی میں قید رہکر قید زندگی سے بھی چھوٹ چکا ہے۔

گولکنڈا کی ضعیف حالت اور سلطنت مغلیہ سے اُسکے تعلقات کا ذکر۔

البتہ شاہان گولکنڈا ابتک حملہ سے محفوظ رہے ہیں۔ لیکن اُن کا یہہ بچا رہنا اُن کی زور و قوت کے سبب سے نہیں ہے بلکہ صرف اسوجہ سے کہ شہنشاہ مغل کو اول اُسکی دونوں ہم جنس اور ہمسایہ ریاستوں پر مہم کرنے اور اُن کے مستحکم مقامات اَمبَر۔ پرینڈا۔ اور بیدر کے لے لینے کی زیادہ ضرورت تھی تاکہ اسکے بعد گولکنڈا پر حملہ کرنا اور بھی آسان ہوجائے اور اُنکی یہہ دانائی اور حسن تدبیر بھی کچھ اُن کے بچاؤ کا باعث تھی کہ اپنی بیشمار دولت میں سے مخفی طور پر شاہ بیجاپور کو ہمیشہ مدد بھیجتے رہتے تھے۔ اور جب کبھی بیجاپور پر حملہ کا اندیشہ ہوتا تھا تو یہہ اپنی فوج بھی سرحد پر بھیجدیا کرتے تھے تاکہ شہنشاہ مغل کو یہہ بات جتلائی جاسے کہ گولکنڈا نہ صرف اپنے بچاؤ کے لیئے مستعد ہے بلکہ اگر بیجاپور پر سخت وقت آن پڑیگا تو ہم اُسکے بھی آڑے آنے کو تیار ہیں۔ علاوہ بریں یہہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مغل سپہ سالاروں کو بہت کچھ رشوتیں بھی دی جایا کرتی ہیں اور وہ اسوجہ سے گولکنڈا کے عوض بیجاپور پر مہم کرنے کی رائے کو ہمیشہ اس دلیل سے ترجیح دیتے رہتے ہیں کہ وہ دولت آباد سے زیادہ قریب ہے۔ اور جب سے اورنگ زیب اور گولکنڈا کے بادشاہ حال کے باہم ایک عہدنامہ ہوچکا ہے تب سے تو اصل میں بھی اورنگ زیب کا

ایرانی اُمرا سے اُن کو بہت مدد ملتی تھی - کوئی یہہ نہ کہے کہ یہہ ہندو کیوں نہ ہوگئے
اسلیئے کہ ہندو نہیں چاہتے کہ کوئی غیر شخص اُن کے مذہبی اسرار سے مستفید
ہو - پس اگر وہ چاہتے تب بھی ہندو نہیں بن سکتے تھے - القصہ اِن
تینوں نے متفق ہوکر بغاوت کی جسکا انجام یہہ ہوا کہ رام راج مارا گیا - اور
یہہ اپنے اپنے صوبوں میں واپس آکر بادشاہ بن بیٹھے - اور چونکہ رام راج
کی اولاد میں کوئی ایسا شخص موجود نہ تھا جو اِن کا مقابلہ کر سکتا - اسلیئے وہ صرف
اُس مُلک میں چپ چاپ بیٹھے رہے جو کرناٹک کے نام سے مشہور ہے
اور جسکو ہمارے جہاز رانی کے مختصر نقشوں میں (جنکو چارٹ کہتے ہیں)
بِسْ نگر ※ لکھا ہے اور جہاں اُسکی اولاد ابتک راج کرتی ہے - اور اِس
جزیرہ نما کے باقی قطعات اُسی وقت سے اُن تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں
میں تقسیم ہوگئے جو ابتک قایم ہیں اور جنکے رئیس راجہ یا نایک کہلاتے
ہیں - اِن تینوں غاصبوں کی اولاد میں جب تک اتفاق رہا اُنپر کوئی ہاتھ
نہیں ڈال سکا - اور سلاطین مغلیہ کا خوب مقابلہ کرتے رہے - لیکن جب سے
باہمی رشک و حسد نے جگہہ پائی اور اُنہوں نے یہہ چاہا کہ ایک دوسرے
کی مدد کے بغیر خود سر ہوکر رہیں تب سے وہ نااتفاقی کے خوفناک خمیازے
اُٹھا رہے ہیں - اور ۳۵ یا ۴۰ برس ہوئے کہ شہنشاہ مغل نے یہہ دیکھکر
کہ اُن کے باہم اتفاق نہیں رہے نظام شاہ کی سلطنت پر جو بانی ریاست
سے پانچویں یا چھٹی پشت میں تھا چڑھائی کرکے اُسکو فتح کرلیا ہے - اور

※ ایسا معلوم ہوتا ہی کہ یہہ لفظ بیجے نگر کی خرابی ہی جو راجہ رام راج کا دار الحکومت تھا - م ح

جانب جگن ناتھ کے قریب خلیج بنگالہ تک اور جنوب میں راس کماری تک پھیلا ہوا ہے۔ اور جو اہل یورپ کے جغرافیہ کی اصطلاح میں گورینٹ انڈین پینانسُولا کے نام سے معروف ہے یہہ حالت تھی کہ شاید باستثناء چند پہاڑی ضلعوں کے یہہ تمام ملک ایک خود مختار خاندان کے زیر فرمان چلا آتا تھا۔ مگر راجہ رام راج کی نالیاقتی سے جو اُسی خاندان میں سب سے اخیر راجہ تھا یہہ بڑی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ اور یہی وجہ ہے کہ اب یہہ ملک مختلف مذہب کے کئی فرمانرواؤں کے زیر حکومت نظر آتا ہے۔

گولکنڈا اور بیجاپور کے بادشاہوں کا راجہ رام راج کی غلامی سے بادشاہ بنا

بات یہہ ہے کہ رام راج* کے پاس گرجستان کے رہنے والے تین غلام تھے جنکو اُسنے ہر قسم کی عنایات سے ممتاز کر رکھا تھا یہانتک کہ آخر کار اُنکو بڑی بڑی صوبوں کا حاکم بنایا۔ چنانچہ ایک تو تقریباً اُن تمام اضلاع کا جو بالفعل سلطنت مغلیہ کے قبضہ میں ہیں حاکم مقرر ہوا۔ اور یہہ صوبہ شہر بندر اور پرینڈا اور شوورت سے لیکر دریاے نربدا تک پھیلتا تھا۔ اور دولت آباد اُسکا دارالحکومت تھا۔ دوسرا اُس ملک کا حاکم بنایا گیا جو بالفعل سلطنت بیجاپور کے نام سے مشہور ہے۔ اور تیسرے کو وہ ملک سپرد ہوا جسکو گولکنڈا کی سلطنت کہتے ہیں۔ خلاصہ یہہ کہ یہہ تینوں غلام نہایت ہی دولتمند اور طاقتور ہو گئے۔ اور چونکہ ان تینوں نے شیعہ مذہب اختیار کرلیا تھا جو اہل ایران کا عام مذہب ہے۔ اسلیئے رام راج کے دربار کے

---

* اصل میں رام راس لکھا ہے۔ س م ح

کے منصب اور جاگیر وغیرہ پر اُسکو بحال کر دیا تو اس سے بہت لوگوں کی یہہ رائے
ہوگئی کہ سیواجی کا بھاگ جانا خود اورنگ زیب ہی کی چشم پوشی اور اغماض
سے ہوا ہے اور وہ یہہ گمان کرتے تھے کہ چونکہ بیگمات کو سیواجی سے
نہایت ہی نفرت تھی اور اُن کے رنج اور تلخی و تندی کا کچھ ٹھکانا نتھا اور وہ
یہہ سمجھتی تھیں کہ وہ ایک ایسا خبیث ہے کہ جسنے اُن کے عزیزوں اور
قرابت داروں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے ہیں۔ اسیلئے اورنگ زیب
بھی دربار میں اُسکی موجودگی سے دق ہوگیا ہوگا۔

مُلک دکن میں سلطنت گولکنڈا اور بیجاپور کی اصل و بنا اور شاہان مغلیہ کے ساتھ اُنکے تعلّقات اور لڑائی جھگڑوں وغیرہ کا ذکر

اَب میں دکن کے واقعات پر ایک مجمل نظر ڈالنا چاہتا ہوں
جو ایک ایسا مُلک ہے کہ چالیس برس سے زیادہ عرصہ سے برابر لڑائیوں
بھڑائیوں کا گھر رہا ہے۔ اور جسکے واسطے سلاطین مغلیّہ شاہان گولکنڈا
اور بیجاپور اور ان سے کم درجہ کے رئیسوں کے ساتھ اکثر اُلجھے ہی رہتے
ہیں تا وقتیکہ اسکے فرمانرواؤں کی حالت اور اُن بڑے بڑے واقعات
سے جو اس مُلک میں ہوتے رہتے ہیں بخوبی واقفیت نہو۔ ان لڑائی جھگڑوں
کی حقیقت اچھّی طرح سمجھ میں آنی ناممکن ہے۔

مُلک دکن کی وسعت واضح ہو کہ قریب دوسو برس سے مُلک ہند کے
اُس قطعہ کی جو مغرب کی طرف خلیج کھمبایت سے شروع ہو کر مشرق کی

کو نہایت عنایت آمیز اور خوش آیند الفاظ میں فرمان لکھا اور اسکی فہم و فراست اور سخاوت و شجاعت وغیرہ کی بہت تعریف کی اور راجہ جیسنگھ بھی جان اور آبرو کی حفاظت کا ضامن بنا - اسلیئے سیواجی بھی مطمئن ہو کر دہلی میں حاضر ہو گیا تھا - مگر اتفاق وقت سے شائستہ خاں کی بیوی بھی اسوقت دہلی میں موجود تھی اور برابر اس امر پر مصر تھی کہ ایسا شخص جسنے میرے بیٹے کو قتل کیا - شوہر کو زخمی کیا - اور بندر سورت کو لوٹا ضرور گرفتار اور قید ہونا چاہیئے - جسکا نتیجہ یہہ ہوا کہ سیواجی یہہ دیکھکر کہ تین چار امیر اسکے خیموں کو ہمیشہ تاک میں رکھتے ہیں ایک رات بھیس بدلکر بھاگ گیا - اور اسوجہ سے کہ یہہ شخص قابو سے نکل گیا شاہی محل میں بیگمات کو بہت رنج اور افسوس ہوا اور جیسنگھ کے بڑے بیٹے پر قوی شبہ ہوا کہ اُسنے سیواجی کو مدد دیکر بھگا دیا ہے - اور اُسکو دربار میں حاضر ہونے سے ممانعت کی گئی -

جے سنگھ کی وفات اور اورنگزیب کا اسکے بیٹے کے ساتھ حسن سلوک پیش آنا -

چونکہ اورنگ زیب راجہ جے سنگھ اور اسکے بیٹے دونوں ہی سے خواہ بدل خواہ محض ظاہری طور پر ناراض معلوم ہوتا تھا اس سبب سے راجہ جے سنگھ کو یہہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں اورنگ زیب اس حیلہ سے میری ریاست ہی ضبط نہ کرے - پس نہایت عجلت کے ساتھ اپنے ملک کے بچانے کو دکن سے واپس آیا لیکن راستہ ہی میں برہان پور پہنچکر مر گیا -

یہہ خبر سنکر جے سنگھ کے بیٹے کی نسبت اورنگ زیب نے جو اظہار عنایت کیا اور اسکی اس مصیبت پر اپنا دلی افسوس ظاہر فرمایا اور اُسکے باپ

نے یہہ سُنکر کہ اُسکے پاس نہایت قیمتی یاقوت ہیں (جنکو وہ بیچنے کے لیئے اورنگ زیب کے پاس لیجانا چاہتا ہے) اُسکو تین دفعہ گھٹنیوں بٹھلاکر اور ننگی تلواریں تول تول کر ہر چند ڈرایا۔ مگر اُسنے ہرگز نہ بتایا۔ اور یہودیوں کی اس عادت کو کہ روپیہ کو جان سے زیادہ عزیز جانتے ہیں خوب ہی نباہا۔

راجہ جے سنگہ کا سپہ سالار دکن مقرر ہونا اور سیواجی کے ساتھ مصالحہ

سُورت کے واقعہ کے بعد اورنگ زیب نے جے سنگہ کو فوج ناموره دکن کی سپہ سالاری قبول کرنے پر رضامند کیا اور سُلطان محمد معظم کو بھی اُسکے ساتھ بھیجا مگر شاہزادہ کو کسی قسم کا اختیار نہیں دیا۔ اب راجہ نے سب سے پہلے یہہ کام کیا کہ سیواجی کے سب سے بڑے قلعہ پر زور شور سے حملے کرنے شروع کر دیئے۔ مگر اسکے ساتھ اپنے معمولی فن کے موافق جوڑ توڑ اور اور وعدہ وعید سے بھی کام لیتا رہا جسکا حسب دلخواہ یہہ نتیجہ ہوا کہ قبل اس سے کہ اہل قلعہ نہایت لاچار ہوکر مغلوب ہوتے سیواجی نے قلعہ حوالہ کر دیا۔ اور یہہ شرط بھی قبول کر لی کہ اگر بیجاپور پر فوج کشی کیجائے تو بادشاہی فوج کا ساتھ دونگا۔ اور اورنگ زیب نے بالطاف شاہانہ اُسکو راجہ کا خطاب عنایت کیا اور اُسکے بیٹے کو اُمرا کی ذیل میں داخل کرکے مثل اَور امیروں کے وظیفہ مقرر کر دیا۔

سیواجی کے دہلی میں حاضر ہونے اور پھر خوف کھاکر بھاگ جانے کا ذکر

اس سے کچھ دنوں بعد جو ایران پر چڑھائی کا ارادہ ہوا تھا تو اورنگ زیب نے سیواجی

جلا کر خاک سیاہ کر گیا۔

چونکہ اس موقع پر کسی نے اس سے اتنا بھی نہ پوچھا کہ تیرے مونہہ میں کے دانت ہیں اس وجہ سے یہہ شبہ پیدا ہو گیا کہ اسکے اور راجہ جسونت سنگھ کے باہم خفیہ سازش ہے۔ اور شائستہ خاں پر حملہ کرنا اور سورت کو لوٹنا سب اسکے علم و اشارہ سے ہے۔ اسلیئے راجہ دکن سے واپس بلایا گیا۔ مگر وہ دہلی آنے کی جگہہ اپنی ریاست کو چلا گیا۔

لو! یہہ کہنا تو میں بھول ہی گیا کہ سیوا جی۔ نہیں نہیں دھرم آتما سیوا جی صاحب!! نے سورت کو لوٹتے وقت ریورینڈ فادر ایمبروز Ambrose کے مکان کو جو فرقہ کے پوشین[*] Capuchin میں سے ایک مشنری تھے ہاتھ تک نہیں لگایا اور کہا کہ فرنگیوں کے پادری نیک شخص ہیں ان کو ستانا نہیں چاہیئے! اسی طرح ایک ہندو کے مکان کو بھی (جو ڈچ سوداگروں کی دلالی کا کام کرتا تھا) اسلیئے نہ چھیڑا کہ وہ بہت سخی اور پن وان مشہور تھا۔ انگریزوں اور ڈچوں کے مکانات بھی بچے رہے۔ لیکن اس کا سبب یہ تھا کہ سیوا جی ان کا کچھ لحاظ کرتا تھا بلکہ انہوں نے اپنی ہمت اور دلیری سے اپنے آپ کو بچایا۔ اور انگریزوں نے تو اپنے جہاز کے خلاصیوں وغیرہ کی مدد سے کمال ہی کر دکھایا اور نہ صرف اپنے ہی مکانات بچائے بلکہ پڑوسیوں تک کے مکانوں کو بھی آنچ نہ آنے دی۔ اس موقع پر ایک قسطنطنیہ کے رہنے والے یہودی نے عجیب ہٹ دکھلائی جس سے لوگ حیران رہگئے۔ سیوا جی

---

[*] کپوشین عورتوں کی طرح برقع پہننے والے عیسائی درویشوں کے ایک فرقہ کا نام ہے۔ م۔ح

کر لینا چاہیے کہ باوجودیکہ شائستہ خاں کی سپاہ گرداگرد اُتری ہوئی تھی اور شہر اورنگ آباد فصیل سے بھی محصور تھا مگر اسپر بھی ایک رات صرف چند سپاہیوں کے ساتھ شائستہ خاں کے مکان کے اندر اس ارادہ سے جا ہی گھُسا کہ شائستہ خاں کو پکڑ کر اُسکے تمام مال و دولت پر قابض ہو جائے اور اگر تھوڑی دیر اُور خبر نہ ہوتی تو کچھ شک نہیں ہے کہ یہہ اپنے منصوبہ میں ضرور کامیاب ہو جاتا۔ چنانچہ شائستہ خاں اس موقع پر سخت زخمی ہوا۔ اور اُسکا بیٹا میان سے تلوار نکالتے ہوئے مارا گیا۔

سیواجی کا بندرگاہ سورت کو لوٹنا اور جسونت سنگھ کی سازش کا شبہ

اِس سے تھوڑے ہی دنوں بعد اسنے ایسا ہی ایک اُور چھاپا مارا جسمیں زیادہ کامیابی ہوئی یعنی چپکے سے وہ تین ہزار چیدہ سپاہی ساتھ لیکر اپنے لشکرگاہ سے نکل کھڑا ہوا۔ اور یہہ مشہور کیا کہ ایک راجہ بادشاہ کے سلام کو دہلی جاتا ہے اور جب شہر سُورت کے قریب پہنچا اور وہاں کا حاکم اُسکو ملا تو اُسے یہہ دم دیدیا کہ میرا قصد شہر میں جانے کا نہیں ہے سیدھا باہر باہر جاؤنگا (حالانکہ اس منصوبہ کا اصل مُدّعا اسی مشہور اور دولتمند بندرگاہ کو لوٹنا تھا) اور آپ تلوار پکڑ کر شہر میں آن گھُسا اور تین[۳] دن تک لوگوں کو سخت تکلیفیں اور عذاب دے دیکر خوب نچوڑا اور نقد کئی ملین* روپیہ کے سونے۔ چاندی۔ اور موتیوں اور ریشمی کپڑوں اور عمدہ ململوں اور تجارتی جنسوں سے لاد کر چلتا پھرتا نظر آیا۔ اور جو چیز اُٹھا نہ سکا اُسکو پھونک

* ایک ملین دس لاکھ روپیہ کا ہوتا ہے۔

میرے پاس بھی موجود ہے۔ اس موقع پر یہہ امر بھی ذکر کے لائق ہے کہ اورنگ زیب نے نجابت خاں کو جسنے سموگڈھ اور کھجوہ کے معرکوں میں بڑی شجاعت دکھلائی تھی اُسکے منصب سے گرا دیا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہہ بیعزتی اُسکو اسلیئے نصیب ہوئی تھی کہ اُسنے اپنی خدمتیں بار بار جتلائی تھیں اور منجملہ اُن دو بدذاتوں یعنی جیون خاں اور نذیر کے جیون خاں کے مقدر کی سرگزشت کہ جسکا وہ حقیقتاً مستحق تھا میں پہلے ہی لکھ آیا ہوں اور یہہ بات کچھ تحقیق نہیں کی گئی کہ نذیر کا انجام کیا ہوا۔

راجہ جسونت سنگہ اور جے سنگہ اور سیواجی مرہٹہ کا ذکر

جسونت سنگھ اور جے سنگھ کی حالت اگرچہ کچھ مبہم سی ہے مگر میں اُسکی توضیح میں کوشش کرونگا۔ واضح ہو کہ بیجاپور میں ایک ہندو نے بغاوت کر کے کئی بڑے بڑے قلعوں اور بندرگاہوں پر جو شاہ بیجاپور کے متعلق تھے قبضہ کر لیا تھا۔ اور اس قسمت آزمائی کرنے والے شخص کا نام سیواجی ہے جو ایک بڑا ہوشیار صاحب داعیہ اور ایسا متہور آدمی ہے کہ اپنے مرنے جینے کی اُسکو پرواہ نہیں ہے۔ چنانچہ جس زمانہ میں کہ شائستہ خاں دکن کا صوبہ دار تھا وہ اسکو شاہ بیجاپور کی تمام سپاہ اور ان راجاؤں کی متفقہ قوت کی بہ نسبت جو کسی دشمن عام کے مقابلہ میں اسکے ساتھ شامل ہوجایا کرتے ہیں زیادہ خوفناک پاتا تھا۔

شائستہ خاں پر سیواجی کا حملہ

اس شخص کی جرأت و جسارت کا ابھی پر قیاس

تھی اُسکی سپہ سالاری بھی اُسی کو دی گئی اور آخرکار بنگالہ کی صوبہ داری پر سرافراز ہوا - اور امیر خاں کو کابُل - خلیل اللہ خاں کو لاہور - مہابا کو الہ آباد - لشکر خاں کو پٹنہ اور الہ ویردی خاں کے بیٹے کو جسکے باپ کی صلاح سے سُلطان شجاع نے کھجوہ کے مقام پر شکست کھائی تھی سِندھ کا صوبہ دار مقرر کیا گیا - فاضل خاں کو جسکی معقولیت اور دانشمندانہ صلاح مشوروں سے اورنگ زیب کو بہت بڑی مدد ملی تھی خانساماںی کا عہدہ ملا - دہلی کی صوبہ داری دانشمند خاں کو عنایت ہوئی اور اس رسم قدیم کے بجالانے سے کہ ہر ایک امیر کو صبح و شام تسلیمات کے واسطے دربار میں حاضر ہونا لازم ہے (اور اگر اسمیں کبھی فروگزاشت ہو جائے تو جرمانہ بھرنا پڑتا ہے) خصوصیت کے ساتھ اس وجہ سے معاف کیا گیا کہ سیر کتب اور مطالعہ کا اُسکو نہایت شوق ہے - اور اسکے علاوہ صیغہ دول خارجہ کے متعلقہ کاموں میں بھی بہت وقت صرف کرنا پڑتا ہے -

دیانت خاں کو کشمیر کی صوبہ داری عطا ہوئی - جو اگرچہ دشوار گزار اور مختصر سا مُلک ہے - مگر ایسا پُرفضا قطعہ ہے کہ ہندوستان کا بہشت گنا جاتا ہے اور جسکو اکبر نے ایک حیلہ سے فتح کرلیا تھا - اور اِس بات کا فخر اُسکو حاصل ہے کہ اُسکی صحیح تاریخ خود وہیں کی زبان میں موجود ہے جسمیں شاہان سلف کے ایک طول طویل سلسلہ کا دلچسپ حال مندرج ہے جو کسی زمانہ میں ایسے طاقتور تھے کہ تمام ہندوستان کو لنکا تک فتح کرلیا تھا - ان تاریخوں کا ترجمہ خلاصہ کے طور پر جہانگیر نے فارسی زبان میں کرایا تھا جسکی ایک نقل

سلطنت ایران کا باجگزار ہے۔ اُسکے حالات اور خصوصاً اُس پولیٹیکل حسد اور مخالفت کے خیالات سے جو اس ملک کے باعث ایران اور ہندوستان کے بادشاہوں کے باہم پیدا ہوتے رہتے ہیں لوگ بہت کم واقف ہیں۔

پس واضح ہو کہ یہہ ملک اور اس کا دار الحکومت جو اس زرخیز اور خوشنما صوبہ کے اندر ایک مستحکم قلعہ ہے دونوں کو قندھار ہی کہتے ہیں۔ اور اسپر قبضہ حاصل کرنے کی خاطر ایرانیوں اور سلاطین مغلیہ کے باہم ایک مدت سے برابر خونریز لڑائیاں ہوتی رہی ہیں۔ چنانچہ شہنشاہ اکبر نے اسکو ایرانیوں سے چھین لیا تھا۔ اور اُسکے عہد تک برابر اُسپر قبضہ رہا مگر شاہ عبّاس نے اُسکے بیٹے جہانگیر سے پھر لے لیا۔ اور شاہ جہان کے وقت میں علی مردان خان کی نمکحرامی سے جو یہاں کا حاکم تھا اور شاہ جہان سے سازش کرکے فوراً اپنے اس نئے آقا کی پناہ میں چلا آیا تھا پھر سلطنت مغلیہ کے قبضہ میں آگیا۔ اور باعث اس کا یہہ ہوا تھا کہ دربار ایران میں علی مردان خان کے بہت سے دشمن تھے اور وہ خوب جانتا تھا کہ اگر اُن نسخوں کی تعمیل کرونگا جو

[illegible] اور پہاڑوں کے علاوہ دو ایسے دریا بھی ہیں کہ جن سے بدون کشتی کے عبور نہیں ہو سکتا۔ اسلئے قرب برسات کے اندیشے اور قلت رسد کے خیال سے فتح کے بعد اس مقام کو چھوڑ دیا گیا۔ اور عالمگیر نامہ میں جو تفصیلات تب اُن کا حساب لگانے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مہم میں دس بارہ ہزار سے کم فوج مامور نہ تھی۔ ۱۲ م ح۔

تھی اُسکی سپہ سالاری بھی اُسی کو دی گئی اور آخر کار بنگالہ کی صوبہ داری پر سرافراز ہوا۔ اور امیر خاں کو کابل۔ خلیل اللہ خاں کو لاہور۔ بہرام کو الہ آباد۔ لشکر خاں کو پٹنہ اور اللہ ویردی خاں کے بیٹے کو جسکے باپ کی صلاح سے سلطان شجاع نے کھجوہ کے مقام پر شکست کھائی تھی سندھ کا صوبہ دار مقرر کیا گیا۔ فاضل خاں کو جسکی معقولیت اور دانشمندانہ صلاح مشوروں سے اورنگ زیب کو بہت بڑی مدد ملی تھی خانسامانی کا عہدہ ملا۔ دہلی کی صوبہ داری دانشمند خاں کو عنایت ہوئی اور اس رسم قدیم کے بجا لانے سے کہ ہر ایک امیر کو صبح و شام تسلیمات کے واسطے دربار میں حاضر ہونا لازم ہے (اور اگر اسمیں کبھی فروگزاشت ہو جائے تو جرمانہ بھرنا پڑتا ہے) خصوصیت کے ساتھ اس وجہ سے معاف کیا گیا کہ سیر کتب اور مطالعہ کا اُسکو نہایت شوق ہے۔ اور اسکے علاوہ صیغہ دول خارجہ کے متعلقہ کاموں میں بھی بہت وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔

دیانت خاں کو کشمیر کی صوبہ داری عطا ہوئی۔ جو اگرچہ دشوار گزار اور مختصر سا ملک ہے۔ مگر ایسا پُرفضا قطعہ ہے کہ ہندوستان کا بہشت گنا جاتا ہے اور جسکو اکبر نے ایک حیلہ سے فتح کر لیا تھا۔ اور اس بات کا فخر اُسکو حاصل ہے کہ اُسکی صحیح تاریخ خود وہیں کی زبان میں موجود ہے جسمیں شاہان سلف کے ایک طول طویل سلسلہ کا دلچسپ حال مندرج ہے جو کسی زمانہ میں ایسے طاقتور تھے کہ تمام ہندوستان کو لنکا تک فتح کر لیا تھا۔ ان تاریخوں کا ترجمہ خلاصہ کے طور پر جہانگیر نے فارسی زبان میں کرایا تھا جسکی ایک نقل

سلطنت ایران کا باجگذار ہے۔ انکے حالات اور خصوصاً اُس پولیٹکل حسد اور مخالفت کے خیالات سے جو اِس ملک کے باعث اِیرَان اور ہِندُوستان کے بادشاہوں کے باہم پیدا ہوتے رہتے ہیں لوگ بہت کم واقف ہیں۔

پس واضح ہو کہ یہہ ملک اور اِس کا دارالحکومت جو اِس زرخیز اور خوشنما صوبہ کے اندر ایک مستحکم قلعہ ہے دونوں کو قندھار کہتے ہیں۔ اور اسپر قبضہ حاصل کرنے کی خاطر ایرانیوں اور سلاطین مغلیہ کے باہم ایک مدت سے برابر خونریز لڑائیاں ہوتی رہی ہیں۔ چنانچہ شہنشاہ اکبر نے اِسکو ایرانیوں سے چھین لیا تھا۔ اور اُسکے عہد تک برابر اُسپر قبضہ رہا مگر شاہ عبّاس نے اُسکے بیٹے جہانگیر سے پھر لے لیا۔ اور شاہ جہاں کے وقت میں علی مردان خان کی نمکحرامی سے جو یہاں کا حاکم تھا اور شاہ جہاں سے سازش کرکے فوراً اپنے اِس نئے آقا کی پناہ میں چلا آیا تھا پھر سلطنت مغلیہ کے قبضہ میں آگیا۔ اور باعث اِس کا یہہ ہوا تھا کہ دربار ایران میں علی مردان خان کے بہت سے دشمن تھے اور وہ خوب جانتا تھا کہ اگر اُن فرمانوں کی تعمیل کرونگا جو

اور پہاڑوں کے علاوہ وہ ایسے دریا بھی ہیں کہ جن سے بدون کشتی کے عبور نہیں ہو سکتا۔ اسلئے قریب برسات کے اندیشے اور قلت رسد کے خیال سے فتح کے بعد اس مقام کو چھوڑ دیا گیا۔ اور عالمگیر نامہ میں جو تفصیلات ہیں اُن کا حساب لگانے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مہم میں دس بارہ ہزار سے کم فوج مامور نہ تھی۔ ۱۲
م م ح

صوبہ کا حساب سمجھانے کے بارہ میں صادر ہوئے ہیں تو کیا نتیجہ ہوگا۔
اسکے بعد شاہ عبّاس کے بیٹے نے محاصرہ کرکے اسکو پھر فتح کرلیا اور
اگرچہ شاہجہاں نے دو دفعہ فوج بھیجی مگر دونوں دفعہ ناکامیاب رہی
۔ چنانچہ پہلی دفعہ کی ناکامیابی کا سبب تو اُن ایرانی اُمرا کی نمکحرامی
تھی جو شاہجہاں کے دربار میں سب سے بڑھکر ذی اقتدار تھے اور
باطن میں اپنے مُلک کو نہایت عزیز جانتے تھے۔ جنہوں نے اِس
محاصرہ میں نہایت قابل شرم پہلوتہی کی اور راجہ رُوپ سنگھ کو جسنے
اپنا نشان اُس دیوار پر جا گاڑا تھا جو سب سے زیادہ پہاڑ کے قریب تھی
مدد نہ دی۔ اور دوسری بار ناکامیاب رہنے کا باعث اورنگ زیب
کا رشک و حسد تھا جسنے اُس راستہ سے جو انگریزوں پُرتگیزوں جرمن
اور فرانسیسوں کی توپوں نے دیوار قلعہ کو توڑ کر جانے گزرنے کے قابل بنا دیا
تھا حملہ کرکے داخل ہی ہونا نہ چاہا۔ کیونکہ اس مہم کا آغاز داراشکوہ نے
کیا تھا جو اُس وقت باپ کے ساتھ کابل میں تھا اور اورنگ زیب کو یہہ
بات گوارا نتھی کہ اس قابل قدر ارادہ میں کامیاب ہونے کی ناموری
داراشکوہ کو حاصل ہو۔ اگرچہ شاہجہاں نے شاہزادوں کے باہمی
جنگ سے چند سال پہلے تیسری دفعہ بھی قندھار کا محاصرہ کرنا چاہا
تھا لیکن میر جملہ نے اس مہم سے روکدیا۔ اور جیسے کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں
اسکی عوض دکن پر فوج کشی کرنے کی صلاح دی اور علی مردان خان
نے بڑے زور سے اُسکے دلائل کی تائید کی بلکہ یہہ عجیب لفظ کہے کہ

سلطنت ایران کا باجگزار ہے - اسکے حالات اور خصوصاً اُس پولیٹکل حسد اور مخالفت کے خیالات سے جو اِس ملک کے باعث ایران اور ہندوستان کے بادشاہوں کے باہم پیدا ہوتے رہتے ہیں لوگ بہت کم واقف ہیں -

پس واضح ہو کہ یہہ ملک اور اس کا دارالحکومت جو اس زرخیز اور خوشنما صوبہ کے اندر ایک مستحکم قلعہ ہے دونوں کو قندھار ہی کہتے ہیں - اور اسپر قبضہ حاصل کرنے کی خاطر ایرانیوں اور سلاطین مغلیہ کے باہم ایک مدت سے برابر خونریز لڑائیاں ہوتی رہی ہیں - چنانچہ شہنشاہ اکبر نے اسکو ایرانیوں سے چھین لیا تھا - اور اُسکے عہد تک برابر اُسپر قبضہ رہا مگر شاہ عباس نے اُسکے بیٹے جہانگیر سے پھر لے لیا - اور شاہ جہاں کے وقت میں علی مردان خان کی نمک حرامی سے جو یہاں کا حاکم تھا اور شاہ جہاں سے سازش کرکے فوراً اپنے اس نئے آقا کی پناہ میں چلا آیا تھا پھر سلطنت مغلیہ کے قبضہ میں آگیا - اور باعث اس کا یہہ ہوا تھا کہ دربار ایران میں علی مردان خان کے بہت سے دشمن تھے اور وہ خوب جانتا تھا کہ اگر ان کے فرمانوں کی تعمیل کرونگا جو

اور پہاڑوں کے علاوہ وہ ایسے دریا بھی ہیں کہ جن سے بدون کشتی کے عبور نہیں ہو سکتا - اسلیئے قریب برسات کے اندیشے اور قلت رسد کے خیال سے فتح کے بعد اس مقام کو چھوڑ دیا گیا - اور عالمگیر نامہ میں جو تفصیلات ہیں اُن کا حساب لگانے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مہم میں دس بارہ ہزار سے کم فوج مامور نہ تھی - ۱۲

صوبہ کا حساب سمجھانے کے بارہ میں صادر ہوئے ہیں تو کیا نتیجہ ہوگا۔
اسکے بعد شاہ عبّاس کے بیٹے نے محاصرہ کرکے اسکو پھر فتح کرلیا اور
اگرچہ شاہجہان نے دو دفعہ فوج بھیجی مگر دونوں دفعہ ناکامیاب ہی رہا
۔ چنانچہ پہلی دفعہ کی ناکامیابی کا سبب تو اُن ایرانی اُمرا کی نمکحرامی
تھی جو شاہجہان کے دربار میں سب سے بڑھکر ذی اقتدار تھے اور
باطن میں اپنے مُلک کو نہایت عزیز جانتے تھے۔ جنہوں نے اس
محاصرہ میں نہایت قابل شرم پہلوتہی کی اور راجہ رُوپ سنگھ کو جسنے
اپنا نشان اُس دیوار پر جا گاڑا تھا جو سب سے زیادہ پہاڑ کے قریب تھی
مدد نہ دی۔ اور دوسری بار ناکامیاب رہنے کا باعث اورنگ زیب
کا رشک وحسد تھا جسنے اُس راستہ سے جو انگریزوں پُرتگیزوں جرمن
اور فرانسیسوں کی توپوں نے دیوار قلعہ کو توڑ کر جانے گذر کے قابل بنا دیا
تھا حملہ کرکے داخل ہی ہونا نہ چاہا۔ کیونکہ اس مہم کا آغاز دارا شکوہ نے
کیا تھا جو اُس وقت باپ کے ساتھ کابل میں تھا اور اورنگ زیب کو یہہ
بات گوارا نتھی کہ اس قابل قدر ارادہ میں کامیاب ہونے کی ناموری
دارا شکوہ کو حاصل ہو۔ اگرچہ شاہجہان نے شاہزادوں کے باہمی
جنگ سے چند سال پہلے تیسری دفعہ بھی قندھار کا محاصرہ کرنا چاہا
تھا لیکن میر جملہ نے اس مہم سے روکدیا۔ اور جیسے کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں
اسکی عوض دکن پر فوج کشی کرنے کی صلاح دی اور علی مردان خان
نے بڑے زور سے اُسکے دلائل کی تائید کی بلکہ یہہ عجیب لفظ کہے کہ

سلطنت ایران کا باجگزار ہے - اسکے حالات اور خصوصاً اُس پولیٹکل حسد اور مخالفت کے خیالات سے جو اِس ملک کے باعث اِیرَان اور ہِندُوستَان کے بادشاہوں کے باہم پیدا ہوتے رہتے ہیں لوگ بہت کم واقف ہیں -

پس واضح ہو کہ یہہ ملک اور اس کا دارالحکومت جو اس زرخیز اور خوشنما صوبہ کے اندر ایک مستحکم قلعہ ہے دونوں کو قندھار کہتے ہیں - اور اسپر قبضہ حاصل کرنے کی خاطر ایرانیوں اور سلاطین مغلیہ کے باہم ایک مدت سے برابر خونریز لڑائیاں ہوتی رہی ہیں - چنانچہ شہنشاہ اکبر نے اِسکو ایرانیوں سے چھین لیا تھا - اور اُسکے عہد تک برابر اُسپر قبضہ رہا مگر شاہ عَبّاس نے اُسکے بیٹے جہانگیر سے پھر لے لیا - اور شاہ جہاں کے وقت میں علی مَردَان خَان کی نمکحرامی سے جو یہاں کا حاکم تھا اور شاہ جہاں سے سازش کرکے فوراً اپنے اس نئے آقا کی پناہ میں چلا آیا تھا پھر سلطنت مغلیہ کے قبضہ میں آگیا - اور باعث اس کا یہہ ہوا تھا کہ دربار ایران میں علی مَردَان خَان کے بہت سے دشمن تھے اور وہ خوب جانتا تھا کہ اگر اُن نسخوں کی تعمیل کرونگا جو

اور پہاڑوں کے علاوہ وہ ایسے دریا بھی ہیں کہ جن سے بدون کشتی کے عبور نہیں ہو سکتا - اسلیئے قریب برسات کے اندیشے اور قلت رسد کے خیال سے فتح کے بعد اس مقام کو چھوڑ دیا گیا - اور عالمگیر نامہ میں جو تفصیلات ہیں اُن کا حساب لگانے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مہم میں دس بارہ ہزار سے کم فوج مامور نہ تھی - ۱۲

راجہ جسونت سنگہ کی جگہہ (جو شائستہ خاں کی مدد کو سیواجی مرہٹہ کی بیخ کنی کے لیئے) دکن کو بھیجا گیا تھا گجرات کا صوبہ دار بھی مقرّر کردیا۔ مگر ہاں اس جگہہ یہہ بات بھی جتادینے کے قابل ہے کہ علاوہ اُن تحائف کے جو اُسنے روشن ارا بیگم کو دیئے تھے پندرہ[15] سولہ[16] ہزار اشرفیاں اور بہت سے ایرانی اونٹ اور گھوڑے خود بادشاہ کی نذر کیئے تھے۔ پس تعجب نہیں ہے کہ ان تحفوں ہی نے بادشاہ کے دل کو نرم کردیا ہو۔

مہابت خاں کے ساتھ چونکہ کابل کا ذکر آگیا ہے تو اس وجہ سے اُسکے ہمسایہ صوبہ قندھار کا خیال بھی خواہ مخواہ میرے دل میں پیدا ہوتا ہے اسلیئے لازم ہے کہ اسکے بیان میں بھی دو ایک صفحہ لکھ ڈالوں۔ یہہ صوبہ فی زماننا

کچھ عرصہ تک بہت سے ہاتھ پاؤں مارے مگر آخر امان چاہی اور عالمگیر کے آٹھویں سال جلوس میں آخر رجب ۱۰۷۵ ایکہزار پچہتر ہجری کو چاٹگام کا مشہور و مستحکم قلعہ اور بندرگاہ جسپر بقول صاحب عالمگیرنامہ اس سے پہلے کسی مسلمان بادشاہ کا تسلط نہوا تھا مع ولایت چاٹگام اور توپخانہ اور نواڑہ کے حوالہ کر کے چاٹگام کا حاکم جو راجہ اراکان کے چچا کا بیٹا تھا مع اپنے بیٹے اور چند رشتہ داروں اور کئی سو اُور اہالی موالی کے قید ہوگیا۔ اور ایکسو بتیس[132] جنگی کشتیاں اور ایکہزار چھبیس[1026] برنجی اور آہنی توپیں اور بہت سی بندوقیں اور زنبورک اور سکّہ و باروت بیشمار مع اَور مصالح توپ خانہ اور چند ہاتھیوں کے قبضہ میں آیا۔ اور بنگالہ کی رعایا میں سے جو ایک خلق کثیر مدتوں سے انکی قید میں تھی انہوں نے رہائی پائی اگرچہ اسکے بعد بزرگ اُمید خاں کے حکم سے میر مرتضٰے نے قلعہ بندر رامبو کو بھی جو چاٹگام سے چار منزل آگے مابین چاٹگام اور اراکان کے تھا اور بیچ میں دشوار گزار جنگل اور ندیاں نالے اور پہاڑ واقع تھے راجہ اراکان کے بھائی سے جنگ و جدال کے بعد چھین لیا۔ مگر چونکہ ایّام برسات میں چاٹگام اور رامبو کے درمیان پانی ہی پانی ہوجاتا ہے۔ اور گھنے جنگلوں اور ندیوں نالوں

مہابت خاں صوبہ دار کابل کا ذکر

(اور مختصر بیان اُن لڑائیوں کا جو ایران اور ہندوستان کے باہم قندھار پر ہوتی رہی ہیں)

اب مَیں مہابت خاں صوبہ دار کابل کا ذکر کرتا ہوں کہ اُسنے بھی آخر کار کابل کی حکومت سے دست بردار ہو کر حاضر ہو جانا ہی مناسب سمجھا۔ اور اورنگ زیب نے بھی از راہ عالی ہمتی اُسکا قصور معاف کر دیا۔ اور فرمایا کہ ایسے سپاہی کی جان بہت قیمتی ہے۔ اور اپنے آقا (شاہجہاں) کے ساتھ اُسکی وفاداری تعریف کے لائق ہے بلکہ عفو قصور کے علاوہ

اور اپنے نواڑہ کو اُن کے نواڑہ سے کسیقدر فاصلہ پر روک لیا۔ جب بُوزرگ اُمید خاں اس ناکامیابی کے حال سے مطلع ہوا تو اُسنے میر مرتضےٰ اور فرہاد خاں کو تاکید سے حکم بھیجا کہ جنگل وغیرہ کٹوا کر اور راستہ بنوا کر کوچ کرنے کا خیال تو چھوڑ دیں اور جسطرح بن پڑے ابن حسین کی مدد کو جا پہنچیں۔ چنانچہ جب یہہ لوگ بھی ابن حسین کے نواڑہ کے پاس دریا کے کنارے پہنچ گئے تو ابن حسین نے دریائے کرن پھولی میں جہاں اراکانیوں کا نواڑہ ٹھہرا ہوا تھا پہنچکر حملہ کر دیا۔ اور جانبین سے چہ گھنٹہ تک سخت دریائی لڑائی ہوئی جسمیں بہت سے اراکانی مارے گئے۔ بہت سے ڈوب گئے۔ بہت سے پکڑے گئے اور ابن حسین نے فتحیاب ہو کر اپنے بیڑے کو قلعہ چاٹ گام کے نیچے جا کھڑا کیا۔ اور اس لڑائی میں کپتان مور مذکورہ صدر نے بھی۔ نہایت عمدہ خدمتیں کیں اور جو فرنگی چاٹ گام میں ابتک کسیقدر موجود تھے اور جو اراکان سے اُن کی مدد کو آئے تھے سب ابن حسین کے پاس حاضر ہو گئے۔ اور اس سے دوسرے دن خشکی کے رستہ سے فوج لیکر بُوزرگ اُمید خاں بھی آن پہنچا اور قلعہ چاٹ گام پر دریا اور خشکی دونوں طرف سے حملہ شروع ہوا۔ اہل قلعہ نے اگرچہ

اور دلاوری شاہزادہ سے ظہور میں آئی ہے بادشاہ اُس سے بڑی محبت
سے پیش آتا ہے۔ اور یہانتک اُسکو بڑھا دیا ہے کہ دکن کی صوبہ داری
بھی دیدی ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اُسکے اختیارات خصوصاً
صرف زر کے باب میں ایسے محدود ہیں کہ اُس سے کسی تکلیف کے پہنچنے
کا اندیشہ نہیں ہو سکتا۔

اُن کی کچھ کشتیوں کو جلا پھونک کر مع اپنے متعلقوں اور متوسلوں کے پچاس جلیوں
میں جو سامان جنگ اور توپ بندوق سے بخوبی تیار تھے چاٹ گام سے بھلوہ
کے تھانہ دار فرہاد خاں کے پاس نواکھالی میں چلے آئے اور اسنے اُن کے
بعض سرگروہوں کو امیرُالاُمَرا کے پاس بھیجکر باقی کو اپنے پاس ٹھہرا لیا۔
اَمیرُالاُمَرا نے اِن کی بہت خاطر کی اور اِن کے ساتھ کئی طرح کی رعائتیں کیں
غرضکہ چاٹ گام کی فتح کے لیئے جب یہہ ابتدائی بندوبست پورے ہو چکے تو
اَمیرُالاُمَرا نے اپنے بیٹے بزرگ اُمید خاں کو مع چند مسلمان اور ہندو اُمرا
اور منصبداروں کے خشکی کے راستہ سے اور فرہاد خاں مذکور اور ابن حسین
داروغہ نواڑہ (جو غالباً کوئی عرب تھا) اور میر مرتضےٰ داروغہ توپخانہ کو مع
کپتان مور سرگروہ فرنگیان چاٹ گام اور بعض اُن کے اور سرداروں کے
انعام و اکرام وغیرہ سے خوب طرح راضی اور خوش کرکے مع اُن کے کُل نواڑہ کے
بادشاہی نواڑہ کے ساتھ دریا کے راستہ سے روانہ کیا۔ چونکہ بزرگ اُمید خاں
کو منزلِ مقصود تک پہنچنے میں جنگلوں کو کٹوا کرا ور ندیوں اور دریاؤں کو عبور کرکے
بڑی مشکلوں سے کوچ کرنا پڑتا تھا اسلیئے بادشاہی نواڑہ پر جو خشکی کی فوج سے کسیقدر
آگے بڑھ گیا تھا اراکانیوں کے نواڑہ نے حملہ کیا۔ اور جانبین سے توپ
بندوق اور تیروں سے ایک دریائی لڑائی ہوکر آخرکار اراکانی مغلوب ہو گئے
اور دس غراب اور تین جلیئے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ چونکہ ابھی پیچھے سے بڑی بڑی
بادشاہی کشتیاں نہیں پہنچ سکتی تھیں اسلیئے ابن حسین نے زیادہ تعاقب نکیا۔

یہہ حکم دیا کہ " ایک شیر جو پہاڑ سے اُتر آیا ہے اور گرد نواح کے لوگوں کو تکلیف دیتا ہے اُسکو جاکر مار آئیے" اور اگرچہ بادشاہی میر شکار نے ذرا جُرأت کرکے عرض کیا کہ جہاں پناہ وہ بڑے بڑے جال بھی تو ساتھ جانے مناسب ہیں جو اس خطرناک شکار کیواسطے مخصوص ہیں - لیکن بادشاہ نے نہایت رُکھائی سے کہا کہ نہیں !! اُنکی کچھ حاجت نہیں - کیونکہ ایامِ شہزادگی میں ہمنے تو کبھی اِس قسم کی احتیاطوں کا خیال بھی نہیں کیا - اور یہہ حکم ایسے قطعی طور پر دیا کہ شہزادہ کو بلا عذر جانا ہی پڑا - اور اگرچہ اس معرکہ میں دو تین آدمی کام آئے اور کچھ گھوڑے بھی زخمی ہوئے اور شیر زخم کھاکر اور جست کرکے شاہزادہ کے ہاتھی کے سر پر بھی آن پڑا مگر مار لیا گیا - اور جب سے یہہ جُرأت

لڑائیاں لڑا تھا چھین لیا - اور اُسکو اور شریف نامے اُسکے بیٹے کو جو لڑائی میں زخمی ہوگیا مع اہل و عیال کے قید کرلیا - کیونکہ یہہ شخص ظاہر میں مطیع سلطنت اور باطن میں اراکانیوں کا مددگار تھا - اور باوجودیکہ بذات خود حاضر ہوا اور امداد دینے کے وعدے کرچکا تھا - مگر اس مہم میں شریک خدمت نہوا تھا بعد اسکے لکھا ہے کہ اُن "فرنگیوں" کی استمالت جو چاٹگام میں رہتے اور راجہ اراکان سے موافقت رکھتے تھے اس مہم کے سرانجام کے لیئے امر ضروری تھی - اسلیئے امیرُالاُمَرا نے اُن "فرنگیوں" کو جو اُسکے ماتحت بنگالہ کی اَور بندرگاہوں میں رہتے تھے بہت سے وعدہ آمیز خطوط لکھکر اُنکی معرفت چاٹگام کے فرنگیوں کے پاس روانہ کیئے - اتفاقاً اِن میں سے بعض خطوط "کرام کبری" نام ایک اراکانی سردار نے جسکو راجہ نے اپنے معمول کے موافق دریائی قزاقی کے لیئے سوندیپ کی طرف بھیجا ہوا تھا پکڑ لیئے اور راجہ کے پاس بھیجدیئے - اسلیئے چاٹگام کے فرنگیوں سے راجہ بدظن ہوگیا - اور کرام کبری کو لکھا کہ تم ان سب کو مع اُنکے متعلقین کے اراکان کو بھیجدو - نتیجہ اِس حکم کا یہہ ہوا کہ اراکانیوں سے فرنگی لڑ پڑے اور

اورنگ زیب کے بیٹوں محمد سلطان اور محمد معظم کا ذکر

محمد سلطان تو اب تک قلعہ گوالیار میں قید ہے۔ لیکن کہتے ہیں کہ اُسکو وہ پوستوں کا معمولی قدح اب نہیں پلایا جاتا۔ اور محمد معظم بدستور اپنی ہوشیاری اور سلامت روی کی چال پر چلے جاتا ہے۔ لیکن ایک واقعہ سے ایسا پایا جاتا ہے کہ شاید بادشاہ اُس سے کچھ ناراض تھا۔ اور اس ناراضی کا سبب یا تو یہہ ہوگا کہ اپنے باپ کی شدت مرض کے زمانہ میں کوئی خفیہ کارروائی کی ہوگی یا کوئی اَور نامعلوم سبب ہوگا۔ یا یہہ بھی ممکن ہے کہ بغیر کسی مخفی رنجش کے صرف اُسکی جرأت اور اطاعت کا امتحان ہی منظور ہو۔ مگر بہرحال اورنگ زیب نے ایک روز بھرے دربار میں اُسکو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

ہی سے منسوب کیا ہے۔ بلکہ بلالحاظ خوشامد و چاپلوسی اپنے بادشاہ یا حکام سلطنت اس امر کو صاف صاف لکھدیا ہے کہ بہ نسبت بادشاہی نواڑہ کے اپنے فن میں یہہ لوگ مشاق بھی زیادہ تھے۔ اور اِن کی جنگی کشتیاں سامان توپخانہ اور مضبوطی اور استحکام میں بھی بادشاہی کشتیوں سے بہت بڑھ کر اور زیادہ عمدہ تھیں اور وجوہ فوج کشی کے متعلق شجاع کے واقعہ کا تو کوئی اشارہ نہیں صرف اتنا ہی لکھا ہے کہ یہہ لوگ اپنی کشتیوں میں چڑھکر چونکہ چاٹ گام کے رستہ سے صوبہ بنگالہ میں داخل ہوکر مذکورہ بالا بدعتوں کے مرتکب ہوتے تھے اسلیئے شائستہ خاں نے علاوہ ماموری و گشت نواڑہ بادشاہی اور زیادہ مستحکم کرنے اپنی سرحد کے مقاموں نواکھالی اور سنگرام گڈھ اور بھلوہ وغیرہ کے خود چاٹ گام کا چھین لینا مناسب جانا۔ اور اس ارادہ کی تکمیل کے لیئے اوّل تو جزیرہ سوندیب کو جو چاٹ گام کے قریب نواکھالی کے محاذی ہے۔ دِلاوَر نامے وہاں کے زمیندار یعنی راجہ سے جو شائستہ خاں کے فرستادہ سرداروں کے ساتھ ایک دو بہت خاصی

آتا ہے جسکے کہ وہ واقع میں لایق ہیں۔ اُسنے چاٹ گام سے تو اُن کو اکھیڑ ہی دیا ہے۔ اور وہ اب اپنے اہل و عیال سمیت اُسی کے قابو میں ہیں۔ اور اُن کی امداد کی بھی کچھ حاجت نہیں رہی اسلیئے اُسنے سمجھ لیا ہے کہ جو وعدے ان سے کیئے گئے تھے اُن میں سے اب کسی کے بھی ایفا کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ کئی کئی مہینے گزر جاتے ہیں کہ تنخواہ کی بابت پھوٹی کوڑی تک نہیں ملتی۔ اور وہ علانیہ کہا کرتا ہے کہ یہہ ایسے دغاباز اور نالایق ہیں کہ جس راجہ نے اِن سے اسقدر سلوک کیئے تھے یہہ پاجی اُسی کے ساتھ بے ایمانی سے پیش آئے۔ اور اسلیئے اِن پر بھروسہ کرنا نادانی ہے۔ اور اس طرح سے اُسنے چاٹ گام میں اِن پرتگیزوں کی طاقت کے چراغ کو بجھا دیا جنھوں نے بنگالہ کے نیچے کے حصہ میں اسقدر اندھیر مچا کر تمام ملک کو ویران اور بے چراغ کر دیا تھا۔ اور یہہ امر زمانہ کے گزرنے پر معلوم ہوگا کہ آیا شائستہ خاں کو ایسی ہی کامیابی اراکان کی مہم میں بھی ہوتی ہے یا نہیں*

---

* دریائی غارتگری اور رعایا سے بادشاہی کو لوٹ لینے اور بکڑ لیجانیکے الزام جس تفصیل و توضیح سے مصنف نے اپنے اس تمام بیان میں چاٹ گام کے پرتگیزوں کی نسبت لکھے ہیں بہ سبب اسکے کہ اُسکی یہہ تحقیقات ایک یورپین قوم کے حالات سے متعلق ہے ہمارے نزدیک بہ نسبت کسی فارسی مورخ کی تحریروں کے یہی بیان زیادہ تر اعتماد اور سند کے لایق ہے۔ مگر صاحب عالمگیرنامہ نے جس طرح پر اس مہم کے واقعات کو لکھا ہے وہ یوں ہے کہ اُسنے چاٹ گام کے پرتگیزوں کی نسبت کوئی الزام نہیں نکالا۔ اور بیان واقعات میں جو عموماً برنیئر کے بیان کے قریب قریب ہے اِن کل حرکتوں کا ملزم خود اراکانیوں کو بتایا ہے اور دریائی لڑائی اور فن کشتی رانی میں جو فوقیت اُسنے پرتگیزوں سے منسوب کی ہے صاحب عالمگیرنامہ نے اسکو بھی اراکانیوں

سونددیپ پر چڑھائی کرنے اور فتح کر لینے میں (جو کچھ دنوں سے راجہ اراکان کے قبضہ میں چلا گیا تھا) شریک ہوئے اور پھر یہاں سے بادشاہی فوج کے ساتھ چاٹ گام کو گئے۔ اب اگرچہ ڈچوں کے وہ دونوں جنگی جہاز بھی آپہنچے مگر شائستہ خاں نے اُن کے سرداروں کی مہربانی کا شکریہ ادا کر کے یہہ کہلا بھیجا کہ اب آپ کے تکلیف کرنے کی کچھ حاجت نہیں رہی۔

بنگالہ میں یہہ جہاز میں نے بھی دیکھے تھے اور اُن کے عہدہ داروں سے ملاقات بھی ہوئی تھی جو اس بات کے شاکی تھے کہ اس ہندوستانی سردار نے محض زبانی جمع خرچ اور خشک شکریہ پر ہی انگوٹھا دکھلا دیا اور شروط مقررہ کا کچھ لحاظ نکیا۔

پرتگیزوں کے ساتھ شائستہ خاں کے طرز سلوک کا ذکر۔

شائستہ خاں کا برتاؤ اِن پرتگیزوں کے ساتھ اگرچہ ویسا نہیں ہے جیسا کہ شاید بلحاظ اُنکی خدمات کے ہونا چاہیئے تھا مگر ہاں وہ اُن سے اُس سلوک سے پیش

[illegible]

جو اِن سب میں دور تر جزیرہ کے رہنے والے اور تعداد میں چار پونے چار کروڑ سے زیادہ نہ تھے اوصاف و اقبال خداداد کی وجہ سے اِس ملک کا شہنشاہ اور یہاں کے چھبیس ستائیس[26] کروڑ باشندوں کا مختار مطلق بنا دیا۔ منجملہ اِن پانچوں قوموں کے ہندوستان میں اب ڈچوں اور ڈنمارک والوں کی حکومت کسی جگہہ نہیں ہے۔ البتہ گورنمنٹ انگریزی کی رعایت اور اُس باہمی لحاظ و ملاحظہ سے جو اِن سلطنتوں کے باہم یورپ میں ہے فرنچوں کی حکومت پانڈیچری میں مع اُسکے علاقہ متعلقہ کے اور نیز قصبہ چندر نگر میں چلی آتی ہے اور پرتگیزوں کی حکومت بھی گوآ میں اور نیز جزیرہ دیو متعلقہ کاٹھیاواڑ میں باقی ہے مگر فی زمانا یہہ دونوں حکومتیں ہندوستان کے عام نظم و نسق کے اعتبار سے ایسی غیر محسوس اور بے وقعت ہیں کہ یہاں کے امور پولیٹکل میں اُن کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔

[illegible]

اتفاقاً انہیں ایام کے قریب ان فرنگیوں نے راجہ اراکان کے ایک بڑے عہدہ دار کو مار ڈالا تھا۔ اب اگرچہ یہ بات تو ٹھیک معلوم نہیں کہ راجہ کی سزا ہی کے اندیشہ نے انہیں ڈرایا یا شائستہ خاں کی دھمکیوں اور وعدہ وعیدوں نے اثر کیا۔ مگر یہ امر متحقق ہے کہ ایک دن ان نالائق بزدلوں پر ایسا خوف طاری ہوا کہ یک لخت چالیس پچاس گالیاسوں میں بیٹھکر بنگالہ کو چل پڑے۔ اور ایسے اضطراب سے روانہ ہوئے کہ اس ٹڑبڑاہٹ میں جورو بچے اور مال اسباب بھی بمشکل ساتھ لا سکے۔ شائستہ خاں ان نئے ملاقاتیوں سے بڑے اخلاق کے ساتھ ملا اور بہت سا روپیہ ان کو دیا اور شہر ڈھاکہ میں ان کے اہل وعیال کے رہنے کے لیے عمدہ بندوبست کر دیا۔ اور اس طرح پر ان کو اُسکے حُسن سلوک کا ایسا بھروسہ ہوگیا کہ از خود بادشاہی لشکر کے ساتھ مہم پر جانے کی خواہش ظاہر کی۔ اور جزیرہ

لگ کوئین الزبتھ کی اجازت سے ہندوستان کی سوداگری شروع کی۔ اور ان کے بعد ۱۶۱۶ء سولہ سو سولہ میں ڈنمارک والوں نے جو یورپ کی ایک چھوٹی سی قوم ہے اور جنکو ڈینز کہتے ہیں اوّل مدراس کی طرف سمندر کے کنارے ترنکی باڑیں (جسکا صحیح نام تلنگم باڑی معلوم ہوتا ہے) جو تنجور کے راجہ سے خرید لیا تھا۔ اور پھر کلکتہ کے قریب سیرام پور میں اپنی کوٹھیاں کھولیں اور سب سے پیچھے ۱۶۶۴ء سولہ سو چونسٹھ عیسوی میں فرانس کے قابل ولایق وزیر کولبرٹ نے بھی جسکو ڈاکٹر برنیر نے اپنا خط جو اس جلد کے خاتمہ میں ہے نذر کیا تھا) تجارتی کمپنی کھڑی کی اور فرنچوں نے قصبہ چند رنگر معروف فرانس ڈانگا کے علاوہ جو کلکتہ کے پاس ہے ملک کرناٹک کے قریب پانڈے چری کو اپنا صدر مقام قرار دیکر ایسے زور و شور سے قدم جمانا چاہے کہ گویا ہندوستان کے آقا ہو چلے تھے۔ مگر اتفاقات وقت سے ان سب قوموں کا فروغ یکے بعد دیگرے گھٹتا گیا۔ اور خداوند تعالیٰ نے صرف انگریزوں کو

٭ صاحب جام جہاں نما اسکا صحیح نام پتوچری بتاتے ہیں۔ س م ح

بھیجدیئے تاکہ شائستہ خاں کی فوج کو آسانی کے ساتھ چاٹ گام میں پہنچادیں چونکہ اس عرصہ میں شائستخاں نے بھی گیلی آس وغیرہ قسم کی بڑی بڑی کشتیاں جمع کرلی تھیں پس اُسنے اِن قزاقوں کو اِس طرح پر دھمکایا کہ اگر فوراً اطاعت قبول نکروگے تو نیست و نابود کردیئے جاؤگے۔ کیونکہ اورنگ زیب نے اراکان کے راجہ کی سزادہی کا ارادہ مصمم کرلیا ہے۔ اور ڈچوں کے جنگی جہازوں کا ایک طاقت ور بیڑا بھی جسکا تم مقابلہ نکرسکوگے بہت جلد آنے والا ہے۔ پس اگر تمکو کچھ عقل ہے۔ اور اپنی اور اپنے اہل و عیال کی خیریت چاہتے ہو تو راجہ کی نوکری چھوڑکر شاہی ملازمت اختیار کرلو اور جسقدر تمکو ضرورت ہو بنگالہ میں زمین عطا کیجائیگی اور راجہ کے ہاں سے جتنی تنخواہ ملتی ہے اُس سے دوچند دیجائیگی۔

[illegible]

جب اپنے اوبانی جہازوں کے ذریعہ سے ایک پُرصعوبت اور خطرناک اور طولانی سفر طے کرکے ۸ جولائی سنہ ۱۴۹۸ چودہ سو اٹھانوے عیسوی میں ساحل ملاباد پر آپہنچا (جسکا مفصل حال اُس حاشیہ میں درج ہے جو اِس جلد کے خاتمہ میں لگایا گیا) تو اُس وقت سے سَو برس کے عرصہ تک تو مشرقی سمندروں اور جزیروں اور سواحل ہندوستان میں انہیں کا غلبہ اور دور دورا رہا۔ مگر جب سنہ ۱۶۰۰ سولہ سو عیسوی میں ڈچ لوگ سپین کی حکومت سے آزاد ہوگئے تو اُنہوں نے بھی ہندوستان کی تجارت کے لئے کمپنیاں بنائیں اور ایسے بڑھے کہ بحرالہند میں خط استوا کے قریب جزیرہ جاوا وغیرہ پر جہاں ابتک شہر بٹیویا انکی حکومت کا صدر مقام ہے قابض ہوگئے۔ اور پھر جہاں کہیں قابو پایا پرتگیزوں کو بھی پسپا کرنا شروع کیا یہانتک کہ مشہور اور زرخیز جزیرہ لنکا بھی جو اب گورنمنٹ انگریزی کی حکومت میں ہے ڈچوں نے پرتگیزوں سے چھین لیا۔ اور اسقدر ترقی پائی کہ پرتگیز پست ہوگئے اور خاص ہندوستان کی تجارت اور بندرگاہوں میں بھی آخرکار انہیں کا غلبہ ہوگیا۔ اِسی زمانہ کے قریب یعنی سنہ ۱۵۹۹ پندرہ سو ننانوے میں انگریزوں نے بھی اپنی نامور

چنانچہ شائستہ خاں نے اپنی تجویز کے ابتدائی امور کو غایت درجہ کی ہوشیاری کے ساتھ پورا کیا۔ اور چونکہ دریاؤں اور ندی نالوں کی وجہ سے جو راستہ میں پڑتے ہیں خشکی کی راہ سے اراکان میں فوج کا لیجانا بہت مشکل تھا اور بسبب اُس فوقیت کے جو ان بحری قزاقوں کو جہازی لڑائی میں حاصل تھی سمندر کے راستہ سے فوج کشی کرنا اس سے بھی زیادہ دشوار تھا اسلیئے اُسنے ڈچ لوگوں سے مدد لینا مناسب سمجھا اور جس طرح پر شاہ عبّاس بادشاہ ایران نے انگریزوں کے اتفاق سے جزیرہ[لہ] ھُرمُز پر قبضہ کرلیا تھا اُسی طرح اسنے بھی ڈچوں کی امداد سے اراکان پر قبضہ کرلینا چاہا۔ اور بٹیویا کے گورنر کے پاس اپنے ایلچی کو چند خاص شرطوں کے ساتھ عہد و پیمان کرنے کو بھیجا۔ اور یہہ پیغام دیا کہ آؤ ہم تم ملکر اراکان پر مشترکہ قبضہ کریں۔ بٹیویا کا گورنر اس تجویز کے قبول کرلینے پر اس وجہ سے آسانی کے ساتھ مائل ہوگیا کہ اسکے ذریعہ سے اُنکو ھندوستان کے معاملات میں پرتگیزوں کی مداخلت کے کم کرنے کا (جس سے ڈچ کمپنی[کہ] کا بہت نقصان تھا) زیادہ تر موقع ہاتھ آتا تھا۔ اور اُسنے اپنے دو جنگی جہاز بنگالہ کو

لہ اس مقام کو پرتگیزوں نے ایرانیوں سے چھینا ہوا تھا۔ مگر ۱۶۲۲ء سولہ سو بائیس عیسوی میں ایرانیوں نے انگریزوں کی مدد سے پھر واپس لے لیا۔ (تاریخ ہند منشی ذکاء اللہ)

کہ ھندوستان کی دولتمندی کی شہرت نے مدتوں سے یورپ کی اکثر قوموں کو اِس ملک کے ساتھ تجارت کا سلسلہ جاری کرنے کے لیئے بیچین کر رکھا تھا۔ مگر خشکی کے راستہ کی مشکلات اور سمندر کی راہ معلوم نہونے کی وجہ سے سب ہار بیٹھے تھے لیکن پرتگیزوں کے بادشاہ امان ویل کے عہد میں اُنکا اولوالعزم امیر البحر واسکوڈیگاما

شائستہ خاں کا ان پرتگیز قزاقوں پر چڑھائی کرنا - اور اُن کے مطیع کرنے میں ڈچوں سے مدد لینا -

میں خیال کرتا ہوں کہ جو کچھ مینے بیان کیا ہے اِس امر کے اندازہ کرنیکے لیئے کافی ہے کہ سلاطین مغلیہ کو کسقدر تکلیف اور ایذا اور خرچ اِن ظالم اور زبردست لٹیروں کے سبب سے اُٹھانا پڑتا تھا - اور اُن کے بنگالہ مین گھس آنیکے خوف سے ہمیشہ فوج اور گیلی آس قسم کی کشتیوں کے نواڑے ناکوں کے روکنے کے لیئے تیار رکھنے پڑتے تھے - اور اسپر بھی اِن کے ہاتھ سے ملک ہمیشہ تباہ و برباد ہوتا رہتا تھا - اور یہہ قزاق اسقدر دلیر اور اپنے فن میں ایسے مشاق ہو گئے تھے کہ صرف چار پانچ گیلی آس کشتیوں میں بیٹھکر چڑھ آتے تھے اور عموماً چودہ پندرہ گیلی قسم کی بادشاہی کشتیوں کو گرفتار کر لیتے یا تباہ کر ڈالتے تھے - اسلیئے شائستہ خاں نے بنگالہ کا صوبہ دار مقرر ہوکر اِن کی بیخ کنی کی تجویز کی - اور اسمیں اُسکے دو مطلب تھے کہ سر دست توان بیرحم وحشی قزاقوں کے متواتر اور برباد کُن حملوں سے اپنے صوبہ کا بچانا اور آخر کار راکان کے راجہ پر چڑھائی کرنا - اور اُس بیرحمی کی سزا دینا جو اُسنے سُلطان شجاع اور اُسکے اہل و عیال کی نسبت کی تھی کیونکہ اورنگ زیب کا مستقل ارادہ تھا کہ اُن عالی منزلت لوگوں کے خون کا انتقام لے اور اِس مثال سے قریب و جوار کے تمام رئیسوں کو یہہ سبق دے کہ خاندان شاہی کے لوگ خواہ کسی حالت میں کیوں نہ ہوں انسانیت اور ادب کے ساتھ سلوک کیئے جانیکے مستحق ہیں -

تھا۔ اور یہہ وہی قزاق تو تھے جنکا ذکر میں نے پہلے کیا ہے کہ اپنی گیلی آس* قسم کی کشتیوں میں چھپکر سلطان شجاع کے پاس ڈھاکہ میں اس غرض سے آئے تھے کہ اسکو اراکان لیجائیں — اُس موقع پر بھی ان بدمعاشوں نے ایک عجیب چالاکی کی تھی کہ کسی طرح اسکے اسباب کے صندوقوں میں سے بہت سے جواہرات نکال لیئے تھے اور اراکان پہنچکر جزوی قیمت پر خفیہ بیچتے پھرتے تھے جن میں سے ڈچوں اور اور فرنگیوں نے اکثر ہیرے یہہ دم دیکر کہ یہہ کچے ہیں ان بیوقوفوں سے تھوڑی سی قیمت پر اُڑا لیئے تھے

* بل فرنگ گے لی اور گے لی آس مندرجہ ذیل شکل کی ایسی کھلی کشتیوں کو کہتے ہیں جیسی کہ اکثر پنجاب اور ہندوستان کے بعض بڑے دریاؤں پر ہوتی ہیں۔ چپوؤں سے کھینچی جاتی ہیں۔ ضرورت کے وقت انپر بادبان بھی چڑھا سکتے ہیں۔ ایک مختصر سا بنگلہ بھی ایک سرے پر بنا ہوا ہوتا ہے۔ اور گے لی اور گے لی آس میں صرف اتنا فرق ہے۔ کہ گے لی آس قد میں اُس سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور باقی ترکیب اور وضع سب وہی ہے اُسوقت کی فارسی تاریخوں میں بنگالہ کی ان دریائی لڑائیوں کے ذکر میں تین قسم کی کشتیاں لکھی ہیں (۱) غراب یعنی ڈونگہ (۲) ڈونگہ کلاں (۳) جلبہ فرنگی۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ ڈونگہ کلاں تو گیلی سے مراد ہے۔ اور جلبہ فرنگی گیلی آس سے اور انپر توپوں کے چڑھانے کی بھی گنجایش ہوتی تھی —

Galley — Galliass
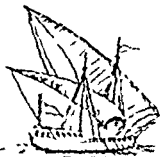
جزیرہ سوندیپ اور فراجوان نامے ایک بدنام پرتکیز درویش کا ذکر۔

اِسی زمانہ کے قریب جسکا میں ذکر کر رہا ہوں جزیرہ سوندیپ* کو اُن دریائی قزاقوں نے اپنے قبضہ میں کر لیا تھا جو گنگا کے دہانہ کے اکثر رو کے رکھنے کو اُن کے لیئے ایک بہت کارآمد ناکا تھا۔ اور وہ نامی بدمعاش فراجوان جو اگسٹاین فرقہ کے درویشوں میں سے تھا نہ معلوم کن فن و فریب سے وہاں کے حاکم کو نکال کر ایک مدت تک اس جزیرہ کا ایک چھوٹا سا راجہ بنا رہا

* یہہ چھوٹا سا جزیرہ خلیج بنگال میں چاٹگام کے نزدیک ہے۔ س م ح

Fra Joan Augustine

(ایکہزار بیالیس) کو قاسم خاں کے بیٹے عنایت اللہ مذکور نے بنگال سے آکر چھوٹے بڑے چار سو مرد و عورت "اسیران فرنگ" (یا اگر چھاپہ میں کچھ غلطی ہوگئی ہو تو وہی چار ہزار چار سو) مع اُن کے بتوں کے (جو رومن کیتھلک عیسائیوں کے گرجاؤں میں اکثر ہوا کرتے ہیں) بادشاہ کی نظر سے گزرانے جسنے اُنکی نسبت یہہ حکم دیا کہ سختی کے ساتھ قید رکھے جائیں اور جو کوئی مسلمان ہو جاے اُسکا گزارہ مقرر کیا جاے۔ اور جو مسلمان نہو وہ برابر قید رہے۔ چنانچہ بعضے تو مسلمان ہو کر مورد عنایات ہوگئے اور بعضے قید ہی میں مر گیئے۔ اور اُن کے بتوں میں سے جو مورتیں کہ بعض پیغمبروں کی تھیں اُنکو تو ادب کے خیال سے دریائے جمنا میں ڈبوا دیا باقی کو توڑ واڈالا۔

صاحب سیرالمتاخرین نے ملا عبدالحمید کی طرح اُنکو محض سرندیپ کے فرنگی نہیں بتایا بلکہ جیسا کہ چاہیئے تھا بہ تخصیص قومیت "پرتکیس" لکھا ہے۔ اور اس مصیبت کا باعث اُنکا "تمرد اور بغاوت" اور قیدیوں کی تعداد چار ہزار چار سو زن و مرد لکھی ہے۔ اور چونکہ سُرنگ اُڑنے کے بعد بادشاہنامہ میں بھی اتنے ہی آدمیوں کا قید ہونا لکھا ہے اسلیئے غالب ہے کہ یہی شمار صحیح ہو مگر ہاں یہہ بھی ممکن ہے کہ چار ہزار چار سو نصرانی قیدیوں میں سے ہندوستانی نصرانیوں کو چھوڑ کر صرف چار سو گورے چٹے فرنگی مردوں اور عورتوں ہی کو چھانٹ کر غلامی کے لیئے حاضر کیا گیا ہو۔ ۱۲

س م ح

بڑی بڑی عظیم الشان مہموں کے کرنے میں مشہور تھے* اور وہ ایسے تھے جیسے کہ آجکل کے پرتگیز ہیں جو ہر ایک معیوب فعل کی عادی ہیں اور جنکا ہر ایک ذلیل اور بیحیایانہ کام میں دل لگتا ہے۔

* اس کتاب کے مترجم انگریزی مسٹر ڈونگ براک نے پرتگیزوں کے ہندوستان میں آنے اور اُن کے عروج و زوال کا حال ایک حاشیہ میں بہت تفصیل سے لکھا تھا۔ چونکہ وہ دلچسپ مضمون کسیقدر طولانی ہے اسلئے خفیف کمی بیشی کے ساتھ ہمنے اس جلد کے خاتمہ میں لگادیا ہے۔ س م ح

تو اول توپ اور بندوق سے لڑائی شروع کرکے آخر کار سرنگ کو آگ دیدی جس سے وہ مکان اور بہت سے فرنگی دھوئیں کی طرح اُڑ گئے۔ اور باقیماندہ جو اپنی کشتیوں میں جا چڑھنے کو بھاگے تو مارے گھبراہٹ کے اکثر تو پانی میں ڈوب گئے۔ اور جو لوگ ڈوبتے اُچھلتے کشتیوں تک جا بھی پہنچے اُنکو بادشاہی نواڑہ کی فوج نے جالیا یہانتک کہ پرتگیزوں نے اپنی تباہی کو یقینی جانکر اپنے ایک بڑے جہاز کو جسمیں قریب دو ہزار کے مرد و عورت اور بہت سا مال و اسباب اور بارود کا ذخیرہ تھا اس خیال سے کہ غنیم کے ہاتھ نہ پڑے بارود میں آگ دیکر آپ خود جلادیا۔ اور اسیطرح جو لوگ چھوٹی کشتیوں میں چڑھ گئے تھے اُنہوں نے بھی اپنے آپ کو جلاکر ہلاک کرڈالا۔ غرضکہ چونسٹھ بڑے ڈونگوں اور ستاون غراب اور دو سو جلیوں میں سے صرف ایک غراب اور دو جلیئے تو (محض اسوجہ سے کہ یورش کے وقت چند تیل کی شاہی کشتیوں میں آگ لگ کر کچھ رستہ کھل گیا تھا) بچکر نکل گئے مگر اسکے سوا جو کچھ آگ اور پانی سے بچا سب بادشاہی لشکر کے قابو میں آگیا۔ اور شروع جنگ سے اسوقت تک اگرچہ لشکر شاہی میں سے تو صرف ایک ہی ہزار آدمی مارے گئے۔ مگر محصوروں کی طرف عورت مرد بوڑھا جوان ان سب قسم کی آفتوں اور لڑائی میں دس ہزار کے قریب ضائع ہوئے۔ اور باقی نصرانی مرد و عورت چار ہزار چار سو قید ہوئے۔ اور رعایا بادشاہی میں جو دس ہزار آدمی کے قریب اُنکی قید میں تھے اُنکو رہائی دیگئی اور ۱۱ محرم سنہ ۱۰۴۲ ہجری

فتح بندر ہگلی

پرتگیزوں کی بداعمالی کا ذکر

امر واقعی یہہ ہے کہ ہِندُوستان میں پرتگیزوں کے زوال طاقت کا باعث اُنکی بداعمالی ہے - اور جیسا کہ وہ خود بھی قبُول کرتے ہیں اسکو غضب الہی کا ایک نشان سمجھنا چاہیئے - اگلے زمانہ کے پُرتگیزوں کا ہِندُوستان میں بڑا نام تھا - اور تمام ہندوستانی رؤسا اُنکی دوستی کے خواہاں تھے - اور وہ جُرأت اور دینداری اور دولتمندی اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

کے پرگنوں میں داخل ہوکر "نصرانی اجارہ داروں" کو قتل و قید کیا اور سب سے زیادہ کارآمد تدبیر یہہ کی کہ اُن کے نواڑہ کے ملازموں کے اہل و عیال کو بھی جو سب بنگالی تھے پکڑ لائے - جسکے باعث سے ایسی ضرورت کے وقت چار ہزار ملّاح اُنکی نوکری چھوڑکر بادشاہی لشکر میں حاضر ہوگئے - اسکے بعد بادشاہی سرداروں نے خاص ھوگلی کو جا گھیرا - اور ایّام محاصرہ میں ساڑھے تین مہینے تک اُنکی یہہ حالت رہی کہ کبھی تو لڑائی لڑتے تھے اور کبھی صلح کے پیغام و سلام بھیجتے تھے اور اس کجدار و مریز سے اصل مقصود یہہ تھا کہ فرنگستان سے کمک آنیکے منتظر تھے - چنانچہ اسی پیغام و سلام میں اگرچہ بطور تمہید صُلح اور عذر و معذرت کے ایک لاکھ روپیہ نقد بھی نذر کردیا مگر باوجود اسکے تقریباً ساٹھ ہزار بندوقچی جو حالت محاصرہ میں اُنکے پاس موجود تھے اُنکو لڑنیکے لیئے بھی مامور کیئے رکھا - اور جس باغ میں بادشاہی سپاہ اُتری ہوئی تھی اُسکے درختوں کو بھی چھِنوا دیا تاکہ بندوقوں کی زد سے پناہ نہ مل سکے - آخرکار بادشاہی سرداروں نے (جو دریائی لڑائی میں عموماً لاچار تھے) یہہ تدبیر کی کہ بیلدار لگاکر گرجا کی طرف کی خندق میں (جسکا عرض اور عمق کم تھا) چھوٹی چھوٹی نالیاں کھُدواکر اُسکو پانی سے خالی کرڈالا اور اپنے مورچوں میں سے تین سُرنگیں لگائیں جنمیں سے دو کو تو خبر پاکر اُنہوں نے خراب کردیا - مگر تیسری سُرنگ ٹھیک اُس مکان تک جا پہنچی جو سب میں اُونچا اور زیادہ مضبوط تھا اور جسمیں بہت سے فرنگی جمع رہتے تھے - اور جب اُس سُرنگ میں بارود بھر دیگئی تو چودھویں ربیع الاوّل کو اُسی مکان کے سامنے صف لشکر آراستہ کی گئی تاکہ لڑائی کا زور اِسی طرف سمجھکر وہ سب اِدھر ہی آن کر جمع ہوجائیں - اور جب ایسا ہی ہوا

اور اَور ملکوں میں اختیار کیا تھا۔ اسکے قبول کر لینے میں کوئی نئی اور قابل تعجب بات نہ تھی۔ مگر کہتے ہیں کہ ویسرائے گوآ نے غرور اور حسد کے مارے اسکو منظور نہ کیا۔ اور اُسکو یہہ امر ناز یبا معلوم ہوا کہ شاہ پرتگال ایک ایسے بڑے معاملہ میں ایک ایسے چھوٹے اور کم اصل شخص کا احسان اُٹھائے

اخیر میں ماہ شعبان ۱۱۴۱ اکہزار اکتالیس ہجری الہ یار خاں نامے ایک سردار کو مع عنایت اللہ اپنے بیٹے اور کئی اَور سرداروں اور امیروں کے یہہ تدبیر سمجھائی کہ اوّل بردوان جاکر ٹھہریں۔ اور بجائے ہوگلی کے یہہ مشہور کر دیں کہ بردوان کی طرف مقام ہجلی کی تاخت و تاراج کے لیئے یہہ فوج آئی ہے۔ اور بہادر نامے ایک سردار کو جو اُسکا ذاتی ملازم اور نہایت محل اعتماد تھا مخصوص آباد (مرشدآباد) کے محال خالصہ کے بندوبست کے بہانہ سے اُسکو یہہ سمجھا کر روانہ کیا کہ ضرورت کے وقت الہ یار خاں اور عنایت اللہ کے پاس پہنچکر شامل ہو جانا اور یہہ سب احتیاطیں اس اندیشہ سے تھیں کہ کہیں اس ارادہ کی خبر پاکر پرتگیز لوگ مال و عیال کو لیکر اپنی کشتیوں میں نہ جا چڑھیں۔ علاوہ بریں یہہ تدبیر کی گئی کہ چند سرداروں نے مرچاپور بندر سے نواڑہ میں پہنچکر اوّل کھاڑی کے دہانہ کو جا روکا اور بعد ازاں الہ یار خاں اور عنایت اللہ نے بردوان سے دفعتاً کوچ کرکے ایک جگہہ سات گانوں اور ہوگلی کے بیچ میں آڈیرا کیا۔ اور بہادر نے پانسو سواروں اور پیادوں کی جمعیت کثیر سے مخصوص آباد سے آکر اور خواجہ شیر وغیرہ کے ساتھ جو نواڑہ میں مرچاپور سے آئے تھے شامل ہوکر ہوگلی کی کھاڑی میں ایک تنگ جگہہ کشتیوں سے پل باندھکر اُنکے سمندر میں بھاگ جانے کا رستہ بند کر دیا اور بعد اسکے دوسری ذی الحجہ ۱۰۴۱ اکہزار اکتالیس ہجری کو کھاڑی اور خشکی دونوں طرف سے آگے کو بڑھے۔ اور قصبہ بالی میں پہنچکر جو یہہ بستی بھی خندق سے اس طرف پرتگیزوں ہی کے متعلق تھی ان سے ایک گروہ کو تہ تیغ کیا۔ اور جو کچھ ملا لوٹ لیا۔ اور کچھ سپاہ نے کھاڑی کے دونوں طرف اُن کے اجارے

گوا کے ویسرائے کو اراکان پر مہم کرنیکے لئے پرتگیز بحری قزاقوں کا تحریک کرنا

ہوگلی کے چھن جانے سے پہلے جبکہ باسٹیان گان سالو اراکان کے قزاقوں

Bastian Gonsalves

کا سرغنہ تھا اور ایسا نامی اور زبردست شخص ہوگیا تھا کہ شاہ اراکان کی بیٹی سے اسنے شادی کرلی تھی! ان قزاقوں نے گوا کے ویسرائے کی خدمت میں باقاعدہ طور پر یہہ درخواست پیش کی تھی۔ کہ اگر آپ چاہیں تو تمام ملک اراکان پر ہم آپکا قبضہ کرا سکتے ہیں۔ اگرچہ بلحاظ پرتگیزوں کی اس وضع اور رویہ کے جو انہوں نے جاپان۔ پیگو۔ اتھوپیا

کہ بندر سات گانوں کا بازار سرد ہوگیا۔ اور جہازات فرنگ کی آمدوشد اور خرید و فروخت اسی جگہہ مقرر ہوگئی۔ اور یہہ مقام ایک بڑا شہر بنکر بنام ہوگلی کے نام سے مشہور ہوگیا۔ رفتہ رفتہ اِن لوگوں نے ہوگلی کی کھاڑی کے دونوں طرف جو پرگنے تھے تھوڑے تھوڑے معاملہ پر وہ بھی اجارے سے لیلئے اور وہاں کی رعایا کو زبردستی اور طمع دونوں طور سے کرسچن بنا بناکر فرنگستان کو بھیجنا شروع کیا۔ اور اگرچہ رعیت کے کم ہوجانے سے اجارہ کا روپیہ گرہ سے بھرنا پڑتا تھا۔ مگر باوجود اسکے وہ اس فعل کو موجب ثواب سمجھکر اس نقصان کو سوداگری کے نفع سے پورا کرتے تھے اور آخرکار انکی یہہ کارروائی محال اجارہ کے دیہات پر ہی محدود نہ رہی تھی بلکہ دریا کنارہ کا جو کوئی آدمی قابو چڑھ جاتا اسکو بھی پکڑ کر اسی طرح عمل کرتے تھے۔ شاہجہان کو جو اپنے باپ کے عہد میں بنگالہ جانے کا اتفاق ہوا تو بادشاہی رعایا اور مسلمانوں کے ساتھ اُن کا یہہ طرز سلوک بہت ناگوار گزرا اور اُس وقت سے اِن کی بیخ کنی کا خیال اُس کے دل میں ایسا جما کہ جب وہ بادشاہ ہوا۔ اور قاسم خاں کو بنگالہ کی صوبہ داری پر مقرر کیا تو اس "عقدہ دشوارکُشا" کے کھولنے کو خشکی اور تری دونوں طرف سے حملہ کرنے کی تدبیریں اُس کو اپنی زبان خاص سے سمجھائیں جس کے موافق خان مذکور نے صوبہ کے اَور ضروری انتظاموں سے فارغ ہوکر سردی کے اخیر

متواتر دھمکیوں سے مسلمان ہوگئے۔ البتہ چند درویش اپنے مذہب پر قائم رہے۔ اور فرقہ جیسوئٹ کے عیسائیوں اور پادریوں کی مہربانی سے جنہوں نے اس آفت کے زمانہ میں بھی آگرہ کا رہنا ترک نہ کیا اور بہت سا روپیہ خرچ کر گئے اور دوستوں سے سعی سفارش کرکر اپنے فیاضانہ ارادہ میں کامیاب ہوئے گو آگرہ اور اور مقامات مقبوضہ اہل پرتگال کو بھیجے گئے مگر ہوگلی کے حادثہ سے پہلے یہ پادری بھی شاہ جہاں کے عتاب سے نہ بچے تھے۔ چنانچہ اُسنے آگرہ کا عالیشان اور خوبصورت گرجا جو جہانگیر کے عہد میں مع ایک اور گرجا کے جو لاھور میں بنایا گیا تھا مسمار کرادیا تھا۔ اِس گرجا کے مینار پر ایک گھنٹہ لگا ہوا تھا جسکی آواز تمام شہر میں سُنائی دیتی تھی۔ *

---

* شاہ جہاں کے مورخ خاص مُلّا عبدالحمید لاھوری نے ھوگلی کے پرتگیزوں کے اس واقعہ کو بادشاہ نامہ میں یوں لکھا ہے کہ "بنگالیوں کے عہد میں (یعنی ھمایوں اور اکبر کے زمانہ سے پہلے جبکہ بنگالہ میں تیموریہ خاندان کی حکومت نتھی) فرنگی سوداگروں کا ایک گروہ جو سراندیپ (لنکا) کے رہنے والے تھے سات گانوں (چاٹ گام) میں آمد و رفت رکھتا تھا۔ اِن لوگوں نے سات گانوں سے آگے بڑھکر کھاڑی کے کنارے (جسکو مُلّا عبدالحمید "خور" لکھتا ہے) اِس بہانہ سے کہ خرید و فروخت کے لیئے کوئی جگہ چاہیئے بنگالیوں کی اجازت سے جہاں اب شہر ھوگلی آباد ہے اوّل چند گھر بنائے۔ اور بمرور ایام حکام بنگالہ کی بے شعوری اور لاپروائی سے اس نئی آبادی میں بہت سے فرنگی جمع ہو گئے۔ اور اِن لوگوں نے یہ کام کیا کہ ایک طرف تو دریا موجود ہی تھا باقی تینوں طرف عمیق خندق کھدوا کر اور پانی سے بھرکر اس مقام کو ایک جزیرہ کی شکل بنالیا۔ اور اسکے اندر مضبوط اور عالیشان عمارتیں بناکر توپ بندوق اور سامان جنگ سے خوب مستحکم کرلیا۔ اور یہ آبادی ایسی ہی

حکم کی تعمیل سے بھی نہ کوئی بچہ ہی مستثنےٰ رہا نہ کوئی واعظ اور نہ کوئی درویش! چنانچہ حسین اور خوبصورت عورتیں تو کیا بیاہی کیا کنواری لونڈیاں بناکر محلسرائے شاہی میں بھیجدی گئیں - اور جو زیادہ عمر کی تھیں یا انکی شکل اچھی نتھی امیروں کو تقسیم کی گئیں! اور کمسن لڑکے ختنہ کیے جاکر غلام بنائے گئے - اور جو جوان تھے وہ بڑے بڑے وعدوں کی اُمید پر یا ہاتھی کے پاؤں سے کچلوائی جاتیکی

نزدیک شہر نینوا اور بابل (کربلائے معلی اور بغداد کے قریب) اسکے دار الحکومت تھے ۶۰۵ء ہبوطی میں بادشاہ ہوکر اول تو اُن قبائل کو جو ملک فلسطین میں رہتے تھے مملکت بابل کا مکرر مطیع کیا - اور بعدازاں یویاقیم کے گیارہویں سال جلوس میں ایک لشکر عظیم کے ساتھ اپنے دار الملک نینوا سے بیت المقدس پر چڑھائی کی اور یویاقیم جو اُسکے مقابلہ میں محض بے حقیقت تھا بجز اطاعت کے کوئی حمایت نہ دیکھکر مع سرداران آل یہودا حاضر ہوگیا - چنانچہ بخت نصر نے بلا مقابلہ و مزاحمت شہر میں داخل ہوکر بیت المقدس پر قبضہ کرلیا اور جب کل بند و بست حسب دلخواہ کرچکا تو یویاقیم کو پابزنجیر کرکے مع اسکی ماں اور ملکہ اور بیٹوں اور دس ہزار اور یہودیوں کے کہ جنمیں سے ایکہزار شہزادے اور سردار اور جنرل اور سات ہزار سپاہی تھے اور دو ہزار اور عوام الناس اور جن میں حضرت دانیال پیغمبر پسر یوحنا یویاقیم کے بھتیجے بھی بارہ برس کی عمر میں مع بعض اور صلحائے قوم کے تھے سب کو قید کرکے بابل کو بھیجدیا اور اپنے سپہ سالار نبوزردان کو حکم دیکر بیت المقدس کو جلاکر خاک سیاہ اور بے نشان کرڈالا - اور بیشمار باشندگان ملک کو قتل کرایا - اور جو مال و دولت کہ مسجد اقصیٰ اور خزانہ شاہی اور رعایا کے گھروں میں تھا سب لوٹ کھسوٹ کر اور ستر ہزار بوجھے لادکر نینوا کو چلا آیا - اور بنی اسرائیل میں سے ایک اور شخص کو اپنی طرف سے وہاں کا حاکم بناکر یہودا بن یعقوب کے خاندان کی سلطنت کا خاتمہ کردیا - چونکہ بیت المقدس کی خرابی عبری گیارہویں مہینے آب کی نویں تاریخ کو ہوئی تھی اسلیے بنی اسرائیل اب تک اس دن سوگ مناتے ہیں س م ح
ماخوذ از ناسخ التواریخ

مطلوب تھی جب اُنہوں نے اُسکو قبول نہ کیا تو آخرکار محاصرہ کرکے شہر پر قبضہ کرلیا گیا اور عموماً سب کو غلام بناکر آگرہ بھیجدیا۔! زمانہ قریب کی تاریخوں میں اِن لوگوں کی مصیبت کی کوئی مثال پائی نہیں جاتی۔ بلکہ وہ اُس گروہ بَنِیْ اِسرَائِیل کی مصیبت سے بہت کچھ مشابہ تھی جو بَیْتُ الْمُقَدَّس سے قید کیئے جاکر سب کے سب بَابُل کو بھیجدیئے گئے تھے*۔ کیونکہ شاہجہاں کے

---

* یہ ماجرا بَنِیْ اسرائیل کے قصص تاریخی سے تعلق ہے اور مختصر بیان اسکا اس طرح پر ہے کہ اِلْیَاقِیْم ابنِ یُوشِیَا بَیْتُ الْمُقَدَّس میں آلِ یَہُوْدَا بن یَعْقُوب علیہ السلام کا سنہ ۳۸۱۴ع چار ہزار آٹھ سو چودہ ہبوطی میں جسکو اب (سنہ ۱۸۸۶ء اور سنہ ۱۳۰۳ھ) سے دو ہزار چھ سو ستاون برس کا عرصہ گزرا ۱ اِس طرح پر بادشاہ ہوا تھا کہ مِصْر کے بُت پرست بادشاہوں میں سے جو فِرْعَوْن کہلاتے تھے اُسکے ایک ہمعصر فرعون نے اِسکے بھائی یُوحَاز کو مغلوب اور قید کرکے اِلْیَاقِیْم کو بطور اپنے خراج گزار کے اور یُویَاقِیْم نام رکھکر بَنِیْ یَہُوْدَا ۲ کا بادشاہ بنادیا تھا یہ بادشاہ بہت ظالم تھا اور جیسا کہ اَور بَنِیْ اِسْرَائِیل بھی بعض اوقات کرتے رہتے تھے اسنے شریعت موسوی کے برخلاف بُت پرستی اختیار کرکے اس طریق کو رواج دینا شروع کیا تھا۔ یہانتک کہ حضرت اُوْرِیَا نبی کو جو حضرت یَرْمِیَا نبی کی طرف سے شرع موسوی کے موافق بَنِیْ اِسْرَائِیل کو گمراہیوں اور جور وجفا اور سخت بدعملی اور اعمال قبیحاور بُت پرستی سے منع کرتے اور قہرالہی کے نازل ہونے سے ڈرلاتے تھے ناراض ہوکر اس بادشاہ نے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ اور آخرکار مِصْر سے کہ جہاں وہ بھاگ کر چلے گئے تھے ڈھونڈوا کر اور اپنے مُرَبّی فِرْعَوْن کی معرفت پکڑمنگا کر بَیْتُ الْمُقَدَّس میں قتل کرادیا ۲ بطور انتقام الہی اِن حرکتوں کا نتیجہ یہ ہوا۔

کہ بُخْت نَصّر ثانی پسر نَبُوپَلَسَّر۔ کِلْدَانیوں کے بت پرست بادشاہ نے جسکے خاندان کی سلطنت عراق عرب میں تھی اور دریائے فرات کے

عیسائی بنا لیتے ہیں جو پادری لوگ تمام ہندوستان میں دس برس میں بھی نہیں بنا سکتے) اس مذموم تجارت کو جاری رکھا - سبحان اللہ! مذہب عیسائی کے پاک اوامر کو اس طرح سے متواتر توڑنا اور اُسکے نواہی کی تحقیر کرکے علانیہ اُسکے برخلاف عمل کرنا کیا ہی عمدہ طریقہ ہمارے دین مقدس کے پھیلانے کا ان کمبختوں نے نکالا ہے -!

جہانگیر کے وقت میں پرتگیزوں کے ھوگلی میں آباد ہونے اور شاہجہاں کے حکم سے اُن کے سخت تباہ ہونے کا ذکر

یہہ لوگ ھوگلی میں جہانگیر کی مہربانی سے آباد ہوئے تھے جو عیسائیوں سے بالکل تعصب نہ کرتا - اور اُنکی تجارت سے فوائد کثیر حاصل کرنے کی اُمید رکھتا تھا - علاوہ بریں ان لوگوں نے اُس سے یہہ عہد بھی کیا تھا - کہ ہم خلیج بنگال کو بحری قزاقوں سے محفوظ رکھینگے مگر شاہجہاں نے جو باپ کی بہ نسبت مذہب اسلام کا زیادہ پابند تھا اِن کو اس سبب سے سخت سزا دی کہ وہ نہ صرف اراکان کے قزاقوں کو جرأت دلاتے تھے - بلکہ خود بھی بہت سے غلام جو بادشاہی رعیت تھے اپنے پاس رکھکر اُن کے آزاد کرنیسے انکار کرتے تھے - پس اُسنے اوّل تو دھمکا کر اور پھسلا کر بہت سا روپیہ وصول کیا مگر اسکے علاوہ بادشاہ کے اخیر احکام کے موافق جن جن باتوں کی تعمیل اُنکی طرف سے

میں گولڈ کوسٹ (یعنی ساحل الذہب) کہتے ہیں اور جزائر سین طامس اور گالیس بھی اُسکے نزدیک ہیں - یہہ سب مقام زمانہ سابق میں پرتگیزوں کی تحت حکومت تھے - اور چونکہ سین طامس ایک جگہہ مدراس کے قریب بھی پرتگیزوں کے قبضہ میں تھی - اسلئے سیاق کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہہ وہ افریقہ کا سین طامس مراد نہیں ہے - س م ح

Saint Thomas Galles

ویران اور سنسان پڑا ہوا دیکھتے ہیں- اور سوائے شیروں اور جنگلی جانوروں کے اب وہاں کوئی نہیں رہتا- اور ان قیدیوں کے ساتھ وہ بڑی بیرحمی اور بدسلوکی سے پیش آتے تھے نوبت اُن کو یہاں تک جرأت ہوگئی تھی کہ بڈھے ادمیوں کو نکمے اور بیکار جانکر انہیں مقامات میں بیچنے کو بھیجاتے تھے جہاں سے اُن کو پکڑ کر لائے تھے- اور اکثر دیکھا جاتا تھا کہ وہ جوان شخص جو کل اتفاقاً بھاگ کر ان کے ہاتھ سے بچ گئے تھے آج اپنے بڈھے باپ کو خرید کر اُنکے پنجے سے چھوڑانے میں کوشش کرتے تھے- اور جوان قیدیوں کا یہہ حال تھا- کہ یا تو اُن کو قزاقی سکھاتے تھے یہانتک کہ وہ خود قتل و غارت کے شایق بنجاتے تھے- یا اُن کو گوا سیلان اور سین طامس Saint Thomas کے پرتگیزوں کے ہاتھ بیچڈالتے تھے- بلکہ خاص بنگالہ میں ہوگلی کے رہنے والے پرتگیز بھی ان بیچاروں کے خرید نے میں کچھ تامل نکرتے تھے اور یہہ ہولناک تجارت گالیس Galles تک بھی ہوتی تھی جو راس ڈاس پال ماس Cape Dispalmas کے قریب ایک جزیرہ ہے- ان قزاقوں نے یہہ معمول باندھ رکھا تھا کہ فروخت طلب غلاموں کی کشتیاں بھر کر مقررہ مقامات کو لیجا کر اسی لاوارد کے موافق پرتگیزوں کے آنیکے منتظر رہتے تھے- اور وہ ان سب کو نہایت ہی ارزاں قیمت پر خرید لیجاتے تھے- اور نہایت افسوس ہے کہ پرتگیزوں کے زوال قوت کے بعد فرنگستان کی اور قوموں نے بھی چاٹگام کے ان قزاقوں کے ساتھ (جو بیشتر بھی لکھا ہے ہیں کہ ہم اکیبال کے اندر آقد ہندو کو

* راس ڈامی پال ماس- افریقہ کے اُس غربی ساحل کے نزدیک واقع ہے جسکو انگریزی Cape Dospalmas

تھے یا جو بد اطوار لوگ دو تین عورتوں سے شادی کرکے یا کسی اور بڑے
گناہ کے مرتکب ہوکر بھاگ آتے تھے یہاں انکی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔
یہہ صرف نام کے عیسائی تھے۔ اور اراکان میں ان کا طرز معاشرت
نہایت قابل نفرت تھا۔ چنانچہ بیدھڑک ایک دوسرے کو قتل کرتے یا زہر
دیدیتے تھے۔ اور بعض اوقات اپنے واعظ پادریوں کو بھی جو سچ پوچھو تو وہ
بھی ان سے کچھ کم نہ تھے مار ڈالتے تھے۔ اور اراکان کے راجہ نے جو ہمیشہ
سلاطین مغلیہ سے خایف رہتا تھا۔ اپنے ملک کی سرحد پر ان کے وجود کو بمنزلہ
ایک جنگی چوکی کے کار آمد سمجھکر چاٹگام کی بندرگاہ اور بہت
سی زمینیں آبادی کے لیئے ان کو دے رکھی تھیں۔ اور چونکہ وہ ان لوگوں
سے کسی طرح کی مزاحمت اور بازپرس نہیں کرتا تھا۔ تو یہہ کچھ تعجب کی بات نہیں
ہے کہ ان بدمعاش اور بے لگام لوگوں کا پیشہ لوٹ کھسوٹ اور سمندری غارتگری
کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ چنانچہ یہہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں پر چڑھکر ادھر ادھر سمندر
میں گشت لگاتے اور گنگا کی بیشمار شاخوں اور کھاڑیوں میں جا گھستے۔ اور
بنگال کے چندہ پایین کے جزیروں کو تباہ و برباد کرتے۔ اور اکثر سو ڈیڑھ سو
میل تک ملک کے اندر چلے آتے تھے۔ اور جہاں کہیں بازار لگا ہوا ہوتا یا کوئی
شادی بیاہ یا کوئی اور تقریب ہوتی وہاں یکایک جا پڑتے اور تمام لوگوں کو
پکڑ کر لیجاتے۔ اور بدنصیب قیدیوں کو غلام بناتے۔ اور جو چیز اٹھائی نہ جاتی
اسکو جلا ڈالتے تھے۔ اور یہہ اس ہمیشہ کی لوٹ مار ہی کی وجہ سے تو ہے کہ
ہم گنگا کے دہانہ پر ایسے عمدہ جزیروں کو جو کسی وقت خوب آباد اور معمور تھے

اور ناکامی سے دارالخلافت سے شجاع کے مقابلہ کو گیا تھا شایستہ خاں
آگرہ کا صوبہ دار مقرر ہو چکا تھا۔ پس اسکے بعد وہ دکن کا صوبہ دار مقرر ہوا
اور وہاں کی سپہ سالاری بھی اُسی سے متعلق کی گئی۔ اور اب میر جملہ
کی وفات کے باعث بنگال کا صوبہ دار اور وہاں کی فوج کا سپہ سالار بھی
مقرر ہوا۔ اور امیرالامرا کا خطاب بھی اُسکو دیا گیا۔ شایستہ خاں کی ناموری
کے لیے اُسے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بنگال پہنچتے ہی جو مہم عظیم اُسنے اپنے
ذمہ لی تھی اُسکا بیان کیا جائے۔ اور جب یہ خیال کیا جائے کہ خدا جانے
کس باعث سے اُسکے نامور جانشین سابق (میر جملہ) نے اُسکو اختیار نہیں
کیا تھا تو یہ مہم اَور بھی زیادہ توجہ کے قابل ہو جاتی ہے۔ اور میرے اس بیان
سے مرکت بنگالہ اور [illegible] کی گزشتہ و موجودہ حالت جو اب تک لوگوں کو
چنداں معلوم نہیں ہے منکشف ہوگی۔ اور کچھ اَور واقعات بھی جو توجہ کے
لائق ہیں ظاہر ہونگے۔ مگر اس مہم کی کیفیت معلوم ہونے اور [illegible] واقعات
کے ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے [illegible] ضروری
[illegible]

آمادہ پایا اور فوراً ایک سیاہ جرار ڈھاکہ سے کشتیوں میں اُس دریا کے رستہ روانہ ہوئی جو آسام سے نکلتا ہے اور گوشۂ شمال و مشرق سے چلکر ایک قلعہ پر جسکو آزو کہتے ہیں اور جو ڈھاکہ سے قریب تین سو میل کے ہے اور جسکو آسام کے راجہ نے بنگالہ کے ایک صوبہ دار سے سابق میں چھین لیا تھا جا پہنچی - اور دس بارہ دن کے محاصرہ میں قلعہ فتح ہوگیا - اور میر جملہ چمدارا کی طرف جو آسام کا دروازہ سمجھا جاتا ہے بڑھا اور اٹھائیس دن کے لمبے سفر کے بعد وہاں جا پہنچا - اور یہاں ایک لڑائی ہوئی اور راجہ شکست کھاکر کرگانو کی طرف جو آسام کی راج دھانی اور چمدارا سے ایک سو بیس میل کے فاصلہ پر ہے بھاگ گیا - لیکن میر جملہ کے پُرزور اور جسپت تعاقب نے وہاں بھی دم لینے ندیا - اور بغیر اسکے کہ کچھ مورچہ بندی وغیرہ کرسکے مجبوراً پیچھے کو ہٹتا ہٹتا مملکت لاسا کی کوہستان میں جا گھسا اور چمدارا اور کرگانو لوٹ لیے گئے - خصوصاً کرگانو سے بہت مال و دولت فوج کے ہاتھ آیا (کرگانو ایک بڑا اور عمدہ شہر ہے - اور تجارت کی بڑی منڈی ہے اور یہاں کی عورتوں کا حسن مشہور ہے) مگر کثرت بارش کی وجہ سے جو موسم سے ذرا پہلے شروع ہوگئی تھی سپاہ آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ اُس ملک میں اسقدر مینہہ برستا ہے کہ بجز گانوؤں کی آبادیوں کے جو چھانٹ کر اونچی اونچی زمینوں پر بسائے جاتے ہیں سب جگہہ پانی ہی پانی ہوجاتا ہے اور راجہ نے موقع پاکر لشکر کے آس پاس کے ملک کو مویشی اور ہر قسم کے مایحتاج سے خالی کرڈالا - اور اگرچہ فوج نے بہت سا مال و دولت جمع کرلیا تھا - مگر قبل اسکے کہ برسات

ایک ایسا خطاب ہے جس سے بڑھکر شہنشاہ ہند کوئی خطاب نہیں دے سکتا۔ اور اُسکے بیٹے محمد امین خاں کو میر بخشی کا منصب عطا کیا جو سلطنت کے منصبوں میں دوسرے یا تیسرے درجہ کا منصب ہے۔ مگر اس منصب دار کو ہمیشہ دربار میں حاضر رہنا پڑتا ہے۔ اور بادشاہ سے اُسکا علیحدہ ہونا اگر ناممکن نہیں تو مشکل تو بیشک ہے۔ اسکے علاوہ میر جملہ کو بنگالہ کی مستقل صوبہ داری بھی عنایت فرمائی۔

میر جملہ جب اپنی مراد پر کامیاب نہوا تو اُسنے سوچا کہ اگر بیٹے کے بلانے کی مکرر درخواست کرونگا تو یہہ امر بالضرور بادشاہ کے عتاب کا باعث ہوگا اسلیئے اُسنے بھی اسی کو بہتر جانا کہ ان انعامات شاہی کا شکر بجالاسے اور خاموش ہو رہے۔ ان معاملات پر جبکہ ایک سال کے قریب گزر چکا تو اورنگ زیب نے صحیح طور پر یہہ خیال کر کے کہ ایک اولوالعزم سپاہی اب زیادہ عرصہ تک نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔ اور اگر اسکو ملک ایسا عہر کے ساتھ لڑائی بھڑائی میں مشغول نہ رکھا جاے تو خود اپنی ہی سلطنت کے اندر کوئی کھیڑا کھڑا کر دیگا۔ میر جملہ کو آسام کے راجہ پر فوج کشی کی تیاری کا حکم دیا جو ایک زبردست اور دولتمند راجہ ہے اور جسکا ملک ڈھاکہ کے شمال میں خلیج بنگالہ کے کنارے پر ہے۔

اُدھر میر جملہ خود بھی اس مہم کی فکر میں تھا کیونکہ اسکو امید تھی کہ اس طرح پر سرحد چین تک ملک فتح کر کے ایک دائمی شہرت حاصل کر دیگا۔ غرضکہ اورنگ زیب کے پیغام رساں نے میر جملہ کو اس مہم پر پہلے ہی سے

---

[1] خطاب شائستہ خاں کو تھا۔ مترجم

سلطان شجاع کو گرفتار کرے صرف اسپر قناعت کی کہ سلطنت سے چھوڑ دینے اور سمندر کیطرف بھاگ جانے پر مجبور کیا۔ سلطان شجاع کی مہم کے خاتمہ کے بعد میر جملہ نے ایک خواجہ سرا کو عرضی دیکر اورنگ زیب کے حضور میں بھیجا اور التماس کیا کہ میرے اہل و عیال کو اسکے ساتھ بنگالہ کو چلے آنے کی اجازت بخشی جائے اور لکھا کہ "لڑائی بخیر و خوبی ختم ہوگئی۔ اور چونکہ میں ضعیف اور بوڑھا ہوگیا ہوں حضور کی نوازش سے مجھے اُمید ہے کہ اس سے زیادہ اہل و عیال سے میری جدائی کو پسند نفرمایا جائیگا۔ لیکن اورنگ زیب اس چالاک مدبر کے مطلب کو فوراً پاگیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اُسکے بیٹے محمد امین خان کو بنگالہ بھیجدیا جائیگا تو میر جملہ بالضرور بنگالہ کا خودسر بادشاہ بننے کا ارادہ کریگا اور شاید کہ یہہ عجیب شخص اسپر بھی قناعت نکرے۔ کیونکہ میر جملہ بیدار مغز اولوالعزم۔ شجاع۔ اور دولتمند ہونے کے علاوہ اسوقت ایک فتحیاب فوج کا سپہ سالار تھا۔ اور اُس سے اہل سپاہ کو محبت بھی تھی۔ اور اُسکا رعب بھی مانتے تھے۔ اور ہندوستان کا سب سے عمدہ صوبہ اُسکے قبضہ میں تھا۔ اور گولکنڈے میں جو معاملات پیش آئے تھے اُن سے ثابت ہوچکا تھا کہ میر جملہ کیسا ایک بے صبر اور بیباک طبیعت کا انسان ہے۔ پس ایسے شخص کی درخواست کو قطعاً رد کردینا بالضرور خطرناک نتایج کا باعث ہوتا۔ مگر اورنگ زیب اس موقع پر بھی اپنی معمولی احتیاط اور دانائی کو کام میں لایا۔ یعنی میر جملہ کی بیوی اور پوتے پوتیوں کو بنگالہ کو روانہ کردیا۔ اور امیر الامرا* کا خطاب عنایت کیا۔ جو

* ایک حاشیہ میں لکھا جاچکا ہے کہ اسکو خان خانان سپہسالار بنگالہ لکھا جاتا تھا۔ امیر الامرا

ممیز اور ممتاز ہونا لازم ہے اور اگر میں ایسا نکروں تو گویا اپنے نامور بزرگ
امیر تیمور گورکان کی نسل کو دھبا لگاؤنگا۔ مگر بہر حال یہہ بات قرین انصاف
نہیں ہے کہ مجھے کاہلی اور خاموش بیٹھے رہنے کا الزام دیا جائے۔
کیونکہ بنگالہ اور دکن میں میری فوجوں کی مصروفیت کو تو حضور بھی عبث خیال
نہیں فرما سکتے۔ اور میں حضور کو یہہ بھی یاد دلاتا ہوں کہ بڑے سے بڑا ملک گیر
بھی ہمیشہ سب سے بڑا بادشاہ نہیں ہوا۔ اور دیکھا جاتا ہے کہ کبھی کبھی دُنیا کے
اکثر حصّے بالکل وحشی اور ناتربیت یافتہ قوموں نے فتح کر لیئے ہیں اور بہت
وسیع سلطنتیں تھوڑے ہی عرصہ میں بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہیں۔
پس حقیقت میں سب سے بڑا بادشاہ وہی ہے جو رعایا پروری اور عدل و
انصاف ہی کو اپنا حاصل عمر جانے"

اس عریضہ کے باقی حصہ کے پڑھنے کا مجھے موقع نہیں دیا گیا

میر جملہ کی لیاقتوں اور مہم آسام اور اسکی موت کا ذکر۔

اب میں چند کلمے اُس مشہور شخص کے باب میں کہنے چاہتا ہوں جسکو میر جملہ کہتے ہیں
اور اُن معاملات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن سے شاہزادوں کی باہمی لڑائی
کے بعد اُسکا تعلق رہا اور یہہ کہ اس نامور شخص کا خاتمہ کس طور پر ہوا۔
بنگالہ پر قبضہ حاصل کرنے میں سلطان شجاع کے ساتھ وہ
بیرحمی اور بے ایمانی نہیں کی جو جیون خاں نے داراشکوہ سے
اور سری نگر کے راجہ نے سلیمان شکوہ سے کی تھی۔ بلکہ اسنے ایک ہنرمند
سپہ سالار کی طرح ملک پر قبضہ حاصل کیا اور بغیر اسکے کہ کسی دغا و فریب سے

ہوکر امیر تیمور کے حضور میں لایا گیا اور امیر نے بہت غور کے ساتھ اُس مغرور قیدی کی طرف دیکھکر ہنس دیا۔ تو بایزید نے اِس حرکت سے ناراض ہوکر امیر کو کہا کہ تمکو اپنی فتحمندی پر اسقدر اترانا نہ چاہیئے عزت و ذلت منجانب اللہ ہے اور ممکن ہے کہ جس طرح تم آج فتحیاب ہوئے ہو کل میری طرح پکڑے جاؤ! امیر نے جواب دیا کہ میں دُنیا اور اُسکے جاہ و دولت کی بے ثباتی سے خوب واقف ہوں اور خدا نکرے کہ میں اپنے کسی مغلوب دشمن کا تمسخر کروں۔ اور میری ہنسی کا سبب یہہ نتھا کہ تمہارا دل دُکھاؤں بلکہ مجھے تمہیں دیکھکر اپنی اور تمہاری بدصورتی کے خیال نے بے اختیار ہنسا دیا۔ کیونکہ تم تو کانے ہو اور میں لنگڑا ہوں! اور یہہ بات میرے دل میں گزری کہ تاج سلطنت ایسی کیا چیز ہے جسکو پاکر بادشاہ اپنی ہستی کو بھول جاتے ہیں۔ حالانکہ خداتعالیٰ اسکو اپنے ایسے بندوںکو عطا کرتا ہے جو کانے اور لنگڑے ہوں" [1]

معلوم ہوتا ہے کہ حضور یہہ خیال فرماتے ہیں کہ میری مصروفیت بہ نسبت اُن اُمور کے جن کو میں نظم و نسق ملک داری۔ اور سلطنت کے اندرونی استحکام کے لیئے نہایت ضروری جانتا ہوں نئی نئی فتوحات اور ملک گیری کی جانب زیادہ ہونی چاہیئے۔ اِس امر سے میں ہرگز انکار نہیں کرسکتا کہ ایک بڑے شہنشاہ کا عہد دولت نئی نئی فتوحات کی وجہ سے

[1] سُلطان بایزید یلدرم کے مغلوب اور قید ہونیکے ذکر میں یہہ روایت نہ تیمور نامہ میں لکھی ہے نہ اکبر نامہ میں۔ س م ح

یہہ تھا" کیا حضور یہہ چاہتے ہیں کہ میں سختی کے ساتھ پرانی رسموں کا پابند ہوں؟
اور جو کوئی ہمارا نوکر چاکر مرجائے اُسکی جائداد ضبط کرلوں؟ اگرچہ شاہان مغلیہ کا
یہہ دستور رہا ہے کہ اپنے کسی امیر یا کسی دولتمند مہاجن کے مرنیکے بعد بلکہ
بعض اوقات تو دم نکلجانے سے بھی پہلے ہی اُسکے تمام مال اسباب کا تعلیقہ
کرلیتے تھے اور جب تک اُسکے نوکر چاکر جز و کل مال و دولت بلکہ دسنے اور نہ
زیور بھی نہ بتلادیں اُنپر مار پیٹ اور قید و بند کا تشدد کیا جاتا تھا اور یہہ دستور بیشک
قائم ہند جی ہے۔ لیکن جو نا انصافی اور بیرحمی اسمیں ہے اس سے کون انکار
کرسکتا ہے۔ اور اگر ہر ایک امیر نیک نام خاں کا سا معاملہ کرے یا کوئی عورت
اُس بیوہ مہاجنی کی طرح اپنے مال کو پوشیدہ کرے تو اُسکے حق بجانب ہو
یا نہیں؟ میں حضور کی خفگی سے بہت ڈرتا ہوں اور اس امر کا تحمل نہیں
ہوسکتا کہ حضور میرے طور و طریق کی نسبت غلط فہمی فرمائیں۔ اور جیسا کہ
حضور خیال فرماتے ہیں تخت نشین ہونے نے مجھے خودرائے اور مغرور
نہیں بنادیا۔ چالیس برس سے زیادہ کے تجربہ سے حضور خود ہی خیال
فرماسکتے ہیں کہ تاج شاہی کسقدر گراں بار چیز ہے۔ اور بادشاہ جب
دربار سے اُٹھتا ہے تو کسقدر افکار اُسکے دل کو غمگین اور دردمند بنائے ہوئے
ہوتے ہیں۔ ہمارے مشہور و معروف جد امجد جلال الدین محمد اکبر نے
اسی غرض سے کہ انکی اولاد دانائی اور نرمی اور تمیز کے ساتھ سلطنت کرے
اپنے عہد سلطنت کی تاریخ میں امیر تیمور گورگان کا ایک ذکر بطور نمونہ لکھکر اپنی اولاد
کو انکی طرف توجہ دلائی ہے چنانچہ لکھا ہے کہ" جب بایزید یلدرم گرفتار

شکاری جانوروں کے منگا لینے اور ہرنوں اور میڈھوں وغیرہ کی لڑائی کا تماشا دیکھنے کی بھی اجازت تھی غرضکہ اورنگ زیب کا برتاؤ شاہجہاں کے ساتھ مہربانی اور ادب سے خالی نہ تھا اور حتی الامکان وہ اپنے بوڑھے باپ کی ہر طرح سے خاطر داری کرتا اور نہایت کثرت سے تحفے تحائف بھیجتا رہتا اور سلطنت کے بڑے بڑے معاملات میں اُسکی رائے اور مشورہ کو مثل ایک پیر و مرشد کی ہدایت کے طلب کرتا تھا - اور اُسکے عریضوں سے جو اکثر لکھا رہتا تھا ادب اور فرمانبرداری ظاہر ہوتی تھی - پس اس طرح سے شاہجہاں کی گردن کشی اور اُسکا غصہ آخر کار یہانتک ٹھنڈا پڑ گیا کہ معاملات سلطنت میں بیٹے کو لکھنے پڑھنے لگ گیا - اور دارا شکوہ کی بیٹی کو بھی اُسکے پاس بھیجدیا - اور وہ بیش بہا جواہرات جنکے دینے سے پہلے انکار کرکے یہہ کہدیا تھا کہ اگر پھر مانگو گے تو کوٹ کر چورا کر ڈالونگا مگر دونگا نہیں اُنمیں سے بھی بعضے جواہر اورنگ زیب کے پاس ازخود بھیجدیئے بلکہ اپنے باغی فرزند کی سب گستاخانہ حرکتیں معاف کرکے اُسکے حق میں دعائے خیر بھی کردی - حالانکہ اورنگ زیب بڑی لجاجت سے بارہا معافی مانگ چکا تھا اور شاہجہاں اس بات کو قبول نہیں کرتا تھا - مگر میرے اس بیان سے یہہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ شاہجہاں کی ہر ایک بات بلا عذر تسلیم کر لی جاتی تھی - کیونکہ مجھے اورنگ زیب کے ایک عریضہ کی طرز تحریر سے معلوم ہوا کہ جب کبھی یہہ بڈھا بادشاہ تحکم کے طور پر اُسکو کچھ لکھتا تھا تو یہہ اُسکے جواب میں جراُت کے ساتھ اپنی ہی بات پر قائم رہنے کا اظہار کرتا تھا - چنانچہ میں نے اُسکے چند فقرے پڑھے ہیں جنکا مضمون

سے رخصت ہوا جو جو واقعات قابل غور میں آتے رہے اب میں ان سب کو لکھنا نہیں چاہتا۔ اگرچہ کچھ شک نہیں ہے کہ ان میں سے بعض کے لکھ دینے سے میرا یہ مدعا کہ مغلوں اور ہندوستانیوں کے طور و طریق اور ذہن و ذکا حال ناظرین کتاب کو واضح ہوجائے بہت کچھ پورا ہو جاتا اسی فروگزاشت کی وجہ سے مجھے وہ واقعات تمام و کمال کہیں چھوڑنے پڑینگے۔ لیکن سر دست میں صرف انہیں خاص خاص لوگوں کے بعض اہم حالات بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں جنکے نام سے ناظرین واقف ہو چکے ہیں۔ اور اس بیان کو شاہجہاں کے حال سے شروع کرتا ہوں۔

شاہجہاں سے قید کے زمانہ میں اسکے ساتھ اورنگ زیب کے طرز سلوک کا بیان —

اگرچہ اورنگ زیب نے شاہجہاں کو قلعہ آگرہ میں بڑی احتیاط کے ساتھ قید کیا ہوا تھا اور کسی ایسی بات میں مطلقاً غفلت نہیں کیجاتی تھی جس سے اسکے نکل بھاگنے کا اندیشہ ہو۔ لیکن اور سب طرح بہ ادب اور ملایمت سے سلوک کیا جاتا تھا۔ اور ان شاہی محلوں میں رہنے سہنے کی بھی اجازت دیدی گئی تھی کہ جن میں وہ پہلے رہا کرتا تھا۔ اور اسکی بیٹی معروف بیگم صاحب سے ملنے کی بھی اجازت تھی۔ اور محل کی کل متعلقہ عورتیں مثلاً عملہ باورچیخانہ اور ناچنے گانے والیاں وغیرہ سب حاضر رہتی تھیں۔ اور ایسے معاملات میں اسکی کوئی خواہش رد نہیں کیجاتی تھی۔ اور اب جو یہ بڈھا عابد و زاہد بنگیا تھا بعض ملاؤں کو بھی اسکے پاس جاکر تلاوت قرآن کی پروانگی تھی اور نفاست گھوڑوں اور باز جرت وغیرہ

کی وجہ سے جو بیٹے سے انکار کیا تو اس احمق نے شاہ جہاں کے پاس جاکر کہدیا کہ اُسکا باپ "دولاکھ کردن" یعنی پانچ لاکھ روپیہ چھوڑ مرا ہے اسپر بادشاہ نے فوراً اُس بیوہ مہاجنی کو دربار میں بُلاکر یہہ حکم دیا کہ ایک لاکھ روپیہ تو خزانہ شاہی میں بھیجدے! اور باقی میں سے پچاس ہزار روپیہ اپنے بیٹے کو دیدے۔ اور حکم قطعی دیکر چوبداروں سے کہا کہ اس بُڑھیا کو دربار سے نکال دو۔ یہہ سنکر اگرچہ یہہ بیچاری بہت متحیر ہوئی اور اُسکو اس بات کا بھی بڑا رنج ہوا کہ بلا سماعت اُسکے عذر کے دربار سے نکالے جانے کا حکم ہوا لیکن تاہم یہہ باہمت بُڑھیا گھبرائی نہیں اور چوبداروں کو جھڑک بولی کہ ہٹو! میں ابھی بادشاہ سے کچھ عرض کیا چاہتی ہوں! اسپر شاہجہاں نے فرمایا اچھا جو کہنا چاہتی ہے کہنے دو۔ پس اُسنے عرض کیا کہ حضرت!! میرا بیٹا جو اپنے باپ کے مال کا دعویٰ کرتا ہے کچھ بیجا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ہمارا بیٹا اور ہمارا وارث ہے۔ مگر میں ہاتھ جوڑکر عرض کرتی ہوں کہ سرکار کا میرے خاوند کے ساتھ کیا رشتہ ہے۔ جو حضور ایک لاکھ روپیہ مانگتے ہیں! شاہجہاں یہہ مختصر اور بیساختہ سوال سنکر بہت خوش ہوا اور اس خیال سے کہ شہنشاہ ہند ہوکر ایک بنیئے کا رشتہ دار کہلائے اُسکو بڑی ہنسی آئی اور کئی بار قہقہہ مارا! اور حکم دیا کہ اچھا اِسے جانے دو اور اسکے مال و دولت سے کوئی متعرض نہو۔

شاہزادوں کی باہمی لڑائی تقریباً سنہ ۱۶۶۰ء سولہ سو ساٹھ عیسوی میں جب ختم ہوچکی اُسوقت سے لیکر کوئی چھ برس بعد تک جبکہ میں ہندوستان

اور فقیر ہو جاتی ہیں کہ بادشاہ سے انکو اپنی تھوڑی سی معاش کیواسطے التجا کرنی پڑتی ہے اور اُن کے بیٹے کسی امیر کے ماتحت عام سپاہیوں میں نوکری کرنے کے لیئے مجبور ہوتے ہیں پس اس کا اخیر وقت جب قریب آن پہنچا تو اُسنے مخفی طور پر اپنا تمام خزانہ تو مصیبت زدہ بیواؤں اور ایسے غریب امیرزادوں کو جو بیچارے سواروں میں نوکری کر کے بسر اوقات کرتے تھے تقسیم کر دیا اور خالی صندوقوں کو لوہے کے ٹکڑوں۔ ہڈیوں پُرانی جوتیوں۔ اور پھٹے پُرانے کپڑوں سے بھر کر خوب طرح سے مُہریں لگوا دیں۔ اور وصیت کی کہ اِن میں جو مال و اسباب بند ہے وہ خاص اعلیٰحضرت کے لیئے ہے۔ میرے مرنیکے بعد باحتیاط تمام حضور میں پہنچا دیا جائے۔

پس نیکنام خاں کے انتقال کے بعد جب یہ صندوق قلعہ میں آئے تو اتفاقاً بادشاہ دربار میں بیٹھا تھا۔ اُنکو دیکھکر اُسکا دل ایسا للچایا کہ اسر دربار! اُن کے کھولے جانیکا حکم دیا۔ مگر اُن کے کھلتے ہی جو انفعال اور مایوسی اُسکو ہوئی وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اور اسقدر شرمندہ ہوا کہ فوراً دربار سے اُٹھ کر چلا گیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ نیکنام خاں کے مرنیکے چند سال بعد ایک دولتمند بنیا جو ہمیشہ سے بادشاہی ملازم تھا۔ اور اپنے ملک کے دستور کے موافق بڑا بیاج خور اتھا مر گیا تو اُسکے بیٹے نے اپنی ماں سے کچھ روپیہ لینے کیواسطے لڑنا جھگڑنا شروع کیا مگر اُسنے اُسکی عیاشی اور فضول خرچی

نہایت غضبناک ہو کر کہا کہ تو نے یہہ کیا حرکت کی کہ جن درختوں کو ہمنے نیک ساعت نکلواکر خود اپنے ہاتھ سے لگایا تھا اُن کو اکھاڑ ڈالا - اور اب کیا امید ہے کہ اس باغ کا کوئی درخت پھل لائے گا - کیونکہ جو ساعت نیک تھی وہ گذر گئی اور پھر کہاں آسکتی ہے - یہہ صاف باطن اور سادہ لوح دہقانی جو اسوقت شیرازی شراب کا ایک قدح بھی چڑہائے ہوئے تھا نجومی کیطرف ترچھی نظر سے دیکھکر بولا " واللہ باللہ خوب ہی ساعت نکالی - ارے کم بخت بدشگنی ذرا خیال تو کر کہ بس یہی تیرا نجوم ہے ! کہ جو درخت تیرے کہنے سے دوپہر کو لگائے گئے وہ شام سے پہلے ہی اُکھڑ گئے ! شاہ عبّاس یہہ بے ساختہ اور مزے دار لطیفہ سن کر بے اختیار قہقہہ مار کر ہنس پڑا اور نجومی کی طرف پیٹھ پھیر کر وہاں سے چلا گیا -

امرا کے مرنیکے بعد اُنکی جائداد کے ضبط سرکار ہو جانے کا ذکر

اب دو قصّے میں اَور بیان کرتا ہوں جو اگرچہ شاہجہاں کے زمانہ کے ہیں مگر اُن کے بیان سے اس امر کا ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اِس مُلک میں یہہ کیسی ظالمانہ پُرانی رسم چلی آتی ہے کہ جب کوئی شاہی ملازم مرتا ہے تو اُسکی جائداد حق سرکار متصوّر ہو کر ضبط ہو جاتی ہے - پس اُن میں سے ایک قصّہ تو یہہ ہے کہ امرائے دربار میں نیکنام خاں نامے ایک نامور امیر تھا جسنے چالیس پچاس برس کے عرصہ میں بڑے بڑے عہدوں پر مامور رہکر بہت مال و دولت جمع کی تھی یہہ شخص اس ظالمانہ اور مکروہ رسم کو ہمیشہ نفرت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا - کیونکہ اسکے باعث سے بڑے بڑے امیروں کی بیگمیں یکا یک ایسی محتاج

باغبان شاہی نے میوہ کے چند درختوں کے لیئے ایک مناسب موقع بھی تجویز کر لیا تھا۔ مگر بادشاہی منجم نے اک بھوں چڑھا کر کہدیا کہ اگر ساعت دریافت کیئے بغیر درخت لگائے جائینگے تو ہرگز ! سرسبز نہ ہونگے !! پس شاہ عبّاس نے جو اُسکی بات مان کر ساعت تجویز کرنے کو کہا تو اُسنے کچھ پانسا وانسا ڈال اور اپنی کتاب کے ورق اُلٹ پلٹ اور حساب لگا کر عرض کیا کہ ستاروں کے فلاں فلاں مقام پر ہونے کی وجہ سے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دوسری گھڑی کے گزرنے سے پہلے پہلے درخت لگا دیئے جائیں ! شاہی باغبان جو نجومیوں سے پوچھ گچھ کرنے کو ایک لاحاصل بات خیال کرتا تھا اس حکیمانہ ! تجویز کے وقت حاضر نہ تھا پس بغیر اسکے کہ اُسکے آنے کا انتظار کیا جائے گڑھے کھُدوائے گئے اور بادشاہ نے خاص اپنے ہاتھ سے درختوں کو جابجا لگا دیا تاکہ یادگار کے طور پر کہا جائے کہ وہ خود شاہ عبّاس کے لگائے ہوئے ہیں۔ مگر باغبان جب اپنے معمولی وقت پر سہپہری کو آیا تو درختوں کو لگا ہوا دیکھکر بہت متحیر ہوا۔ اور یہہ خیال کر کے کہ اُس قرینہ سے نہیں لگائے گئے جو اُسنے تجویز کر رکھا تھا مثلاً سیب کی جگہہ زردآلو اور بادام کی جگہہ ناشپاتی لگائے ہوئے تھے تو اُن کو اُکھاڑ کر اور جڑوں پر مٹی ڈال کر رکھدیا۔ اور رات بھر اسی طرح ڈالے رکھے۔ منجم کو بھی فوراً کسی نے جا کہا اور اُسنے بھی فوراً ہی شاہ عبّاس کے پاس جا کر باغبان کی اس حرکت کی سخت شکایت کی۔ پس یہہ گنہگار ! باغبان اُسی وقت طلب ہوا اور بادشاہ نے

وہ واقعہ جسکا مَیں ذکر کرنا چاہتا ہوں یہہ ہے کہ خاص بادشاہی منجم کسی اتفاق سے پانی میں گر پڑا اور ڈوب کر مر گیا - اس افسوسناک واقعہ سے دربار میں بڑی حیرت پیدا ہوئی - اور اِن نجومیوں کی شہرت کو جو اسرار غیبی کے جاننے والے گنے جاتے ہیں بڑا ضرر پہنچا - چونکہ یہہ شخص ہمیشہ بادشاہ اور اُمرا کے سیلئے ساعتیں نکالا کرتا تھا اسیلئے لوگوں کو اسکے اس طرح پر جان دینے سے بالطبع نہایت تعجّب ہوا کیونکہ ایک ایسا مشّاق نجومی جو برسوں تک اَوروں کے سیلئے مبارک اور خوش آیند باتوں کی پیشگوئی کرتا رہا ہو اُس آفت سے جو خود اُسپر آنیوالی تھی واقف نہو سکا - اور لوگ یہہ کہنے لگ گئے کہ فرنگستان میں جہاں علم کا بڑا چرچا ہے نجومیوں کو وہاں کے لوگ مثل فریبیوں اور شعبدہ بازوں کے گنتے ہیں اور اس علم کو عمدہ اور صحیح اصول پر مبنی نہیں سمجھتے بلکہ یہہ جانتے ہیں کہ مکار لوگوں نے بڑے آدمیوں کے درباروں میں رسائی پیدا کرنے اور اُن کو اپنا محتاج الیہ ثابت کرنے کا ایک ذریعہ بنا رکھا ہے -

الغرض لوگوں کے اِن خیالات اور علی الخصوص مندرجہ ذیل واقعہ سے جسکا عموماً بڑا چرچا تھا منجم بہت ناخوش ہوئے - اور وہ یہہ ہے کہ ایران کے نامور بادشاہ شاہ عبّاس نے کہیں اپنے محل میں پائیں باغ لگانے کا حکم دیا تھا اور اِس کام کے لیئے دن بھی مقرر ہو چکا تھا - اور

کچھ منع بھی نہ تھا مگر افراط تشرع سے اُن کا رکھنا اور دیکھنا بھی موقوف کیا گیا - اور مہورت نکلوا کے سفر کرنے کی جگہہ یہہ دستور مقرر کیا گیا کہ دوشنبہ اور پنجشنبہ کو کوچ ہوا کرے - مآثر عالمگیری ص ۳۸ ج ۱۲

کا ایشیائی لوگ اکثر احکام نجوم کے لیسے معتقد ہیں کہ اُن کے نزدیک دنیا کا کوئی معاملہ ایسا نہیں ہے جو کواکب اور افلاک کی گردش پر منحصر نہو اور اسلیئے وہ ہرایک کام میں نجومیوں سے مشورہ لیا کرتے ہیں۔ یہانتک کہ عین لڑائی کے وقت جبکہ دونوں طرف صف بندی بھی ہو چکی ہو کوئی سپہ سالار اپنے منجم سے ساعت نکلوائے بدون لڑائی شروع نہیں کرتا۔ تاکہ کہیں ایسا نہو کہ کسی نامبارک لگن میں لڑائی شروع کردی جائے بلکہ منجموں سے پوچھے بغیر کوئی شخص سپہ سالاری پر مامور بھی نہیں کیا جاتا۔ علیٰ ہذا القیاس بدون اُن کی اجازت کے نہ شادی بیاہ ہو سکتا ہے نہ کہیں کو سفر کیا جاتا ہے۔ بلکہ ذرا ذرا سی باتیں بھی اُن سے پوچھے بغیر نہیں کیجاتیں مثلاً کسی لونڈی غلام کا خریدنا یا نیا کپڑا پہننا۔ اور اس احمقانہ توہم نے خلایق کو عموماً ایسی دقت میں ڈال رکھا ہے۔ اور اس سے ایسے اہم اور نامرغوب نتیجے پیدا ہوتے ہیں کہ مجھے سخت تعجب ہے کہ اسقدر مدت سے یہ اعتقاد کیونکر قایم چلا آتا ہے۔ کیونکہ ہرایک تجویز سے خواہ وہ کسی سرکاری کام کے متعلق ہو یا نج کے۔ اور ہرایک معاملہ سے خواہ وہ معمولی ہو یا غیر معمولی نجومی کو واقف کرنا ضروریات سے ہے۔ †

† ماثر عالمگیری اور دستیرات خرین سے معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب نے اپنے جلوس کے اٹھارہویں سال (۱۰۸۶ ہجری) میں تمام منجموں کو جو بادشاہ اور شاہزادوں اور صوبہ داروں کے پاس ملازم ہوتے تھے موقوف کر دیا تھا۔ بلکہ اس حکم کی تعمیل اس سختی سے کی گئی تھی کہ اسکے مقرب خاص شجاع نہ دا نے اِن سے چپکے لکھوا لیئے تھے کہ آیندہ تقویم (جنتری) تک بھی نہ بنایا کریں اور باوجودیکہ حساب کی صحت کے نیز سرکاری دفتروں میں جنتریوں کا موجود رہنا ایک ضروری امر تھا۔ اور مذہب کی رو سے

کے لوازم فطرت اور مقتضیات طبیعت (نیچر) سے واقف کرتے۔ یا مجھ
ایسے طریق استدلال کا عادی بناتے کہ تصورات و تخیلات کو چھوڑ کر ہمیشہ اصول
صادقہ بدیہہ کی طرف رجوع کیا کرتا۔ اور عالم و ما فیہا کی حقایق واقعیہ اور اُسکے
کون و فساد کی ترتیب و نظام کے معارف یقینیہ سے مجھے مطلع کرتے۔
اور جو فلسفہ آپ نے مجھے تعلیم کیا ہے وہ ایسے مسائل پر مشتمل ہوتا۔ تو میں
اُس سے بھی زیادہ آپکا احسان مانتا جتنا کہ سکندر نے ارسطو کا مانا تھا!
اور ارسطو سے بھی زیادہ آپ کو انعام عطا کرتا! ملّا جی! ناقدردانی کا
جھوٹا الزام خواہ مخواہ مجھ پر نہ لگائیے۔ کیا تم یہہ نہ جانتے تھے کہ شاہزادوں کو
اتنی بات تو ضرور ہی سکھانی چاہیئے کہ اُنکو رعایا سے اور رعایا کو اُن سے
ساتھ کس طرح برتاؤ کرنا لازم ہے۔ اور کیا تمکو اوّل ہی یہہ خیال کر لینا واجب
نہ تھا کہ میں کسی وقت تخت و تاج کی خاطر بلکہ اپنی جان بچانیکے لیئے تلوار
پکڑ کر اپنے بھائیوں سے لڑنے پر مجبور ہوں گا۔ کیونکہ تم خوب جانتے ہو
کہ سلاطین ہند کی اولاد کو ہمیشہ یہی معاملے پیش آتے رہے ہیں۔ پر تم نے
کبھی لڑائی کا فن یا کسی شہر کا محاصرہ کرنا یا فوج کی صف آرائی کا طریقہ
مجھے سکھایا تھا؟ مگر میری خوش طالعی تھی کہ میں نے اِن معاملات میں ایسے
لوگوں سے کچھ سیکھ لیا تھا جو تم سے زیادہ عقلمند تھے۔ پس اپنے گانوں
کو چلے جائیے۔ اور اب سے بعد کوئی نہ جانے کہ تم کون ہو اور تمہارا کیا حال ہے

بادشاہی منجم کی ناگہانی موت اور علم نجوم کی نسبت لوگوں کی راے اور خیالات کا ذکر۔

اِنہیں دنوں میں ایک ایسا امر وقوع میں آیا کہ نجومیوں کے حق میں بہت غیر مفید تھا۔ بات یہہ ہے

جنکے حل ہو جانیکے بعد بھی کچھ اطمینان خاطر حاصل نہیں ہوتا - اور معاملات
دنیاوی میں کبھی کار آمد نہیں ہوتے - اور صرف ایسے غیر معیّن اور فضول
خیالات اور توہمات ہیں جو سمجھ میں تو بڑی مشکل سے آتے ہیں مگر بہت ہی
جلد پھر بھول جاتے ہیں - اور جنکا نتیجہ صرف یہہ ہے کہ دماغ پریشان اور
عقل خبط ہو کر آدمی ایسا مونہہ زور اور ہٹیلا ہو جائے کہ لوگ اُس سے
دق ہو جائیں - بیشک! آپ نے میرے اوقات گراں مایہ کے کئی
سال ایسے مسایل مفروضہ کی تعلیم میں جو آپ کو مرغوب تھے صرف کرائے
مگر جب میں آپ کی تعلیم سے علیحدہ ہوا تو کسی بڑے علم کے جاننے کا فخر
نہیں کر سکتا تھا بجز اسکے کہ ایسی چند عجیب اور غیر معروف اصطلاحوں سے واقف
تھا - جو ایک عمدہ سمجھ کے نوجوان شخص کی ہمت کو شکستہ - دماغ کو مختل
اور طبیعت کو حیران کر دیتی ہیں - اور جو مدعیان فلسفہ کے جھوٹے دعووں
اور جہالت کے چھپانے کی خاطر جو آپکی مانند لوگوں کو یہہ ذہن نشین کرانا چاہتے
ہیں کہ وہ عقل و دانش میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں اور یہہ کہ اُنکی تاریک
اور مشتبہ المفہوم جق جق بق بق میں ایسے بہت سے دقایق ہیں جو بجز اُنکے
اور کسی کو معلوم نہیں گھڑ لی گئی ہیں - اگر آپ مجھکو وہ فلسفہ سکھاتے جس سے
ذہن اس قابل ہو جاتا ہے کہ بغیر بران اور دلیل صحیح کے کسی بات کو
تسلیم نہیں کرتا - یا آپ مجھکو ایسا سبق پڑھاتے جس سے انسان کے نفس کو
ایسا شرف اور علو حاصل ہو جاتا ہے کہ دنیا کے انقلابات سے متاثر نہیں
ہوتا - اور ترقی و تنزل کی حالت میں ایک ہی سا رہتا ہے - یا تم مجھے انسان

یہہ سمجھا تھا کہ آپ مجھپر ایک ایسی زبان کے سکھا نیسے جو بغیر بارہ برس برابر
محنت کئیے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی ایک دایمی احسان کرتے ہیں۔
آپ نے بغیر اسکے کہ یہہ سوچیں کہ ایک شاہزادہ کو زیادہ تر کن کن علوم کے
پڑہانے کی ضرورت ہے صرف صرف و نحو اور ایسے فنون کی تعلیم کو جو
ایک قاضی کے لیئے ضروری ہیں مقدم جانا اور ہماری جوانی کے ایام کو
بیفایدہ اور لفظی بحثوں کے پڑھنے پڑہانے میں ضایع کیا" یہی الفاظ تھے
جنہیں اورنگ زیب نے اپنی ناراضی کا اظہار کیا۔ لیکن بعض پڑھے لکھے
آدمی یا تو بادشاہ کی خوشامد اور اُسکے کلام کی قوت دکھانے کو یا مُلا صاحب
کے حسد کے مارے یوں کہتے ہیں کہ بادشاہ کا مُلا کو ملامت کرنا اسی پہ
ختم نہیں ہوا۔ بلکہ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے دوبارہ مُلا کو کہا۔
"کیا آپ کو معلوم نہ تھا؟ کہ بچپن میں جبکہ قوت حافظہ قوی ہوتی ہے
ہزاروں معقول باتیں ذہن نشین ہوسکتی ہیں اور آسانی کے ساتھ انسان
ایسی مفید تعلیمیں حاصل کرسکتا ہے کہ جن سے دل میں نہایت اعلی خیال
پیدا ہوجاتے ہیں اور انسان بڑے بڑے نمایاں کاموں کے کرنیکے قابل
ہوجاتا ہے۔ کیا نماز صرف عربی زبان ہی کے ذریعہ سے ادا ہوسکتی ہے
اور ہماری اصلی زبان میں اُسی طرح نہیں ہوسکتی؟ اور تحصیل مسایل شرعیہ کیا
زبان عربی ہی پہ موقوف ہے؟ آپ نے ہمارے والد ماجد کو تو
یہہ سمجھا دیا کہ ہم اسے فلسفہ پڑہاتے ہیں۔ اور مجھے خوب یاد ہے کہ آپ
برسوں تک ایسے بیہودہ اور لغو مسایل سے میرے دماغ کو پریشان کیا کیئے

یہہ کہ ایران - اُزبک - کاشغر - تاتار - پیگو - سیام - چین اور ماچین
کے بادشاہ سلاطین ھند کے نام سے کانپتے ہیں - سبحان اللہ!
آپکی اس جغرافیہ دانی اور کمال علم تاریخ کا کیا کہنا ہے! کیا مجھ جیسے
شخص کے اُستاد کو لازم نہ تھا کہ دُنیا کی ہر ایک قوم کے حالات سے
مجھے مطلع کرتا؟ مثلاً آنکی قوت جنگی سے؟ اُن کے وسایل آمدنی اور
طرز جنگ سے؟ اُنکے رسم و رواج اور مذاہب اور طرز حکمرانی سے؟
اور اُن خاص خاص اُمور سے جنکو وہ اپنے حق میں زیادہ مفید سمجھتے ہیں
بتفصیل اور جدا جدا مجھکو آگاہ کرتا؟ اور علم تاریخ مجھے ایسا سلسلہ وار پڑھاتا کہ
میں ہر ایک سلطنت کی جڑ بنیاد اور اسباب ترقی و تنزل اور اُن حادثات و
واقعات اور غلطیوں سے واقف ہوجاتا جنکے باعث سے اُن میں ایسے بڑے
بڑے انقلابات ظہور میں آتے رہتے ہیں - اور قطع نظر اس سے کہ آپ مجھکو
بنی آدم کی وسیع اور کامل تاریخ سے آگاہ کرتے - آپ نے تو ہمارے اُن
مشہور و معروف بزرگوں کے نام بھی اچھی طرح نہیں بتائے جو ہماری سلطنت
کے بانی تھے - اور اُن کے سوانح عمری اور اُن خاص طور کی لیاقتوں سے
جنکے باعث وہ بڑی بڑی فتوحات کرنیکے قابل ہوئے اور اُن فتوحات
سے پہلے جو واقعات ظہور میں آئے اُن سے بھی ناواقف رکھا - اور
باوجودیکہ بادشاہ کو اپنی ہمسایہ قوموں کی زبانوں سے واقف ہونا ضروری
ہے بجائے اُن کے آپ نے مجھکو عربی لکھنا پڑھنا سکھایا - اگرچہ اس
زبان کے سیکھنے میں میری عمر کا ایک بڑا حصہ ضایع ہوا - مگر بیشک آپنے

موقع پر حاضر نہ تھا اور ہوتا بھی تو ناممکن تھا کہ اُس طول طویل گفتگو کو یاد رکھتا جو اورنگ زیب نے مُلّا سے کی تھی - مگر جو کچھ اپنے آغا کی زبانی مینے سُنا ہے کچھ شک نہیں کہ اُسکا مطلب حسب ذیل تھا - یعنی اورنگ زیب نے فرمایا -

مُلّاجی ! براہ مہربانی یہہ تو فرمایئے کہ آپ ہم سے چاہتے کیا ہیں ؟ کیا آپ کو یہہ دعوی ہے کہ ہم آپ کو دربار کے اوّل درجہ کے اُمرا میں داخل کرلیں ؟ لیکن اس سے پہلے اس بات کا ثابت کرنا ضروریات سے ہے کہ آپ کسی نشان عزت کے مستحق بھی یا نہیں - ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ اگر آپ ہماری تعلیم و تربیت شایستہ طور پر کرتے تو ضرور ایسی ہی عزت کے مستحق ہوتے آپ ہمکو ایک تربیت یافتہ نوجوان شخص بتایئے تاکہ ہم بتادیں کہ اُسکی تعلیم و تربیت کی بابت شکر گزاری کا زیادہ مستحق اُسکا اُستاد ہے یا اُس کا باپ - فرمایئے تو سہی کہ آپکی تعلیم سے کونسی واقفیت مجھے حاصل ہوئی ہے - کیونکہ آپ نے تو مجھکو یہہ بتایا تھا کہ تمام فرنگستان ایک چھوٹے سے جزیرہ سے زیادہ نہیں ہے جسمیں سب سے بڑا بادشاہ اوّل شاہ پرتگال تھا - پھر بادشاہ ہالینڈ ہوا - اور اُن کے بعد شاہ انگلستان اور فرنگستان کے اور بادشاہوں مثلاً فرانس اور اُندلس کی بابت آپ یہہ بتایا کرتے تھے کہ یہہ لوگ ہمارے ہاں کے چھوٹے چھوٹے راجاؤں کے موافق ہیں - اور یہہ کہ ہندوستان کے بادشاہوں میں صرف ہمایوں - اکبر - جہانگیر اور شاہجہاں ہی ایسے شاہنشاہ ہوئے ہیں جنکے آگے تمام دُنیا کے بادشاہوں کی شان و شوکت مدھم ہے - اور

تھی کہ اُب امارت کا درجہ بہت جلد حاصل ہو جائیگا - چنانچہ جو لوگ دربار میں
ذی وجاہت تھے سب اُسنے اپنے جانب دار بنا لیئے یہانتک کہ
کئی شخصوں بلکہ روشن آرا بیگم نے بھی اورنگ زیب کو یاد دلایا کہ آپکا
قابل التعظیم اور کامل الاخلاص اُستاد عزت و اکرام کا ضرور مستحق ہے - مگر
تین مہینے تک تو اُسنے یہہ بھی جاننا نہ چاہا کہ وہ دربار میں آتا بھی ہے
یا نہیں! لیکن آخر کار جب اُسکو دیکھتے دیکھتے تنگ آگیا تو حکم دیا کہ مُلّا
خلوت کے دربار میں حاضر ہو - جہاں صرف حکیم الملک دانشمند خاں
اور تین چار اَور امیر جو علم و فضل میں مشہور ہیں موجود تھے - اگرچہ مَیں اس

گذاشتہ بنام نامی حضرت شاہنشاہی سطر گردانیدہ ہست" فقط - اور چونکہ اورنگ زیب کی ولادت
پندرھویں ذیقعدہ ۱۰۲۷ اکبر ارشا میں ہجری کی تھی اس حساب سے ظاہر ہے کہ ۱۰۵۱
اکبر ارشا میں میں اسکی چوبیس برس کی عمر تک اسکا یہی اُستاد اُسکے پاس تھا اور اُسوقت
تک امور عالمگیری مذکورہ بالا فہرست میں صالح نامے کسی شخص کا ذکر نہیں ہے - البتہ صاحب
عمل صالح نے شاہجہاں کے عہد کے خوشنویسوں کے ذکر میں میر عبداللہ مشکین قلم
کے بیٹوں میر محمد صالح و میر محمد مومن کے نام لکھکر انکی خوشنویسی کی بہت تعریف
کی ہے - اور لکھا ہے کہ علاوہ خوشنویسی کے یہہ دونوں بھائی ہندوستان کے فن
موسیقی میں بھی نہایت کامل گویے تھے اور شاعر بھی تھے - چنانچہ میر صالح اشعار فارسی میں
کشفی اور ہندی اشعار میں سبحان اپنا تخلص کرتا تھا اور یہہ دونوں اپنے اشعار زیادہ تر
اہل بیت اطہار علیہم السلام کے مناقب میں لکھتے اور اہل تصوف سے بہت ربط و ضبط رکھتے
تھے - اور منصب داروں کی فہرست میں اس میر صالح کو نہہ صدی صد سوار کا منصبدار
لکھا ہے مگر اورنگ زیب کا اُستاد ہونا کہیں نہیں لکھا - فقط

س م ح

اپنی پالکی سے ایسی پھرتی کے ساتھ کود گیا اور اُسنے اور اُسکے ہمراہیوں نے ایسے تیر پر تیر مارے کہ ہاتھی بھاگ گیا اور اسکی جان بچگئی۔

اورنگ زیب کا اپنے استاد مُلّا صالح کے ساتھ عجیب سلوک

جس مہینے سفیر ایران اپنے ملک کو واپس گیا مُلّا صالح کی دربار میں مشہور آو بھگت ہوئی۔ یہہ بُڈّھا* عالمگیر کا اوستاد تھا اور ایک مدّت سے اپنی جاگیر میں جو شاہجہاں نے اُسے دے رکھی تھی رہتا تھا جب اُسنے سُنا کہ شاہزادوں کی باہمی لڑائیاں ختم ہوچکیں اور اُسکے شاگرد نے اپنی اولوالعزمانہ تجویزوں میں پوری کامیابی حاصل کرلی تو فوراً دِہلی میں آیا۔ اور اُسکو پوری اُمید

---

* شاہجہاں کا مورخ خاص مُلّا عبدالحمید لاہوری پادشاہ نامہ کے دہالہ اوّل کے خاتمہ میں (جو سنہ ۱۰۴۷ ایکہزار سینتالیس ہجری کے مطابق تھا) دربار شاہجہانی کے علما و فضلا کی فہرست میں اورنگ زیب کے اُستاد کی نسبت یہہ عبارت لکھتا ہے۔

" میر محمد ہاشم معروف بہ حکیم ہاشم خلف میر محمد قاسم گیلانی مدت دوازدہ سال در حرمین شریفین بودہ منقولات را از شیخ محمد عربی محدث و شیخ عبدالرحیم حسانی و مُلّا علی نبیرۂ مُلّا عصام الدین مشہور۔ و معقولات را از میر نصیر الدین حسین پسرزادہ میر غیاث الدین منصور و میرزا ابراہیم ہمدانی فراگرفتہ بہ ہندوستان آمد و طب و ریاضی نزد سر آمد اطبا حکیم علی گیلانی ورزیدہ چندے در احمد آباد گجرات بتدریس مشتغل بود چوں دانائی او در فنون و فضائل خصوصاً طب بعرض اقدس رسید حکم شد کہ در ہماں بلدہ بخدمت صدارت و طبابت بپردازد۔ پس از انقضاے مدتے ملتزم عبودیت سدۂ سنیہ گشتہ بامر خاقانی شرف تعلیم اختر برج سعادت پادشاہزادہ محمد اورنگ زیب بہادر دریافت و اکنوں در ملازمت آں والا گوہر کامیاب است بر تفسیر بیضاوی حاشیہ

آیا جو یہہ تھا کہ سلطنت مغلیہ زوال کے قریب ہے - اور ایران ایک بڑھتی دولت ہے تو دل ہی دل میں بہت پیچ و تاب کھایا- الغرض ہندوستان میں جو ایرانی رہتے ہیں وہ اپنی ذہانت اور حاضر جوابیوں کی نسبت اسی طرح کی شیخیاں بگھارا کرتے ہیں اور ایسے قصے بیان کرتے ہوئے کبھی سیر ہی نہیں ہوتے- مگر میری رائے میں بہ نسبت تعلی اور متمسخر پنے اور طنز و ایما کے سفیروں کے لیئے زیبا طریق یہہ ہے کہ وہ متانت اور وقار اور ادب کو ملحوظ رکھیں-

شاہجہان کا ناراض ہوکر اشارہ سے سفیر ایران پر مست ہاتھی کا چھڑوا دینا اور اپنی چالاکی اور دلیری سے سفیر کا اس آفت سے بچ نکلنا-

شاہ عباس کا یہہ سفیر اگرچہ ان پسندیدہ اوصاف سے تو معرا ہی تھا- مگر تعجب تو اس بات کا ہے کہ اُسکو اتنا معمولی شعور بھی نہ تھا کہ اپنی جان اور آبرو کو بچائے رکھنا اور خواہ مخواہ ایک خودسر بادشاہ کو اپنی نسبت غضبناک کر لینا نہیں چاہیئے- چنانچہ ایک واقعہ سے جسمیں اُسکی جان جانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رہا تھا ثابت ہوتا ہے کہ ایسی ہی نادانی کی باتوں سے اُسنے شاہجہان کو اپنے سر کر لیا تھا یعنی اس بادشاہ کو اُس سے ایسی دلی رنجش ہوگئی تھی کہ اُس سے بات چیت کرنے میں حقارت آمیز الفاظ علانیہ کہہ بیٹھتا تھا بلکہ مخفی طور پر یہہ حکم دیا تھا کہ جب وہ دربار کو آئے تو عام و خاص کے راستہ میں (جو مثل ایک لمبے اور تنگ کوچہ کے ہے) ایک خونی ہاتھی اُسپر چھوڑ دیا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا- اور اگر یہہ شخص چالاک اور دلیر نہوتا تو ضرور مارا جاتا- لیکن وہ

کے موافق سفیر بھیجا کرتا ہے"

تیسرا یہہ کہ ایکدن شاہ جہان نے سفیر ایران کو اپنے ساتھ کھانا کھانے کو بلایا اور حسب معمول اُسکے چھیڑنے کے لیئے موقع دیکھتا رہا۔ پس جب سفیر نے قاب میں سے ڈھونڈ کر ہڈیاں نکالیں اور چچوڑنی شروع کیں تو بادشاہ نے چپکے سے کہا "ایلچی جی کُتّے کیا کھا ینگے ؟ اُسنے کہا "کھچڑی"! جسے بادشاہ بڑی رغبت سے نوش جاں فرما رہے تھے کھچڑی ایک کھانا ہے جو چاول اور مونگ یا ماش وغیرہ ملاکر پکایا جاتا ہے اور جسکو عموماً ہِندُوستان کے غریب آدمی کھاتے ہیں۔ پھر بادشاہ نے پوچھا کہ تم ہمارے شہر دِہلی کو (جو اُسوقت نیا تیار ہو رہا تھا) اصفہان کے مقابلہ میں کیسا خیال کرتے ہو ؟ سفیر نے بلند آواز سے جواب دیا کہ " واللہ باللہ اصفہان تو آپکے شہر کی گرد کو بھی نہیں پہنچتا" اسکو بادشاہ نے تو تعریف سمجھا اور سفیر نے گویا ہجو ملیح کی تھی۔ کیونکہ شاھجہان آباد کا گرد و غبار بہت ہی تکلیف دہ ہے۔ ایک قصّہ وہ یہہ بیان کرتے ہیں کہ جب شاہ جہاں نے سفیر کو اس امر پر مجبور کیا کہ ٹھیک طور پر بتائے کہ اِیران اور ہِندُوستان کی سلطنت کی قوّت میں کسقدر فرق ہے تو اُسنے عرض کیا کہ ہِندُوستان چودھویں رات کے چاند کے موافق ہے اور ایران محض دوسری یا تیسری رات کے چاند کے مطابق۔ جس سے شاھجہان بخیال اپنی عظمت کے بہت ہی خوش ہوا۔ لیکن جب اِس ذو معنی جواب کا اصل مطلب خیال میں

سفیر ایران اور شاہجہان کے چند ظریفانہ سوال وجواب کا ذکر اور مصنف کی رائے میں انکا سفیروں کے مناسب حال ہونا

جب کوئی ایرانی ہندوستانیوں کی ہنسی اُڑانا چاہتا ہے تو مندرجہ ذیل قصے بیان کرتا ہے۔ اوّل یہہ کہ جب شاہجہان کی کوئی تدبیر نہ چل سکی کہ سفیر ایران ہندوستان کے درباری قاعدہ کے موافق رسم تسلیمات جس سے اُسکو انکار تھا بجالائے تو اُسنے یہہ تدبیر نکالی کہ عام وخاص کے دروازہ کا پھاٹک تو بند کروادیا اور صرف کھڑکی کھلی رہنے دی جسمیں سے بغیر سر جھکائے گزر نہیں ہوسکتا تھا۔ شاہجہان کو اُمید تھی کہ اس تدبیر سے ہمکو اسبات کے کہنے کا موقع ملیگا کہ سفیر ایران کو دربار میں حاضر ہونے کے وقت ہندوستان کی رسم سے بھی زیادہ سر جھکانا پڑا۔ لیکن یہہ سرکش اور چالاک ایرانی فوراً تاڑ گیا اور شاہجہان کی طرف پیٹھ کرکے کھڑکی میں داخل ہوا۔ شاہجہان یہہ دیکھکر اس چال میں بھی وہی نذر رہا بہت جھنجلایا اور سفیر کو حقارت سے مخاطب کرکے بولا "اے بدبخت کیا تو اپنے جیسے گدھوں کا طویلہ سمجھکر اسمیں داخل ہوا ہے" ؟ اُسنے کہا بیشک میں یہی سمجھا تھا۔ کیونکہ ایسے دروازہ میں سے گزر کرتے ہوئے کون شخص یہہ خیال کرسکتا ہے کہ گدھوں سے ملنے کے سوا دہ کسی اَور جگہہ جاتا ہے۔

دوسرا یہہ کہ شاہجہان نے سفیر ایران کے کسی بے ادبانہ اور کرخت جواب سے ناراض ہوکر کہا" اے بدبخت شاہ عباس کے دربار میں کیا کوئی شریف آدمی نہ تھا جو تجھسے خردماغ کو میرے پاس بھیجا" ؟ اُسنے کہا کیوں نہیں بہت سے مہذب اور لئیق لوگ موجود ہیں مگر وہ اپنے کی لیاقت

سفیر ایران کے ساتھ شاہجہاں اور اورنگ زیب کے مختلف طور سے برتاؤ کا ذکر۔

جب تک یہہ سفیر دہلی میں رہا اورنگ زیب اپنی تمام حرکات و سکنات میں سخت احتیاط کا پابند رہا برخلاف شاہجہاں کے جسنے نامور شاہ عبّاس کے سفیر کو کبھی تو بیموقع نخوت دکھاکر ناراض کرلیا اور کبھی ایسی بے تکلفی اختیار کی جو اُسکی شان کے لایق نہ تھی جس سے سفیر کی نظر میں اُسکی خفت ہوئی۔

[illegible]

دنوں میں دار اشکوہ - شاہجہاں - سُلطان شجاع اور شاید صوبہ دار کابُل نے بھی اُن سے مدد مانگی تھی مگر باوجود ایسے عمدہ موقع مداخلت کے وہ کچھ بھی نہ کرسکے - اسکے متعلق کتاب طاہر وحید میں اگرچہ شاہجہاں - شجاع اور مہابتخاں صوبہ دار کابل کے نام کی تو کوئی تحریر نہیں ملتی - مگر شاہ عبّاس کی طرف سے مراد بخش دار اشکوہ اور والیان بیجاپور اور گولکنڈہ کے نام سے نامے بیشک موجود ہیں - جن سے پایا جاتا ہے کہ مراد بخش کو خالی وعدے تو بہت بڑے بڑے لفظوں میں دیئے گئے تھے مگر اخیر میں ایفاے وعدہ میں لیت و لعل اور امروز فردا کردینے کے لیئے قصداً گنجایش رکھ لی گئی تھی - اور دار اشکوہ کو جو نواح سندھ میں پہنچکر طالب امداد ہوا تھا مدد کا وعدہ دیکر یوں ٹال دیا تھا کہ آپ اپنے دادا ھمایوں کی طرح اوّل ہمارے پاس اصفہان میں تشریف لے آئیے پھر سب طرح سر بند وبست ہوجائیگا۔

اور بیجاپور و گولکنڈا والوں کو جو شاہان صفویّہ کے ہم مذہب تھے شاہان مغلیّہ کا سُنی المذہب ہونا بہت شدّ و مدّ سے جتاکر اگرچہ یہہ صلاح تو دیگئی تھی کہ اسوقت یہہ اپنے خانگی فسادوں میں مبتلا ہیں تم دونو متفق رہکر اِن کی بیخ کنی میں کوشش کرو مگر اپنی فوج وغیرہ بھیجنے کا کوئی وعدہ و اقرار نہ تھا۔

اِن حالات پر غور کرنیسے برنیر کی یہہ راے بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ اہل ایران ظاہری نمایش کے لیئے خالی شیخیاں بہت بگھارتے تھے مگر اپنی طاقت کا اندازہ انہوں نے خوب سمجھ رکھا تھا۔ س م ح

[illegible]

شہاب بیگ غلام خانہ شریفہ فرستادہ شد معروض داشتہ بود کہ اعلیٰ حضرت بادشاہ
والا جاہ کامیاب مالک رقاب بنا بر مراعات یکجہتی و یگانگی شعور فرمودہ اند کہ بتعاقب ایں سال
برگ سبز پان بوستان یادآوری شگفتہ و خنداں باشد این معنی موجب اہتزاز از امیر گوتان
سرائے خاطر ہمایوں شد۔ چوں از طرفین بساط یکتا دلی مہید و ابواب منافرت و بیگانگی
بالکلیہ منسدست آنچہ از اثمار حلاوت آثار مختصاں دیار مرغوب خاطر والا ئے آن بادشاہ
جم اقتدار عدالت شعار پسندیدہ اطوار بودہ باشد معروض خواہد داشت کہ بندگان درگاہ
گردوں پیشگاہ بارسال آن امور گردند۔ در عریضہ علیحدہ اظہار میلان خاطر خورشید آثر
اعلیٰ حضرت بادشاہ گردوں بارگاہ بارسال عمدۃ الاماثل والاشباہ برہان الدین خویش
ایالت و شوکت پناہ فاضل خاں شدہ بود برآن غلام زادہ براجبی ظاہر ست کہ درینکہ
جاں نثار خاں برسم حجابت بدرگاہ خلایق پناہ آمدہ از جملہ مطالبے کہ بعرض آں
امور شدہ استدعائے رخصت جمعے از مردم ایں دیار بود و چوں در آں وقت تراکم
غبار نقار مانع دخول شاہد مسئول بحجلۂ اجابت و قبول بود پیرایۂ حصول نپوشیدہ دریں
وقت کہ بحمد اللہ تعالیٰ آن غبار از رہگذر خاطر رفتہ و گلہائے یکجہتی بر شاخسار
مودت شگفتہ ببت زبدۃ الاقران موما الیہ را مرخص فرمودہ ارقام مطاعہ لازم الاطاعت
باسم بیگلر بیگیان عظام و امرائے کرام و وزرائے ذوی الاحترام ممالک محروسہ
شرف صدور یافت کہ مانع و مزاحم مشار الیہ نشدہ او را در کمال رفاہ حال و فراغ بال
با منسوبان و متعلقان اجمال و اثقال روانہ نمایند و علی قلی بیگ مشمول عنایات
شاہانہ و التفات خسروانہ شد ....

....

چوں خاطر والا و طبع اقدس و اعلیٰ متوجہ رسیدن اخبار صحت آثار ذات ستودہ صفات
کامل السجیات اعلیٰ حضرت بادشاہ والا جاہ ستارہ سپاہ میباشد و آن غلام زادہ نیز بعد
کہ از شرف درگاہ خلایق پناہ دور و از شرف بندگی مہجور شدہ در حین ورود رقم اشرف
رخصت انصراف حاصل نمودہ روانہ شود و توجہات شاہانہ مستمال باشد " فقط
اور مصنف نے جو ایران کی کمزوری کے ثبوت میں یہ لکھا ہے کہ ابھی فساد کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

جمیع الوجوہ آمادہ و ابوابِ فیوضات از شش جہت بر چہرۂ اقبال کشادہ ست بمسانجی مخبرانِ صدق آئین مژدۂ جلوسِ آن گوہر فرزان بحرِ بسالت و شجاعت و جوہرِ تیغِ دشمن شکارِ جرات و جسارت بر سریرِ والائے سلطنتِ موروثیِ گورگانی و وسادۂ لازم السعادتِ جہانبانی کہ بفحوائے صدق انتمائے تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ و بمقتضائے آیہ وافی الہدایہ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ و بہ نیروے اصابتِ تدبیر و موافقت کارگزارانِ تقدیر پیرایہ حسن وقوع پوشیدہ سامعہ افروز گشتہ مسرت بر مسرت و خوشدلی بر خوشدلی افزودہ ہموارہ بر سریر گردون نظیر دولت متمکن باشند از انجاکہ مبانی مصادقت القیام فیما بین برگزیدگان ایں دو سلسلۂ والا مقامِ سپہر احتشام استحکام تمام داشتہ در عالمِ دوستی قدیم مترقب میبود کہ آں زیندۂ ارایکِ اقبال چراغ افروزِ دودمان مجد و اجلال را ہر گونہ مہمیکہ در بابِ استقرار امر جہانبانی درکار باشد بمقام اعلام درآید کہ کارگزاران دولت ابد مقرون بانجام آن مامور گردند چون تدارک مافات بعون عنایتِ الٰہی متعذر و مراعاتِ شیوہ ستودۂ دوستی پیوستہ منظور است بدستور ہر گونہ مطلبے کہ در خاطر والا مرکوز باشد بان زد خامہ اظہار خواہند نمود“ فقط انتہےٰ -

”رقمے کہ بہ بوداق سلطان تفنگچی آقاسی در ایام ایلچی گری ہند نوشتہ“

امارت پناہ بوداق سلطان بعنایتِ بےغایت شاہانہ و مرحمتِ بے نہایت بادشاہانہ مفخر و سرفراز و ممتاز بودہ بداند - کہ عریضہ کہ در مصاحبت مصحوب رفعت و معالی پناہ علی قلی بیگ بدرگاہ جہاں پناہ و آستانِ خلایق امیدگاہ مشتمل بر خوشنودی از الطاف پادشاہِ والا جاہ گردون بارگاہِ ستارہ سپاہ فرستادہ بود در ہنگامیکہ گلہائے کامجوئی و کامرانی در بوستانِ بخزانِ صاحبقرانی بریزش سحابِ عنایت سبحانی شگفتہ و گرد و غبارِ عوایق و موانعِ عیش و عشرت بنسایم الطافِ الٰہی رفتہ و ولاتِ اطراف در دربار جاہ و جلال عرش آستان و سلاطین با تمکین در محفلِ بہشتِ مشاکل مانند ساغر بخدمت در دوران بودند بنظر کیمیا اثر رسید ”برگِ پان“ کہ بدفعات ارسال یافتہ بود و تخصیص ”پارچامۂ لاہوری“ (یعنی لاہور کی بنی ہوئی وہ پوری پاگون جسمیں پان بھیجے تھے) ببوئے نوبہارِ دار الخلد بزمِ ارم نشان سرسبز و ریان وارد گردید بنا بر عنایت شاہانہ دربارۂ آن غلام زادہ خلاع فاخرہ پوشیدہ مصحوب رفعت و معالی پناہ

صاحب عالمگیر نامہ وغیرہ شاہی مورخوں نے اپنے ان کے شاہزادوں کا لقب سلطان ہونے کے ہونا سے خواہ مخواہ بوداق بیگ بنا دیا ہے) بجنسہ موجود ہے۔ انکو دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ فی الواقع اس نامہ میں کوئی بھی ایسا فقرہ نہ تھا جو اورنگ زیب جیسے عالی منزلت بادشاہ کی شان کے برخلاف ہو بلکہ برعکس اسکے تمام الفاظ اور طرز تحریر نہایت مناسب حال اور معقول اور مودب ہے اور اگرچہ اسمیں اورنگ زیب کو اصل نام سے مخاطب کیا ہے بلقب عالمگیر نہیں کیا مگر یہ بات کچھ انکی توہین کے ارادہ سے نہیں معلوم ہوتی کیونکہ نامہ کی طرز عبارت کے علاوہ بوداق بیگ کے نام کے فرمان سے بے شبہ اور صاف طور پر شاہ عباس کا یہ خیال پایا جاتا ہے کہ وہ اورنگ زیب کے ساتھ دوستی اور اتحاد پیدا کرنے کا بدل خواہشمند تھا۔ چنانچہ نامہ اور فرمان کے بعض فقرات زاید کو جو اس حاشیہ کے مدعا سے تعلق نہیں رکھتے حذف کرکے بعینہ اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

"نامہ کہ بہ بادشاہ والا جاہ اورنگ زیب نوشتہ شد"

....

....

بعد از حمد جناب کبریا و بسط بساط نعت سید انبیا و منقبت زبدۂ اصفیا بر مرآت ضمیر قدسی تخمیر اعلیٰ حضرت رفیع المنزلت گردوں بسطت مشتری سعادت خورشید طلعت سیارہ فطنت کیوان وقار سپہر اقتدار زینت بخش وسادۂ جاہ و جلال نہال آرای زندگی و اقبال صیقل مرآت نہضت دولت خداداد و شیرازہ بند اوراق پریشان بلاد و عباد ناہب صفا جمیع انجمنی روشن شکار و منظور انظار حضرت باری۔ بیشرو سالکین صراط مستقیم وصول۔ ذہن یافتۂ مقربان بیشگاہ قبول فروغ ریاض بہشت بہار سلطنت گورگانی۔ حدیقہ طراز گلستان خندۂ شکفت جہانبانی سیراب منبع جوی اتبہ و آگاہی۔ دقیقہ شناس غوامض سرار کماہی شہاب ثاقب سپہر جرات و جلادت۔ برگ نوع بحر شہامت و بسالت المتوحد بعنایات تبارک الحسیب نظام السلطنۃ و المعدلۃ و الشہامۃ و البسالۃ و الجلالۃ و الرفعۃ و العزۃ و الاقتدار سلطان اورنگ زیب منتشع میگرداند کہ دریں وقت ارجمند و زمان سعادت پیوند کہ بتیمن و شرف تحقیق شوب ... کمیں و مکان سیاب کامیابی و ثروت لی ...

دو دو ہزار - اور اُسکے کئی "قورچیوں" (سلحدار) اور ہمراہیوں کو تیرہ ہزار روپئے مرحمت فرمائے - اور تیسری ذی الحجہ کو تین اشرفیاں جو وزن میں کُل سات سو تولہ کی تھیں اور پان پان سو تولہ اسکے تین روپئے عطا ہوئے -

اور بروز عید ذی الحجہ بوداق بیگ کو رخصت کرکے ایک لاکھ روپیہ نقد اور خلعت فاخرہ مع خنجر مینا کار با علاقہ مروارید اور ایک گھوڑا با زین و لگام طلا اور ہاتھی با زین طلائی و ساز نقرہ و جل زربفت اور ایک فیل دریائی جسکی شکل و صورت (بقول صاحب عالمگیر نامہ) "خالی از طرفگی و غرابت نہ تھی اور ایک پالکی معہ ساز و سامان" عطا کی اور نامہ کے جواب کی نسبت یہہ ارشاد ہوا کہ ایک فہمیدہ اور سنجیدہ بڑے امیر کے ہاتھ ہندوستان کے عمدہ عمدہ تحفوں کے ساتھ پیچھے سے بھیجا جائیگا - خلاصہ یہہ کہ ایلچی کو اوّل سے آخر تک پانچ لاکھ روپیہ اور اُسکے ہمراہیوں کو پینتیس ہزار روپیہ عطا ہوا - اور خواجہ صادق بدخشی کو مُلتان تک مشایعت کے لیئے مامور کیا گیا - انتہے

واضح ہو کہ عالمگیر نامہ میں جو فیل دریائی کا ذکر ہے ماثر عالمگیری میں بھی فیل دریائی ہی لکھا ہے یہہ کوئی خیالی جانور نہیں ہے - اِسکو انگریزی میں ہِپوپوٹامس* کہتے ہیں جسکا لفظی ترجمہ ہے اسپ دریائی - مگر اسکو گھوڑے سے کچھ مشابہت نہیں البتہ گینڈے سے بہت مشابہ ہے اور اگر سونڈ اور چوڑے کان بھی ہوتے تو پورا ہاتھی ہی ہوتا - کھن دار جانوروں کی نوع میں سے ہے اور مختلف اقسام کا ہوتا ہے اور بڑے سے بڑا دم کی طرف سے لیکر سر تک سترہ فٹ کا لمبا ہوتا ہے - اکثر سواحل افریقہ پر اور بعض جگہہ دریائے نیل میں بھی پایا جاتا ہے - اگرچہ اکثر پانی میں خوش رہتا ہے مگر دریا کے کنارے نباتات کو چر کر زندگی بسر کرتا ہے -

اور شاہ عباس کا وہ نامہ جو یہہ ایلچی لایا تھا اور جسکے مضمون کی نسبت ڈاکٹر برنیر نے بعض افواہیں نقل کرکے اپنے قیاس سے اُنکی تردید کی ہے انشائے مُلّا طاہر وحید میں جو شاہ عبّاس کا نہایت مقرب اور "مجلس نویس خاص" تھا مع ایک "رقم" یعنی فرمان موسومہ ایلچی مذکور (جسکو اُسکے صحیح نام اور خطاب بوداق سلطان کی جگہہ

* Hippopotamus. ہِ پُ پُو ٹَ اَم سْ

وہاں باپاندان وخوان طلا میں مجلس جشن میں ممتاز فرمایا۔ اور دربار برخاست ہونیکے
بعد رستم خان کی حویلی میں جو جمنا کے کنارے ایک عمدہ مکان تھا اور سفیر کی خاطر
سرکاری فرش فروش سے آراستہ کیا گیا تھا اُتارا گیا اور میر عزیز بدخشی جو ایک سنجیدہ
اور معقول شخص تھا مہماندار مقرر ہوا۔ بادشاہ نے دوسرے دن سفیر کو پھر حضور میں طلب کیا
اور ایک شمشیر باساز مرصع عنایت کی اور اُسکے ہمراہیوں میں سے نذر قلی نامے سوغات
کے گھوڑوں کے میر آخور (داروغہ اصطبل) اور محمد حسین تحویلدار تحایف اور
احمد بیگ ایلچی کے داماد اور اُسکے ملّا میر زین العابدین کو خلعت عنایت کیئے
اور چونکہ رات کو دریائے جمنا میں بادشاہزادوں کے کارپردازوں اور بڑے بڑے
امیروں کے اہتمام سے جشنوں کے معمولی دستور کے موافق کشتیوں پر نہایت تکلّف سے
چراغوں کی روشنی کی گئی تھی اسلیئے بادشاہ نے غسل خانہ کردربار خاص میں سفیر کو بھی مع
اُسکے ہمراہیوں کے طلب کرکے اس تماشے کے ملاحظہ میں شریک کیا۔ اور ساتویں شوال
کو سفیر نے حسب الطلب حاضر ہوکر بادشاہ ایران کے تحایف جنمیں چھیاسٹھ عراقی گھوڑے
نہایت ہی قابل تعریف تھے۔ اور ایک بہت بڑا آب دار موتی جو وزن میں سینتیس[۳۷] قیراط (یعنی
ایکسو گیارہ[۱۱۱] رتی یا ایک رتی کم چودہ ماشے) تھا اور جسکی قیمت بادشاہی جوہریوں نے
ساٹھ ہزار روپیہ کی تھی مع اور چیزوں کے جنکی قیمت مع گھوڑوں اور اس موتی کے چار لاکھ
بائیس ہزار روپیہ سمجھی گئی تھی پیش کیئے اور سفیر نے اپنی طرف سے بھی کچھ عراقی گھوڑے اور
شتر بختی (یعنی دوکوہان والے اونٹ) اور ایران کی اور نفیس چیزیں پیشکش کیں جنکو
اورنگ زیب نے قبول کرکے ساٹھ ہزار روپیہ نقد اور چاندی کے ہودے اور زربفت کی
جھول کے ساتھ ایک ہتھنی عطا کی اور محمد حسین تحویلدار تحایف کو پانچ ہزار روپیہ اور
نذر قلی میر آخور اور ملّا میر زین العابدین کو تین تین ہزار روپیہ اور ایلچی کے
داماد احمد بیگ کو دو ہزار روپیہ عنایت کیئے ـــــ اور بروز جشن سالگرہ چہل و نہم
بحساب قمری سفیر کو پھر پچاس ہزار روپیہ نقد اور مرصع جیغہ اور خلعت باراتی
اور پاندان با خوانچہ طلا اور ایک سپر باساز مرصع اور ایک بندوق خاصہ
اور محمد حسین کو تین ہزار اور نذر قلی اور حکیم یوسف سفیر کے طبیب کو

ارادہ اس سلطنت پر کوئی مہم کرنے کا ہے اور حالیہ وار داتوں کی وجہ سے اسکو اورنگ زیب کی نسبت اسقدر تنفر پیدا ہوا ہے تو وہ کیوں ان جانکاہ واقعات کو خاموشی اور بے غرضی کی نگاہ سے دیکھتا رہا جو ان لڑائیوں میں پیش آئے جو ہندوستان میں ہو رہی تھیں اور باوجودیکہ دارا شکوہ اور شاہجہان اور سلطان شجاع اور شاید صوبہ دار کابل بھی اس سے امداد کے لیئے ملتجی ہوئے۔ مگر اسکے دل پر کچھ بھی اثر نہوا حالانکہ وہ تھوڑی سی فوج سے ہندوستان کے ایک نہایت عمدہ حصّہ پر یعنی کابل سے لیکر دریائے سندھ کے کنارے بلکہ اس سے آگے تک قبضہ کر سکتا اور اس طرح پر یہاں کے ہر ایک جھگڑے میں ہمیشہ کے لیئے اپنے تئیں ثالث بنا سکتا تھا

اورنگ زیب کا عتاب سفیر ایران کی نسبت اور اسکا سبب

بہر حال خواہ تو شاہ ایران کے نامہ ہی میں کوئی نا ملائم فقرہ تھا یا اورنگ زیب خود اس سفیر ہی کی کسی حرکت یا کسی گفتگو سے ناراض ہو گیا تھا جو اسکے دہلی سے رخصت ہونے کے دو یا تین ہی روز بعد اسنے اس امر کی شکایت کی کہ جو گھوڑے شاہ ایران کی طرف سے آئے ہیں سفیر نے ان کے پچھلے پانوں کی نسیں* کٹوا دی تھیں اور حکم دیا کہ اسکو سرحد پر روک لیا جائے۔ اور تمام ہندوستانی لونڈی غلام جو وہ یہاں سے لیگیا ہے چھین لیئے جائیں جنکی تعداد بلاشبہ بہت ہی زیادہ تھی اور قحط کی وجہ سے بہت ہی سستے

---

* اصل انگریزی میں لفظ ہیم سٹرنگ *Hamstring* ہے جسکے معنی بموجب فن تشریح و اصطلاح طبی رباط کے ہیں۔ س م ح

اگرچہ اس دربار کا راز ہر کسی کو معلوم ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ زبان سے واقفیت اور چند شخصوں سے ملاقات رکھتا ہو اور میری طرح عجایب باتوں کے دریافت کرنے میں دل کھولکر روپیہ خرچ کرنے کی بھی کچھ پروا نکرتا ہو لیکن میں تو آسانی سے ایسی بات پر یقین نہیں کر سکتا کہ شاہ ایران نے ایسے الفاظ اپنے نامہ میں لکھے ہوں کیونکہ گو اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایرانیوں کی یہہ عادت ہے کہ جب کسی کو اپنا زور و طاقت جتانا چاہتے ہیں تو ایسی ہی تعلّی کی لیا کرتے ہیں۔ مگر ایسے لفظوں سے تو علاوہ ایک بڑی ہی خالی شیخی کے دھمکی کی بو بھی آتی ہے۔

اصل یہہ ہے کہ اکثر باخبر لوگوں کی یہہ راے ہے اور خود میرا بھی خیال یہی ہے کہ ایران میں یہہ طاقت ہی کہاں ہے کہ ہندوستان جیسی سلطنت پر حملہ کرے اور اُسکو تو یہی غنیمت ہے کہ قندھار جو ایران کی عملداری میں ہندوستان کی طرف سرحد پر ہے اُسکے قبضہ میں رہے یا یہہ کہ اپنے ملک کو حدود سلطنت رُوم کی جانب سالم اور محفوظ رکھ سکے ایران کی سپاہ و دولت کا حال مدبران سلطنت ہند کو خوب معلوم ہے۔ اور وہ واقف ہیں کہ وہاں کے تخت پر ہمیشہ* شاہ عبّاس ہی نہیں ہے جو ایک نامور اور مدبر بادشاہ اور اس قابل تھا کہ جو معاملہ پیش آئے اُسکو اپنے ہی مدعا کے موافق بنا لے اور بڑے بڑے منصوبے تھوڑے سے سامان سے انجام دے لے۔ اور اگر ایران کا

---

* شاہ عبّاس [illegible] جو اکبر کا معاصر تھا اور شاہ جہاں کے زمانہ تک فرمانروائے ایران رہا۔ م ح

ایک اور بھاری سراپا مع کئی بیش بہا چیزوں کے عنایت کیا۔ اور شاہ ایران کے لیئے تحایف بھیجے جانے کی نسبت یہہ تجویز ٹھہری کہ پیچھے سے ایک اپنے سفیر کی معرفت بھیجے جائینگے۔ چنانچہ اس سفارت کے لیئے ایک امیر* مقرر بھی کیا گیا۔

اہل ایران مقیم دہلی کا نامہ شاہ ایران کے مضمون کے بابہ میں مختلف افواہیں اُڑانا اور اُن کی نسبت مصنف کی رائے

اگرچہ بہ نسبت اور سفیروں کے جو پہلے آچکے تھے اورنگ زیب نے اس سفیر کا بہت ہی اعزاز کیا اور دل سے خاطر و مدارات کی۔ مگر اس پر بھی اُن ایرانیوں نے جو دہلی میں تھے یہہ بات مشہور کر دی کہ شاہ نے اپنے نامہ میں اورنگ زیب کو داراشکوہ کے قتل اور شاہجہان کی قید کی بابت بہت ہی ملامت کی ہے اور لکھا ہے کہ جو سلوک تم نے اُن سے کیا ہے کوئی بھائی کے ساتھ اور کوئی بیٹا باپ کے ساتھ نہیں کر سکتا اور کسی ایماندار مسلمان سے ہرگز ایسی حرکت نہیں ہو سکتی۔ اور یہہ بھی اعتراض کیا ہے کہ اپنا لقب عالمگیر کیوں مقرر کیا ہے اور اسکو سکہ پر کیوں منقش کرایا ہے۔ اور اس بات کو انہوں نے یہانتک بڑھایا کہ نامہ میں صاف لکھا ہوا ہے کہ اگر آپ عالمگیر ہیں تو یہہ گھوڑے! اور یہہ تلوار حاضر ہے! بسم اللہ! آیئے! دھر سے ہم بھی آتے ہیں! میری نزدیک اگر یہہ بات سچ ہوتی تو شاہ ایران کی طرف سے گویا پیغام جنگ تھا۔ لیکن مینے جیسا سُنا ویسا لکھ دیا ہے۔ اور اسکو میں غلط ثابت نہیں کر سکتا

* تربیت خاں کو بھیجا گیا تھا۔ م م ح

اور جو نہایت مفرح سمجھا جاتا ہے اور کمیاب چیز ہے - اور پانچ چھ بڑے بڑے اور خوبصورت قالین اور کئی بہت ہی بڑھیا تھان زربفت کے جن پر نہایت باریک گلکاری کی ہوئی تھی اور ایسے سبک اور پاکیزہ وضع کے تھے کہ مجھے شک ہے کہ کبھی کوئی ایسی نفیس چیز یورپ میں دکھائی دی ہو - اور جڑاؤ قبضہ کے چار دمشقی خنجر اور چار مرصع پیش قبض اور پانچ یا چھ گھوڑوں کے بہت ہی خوبصورت ساز جنکو سب لوگوں نے خصوصیت سے پسند کیا - اور واقع میں بہت ہی خوشنما اور قیمتی تھے - اور جن پر چھوٹے چھوٹے موتیوں اور پرانی کان کے فیروزوں سے نہایت ہی اعلیٰ قسم کی مرصع کاری کی ہوئی تھی پیش ہوئے اورنگ زیب نے سب چیزوں کو بڑی غور سے ملاحظہ کیا اور حاضرین دربار کو اسوقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اِن عمدہ تحایف سے بہت ہی زیادہ بلکہ معمول سے بڑھکر خوش ہوا ہے - اُس نے اِن چیزوں کی خوبی اور نفاست اور کمیابی اور شاہ کی اس مہربانی اور کشادہ دلی کی کہ کیسے کیسے بیش بہا تحفے بھیجے ہیں بار بار تعریف کی - اور سفیر کو بڑے ذی رتبہ اُمرا میں جگہہ دی اور اُسکے دور و دراز سفر کا ذکر کرکے اس معزز اور عالی مرتبہ مہمان سے فرمایا کہ اسوقت آپ آرام کریں اور ہم آپ کو ملاقات کے لیئے ہر روز بُلایا کرینگے -

یہ سفیر چار پانچ مہینے دہلی میں رہا اور اُسکے سب اخراجات بہت تکلف کے ساتھ خزانہ شاہی سے ہوتے رہے - اور اُمرائے دربار نے نوبت بہ نوبت بڑی بڑی ضیافتیں کیں - اور بوقت رخصت بادشاہ نے

سے ظاہر ہو گیا کہ یہہ سب لغو کہانیاں تھیں - اور جو مرتبہ خدا نے اورنگ زیب کو بخشا ہے وہ ایسی باتوں کا محتاج نہیں ہے -

سفیر ایران کی جس طرح پر تعظیم و تکریم ہوئی اور جس طرح سے اورنگ زیب اُس سے پیش آیا اور جو تحایف اُسنے پیش کیئے اُن کا بیان ——

جب یہہ سفیر دارالسلطنت دہلی میں پہنچا تو اُسکی تعظیم و تکریم کا اظہار واجب طور سے کیا گیا یعنی جن بازاروں میں سے وہ ہو کر گذرا اُنپر سفیدی وغیرہ از سر نو کرائی گئی اور تین میل کے قریب دو رویہ سوار دہلی فوج صف بستہ کھڑی کی گئی اور بہت سے اُمرا مع اپنے اپنے باجے گاجوں کے اُسکی سواری کے ساتھ تھے - اور قلعہ شاہی کے دروازہ میں پہنچتے ہی توپخانہ سے سلامی ہوئی - اور اورنگ زیب اُس سے نہایت اخلاق اور مہربانی سے پیش آیا اور اہل ایران کے طور پر اُسکے سلام کرنے سے ناخوش نہیں ہوا اور اُسکے ہاتھ سے شاہ کا خریطہ بھی بلا تردد لے لیا بلکہ بطور تعظیم اُسکو اپنے تاج کے قریب تک لیگیا - اور پھر ایک خواجہ سرا سے اُسکی مُہر کھلوا کر نہایت متانت کے ساتھ ملاحظہ کیا اور حکم دیا کہ سفیر کو سراپا پہنایا جائے - چنانچہ قباے زربفت اور مندیل اور ریشمین زری کار ٹپکہ عنایت ہوا - اور اس رسم کے بعد سفیر کو تحایف پیش کرنے کا اشارہ ہوا - چنانچہ پچیس ایسے خوبصورت گھوڑے جو مینے کبھی نہیں دیکھے تھے مع زردوزی اور زربفت کی گردنیوں کے - اور بیس نہایت اعلی نسل کے ایسے قوی اور قدآور اونٹ جنکو ہاتھی کے پاٹھے کہنا زیبا ہے اور بہت سے صندوق عمدہ گلاب اور ایک اور عرق کے جسکو بید مشک کہتے ہیں

میں سے کسی کو پھانسی دیں اور کسی کو قید یا جلا وطن کریں۔ اور بجنسوں پر ہی کیا منحصر ہے یہی سلوک وہ اکثر اوقات بڑے بڑے اُمرا بلکہ خود وزیر کے ساتھ بھی کرتے ہیں۔ اور فی الواقع ان کے تسلّط کے زمانہ میں جو سلطنت کے لیئے شرم کا موجب ہوتا ہے کسی شخص کی زندگی جو کچھ بھی مال و دولت رکھتا ہو ایک دن کے لیئے بھی محفوظ نہیں ہوتی۔

سفیر ایران کا دہلی میں آنا

اورنگ زیب کے حضور میں مذکورہ بالا ملکوں کے سفیر جب حاضر ہو چکے تو آخر کار دربار شاہی میں یہہ خبر پہنچی کہ ایران کا سفیر بھی سرحد پر پہنچگیا ہے اور یہاں کے ایرانی اُمرا اور اَور اہل ایران نے یہہ مشہور کردیا کہ نہایت ہی اہم معاملات اسکے آنیکے باعث ہوئے ہیں۔ لیکن سمجھدار لوگوں نے اِس پر بالکل یقین نہیں کیا۔ کیونکہ اہم معاملات کا وقت گزرچکا تھا۔ اور یہہ بات ظاہر تھی کہ اِن لوگوں کے ایسا مشہور کرنیکا سبب بجز اس بیہودہ خواہش کے کہ اپنے مُلک کی عظمت و اقتدار کا اظہار کریں اور کچھ نہ تھا۔ اُن کا یہہ بھی ادّعا تھا کہ جو امیر اسکے استقبال اور تواضع و تکریم کے واسطے مامور ہوا ہے اُسکو بتاکید یہہ فہمایش ہوئی ہے کہ جسطرح ممکن ہو دہلی پہنچنے سے پہلے سفیر کے آنیکا اصل مدعا دریافت کرے۔ اور اُسکو یہہ بھی ہدایت ہوئی ہے کہ اس مُتمنع سفیر کو رفتہ رفتہ اس امر پر مائل کردے کہ وہ دربار میں ہندوستان کے قاعدہ کے موافق رسم تسلیمات بجالائے اور اُسکو یہہ بھی سمجھادے کہ قدیم سے یہہ دستور ہے کہ شاہ ایران کا نامہ بالواسطہ کسی امیر کے خود بادشاہ کو نہیں دینا چاہیئے۔ لیکن جو کچھ میںنے دیکھا اس

غریب لوگوں کی مصیبتوں کی جو سرکار میں ساتھ جانیکے لیئے بیگار میں پکڑے جاتے اور گرمی اور سردی کی شدت اُٹھاتے اور بھوک اور تکان سے مرجاتے ہیں اِن کو مطلقاً پروا بھی نہیں ہوتی۔

ایشیائی شاہزادوں کے بدعادتوں میں مبتلا ہونے اور اُنکی غفلت شعاری اور وزیر یا کسی لونڈی یا خواجہ سرا کی زور و تسلط اور اُسکے نتایج کا بیان۔

الغرض ایشیائی بادشاہ نہایت ہی ہولناک بدعادتوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں اُنکی یہہ خراب عادتیں انواع و اقسام کی ہوتی ہیں۔ اور اس اختلاف کا سبب یا تو اُن کا طبعی میلان ہوتا ہے یا وہ خیالات اِنکا باعث ہوتے ہیں جو ابتدا عمر سے اُنکی طبیعت میں بٹھا دیئے جاتے ہیں۔ اور شاذ و نادر ہی کوئی بادشاہ ایسا ہوتا ہے جو اپنی سلطنت کے اندرونی اور پولیٹیکل اُمور سے بدرجہ غایت ناواقف نہو۔ وہ اپنی سلطنت کی باگ اکثر کسی وزیر کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں جسکا منصوبہ یہہ ہوتا ہے کہ خود مختارانہ اور بلا روک ٹوک اور بغیر کسی طرح کے خوف و خطر کے حکومت کرنے کی غرض سے حقیر اشغال میں اپنے آقا کے مبتلا رہنے کی اَور بھی تائید کرکے اُسکی طبیعت کو امور سلطنت کی واقفیت سے باز رکھتا ہے۔ اور اگر وزیر اعظم امور سلطنت کو مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتا تو بادشاہ کی ماں جو اصل میں کوئی لونڈی باندی ہوتی ہے۔ اور کچھ خواجہ سرا مُلک پر حکومت کرتے ہیں۔ جنکی تدبیریں وسیع اور آزادانہ خیالات پر مبنی نہیں ہوتیں بلکہ ہمیشہ انہیں بیرحمانہ جوڑ توڑوں میں لگے رہتے ہیں کہ اپنے ہمجنسوں

جبلّی طبیعت اور مزاج کے سبب سے یا اُن خیالات کی وجہ سے جو پہلے
سے اُن کے دل میں بٹھائے ہوئے ہوتے ہیں ایک مصنوعی وقار
اور تمکنت دکھاتے ہیں مگر ہر کسیکو بآسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ اصل سنجیدگی
اور وقار اُن میں نام کو بھی نہیں اور یہ ظاہرداری صرف کسی بُری سکھاوٹ
کا اثر ہے جسکو بجائے متانت اور سنجیدگی کے ایک حیوانیت اور بیہودہ
نمائش کہنا چاہیئے۔ اور یا بہ تکلف ایک ایسی خوش خلقی اختیار کرتے ہیں
جو بادشاہوں کی شان کے ہرگز لایق نہیں ہوتی اور بناوٹی ہونے کی
وجہ سے مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ پس ایسا کون شخص ہے جو ممالک
ایشیا کی تاریخ سے واقف ہو اور میرے اس بیان کی صحت سے جو
ایشیائی شاہزادوں کی حالت کی ایک ٹھیک تصویر ہے انکار کر سکے۔
اور میں پوچھتا ہوں کہ کیا ممالک ایشیا کے بادشاہ آنکھیں بند کر کے حیوانوں کی
سی بیرحمیاں نہیں کرتے رہے۔ اور اُن کی بیرحمی کیا کبھی کسی معین طریقہ پر
ہوتی تھی؟ اور کیا وہ مطلقاً نامنصفانہ نہ تھی؟ اور کیا وہ بیحد شراب خواری
کی ذلیل اور کمینہ عادت میں مبتلا اور بغیر کسی طرح کی شرم کے عیاشی و
شہوت پرستی میں ڈوبے ہوئے نہیں ہیں؟ اور حرموں کی صحبت میں
اپنی تندرستی اور عقل بالکل غارت اور برباد نہیں کرتے؟ اور کیا انہوں نے
سلطنت کے کاروبار کی عوض اپنا تمام وقت سیر و شکار ہی میں نہیں کھو دیا؟
اور اگرچہ ان بے درد بادشاہوں کو اپنے شکاری کتوں سے بہت محبت ہوتی
ہے اور اُن کی غور و پرداخت کا بہت خیال کرتے ہیں مگر اُن بیچارے

ہیں جو آفتیں اور مصیبتیں سلطنتوں پر پڑا کرتی ہیں اور وہ بدعملی اور بدانتظامی جس سے آخر کار وہ برباد اور تباہ ہو جاتی ہیں اُسکا باعث اگر ڈھونڈا جاے تو ہمیشہ یہی نکلیگا کہ شاہزادوں کی تعلیم و تربیت ناکافی اور بُرے طور پر ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ بچپن ہی سے عورتوں اور خواجہ سراؤں یا اُن غلاموں کے سپرد رہتے ہیں جو ملک روس اور سرکیشیا اور مغولستان اور گرُجستان اور حبش سے آتے ہیں اور کمبخت غلامی کا یہہ خاصہ ہی ہے کہ اس سے عقل و تمیز خراب اور یہہ عادت ہو جاتی ہے کہ اپنے سے زبردستوں کے سامنے بہت ہی عجز اور فروتنی سے پیش آتے اور کم زوروں اور ماتحتوں پر خواہ مخواہ زور روز یادتی جتاتے ہیں۔ بس یہہ شاہزادے جب محلوں میں سے نکلکر تخت نشین ہوتے ہیں تو وہی ظالمانہ اور خراب عادتیں جو سیکھی ہوئی ہوتی ہیں ساتھ لے آتے ہیں اور اُن فرایض سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں جو اُن کی اس نئی حالت کو لازم ہیں اور اپنی زندگانی کے اس تماشاگاہ میں اس طرح پر خلایق کے سامنے آتے ہیں کہ گویا کسی اَور ہی دُنیا سے آئے ہیں اور ہر ایک چیز کو ایسے بھولے پن اور حیرانی کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ گویا کسی اندھیری کوٹھری یا تہہ خانہ میں سے آج ہی پہلے پہل نکلے ہیں۔ اور یا تو بچوں کی طرح ہر بات پر یقین کر لیتے یا ہر چیز سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں یا ایسے ہٹیلے اور بے پروا اور احمق ہوتے ہیں کہ معقول صلاح اور مشورہ کی بات کو سُنتے ہی نہیں اور کیسا ہی خراب کام کیوں نہو اُسکے کر بیٹھنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کرتے اور تخت پر بیٹھکر یا تو اپنی

دِل ہی دل میں بہت خوش ہوتا تھا - اور میںنے اِن سفیروں کو بہت تاکید
سے یہہ بھی کہا تھا کہ اس کھال کے ساتھ بادشاہ کو وہ سینگ بھی ضرور
دکھانا مگر اُنہوں نے اِس خوف سے اُسکو پیش نہ کیا کہ مبادا ہم سے یہہ
پوچھا جائے کہ مُسوزَت کی لوٹ میں جب یہہ بچ رہا تو اسکے اندر کی خوشبودار
چیز کہاں گئی ! اور پھر ہم اسکا کیا جواب دینگے - !

> اورنگ زیب کا اپنے تیسرے لڑکے سلطان اکبر کی تعلیم و تربیت کیلئے اتالیق تجویز کرنا اور شاہزادوں کی تعلیم و تربیت کے نتائج کی ایک مکمل تصویر

شاہِ حبش کے سفیر ابھی دِہلی ہی میں تھے کہ اَوْرَنگ زیب نے اپنے دربار کے خاص خاص اُمرا اور عُلما کو اِس مشورت کے واسطے جمع کیا کہ اپنے تیسرے لڑکے سُلطان اکبر کی تعلیم و تربیت کے لیئے جسکو ولیعہد بنانا چاہتا تھا ایک اتالیق تجویز کرے - اور اُن سے فرمایا کہ میری بڑی آرزو ہے کہ اسکی تعلیم و تربیت ایسی کیجائے کہ جس سے کامل توقع اس امر کی ہو سکے کہ ہر طرح کی لیاقتوں کے لحاظ سے یہہ لڑکا مشہور آفاق ہو - چنانچہ میری رائے میں کوئی شخص اَوْرَنگ زیب سے زیادہ اِس امر سے واقف نہیں کہ شاہزادوں میں ہر ایک طرح کے مفید علموں اور ہنروں کا موجود ہونا ضروری اور لابدی ہے - کیونکہ انکی نسبت یہہ اُمید ہوتی ہے کہ کسی آیندہ وقت میں فرماں روا اور حاکم بنینگے اُسکا قول ہے کہ جس طرح سے باعتبار اپنے مرتبہ اور اختیار کے اِن کو اَور لوگوں پر فضیلت ہے - اُسی طرح لازم ہے کہ دانائی اور صفات حمیدہ میں بھی اُن سے افضل ہوں - اور وہ خوب جانتا ہے کہ ممالک ایشیا

بُل میرے سامنے سے دُور ہو! مجکو تعجب آتا ہے کہ شرمندہ ہونے کی جگہہ تو شیخی بنگھارتا ہے! کیا ہمارے مُلک میں عورتوں کا کال پڑگیا ہے کہ تیری سی عمر کا آدمی صرف دو درجن لڑکوں کے باپ ہونے پر اتراتا ہے" اور اُسنے کہا کہ ہمارے بادشاہ کے کم سے کم اسّی لڑکے بالے ہیں جو محل میں جدھر دیکھو وہی دوڑتے پھرتے نظر آتے ہیں اور اُنکی یہہ پہچان ہے کہ ہر ایک کے پاس بادشاہ کی دی ہوئی ایک گول رنگین چھڑی ہوتی ہے۔ جسکو بہ نسبت اَور لڑکوں کے وہ اپنے لیئے سیپٹر* کی طرح باعث امتیاز سمجھکر خوشی خوشی ہاتھ میں لیئے پھرا کرتے ہیں۔

میرے آقا کی طرح اَورنگ زیب نے بھی دو دفعہ ان سفیروں کو اس اُمید سے اپنے حضور میں بُلایا کہ اُن سے اُن کے مُلک کے کچھ حالات معلوم ہوں۔ مگر اسکی زیادہ تر غرض یہہ معلوم کرنا تھا کہ دین اسلام کی وہاں کیا حالت ہے۔ اور وہ خنجرؔ کی کھال بھی منگوا کر دیکھی جو نہ معلوم کس طرح قلعہ ہی میں بادشاہی عہدہ داروں کے پاس رہگئی اور مجھے اُسکی حاصل ہونے کا ارمان ہی رہگیا۔ کیونکہ اُنہوں نے میری کارگزاری کے صلہ میں اُسکے دیدینے کا وعدہ کیا تھا۔ اور میں یہہ خیال کرکے کہ کسی دن اپنے مُلک میں پہنچکر عجیب چیزوں کے کسی شوقین شخص کی نذر کر سکونگا۔

---

* یوُرپ میں دستور ہے کہ دربار وغیرہ جلوس کے موقعوں پر بادشاہ ایک عصا ہاتھ میں لیئے رہتے ہیں۔ جسکو رایل سیپٹر یعنی عصائے شاہی کہا جاتا اور تخت و تاج وغیرہ کی طرح ایک بادشاہی علامت سمجھا جاتا ہے۔ س م ح ۱۲

رایل۔ سیپٹر Sceptre

اور انہیں کسی طرح کے شرم و لحاظ کے خود اپنی بابت بھی کہدیا کہ منکوحہ بیوی
کے سوا جو مطلب میں ہے دو جوروئیں اور بھی ہیں اور بیان کیا کہ
جس طرح ہندوستان کے مسلمانوں بلکہ ہندوؤں کی بھی عورتیں پردہ
میں رہتی ہیں حبش میں نہیں رہتیں اور غریب گھرانوں کی عورتیں
خواہ بیاہی ہوں یا کنواری اور لونڈی ہوں یا آزاد رات دن ایک ہی
مکان میں باہم رہتی ہیں اور رشک و حسد کے خیالات جو اور قوموں کی
عورات میں عموماً ہوتے ہیں یہ جانتی بھی نہیں - اور بڑے بڑے امیروں
کے گھروں کی عورتیں اور ان کی جوروئیں اگر کسی خوبصورت سوار سپاہی
پر طبیعت آجائے تو اسکے چھپانے کی چنداں پروا نہیں کرتیں - بلکہ
جب چاہتی ہیں بے خوف و خطر اسکے گھر چلی جاتی ہیں - اور یہ بھی کہا کہ
اگر تم واں جاتے تو خواہی نخواہی شادی کرنی ہی پڑتی - چنانچہ چند سال
ہوئے کہ ایک یورپین درویش کو جنے اپنے تئیں ایک طبیب باشندہ
[illegible] ظاہر کر رکھا تھا زبردستی جورو کرا دی گئی اور لطف یہ تھا کہ
جس عورت کو اسنے اپنے بیٹے کی شادی کے لیے تجویز کیا تھا اسی
سے [illegible] ایک قصہ یہ سنا کہ ایک اسی برس
[illegible] بیٹے جو جوان [illegible] کے
[illegible] گئے - [illegible] پوچھا [illegible]
[illegible]
[illegible]

میرے نزدیک یہہ اخیر بات ایک طرح سے امر اہم اور قابل لحاظ ہے۔ کیونکہ اِس سے اس دریا کی طغیانی کی وجہ معلوم ہوتی ہے اور اُنہوں نے کہا کہ دریا اس جھیل سے نکلکر جسکا ابھی ذکر ہوا شہر سینے ناڈ کی طرف جاتا ہے جو فنج چی کا پایۂ تخت ہے جو شاہ اتھوپیا کا ایک باجگذار ملک ہے اور اسیطرح آگے کو بڑھتا چلا جاتا ہے یہانتک کہ آخر کار مصر کے میدانوں میں جا پہنچتا ہے۔ اِن سفیروں نے اپنے بادشاہ کی شان و شوکت اور فوجی قوت کا حال اسقدر بڑھاکر بیان کیا کہ مجھے اور دانشمند خان دونو کو ناپسند ہوا۔ مگر اِن کا وہی رفیق سفر مغل اس بیح سرائی میں شریک نہ تھا۔ اور اِن کی غیبت میں اُسنے ہمسے کہدیا کہ مینے دو دفعہ وہاں کی فوج کو عین میدان اور لیسے وقت میں دیکھا ہے جب کہ خود بادشاہ اُس سے کام لیرہا تھا اور میرے خیال میں کسی فوج کا اُس سے زیادہ شکستہ حال اور بے انتظامی کی حالت میں ہونا ممکن نہیں اور ایسے ہی اَور بہت حالات اُس ملک کے ہمکو سنائے جو سب میرے روزنامچہ میں لکھے ہوئے ہیں۔ اور اُمید ہے کہ کسی دن لوگوں کی اطلاع کے لیئے مَیں اُن کو چھپوا سکونگا۔ اور بالفعل مَیں صرف تین چار ہی باتوں کے لکھنے پر جو مُراد نے ہمسے بیان کی تھیں قناعت کرتا ہوں۔ اور چونکہ وہ ایسی سرزمین سے علاقہ رکھتی ہیں جو عیسائیونکا مُلک سمجھا جاتا ہے اسیلئے نہایت تعجب کے لایق ہیں۔ چنانچہ اُسنے بتایا کہ حبش میں چند ہی آدمی ایسے ہونگے جنکے کئی کئی بیویاں نہوں۔

سِ ئے نَ اَذ Funge　چِ جِ نَ ف Senaar

اُس مقام کو دیکھا ہے اور انہوں نے جو کچھ کہا وہ بعینہ وہی تھا جو میں نے سُنا تھا - یعنی یہہ کہ اُسکا مخرج مُلک آگوئس میں ہے اور وہ قریب دو جوشندہ چشمے ہیں جو باہم ملکر تیس یا چالیس قدم کے طول کی ایک چھوٹی سی جھیل بناتے ہیں - اور جو پانی اِس جھیل سے نکلتا ہے اگرچہ وہ خود بھی ایک اچھے خاصے دریا کے موافق ہے - مگر آیندہ چھوٹے چھوٹے بہت سے ندی نالوں سے جو قدم قدم پر اُس سے آکر ملتے جاتے ہیں بڑھتا جاتا ہے - انہوں نے یہہ بھی بیان کیا کہ یہہ دریا اس طرح پر چلکر کھا کر بہتا ہے کہ گویا بیچ میں ایک بڑا جزیرہ بنگیا ہے - اور کئی ایک سیدھی چٹانوں پر سے اُتر کر ایک بہت ہی بڑی جھیل میں جا گرتا ہے جسمیں بہت سے زرخیز جزیرے ہیں اور گھڑیال بھی کثرت سے ہیں - اور بشرطیکہ سچ ہو ایک اَوْر جانور اُسمیں بتایا جو بہت ہی اعجوبہ ہے یعنی ایک دریائی بچھڑا جسکے موہنہ کے سوا فُضلہ کے خارج ہونیکے لیئے اَوْر مخرج ہی نہیں ہے - اور یہہ جھیل ڈیمبیا کے مُلک میں گونڈار سے تین مختصر منزلوں اور نیل کے مخرج سے چار یا پانچ دن کے سفر کے فاصلہ پر بتائی اور کہا کہ جب یہہ دریا اِس جھیل سے نکلکر آگے کو بڑھتا ہے تو بہت سے دریاؤں اور برساتی نالوں کی وجہ سے جو اِس جھیل میں آکر گرتے ہیں اِسکا پاٹ بہت بڑھجاتا ہے خصوصاً برسات میں جو ہندوستان کی طرح یہاں بھی ایک معین موسم ہے اور تقریباً جولائی کے اخیر سے شروع ہوتا ہے -

آگوئس Agous

واقف ہوں اور جو اُن کتابوں میں اوّل درجہ کی مشہور ہیں جو مذہب اسلام کی تائید میں تصنیف ہوئی ہیں)

عنایت ہوں اور میری رائے میں ایک عیسائی بادشاہ کے ایک عیسائی سفیر کا ایسا کرنا ایک نہایت ہی ذلیل اور معیوب امر تھا - اور حقیقتاً میں جو کچھ مینے سنا تھا کہ حبش میں دین عیسوی کی کیسی مبتذل حالت ہے اِس سے اُسکی بخوبی تصدیق ہوگئی -

بے شبہ اس بادشاہ کی حکمرانی کے تمام طور و طریق اور رعیّت کے اوضاع و اطوار سے اسلام کی بو آتی ہے اور بیشک جب سے وہ بادشاہ مر گیا ہے جسکو پرتگیزوں نے اپنی فوج کی مدد سے تخت پر بٹھایا ہوا تھا جو لوگ کہ صرف نام کے عیسائی ہیں اُنکی تعداد بھی کم ہوتی جاتی ہے - بات یہہ ہے کہ اس بادشاہ کے مرتے ہی اُسکی ماں کی فتنہ پردازیوں سے پرتگیز کچھ تو مارے گئے اور کچھ نکالدیئے گئے اور فرقہ جیسوئیٹ کے پیٹریارک یعنی بڑے پادری کو جسے اُسکے ہموطن پرتگیز گوآ سے لائے تھے جان بچا کر بھاگنا پڑا -

جس زمانہ میں یہہ سفیر دہلی میں تھے میرے آغا دانشمند خاں جو نئی معلومات کا ہمیشہ سے شایق ہے اُنکو اکثر اپنے ہاں بلا کر اُن کے مُلک اور طریق حکمرانی کی بہت سی باتیں پوچھتا رہتا تھا - لیکن اُسکا اصل مُدعا یہہ تھا کہ دریائے نیل کا منبع معلوم کرے - یہہ لوگ دریائے نیل کو آبابیل کہتے ہیں اور اُن کا قول ہے کہ اُسکا منبع بخوبی معلوم ہے چنانچہ مُراد اور ایک مغل نے جو اُسکا ہم سفر بالاتفاق بیان کیا کہ ہمنے

میں کوشش کرنے سے پشیمانی ہوئی - ایک یہہ کہ اُسنے باوجود وعدہ
کرنیکے کہ پچاس روپیہ کو میں اپنا بیٹا تمہارے پاس بھیجدونگا کہہ بھیجا کہ
تین سو روپیہ سے کم کو نہیں دونگا - اور میں اسپر بھی راضی تھا کہ تین سو ہی
دیکر خریدلوں تاکہ مجھکو اسبات کے کہنے کی گنجایش ہو کہ ایک شخص نے خاص
اپنا بیٹا ؛ میرے پاس بھیجدالا تھا - یہہ لڑکا خوب تازہ توانا اور سڈول بدن
کا تھا اور رنگ بھی خوب صاف ! سیاہ تھا - اور اَور حبشیوں کی طرح ناک
بھی چپٹی نہ تھی اور نہ ہونٹھ ہی موٹے تھے - مگر چونکہ اُسکے باپ نے وعدہ
خلافی کرکے مجھے نہ دیا تو اس سے میں بہت ہی ناخوش ہوا -

دوسری یہہ کہ اسنے اور اسکے مسلمان رفیق نے اورنگ زیب سے
پختہ وعدہ کیا تھا کہ ہم اپنے بادشاہ سے اس مسجد کی مرمت کی بالضرور اجازت
دے دینگے جو بزرگیزوں کے وقت سے ویران اور کھنڈر پڑی تھی چنانچہ
اورنگ زیب نے اسکی مرمت کے لیئے بھی دو ہزار روپیہ انکو حوالہ کیا - یہہ مسجد
ایک شیخ یا درویش کے مقبرے کے طور پر بنائی گئی تھی جو کہ ملک
حبش میں صرف اس غرض سے چلا گیا تھا کہ وہاں دین اسلام پھیلاوے -
اور یہہ اُن پرتگیزوں نے مسمار کردی تھی جو گوآ سے فوج لیکر اُس ذی حق
بادشاہ کی مدد کو آگئے تھے جو عیسائی ہوگیا تھا اور جسکو خارج کرکے ایک مسلمان
شاہزادہ تخت پر ہو بیٹھا تھا -

تیسری یہہ کہ اسنے شاہ حبش کی طرف سے اورنگ زیب سے
یہہ درخواست کی کہ ایک قرآن اور آٹھ اَور کتابیں ؛ جنکے نام سے بھی میں

چھ ہزار ۶۰۰۰ روپیہ نقد کے مرحمت ہوا مگر یہہ روپیہ مساوی طور پر نہ دیا گیا تھا بلکہ مسلمان کو چار ہزار اور مُراد کو عیسائی ہونے کی وجہ سے صرف دو ہزار ملا۔ اور اُن کے آقا کے لیئے بطور تحفہ ایک نہایت بھاری "سراپا" اور چاندی کے مُلمّع کی دو شہنائیں اور دو چاندی کے نقّارے اور یاقوت کے جڑاؤ قبضہ کا ایک خنجر اور بیس ہزار روپیہ نقد عنایت ہوا۔ اور چونکہ مُلک حبش میں سکّہ کا چلن نہیں ہے۔ اسیلیے اورنگ زیب نے براہ مہربانی یہہ فرمایا کہ اُمید ہے یہہ نقد تحفہ خصوصیّت کے ساتھ قبولیت کے لایق ہوگا۔ اور ایک اعجوبہ چیز خیال کیا جائیگا۔ مگر شہنشاہ مغل خوب جانتا تھا کہ اِن میں سے ایک روپیہ بھی ہِندُوستان سے باہر نہ جائیگا اور یہہ لوگ اُس سے کارآمد جنسیں خرید لینگے۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا اور اُنھوں نے اِس روپیہ سے کچھ تو گرم مصالحے لے لیئے اور کچھ مہین سوتی کپڑے کے تھان پادشاہ اور ملکہ اور ولیعہد کے پیراہنوں کے لیئے اور الاییچے جو ایک ریشمی دھاری دار کپڑا ہے اور سنہری یا روپہلی زری ملا کر بُنا جاتا ہی قبا اور پاجامے بنانے کی خاطر خرید لیئے۔ اور بادشاہ کی دو عباؤں کے لیئے جو عربوں کا ایک لباس ہے سُرخ اور سبز رنگ کی انگریزی بانات اور اِن کے سوا بہت سا کپڑا مگر ذرا کم قیمت محلسرا کی معزز عورتوں اور اُن کے لڑکے بالوں کے لیئے خریدا۔ اور اِس سفارت پر آنے کی وجہ سے اِس تمام اسباب کا محصُول تو معاف ہی تھا۔

اگرچہ مُراد میرا بہت دوست تھا مگر تین باتوں سے مجھے اُسکے حق

انہوں نے اپنے پینے کے لیئے قندی شراب جو اُنکو بہت مرغوب ہے
بھر رکھی تھی اور کچھ باقی نہ تھا اور بیش قیمت تحایف کے موجود نہ ہونے سے لوگوں
کی نظروں میں جو اُنکی حقارت تھی اُسکو اُنکی ظاہری ذلیل حالت نے اُور بھی بڑہا دیا
تھا اور وہ بدوؤں کا سا لباس پہنے ہوئے پالکی کے بغیر پاپیادہ شہر میں پھرا
کرتے تھے اور سات آٹھ غلام سر وپا برہنہ پیچھے پیچھے ہوتے تھے جنکے پاس
سوائے ایک کمروہ چھوٹے سے تہمت اور ایک پھٹی پرانی چادر کے جسے بائیں
کاندھے پر ڈالکر داہنے بازو کے نیچے سے نکالے ہوئے ہوتے تھے
کچھ پوشاک اور لباس نہ تھا اور بجز ایک ٹوٹی پھوٹی کرایہ کی بہلی اور ایک گھوڑے
کے جو ہمارے پادری صاحب کا تھا اور کوئی گھوڑا بھی اُن کے پاس نہ تھا
یا کبھی کبھی میرا گھوڑا مانگ لیتے تھے جسکو سواری دے دے کر قریب المرگ
کردیا تھا۔ پس ہر چند مینے اِن ذلیل اور حقیر سفیروں کے لیئے بہت کوشش
کی مگر کچھ فائدہ نہوا کیونکہ لوگ اُن کو فقیر سمجھکر کچھ ملتفت نہوتے تھے۔ لیکن
بہرحال ایک روز جبکہ مَیں اپنے آغا دانشمند خاں کے پاس (جو ممالک
غیر کے معاملات کا وزیر ہے) خلوت میں بیٹھا تھا مینے شاہ اتھوپیا
کی شان وعظمت کا ذکر ایسی آب وتاب سے کیا کہ اورنگ زیب اُنکو اپنے
حضور میں بلانے اور خریطہ کے قبول کرنے پر مائل ہوگیا۔ اور جب یہ حاضر
ہوئے تو دونوں کو زربفت کا ایک ایک "سراپا" اور ریشمی زری کار پٹکہ
اور مندیل عنایت کی اور مراسم مہانداری کے لیئے بھی حکم ہوگیا۔ اور
چند ہی روز بعد جب رخصت کیئے گئے تو پھر ایک ایک "سراپا" مع

اِن عالیشان ! سفیروں نے اپنے لُٹ جانے کی نسبت بڑے بڑے مبالغے کیئے مگر بدگمان ہِندُوستانی جنہوں نے اِنکو جہاز سے اُترتے وقت اس حالت میں دیکھا تھا کہ نہ تو اچھّا لباس و پوشاک ہی تھی اور نہ روپیہ یا کسی مہاجن کے نام کی ہنڈی ہی پاس تھی بلکہ فاقوں کے مارے نیم مُردہ ہو رہے تھے یہہ کہتے تھے کہ فی الواقع یہہ تو ان کی خوش نصیبی تھی۔ کہ سُورت کے لُٹنے اور جلائے جانے کے باعث یہہ اُس ذلت سے بچ گئے جو اِنکو اپنے ذلیل اور ناچیز تحایف کے دِہلی تک لانے میں اُٹھانی پڑتی۔ اور سِیْواجی کی بدولت اِنکو سُورَت کے صوبہ دار کے سامنے فقیرانہ حالت میں جانے اور دَارُ السَّلْطَنَت تک پہنچنے کے لیئے خرچ سواری مانگنے کا ایک عمدہ بہانہ ہاتھ آگیا۔ اور غلام اور سیوبیٹ بیچکر کھا جانیکے الزام سے بھی بری رہے۔

میرے لئیق دوست ڈچوں کے کارخانہ کے مختار مسٹر اڈریکن نے مُرادِ کو میرے نام کی ایک سفارشی چٹھی دی تھی جو اُسنے دِہلی میں آکر مجھے دی اور یہہ عجیب اتفاق ہے کہ پانچ چھ برس بعد اُس سے اِس طرح پر پھر مُلاقات ہوئی۔ اور وہ اِس بات کو بالکل بھول گیا تھا کہ مَیں مُخا میں اُسی کے ہاں ٹھہرا تھا۔ پس میں اپنے پُرانے دوست سے بغلگیر ہوا اور وعدہ کیا کہ حتی الوسع مَیں تم کو مدد دونگا۔ اگرچہ اہل دربار سے میری بہت کچھ رسائی اور مُلاقات تھی مگر ان تہیدست ایلچیوں کی امداد ایک مشکل کام تھا۔ کیونکہ بجز خچر کے اُس چمڑے اور بیل کے اُس سینگ کے جسمیں

اشیاء احتیاج کے موجود ہونے سے بہت تکلیف میں رہے اور کئی غلام مر گئے اور اسکے سوا مخا میں پہنچنے پر یہہ معلوم ہوا کہ اکی دفعہ بردے بہت کثرت سے آئے ہیں اور اسلیئے جو لونڈیاں اور غلام باقی رہگئے تھے وہ بھی کم قیمت پر بیچنے پڑے - بہرحال جب لونڈی غلام بک چکے تو انہوں نے اپنا سفر پھر شروع کیا اور ایک ہندوستانی جہاز پر سوار ہو کر جو مسودٔت کو آتا تھا بیس دن کے عرصہ میں جو اس سفر کے لیئے چنداں زیادہ نہ تھا منزل المقصود پر پہنچگئے - مگر بہت سے گھوڑے اور کئی ایک غلام غالبًا کافی خوراک نہ ملنے سے مر گئے - کیونکہ ظاہر ہے کہ اس باشان وشوکت! سفارت کے پاس اتنا روپیہ کہاں تھا جو خرچ کے لیئے کافی ہوتا - اور جہاز ہی میں وہ بیچارہ خچر بھی مر گیا لیکن یہہ اسکی کھال حفاظت سے لیتے آئے جسکو مینے بھی دھلی میں دیکھا تھا -

ان کو مسودٔت میں پہنچے ہوئے چند ہی گھنٹے گذرے تھے کہ بیجاپور کے ایک مشہور باغی نے جسکا نام سیتواجی ہے شہر کو آ کر لوٹ لیا اور آگ لگادی اور اس عام آتش زدگی میں اگرچہ وہ مکان بھی جہاں یہہ ٹھہرے ہوئے تھے جلگیا مگر آگ اور دشمن دونوں کے ہاتھ سے جسطرح بن پڑا انکی سفارت کی نذریں اور وہ چند غلام جو کسی وجہ سے یا تو سیتواجی کے ہتھے نہ چڑھے یا جنکو بیکار دیکھکر اسنے خود ہی چھوڑ دیا اور ان سفیروں کے حبشی لباس جو اسکو پسند نہ آئے اور وہ خچر کا چمڑہ جسکی اسنے کچھ پروا نہ کی اور وہ بیل کا سینگ - جنکو سیوجیت سے پہلے ہی خالی کر چکے تھے - بچ رہے -

کسی الائچہ میں جو ایک قسم کا ریشمی کپڑا ہوتا ہے ایسی خوشنما اور طرح طرح کی دھاریاں ہوتی ہیں۔ اور ہاتھی کے دو دانت جو معمول سے زیادہ ایسے بڑے اور بھاری تھے کہ ایک مضبوط شخص اُن میں سے ایک کو زمین سے بمشکل اُٹھا سکتا تھا اور بیل کا ایک بہت بڑا سینگ جسمیں سیوِیٹ[ل] بھری ہوئی تھی اور جسکا قطر مونہہ کی طرف سے نصف فٹ فرانسیسی سے زیادہ میرے ناپنے میں آیا تھا اِن سفیروں کو سپرد ہوئے تھے۔

یہہ دونوں ایلچی جب ایسے شاہانہ! اور فیاضانہ! طور پر سازو سامان سے دُرست کیئے جاکر گونڈا در سے جو مُلک حبش کا پائے تخت اور صوبہ ڈیمبیا میں ہے روانہ کیئے گئے تو اُنکو ایک ویران مُلک میں سے گزرنا پڑا۔ اور بہلُول تک پہنچنے میں جو بابُ المندب کے قریب مُخا کے مقابل ایک غیر آباد بندرگاہ ہے دو مہینے لگے۔ اِن لوگوں کے کاروان کے معمولی راستہ سے جو چالیس روز میں بآسانی طے ہوجاتا ہے آرکیکو کو جانے کی جُرات نکرنے کا یہہ باعث تھا کہ آرکیکو سے جزیرہ مصوّع کو جانا پڑتا ہے۔ جہاں سلطنت ٹرکی کی کچھ فوج رہتی ہے۔ جبکہ یہہ لوگ بحر احمر سے عبور کرنے کی خاطر مُخا کو جانے والے جہاز کے انتظار میں بہلُول میں ٹھہرے ہوئے تھے

ل سیویٹ مشک وغیرہ خوشبودار حیوانی مادوں کو بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر خصوصیت کے ساتھ اُس خوشبودار اور بہت گاڑھی چیز کو کہتے ہیں جو مُشک بلائی کی دُم کے نیچے ایک تھیلی میں چربی کے طور کی ہوتی ہے۔ (ماخوذ از اوگلویز ڈکشنری) س م ح ۱۲

Civet Gondar Dembea Arkee Ko

جو ہندوستان میں تجارت کرتی ہیں تحفتاً کچھ چیزیں لانا اور انکی طرف سے اپنے بادشاہ کے لیئے گونڈار کو لیجانا ہے - چونکہ یہہ بادشاہ یہہ چاہتا تھا کہ اسکے سفیر ایسی شان و شوکت کے ساتھ جائیں جو اس موقع کے لائق ہو - پس آپنے اُن کے اخراجات کے لیئے بڑی ہی فیاضی اظاہر کی یعنی دونوں کو بتیس ۳۲ بتیس جوان لونڈیاں اور غلام عنایت کیئے کہ انکو مخا میں بیچکر جو روپیہ اس مبارک تدبیر سے ہاتھ آئے اُسکو معاملات سفارت میں خرچ کریں - واہ واہ کتنی بڑی فیاضی اہے کیونکہ مخا میں جوان لونڈی غلام بحساب اوسط پچیس ۲۵ یا تیس کراؤن [*] قیمت پاتا ہے - اِن کے علاوہ نہایت ہی چھانٹ کر پچیس ۲۵ غلام خاص آورنگ زیب کے لیئے بھیجے تھے جنمیں نو یا دس بہت کم سن اور خوجہ بنانیکے قابل تھے - واہ کیا کہنا ہے ! ایک عیسائی بادشاہ نے ایک مسلمان بادشاہ کے لیئے کیا ہی مناسب تحفہ بھیجا تھا - !! جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اِتھوپیا میں مذہب عیسوی کی کیا حالت ہے - اِن کے علاوہ شہنشاہ مغل کے لیئے پندرہ حبشی گھوڑے جو عربی گھوڑوں کے برابر سمجھے جاتے ہیں اور چھوٹی قسم کا ایک خچر جسکی کھال مینے بھی دیکھی تھی جو ایسی خوبصورت تھی کہ کسی شیر کے بھی ایسے خط و خال نہیں ہوتے اور ہندوستان کے

---

[*] چونکہ ایک کراؤن پانچ شلنگ کا ہوتا ہے جو انگلستان کا ایک چاندی کا سکہ اور ہندوستان کی موقت کی اٹھنی کے برابر ہے - پس اس حساب سے اِن غلاموں کو قریب ڈھائی ہزار روپیہ کی قیمت کا سمجھنا چاہیئے - س م ح ۱۲

کراؤن Crown شِلِنگ Shilling

لوگوں کا یہہ قول تھا اور فی الواقع سچ بھی تھا کہ سفیروں کے بھیجنے سے
اس حبشی کو صرف وہ قیمتی تحائف مدنظر تھے جنکے حاصل ہونے کی اورنگزیب
کے فیاض ہاتھ سے اسکو یقیناً اُمید تھی۔ اور جو ایلچی اُسنے بھیجے تھے فی الواقع
اُسکے دربار میں بہت مُعزز و ممتاز اور اُن بڑے بڑے مقاصد کے حاصل
کردینے کے قابل تھے جو اُسکے مدنظر تھے۔ چنانچہ اِن میں سے ایک ایلچی تو
ایک مسلمان* سوداگر تھا جو چند سال ہوئے جبکہ مَیں بحرِ احمر کے
راستہ سے بندر مُخا میں آیا تھا وہاں مجکو ملا تھا اور اُسکو عظیم الشان! آقا
نے بہت سے غلام دیکر اس غرض سے وہاں بھیجا تھا کہ اُن کو بیچکر اس
قابل تعریف! طریقہ سے جو روپیہ ہاتھ آئے اُسکی عوض ہندوستانی
مال و اسباب خرید لائے۔ واہ! عیسائی ہوکر یہہ نامور افریقی بادشاہ!
کیا عمدہ تجارت! کرتا ہے۔ اور دوسرا ایک عیسائی اِرمنی سوداگر تھا
جو حلب میں پیدا ہوا اور وہیں اُسنے شادی بھی کر لی تھی اور اتھوپیا
میں اُسکا نام مُراد مشہور تھا۔ اور مُخا میں اِس سے بھی میری ملاقات
ہوئی تھی اور اُسنے نہ صرف اپنا نصف مکان میرے لیئے خالی کر دیا تھا
بلکہ وہ صلاح بھی اِسی نے دی تھی جس سے مینے اپنا حبش کا جانا
موقوف رکھا اور جسکا ذکر مینے اپنی اِس کتاب کے شروع میں کیا ہے۔ اور
یہہ بھی اُسی مذکورہ بالا غرض سے وہاں بھیجا ہوا آیا تھا۔ یہہ شخص ہر سال مُخا میں
شاہ اتھوپیا کی طرف سے اِنگریزوں اور ڈچوں کی کمپنیوں کے لیئے

---

* اسکا نام عالمگیر نامہ میں سیدی کامل لکھا ہے اور دوسرے شخص کا اس کتاب میں کچھ ذکر نہیں ہے۔ مترجم

دوسرا ایلچی بادشاہ یمن نے بھیجا تھا - اور تیسرا بصرہ کے "پرنس"[۱]
نے - اور یہہ دونوں بطور تحفہ عربی گھوڑے لائے تھے اور باقی
دو سفیر شاہ اتھوپیا (حبش) کے تھے - اِن میں سے پہلے تین
سفیروں کی خاطر تواضع اسقدر کم ہوئی جو بمنزلہ نہونیکے تھی - کیونکہ اُن کا
ساز و سامان ایسا حقیر تھا کہ ہر ایک شخص یہہ خیال کرتا تھا کہ اُن کا آنا صرف
اِس غرض سے ہے کہ جو تحفے وہ لائے تھے اُن کی اور نیز اُن بہت
سے گھوڑوں اور اَور تجارتی جنسوں کی عوض جو اپنا ذاتی اسباب بتاکر
بلا اداے محصول ساتھ لے آئے تھے بہت سا روپیہ کما کر لیجائیں -
چنانچہ فی الواقع جو روپیہ اُن کے تحائف کی عوض میں اور سوداگری مال و
اسباب کے فروخت سے حاصل ہوا تھا اُس سے اُنہوں نے یہاں کی
تجارتی جنسیں خریدیں اور بلا اداے محصول اُن کو اپنے ساتھ لیجانیکا
استحقاق ظاہر کیا -

مگر شاہ حبش کی طرف سے جو ایلچی آئے تھے اُنکا حال کسیقدر توجہ طلب
ہے - اِن سفیروں کے آنے کا یہہ سبب تھا کہ جو انقلاب سلطنت یہاں
وقوع میں آیا تھا شاہ حبش کو اُسکی شہرت اور خبر پہنچ چکی تھی اسلیئے اُسکو یہہ
خواہش ہوئی کہ اپنے اقتدار ! اور شان و عظمت ! کے موافق سفارت
بھیجکر اس وسیع سلطنت میں اپنی ناموری پھیلائے - لیکن بدگمان

[۱] عالمگیر نامہ میں اس کا نام حسین پاشا لکھا ہے جو آل عثمان ترکی کی طرف سے بصرہ کا حاکم تھا اور
پھر سلطان کی ناراضگی کی وجہ سے اورنگ زیب کے پاس آکر نوکر ہو گیا تھا - س - م - ح ۱۲

اقرار نہ کیا اور صرف اتنا ہی کہا کہ میں دیوار پر سے کود کر اندر آگیا تھا اسلیئے اورنگ زیب نے حکم دیا کہ جس طرح سے یہہ شخص یہانتک آیا ہے اسکو چاہیئے کہ اُسی طور سے باہر نکل جائے - لیکن خواجہ سراؤں نے بادشاہ کے حکم سے غالباً تجاوز کر کے اُسکو دیوار سے نیچے گرا دیا اور دوسرا شخص بھی اسیطرح باغ میں اِدھر اُدھر پھرتا ہوا پکڑا گیا تھا اور اُسنے ظاہر کیا کہ میں دروازہ کے راستہ سے آیا ہوں جسپر بادشاہ نے اُسکو تو اُسی راستہ سے باہر نکلوا دیا مگر خواجہ سراؤں کو عبرتاً سخت سزا دینے کا مصمم ارادہ کیا کیونکہ نہ صرف حفظ ناموس کی خاطر بلکہ بادشاہ کی ذات خاص کی حفاظت کے لیئے بھی محلسرا کی ڈیوڑھی کا زیادہ سخت انتظام کیا جانا ضروری تھا -

شریف مکہ اور سلطان یمن اور پرنس بصرہ اور بادشاہ حبش کے ایلچیوں کا آنا اور اخرالذکر سفیروں کی نسبت ایک دل چسپ اور ظرافت آمیز بیان

اس واقعہ سے چند مہینے بعد قریباً ایک ہی وقت میں پانچ ایلچی دہلی میں آئے - چنانچہ اِن میں سے جو سب سے پہلے آیا وہ شریف مکّہ کی طرف سے تھا - اور جو تحایف وہ لایا تھا اُن میں چند عربی گھوڑے اور ایک جھاڑو تھی جو اُس جھوٹے* معبد کے جھاڑنے بوہارنے کے کام میں آچکی تھی جو اُس مشہور و معروف مسجد کے وسط میں بنا ہوا ہے جو مکّہ میں ہے اور جسکی مسلمان لوگ بڑی تعظیم کرتے اور اُسکو "بیت اللہ" یعنی خدا کا گھر کہتے ہیں اور اِن کا یہہ اعتقاد ہے کہ یہہ سب سے پہلا مکان ہے جو خدائے برحق کی عبادت کیواسطے مخصوص کیا گیا تھا اور اسکو حضرت ابراہیم نے بنایا تھا -

* نقل کفر کفر نباشد - کاتب

اور شجاع بھی ہوتے ہیں۔

روشن آرا بیگم کی نسبت دو نامحرموں کے محل میں بلا لینے کا شبہ ہونا۔

انہیں ایام کے قریب اورنگ زیب روشن آرا بیگم پر دو نامحرم شخصوں کے محل میں بلا لینے کے شبہ سے بہت ناراض ہوا مگر چونکہ شبہ ہی تھا اسلیئے بھائی بہن میں جلد صفائی ہوگئی اور اورنگ زیب ان دونوں آدمیوں کی نسبت اُس بیرحمی سے بھی پیش نہ آیا جو شاہجہان نے اُس بدبخت گرفتار عشق سے برتی تھی جو حمام کی دیگ میں جا چھپا تھا - میں اس قصہ کو ٹھیک اُسی طرح پر کہ جس طرح ایک دوغلی پرتگیزن بڑھیا نے جو بہت عرصہ سے لونڈیوں کے طور پر محل میں خدمت کرتی اور باہر آنے جانے کی بھی مجاز تھی مجھے سنایا تھا بیان کرتا ہوں۔

یعنی روشن آرا بیگم نے ان میں سے اوّل تو ایک جوان کو کئی دن تک اپنے پاس چھپا کے رکھکر حظ صحبت حاصل کیا - اور بعد ازاں بعض اپنی خدمتگار عورتوں کو جنہوں نے وعدہ کرلیا تھا کہ ہم رات کے پردہ میں اسکو محل سے باہر کر دینگے سپرد کردیا - مگر یا تو ان عورتوں کو ایسا کرتے ہوئے کسی نے دیکھ پایا یا وہ خود ہی افشا سے راز کے اندیشہ سے ڈر گئیں یا کچھ اور سبب ہوا - لیکن خلاصہ یہہ ہے کہ وہ تو اُسکو چھوڑ کر بھاگ گئیں - اور یہہ خوف زدہ نوجوان محل کے باغوں میں اکیلا اور حیران پھرتا ہوا پکڑا گیا اور محل کے پاسبان وغیرہ اسکو کشاں کشاں اورنگ زیب کے حضور میں لیگئے اور چونکہ باوجود بہت ہی پرسش اور تفتیش کے اُسنے کسی جرم کے ارتکاب کا

اقرار نہ کیا اور صرف اتنا ہی کہا کہ میں دیوار پر سے کود کر اندر آگیا تھا اسلیئے اورنگ زیب نے حکم دیا کہ جس طرح سے یہہ شخص یہانتک آیا ہے ہسکو چاہیئے کہ اُسی طور سے باہر نکل جائے - لیکن خواجہ سراؤں نے بادشاہ کے حکم سے غالباً تجاوز کرکے اُسکو دیوار سے نیچے گرادیا اور دوسرا شخص بھی اسیطرح باغ میں اِدھر اُدھر پھرتا ہوا پکڑا گیا تھا اور اُسنے ظاہر کیا کہ میں دروازہ کے راستہ سے آیا ہوں جسپر بادشاہ نے اُسکو تو اُسی راستہ سے باہر نکلوا دیا مگر خواجہ سراؤں کو عبرتاً سخت سزا دینے کا مصمم ارادہ کیا کیونکہ نہ صرف حفظ ناموس کی خاطر بلکہ بادشاہ کی ذات خاص کی حفاظت کے لیئے بھی محلسرا کی ڈیوڑھی کا زیادہ سخت انتظام کیا جانا ضروری تھا -

شریف مکہ اور سلطان یمن اور پرنس بصرہ اور بادشاہ حبش کے ایلچیوں کا آنا اور اخرالذکر سفیروں کی نسبت ایک دلچسپ اور ظرافت آمیز بیان

اس واقعہ سے چند مہینے بعد قریباً ایک ہی وقت میں پانچ ایلچی دہلی میں آئے - چنانچہ اِن میں سے جو سب سے پہلے آیا وہ شریف مکہ کی طرف سے تھا - اور جو تحایف وہ لایا تھا اُن میں چند عربی گھوڑے اور ایک جھاڑو تھی جو اُس جھوٹے* معبد کے جھاڑنے بوہارنے کے کام میں آچکی تھی جو اُس مشہور و معروف مسجد کے وسط میں بنا ہوا ہے جو مکہ میں ہے اور جسکی مسلمان لوگ بڑی تعظیم کرتے اور اُسکو "بیت اللہ" یعنی خدا کا گھر کہتے ہیں اور اُن کا یہہ اعتقاد ہے کہ یہہ سب سے پہلا مکان ہے جو خدائے برحق کی عبادت کیواسطے مخصوص کیا گیا تھا اور اسکو حضرت ابراہیم نے بنایا تھا -

* نقلِ کفر کفر نباشد - کاتب

اور شجاع بھی ہوتے ہیں۔

روشن آرا بیگم کی نسبت دو نامحرموں کے محل میں بلا لینے کا شبہ ہونا۔

انہیں ایام کے قریب اورنگ زیب روشن آرا بیگم پر دو نامحرم شخصوں کے محل میں بلا لینے کے شبہ سے بہت ناراض ہوا مگر چونکہ شبہ ہی تھا اسلیئے بھائی بہن میں جلد صفائی ہوگئی اور اورنگ زیب ان دونوں آدمیوں کی نسبت اُس بیرحمی سے بھی پیش نہ آیا جو شاہجہاں نے اُس بدبخت گرفتار عشق سے برتی تھی جو حمام کی دیگ میں جا چھپا تھا - میں اس قصہ کو ٹھیک اُسی طرح پر کہ جس طرح ایک دوغلی پرتگیزن بڑھیا نے جو بہت عرصہ سے لونڈیوں کے طور پر محل میں خدمت کرتی اور باہر آنے جانے کی بھی مجاز تھی مجھے سنایا تھا بیان کرتا ہوں۔

یعنی روشن آرا بیگم نے اِن میں سے اول تو ایک جوان کو کئی دن تک اپنے پاس چھپائے رکھکر حظ صحبت حاصل کیا - اور بعد ازاں بعض اپنی خدمتگار عورتوں کو جنہوں نے وعدہ کرلیا تھا کہ ہم رات کے پردہ میں اُسکو محل سے باہر کردینگے سپرد کردیا - مگر یا تو ان عورتوں کو ایسا کرتے ہوئے کسی نے دیکھ پایا یا وہ خود ہی افشائے راز کے اندیشہ سے ڈر گئیں! کچھ از سبب ہوا - لیکن خلاصہ یہ ہے کہ وہ تو اُسکو چھوڑ کر بھاگ گئیں - اور یہ خوف زدہ نوجوان محل کے باغوں میں اکیلا اور حیران پھرتا ہوا پکڑا گیا اور محل کے پاسبان وغیرہ اسکو کشاں کشاں اورنگ زیب کے حضور میں لیگئے - چونکہ باوجود بہت ہی پرسش اور تفتیش کے اُسنے کسی جرم کے ارتکاب کا

کچھ شبہ نہوا کیونکہ یہہ خوجہ تھا اور زنانہ میں آنے جانے سے خوجوں کو کوئی بھی مانع نہیں ہوتا۔ مگر آخر کار اِنکا تعشق یہانتک بڑھگیا کہ اُس ہندو کو بھی اِس قسم کی خبریں پہنچگئیں کہ لوگ اُسکی بہن کی پاکدامنی کی نسبت شبہ کرتے ہیں اور اُسنے غصّہ میں آکر اپنے دل میں یہہ ٹھان لیا کہ اگر یہہ سچ ہے تو دونوں کو مار ڈالونگا۔ چنانچہ کچھ زیادہ عرصہ نہ لگا کہ ایک رات کو یہہ دونوں اکٹھے سوتے دیکھ لیئے گئے۔ پس اِسنے دِیدار خاں کو تو چھاتی میں خنجر مار کر مار ڈالا اور بہن کو بھی ایسا زخمی کیا کہ اُسکی دانست میں مر ہی چکی تھی اور اِس واردات سے محلسرائے شاہی میں نہایت تہلکہ اور شور و شر پیدا ہوا۔ اور خواجہ سراؤں اور محل کی عورتوں نے باہم ایکا کر لیا کہ جس طرح بنے اِس شخص کو قتل کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اَورنگ زیب جو اِس ہندو کی مسلمان ہو جانے کو اُسکے اِس گناہ کا کافی کفارہ خیال کرتا تھا اگر انکی اِن بندشوں سے ناراض نہو جاتا تو اُسکا بچنا مشکل تہا مگر اسپر بھی لوگوں کی رائے عموماً یہہ ہے کہ خواجہ سراؤں کی عداوت اور اُن کے زور کی وجہ سے یہہ بے باک شخص دیر تک سلامت نہ رہ سکیگا۔

خوجوں کی خصلت کی نسبت اہل ہند اور مصنف کی رائے

ہِندُوستانیُوں کا یہہ خیال ہے کہ اگرچہ خصّی کرد ینے سے جانور غریب اور سیدھا ہو جاتا ہے مگر آدمی پر اِس عمل کا اثر برعکس ہوتا ہے اور اُنکا قول ہے کہ کیا کوئی خواجہ سرا ایسا بھی ہے جو شریر اور مغرور اور بیرحم نہو؟ حالانکہ اِس امر سے اِنکار نہیں ہو سکتا کہ بیشک اِن میں بہت سے وفادار اور فیاض

ہے کہ بادشاہ کہلانا چھوڑ دیں" تو کیا اُس بزرگ کا یہہ قول لغو ہے؟ پس اپنے اِس دوست سے کہدیجئے کہ اگر ہم سے تحسین و آفرین حاصل کرنا چاہتا ہے تو جو کام اُسکے سپرد ہے اُسکو اچھے طور سے کرتا رہے۔ اور خبردار! ایسی صلاح جو بادشاہوں کے سُننے کے لایق نہیں ہے پھر کبھی نہ دے اور افسوس ہے کہ تن پروری اور آرام طلبی اور ایسے خیالات سے بچنا جو دوسروں کی بہبودی کے فکر و تردد میں آدمی کو گھلا ڈالتے ہیں انسان کا طبعی اور جبلی امر ہے بس ایسے فضول صلاح کاروں کی ہمکو حاجت نہیں اور عیش و آرام کی صلاحیں تو ہماری بیگمیں بھی دے سکتی ہیں۔

> ایک واقعہ کا ذکر جس سے یہہ ثابت ہوا کہ خوجوں کو بھی تعشق ہو سکتا ہے

اِنہیں دنوں میں ایک ایسا افسوسناک واقعہ دہلی میں ہوا کہ جسکا تمام شہر اور بالتخصیص شاہی محلسرا میں بہت چرچا تھا اور جس سے میری اور اور لوگوں کی اِس رائے کی کہ جو شخص رجولیت سے محروم کر دیا جائے اُسکو تعشق نہیں ہو سکتا غلطی ثابت ہوگئی ؎ یعنی دِیدار خاں نام ایک ذی رُتبہ خواجہ سرا نے ایک مکان بنایا تھا جہاں تفریح خاطر کے لیئے کبھی کبھی جاتا اور بعض اوقات رات کو وہیں سو بھی رہتا تھا اور اسکے ہمسایہ میں ایک ہندو کا گھر تھا جو عرایض [illegible] کیا کرتا تھا۔ یہہ خواجہ سرا اسکی بہن پر جو بہت خوبصورت تھی [illegible] ہو گیا اگرچہ کچھ عرصہ تک اِن کے باہم ناجایز تعلق رہا مگر کسیکو

؎ [illegible] رجولیت سے خدا جانے یہہ کیا لکھدیا ہے۔ حالانکہ یہہ ہی بات ہے کہ [illegible] گئی ہوگی۔ [illegible]

رات بھی بے آرام رہنا پڑے یا ایکدن بھی بے عیش و عشرت اور لہو لعب کے بسر ہو یہہ مدعا یوں ہیں حاصل ہو جائے اور اسکی یہہ رائے ہے کہ میں صرف اپنی تندرستی کو مقدم جانوں اور زیادہ تر عیش و عشرت اور آرام و آسایش ہی کے امور میں مصروف رہوں اور اسکا یہی نتیجہ ہو سکتا ہے کہ میں اس وسیع سلطنت کے کام کو کسی وزیر کے بھروسہ پر چھوڑ بیٹھوں مگر معلوم ہوتا ہے کہ اسنے اس امر پر غور نہیں کیا کہ جس حالت میں مجھے خدا نے بادشاہی خاندان میں پیدا کر کے تخت پر بٹھایا ہے تو دُنیا میں اپنے ذاتی فائدہ کے لیئے نہیں بھیجا بلکہ اوروں کے آرام کے لیئے محنت کرنا مجھپر فرض کیا گیا ہے۔ پس میرا کام یہہ نہیں ہے کہ اپنی ہی آسایش کی فکر کروں البتہ انھیں کے رفاہ کی غرض سے جسقدر آرام لینا ضروری ہے اسکا مضائقہ نہیں اور بجز اس حالت کے کہ انصاف و عدالت اسکی مقتضی ہو یا اقتدار سلطنت کے قایم رکھنے یا ملک کی حفاظت کے لیئے ضروری ہو اور کسی صورت میں رعایا کے آرام و آسایش کا نظر انداز کرنا جایز نہیں ہے اور رعیت کی آسایش و بہبودی ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جسکا فکر مجھے ہونا چاہیئے۔ مگر یہہ شخص اس بات کی تہ کو نہیں پہنچا کہ اُس آرام سے جو یہہ میرے لیئے تجویز کرتا ہے کیا کیا قباحتیں پیدا ہونگی اور یہہ بھی اسکو معلوم نہیں کہ دوسروں کے ہاتھ میں حکومت کا دیدینا کیسی بُری بات ہے۔ اور سعدیؔ نے جو یہہ کہا ہے کہ "بادشاہوں کو چاہیئے کہ بذات خود کاروبار سلطنت کا بوجھ اپنے اوپر لیں ورنہ بہتر

وغیرہ بیچکر کسقدر دولت کھینچ لیجاتے ہیں۔

ایک امیر کا اورنگ زیب کو سلطنت کے کام میں زیادہ محنت کرنیسے منع کرنا اور اسکے جواب میں اپنے فرائض کا اظہار کرنا۔

انہیں دنوں میں ایک بڑے امیر نے اورنگ زیب سے عرض کیا کہ حضور جو کام میں اسقدر مصروفیت فرماتے ہیں اس کر اندیشہ ہے کہ مبادا صحت جسمانی بلکہ قواے دماغی کے اعتدال اور طاقت کو کچھ نقصان پہنچے۔ جسکو سنکر بادشاہ نے اس عقلمند ناصح کی طرف سے تو موہنہ پھیر لیا گویا سنا ہی نہیں اور ذرا ٹھہر کر ایک اور بہت بڑے امیر کی طرف جو نہایت دانا اور ذیعلم تھا متوجہ ہوکر فرمایا (اُنکی یہہ تقریر خاص اس امیر کے بیٹے نے جو ایک نوجوان اور طبیب اور میرا دلی دوست تھا مجھ سے نقل کی تھی) کہ آپ تمام اہل علم اس باب میں متفق الرائے ہیں کہ مشکل اور خوف کے زمانہ میں بادشاہ کو جان جوکھوں میں پڑجانا اور ضرورت کے وقت رعایا کی بہتری کے لیئے جو خدا نے اُسکے سپرد کی سب سے تلوار پکڑ کر میدان جنگ میں جان دینا فرض و واجب ہے۔ مگر اسکے برعکس یہہ نیک اور باتمیز شخص یہہ چاہتا ہے کہ رعایا کے آرام و آسایش کے لیئے مجھے ذرا بھی تکلیف نہ اٹھانی چاہیئے اور بغیر اسکے کہ اُنکی رفاہ و فلاح کی تدبیروں کے سوچنے میں مجھے ایک

[illegible] جس کا نام [illegible] مشہور ہے یہہ قوم سنہ عیسوی کے [illegible] کے پیروان کی [illegible] ہالینڈ میں آبسی تھی اور اسکی وجہ سے [illegible] ہالینڈ کا نام بٹیویا مشہور ہوگیا تھا۔ مگر جس بٹیویا کا ذکر مصنف نے کیا ہے وہ جزیرہ جاوہ میں کوئی [illegible] ہزار آدمی کی آبادی کا ایک شہر اور ڈچوں کی مقبوضات کا دار الحکومت ہے [illegible] کے [illegible] کی مناسبت سے اسکا یہہ نام رکھدیا ہے۔ ماخوذ از جام جم۔ س م ح ۱۲

ایک شقّہ بٹیویا[1] کے گورنر کے لیئے عنایت ہوا۔

سفیر کے بھیجنے سے ڈچوں کی اصل غرض

سفیر کے بھیجنے سے ڈچوں کی اصل غرض یہہ تھی کہ دربار میں رسائی پیدا کر کے بادشاہ کا التفات حاصل کریں اور اپنی قوم اور اپنے ملک کے حال سے اُسکو کسیقدر مطلع کریں تاکہ بندرگاہوں اور اَور مقامات کے حاکموں اور عاملوں کے دل پر جہاں اُن کی تجارتی کوٹھیاں تھیں اُن کی نسبت ایک مفید اثر پیدا ہو اور اُن کو اُمید تھی کہ یہہ لوگ یہہ معلوم کر کے کہ ڈچ بھی ایک زبردست سلطنت کی رعایا ہیں اور بادشاہ تک رسائی رکھتے اور خود اُسکی خدمت میں اپنا عرض حال کر کے انصاف حاصل کر سکتے ہیں ہماری حقارت نہ کیا کرینگے اور نہ تجارت میں خلل انداز ہوں گے۔ چنانچہ اِن لوگوں نے اہل دربار کو اس بات کے یقین دلانے میں کہ ہماری تجارت سے ہندوستان کو بہت بڑا فائدہ ہے بہت کوشش کی اور بہت سی جنسیں جو وہ یہاں سے خریدتے تھے اُنکی ایک بڑی لمبی چوڑی فہرست اِس غرض سے دکھلاتی تھے کہ اُن کے ذہن نشین ہو جائے کہ اُن جنسوں کے خریدنے کے لیئے وہ بہت سا سونا چاندی اپنے ملک سے یہاں لاتے ہیں۔ مگر اس بات کو ظاہر ہونے دینا نہیں چاہتے تھے کہ سال بہ سال تانبا۔ سیسا۔ دارچینی۔ لونگ۔ جائپھل۔ کالی مرچیں۔ عود اور ہاتی

---

[1] بٹیویا (بٹےوی آ) Batavia ملک ہالینڈ (ہالےن ڈ) Holland کا قدیم نام ہے اور لفظ بٹی سے مشتق ہے جو ایک چھوٹی سی قوم تھی جو جرمنی کے اُن ضلعوں میں رہتی تھی جو زمانہ حال میں

کہ جو خریطہ مسٹر ایڈریکن لیکر حاضر ہوا تھا اورنگ زیب نے وہ ایک امیر
کی وساطت سے لیا تھا مگر اسکو کچھ توہین کی علامت سمجھنا نہیں چاہیئے
کیونکہ اُزبکوں کے سفیروں کے ساتھ بھی ایسا ہی عمل ہوا تھا۔ بعد طے ہونے
ان ابتدائی رسوم کے مسٹر ایڈریکن کو اپنے تحائف پیش کرنے کا حکم ہوا
اور اُسکو اور اُسکے چند یورپین ہمراہیوں کو زربفت کے "سراپا" پہنائے گئے
چنانچہ منجملہ اُن تحائف کے کچھ تو سُرخ اور سبز رنگ کی عمدہ بانات کے
تھان تھے اور کچھ بڑے بڑے آئینے اور کچھ چین اور جاپان کی بنی ہوئی
عمدہ چیزیں جنمیں ایک پالکی اور تخت رواں نہایت ہی خوبصورت تھا اور
بہت ہی پسند ہوا۔

شاہانِ مغلیہ کی یہ عادت ہے کہ غیر مُلکوں کے سفیروں کو جہانتک
معقولیت ممکن ہوتا ہے اِس غرض سے ٹھہرائے رکھتے ہیں کہ اُنکا دربار
میں حاضر رہنا اور آداب و تعظیم بجالانا سلطنت کی شان و شوکت کا باعث ہے
پس ایڈریکن بھی جس جلدی کے ساتھ رخصت ہونا چاہتا تھا نہو سکا۔
اگرچہ تاتاری سفیروں کی نسبت اُسکو بہت جلد رخصت حاصل ہوگئی یعنی جب
اُسکا سکریٹری دہلی ہی میں چل بسا اور کئی اور شخص بھی بیمار ہوگئے تو
اورنگ زیب نے اُسکو رخصت کردیا اور زربفت کا ایک "سراپا" اُسکو اور
اُس سے بھی زیادہ قیمت کا "سراپا" اور جڑاؤ خنجر اور مہرانی امبر

---

۱ خلعت یہ صرف مصنف کا تو ہم سلسلہ ہوتا ہے ورنہ ملک ایشیا کی رسم کے موافق مہمان کا زیادہ
دیر تک ٹھہرانا عزت افزائی کی نظر سے ہوتا ہے۔ م م ح ۱۲

اور انصاف سے سلطنت کا کام کرتا رہے مگر تخت کے معاملہ میں دخل نہ دے! اور جواہرات کی بابت اگر مجھے پھر ستائینگے تو خبردار! ان پتھرونکو کوٹ کر چورا کر دوں گا-

ڈچوں کے سفیر مسٹر ایڈریکن کا تخت نشینی کی ادائے تہنیت کے لیئے حاضر ہونا اور اُسکے مراسم ملاقات -

آخرکار ڈچوں نے بھی اورنگ زیب کو تخت نشینی کی مبارکباد دینے میں پیچھے رہنا نہ چاہا اور سفیر بھیجنے کا ارادہ کیا اور اس کام کے لیئے اَیڈ رِیکن کو تجویز کیا- جو اُنکی سُورَت کی کوٹھی کا کارپرداز اعلیٰ اور بہت متدیّن اور ذی لیاقت اور سلیم الرائے شخص تھا- اور چونکہ اُسکی یہہ عادت تھی کہ تجربہ کار لوگوں کی رائے اور مشورت پر چلنے میں اُسکو کبھی انکار نہوتا تھا اسلیئے یہہ کچھ تعجّب کی بات نہیں ہے کہ اُسنے اس کام کو اپنے ہموطنوں کے اطمینان کے قابل انجام دیا- اور اگرچہ اَوْرَنگ زِیب دربار کے ضابطوں اور دستوروں میں ہمیشہ بڑی کروفر اور شان وشوکت دکھاتا ہے- اور اپنی دینداری کا اظہار بھی نہایت ہی کرتا ہے اور اسلیئے عیسائیوں کو ذرا حقارت کی نظر سے دیکھتا ہی تاہم اس سفیر کے ساتھ وہ بڑی مہربانی اور اخلاق سے پیش آیا- بلکہ یہہ بھی فرمایا کہ ہماری یہہ خوشی ہے کہ مسٹر ایڈ رِیکن اوّل ھِنْدُوسْتَان کے دستور کے موافق آداب بجالائے یعنی آداب گاہ پر تسلیمات ادا کرے- اور پھر نزدیک آکر خاص اپنے مُلک کی رسم کے موافق سلام کرے اور اگرچہ یہہ سچ ہے

Mr Adrican — آ سے ڈ رِ ی کَ نْ

بمقدر اُمرا اُسکے قرابتی ہیں اور نوازخاں (شاہنوازخاں صفوی) کے نواسہ ہونے کی وجہ سے ایسے خاندان سے علاقہ رکھتا ہے جو کسی زمانہ میں مسقط کے بادشاہ تھے - اور محمد سلطان اور محمد معظم کی مائیں [ف] صرف راجاؤں کی بیٹیاں ہیں -

اگرچہ بادشاہان ہند مسلمان ہیں مگر ہندوؤں سے ان شادی کر لینے میں اُن کو کچھ تامل نہیں ہوتا خصوصاً جبکہ کوئی ایسا رشتہ اُمور سلطنت کے لئے مفید معلوم ہوتا اور خوبصورت بیوی ہاتھ آتی ہو - لیکن اورنگ زیب کا یہ منصوبہ چل نہ سکا کیونکہ شاہجہاں اور بیگم صاحب نے بڑی نفرت کے ساتھ اس سے انکار کیا بلکہ خود اس نوعمر شہزادی نے بھی نہایت بیزاری ظاہر کی اور مدت تک اِس خیال سے کہ مبادا زبردستی لیجائیں نہایت تردد اور بیقراری کی حالت میں رہی اور علانیہ کہتی رہی کہ "جان دیدونگی! مگر اُس شخص کے بیٹے سے شادی نکرونگی جسنے میرے باپ کو مارا ہے"

اورنگ زیب کا شاہجہاں سے بعض جواہرات کا طلب کرنا اور اُسکا سختی سے جواب دیدینا -

اسی طرح اورنگ زیب شاہجہاں سے بعض خاص جواہرات کے حاصل کرنے میں بھی کامیاب نہوا جنکو اُس مشہور و معروف تخت میں لگانا چاہتا تھا جسکو دیکھکر ایک عالم کو حیرت ہوتی ہے - اور قیدی بادشاہ نے نہایت غصہ سے یہ کہہ بھیجا کہ اورنگ زیب اپنی

ف عجب ہے کہ مصنف کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ ان دونوں کی مائیں علیحدہ علیحدہ تھیں بلکہ ایک ہی رانی یعنی نواب بائی کے بطن سے تھے اور تلنگانہ کی شاہان ... کی نسل سے ہونا بھی جیسا کہ ہم پہلے ایک حاشیہ میں لکھ آئے ہیں صحیح نہیں ہے - م ح

اتنی دیر تک غش میں رہا کہ عموماً اُسکا مرجانا مشہور ہو گیا مگر تاہم جونہیں ذرا افاقہ ہوا تو باہر آیا اور راجہ جے سنگھ اور دو تین اور بڑے بڑے امیروں کو بلا بھیجا تاکہ لوگوں پر ثابت ہو جائے کہ وہ زندہ اور سلامت ہے اور چند منگاروں سے فرمایا کہ ہمکو پلنگ پر ذرا بٹھا دو اور اعتبار خاں کے نام کچھ لکھنے کے لیئے کاغذ اور قلمدان منگایا اور سلطنت کی بڑی مُہر جو ایک چھوٹی سی تھیلی میں جسپر بادشاہ کی دستی مُہر لگی ہوئی روشن آرا بیگم کے سپرد رہتی تھی ایک خاص آدمی کے ہاتھ منگوا بھیجی جس سے یہہ امتحان منظور تھا کہ بیگم نے اپنی کسی ناجائز غرض کے لیئے اُسے استعمال تو نہیں کیا - چنانچہ جسوقت میرے آغا نے یہہ سب خبریں سُنیں تو مینے دیکھا کہ اُسکی زبان سے یہہ الفاظ نکلے "واہ واہ کیا استقلال طبع! اور کیا حوصلہ ہے! اورنگ زیب خدا تجھے سلامت رکھے تو نے ابھی بڑے بڑے کام کرنے ہیں! اور بالضرور ابھی تیری زندگی باقی ہے" اور فی الحقیقت اِس حالت کے بعد اُسکی صحت میں رفتہ رفتہ ترقی ہونے لگی -

> اورنگ زیب کا دارا شکوہ کی بیٹی سے سلطان اکبر کی شادی کا ارادہ کرنا اور اُس شہزادی کا اُسکو نہ ماننا

اب چونکہ اورنگ زیب کی طبیعت روز بروز اعتدال پر آجاتی تھی اُسکی یہہ مرضی ہوئی کہ دارا شکوہ کی بیٹی کو شاہجہان اور بیگم صاحب کے پاس سے منگا کر سلطان اکبر سے جسکی نسبت ولیعہد بنائے جانے کا احتمال ہے اُسکی شادی کردے جس سے اُسکی ولیعہدی کو تقویت ہونے کی اُمید تھی - کیونکہ یہہ شاہزادہ اگرچہ ابھی بچہ ہے لیکن بہت سے

اور مقتدر لوگ تھے شاہجہاں کا مکرر تخت نشین ہونا دل سے کوئی بھی
نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ بجز جسونت سنگھ اور مہابت خاں اور بعض
اور امیروں کے جو علانیہ شاہجہاں کی مخالفت کے مرتکب نہیں ہوئے
تھے ایسا کوئی بھی نہیں تھا جو اُس بیچارے ذی حق بادشاہ کو چھوڑ کر نمک حرامی
سے کھلم کھلا اورنگ زیب کا ساتھی نہ بنگیا ہوا سلیئے یہہ لوگ بخوبی جانتے
تھے کہ اُسکا قید سے نکل جانا گویا ایک بپھرے ہوئے شیر کا چھوٹ جانا
ہے۔ اور اُسکی رہائی کے اندیشہ سے تمام اہل دربار ہراساں ہو رہے
تھے۔ اور سب سے زیادہ اعتبار خاں ڈر رہا تھا جو اس بیچارے بدنصیب
قیدی بادشاہ سے بیوجہ بڑی سختیوں اور گستاخیوں سے پیش آتا رہا تھا
لیکن اورنگ زیب باوجود شدت مرض کے باپ کی نگہبانی اور سلطنت کے
کام کی طرف سے غافل نہ تھا۔ اور اگرچہ سلطان معظم کو اُسکی تاکیدی
ہدایت اور نصیحت یہی تھی کہ اگر میں مرجاؤں تو شاہجہاں کو قید سے چھوڑ دینا
مگر اعتبار خاں کو جو فرمان پر فرمان لکھوا تا رہا اُن میں برابر یہہ تاکید تھی کہ
خبردار اپنے کام میں سستی اور غفلت نہ کرنا اور بیمار ہونیسے پانچویں
روز جبکہ مرض نہایت شدت پر تھا کہا کہ ہمکو دربار میں لے چلو جس سے یہہ
غرض تھی کہ بعض لوگوں کو جو اُسکے مرجانے کا گمان ہوگیا تھا وہ جاتا رہے
اور کوئی عام شورش یا ایسا واقعہ جس سے شاہجہاں قید سے نکلجائے ہونے
نہ پائے انہیں خیالات سے ساتویں اور نویں اور دسویں دن بھی
• نہایت تعجب کی بات تو یہہ ہے کہ تیرہویں روز اگرچہ

صوبہ دار گجرات شاہجہاں کو قید سے چھڑانے کے لیئے چلا آتا ہے اور اسی ارادہ سے مہابت خاں صوبہ دار کابل بھی (جسنے آخر کار اورنگزیب کی اطاعت قبول کرلی تھی) تین چار ہزار سواروں کے ساتھ آگرہ کی طرف بڑھا آتا ہے - بلکہ لاہور سے بھی آگے نکل آیا ہے - اور یہہ بھی شہرت تھی کہ اِعتبار خاں خواجہ سرا شاہجہاں جسکی حراست میں تھا نہایت بیقراری سے چاہتا ہے کہ اُس بڈھے بادشاہ کو رہائی دینے کی ناموری مجھے حاصل ہو -

اِدھر سُلطان محمد معظّم کا یہہ حال تھا کہ امیروں کو وعدے وعید اور رشوتیں دیکر اپنا طرفدار بنانیکے لیئے کوشش کر رہا تھا یہانتک کہ ایکروز رات کو بھیس بدل کر راجہ جے سنگ کے مکان پر بھی گیا اور نہایت منت سماجت کے ساتھ اُس سے کہا کہ آپ علانیہ طور پر میرے جانب دار بنجایئے -

اودھر روشن آرا بیگم نے کئی ایک امیروں کے اتفاق سے جن میں (توپخانہ کا افسر اعلی) فدائی خاں میر آتش بھی تھا یہہ بندوبست کر رکھا تھا کہ اورنگ زیب کے تیسرے بیٹے سُلطان اکبر کو جسکی عمر ابھی سات آٹھ ہی برس کی تھی تخت نشین کریں اور دونوں فریق نے مشہور کر رکھا تھا کہ ہمارا اصل مدعا شاہجہاں کا قید سے چھوڑا دینا ہے - لیکن حقیقت یہہ ہے کہ یہہ صرف عوام الناس کی تالیف قلوب کے لیئے ایک بہانہ تھا اور یہہ بھی غرض تھی کہ اگر بالفرض اِعتبار خاں یا اَور امیروں کی مخفی سازش سے وہ چھوٹ جائے تو لوگوں کی نظر میں ہماری بات بنی رہے حالانکہ جتنے دنوں تک یہہ

اور انکی بہادری وغیرہ کے بہت سے قصّے سُنائے - چنانچہ بالتخصیص ایک قصّہ نے تو مجھکو بھی تعجب میں ڈالدیا - مگر افسوس ہے کہ میں اُسکو اُس آب و تاب کے ساتھ بیان نہیں کرسکتا کہ جس کے ساتھ اُنہوں نے بیان کیا تھا یعنی جس زمانہ میں اورنگ زیب اُزبکوں کے ساتھ لڑائی میں مصروف تھا اتفاقاً پچیس تیس سواروں کا ایک گروہ جو ایک چھوٹے سے گانوں میں جا گھسا اور گھروں کو لوٹنے اور غلام بنانیکے لیئے لوگوں کو پکڑنے باندھنے لگا تو ایک بڑھیا نے اُن سے کہا کہ بیٹا میری صلاح مانو اور اِن حرکتوں سے باز آؤ اور اپنی خیریت چاہتے ہو تو جلد یہاں سے نکل جاؤ ورنہ میری بیٹی جو باہر گئی ہوئی ہے اور جلد آیا چاہتی ہے اگر تمپر آن پڑیگی تو تمہارا کِیا اور نہ کِیا سب برابر ہو جائیگا - لیکن اُنہوں نے اس بیچاری نیک دل بڑھیا کی بات یونہیں ٹھٹے میں اُڑادی اور بدستور گھروں کو لوٹتے اور لوگوں کو پکڑتے باندھتے رہے مگر جب لوٹ کے مال سے اپنے گھوڑے ٹھولا دیئے اور گانوں کے بہت سے باشندوں اور خود اُس بیچاری بڑھیا کو بھی قید کرکے لے چلے تو کوس دیڑھ کوس بھی نگئے ہونگے کہ یہہ بڑھیا جو بار بار پیچھے کو مڑ کر دیکھتی جاتی تھی خوشی سے چلّا کر بولی "میری بیٹی"! "میری بیٹی" اور اگرچہ وہ ابھی نظر سے اوجھل تھی مگر معمول سے زیادہ گرد اُڑتی دیکھکر اور گھوڑے کی ٹاپ کی آواز سُنکر اُسکی فکرمند ماں کے دل میں شک نرہا تھا کہ میری بہادر بیٹی مجھے اور میرے رفیقوں کو بیرحم دشمنوں کے ہاتھ

دیا۔ جب لطیف غذا سے جب خوب پیٹ بھر گیا تب تو انکی زبان کھلی اور نشہ اختلاطی کی یاد سے مجبور ہو کر بذایل کہنے لگے کہ ازبک سب لوگوں سے زیادہ قوی ہیکل ہیں۔ اور تیراندازی میں دنیا کی کوئی قوم انکی برابری نہیں کر سکتی۔ اور یہ کہکر اپنے تیر اور کمانیں منگائیں جو فی الواقع ہندوستان کی کمانوں اور تیروں کی بہ نسبت بہت لمبی تھیں اور کہا کہ ہم شرط لگاتے ہیں کہ اپنا تیر گھوڑے یا بیل کے جسم سے پار کر دے سکتے ہیں۔ اور پھر اپنی دیہاتی عورتوں کی طاقتوری اور بہادری کی اسقدر تعریف کرنی شروع کی کہ گویا امیزاؤن[۲] کو بھی ان کے مقابلہ میں بہت نازک اندام اور ڈرپوک سمجھنا چاہیے

کھانے پر پیر ہونے تو مطلع ہو جانیکے بعد بھی کچھ عرصہ تک بڑے شوق اور تکلف سے گھوڑوں کی رانوں کے کباب اپنی میزوں پر لگاتے اور اور اقوام یورپ کی ہنسی اور مذاق کی کچھ پروا نہیں کرتے تھے۔ س ا م ح ۱۲

---

۲ امیزن Amazon اس کا اشتقاق یونانی لفظ میزاس سے ہے جسکے معنی پستان کے ہیں اور جس طرح قدیم فارسی اور سنسکرت میں اسم کے پہلے الف لگائی جانے سے اسکے معنی نفی کے ہو جاتے ہیں اسی طرح حرف اسنے کے ملنے سے جو بمنزلہ الف کے ہے اسکے معنی بن چھاتی والی عورت کے ہو گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں یورپ کے شرق میں عورتوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جو اپنی داہنی چھاتی اس غرض سے کاٹ ڈالتی تھیں کہ تیراندازی اور نیزہ بازی کرنے میں کچھ نہ کچھ حارج نہ ہو اور مردوں کو اپنی صحبت میں دخل نہ دیتی تھیں اور ایسی قوی اور جنگجو تھیں کہ بحر اسود کے ساحل معروف یوگزین Euxine پر ایشیائے کوچک میں تھرموڈن Thermodon ندی کے کنارے ایک سلطنت قائم کر لی تھی اور گرد و نواح کی قوموں کو مسخر اور مغلوب کر رکھا تھا۔ گو بعض مورخ ان روایتوں کو صرف افسانہ قبول کرتے ہیں۔ بہر حال اس روایت کی وجہ سے فرنگستان میں بہادر اور جری عورتوں کے لئے یہ لفظ بطور ایک صفت کے رائج ہو گیا ہے۔ س ا م ح ۱۲

تھا کہ جسکو مینے کھانیکے قابل سمجھا اور آداب مجلس کے لحاظ سے اُسکی تعریف بھی کرتا رہا۔ کیونکہ اُن کے نزدیک وہ نہایت ہی خوش ذائقہ غذا تھی کھانا کھانے میں ایک حرف بھی کسی کے موہنہ سے نہیں نکلتا تھا۔ اور میرے یہہ لطیف مزاج! میزبان جسقدر موہنہ میں سما سکتا تھا!! ہاتھ سے گھوڑے کا گوشت ٹھونسے چلے جاتے تھے۔ کیونکہ چمچہ سے کھانا بالکل جانتے ہی نتھے[1]

---

[1] افغانستان اور ترکستان کے لوگ چھوٹے چھوٹے نوالے بناکر کھانے کو ایک زنانہ پن سمجھتے ہیں اور چینیوں کے سوا جنکے کھانا کھانے کا طرز اہل یورپ سے بہت کچھ مشابہ ہے چھری کانٹے اور چمچہ سے کھانا کھانیکا رواج ممالک ایشیا میں کبھی بھی نہ تھا اور ابتک بھی اسنے کچھ زیادہ رواج نہیں پایا۔ اور کھانیکے وقت کم بولنا آداب طعام میں سمجھا جاتا ہے اور ترکستان میں گھوڑے کے گوشت کا عام رواج ہے۔ چنانچہ میرے محترم دوست مولوی محمد حسین صاحب آزاد جنہوں نے ترکستان کی خوب سیر کی ہے اپنے ایک خط میں یوں ارقام فرماتے ہیں" گھوڑے کا گوشت اُس مُلک میں عام و تمام ہے۔ بازار ہای قصابی میں جو بڑا عریض اور طویل بازار ہوتا ہے مینے دیکھا ہے کہ گوشت کی رانیں اور ٹچے دوکانوں پر اور دوکانوں کے آگے جو لکڑ گڑے ہوئے ہوتے ہیں اُنپر لٹکتے ہوتے ہیں۔ جس لکڑ پر گھوڑے کی دُم لٹکتی ہے وہ گویا ٹکٹ لگا ہوا ہے کہ یہہ گھوڑے کا گوشت ہے! اور جسپر گائے کی دُم لٹکتی ہے سمجھ جاؤ کہ یہہ گائے کا گوشت ہے! جسپر اونٹ کی دُم لٹکتی ہے یہہ اونٹ کا گوشت ہے! جب ہم کابل سے بلخ کو روانہ ہوئے تو کتل دندان شکن سے اُترتے ہوئے ہمارے قافلہ سالار کا گھوڑا گرا وہ اُترائی بھی میل بھر سے کم نہ تھی ایسے مقاموں میں گر کر گھوڑے یا اونٹ کا سنبھلنا تو ممکن ہی نہیں گھوڑا چور چور ہو گیا۔ سامنے ہی ایک گانوں تھا لوگ وہاں کے سنتے ہی چھرے لیکر دوڑے اور تکہ بوٹی کر کے لیگئے اور اپنی ہانڈیاں جا گرم کیں" کیا تعجب کی بات ہے کہ جس قوم کا ایک مصنف گھوڑے کے گوشت کھانے پر ازبکوں کی ہنسی اُڑاتا ہے اُسی کی قوم کے لوگ جب ۱۸۷۰ء اٹھارہ سو ستّر عیسوی کی لڑائی میں سپاہ جرمنی نے اُن کے تختگاہ پیرس کو گھیر لیا اور اہل شہر گھوڑے وغیرہ جانوروں کے گوشت

سفیران ازبک کی ساتھ مصنف کی ملاقات اور کھانا کھانا اور حسرف و حکایات

ان کے قیام دہلی کے زمانہ میں میری تین ملاقاتیں ان سے ہوئیں اور مجھے میرے ایک دوست نے جسکا باپ ملک ازبک سے دربار مغلیہ میں آکر بہت دولتمند ہوگیا تھا یہہ کہکر کہ یہہ ایک طبیب ہیں ان سے ملادیا تھا۔ ان ملاقاتوں سے میرا یہہ مدعا تھا کہ حتی الامکان اُنکے ملک کے کچھ حالات دریافت کروں مگر وہ اسقدر بے علم اور جاہل نکلے کہ جسکا مجھے وہم وگمان بھی نہ تھا یہانتک کہ اپنے ملک کی حدود سے بھی واقف نہ تھے اور جن تاتاریوں نے چندہی سال گزرے ملک چاین پر غلبہ حاصل کیا تھا اُنکا کچھ بھی حال نہ بتا سکے۔ خلاصہ یہہ کہ اُن سے ایک بھی نئی بات معلوم نہوسکی۔ ایکدفعہ مجھے یہہ شوق ہوا کہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤں اور چونکہ یہہ رسوم تکلف سے چنداں آشنا نہ تھے اسلیئے اُن کے شریک طعام ہوجانے میں مجھے کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ مگر اُن کا کھانا بہت ہی عجیب وغریب نظر آیا یعنی بجز گھوڑے کے گوشت کے کوئی بھی چیز نہ تھی۔ مگر بہر حال مینے اپنے کھانے کا کچھ ڈھنگ نکال لیا۔ کیونکہ دسترخوان پر ایک قاب میں کچھ گوشت ایسی ترکیب[1] سے پکا ہوا بھی

[1] اصل کتاب میں لفظ ذاگو لکھا ہی جو فرنگستان میں ایسے سالن کو کہتے ہیں جو کئی قسم کے گوشت کی بوٹیاں اور مصالحے ڈالکر بہ تکلف تیار کیا جاتا ہے۔ ذاگُو Ragout س م ح

خلعت اور مرصع خنجر اور آٹھ ہزار روپیہ نقد کے علاوہ ایک مرصع چھڑی اسکو بھی عنایت ہوئی تھی اور خدمت کے روز پہونچا خاص مع خنجر مرصع اور بیس ہزار روپیہ نقد کے مرحمت ہوا تھا اور آنے کے دن سے رخصت کے روز تک کل ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ اسکو دیا گیا تھا پس معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر برنیر نے غالباً اپنی یاد کی غلطی سے ان دونو سفیروں کے آنے کو دو برس لکھ دیا ہے۔ س م ح

کثیف رہنے والے ہیں - چنانچہ جو لوگ اس سفارت میں آئے تھے سب کی سب جو روپیہ خرچ کے طور پر اَوْرَنگ زِیْب کی طرف سے انکو ملتا تھا برابر جمع کیے جاتے تھے اور ایسی خسّت سے گزران کرتے تھے جو کسی طرح بھی اُن کے مناسب حال نتھی مگر با ایں ہمہ اِن کی رخصت کے وقت بڑی دھوم دھام اور رسم رسوم کا عملدرآمد ہوا یعنی ایک ایسی دربار میں کہ جسمیں تمام اُمَرا حاضر تھے دونوں ایلچیوں کو بڑے بیش قیمت سراپا عطا ہوئے اور حکم ہوا کہ دونوں کے ڈیرے آٹھ آٹھ ہزار روپیہ نقد بھی بھیجا جائے اور اِن کے آقاؤں کے لیئے بھی بہت گراں بہا سراپا یعنی بہت سے عمدہ عمدہ تھان زربفت کے اور کتنے ہی تھان تن زیب اور ململ کے اور چند الاچے جو ایک ایسا کپڑا ہوتا ہے جو سنہری روپہلی زری اور ریشم ملا کر بُنا جاتا ہے اور چند قالین اور جڑاؤ قبضہ کی دو خنجر انہیں حوالہ کیے

※ عالمگیر نامہ اور مآثر عالمگیری سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہہ دونوں سفیر ایک ہی وقت میں نہیں آئے تھے بلکہ سُبحان قُلی خاں خلف نَذر مُحمّد خاں والی بلخ کا سفیر چھبیسویں جمادی الثانی سنہ ۱۰۷۱ اکہتّر ہجری کو حاضر ہوا اور شاہی میر تزک شہر سے باہر استقبال کرکے اُسکو دربار میں لایا اور خلعت کی علاوہ مرصع پٹی اور پندرہ ہزار روپیہ نقد عطا ہوا تھا اور چونکہ دیر سے بیمار اور ناتوانی اور ضعف کی حالت میں یہاں پہنچا تھا اسلیے چوتھی رجب سنہ مذکور کو ایک مرصع چھڑی جو بڑی بڑی امیروں کو اعزازاً اس غرض سے عطا ہوتی تھی کہ اُسکے سہارے سے دربار میں کھڑے رہا کریں عطا ہوئی اور دو سو تولہ کی ایک اشرفی اور اسی وزن کا ایک روپیہ عنایت ہوا مگر وہ چند روز بعد یہیں مرگیا - اور اُسکی ہمراہیوں کو آٹھ ہزار روپیہ نقد دیکر رخصت کیا گیا تھا اور عَبْدُالعَزیز خاں کا سفیر سنہ ۱۰۷۱ اکہتّر ہجری میں آیا تھا اور اُسکا کابل میں پہنچ جانا سنکر بادشاہ نے ایک سردار کو اُسکی خاطر تواضع اور مہمانداری کے لیئے روانہ کیا تھا اور جب وہ چوتھی ربیع الثانی سنہ مذکور کو شاہجہان آباد کے قریب پہنچا تھا تو دو بڑے امیر استقبال کرکے دربار میں لائے تھے اور یہہ تُرکی گھوڑوں اور اونٹوں اور اور چیزوں کے علاوہ چالیس ہزار روپیہ کی قیمت کا ایک لعل بھی تحفہ میں لایا تھا اور چونکہ یہہ بھی بیمار ہی آیا تھا اسلیے

ہاتھ سے خریطے کیوں نہ لیئے اور مجھے یقین تھا کہ اگر اُن سے آداب میں ۵ بجا
بجالانے یا اِس سے بھی زیادہ کسی اور رسم انکسار کے ادا کرنے کی
خواہش کیجاتی تو یہہ اسکو بھی بلا عذر قبول کر لیتے لیکن یہہ بھی سمجھ لینا چاہیئے
کہ اگر یہہ اپنے ملک کے دستور کے موافق سلام کرنے یا بادشاہ کو اپنے ہاتھ سے
خریطے دینے کی استدعا کرتے تو یہہ منظور بھی نہوتا - کیونکہ یہہ رعایتیں صرف
ایران ہی کے سفیروں کے ساتھ ملحوظ رہتی ہیں - بلکہ اُن کو بھی ہزار وقت
سے یہہ اجازت ملتی ہے -

یہہ لوگ چار مہینے سے زیادہ دہلی میں رہے - اور اگرچہ کئی بار
چاہا مگر رخصت نہ ملی اور اتنے دنوں تک یہاں رہنا انکی تندرستی کے
لیئے ایسا مضر ہوا کہ یہہ اور ان کے اکثر ہمراہی علیل ہو گئے - بلکہ کئی شخص تو
مر بھی گئے - مگر مجھے شبہ ہے کہ ان کو گرمی کے باعث جسکے یہہ عادی تھے
یہ تکلیف ہوئی یا کہ جسم اور لباس کی کثافت اور خوراک کی قلت کے سبب
سے کیونکہ ازبک غالباً تمام دنیا کے لوگوں سے بڑھکر خسیس اور بخیل اور

---

۵ شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کے زمانہ سے جبکہ لباس اور رسوم دربار وغیرہ میں تالیف
قلوب کے لیئے بہت کچھ ہندو راجاؤں کا طرز اختیار کر لیا تھا لوگ جس طرح راجاؤں کو ڈنڈوت کرتے
تھے دربار کے وقت بجائے سلام کے بادشاہ کو سجدہ کیا جاتا تھا مگر شاہجہان نے تخت پر بیٹھتے ہی اسکی ممانعت
کی اور مہابت خاں سپہ سالار کی ایما سے اسکی عوض آداب میں بوس مقرر ہوا یعنی جب کوئی سلام کیلئے حاضر ہو تو
چاہیئے کہ بادشاہ کو سجدہ کر کے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر اپنی پیٹ کو چوم لے [illegible] سادات اور علما اور مشائخ اور دیگر [illegible] کو حکم ملا
کہ صرف سلام کر لیا کریں اور رخصت کے وقت فاتحہ پڑھ دیا کریں گو کہ [illegible] بھی سجدہ کے [illegible] کی طرح کی ممانعت تھی [illegible]
ہمکو [illegible] جسکو آداب کہا جاتا تھا لوگ بجا لاتے تھے [illegible]
[illegible]

کی طرف سے لائے تھے پیش ہوئے۔ یعنی نہایت عمدہ لاجورد[1] کے
بنے ہوئے کئی صندوقچے اور لمبے لمبے بالوں والے کئی اُونٹ اور
چند نہایت خوبصورت تُرکی گھوڑے (اگرچہ وہاں کے گھوڑوں کی
زیادہ تعریف اصالت ہی کی ہے) اور بمقدار کئی اونٹوں کے بوجھ
کے تازے میوے مثل سیب۔ ناشپاتی۔ انگور اور سردوں کے
جو دہلی میں اکثر اُسی مُلک سے آتے اور جاڑے بھر بکا کرتے ہیں
اور اسیقدر خشک میوے مثل آلو بخارا۔ خوبانی اور کشمش اور دو قسم کے
اُور سفید اور سیاہ انگور جو بہت بڑے بڑے اور نہایت لذیذ تھے
جنکو ملاحظہ فرماکر اورنگ زیب نے سفیروں سے فرمایا کہ خان صاحبوں
کے اِن تحایف سے ہم بہت خوش ہوئے۔ اور میوؤں کی خوبی اور
اونٹوں اور گھوڑوں کی عمدگی کی بڑے مبالغے سے تعریف کی۔ پھر اُنکی
مُلک کی زرخیزی کا کچھ ذکر کر کرا اور سمرقند کے مدرسۂ اعظم کی بابت چند
باتیں پوچھکر کہا کہ اچھا اَب آرام کیجیے۔ اور گاہ گاہ دربار میں آتے رہیے
ہم آپکی ملاقات سے خوش ہونگے۔ چنانچہ جس طرح اِن ایلچیوں کا استقبال
وغیرہ ہوا اُس سے یہہ بہت خوش اور رضامند دربار سے رخصت ہوئے
اور ہندوستان کے طرز سلام سے جو فی الواقع ایک ذلت ہی کچھ
رنجیدہ نہ تھے۔ اور نہ اِسمیں سے کچھ ناراض تھے کہ خود بادشاہ نے ہمارے

---

[1] کتاب مخزن الادویہ میں لکھا ہے کہ کاشغر واقع ترکستان کا سنگ لاجورد
سب سے بہتر ہوتا ہے۔ ا س م ح

شاہجہاں زندہ ہے مگر فی الواقع اب اُسکے بیٹے کے بادشاہ ہونیکو سب نے مان لیا ہے اسلئے انتقام کے خوف یا جبلّی طمع اور طبعی لالچ کی تحریک سے اس اُمید پر کہ شہنشاہ ہندوستان کے ان سے عمدہ عمدہ تحفے ہاتھ آئینگے مبارکباد کہنے اور خدمت کے لیئے اپنی آمادگی ظاہر کرنے کو اُنہوں نے اپنے اپنے ایلچی روانہ کیئے گو فتح کے بعد یہہ پیغام جس قدر کے قابل تھے اورنگ زیب اُس سے بخوبی واقف تھا اور خوب جانتا تھا کہ صرف سزا کے خوف یا مال کی طمع سے اِن کو بھیجا ہے۔ لیکن تاہم مناسب طور پر اُن کا استقبال اور خاطر تواضع عمل میں آئی اور چونکہ اُس روز دربار میں مَیں بذات خود موجود تھا اسلیئے ہر ایک بات کو صحیح طور پر بیان کرسکتا ہوں۔ چنانچہ مینے دیکھا کہ اُنہوں نے دربار ہندوستان کی رسم ادب کے موافق کسیقدر فاصلہ سے بادشاہ کو سلام کیا۔ یعنی سر جھکاکر اور تین دفعہ اپنے ہاتھ زمین تک لیجاکر اور پھر پیشانی تک لاکر تین بار سلام کیا اور اسکے بعد اگرچہ وہ اِسقدر نزدیک پہنچگئے کہ اورنگ زیب خود اُن کے ہاتھ سے خریطے لے سکتا تھا لیکن یہہ رسم ایک امیر کی معرفت ادا ہوئی۔ یعنی اُسنے اِن سے لیکر کھولے اور پھر بادشاہ کو دیئے۔ اور اُسنے بڑی متانت اور وقار سے پڑھکر حکم دیا کہ ہر ایک سفیر کو "سراپا" (جسکے معنی ہیں منہ سے پاؤں تک کا لباس) عنایت ہو۔ چنانچہ زربفت کی ایک ایک قبا اور ایک ایک پگڑی اور ایک ایک ندیکار ریشمی پٹکہ عطا ہوا اور اسکے بعد جو تحایف وہ اپنے اپنے "خان"

چونکہ یہہ اُن تمام واقعات سے جو ھندوستان میں گزری تھے
اور اورنگ زیب کی فتوحات اور سلطنت کے دوسرے دعویداروں کی
کامل بربادی اور موت سے خوب واقف تھے اور یہہ بھی جانتے تھے کہ اگرچہ

حاضر دربار رہا۔ مگر کبھی جو آئی کسی بات سے گھبرا کر بلا اجازت کشمیر کو چلا گیا۔ اب اکبر کو ملک پر قبضہ
کر لینے کے لیے خاصہ بہانہ ملگیا اور یوسف شاہ کے نام ایک سخت فرمان جاری ہوا کہ خود حاضر ہو دے
یا بیٹے کو حاضر کرے۔ مگر جب تعمیل میں (جیسی کہ پہلے ہی سے توقع تھی) حیلے بہانے ہوئی تو کشمیر
کو فوج بھیجدی گئی۔ اور جب یوسف شاہ مع اپنے بیٹے کے جو اس عجبت کا باعث ہوا تھا میرزا
شاہ رُخ اور راجہ بھگونت داس اُمرای شاہی امورہ مہم کے لشکر میں حاضر ہو گیا تو کشمیریوں نے
جو اپنی آزادی کو قایم رکھنا چاہتی تھی اُس سے ناراض ہو کر حسین چک کو اپنا حاکم بنا کر مقابلہ کی تیاری
کردی۔ مگر یعقوب باپ کو چھوڑ کر پھر کشمیر کو بھاگ گیا اور کشمیریوں نے اُسے شاہ اسماعیل کا
لقب دیکر بادشاہ بنا لیا۔ لیکن بعد ایک سخت لڑائی کے کشمیری سردار مغلوب ہو کر حاضر ہو گئے
اور سنہ ۹۹۳ھ (نوسو ترانوے) ہجری میں اکبر کا سکہ خطبہ پھر جاری ہو گیا۔ اور زعفران اور
ریشم اور شکاری پرند سے بطور خراج مقرر ہو گئے۔

بعد اسکے اگرچہ یوسف شاہ بادشاہ کی خدمت میں بذات خود حاضر تھا مگر یعقوب
اب بھی جیسی چاہیے اطاعت نہیں کرتا تھا اسلیے پھر فوج کشی ہوئی اور اگرچہ وہ اور شمس چک
کچھ عرصہ تک مقابلہ کرتے رہے مگر آخر کار شمس چک وغیرہ کشمیری سردار سب حاضر ہو گئے
اور مُلک کشمیر ضمیمہ سلطنت مغلیہ ہو کر مرزا یوسف خان مشہدی جو لیاقت اور
دانشمندی میں مشہور شخص تھا صوبہ دار مقرر ہو گیا۔ اور اب کشمیری ایسے مغلوب ہوئے
اور اُن کا یہہ کوتہ اندیش بادشاہ یعقوب اس حالت کو پہنچگیا کہ سنہ ۹۹۷ھ (نوسو ستانوی)
ہجری میں جب شہنشاہ۔ کشمیر کی سیر کو گیا تو دربار عید الفطر کے روز مرزا
یوسف خان کی سفارش سے جو اُسکی تقصیر معاف ہوئی تو اکبر نے بجائے تاج بخشی
کے اُس کو اپنی پاپوش عطا کی !! جس کو وہ اپنی پگڑی پر باندھ کر دربار میں حاضر ہوا۔!!

(ماخوذ از سیر المتاخرین و گلزار کشمیر وغیرہ)

س م ح ۱۲

نہ چھن جائے جس طرح اکبر نے کشمیر چھین لیا تھا *

* ۷۱۵ھ (سات سو پندرہ) ہجری میں ایک شخص ساہو نامے جو اپنے کو گرشاسپ کی نسل سے (یعنی ایرانی نژاد گنتا تھا) راجہ سہدیو فرمانروائے کشمیر کا (جسکو بعض کتابوں میں شاید رسم الخط کی غلطی سے مہدیو اور اولاد راجہ ارجن پانڈو سے لکھا ہے) ملازم ہوکر عمدہ خدمتوں کے باعث رفتہ رفتہ نہایت صاحب اقتدار ہوگیا تھا چنانچہ ۷۴۷ھ سات سو سینتالیس ہجری میں جب سہدیو کا بیٹا جو برائے نام راجہ تھا مرگیا تو اسکا معتمد اور مسلط وزیر شاہ میر جو اس ساہو کا بیٹا تھا سلطان شمس الدین لقب مقرر کرکے خود ہی راجہ بن بیٹھا۔

اس طرح پر ہندو راجاؤں کی حکومت کا سلسلہ تو منقطع ہوگیا اور دو سو تیرہ ۲۱۳ برس تک شمس الدین کی اولاد کے لوگ متواتر حکمرانی کرتے رہے۔ مگر جب اس سلسلے کے اخیر بادشاہ حبیب شاہ بن نازک شاہ کو (جو سہدیو کے بیٹے کی طرح صرف برائے نام بادشاہ تھا) ۹۶۲ھ نو سو باسٹھ ہجری میں اسکے کشمیری وزیر غازی خاں چک نے بیدخل کردیا تو سلطنت چکوں کے خاندان میں منتقل ہوگئی۔ اور غازی خاں کی وفات کے بعد جو اسکے بھائی حسین شاہ اور علی شاہ نوبت بنوبت بادشاہ ہوئے تو حسین شاہ شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کی خدمت میں تحفہ تحایف بھیجکر اظہار اطاعت کرتا رہا اور علی شاہ نے تو یہانتک تابعداری اختیار کی کہ اکبر کا خطبہ اور سکہ بھی جاری کرلیا اور شاہزادہ سلیم (جہانگیر) کے لیئے اپنی بیٹی کا ڈولہ بھی روانہ کیا۔

جس واقعہ کا ڈاکٹر موصوف اشارہ کرتا ہے وہ یہ ہے کہ جب سید مبارک خاں نامے ایک کشمیری سردار نے علی شاہ کے بیٹے یوسف شاہ کو کشمیر سے خارج کردیا اور وہ مرزا سید یوسف خان مشہدی صوبہ دار پنجاب کے ذریعہ سے استمداد کے لیئے بمقام فتحپور سیکری اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُسنے میرزا مذکور اور راجہ مان سنگھ والی جودھپور کو اُسکی مدد کے لیئے مامور فرمایا اور ۹۸۶ھ ہجری میں خفیف مقابلے کے بعد کشمیر پھر اُسکے قبضہ میں آگیا۔ ۹۸۹ھ نو سو نواسی ہجری میں اکبر نے کابل سے آتے ہوئے جلال آباد سے ایک ایلچی مع فرمان کے روانہ کیا اُسنے فرمان کا استقبال کیا اور حیدر خاں عرف یعقوب اپنے بیٹے کو بہت سے تحفہ تحائف کے ساتھ اکبر کی خدمت میں بھیجدیا۔ یہ شہزادہ ایک برس تک

دیکھ چکے تھے اور اس سبب سے ڈرتے تھے کہ مبادا اُسکو اُنکی دغابازی یاد ہو کہ جب وہ دشمن کے تخت گاہ بلخ پر قبضہ کر لینے کو تھا اُنہوں نے باہم صُلح کر کے اُسکی سپاہ کو اپنے ہاں سے نکال دینے کے لیئے اسوجہ سے بالاتفاق کوششیں کی تھیں کہ کہیں اُسی طرح دونوں ہی کا ملک

جو قلعہ میں تھی قبضہ کر لیا اور اُسکے دو بیٹوں اور تین لڑکیوں کو شاہجہاں کے پاس کابل بھیجدیا جنمیں سے بہرام کو مصلحتاً پنجہزاری کا منصب عطا ہوا اور عبدالرحمن کو تربیت کے لیئے داراشکوہ کے سپرد کیا گیا اور لڑکیوں کو بادشاہ کی بڑی بیٹی معروف بیگم صاحب نے بہت اعزاز سے اپنے پاس رکھا مگر جب مُراد بخش چند عرضیاں بھیجکر بلا انتظار حکم کے واپس چلا آیا - اور سَعدُاللہ خان وزیر سے بھی وہانکا بخوبی نظم و نسق نہو سکا تو شاہجہاں نے اورنگ زیب کو بھیجا جو جمادی الاول ۱۰۵۶ (ایکہزار چھپن) ہجری کی پہلی تاریخ کو وہاں پہنچگیا اور نذر محمد خان کے بیٹے عبدالعزیز خان والی بخارا و سمرقند اور اور ازبک سرداروں سے جو نہایت ہجوم کیئے ہوئے تھے خوب لڑائیاں ہوئیں اور اورنگ زیب نے وہ چستی و چالاکی اور جوانمردی دکھائی کہ دشمن بھی دنگ ہو گئے چنانچہ ایکروز جبکہ ازبکوں نے اپنی زبردست کمانوں سے تیروں کا مینہہ برسا رکھا تھا فوج کا دل بڑہانیکو اپنی زرہ اُتار ڈالی اور ڈھال کھولکر پھینکدی اور کہا آج اسی طرح لڑینگے - اور ایک اور لڑائی میں جبکہ مخالفوں نے نہایت ہی انبوہ کر رکھا تھا سواری سے اُترکر ایسی بیفکری اور اطمینان کے ساتھ نماز ظہر با جماعت ادا کی کہ جسکی کیفیت سُننے سے عبدالعزیز خان کو اُسکے آگے سر جھکانا اور [illegible] کے حضور میں حاضر ہونا ہی پڑا اور نذر محمد خان نے بھی اورنگ زیب کی خدمت میں نامہ متضمن اظہار اطاعت و اخلاص بھیجکر اسکی ذریعہ سے معافی اور صلح کی درخواست کی جسکو شاہجہاں نے نہایت عقلمندی کر کے اسوجہ سے قبول کر لیا کہ جاکر زرِ زر اب تک خرچ ہو چکا تھا اور فائدہ کچھ بھی نتھا - اور اورنگ زیب اُسی طرح ملک کو خالی کر کے واپس چلا آیا جس طرح کہ اب ہمارے سامنے تین برس کی لڑائی اور بائیس ۲۲ کرور روپیہ کے ضائع اور امیر شیر علیخان کے خاندان کے بالکل برباد کر ڈالنے کے بعد لارڈ لٹن ویسرائے ہندوستان نے آخرکار شیر علیخان کے چچازاد بھائی امیر عبدالرحمن خان کو ملک افغانستان حوالہ کر دینا ہی مناسب خیال کیا اور جنرل سر ڈانلڈ اسٹوارٹ اور جنرل سر فریڈرک رابرٹس اور چیف پولیٹیکل افسر سر لیپل گرفن اُسکو کابل سپرد کر کے واپس چلے آئے - اور یہہ ڈاکٹر [illegible] نے جو لکھا ہے کہ اورنگ زیب خانِ سمرقند کی امداد کو جو خان بلخ سے لڑ رہا تھا بھیجا گیا تھا - [illegible]

(ماخوذ از بادشاہنامہ و عالمگیر نامہ)

خوانین اُزبک کے سفیروں کا اَورنگ ذیب کی خدمت میں حاضر ہونا

لڑائی کے ختم ہوتے ہی اُزبک قوم کے تاتاریوں نے بڑی عجلت کے ساتھ اپنے سفیر اَورنگ ذیب کے پاس بھیجے۔ جس زمانہ میں شاہجہاں نے اُسکو اپنی فوج کا سپہ سالار بنا کر خان سمرقند* کی مدد کو جو خان بلخ سے لڑ رہا تھا بھیجا تھا یہ بہت سی لڑائیوں میں اُسکی بہادری اور جنگی لیاقتیں

* امام قلی خان اور نذر محمد خان ازبک قوم کے دو بادشاہ اور سگے بھائی تھے اور ان کے باہم ملک اس طرح پر تقسیم تھا کہ سمرقند اور بخارا امام قلیخاں اور بلخ و بدخشاں نذر محمد خاں کے پاس تھا۔ لیکن جب امام قلیخاں زوال بصارت کی وجہ سے مکہ معظمہ کو ہجرت کر گیا تو سمرقند اور بخارا بھی نذر محمد خاں کے قبضہ میں آگیا۔ مگر اسکی سخت گیری اور سوء تدبیری سے اُمرا نہایت تنگ آگئے اور اُنہوں نے اسکے بڑے بیٹے عبدالعزیز خان کو پھر بخارا اور سمرقند کا علیحدہ بادشاہ بنا لیا اور صرف وہی بلخ اور بدخشان اسکے پاس رہگیا۔ لیکن جونکہ یہاں بھی بے انتظامی اور ابتری پھیل گئی تو مجبور ہو کر اسنے یہ حماقت کی کہ شاہجہاں سے امداد کا طالب ہوا جو بلخ و بدخشان و سمرقند و بخارا کو اپنا ملک موروثی سمجھکر اسکو اپنے قبضہ میں لانے کا نہایت آرزومند تھا اور اسکی اُس حرکت کو کبھی نہ بھولا تھا جو اس نے جہانگیر کا مرنا سنتے ہی کابل کو آن گھیرا تھا۔ پس اُسنے موقع کو غنیمت سمجھکر شہزادہ مراد بخش اور امیر الامرا علی مردان خان کو امداد کے حیلہ سے بلخ کو روانہ کیا اور خود بھی لاہور سے کابل کو کوچ کر دیا۔ چنانچہ جب بلخ سے ایک منزل پر نذر محمد خان نے اپنے دو بیٹوں بہرام اور سبحان قلی کو شہزادہ کے استقبال کے لیئے بھیجا تو بدبخت سی خاطر مدارات کے انکو یہ پیغام دیکر واپس بھیجدیا گیا کہ آپ اطمینان رکھیں ہم بیشمار لشکر کے ساتھ آپکی مدد کے لیئے آن پہنچے ہیں۔ مگر جب اگلے روز بلخ پہنچا تو امداد کی جگہ قلعہ پر قابض ہو جانا چاہا اور یہ دیکھکر نذر محمد خان مع اپنے ایک بیٹے کے بجانب ایران کو بھاگ گیا اور اُنہوں نے بارہ لاکھ روپیوں اور زر و اور طلائی چیزوں اور ڈھائی ہزار گھوڑوں اور تین سو اونٹوں پر

آپ راج محل یعنی اپنے مُلک میں ٹھہر کر میر جملہ کے مقابلہ کا سامان کرتے اور آپ کے اراکان میں لیجانے کا ہمکو حکم نہیں ہے۔ اب چونکہ یہاں سے قریب ہی موضع بھلوہ میں (جو غالباً وہی مقام ہے جسکو حال کے انگریزی نقشوں میں بھلویا لکھا ہے۔ اور ڈھاکہ سے نیچے تقریباً ڈھاکہ اور چاٹگام کے وسط میں دریا کے کنارے ہے) انتہائے سرحد پر بادشاہی قلعہ اور تھانہ تھا اسلیے شجاع کا ارادہ ہوا کہ اُسپر قبضہ کرے اور وہاں ٹھہر کر اراکانیوں کی مدد سے آیندہ کے لیئے کچھ بندوبست کرے مگر جب قلعہ پر تصرف نہو سکا تو شجاع نے اراکان والوں سے خشکی پر اُتر کر قلعہ پر حملہ کرنے کی درخواست کی۔ لیکن انہوں نے کہا کہ یہہ ہمارے معمول کے برخلاف ہے۔ البتہ پانی پر ٹھہر کر توپ بندوق سے آگ برسانے کو ہم حاضر ہیں۔ اور شجاع کے اصرار سے ناراض ہو کر آخر کار روکھے پھیکے بنگئے۔ اور صاف کہدیا کہ اگر قلعہ آپکی کوشش سے ہاتھ آجاتا تو مضائقہ نتھا کہ ہم آپکو اسمیں بٹھا کر آپ کے ایک لڑکے کو اراکان لیجاتے اور راجہ آیندہ کے لیئے جو حکم دیتا وہ کرتے۔ لیکن اب تو یہی بہتر ہے کہ آپ خود اراکان کو تشریف لیچلیں چنانچہ وہ اسپر راضی ہوگیا۔ اور چھٹی رمضان ۱۰۷۰ھ (ایکہزار ستر) ہجری کو وہاں چلا گیا۔ اور سوائے اُن چالیس رفیقوں کے جنکا حال پیچھے ایک حاشیہ میں لکھا جاچکا ہے۔ اس آفت میں اَور کسی نے اس کا ساتھ ندیا۔ اور جس وقت سے وہ وہاں پہنچا اور جو مصیبتیں وہاں پیش آئیں اُنکی نسبت صاحب عالمگیر نامہ نے مجملاً یوں لکھا ہے کہ

"بعد از قطع مراحلِ ادبار وطے لجہ ہای خونخوار بہ جزیرہ زخنگ کہ ارذل معمورہ ہای عالم مسکن کفرہ ضلالت شیم است رسیدہ از تیرہ بختی و بدفرجامی بادد و دام آن سرزمین محشور شد و دخامت حال وسوی مآلش باعث عبرت ہمگنان شد و سرانجام کار آن بدعاقبت بعد از وصول بآن ولایت ضلالت بنیاد و ملاقاتِ باسرگروہِ آن قوم بدنژاد کہ ہزاران ہزار مرحلہ از شہرستانِ آدمیت وکشورِ انسانیت دور و از حلیہ دین و دانش و شعار مروت و مردمی مہجور ند بعد ازین در محلِ خود مشروح و مذکور خواہد شد" مگر اس مصنف نے اپنی اس وعدہ کے موافق کوئی تفصیلی حال اس بدنصیب کا آگے کہیں بیان نہیں کیا۔ اور نہ کسی اَور کتاب میں میری نظر سے گزرا۔ اس طرح

اور اگرچہ اس قصہ کی نسبت بھی ہزاروں روایتیں سننے میں آئی ہیں لیکن جو بات اطمینان اور اعتماد کے ساتھ بیان کی جاسکتی ہے وہ صرف اسقدر ہے کہ اس حرکت سے راجہ ایسا برہم اور غضبناک ہوا کہ شجاع کے تمام کُنبہ کے قتل کا حکم دیدیا یہانتک کہ وہ شہزادی جس سے اُسنے عقد کرلیا تھا باوجودیکہ حاملہ تھی اسکے وحشیانہ حکم سے وہ بھی قتل کی گئی اور سلطان باقی اور اسکے بھائیوں کے سر کُند کُلہاڑی سے کاٹے گئے اور اس بدبخت کُنبہ کی باقیماندہ عورتیں اپنی اپنی مکانوں میں ایسی سختی سے قید کی گئیں کہ فاقوں کے مارے وہیں ہلاک ہوگئیں۔

الغرض یہہ لڑائی کی آگ جو ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی خاطر چاروں بھائیوں کے باہم بھڑکی تھی پانچ یا چھ سال کے اندر یعنی تقریباً ۱۶۵۵ع؁ سے لیکر ۱۶۶۱ع؁ سولہ سو ساٹھ یا اکسٹھ تک اس طرح پر خاتمہ کو پہنچی اور اورنگ زیب اس عظیم الشان سلطنت کا اکیلا ہی مالک بنگیا۔ ۵۲

۵۱ چونکہ ۱۰۶۸؁ (ایکہزار اڑسٹھ) ہجری کے اخیر میں شاہجہاں سخت بیمار ہوا تھا۔ اور اسکی بیماری کی خبر پاکر سب بھائیوں سے پہلے مراد بخش نے گجرات میں بغاوت کی تھی اور آخر کار شجاع کے اراکان میں چلے جانیکے بعد سلیمان شکوہ سری نگر سے قید ہوکر دھلی میں چھبیسویں جمادی الاولی ۱۰۷۰؁ (ایکہزار ستر) ہجری کو پہنچا تھا۔ اس حساب سے یہہ لڑائی بھڑائی تین برس سے زیادہ نہیں رہی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس قصہ کا شروع اُسوقت سے لیا ہے جبکہ شاہجہاں نے فساد کے اندیشہ سے شہزادوں کو علیحدہ علیحدہ صوبے دیکر کابل سے روانہ کیا تھا۔ س م ح

۵۲ شجاع کی شکستوں اور اراکان کو جانے کا حال جس طرح پر بلا اختلاف عالمگیرنامہ و مآثر عالمگیری اور سیر المتاخرین میں لکھا ہے اسکا ماحصل یہہ ہے کہ مونگیر سے بھاگنے کے بعد اُسنے ٹانڈہ کو اپنا محل و مرکز قرار دیا اور برسات یہیں بسر کی اور جب میر جملہ کی آمد آمد سے ڈر کر یہاں بھی

بیجاپور کے بادشاہوں نے اُس سے یہہ عہد و اقرار کرلیا ہے کہ اپنی اپنی تمام فوج سے آپکی مدد کرینگے اور پھر بڑے پختہ طور پر یہہ خبر اوڑی کہ وہ دو جہازوں پر جن پر سرخ نشان چڑھے ہوئے تھے سُورت کے سامنے سے ہوکر گزرا ہے اور یہہ جہاز اُسکو شاہ پیگو یا شاہ سیام نے دیئے ہیں۔ پھر ایک یہہ چرچا ہوا کہ وہ ایران پہنچگیا ہے اور شیراز میں لوگوں نے دیکھا ہے۔ اور کچھ دنوں بعد اِن افواہ اُڑانے والوں نے اُسے قندھار پہنچا دیا اور مشہور کردیا کہ وہاں سے کابل پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ ایک دفعہ اورنگ زیب نے کہا کہ "شجاع تو آخر حاجی ہوگیا" یعنی مکہ جا پہنچا۔ مگر اُسکا یہہ کہنا غالباً ظرافت کے طور پر تھا۔ اور اب تک بہتیرے آدمی اس بات پر یقین کیے ہوئے ہیں کہ وہ اِستنبول میں کچھ عرصہ رہکر اور وہاں سے بہت سا مال و دولت لیکر ایران میں آگیا ہے۔ مگر میرے نزدیک یہہ سب افواہیں محض بے بنیاد ہیں اور وہ چٹھی قابل اعتماد ہے جو ڈچوں کے کارخانہ تجارت کے افسر اعلیٰ کی طرف سے تھی اور جسمیں یہہ لکھا تھا کہ شجاع اَراکان سے بھاگنے کی حالت میں مارا گیا۔ چنانچہ اُسکے ایک خواجہ سرا نے جسکے ساتھ میں بنگالہ سے مچھلی پٹن گیا تھا اور ایک اَور شخص نے جو اُسکے توپخانہ کا سردار تھا اور اب شاہ گولکنڈا کا ملازم ہے مجھ سے کہا کہ فی الحقیقت ہمارا آقا مرچکا ہے۔ لیکن اسکی تفصیل مجھسے بیان کرنی نہیں چاہی۔ اور بعض فرانسیس سوداگروں سے جو سیدھے صفہان[۱] سے آئے تھے دہلی میں میری ملاقات ہوئی تو اُنہوں نے کہا کہ ایران میں ہمنے

[۱] اصفہان اُس زمانہ میں ایران کا دارالسلطنت تھا۔ س م ح ۱۲

دونوں پھوپھی زاد بھائیوں اور بہنوں کو پکڑ کر لیگئے۔

سلطان شجاع کی موت و حیات کی نسبت مختلف روایتوں کا ذکر

اب اس سے آگے اُسکی بابت کوئی ایسی ٹھیک بات جو زیادہ بھروسہ کے لائق ہو معلوم نہیں ہے۔ کیونکہ کچھ لوگ تو یہہ کہتے ہیں کہ وہ میدان جنگ سے نکلکر ایک پہاڑ کی چوٹی پر جا چڑھا تھا اور اُسکے ہمراہ ایک خواجہ سرا اور ایک عورت اور دو شخص اور تھے۔ اور سر میں پتھر کا ایک ایسا زخم لگا ہوا تھا کہ وہاں پہنچکر گر پڑا مگر جب اُس زخم کو اُس خواجہ سرا نے اپنی پگڑی سے باندھ دیا تو اُٹھکر جنگل میں جا گھسا۔ اسکے علاوہ چار روایتیں اور سُنی ہیں اور اگرچہ اُن لوگوں کی زبانی ہیں جو عین موقع پر موجود تھے مگر باوجود اسکے ایک دوسری سے نہیں ملتی چنانچہ بعض لوگوں نے مجھے اس امر کا یقین دلایا کہ اُسکی لاش مُردوں میں ملی تھی لیکن صورت پہچانی مشکل تھی اور ڈھیوں کے کارخانہ کے ایک افسر اعلی کی چٹھی مینے بچشم خود دیکھی ہے اُسمیں بھی یوں ہی لکھا تھا۔ لیکن پھر بھی جیسا کہ چاہیئے یقینی بات کوئی نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے دہلی میں کئی بار ایسی افواہیں اُڑتی رہیں کہ جنسے خواہ مخواہ لوگوں کے کان کھڑے ہوگئے[1] چنانچہ ایکبار تو یہہ غل ہوا کہ شجاع مچھلی پٹن پہنچگیا ہے اور گولکنڈا اور

---

[1] تزک عالمگیری میں بضمن وقایع سنہ ۱۲ بارہ جلوس عالمگیری مطابق سنہ ۱۰۸۰ ایکہزار اُناسی ہجری لکھا ہے کہ "عالمگیر کے حضور میں یہہ خبر پہنچی کہ مورنگ میں یعنی آسام اور کوچ بہار کے مابین ایک مصنوعی شجاع نے شورش برپا کی ہے جسپر نہایت تاکید کے ساتھ وہاں کے حکام ابراہیم خان اور فدائی خان کے نام فرمان جاری ہوئے کہ اگر وہ کسی طرف سر نکالے تو سرکوبی کر کے حاضر کرو جس سے ثابت ہے کہ موقع جنگ کی تباہی سے نو برس بعد تک بھی لوگوں کو اسکی موت و حیات میں شک ہی تھا۔ مترجم

اِس تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ یہہ مصمم ارادہ کرلیا کہ یکایک راجہ کے محل پر حملہ کرکے اُسکو اور اُسکے خاندان کو تہ تیغ کرڈالے اور خود فرماں روا بنجائیے۔ یہہ جسارت اگرچہ احتیاط کے خلاف اور ایک مُتہوّرانہ حرکت تھی۔ لیکن مینے بعض پرتگیزوں اور مسلمانوں اور ڈچوں سے جو خاص وہاں موجود تھے سنا ہی کہ اس تدبیر کی کامیابی چنداں محال اور امکان سے خالی نتھی مگر اس منصوبہ کے عمل میں لانیکے لیئے جو دن مقرّر ہوا تھا اُس سے ایک روز پہلے یہہ راز افشا ہوگیا۔ اور اسکا نتیجہ یہہ ہوا کہ اُسکے رہے سہے کام ہی نہیں بگڑے بلکہ سارا کنبہ ہی ہلاک ہوگیا۔ چنانچہ اس بھید کے کُھلجانے پر اُسنے چاہا کہ پیگو کو بھاگ جائے لیکن اس ارادہ کا عمل میں لایا جانا قریب ناممکن کے تھا کیونکہ راہ میں ایسے سخت پہاڑ اور دشوار گزار جنگل اور بن حایل تھے کہ اُن میں سے ہوکر کوئی ایسا رستہ کبھی ہوا ہی نہیں جس سے مسافر آتے جاتے رہے ہوں غرض کہ تعاقب کیا گیا اور بھاگنے سے آٹھ پہر بعد لوگوں نے اُسے جالیا اور جیسی کہ اس اسم بامسمی شجاع شاہزادہ سے توقع ہونی چاہیئے یہہ ویسی ہی شجاعت سے لڑا اور بہت سے وحشی خاص اُسکی تلوار سے قتل ہوئے۔ مگر آخر کار دشمنوں کے ہجوم سے جو پیچھے سے اور آتے جاتے تھے مغلوب ہوکر ایسی لڑائی سے جو کسی طرح بھی برابر کی نتھی دست بردار ہوگیا۔

سُلطَان بَاقِیْ جو باپ سے ذرا پیچھے رہگیا تھا وہ بھی ویسا ہی لڑا جیسے کہ بہادر لڑا کرتے ہیں لیکن دشمنوں نے چاروں طرف سے اسقدر پتھر مارے کہ تمام بدن چُور چُور اور لہولہان ہوگیا۔ اور آخر یہہ جنگلی اُسے اور اُسکی والدہ اور

اور بڑی التجا سے درخواست کی کہ وہ جہاز جسکے ہم پہنچا دینے کے لیئے اتنے
دنوں سے وعدے ہوتے رہے ہیں اب تو بہت ہی جلد عنایت ہو۔ مگر
اِس مُلاقات سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا اور پہلی درخواستوں کی طرح یہہ درخواست
بھی بالکل یُوں ہیں گئی اور اِس وحشی نے اپنا وعدہ مطلق وفا نکیا بلکہ اُس عالی منزلت
پناہ گیر کی پریشانی اور رنج بڑھانے کے لیئے اِس سے پانچ ہی چھ روز بعد صاف
صاف یہہ سوال دیدیا کہ اپنی بیٹی کی شادی ہمسے کر دو۔ اور شجاع کے اس سے
انکار کرنے پر ایسا غضبناک ہوا کہ شاہزادہ کی حالت نہایت پُرخطر ہوگئی۔ اب
ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا گویا ہلاکت کا منتظر رہنا تھا اور سفر کا موسم گزرا جاتا تھا
اور اسلیئے کوئی نہ کوئی اخیر بات قرار دینی ضروری تھی پس اُسنے ایک ایسی تدبیر سوچی
جس سے فضول تر کوئی حرکت نتھی اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُسکی ناامیدی
کس حالت کو پہنچ گئی تھی اور وہ یہہ ہے کہ اگرچہ آراکان کا راجہ بُت پرست ہے
لیکن مسلمان بھی وہاں بہتیرے ہیں جو یا تو بخوشی آن بسے ہیں یا وہ پرتگیز جنکا ذکر
پہلے آچکا ہے اور جو سمندر کے کناروں کے ضلعوں میں لوٹ مار کیا کرتے
ہیں اُنکو پکڑ کر اور غلام بناکر یہاں لے آئے ہیں۔ پس شجاع نے اُن کو گانٹھ
لیا۔ اور اُنکو اور اپنے دو تین سو[1] آدمیوں کو جو بنگالہ سے ساتھ آئے تھے بلاکر

[1] عالمگیر نامہ اور مآثر عالمگیری اور سیر المتاخرین سے تو باتفاق یہہ ظاہر ہوتا ہے کہ اِس مصیبت کے وقت
میں اُسکے رفیقوں اور نوکروں میں سے سوای سید عالم بارہہ وال اور سید قلی اُزبک کے جنکے ساتھ
سادات بارہہ میں سے شماری دس سید اور بارہ مغل تھے اور چند اُور سپاہیوں اور خدمتگاروں وغیرہ کے
پورے بائیس آدمی بھی بنگالہ سے اُسکے ہمراہ نہ آئے تھے۔ س م ح ۔ ۱۲

یا اسقدر زور جو انکی طاقت سے زیادہ ہو۔

غرض شجاع کی طرف سے منا جانیکے لئے بہتیری ہی التجائیں ہوئیں لیکن یہہ جنگلی راجہ اصلا ملتفت نہوا بلکہ یہانتک بے مروت اور گستاخ ہو گیا کہ شہزادہ کی نسبت یہہ عتاب ظاہر کیا کہ ابتک ہمسے ملنے کو کیوں نہیں آیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ شجاع نے کسرشان کے خیال سے اس بت پرست سے ملاقات نہیں کی تھی یا اس خوف سے اسکے مکان پر نہیں گیا تھا کہ مبادا گرفتار کرے اور سب مال و اسباب لوٹ لے۔ اسی اثنا میں راجہ کو میر جملہ نے بھی شجاع کے پکڑکر حوالہ کر دینے کی شرط پر اورنگ زیب کی طرف سے بہت سے فائدوں اور زر کثیر کے حاصل ہونے کی طمع دلا بھیجی تھی۔ بہرحال راجہ کی خفگی رفع کرنے کو اگرچہ سلطان شجاع خود تو اب بھی اسکے مکان پر نگیا۔ مگر سلطان باقی کو بھیجدیا۔

کہتے ہیں کہ جب یہہ شہزادہ راجہ کے محل کے قریب پہنچا تو سر سواری غریب غربا کی طرف بہت سے روپئے اور اشرفیاں[1] پھینکیں۔ اور جب راجہ کے پاس پہنچا تو بہت سے زربفت وغیرہ کے تھان اور مرصع زیور پیشکش کیئے اور اپنے باپ کے بذات خود حاضر نہونے کی نسبت یہہ عذر کیا کہ وہ علیل ہیں

---

[1] اب سے پچاس برس پہلے تک هندوستان میں یہہ عموماً رواج تھا کہ امرا کی سواری کے وقت روپیہ اشرفی وغیرہ لٹایا کرتے تھے اور اس رسم کا یہانتک رواج تھا کہ وہ فرانسیس افسر جو اب سے اسی برس پہلے مرہٹوں کی طرف سے ہمارے اس ملک این رو ستلج میں آئے تھے اظہار امارت و شان و شوکت کے لئے وہ بھی اپنے ہاتھی پر سے کچھ روپیہ اشرفی اور سونے کی نتھیں لٹاتے تھے بلکہ ریاست حیدرآباد دکن جسمیں ہندوستانی درباروں کی پرانی رسمیں ابتک بھی بہت کچھ زندہ ہیں جلوسی سواریوں کے موقعوں پر وہاں اب بھی یہہ رسم کچھ کچھ جاری ہے۔ س م ح

راجہ کا آیندہ طرز سلوک اور عہد جلسے کے توڑ جوڑ اور شاہزادہ کا بیٹی کی شادی کر دینے کی پیغام سے مجبور ہو کر راجہ پر حملہ کرنے کی تدبیر کرنا اور راز کا کھل جانا اور شجاع کا انجام کار-

اَب یہاں اگرچہ کئی مہینے گزر گئے اور ہوائے موافق کا موسم بھی آگیا مگر مُخا جانیکے لیئے جہاز بہم پہنچا دینے کا کسی نے ذکر تک نہ کیا- حالانکہ شجاع صرف اتنی بات کا خواستگار تھا کہ ایک جہاز کرایہ پر مِل جائے - کیونکہ اُسکے پاس زر و جواہر بخوبی موجود تھا- بلکہ غالباً اُسکی ہلاکت کا بڑا باعث یہہ دولت ہی ہوئی-

اصل یہہ ہے کہ یہہ وحشی بادشاہ اور راجہ سچی مروت اور فیاضی کو جانتے ہی نہیں اور اپنے وعدوں کی پابندی اور ایفا کا شاذو نادر ہی خیال کرتے ہیں بلکہ بالفعل کی غرض کو مقدم سمجھکر اُسکے پیچھے ہو لیتے ہیں- اور اس شیطنت اور قساوت کے نتیجوں کی طرف سے جو اکثر خود اُنہیں کو بھگتنے پڑتے ہیں مطلقاً بے پروا نظر آتے ہیں- اور اُن کے ہاتھ سے یا تو مفلسی بچا سکتی ہے

کے قبضہ میں آگیا- اور اب تو نہ صرف اراکان بلکہ اس سے آگے شاہ برہما کا بھی کُل ملک جو ان ہندوؤں کی اوضاع و اطوار اور آب و ہوا کی خاصیت کے لحاظ سے تقریباً ایک ہی طور کی سرزمیں ہے- (مع ملک مفتوحہ سابق و مفتوحہ سال حال ۱۸۸۵ع) چین کی حد تک گورنمنٹ انگریزی کی حکومت میں صاحب چیف کمشنر برہما کے ماتحت ہے- سلطنت مغلیہ کے مورخوں نے اراکان کو "ذلیل ترین معمورہ عالم" اور ایک "قطعہ جہنم" لکھا ہے اور وہاں کے لوگوں کو نہایت ہی وحشی اور حیوانوں سے بدتر اور ملک کو "مسکن دام و دد" بتایا ہے اور اسکے راستہ میں اُنکے نزدیک فن جہازرانی کی ناواقفیت کے باعث تباہی خوانخواہ حائل ہے مگر انگریزوں کی عقل و دانش اور حسن انتظام سے وہی وحشی انسان بنتے جاتے ہیں- اور وہی قطعہ جہنم ایک سرسبز اور شاداب اور بہت زرخیز علاقہ ہے- اور اس میں شہر اکیاب وغیرہ بعض مقامات نہایت عمدہ تجارت گاہ ہیں-
۱۲ س-م-ح

جنہوں نے اس راجہ کی نوکری کر لی تھی اور جنکا پیشہ بنگالہ کے اُن ضلعوں کو لوٹتے رہنا تھا جو ڈھاکہ اور اراکان کی جانب سمندر کے قریب ہیں) ساتھ لیکر واپس آیا - اور شجاع اپنی بیگم[ل] اور تینوں بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ اُن پر سوار ہوکر اراکان کو چلا گیا - اور راجہ نے اگرچہ اُسکی خاطر تواضع کچھ بہت بڑھکر تو نہ کی مگر ضرورت کی معمولی چیزیں مہیا و موجود کرا دیں -

[ل] عالمگیر نامہ اور ماثر عالمگیری وغیرہ سے شجاع کی بیگم یا بیٹیوں کا ساتھ جانا ثابت نہیں ہوتا بلکہ عام طور پر یہہ ظاہر ہوتا ہے کہ ٹانڈہ سے بھاگنے کے وقت جسکو راج محل کے بعد اسنے اپنا جائے قیام بنایا تھا اُسکے محل کی عورتیں اور مستورات وہیں رہگئی تھیں جنکو میر جملہ نے بڑی احتیاط اور احترام کے ساتھ شجاع کے خزانہ اور جواہر خانہ اور مال و اسباب بمعیت اخلاص خان نامے ایک سردار کی حفاظت میں اورنگزیب کے پاس بھیجدیا تھا - لیکن تعجب نہیں کہ اپنی خاص بیگم اور بیٹیوں کو وہ ساتھ لیگیا ہو اور وہ عورتیں جنکا ذکر کتب مذکور میں کیا گیا ہے - اُسکی خواصیں وغیرہ ہوں - س م ح

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

اقوال کو نقل کر کے مسٹر برجس بطور اپنی رائے کے یہہ لکھتے ہیں کہ اس ملک کے نام راکھینگ کو لفظ راکھشا یا - راکھش سے مشتق سمجھنا ایک قیاسی بات ہے - اور اراکان کے باشندوں سے جو تحقیق کیا گیا تو کوئی شخص قابل اطمینان جواب نہیں دے سکا اور حقیقت یہہ ہے کہ مرور زمانہ کے باعث اسکے اشتقاق کی اصلیت محو اور فراموش ہوگئی ہے - پس ظاہر ہے کہ لفظ رخنگ درست اور اصلیت کے قریب تھا اور جس طرح انگریزوں نے اُسکے ہمسایہ ملک کا نام صحیح لفظ میامما یا مرمما کی جگہہ برھما بنالیا ہے - اسی طرح کا یہہ بھی ایک تصرف ہے جو غیر ملک کے لوگ اکثر کر لیا کرتے ہیں - بہر تقدیر یہہ ملک سنہ ۱۷۸۲ع سترہ سو بیاسی تک خودسر اور آزاد تھا - گر سنہ مذکور میں برھما والوں (یعنی آوا اور پیگو کے بادشاہ) نے اسکو فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا تھا - اور مارچ سنہ ۱۸۲۴ع اٹھارہ سو چوبیس میں سرکار انگریزی نے جو برھما والوں کی زیادتیوں سے تنگ آکر اُن پر پہلی دفعہ فوج کشی کی تو چوبیسویں فروری سنہ ۱۸۲۶ع اٹھارہ سو چھبیس کے صلحنامہ کی رو سے سرکار ممدوح

راجہ کے پاس (جسکو مگہ لوگوں کا ناک بھی کہتے ہیں) اس درخواست سے روانہ کیا کہ اگر چند روز پناہ دے سکو تو ہم تمہارے پاس آجائیں - اور جب ہوائے موافق کے چلنے کا موسم آجائے تو مخا تک پہنچ جانیکے لیئے ایک جہاز ہمیں پہنچا دو تاکہ ہم اول مکہ اور پھر وہاں سے رُوم یا ایران کو چلے جائیں - راجہ نے یہہ درخواست قبول کی اور بہت مہربانی سے پیش آیا - چنانچہ سُلطان باقی بہت سی کشتیاں (جنکے ملاح اہل فرنگ یعنی گوآ وغیرہ سے بھاگے ہوئے وہ پرتگیز اور اَور آوارہ گرد عیسائی تھے

کمشنر اراکان کے کہ انہوں نے محض باہ اخلاق وعلم دوستی نہایت ہی عمدہ اور محققانہ جواب بھیجا ہے جسکا خلاصہ یہہ ہے کہ "اس مُلک کا نام اراکانیوں کے تلفظ کے موافق رخینگ ہے اور برھما والے اسکو حرف رے کی جگہہ یے کے ساتھ یاکینگ کہتے ہیں - اور لفظ اَراکان انگریزوں کا اختراع ہے - اور * سر آرتھر فیر نے اپنے مسودہ تاریخ اراکان مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں اور اپنی تاریخ برھما مطبوعہ ۱۸۸۳ء کے پانچویں باب میں لفظ راکینگ کی نسبت یہہ لکھا ہے کہ یہہ لفظ راکھیک (یعنی راکچھس) کا بگڑا ہوا معلوم ہوتا ہے جو پالی زبان کے لفظ یاکھا سے نکلا ہے جسکے معنے ایسے آدم خور دیوکے ہیں جو نصف حیوان اور نصف انسان ہو اور جس زمانہ میں بودھ مذہب کے واعظ ہندوستان سے اس مُلک میں پہنچے تو انہوں نے اس مُلک کا نام یاکھ پورہ (یعنی راکچھس پورہ) رکھدیا - یا تو اسوجہ سے کہ انہوں نے وہاں پہنچکر یہہ روائتیں سنی ہونگی کہ قدیم زمانہ میں ایسے دیو سیرت لوگ وہاں رہتے تھے جو مُلک کو تباہ اور برباد کرتے تھے یا اسوجہ سے کہ انہوں نے میام ما قوم کے لوگوں کو بھوتوں اور دیوتوں کی پرستش کرتے دیکھا ہوگا - اور یہہ بھی ممکن ہے کہ آدم خور دیوؤں کے وجود کی نسبت یہہ روائتیں اس طرح پیدا ہوئی ہوں کہ جب میام ما قوم کے لوگ اراکان میں پہلے پہل داخل ہوئے تو اُسوقت اِس مُلک کے وحشی خصال باشندوں کی عادتوں کی نسبت انہوں نے مبالغہ آمیز باتیں سنی ہوں" سر آرتھر فیر صاحب کے ان

* Sir Arthur Phyre.

سُلطان شجاع کے حالات کا اخیر بیان اور اُسکا ڈھاکہ کو بھاگ جانا اور راجہ اراکان سے پناہ کا طالب ہونا۔

اُب یہہ پر درد کہانی خاتمہ کے قریب آ پہنچی ہے۔ کیونکہ تمام خاندان شاہی میں سے اُب صرف سُلطان شُجاع ہی ایک ایسا شخص باقی رہگیا تھا جو اورنگزیب کو وہشت اور فکر میں ڈالے رکھتا تھا۔ اور اب تک بڑی ہمّت اور جوانمردی دکھاتا رہا تھا۔ مگر اُب اُسنے بھی دیکھ لیا کہ اورنگ زیب کی طاقت اور اقبال کا مقابلہ ناممکن ہے۔ کیونکہ میر جُملہ کے پاس برابر کمک پہنچتی رہتی تھی اور اُسکی فوجوں نے شجاع کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ پس جان بچانے کی خاطر ڈھاکہ کو بھاگ گیا جو سمندر کے کنارے بنگالہ کا سب سے اخیر شہر ہے۔ اُب یہاں اُسکے پاس نہ تو کوئی جہاز ہی تھا کہ سمندر پار ہو جائے اور نہ یہہ جانتا تھا کہ پناہ کی خاطر کسطرف جائے اسلیئے اُسنے اپنا بڑا بیٹا سُلطان باقی[۵۱] مُلک اراکان[۵۲] کے بُت پرست

۵۱ سیر المتاخرین میں اُسکے بیٹوں کے نام زین الدّین و بلند اختر و زین العابدین لکھے ہیں غالباً یہہ نام اُسکے بڑے بیٹے زین الدّین کا اسم ثانی یعنی عرف ہوگا۔ کیونکہ فارسی تاریخوں سے ظاہر ہی کہ شاہزادہ زین الدّین ہی نے اراکان کے راجہ سے پناہ لینے کا بندوبست کیا تھا۔ اور اصل کتاب انگریزی میں اس نام کو جس ہجی سے لکھا ہی اُسکو یا تو باقی پڑھ سکتے ہیں یا بانکے اور کچھ تعجب نہیں ہی کہ وہ سُلطان باقی کے دعائیہ نام یا میرزا بانکے کے لاڈلے لقب سے مشہور ہو۔ بس م ح

۵۲ چونکہ فارسی مورخوں نے اِس مُلک کا نام زخنگ لکھا ہی اور انگریز اراکان کہتے ہیں ہم کو یہہ بات تحقیق طلب تھی کہ لفظ اَرَاکان کو بگاڑ کر اُنہوں نے زخنگ بنا لیا تھا یا انگریزوں نے زخنگ کو اراکان بنا دیا۔ اسلیئے صاحب کمشنر بہادر اراکان سے اسکی صحیح کر دینے کی استدعا کی گئی تھی۔ ہم نہایت ممنون ہیں مسٹر جی۔ ڈی۔ برجس صاحب G. D. Burgess

اسلیے یہہ تدبیر نکالی گئی کہ کوئی الزام قائم کرکے اُسکی سزا کے طور پر علانیہ قتل کرادیا جائے۔ اور یہہ امر کچھ مشکل ہی تھا کہ اس بدنصیب شاہزادہ کی نسبت کوئی الزام پیدا کرلیا یا گھڑلیا جائے۔ چنانچہ ایک سید کے لڑکے (جنکے باپ کو اُسکے مال و دولت کے لالچ سے اُسنے اسوقت احمد آباد میں مرواڈالا تھا جبکہ اس لڑائی کے لیئے تیاریاں کررہا تھا) دربار میں استغاثہ کو آن موجود ہوئے جو پکار پکار کر اور دوہائی دے دیکر انصاف مانگتے اور یہہ عرض کرتے تھے کہ قصاص کے طور پر اُسکا سر کاٹا جائے۔ اور کسی امیر میں یہہ جرأت کہاں تھی کہ ان فریادیوں کو ہٹا سکے۔ کیونکہ ایک تو وہ بیگناہ مقتول سید اولاد رسول تھا جنکی لوگ بہت تعظیم کرتے ہیں دوسرے ہر کسیکو معلوم تھا کہ انصاف کے پردہ میں رقیب کی ہلاکت کے لیئے یہہ ایک بادشاہی منصوبہ ہے۔ پس مقتول سید کے بیٹوں کا دعوی مسموع اور قبول ہوا اور بغیر کسی قسم کی کارروائی اور ضابطۂ عدالت کے فوراً حکم دیا گیا کہ قصاص میں قاتل کا سر کاٹا جائے اور مستغیث یہہ حکم لیکر گوالیار کو چلتے ہوئے۔ ٭

٭ کتاب عمل صالح میں لکھا ہے کہ "پسران علی نقی را کہ مدعی خون پدر بودند ہمراہ خواجہ بہلول بگوالیار فرستادہ امر نمودند کہ بعد از ثبوت شرعی مراد بخش را بقصاص رسانند۔ چون مدعیان در انجا رسیدہ بمقتضای گوالیار گفتگو آغاز نہادند شاہزادہ عجیب گشتہ بر زبان آورد کہ اگر حضرت خلافت مرتبت پاس عہود و وفا کہ موعود درنظر داشتہ از خون این ذرہ بیمقدار در گذشتہ نقصانی بدولت و سلطنت وا نمی رسید۔ اگر خواہ نخواہ توجہ خاطر مصروف برین ست کہ وجود بے بود این ضعیف در میان نباشد موجب این قسم مردم کم پایہ چہ ملحوظ بود درین [illegible] بلند کنند [illegible] در روز چہارشنبہ بست و یکم ربیع الثانی سنہ [illegible] ہجری در [illegible] شاہزادہ [illegible] [illegible] کو قتل کا الزام لگایا [illegible] کرتی ہیں۔ اور مراد بخش کو قتل کرا کر زیر [illegible] قید خانہ کے بعض جلادوں اور [illegible] سے قتل کیا جاتا تھا۔ م ح

سُلطان شُجاع کے حالات کا اخیر بیان اور اُسکا ڈھاکہ کو بھاگ جانا اور راجہ اراکان سے پناہ کا طالب ہونا

اَب یہہ پردرد کہانی خاتمہ کے قریب آپہنچی ہے - کیونکہ تمام خاندان شاہی میں سے اَب صرف سُلطان شُجاع ہی ایک ایسا شخص باقی رہگیا تھا جو اورنگزیب کو وحشت اور فکر میں ڈالے رکھتا تھا - اور ابتک بڑی ہمّت اور جوانمردی دکھاتا رہا تھا - مگر اَب اُسنے بھی دیکھ لیا کہ اورنگزیب کی طاقت اور اقبال کا مقابلہ ناممکن ہے - کیونکہ مِیر جُملہ کے پاس برابر کمک پہنچتی رہتی تھی اور اُسکی فوجوں نے شُجاع کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا - پس جان بچانے کی خاطر ڈھاکہ کو بھاگ گیا جو سمندر کے کنارے بنگالہ کا سب سے اخیر شہر ہے - اَب یہاں اُسکے پاس نہ تو کوئی جہاز ہی تھا کہ سمندر پار ہوجائے اور نہ یہہ جانتا تھا کہ پناہ کی خاطر کسطرف جائے اسلیئے اُسنے اپنا بڑا بیٹا سُلطان باقی[۵۱] مُلک اراکان[۵۲] کے بُت پرست

---

[۵۱] سیر المتاخرین میں اُسکے بیٹوں کے نام زین الدّین و بلند اختر و زین العابدین لکھے ہیں غالباً یہہ نام اُسکے بڑے بیٹے زین الدّین کا اسم ثانی یعنی عرف ہوگا - کیونکہ فارسی تاریخوں سے ظاہر ہے کہ شاہزادہ زین الدّین ہی نے اراکان کے راجہ سے پناہ لینے کا بندوبست کیا تھا - اور اصل کتاب انگریزی میں اس نام کو جس ہجی سے لکھا ہے اُسکو یا تو باقی پڑھ سکتے ہیں یا بانکے اور کچھ تعجب نہیں ہے کہ وہ سُلطان باقی کے دعائیہ نام یا میرزا بانکے کے لاڈلے لقب سے مشہور ہو - س م ح

---

[۵۲] چونکہ فارسی مورخوں نے اِس مُلک کا نام رخنگ لکھا ہے اور انگریز اراکان کہتے ہیں اسوجہ سے یہہ بات تحقیق طلب تھی کہ لفظ اراکان کو بگاڑ کر اُنہوں نے رخنگ بنالیا تھا یا انگریزوں نے رخنگ کو اراکان بنادیا - اسلیئے صاحب کمشنر بہادر اراکان سے اِسکی تصحیح کردینے کی استدعا کی گئی تھی - ہم نہایت ممنون ہیں مسٹر جی - ڈی - برجس صاحب G. D. Burgess

اسلیے یہہ تدبیر نکالی گئی کہ کوئی الزام قائم کرکے اسکی سزا کے طور پر علانیہ قتل کرا دیا جائے - اور یہہ امر کچھہ مشکل ہی نہ تھا کہ اس بدنصیب شاہزادہ کی نسبت کوئی الزام پیدا کرلیا یا گھڑ لیا جائے - چنانچہ ایک سید کے لڑکے (جنکے باپ کو اُسکے مال و دولت کے لالچ سے اُسنے اُس وقت احمد آباد میں مروا ڈالا تھا جبکہ اس لڑائی کے لیئے تیاریاں کررہا تھا) دربار میں استغاثہ کو آن موجود ہوئے جو پکار پکار کر اور دوہائی دے دیکر انصاف مانگتے اور یہہ عرض کرتی تھے کہ قصاص کے طور پر اُسکا سر کاٹا جائے - اور کسی امیر میں یہہ جرأت کہاں تھی کہ ان فریادیوں کو ہٹا سکے - کیونکہ ایک تو وہ بیگناہ مقتول سید اولاد رسول تھا جنکی لوگ بہت تعظیم کرتے ہیں دوسرے ہر کسیکو معلوم تھا کہ انصاف کے پردہ میں رقیب کی ہلاکت کے لیئے یہہ ایک بادشاہی منصوبہ ہے٭ پس مقتول سید کے بیٹوں کا دعوی مسموع اور قبول ہوا اور بغیر کسی قسم کی کارروائی اور ضابطۂ عدالت کے فوراً حکم دیا گیا کہ قصاص میں قاتل کا سر کاٹا جائے اور مستغیث یہہ حکم لیکر گوالیار کو چلتے ہوئے - ٭

٭ کتاب عمل صالح میں لکھا ہے کہ "پسران علی نقی که مدعی خون پدر بودند همراه خواجه مقبول [illegible]
فرستاده امر فرمودند که بعد از ثبوت شرعی مراد بخش را بقصاص رسانند- چون مدعیان بدانجا رسیده
بحضور قاضی گوالیار گفتگو آغاز نهادند شاهزاده عجب گشته بر زبان آورد که اگر حضرت خلافت مرتبت پاس عهد
و وفای موعود در نظر داشته از خون این نامراد میگذشتند نقصانی به دولت و سلطنت [illegible] نمیرسید- اگر خواه نخواه
توجه خاطر اشرف بر این است که وجود بی بود این ضعیف در میان نباشد [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] مراد بخش کو قتل کرا [illegible]
بعض [illegible] ان قلعہ [illegible] قید میں سے نکال لیا جاتے تھے [illegible]

ہو کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس پوست کے پیالہ ہی سے سپہر شکوہ اور مراد بخش کے پوتے اور سُلیمان شکوہ کو موت کا کڑوا گھونٹ پلایا گیا تھا۔ *

سُلطان مُراد بخش کا قتل کیا جانا۔

مُراد بخش اگرچہ قید تھا لیکن لوگوں کو اس سے اب بھی بہت محبت تھی۔ اور اسکی شجاعت اور سپہ سالاری کی تعریف میں شعرا اکثر اشعار اور قصیدے کہا کرتے تھے اسلیئے اورنگ زیب کی مصلحت ملکی کا یہہ تقضا ہوا کہ وہ کبھی علی الاعلان گردن مارا جائے تاکہ اسکے کسی طرفدار کے دل میں یہہ اُمید باقی نہ رہے کہ ابھی وہ زندہ ہے۔ اور چونکہ پوست پلا پلا کر مخفی طور پر جان لے لینے سے یہہ مدعا حاصل نہیں ہو سکتا تھا

---

* کتاب عملِ صالح میں بھی سُلیمان شکوہ کی وفات کی نسبت اسی مضمون مندرجہ متن کی تائید پائی جاتی ہے جسکی ہیچدار عبارت بعینہ یوں ہے کہ "در شہر شوال سنہ یکہزار و ہفتاد و دو ہجری در سن سی سالگی سُلطان سلیمان شکوہ نیز لسعی محافظان از مطمورہ زندان بفراخنای عالم بقا انتقال نمودہ و باجل طبعی درگزشتہ متصل شاہزادہ مراد بخش مدفون شد" اور مآثر عالمگیری میں ذیل واقعات سنہ ۱۰۸۲ یکہزار ہشتاد و دو ہجری مطابق سنہ پندرہ جلوس عالمگیری سُلطان مُراد بخش کی بیٹی ایزد بخش کی نسبت لکھا ہے کہ گوالیار سے منگا کر اورنگ زیب نے اپنی بیٹی مہر النسا بیگم کے ساتھ اُسکا عقد کیا اور محمد سُلطان اور سپہر شکوہ کو کہ وہ بھی وہاں سے منگائے گئے تھے سلیم گڈھ میں رکھنے کا حکم ہوا اور اگلے برس محمد سُلطان کا مُراد بخش کی بیٹی دوستدار بانو بیگم اور سپہر شکوہ کا خود اورنگ زیب کی بیٹی بدر النسا بیگم سے نکاح کیا گیا اور محمد سُلطان کا بارہ ہزار اور سپہر شکوہ کا چھ ہزار اور ایزد بخش کا چار ہزار روپیہ سالانہ گزارہ مقرر ہوا پس جبکہ مُراد بخش کے بیٹے ہی کی جان بخشی ہو کر خود اورنگ زیب کی بیٹی سے اُسکا عقد ہو چکا تھا تو پوتے کی نسبت کسی زیادہ بدسلوکی کا گمان جیسا کہ ڈاکٹر برنیئر نے کیا ہے درست نہیں ہو سکتا۔ بلکہ کسی کتاب میں میری نظر سے گزرا ہے کہ یہہ لڑکا اپنی طبعی موت سے مرا تھا۔ س م ح

اور مطمئن رہو کہ تمکو کچھ ضرر نہ پہنچیگا اور مہربانی کیجائیگی - اور تمہارا باپ تو صرف
اسوجہ سے قتل ہوا ہے کہ وہ کافر اور لامذہب ہوگیا تھا - اسپر شاہزادہ نے
تسلیمات کی یعنی ہندوستان کی رسم کے موافق ادائے شکر کی علامت
کے طور پر تا بمقدور جھک کر اپنے دونوں ہاتھ سر تک لایا - اور اسکے بعد
بڑے استقلال سے عرض کیا کہ اگر حضور کا یہہ منشا ہو کہ مجھے پوست پلایا جایا کرے
تو بہتر ہے کہ ابھی قتل کرا دیا جاؤں! جسکے جواب میں اورنگ زیب نے بطور تحکم
وعدہ کے پکار کر کہا کہ نہیں تمکو پوست ہرگز نہیں پلائے جائینگے بالکل اطمینان
رکھو جیسا اہل دربار کے کہنے سے اُسنے دوبارہ تسلیمات کی - اور اسکے بعد
جب بادشاہ کی خواہش کے موافق اُس ہاتھی کے معاملہ میں چند باتیں
پوچھ لی گئیں جسپر اشرفیاں لدی ہوئی تھیں اور سری نگر جانیکے وقت اُس
سے چھین گیا تھا تو اسکو دیوان عام سے لے گئے اور اگلے روز گوالیار کو روانہ کر دیا -

قیدی شاہزادوں کو جس غرض سے پوست پلائے جاتے تھے اُسکا ذکر

"پوست" سے جسکا ذکر مینے ابھی کیا یہہ مراد ہے کہ خشخاس کے چھلکے کو پانی میں بھگو کر اور تل کر
نچوڑ لیا جاتا ہے - اور ایک بڑا سا پیالہ بھر کر ہر روز نہار منہ ان شہزادوں
کو پلایا جاتا ہے جو اسوجہ سے گوالیار کے قلعہ میں قید کیئے جاتے ہیں کہ
اُنکا علانیہ سر کٹوا دینا بادشاہ خلاف مصلحت جانتا ہے - اور یہہ قاعدہ ہے کہ
تاوقتیکہ اسے نہ پی لیں اُنکو کھانا نہیں دیا جاتا - چنانچہ یہہ پوستوں کا عرق ان
بیچارے قسمت کے مارے مظلوموں کو رفتہ رفتہ بالکل نچوڑ ڈالتا اور عقل و
توانائی دونوں پر پانی پھیر دیتا ہے اور آخر کار گنے گزرے اور حواس باختہ

ہو کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں - اور مجھے یقین ہے کہ اس پوست کے پیالہ ہی سے سپہر شکوہ اور مراد بخش کے پوتے اور سُلیمان شکوہ کو موت کا کڑوا گھونٹ پلایا گیا تھا - ※

سُلطان مُراد بخش کا قتل کیا جانا -

مُراد بخش اگرچہ قید تھا لیکن لوگوں کو اس سے اَب بھی بہت محبّت تھی - اور اُسکی شجاعت اور سپہ سالاری کی تعریف میں شعرا اکثر اشعار اور قصیدے کہا کرتے تھے اسلیئے اورنگ زیب کی مصلحت مُلکی کا یہہ مقتضا ہوا کہ وہ بھی علی الاعلان گردن مارا جائے تاکہ اُسکے کسی طرفدار کے دل میں یہہ اُمید باقی نرہے کہ ابھی وہ زندہ ہے - اور چونکہ پوست پلا پلا کر مخفی طور پر جان لے لینے سے یہہ مدعا حاصل نہیں ہو سکتا تھا

※ کتاب عملِ صالح میں بھی سُلیمان شکوہ کی وفات کی نسبت اسی مضمون مندرجہ متن کی تائید پائی جاتی ہے جسکی بجنسہٖ عبارت بعینہ یوں ہے کہ "در شہر شوال سنہ یکہزار و ہفتاد و دو ہجری در سن سی سالگی سُلطان سلیمان شکوہ نیز بسعی محافظان از مطمورہ زندان تنگ فراخنای عالم بقا انتقال نمودہ و باجل طبعی در گزشتہ متصل شاہزادہ مراد بخش مدفون شد" اور ماثر عالمگیری میں ذیل واقعات سنہ ۱۰۸۲ ایکہزار بیاسی ہجری مطابق سنہ پندرہ جلوس عالمگیری سُلطان مُراد بخش کی بیٹی ایزد بخش کی نسبت لکھا ہے کہ گوالیار سے منگا کر اورنگ زیب نے اپنی بیٹی مہر النسا بیگم کے ساتھ اُسکا عقد کیا اور محمد سُلطان اور سپہر شکوہ کو کہ وہ بھی وہاں سے منگائے گئے تھے سلیم گڈھ میں رکھنے کا حکم ہوا اور اگلے برس محمد سُلطان کا مُراد بخش کی بیٹی دوستدار بانو بیگم اور سپہر شکوہ کا خود اورنگ زیب کی بیٹی بدر النسا بیگم سے نکاح کیا گیا اور محمد سُلطان کا بارہ ہزار اور سپہر شکوہ کا چھ ہزار اور ایزد بخش کا چار ہزار روپیہ سالانہ گزارہ مقرر ہوا پس جبکہ مُراد بخش کے بیٹے ہی کی جان بخشی ہو کر خود اورنگ زیب کی بیٹی سے اُسکا عقد ہو چکا تھا تو پوتے کی نسبت کسی زیادہ بدسلوکی کا گمان جیسا کہ ڈاکٹر برنیر نے کیا ہے درست نہیں ہو سکتا - بلکہ کسی کتاب میں میری نظر سے گزرا ہے کہ یہہ لڑکا اپنی طبعی موت سے مرا تھا - س م ح

اور مطمئن رہو کہ تمکو کچھ ضرر نہ پہنچیگا اور مہربانی کیجائیگی۔ اور تمہارا باپ تو صرف
اسوجہ سے قتل ہوا ہے کہ وہ کافر اور لامذہب ہو گیا تھا۔ اسپر شاہزادہ نے
تسلیمات کی یعنی ہندوستان کی رسم کے موافق ادائے شکر کی علامت
کے طور پر تا مقدور جھک کر اپنے دونوں ہاتھ سر تک لایا۔ اور اسکے بعد
بڑے استقلال سے عرض کیا کہ اگر حضور کا یہہ منشا ہو کہ مجھے پوست پلایا جایا کرے
تو بہتر ہے کہ ابھی قتل کرا دیا جاؤں! جسکے جواب میں اورنگ زیب نے بطور تحکم
وعدہ کے پکار کر کہا کہ نہیں تمکو پوست ہرگز نہیں پلائے جائینگے بالکل اطمینان
رکھو جسپر اہل دربار کے کہنے سے اُسنے دوبارہ تسلیمات کی۔ اور اسکے بعد
جب بادشاہ کی خواہش کے موافق اُس ہاتھی کے معاملہ میں چند باتیں
پوچھ لی گئیں جسپر اشرفیاں لدی ہوئی تھیں اور سری نگر جانیکے وقت اُس
سے چھن گیا تھا تو اُسکو دیوان عام سے لے گئے اور اگلے روز گوالیار کو روانہ کر دیا۔

قیدی شاہزادوں کو جس غرض سے پوست پلائے جاتے تھے اُسکا ذکر

"پوست" سے جسکا ذکر میںنے ابھی کیا یہہ مراد ہے
کہ خشخاس کے چھلکے کو پانی میں بھگو کر اور مل کر
نچوڑ لیا جاتا ہے۔ اور ایک بڑا سا پیالہ بھر کر ہر روز نہار منہ ان شہزادوں
کو پلایا جاتا ہے جو اسوجہ سے گوالیار کے قلعہ میں قید کیئے جاتے ہیں کہ
اُنکا علانیہ سر کٹوا دینا بادشاہ خلاف مصلحت جانتا ہے۔ اور یہہ قاعدہ ہے کہ
تا وقتیکہ اسے نہ پی لیں اُنکو کھانا نہیں دیا جاتا۔ چنانچہ یہہ پوستوں کا عرق ان
بیچارے قسمت کے مارے مظلوموں کو رفتہ رفتہ بالکل نچوڑ ڈالتا اور عقل و
توانائی دونوں پر پانی پھیر دیتا ہے اور آخر کار سُکڑ سکڑ کے گزر سے او. حواس باختہ

کی غرض سے جسطرح دربار میں دارا شکوہ کا سر منگوایا تھا اور اُسی طرح اور اُسی غرض سے سُلیمان شکوہ کے لیئے حکم دیا کہ دربار کیوقت تمام اُمرا کی موجودگی میں پیش کیا جائے - چنانچہ مَیں بھی اس نازیبا تماشے کے دیکھنے کو گیا تھا اور جس شوق اور تعجّب سے مینے اُسے دیکھا اُس کا بیان کرنا دشوار ہے - یعنی دربار میں لانے سے پہلے بیڑی تو نکال دی گئی تھی لیکن ہتھکڑی جسپر سُنہری مُلمّع کیا ہوا تھا بدستور موجود تھی - مینے دیکھا کہ اس سرو قد اور نہایت حسین و جمیل جوان کو دیکھکر اکثر اہل دربار کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے اور وہ بیگمیں بھی جنکو دیوار کی جالیوں میں سے دیکھ لینے کی اجازت دی گئی تھی بہت ہی غمگین ہوئیں - بلکہ اورنگ زیب نے بھی بھتیجے کی بدبختی پر افسوس کیا - اور ظاہرا شفقت سے بولا کہ خدا پر نظر رکھو

تتمہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: لیکن بادشاہ کی خوش اقبالی سے یہہ مشکل یوں حل ہوگئی کہ سری نگر کا راجہ اپنے مُلک کی تباہی کے اندیشہ سے کیونکہ تربیت خاں - رعد انداز خاں وغیرہ کئی امیر اُسکی تسخیر کے لیئے امور تھے راجہ جے سنگہ کی معرفت سُلیمان شکوہ کے سپرد کردینے کا وعدہ کرکے معافی کا خواستگار ہوا - اور بادشاہ نے سُلیمان شکوہ کے لانیکے لیئے جے سنگہ کے بیٹے کنور رام سنگہ کو سری نگر کو روانہ کردیا - چنانچہ اُسنے رام سنگہ کا قریب پہنچ جانا سُنکر سُلیمان شکوہ کے گرفتار کر لینے کو جہاں وہ رہتا تھا اپنے آدمی بھیجدیئے - شاہزادہ مقابلہ سے پیش آیا اور اُسکا کوکہ محمّد شاہ (جسکا نام بعض نسخوں میں محمّد شاہ اور بعض میں محمّد شکر لکھا ہے) اور کئی اَور رفیق خوب بہادری سے لڑکر مارے گیے - اور وہ خود گرفتار ہوگیا - اور پانچویں جمادی الاوّل ۱۰۷۰ھ اکہتر اسّتر ہجری کو راجہ پرتھی سنگہ نے اپنے بیٹے میدنی سنگہ کے ساتھ رام سنگہ اور تربیت خاں اور رعد انداز خاں کے پاس پہاڑ سے نیچے بھیجدیا اس خبر کے آنے پر دربار میں بڑی خوشیاں منائی گئیں اور راجہ جے سنگہ کا بہت اعزاز و اکرام ہوا - اور جب مذکورہ بالا امرا اُسکو دہلی میں لیکر آئے تو شاہزادہ محمّد سُلطان کے پاس قلعہ سلیم گڈھ میں قید کیا گیا - س - م - ح

وقائع سرمستیا ذاالکو ترنی آر

میں آیا تو خلیل اللہ خاں نے جو اسوقت یہاں کا صوبہ دار تھا نہایت بُری طرح سے سکھو تہ تیغ کر ڈالا - اس ظالمانہ فعل کا سبب یہہ تھا کہ اگرچہ بظاہر یہی کہتا تھا کہ ہم یہاں سے دہلی کو جا ئینگے (کیونکہ اورنگ زیب اسکی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے اُسے دیکھنا چاہتا تھا) لیکن اصلی ارادہ یہہ تھا کہ ہمراہیوں سمیت سری نگر پہنچکر سلیمان شکوہ سے جا ملے - اسکے رفیقوں میں بہت سے اہل فرنگ بھی تھے جنکو مع اپنے اَور رفقا کے اسنے بہت سے انعام واکرام دیئے تھے -

سلیمان شکوہ کا گرفتار ہوکر دہلی میں آنا -

اَب صرف سلیمان شکوہ دارا شکوہ کے خاندان میں باقی رہگیا تھا اور اگر راجہ کو اپنے وفا سے عہد اور ایمانداری کا خیال ہوتا تو اُسکا سری نگر سے نکالنا آسان تھا - لیکن جے سنگھ کے منصوبوں اور اورنگ زیب کے وعدوں اور دھمکیوں اور دارا شکوہ کے قتل اور قرب وجوار کے راجاؤں کی جنگی تیاریوں نے اس چھوٹے دل کے راجہ کو آخرکار ڈرا دیا - چنانچہ جب سلیمان شکوہ یہہ دیکھکر کہ یہاں اَب کچھ بھروسہ نہیں ہے باوجود اسکے کہ راستہ ایک ایسے اُدھب اور بیموقع ملک میں کو تھا جہاں سوائے ویران پہاڑوں کے کچھ نتھا بڑی تبت کی طرف چلے جانیکے قصد سے چلا یا تو راجہ کے بیٹے نے پیچھا کرکے آن لیا اور زخمی ہوکر پکڑا گیا - اور دہلی پہنچا دیا گیا - اور قلعہ سلیم گڈھ میں جہاں پہلے سے مراد بخش قید تھا قید کیا گیا* اور اورنگ زیب نے پہانسے

* عالمگیرنامہ میں لکھا ہے کہ اگرچہ سلیمان شکوہ کا تابر میں آجانا عجب خاطرانگیز - انہ

جیون خاں کا دھلی سے رخصت کیا جانا۔ اور وطن کے قریب پہنچکر چوروں کے ہاتھ سے قتل کیا جانا

اِن دردناک واقعات کے بعد جیون خاں فوراً حضور میں بُلایا گیا۔ اور چند چیزیں انعام دیکر دھلی سے رخصت کیا گیا۔ لیکن یہہ شخص بھی اپنی بدکرداری کا نتیجہ پائے بغیر نرہا یعنی جبکہ وہ دھلی سے واپس ہوکر ایسی جگہہ پہنچگیا تھا کہ جہاں سے اُسکا علاقہ دنل بارہ ہی کوس کے فاصلہ پر تھا تو چند آدمیوں نے جو پہلے سے ایک جنگل کے اندر گھات میں لگے ہوئے تھے اُسے مارڈالا۔

افسوس! اس جنگلی شخص نے یہہ نہ سوچا کہ اگرچہ ظالم لوگ اپنی مطلب براری کے لیئے بڑے سے بڑے گناہوں کی نسبت بھی بظاہر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا کرتے ہیں۔ لیکن دل میں اُسکے عمل میں لانے والوں سے سخت نفرت رکھتے ہیں اور جب مطلب نکل آتا ہے تو اُن کے اعمال کی سزا دینے میں کچھ بھی تامل نہیں کیا کرتے

دارا شکوہ کے قتل سے کچھ عرصہ پہلے اُس سے اُس بہادر اور وفادار خواجہ سرا کے نام جو اسکی طرف سے ٹھٹھہ میں لڑرہا تھا جبراً اِس مضمون کا ایک حکمنامہ حاصل کرلیا گیا تھا کہ فوراً قلعہ حوالہ کردے۔ لیکن اُسنے کچھ جلدی نہ کی بلکہ اس بات پر اڑا رہا کہ قلعہ کے خالی کرنے سے پہلے حفظ عزت وغیرہ کی چند معقول شرطیں دیجائیں۔ جنکو میرببا نے دغابازی اور بے ایمانی سے بلاقصد ایفا بہت خوشی سے قبول کرلیا اور شہر میں داخل ہوگیا مگر جب اپنے تھوڑے سے بہادر رفیقوں کے ساتھ یہہ نمک حلال شخص لاہور

نمودہ بہ صوبہ داری آنجا از تغیر مخلص خاں کہ بہ بنگالہ تعین یافتہ بود قیام نماید بست وسوم[۲۳] راجہ جے سنگہ کہ از بہادر خاں در عقب ماندہ بود (جو معلوم ہوتا ہے کہ ایسے بدنامی کے موقع سے دانستہ بچ جاتا تھا) جبہہ سائے عتبہ سپہر آسا گشت و ملک جیون کہ قبل ازین بمنصب ہزاری و صد سوار و خطاب بختیار خانی ومیاہ عنایت شدہ بود باضافہ صد سوار و مرحمت خلعت و خنجر مرصع و اسپ عراقی با زین و ساز مطلا و یک زنجیر فیل با ساز مینا کار مشمول مراحم گوناگوں گردید و چوں حکم جلیل القدر از پیشگاہ معدلت بتحقیق منشائے قضیۂ شور انگیزی اوباشان شہر کہ نسبت بافغانان اوردسے نمود صادر شدہ بود بعد از تحقیق و تفحص بثبوت پیوست کہ ہیبت نام تفنگچی از خیل احدیان پادشاہی بانی این خرافات و محرک سلسلہ فساد بودہ سبب ہنگامہ شہر او را گرفتہ بہ پیشگاہ عدالت حاضر ساختہ وازیں جہت کہ منشائے ایں قسم جسارتے شدہ باعث ہلاک جمعی از مسلمانان گشتہ بود مورد انظار قہر و عتاب پادشاہانہ گردیدہ حکم شد کہ او را بیاسا رسانند"

صاحب عالمگیر نامہ نے دارا شکوہ کی تشہیر کی وجہ تو اگرچہ صاف صاف لکھدی ہے کہ "ا ہمگی خلائق آن رسیدہ بخت را بے شائبہ شک و ریب برائے العین مشاہدہ نمایند و من بعد تزاحم خیالان بیہودہ گو و افواہ طلبان فتنہ جو را جائے سخنان لاطائل و مجال تصورات باطل نماند و در حدود و اطراف مملکت اوباشان را بہانہ فساد و دستاویز شورش بہم نرسد بموجب حکم جلالت آثر آن سیہ روز برگشتہ اختر را با پسرش بر یک حوضہ فیل نشانیدہ و بنگالہ براہ بازار داخل شہر گردانیدہ و از پائے قلعۂ مبارکہ گذرانیدہ بجوے کہ ہر کس دیدہ و احدی را در وجود بے سود او شک و شبہ نماند بشہر کہنہ بردند"

مگر اس کتاب میں ہاتھی پر ڈالکر اُسکی نعش کی تشہیر کا ذکر جیسا کہ صاحب سیر المتاخرین نے بہت وضاحت سے اور بتکرار لکھا ہے تحریر نہیں کیا۔ اور تاریخ عمل صالح میں لکھا ہے کہ دارا شکوہ کو نیلا لباس پہنا کر دھلی میں داخل کیا گیا تھا۔ اور اُسی لباس سے دفن کیا گیا"

چونکہ اس شاہزادہ کی پیدائش سنہ ۱۰۲۴ ایک ہزار چوبیس ہجری کی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پینتالیس برس کی عمر میں قتل کیا گیا۔

ازنوکران شاهجهان آن تبه کار را دیده ازخود رفتند و بازاریانِ شهر نیز از عملِ او نفرت نموده بشوریدند و بے اختیار بر سرِ او و افاغنهٔ همراهش ریخته بزیرِ چوب و سنگ گرفتند تا آنکه چند کس ازان سیاه رویان از پائے درآمدند و برخے مجروح و خسته و سر و گردن شکسته گشتند و نزدیک بود که فتنهٔ عظیمی بلند شود۔ کوتوال شهر با جمعیتِ خود رسیده آشوب را فرونشانید و بختیار را با همراهیانش بقلعه رسانید۔ پادشاهِ حق پرست! معدلت کیش! از علمای مذهبِ خویش فتوی طلبید۔ علمای نیز حکم نمودند که خون چنیں ملحدکه (در رسائلِ نوشتهٔ خود کفر و اسلام را برادرِ توام خوانده و گفته است "کفر و اسلام در رهش پویان ؛ وحده لاشریک له گویان") و کسانیکه خوبی او و بر خلافِ عنایت خلیفه خواهند درست است۔ بادشاه دین پرور! حق شناس! استحکام اساسِ سلطنتِ خود در قتلِ آن بیچاره مدار اساس دیده حکم بقتلِ او و دوستدارانش که بر سرِ بختیار خاں ریخته بودند داد و داراشکوه آخر روزِ چهارشنبه بست و یکم ذی الحجه مطابق شردهم شهریور (آسوج) مقتول گشت و لاشِ او را بعد تشهیر در مقبرهٔ همایوں دفن کردند و سپهر شکوه را برده در قلعه گوالیار محبوس داشتند و بعضے از احدیانِ پادشاهی که بادیِ فتنه و شورش بر بختیار خاں شده بودند در پیشگاهِ عدالت رسیده حسب الامرِ علمای دیندار! از قیدِ دنیاے ناپائدار رهائی یافتند" اور عالمگیر نامہ میں یہ عبارت زیادہ لکھی ہے "آخر روزِ چهارشنبه بست و یکم ماهِ مذکور مطابق شردهم شهریور که همان روز قضیه او با نشانِ شهر رو داده بود فرمانِ قهرمانِ جلال صادر شد که آن وخیم العاقبت (داراشکوه) را در خضرآباد از قیدِ هستی برآرند و باهتمام سیف خاں و نذیر بیگ چیله و چندی دیگر از چیله های معتمد اوائلِ شبِ پنجشنبه سنه ۱۰۶۹ یکهزار و شصت و نه هجری چراغِ زندگانی او خاموش شده به نهان خانهٔ عدم شتافت و باشارهٔ معلی پیکرِ فتنه سرشتِ پُرشور و شرش را بمقبرهٔ حضرت جنت آشیانی همایوں پادشاه نقل کرده در ته خانه که زیرِ گنبد مرقدِ آنحضرت است و شاهزاده دانیال و شاهزاده مراد پسرانِ حضرتِ عرش آشیانی جلال الدین محمد اکبر آنجا مدفون اند دفن نمودند۔ و در روزِ دیگر فرمانِ جهان مطاع بنفاذ پیوست که سیف خاں سپهر شکوه را بقلعهٔ گوالیار رسانیده بکارسازانِ آن حصنِ عالی اساس سپارد و بمستقر الخلافه اکبرآباد معاودت

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

کو میرے سامنے سے جلد لیجا کر ہمایوں کے مقبرہ میں دفن کردو۔ اَب دارا شکوہ کے کنبہ کا حال سُنیئے کہ اُسکی بیٹی تو اُسی رات کو محل میں بھیجدی گیی جو کچھ دنوں بعد شاہجہاں اور بیگم صاحب کی التجا سے اُن کے سُپرد کردی۔ اور اُسکی بیگم نے پہلے ہی یہہ سوچکر کہ ہمپر کیسی آفتیں پڑنے والی ہیں راستہ ہی میں بمقام لاہور اپنی زندگی کا خاتمہ زہر سے کردیا تھا۔ را سپہر شکوہ سو اُسے گوالیار کے قلعہ میں بھیجدیا گیا *

---

* دارا شکوہ کی بیگم کا دادر کے قریب پہنچکر سِل کی بیماری سے مرا پہلے لکھا گیا ہے زہر کھاکر مرنا صحیح نہیں ہے۔ اور اَب دارا شکوہ کی تشہیر اور قتل کا حال جسطرح عالمگیر نامہ اور سیر المتاخرین میں لکھا ہے اُسکا اس جگہ تحریر کیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ عالمگیر نامہ کا بیان اس واقعہ کے جزئیات اور اورنگ زیب کے دلی خیالات کی نسبت کسیقدر رُکا رُکا ہے اسلیے سیر المتاخرین کی عبارت جو واضح تر ہے اور جسکا بڑا ماخذ تاریخ خافی خاں اور تاریخ مرآۃ العالم ہے جو اورنگ زیب کا ایک بڑے ستمہ خواہ سر بختاور خاں کی تصنیف ہے یہاں بعینہ نقل کیجانی زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔ وھو ھذا

"درین ایام بہادر خاں کہ دارا شکوہ را با سپہر شکوہ از بختیار خاں (ملک جیون) گرفتہ مقید بسلاسل آہنین انداحسب الامر آنجا می آورد بظاہر دار الخلافہ رسید نذر بیگ چیلہ از فرط خوشی معین شد کہ پیش رفتہ دارا شکوہ را بصورتیکہ عالمگیر منظور است دیدہ بیاید۔ شانزدہم ذی الحجہ چیلہ مذکور برگشتہ دولت زمین بوس دریافت حقیقت حال آن بیچارہ بازمودہ باز عرض شد و سہ شنبہ ہفدہم ذی الحجہ حکم فرمود کہ دارا شکوہ را مسلسل با پسرش در حوضہ سرکشادہ بر ادو فیل نشانیدہ بیارند و نذر بیگ چیلہ در عقب فیل نشستہ باشد و بہادر خاں با فواج ہمراہ گشتہ داخل شہر سازند و از میان شہر و بازار بردہ تا بہ خضر آباد رسانند و در جای محفلے در عمارات خواص پورہ آن کہ برای بودنش قرار یافتہ نگاہدارند و بموجب حکم بعمل آمد۔ روز دوم کہ بختیار خاں داخل شہر شد بعضے

القصہ اس ناشائستہ اور نہایت بیرحمانہ قتل کے لیئے نذیر[۵۲] نامی ایک غلام جو شاہجہان کا پروردہ اور کسی بدسلوکی کے باعث دارا شکوہ سے رنجیدہ تھا مقرر ہوا - چنانچہ زہر دیدینے کے اندیشہ سے وہ اور سپہر شکوہ اپنے ہاتھ سے بیٹھے دال پکا رہے تھے کہ یکایک یہہ چار اَور بدذاتوں کو ساتھ لیئے ہوئے پہنچا جنہیں دیکھکر دارا شکوہ نے سپہر شکوہ کو پکار کر کہا کہ لو بیٹا ! "ہمارے قاتل آ پہنچے" اور یہہ کہکر اگرچہ اُسنے باورچیخانہ کی ایک چھوٹی سی چھری اُٹھالی کیونکہ کوئی اَور ہتھیار پاس نتھا - مگر ان جلادوں میں سے ایک نے تو سپہر شکوہ کو قابو کرلیا اور باقی اُسکو لپٹ گئے اور زمین پر گرا کر تین نے تو پکڑے رکھا اور نذیر نے سر کاٹ لیا ! اور فوراً اورنگ زیب کے پاس لیگیا ! اور اُسنے ایک طشت میں رکھوا کر چہرہ کا خون دھلوایا ! اور جب دیکھ لیا کہ حقیقت میں اُسی کا سر ہے تو آنکھوں سے آنسو نکال کر بولا "اے بدبخت" اور پھر کہا کہ اچھا اس دردانگیز صورت

بقیہ حاشیہ [illegible] کا طبیب خاص اور اسکا مقرب تھا - مگر جب شاہ کا انتقال ہوگیا تو کچھ دنوں خانہ نشین رہکر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو چلا گیا اور پھر وہاں سے لاہری بندر واقعہ ملک سندھ کی راہ سے شاہجہان کے سترہویں سال جلوس مطابق [illegible] ایکہزار ترپن ہجری میں یہاں چلا آیا - فن طبابت میں کامل ہونے کی وجہ سے رفتہ رفتہ یہانتک قرب حاصل کیا کہ پنجہزاری کا منصب اور تقرب خاں کا خطاب پایا - مگر اسکے بیعزت اور ذلیل ہوکر قتل ہونیکا حال جیسا کہ مصنف نے متن میں لکھا ہے باوجود تلاش ہمکو کسی کتاب میں نہیں ملا - مترجم

۵۲ فارسی کتابوں میں نذیر بیگ چیلہ لکھا ہے - اور واضح ہو کہ شہنشاہ اکبر نے اپنے عہد میں کئی ہزار غلاموں کو جنکو "بندہ ہاے بادشاہی" کہا جاتا تھا آزاد کر کے چیلہ کا لقب دیدیا تھا - اور اُسکا قول تھا کہ خدا کے بندوں کو اپنا بندہ کہنا مناسب و شایان نہیں ہے - اور غالباً لفظ چیلہ اسلیئے اختیار کیا گیا ہوگا کہ اُس زمانہ میں ان بادشاہوں کو تحریر و تقریر میں اکثر پیر و مرشد کہا جاتا تھا - مترجم

بھیجد ینے ہی پر زور دیا مگر آخر کار کثرت رائے اِسی پر آن کر ٹھہری کہ ہاکو قتل کیاجائے اور سپہر شکوہ کو گوالیار بھیجدیا جائے - اس موقع پر روشن آراء بیگم نے بھی وہ دلی عداوت جو اُسکو اپنے اس بے بس بھائی سے تھی نہایت شدت سے ظاہر کی - چنانچہ دانشمند خاں کی رائے کو برابر رد کرتی اور اورنگ زیب کو اس بیرحمانہ اور خلاف انسانیت قتل کے وقوع میں آنیکے لیئے بہت ہی اُبھارتی رہی اور خلیل اللہ خاں اور شائستہ خاں جو دونوں دارا شکوہ کے قدیمی دشمن تھے یہہ بھی اُسی کی رائے کی تائید کرتے تھے اور تقرب خان جسکا نام حکیم داؤد تھا اور کسی الزام کی وجہ سے ایران سے بھاگ کر یہاں آگیا تھا - اور جو ابتدا میں صرف ایک طبیب تھا اور اُمرا کے دسترخوانوں پر خوشامدی ٹکڑے کھایا کرتا تھا اور تھوڑے ہی دنوں سے امارت کے درجہ کو پہنچا تھا بڑے زور سے انکا ہم داستان تھا - چنانچہ اسنے اس مجلس میں سب سے بڑھکر سخت زبانی کی اور بڑے دعوے کے ساتھ یہہ الفاظ مونہہ سے نکالے کہ دارا شکوہ کو زندہ چھوڑنا ہرگز مناسب نہیں اور سلطنت کی سلامتی اور حفاظت اسی میں ہے کہ فوراً گردن مارا جاے اور مجھے تو اُسکے قتل کی صلاح دینے میں ذرا بھی تامل نہیں کیونکہ وہ علانیہ بیدین اور کافر اور مرتد ہے - اور اگر ایسے شخص کے قتل سے کچھ گناہ عائد ہو تو میری گردن پر - چنانچہ انتقام الہی ملاحظہ کیجیے کہ جیسا اسکے مونہہ سے نکلا تھا فی الواقع ویسا ہی ہوا یعنی یہہ خون ناحق اسی کے سر پڑا اور جلد بیعزت اور ذلیل ہو کر آخر کار بڑے عذاب سے مارا گیا[1]

[1] کتاب عمل صالح میں لکھا ہے کہ حکیم داؤد ابن حکیم عنایت اللہ شاہ عباس صفوی بادشاہ ایران

بادشاہ کی شوکت اور دبدبہ کا نقش ہوجائے۔ اور بعض اُمرا اور اَور لوگوں کو جو اُسکے گرفتار ہوجانیکے باب میں ابتک شبہ ہے وہ رفع ہوجائے اور اُس کے مخفی جانب داروں کی امیدیں بالکل قطع ہوجائیں۔ چنانچہ اورنگ زیب نے بھی اِسی رائے کو مناسب جانا اور تشہیر کا حکم دیا پس یہہ بدنصیب قیدی اور اُسکا بیٹا سپہر شکوہ دونوں ایک ہی ہاتھی پر برابر بٹھائے گئے اور جلاد کی جگہہ بہادر خاں کو پیچھے بٹھایا گیا اور تشہیر کیا گیا[1]

[1] عالمگیر نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دارا شکوہ نے گجرات کو جاتے ہوئے ایسی کڑی منزلیں کی تھیں کہ ۵ دن کے عرصہ میں احمدآباد کے قریب پہنچگیا تھا۔ مگر چونکہ اسکی شکست کی خبر سُن لینے کی وجہ سے مراد خاں نامے ایک منصبدار نے جو اُسکے مقرر کئے ہوئے حاکم سیّد احمد بخاری کو گرفتار کرلیا اور مقابلہ کے لیئے تیار ہو بیٹھا تو اُسکو بناچاری کانہہ جی نامے کوَلی سے جو بقول صاحب سیر المتاخرین رہزنوں کا سرغنہ اور احمدآباد کے نزدیک ہی کا رہنے والا تھا ملتجی ہونا پڑا۔ اور اسنے یہہ آدمیت کی کہ ساتھ ہوکر کچھہ کے راجہ کے ملک میں پہنچا دیا۔ مگر وہاں کے راجہ نے جو پہلے اسقدر اطاعت سے پیش آیا تھا کہ اپنی لڑکی بھی سپہر شکوہ سے منسوب کردی تھی ایسی رُکھائی دکھائی کہ ملاقات تک کو نہ آیا اور فیروز خاں میواتی بھی کھسک کر اورنگ زیب کے پاس چلدیا تو وہ صرف دو روز وہاں ٹھہر کر بھکر کی طرف چلا گیا اور دریا سندھ سے اُتر کر ایک سرحدی رئیس کے علاقہ میں جسکو عالمگیر نامہ کے نسخہ مطبوعہ کلکتہ میں علی اختلاف النسخ "ولایت چاندخاں یا پاندیاں" لکھا ہے جا پہنچا جہاں کے لوگوں نے اسکو خوب لوٹا کھسوٹا اور پکڑ لینے کے درپے ہوئے لیکن ابھی اسکے پاس کچھ جمیعت باقی تھی اسلیئے جوں تیوں بچ کر ایک اور سرحدی سردار کے علاقہ میں جسکو "ولایت کنکیاں" کے نام سے لکھا ہے جہاں سے قندھار دس بارہ منزل تھا جا داخل ہوا۔ اور "میرزا ملک جیون" وہاں کا رئیس استقبال کرکے اپنے ہاں لیگیا۔ اور بہت خاطرداری کی۔ اور ساتھ ہوکر قندھار پہنچا دینے کا ذمہ دار ہوا۔ مگر دارا شکوہ نے بدقسمتی سے ملک جیون رئیس دادر کو (جو جیکب آباد سندھ کی چھاؤنی سے

سے اب تک بچی ہوئی تھیں اُنکو دیکھکر اُسے لالچ آگیا - بہر حال اُسنے یہہ بدذاتی کی کہ رات کے وقت بہت سے ہتھیار بند آدمی جمع کر کے اوّل سب روپیہ پیسہ مستورات کے زیور اور جواہرات سمیت چھین کر قابو کر لیا - اور پھر داراشکوہ اور سپہر شکوہ پر آ حملہ کیا - اور جن لوگوں نے اُنکو بچانا چاہا اُنہیں قتل کر ڈالا - اور داراشکوہ کو باندھ کر ہاتھی پر چڑھا دیا - اور ایک جلاد اس غرض سے پیچھے بٹھا دیا کہ اگر وہ یا اُسکا کوئی طرفدار ذرا بھی ہاتھ پانوں ہلائے - تو فوراً شہزادہ کا سر اُڑا دے - اور ایسی بیعزّتی کے ساتھ میر بابا کے لشکر میں جو ٹھٹھ کو گھیرے ہوئے تھا لا کر اُسکے سپرد کر دیا اور میر بابا[1] نے حکم دیا کہ اُسکو لاھور ہوتا ہوا دھلی لیجائے -

داراشکوہ کا گرفتار ہوکر دھلی میں پہنچنا - اور بڑی بیعزتی کے ساتھ تشہیر کیا جانا -

الغرض جب بدنصیب داراشکوہ دھلی کے قریب پہنچا تو اورنگزیب نے اپنے اہل دربار سے اس امر میں مشورہ کیا کہ قلعہ گوالیار میں بھیجنے سے پہلے اُسے تشہیر کرنا چاہیئے یا نہیں؟ بس بعض کی تو رائے یہہ تھی کہ ایسی حرکت مناسب نہیں - کیونکہ اوّل تو ایسا امر خاندان شاہی کی عزّت کے برخلاف ہے - دوسرے اِسمیں شورش اور فساد کے ہو جانیکا احتمال ہے - اور کچھ تعجب نہیں کہ لوگ اُسے چھوڑا لیں - لیکن اکثر کی یہہ رائے ہوئی کہ نہیں ضرور تشہیر کرنا چاہیئے تاکہ لوگوں کو خوف اور عبرت ہو اور اُن کے دلپر

[1] اس سے پہلے حاشیہ میں لکھا جا چکا ہے کہ شیخ میر جسکو مصنف جا بجا میر بابا لکھتا ہے داراشکوہ کے مقابلہ میں بمقام اجمیر اس سے پہلے ہی مارا جا چکا تھا - س م ح

کہ میرا بابا بھٹہ کا محاصرہ چھوڑ کر آپکا راستہ روکنے نہ آئیگا۔ مگر چونکہ دارا شکوہ کی اُلٹی سمجھ ہمیشہ ہی سیدھی راہ سے اُسکو بھٹکا دیتی تھی یہہ معقول باتیں بالکل اُسکی سمجھ میں نہ آئیں اور بولا کہ کابُل کا سفر نہایت خطرناک اور مشکل ہے (جو فی الواقع سچ تھا) اور کہا کہ جس شخص کی جان مینے اسطرح سے بچائی ہو کیا یہہ ممکن ہے کہ وہ ایسی خیانت کرے ؟ پس باوجود اُنکی اسقدر التجا اور منت وزاری کے اُسکے ہاں چلا ہی گیا[1] ! اور افسوس کہ اس بات کو بہت جلد ثابت کر دکھایا کہ بدذات آدمی اپنی غرض کے لیئے کسی بدنامی کی مُطلق پروا نکرکے اپنے محسنوں اور خیر خواہوں کی جان لینے کو کیسے بلا دریغ تیار ہو جاتے ہیں ! چنانچہ یہہ پٹھان جبتک یہہ سمجھتا رہا کہ دارا شکوہ کے ساتھ ایک بڑا لشکر آتا ہوگا اُسوقت تک تو بظاہر تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ اور شاہزادہ کے ہمراہی سپاہیوں کو لوگوں کے مکانوں میں اُتروا دیا۔ اور بہت تاکید کی کہ جو کچھ اِن کو درکار ہو حاضر کریں۔ اور برادرانہ اور دوستانہ سلوک سے پیش آئیں لیکن جب یہہ معلوم ہوگیا کہ دو تین سو آدمی سے زیادہ ساتھ نہیں ہیں تو فوراً آنکھیں بدل لیں۔ اور یہہ امر تحقیق نہیں ہوا کہ اُسنے یہہ حرکت اَورنگ زیب کی ترغیب سے کی یا خود ہی اس سخت خیانت کا مرتکب ہوا۔ مگر ظن غالب یہہ ہے کہ اشرفیوں سے لدی ہوئی چند خچریں جو قزاقوں کی روزمرّہ کی لوٹ مار

---

[1] دارا شکوہ کو جب دادر میں مَلک جیون کے پاس جانیکا اتفاق ہوا تو اسکا بڑا سبب ایک یہہ بھی تھا کہ جب دارا شکوہ اُس نواح میں پہنچا تو مَلک جیون کی اکثر عرضیاں اسکے پاس ناملبار تابعداری و بادمونق جان بخشی آئی تھیں۔ س م ح

جیون خاں پٹھان کے پاس جانا بہتر ہے جو کسیقدر ذی شہرت اور با وقعت سردار ہے - اور اُسکا علاقہ چنداں دور بھی نہ تھا - اور اس کا سبب یہہ تھا کہ اُسکی بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے شاہجہان نے دو مرتبہ اسکو ہاتھی کے پانوں سے کچلوا ڈالنے کا حکم دیا تھا - اور دونوں ہی دفعہ صرف داراشکوہ کی سفارش سے جان بچی تھی اور اسکے پاس جانے سے مقصود یہہ تھا کہ کچھ فوج کی مدد لیکر میر بابا کو قلعہ ٹھٹھہ سے ہٹائے اور وہ خزانہ جو وہاں کے قلعہ دار کی تحویل میں تھا اُسکو لیکر قندھار چلا جائے اور وہاں سے بآسانی کابل پہنچ جائے اور اُسکو یقین تھا کہ میرے وہاں پہنچ جانے پر مہابت خان صوبہ دار کابل (جو ایک بڑا مقتدر امیر تھا اور کابل والے اُس سے بہت مانوس تھے) بلا تامل اور بڑی سرگرمی سے میری رفاقت اختیار کرلیگا - اور چونکہ کابل کی صوبہ داری اُسکو اسی کی وساطت سے ملی تھی - اسلیئے یہہ توقع کچھ بیوجہ بھی نہتھی کہ وہ خلوص اور صداقت سے پیش آئیگا - اور اُسکے کام میں دل سے کوشش کریگا - لیکن داراشکوہ کی مستورات اُسکے اس عزم سے بہت ہی مضطرب اور فکرمند ہوئیں اور اُنہوں نے بہزار منت وزاری اُسکو سمجھایا کہ ملک جیون کے ہاں جانا مصلحت نہیں ہے - بلکہ بیگم اور اُسکی بیٹی اور بیٹے سپہر شکوہ نے پانوں پر گر کر اور رو رو کر اس ارادہ سے باز آنیکے لیئے التجا کی - اور کہا کہ یہہ پٹھان ایک مشہور سرکش اور لٹیرا ہے ایسے شخص پر بھروسہ کرنا اپنی موت آپ خریدنا ہے اور یہہ بھی سمجھایا کہ ٹھٹھہ کا محاصرہ اُٹھانا کچھ ایسا ضروریات سے نہیں ہے اس مہم کی جوکھوں میں پڑے بغیر بھی آپ کابل کی راہ لے سکتے ہیں کیونکہ یقین ہے

سے جلد پہنچنے والا ہے اور اسمیں یہانتک مبالغہ کیا کہ ہم دارا شکوہ اور اُسکی فوج کو بچشم خود دیکھکر آئے ہیں۔ چنانچہ یہہ منصوبہ ایسی خوبی سے چلگیا کہ اُن کے چھکے چھوٹ گئے اور کچھ شک نہیں کہ اگر دارا شکوہ اسوقت آپہنچتا تو میرزا بابا کا لشکر ضرور تتر بتر ہوجاتا۔ بلکہ اُن میں سے بعض لوگ اُس سے آن ملتے۔ لیکن اُسکی قسمت میں ایسا ہی لکھا تھا کہ کسی مہم میں بھی سرسبز نہو۔ پس یہہ سمجھکر کہ ان چند آدمیوں کے ساتھ محاصرہ کا اُٹھا دینا ناممکن ہے پہلے تو اُسکا یہہ ارادہ ہوا کہ دریائے سندھ سے اُترکر ایران کو چلا جاے اگرچہ اس تجویز کا عمل میں آنا بھی بہت ہی مشکل تھا۔ کیونکہ پٹھانوں اور بہت سے ایسے چھوٹے چھوٹے سرداروں کے ملک میں سے جانا پڑتا جو نہ ایران ہی کے مطیع ہیں اور نہ ہندوستان ہی کے اور بیچ میں ایسا بیابان حائل تھا کہ جسمیں پانی میسر آنا بھی مشکل تھا۔ لیکن ان امور سے قطع نظر اُسکی بیگم نے ایک ضعیف اور واہیات سی بات کہکر اُسکا یہہ ارادہ ترک کرادیا یعنی یہہ کہدیا کہ اگر آپ ایران کا قصد کرینگے تو خوب سمجھ لیجئے کہ مجھکو اور میری بیٹی دونوں کو شاہ ایران کی لونڈیاں بننا پڑیگا! اور یہہ ایک ایسی بیعزتی ہے کہ ہمارے خاندان میں سے کسی کو بھی گوارا نہوگی۔ اور اس بات کو بیگم اور دارا شکوہ دونوں بھول گئے کہ ھمایوں جب ایسی ہی مصیبتوں میں مبتلا ہوکر ایران گیا تھا اور اُسکی بیگم بھی ساتھ تھی تو کوئی نازیبا سلوک اُس سے نہوا تھا۔ بلکہ بہت ہی تعظیم و تکریم اور خاطر و مدارات ہوئی تھی الغرض دارا شکوہ کو اِس کشمکش و پیچ اور تذبذب کی حالت میں یہہ خیال آیا کہ

دارا شکوہ کا ٹھٹھ کے قریب پہنچ جانا اور اورنگ زیب کی سپاہ کے مقابلہ میں وہاں کے قلعہ دار کی ثابت قدمی

اس عرصہ میں دارا شکوہ ٹھٹھ کے نزدیک جا پہنچا تھا اور صرف دو ہی تین منزلیں باقی رہگئی تھیں اور مجھکو اُن فرانسیسیوں اور کئی اَور اہل فرنگ کی زبانی جو اس قلعہ کی فوج میں تھے معلوم ہوا کہ یہاں پہنچکر دارا شکوہ کو یہہ خبر ملی کہ مِیر بابا نے جو مدّت سے قلعہ کو گھیرے ہوئے تھا محصوروں کو یہانتک تنگ کر دیا ہے کہ آدھ سیر گوشت یا چاول وغیرہ ڈھائی روپیہ سے زیادہ کو ہاتھ آتے ہیں اور باقی اجناس کی بھی سخت گرانی ہے۔ لیکن بہادر قلعہ دار ابتک اپنے اُنہیں اوسانوں کے ساتھ ہے۔ بلکہ اکثر اوقات قلعہ سے باہر نکلکر دشمنوں پر اچھے خاصے حملے کرتا اور ہر طرح سے دانائی اور شجاعت اور نمکحلالی دکھاتا اور ہمّت کے ساتھ مِیر بابا کے سخت حملوں کو رد کرتا اور اورنگ زیب کی دھمکیوں اور وعدوں پر ہنستا ہے چنانچہ اُس کے اس قابل تعریف کام کی اُن بہت سے اہل فرنگ نے بھی جو اُسکی فوج میں تھے تصدیق کی۔ اور مجھ سے یہہ بھی کہا کہ جب اُسکو دارا شکوہ کے قریب پہنچ جانے کی خبر ملی تو زیادہ داد و دہش کرنے لگا اور اس طرح پر سپاہیوں کا دل ایسا ہاتھ میں کر لیا کہ تمام اہل قلعہ محاصرین کو ہٹاکر دارا شکوہ کے قلعہ میں لے آنے کے واسطے بخوشی اپنی جانیں لڑا دینے کو تیّار تھے۔

اسکے علاوہ اس ذی ہوش سردار نے کئی طرح کی عمدہ تدبیروں سے بہت ہوشیار جاسوسوں کو مِیر بابا کے لشکر میں بھیجکر محاصرین کو یہہ یقین کرا دیا کہ دارا شکوہ ایک جرّار فوج ساتھ لیئے ہوئے محاصرہ اُٹھا دینے کے ارادہ

تھا اور یہہ اندیشہ عموماً پھیلا ہوا تھا کہ بیر جانگر سے جہاں سے آگرہ آٹھ روز سے بھی کم کا راستہ ہے وہ اور راجہ فوج سمیت اترنے والے ہیں اور اورنگ زیب ایسا غافل نتھا کہ ایسے دشمن کو حقیر سمجھتا پس اب اسکو زیادہ تر اسی بات کی فکر تھی کہ کس طرح سے اسکو اپنے قابو میں لائے - پس سب سے بہتر تدبیر اسنے یہہ خیال کی کہ راجہ جے سنگہ ہی کی معرفت اس راجہ سے بھی کچھ بندوبست کیا جائے چنانچہ جے سنگہ نے اسکو اس مضمون کے خط پر خط لکھے کہ اگر آپ سلیمان شکوہ کو پکڑ کر بھیجدیں تو بڑے بڑے انعام ملینگے ورنہ آپ کے حق میں بہت ہی برا ہوگا - مگر اُسنے انکا یہی جواب دیا کہ خواہ میرا تمام ملک چھن جائے مگر میں کبھی ایسی بیعزتی اور نامردی کی حرکت کا مرتکب نہ ہونگا - پس جب اورنگ زیب نے دیکھ لیا کہ خواہ دھمکایا جائے یا لالچ دیا جائے یہہ کسی طرح بھی اپنے اس شریفانہ طریق سے پھرنے والا نہیں تو اپنی فوج کو دامن کوہ کی طرف روانہ کیا اور بیشمار بیلدار پہاڑوں کو کاٹ کر راستہ ہموار اور فراخ کرنیکے لیئے مامور کیئے لیکن راجہ مخالفوں کی ان بیہودہ کوششوں کو جو اُسکے ملک میں داخل ہونیکے لیئے کی جارہی تھیں عبث اور بچوں کا کھیل سمجھ کر ہنستا تھا اور فی الواقع اُسکا ہنسنا بجا تھا - کیونکہ اگر اورنگ زیب جیسے چار بادشاہ جمع ہوکر اس کوہستان پر چڑہائی کرتے تو ان کو بھی پہاڑوں میں رسائی ناممکن تھی - چنانچہ آخر کار ایسا ہی ہوا کہ لاحاصل غصہ دکھانے کے بعد فوج واپس بلالی گئی -

---

کیں اور میرے دو نوکروں نے بھی جو اُسی خوف میں وہ مبتلا تھے جسمیں
مَیں تھا اُنکو یہی جتایا کہ ہمارے آقا کی برابر کوئی حکیم دُنیا میں نہیں ہے
اور دارا شکوہ کے سپاہیوں نے اسکو ایسا ستایا ہے کہ جو کچھ قیمتی مال و
اسباب اِسکے پاس تھا وہ سب چھین لیگئے ہیں۔ قصّہ مختصر ہماری بڑی ہی
خوش نصیبی تھی کہ ہمارے اِس کہنے سُننے سے اُن کے دل کسیقدر پسیج گئے
اور ہمکو سات آٹھ روز تک روکے رکھنے کے بعد آخر کار ایک بیل ہماری گاڑی
میں جوت کر ہمکو وہاں تک پہنچا دیا جہاں سے احمد آباد کے بُرج نظر آتے
تھے اور اس شہر میں میری ایک امیر سے مُلاقات ہوگئی جو دھلی کو جاتا تھا اور
میں اُسکی پناہ میں یہانتک چلا آیا۔ اور راستے میں آدمیوں اور ہاتھیوں اور
گھوڑوں اور اونٹوں اور بیلوں کی لاشیں ہمکو جا بجا پڑی ہوئی نظر آئیں
جو دارا شکوہ کی تباہ شدہ فوج کی مصیبتوں کا قصّہ گویا زبان حال سے سُنا رہی تھیں

راجہ سِری نگر کا سُلیمان شکوہ کو حوالہ کرنا اور اورنگ زیب کی فوج کی اُسپر چڑھائی اور ناکامیابی۔

جس زمانہ میں دارا شکوہ ٹھٹھ کے
پُرمصیبت سفر میں مصروف تھا بنگالہ میں
لڑائی بدستور جاری تھی اور سُلطان شجاع
اپنے دشمنوں کی اُمید سے بہت بڑھکر ہمّت اور کوشش دکھا رہا تھا لیکن
اورنگ زیب کو اُدھر کے مُعاملات کا چنداں اندیشہ نتھا۔ کیونکہ میر جُملہ
کی دانشمندی اور خوش تدبیری اُسکو بخوبی معلوم تھی اور بنگالہ اور
آگرہ کے بُعد مسافت کی وجہ سے بھی یہہ معاملہ سردست زیادہ اہم نتھا
البتہ جس بات کا اُسے نہایت کھٹکا تھا وہ یہہ تھی کہ سُلیمان شکوہ نزدیک

ہیں اور اسوقت میں سمجھتا تھا کہ وہ ٹھٹھ کی طرف جائیگا اور حالات موجودہ کے لحاظ سے یہہ تجویز شاید بُری بھی نتھی۔ مگر حقیقت یہہ ہے کہ اِدھر بھی بپت تھی اور اُدھر بھی اور مجھے ہرگز یہہ اُمید نتھی کہ وہ اُس ریگستان سے جو احمد آباد اور ٹھٹھ کے بیچ میں ہے سلامت گزر جائیگا۔ چنانچہ واقعی ایسا ہی ہوا کہ اُسکے ہمراہیوں میں سے اگرچہ عورتیں بھی بہت سی مرگئیں مگر مردوں پر تو یہہ مصیبت گزری کہ بھوک۔ پیاس۔ تکان۔ اور بے رحم کولیوں کے ہاتھ سے کوئی ہی زندہ بچا! کاش اس پرآفت سفر میں اگر دارا شکوہ خود بھی مرجاتا تو مَیں اُسکو بڑا ہی خوش نصیب کہتا۔ لیکن وہ ہر طرح کی مصیبتیں جھیلتا اور مرتا بھرتا آخرکار کچھ کے علاقہ میں جا پہنچا اور وہ اُس سے بڑی مہماں نوازی سے پیش آیا اور کہا کہ اگر آپ اپنی بیٹی کی شادی میرے بیٹے سے کردیں تو میری تمام فوج آپکی مدد کو حاضر ہے۔ لیکن جس طرح بجے سنگھ کا منتر جسونت سنگھ پر اثر کر گیا تھا ویسا ہی اسپر بھی چل گیا اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اُسکے تیور بدلے ہوسے نظر آنے لگے اور دارا شکوہ کو بعض معقول وجوہ سے جب یہہ اندیشہ ہوا کہ یہہ وحشی میری جان ہی لینے کی فکر میں ہے تو فوراً ٹھٹھ کی طرف چلدیا۔

مصنف کی سرگزشت اَب اگر میں اپنا کُل ماجرا جو میرے اور اُن مذاہب کولیوں کے باہم گزرا اور جس ڈھنگ سے مَینے اُنکو اپنی نسبت مہربان بنایا اور وہ تھوڑا سا روپیہ جو میرے پاس تھا بچا یا بیان کروں تو غالباً اس کتاب کے پڑھنے والے دق ہو جائینگے پس مختصر یہہ ہے کہ مَینے اپنی طبابت کی بڑی تعریفیں

اور کوئی تدبیر نہ سوجھتی تھی اور کچھ معلوم نہ تھا کہ دم بھر میں کیا ہو جائیگا۔ داراشکوہ زنانہ میں سے باہر آیا تو مینے دیکھا کہ مُردہ کی سی حالت تھی اور کبھی اِس سے اور کبھی اُس سے کچھ کہتا۔ اور ایک ادنی سپاہی کے پاس بھی کھڑا ہو کر پوچھتا تھا کہ اَب کیا کرنا چاہیئے۔ اور جب اُسنے دیکھا کہ ہر ایک کے چہرہ سے خوف کے آثار نمایاں ہیں تو یقین ہوگیا کہ غالباً ان میں سے ایک بھی میرا ساتھ نہ دیگا اور نہایت حیران تھا کہ اَب کیا ہوگا۔ اور مجھے کدھر جانا چاہیئے۔ اور توقف کی حالت میں تو سراسر بربادی ہی بربادی نظر آتی تھی۔

اِس تین دن کے عرصہ میں جبکہ مَیں اِس شاہزادہ کے ہمراہ تھا رات دن بلا توقف ہمکو کوچ کرنا پڑا اور گرمی اس شدت کی تھی اور اِسقدر گرد و غبار اُڑتا تھا کہ دم گھُٹا جاتا تھا اور میری بہلی کے تین عمدہ اور قدآور گجراتی بیلوں میں سے ایک مرچکا تھا اور ایک قریب المرگ تھا اور ایک اسقدر تھک گیا تھا کہ چلنے سے مجبور تھا اور اگرچہ داراشکوہ بہت چاہتا تھا کہ مَیں اُسکے ہمراہ رہوں خصوصاً اِسوجہ سے کہ اُسکی ایک بیگم کی ٹانگ میں ایک بہت بُری طرح کا زخم تھا لیکن وہ ایسی لاچاری کی حالت کو پہنچ گیا تھا کہ دھمکانے اور منت سماجت کرنے پر بھی کسی نے اُسکو میری سواری کے لیئے کوئی گھوڑا یا بیل یا اونٹ نہ دیا۔ اور جب کوئی سواری میسّر نہ آئی تو بناچاری میں پیچھے رہگیا۔ اور چار پانسو سواروں کے ساتھ اُسے جاتے دیکھکر جو گھٹتے گھٹتے اَب صرف اسیقدر رہگئے تھے مَیں بے اختیار رو پڑا مگر اتبک بھی دو ہاتھی اُسکے ساتھ تھے اور لوگ کہتے تھے کہ اُنپر روپیئے اور اشرفیاں لدی ہوئی

داراشکوہ کے اِس پر مصیبت سفر میں مصنف کا تین دن تک اُسکے ہمراہ رہنا۔

اِسوقت مَیں بھی تین دن سے داراشکوہ کی ہمراہی میں تھا۔ اور یہہ ایک نہایت ہی عجیب و غریب اتفاق تھا کہ مَیں اُسے راستہ میں مل گیا اور کسی طبیب کے ہمراہ نہونیکی وجہ سے اُسنے جبراً مجھے اپنے ساتھ لے لیا۔ احمد آباد کے حاکم کے کاغذ کے پہنچنے سے ایکدن پہلے کا ذکر ہے کہ داراشکوہ نے مجھسے فرمایا کہ مُبادا انہیں کوئی مار ڈالیں اور اسلیئے باصرار مجھکو اُس کاروانسرا میں لیگیا جہاں خود ٹھہرا ہوا تھا اور اب اسکا یہہ حال تھا کہ خیمہ تک اُسکے پاس نتھا۔ اور اُسکی بیگم اور اور عورتیں صرف ایک قنات کی آڑ میں تھیں جسکی رسیاں میری سواری کی بہلی کے پہیوں سے جسمیں مَیں آرام کرتا تھا باندھی ہوئی تھیں۔ جو لوگ اِس امر سے واقف ہیں کہ ہندوستانی اُمرا اپنی مستورات کے پردہ کے معاملہ میں کسقدر مبالغہ کرتے ہیں۔ وہ میرے اس بیان پر اعتبار نکرینگے۔ مگر مَیں نے یہہ واقعہ بطور ثبوت اُس دردناک حالت کے لکھا ہے جسمیں یہہ شہزادہ اسوقت مبتلا تھا۔

اِسی شب کو پو پھٹنے کے قریب احمد آباد کے حاکم کا جب مذکورۂ بالا پیغام آیا تو مستورات کی گریہ و زاری نے ہم سبکو رُلا دیا۔ اسوقت ایک عجیب پریشانی اور مایوسی چھا رہی تھی اور ہر کوئی خوف سے خاموش ایکدوسرے کا مونہہ تکتا تھا

پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ: مفصل لکھا ہو اسکو اپنے خیمہ میں بیٹھے بٹھائے ۱۹ جمادی الآخر سنہ ۱۰۶۸ ہجری کو ایسی فتح حاصل ہو گئی کہ جس سے وہ بے کھٹکے بادشاہ ہو گیا۔ اگرچہ از امیر بھی مثل شایستہ خان و ھوشدار خان وغیرہ اپنی بہتری تدبیر سامد یکر رونے کو گئی تھی مگر عالمگیر نامہ میں اسی فتح کو مہاراجہ راجروپ سنگھ بہادر شاہ کی اور راجہ جے سنگھ کی کارگزاری سے منسوب کیا ہے۔ ۳۴۳

سب مشکلوں اور آفتوں سے بچکر داراشکوہ ایک ایسے مقام تک پہنچ گیا جہانسے احمد آباد صرف ایکمنزل تھا اور اُسے اب یہہ اُمید تھی کہ کل کو احمد آباد میں داخل ہوں گا اور پھر ایک فوج بھرتی کراونگا - لیکن بدنصیب اور شکست خوردہ لوگوں کی اُمیدیں کبھی سرسبز نہیں ہوتیں - چنانچہ اُس شخص نے جسکو داراشکوہ احمد آباد میں قلعہ دار اور حاکم بناکر پیچھے چھوڑ آیا تھا یہہ بیوفائی اور پاجی پن کیا کہ اورنگ زیب کی دھمکانے یا امیدوار کرنیکے باعث اپنے آقا سے پھر گیا اور یہہ لکھ بھیجا کہ شہر کے نزدیک نہ آئیے دروازے بند اور لوگ مقابلہ کے لیئے مسلح اور طیار ہیں !

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

کے ساتھ تھامے رکھا جس سے دشمنوں کو بلکہ خود اُسکی سپاہ کو لڑائی کے خاتمہ تک اُسکا ارادہ معلوم ہوا اور دلیرخاں تو جرأت کرکے داراشکوہ کے مورچوں ہی میں جا گھسا اور اُسکے ایک نامور سردار کو خاص اپنے تیر سے ہلاک کیا اور خود بھی زخمی ہوا اور اِن حملوں میں اُس طرف بھی شاہنواز خاں اور کئی اور نامی سردار بھی مارے گئے - اتنے میں راجروپ کر کوہستانی پیدلوں نے کوکلہ پہاڑی پر اپنا نشان جا گاڑا - اور راجہ جے سنگھ بھی اپنی فوج لیکر ان سب سرداروں کی مدد کو جا پہنچا - داراشکوہ کی سپاہ راجروپ اور دلیرخاں کی جرأت اور دلیری سے پہلے ہی ہمت ہار چکی تھی اور خود داراشکوہ کا تو یہہ حال تھا کہ اُسنے مایوسی کے مارے اپنی بیگمات کو اوّل ہی ہاتھیوں پر سوار کراکر اور ضروری مال و اسباب اور روپیہ اشرفی اونٹوں اور خچروں پر لدواکر اناساگر تالاب کے کنارے میدان جنگ سے کچھ فاصلہ پر کھڑا کر رکھا تھا - مگر جب رات ہوگئی تو ساری امیدیں قطع کرکے اسقدر سراسیمہ ہو کر بھاگا کہ اپنی بیگموں کو ساتھ لینا تو درکنار اُنکو اپنے بھاگنے کی خبر بھی نکر سکا - اور جنکو اُسکا ایک معتمد خواجہ سرا یہاں سے لیجاکر دوسرے دن بمشکل شامل ہو سکا - اور سوا سے فیروزخاں میواتی کے اور کسی رفیق نے اُسکا ساتھ ندیا یہانتک کہ جو راجپوت اُسکے مال و دولت کے لدے ہوئے اونٹوں اور خچروں کے محافظ تھے اور جن پر اُسکو وفاداری کا بہت بڑا بھروسہ تھا وہی اُنکو ہانک کر اپنے گھروں کو لیگئے - اِس طرح پر لڑائی سے تیسرے دن باوجود اورنگ زیب کے اُمرا کی کم ہمتی کے جسکو عالمگیرنامہ دالے نے

ناشک کے بعد دارا شکوہ کا پھر گجرات کی طرف جانا اور حاکم احمد آباد کی گمراہی اور دارا شکوہ کا بچھ کے راجہ کے ملک میں پہنچ جانا اور اُسکے افسوسناک مصائب

آفت رسیدہ اور برباد شدہ دارا شکوہ جسکی جانبری صرف احمد آباد پر دوبارہ قبضہ حاصل کرنے میں منحصر تھی ایسے دور و دراز ملک میں سے گزرنے پر مجبور تھا جو قریباً سب کا سب مخالف راجاؤں کے قبضہ میں تھا اور ایسی بے سروسامانی تھی کہ خیمہ تک پاس نہ تھا اور زیادہ سے زیادہ دو ہزار آدمی ہمراہ تھے گرمی بہت سخت پڑتی تھی اور اُسپر یہہ ایک اور آفت تھی کہ کولی لوگ رات دن پیچھا نہ چھوڑتے تھے اور اُسکے سپاہیوں کو اسقدر لوٹا اور قتل کیا تھا کہ صرف چند قدم پیچھے رہجانا بھی نہایت خطرناک تھا۔ یہہ کولی اس ملک کے کسان ہیں اور بڑے ہی لٹیرے اور ہندوستان بھر میں ایک ہی بدذات ہیں۔ پس اگرچہ اِن

کو تین دن یونہیں گزر گئے اور صرف توپ بندوق سے دور دور کی لڑائی ہوتی رہی آخر اورنگزیب نے مجبور ہو کر انکو خیرتیں بھی دلائیں اور ڈرایا دھمکایا بھی اور انعام و اکرام کے وعدہ بھی کیئے مگر پھر بھی حالت بدستور ہی تھی۔ اتفاق سے راجہ راجروپ جموں والے کے کوہستانی سپاہی کو کلہ پہاڑی کے پیچھے کیطرف ایک ایسی جگہہ دیکھ آئے کہ جہاں سے پیادے سپاہی چڑھکر مخالف کے مورچہ پر حملہ کر سکتے تھے۔ راجہ نے اورنگزیب کو اس حال کی اطلاع کر کے کچھ اپنے سپاہی اُس پہاڑی کو روانہ کیئے اور خود بھی اپنی باقیماندہ فوج لیکر اُنکی مدد اور نگہبانی کے طور پر مخالف کے مورچوں کی طرف چلا گیا۔ چونکہ اتفاقاً اسوقت اورنگزیب کے توپخانہ کی توپیں چلنی بند ہو گئی تھیں اس باعث سے ذرا دلیر ہو کر دارا شکوہ کی فوج میں سے کوئی ایک ہزار سوار راجہ راجروپ پر حملہ کرنے کو اپنے مورچوں سے باہر نکل آئے۔ اسپر اورنگزیب کے مسلمان امیروں میں سے اول دلیرخان اور پھر شیخ میر نے اپنی اپنی فوجیں ساتھ لیکر ایسے زور سے حملے کیئے کہ اُن کے مورچوں تک جا پہنچے۔ اور اس طرح پر ایک اچھی لڑائی ہو پڑی تھی جسمیں شیخ میر جو ہاتھی پر سوار اپنی سپاہ کو لڑاتا تھا بندوق کی گولی سے مارا گیا۔ مگر اُسکا ایک معتوم سید جو پیچھے بیٹھا ہوا تھا اُسنے ہوشیاری سے اُسکی لاش کو ایسے طور

پیش آتا الغرض قریب پہر دن چڑھے کے لڑائی شروع ہوئی اور داراشکوہ کے توپخانہ سے جو ذرا اونچی اور مناسب جگہہ پر قایم تھا اگرچہ خالی آوازیں تو بڑے زور شور کی سُنائی دیں مگر کہتے ہیں کہ دغابازی کا جال یہانتک پھیلا ہوا تھا کہ توپوں کی خالی تھیلیاں بغیر گولوں کے بھری ہوئی تھیں۔ اس لڑائی کی بشرطیکہ اسکو لڑائی کہا جائے تفصیل لکھنی بیفائدہ ہے اور صرف اسقدر بیان کردینا کافی ہے کہ پہلے گولے کے چلتے ہی جے سنگھ ایک ایسے مقام پر آکھڑا ہوا جہاں سے داراشکوہ اسکو دیکھ سکے اور اپنا ایک سردار یہہ پیغام دیکر داراشکوہ کے پاس بھیجا کہ "اگر گرفتاری سے بچنا چاہتے ہو تو فوراً میدان جنگ سے علیحدہ ہو جاؤ"۔ اس پیغام سے اس بیچارے شہزادہ پر ایسا ناگہانی خوف طاری ہوا اور ایسی حیرت چھاگئی کہ فوراً اُسکی صلاح مان لی اور ایسا سراسیمہ ہوکر بھاگا کہ بہنیر کی نسبت بھی کچھ حکم ندیا اور فی الواقع اسوقت وہ ایسی ہی آفت میں مبتلا تھا کہ اُسنے اتنی ہی مُہلت کو غنیمت جانا کہ اپنے اہل و عیال کو اس تہلکہ سے نکال لیجائے۔ کیونکہ کچھ شک نہیں ہے کہ وہ اُسوقت جے سنگھ کے قابو میں آچکا تھا۔ اور راجہ کے اس اغماض کا سبب یہہ تھا کہ وہ ہمیشہ یہہ سمجھکر کہ کسی شاہزادہ سے بدسلوکی کرنا کسی نہ کسی دن سخت خطرہ کا باعث ہی شاہی خاندان کے لوگوں کے ساتھ بہت ادب اور لحاظ سے پیش آتا تھا۔ *

---

* اس لڑائی کا حال عالمگیرنامہ میں یوں لکھا ہے کہ نواح اجمیر میں جو پہاڑیاں ہیں چونکہ اُنکی سب گھاٹیاں روک کر مورچہ بندی اچھی طور سے کی گئی تھی اور داراشکوہ کا توپخانہ بھی مناسب جگہہ قایم کیا گیا تھا اسلیئے اورنگ زیب کے امیروں کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا کہ حملہ کریں یہانتک

اور پانی کے قحط کی وجہ سے جو اس موسم میں راجپوتانہ میں ہو جاتا ہے یہ امر سخت دشوار تھا کہ پینتیس روز تک اُن راجاؤں کے ملک میں سفر کرے جو جشونت سنگھ کے رفیق اور دوست ہوں اور اسپر طرہ یہہ ہو کہ اورنگ زیب سا مستعد دشمن ایسی بڑی اور تازہ دم فوج کے ساتھ نہایت سرگرمی سے اُسکا پیچھا کرے۔ اسلئے اب اُسنے سپاہیانہ موت سے مرجانا ہی بہتر سمجھا اور اگرچہ جانتا تھا کہ برابر کی لڑائی نہیں ہے مگر تاہم یہی ٹھان لی کہ یا دشمن کو مار لیا یا آپ مرگئے مگر ابتک بھی اُسکو اپنی ہیبت کی انتہا معلوم نتھی کیونکہ جن لوگوں پر خیانت اور دغابازی کا کچھ بھی شک وشبہ تھا سب کچھ وہی کرنے کو موجود اور گھات میں لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ بدذات شاہنواز خاں جسپر داراشکوہ کامل بھروسہ کئیے ہوئے تھا اُسکی خط وکتابت اورنگ زیب سے برابر جاری تھی اور وہ اسکے سب منصوبوں سے اُسکو مطلع کرتا رہتا تھا۔ لیکن اپنی بے ایمانی کی سزا اُسنے جلد ہی پالی یعنی اسی لڑائی میں تلوار سے قتل کیا گیا۔ چنانچہ بعض لوگ تو یہہ کہتے ہیں کہ خود داراشکوہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ مگر ظن غالب یہہ ہے داراشکوہ کے اُن مخفی طرفداروں نے جو اورنگ زیب کے لشکر میں تھے اِس خوف سے اُسے مارڈالا کہ اگر یہہ زندہ رہا تو ہم سب کا بھید کھول دیگا۔ اور اُن سب عرضیوں کا حال اُس سے کہدیگا جو ہم داراشکوہ کی خدمت میں بھیجتے رہے ہیں۔ لیکن اِس دغاباز کی موت سے اب کیا فائدہ تھا کیونکہ داراشکوہ کو لازم تو یہہ تھا کہ جس روز سے اُسنے احمد آباد کو لیا تھا اُسی روز سے اپنے خیر خواہوں کی دانشمندانہ ... کی نسبت شاہنواز جس بے اعتباری اور بے عزتی کے لائق تھا اُس کو اُسطرح

سے باز آئیے اور اس گھمنڈ میں نہ رہیئے کہ اور راجہ بھی تمہارے شریک ہو جائینگے کیونکہ یہہ میں کبھی نہونے دونگا۔ اور چونکہ یہہ ایک ایسا امر ہے جو ہر ایک ہندو شخص سے تعلق رکھتا ہے اسلیئے آپکو ایسی آگ کے بھڑکانے کی کسطرح اجازت دیجاسکتی ہے جو تمام ملک میں پھیل جائے اور پھر کوئی بھی اسکو بجھا نہ سکے اور اگر تم داراشکوہ کو بحال خود چھوڑ دوگے تو اورنگ زیب آپکی پچھلی خطائیں سب معاف کردیگا۔ اور اس شاہی خزانہ کا بھی مطالبہ نکریگا جو آپ نے کھجوہ کی لڑائی میں لوٹ لیا تھا۔ بلکہ فوراً گجرات کی صوبہ داری پر سرفراز کیئے جاؤ گے اور ایسے صوبہ کی حکومت میں جو آپ کے علاقہ سے متصل ہے جو فوائد ہیں وہ آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں اور وہاں آپ بغیر کسی طرح کے خوف و خطر کے نہایت آرام سے رہینگے اور ان وعدوں کا کامل طور سے پورا کرنا میرے ذمہ ہے'' خلاصہ کلام یہہ کہ جسونت سنگھ اس امر پر مائل ہوگیا کہ گھر سے قدم باہر نہ نکالے[1] اور اورنگ زیب مع اپنی تمام فوج ولشکر کے اجمیر میں داراشکوہ کی فوج کے سامنے آن موجود ہوا۔ اب ایسا کون شخص ہوگا جو اس تاریخ کو پڑھے گا اور اس بات پر افسوس نکریگا۔ کہ بدنصیب داراشکوہ کو لوگوں نے کیسی کیسی اُلٹی تدبیریں بتائیں اور آخرکار دغا کی جسونت سنگھ کی بدعہدی کا حال اگرچہ داراشکوہ پر کھل گیا مگر اسکے ہولناک نتیجوں کا اب کیا علاج تھا۔ وہ بیشک اپنی فوج کو احمد آباد لیجاتا مگر گرمی کی شدت

[1] عالمگیرنامہ میں لکھا ہے کہ جے سنگھ نے اورنگ زیب کی خواہش کے موافق اپنے خط کے ساتھ اسی مضمون کا بادشاہی فرمان بھی اپنے ایک خاص آدمی کے ہاتھ جسونت سنگھ کے پاس بھیجا تھا جسکا نتیجہ یہہ ہوا کہ اگرچہ وہ جودھپور سے سوار ہو آیا تھا مگر راستہ میں سے اُلٹا پھر گیا۔ س م م

یہہ ہے کہ جسونت سنگہ نے گھر پہنچتے ہی اُس مال و دولت سے جو کھجوے سے لوٹ کر لایا تھا ایک مضبوط فوج بھرتی کرنی شروع کر دی اور داراشکوہ کو لکھا کہ آپ بلا توقف آگرہ کو چلے آیئے میں اپنی تمام فوج کے ساتھ راستہ میں آن ملونگا - اب چونکہ شہزادہ نے بھی ایک فوج کثیر[1] جمع کر لی تھی اگرچہ بہت عمدہ نتھی - پس اس اُمید پر کہ جب میں ایسے نامی راجہ کو ساتھ لئے ہوئے دارالسلطنت کے قریب پہنچ جاؤنگا تو میرے منتشر شدہ ہوا خواہوں کو بھی میرے نشان کے نیچے آکر جمع ہو جانے کی جرأت ہو جائیگی احمد آباد سے کوچ کر دیا اور بہت سُرعت کے ساتھ اجمیر میں آپہنچا جو آگرہ سے سات آٹھ منزل کے فاصلہ پر ہے - لیکن جسونت سنگہ اپنے عہد پر قائم نرہا وجہ یہہ ہوئی کہ راجہ جےسنگہ نے یہہ خیال کر کے کہ لڑائی کے تمام رنگ ڈھنگ سے اورنگ زیب ہی کے غلبہ کی اُمید ہوتی ہے اُسکی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے جسونت سنگہ کو داراشکوہ کی طرفداری چھوڑ دینے کی صلاح دینا مصلحت جانا اور اُسکو لکھا کہ تمنے اسمیں ایسا کیا فائدہ سوچا ہے کہ ڈوبتے کے ساتھی بنتے ہو اور اگر تم اسی بات پر قائم رہوگے تو اُسکا کچھ فائدہ ہونا تو معلوم مگر ہاں تمہارا خاندان اور تم بیشک برباد ہو جاؤگے - اور اورنگ زیب تمکو کبھی معاف نکریگا - اور چونکہ میں بھی راجہ ہوں اسلیئے بمنت التماس کرتا ہوں کہ بیچارے راجپوتوں کا خون کرانے

---

[1] عالمگیرنامہ میں لکھا ہے کہ گجرات میں داراشکوہ کے پاس بائیس ہزار سوار اور ایک اچھا توپخانہ موجود ہو گیا تھا - اور کھجوہ کی لڑائی میں جسونت سنگہ کی بغاوت سے جو انواہیں اُڑی تھیں اُنکو سنکر جلد بازی سے جسونت سنگہ کی عرضیوں کے پہنچنے سے پہلے ہی اجمیر کو چل پڑا تھا - س م ح

بادشاہ بن بیٹھا ۵۷

دارا شکوہ کا گجرات سے اجمیر آنا اور جسونت سنگھ اور شاہنواز خاں کی دغابازی اور شاہنواز خان کا قتل اور دارا شکوہ کی تباہی۔

اَب اورنگ زیب کی تمام توجہ دارا شکوہ کے گجرات سے نکالنے کی تدبیروں میں مصروف تھی لیکن اُن وجوہ سے جو پہلے بیان کیجا چکی ہیں اِس دلی مدعا کا حاصل ہونا آسان تھا مگر آخر کار اُسکی عجیب و غریب ہنرمندی اور روز افزوں خوش اقبالی سب مشکلوں پر غالب آگئی تفصیل اِسکی

۵۷ دارا شکوہ کے تعاقب میں پنجاب کو جاتے ہوئے اگرچہ سرسری طور پر تخت نشینی کی رسم بمقام باغ اعز آباد جو شاہجہان آباد کے قریب لاہور کے راستہ پر تھا پہلی ذیقعد ۱۰۶۸ سنہ ایکہزار اڑسٹھ ہجری کو عمل میں آچکی تھی۔ مگر باقاعدہ جلوس اُسوقت کیا گیا تھا جبکہ شجاع کو بمقام کھجوہ شکست دینے کے بعد مراد بخش کو قلعہ گوالیار میں بھیجدیا گیا۔ اور دارا شکوہ کو بمقام اجمیر ۲۹ اُنتیسویں جمادی الثانی ۱۰۶۹ سنہ ایکہزار اُنہتر ہجری کو دوبارہ بھی شکست ہو چکی اور وہ اُلٹے پانوں احمد آباد کی طرف نہایت بے سروسامانی کے ساتھ بھاگ گیا۔ اِس تخت نشینی کو مصنف نے دارا شکوہ کی شکست کے واقعہ سے پہلے خدا جانے کس طرح لکھدیا ہے اور یہہ جلوس ۲۴ چوبیسویں رمضان سنہ مذکور کو قلعہ شاہجہان آباد میں (جسمیں ابتک یہہ داخل نہیں ہوا تھا) ہندو اور مسلمان نجومیوں کے مجوزہ مہورت کے موافق جبکہ شمسی حساب سے اسکو ۴۱ اکتالیسواں برس تھا معمولی تکلفات کے ساتھ کیا گیا۔ اور اورنگ زیب نے اپنا لقب حسب ذیل قرار دیا۔ "ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی" اور بے ادبی کے خیال سے سکہ میں کلمہ طیبہ اور خلفاے اربعہ کے ناموں کی جگہہ سونے اور چاندی کی مناسبت سے باختلاف لفظ مہر و بدر یہہ بیت تجویز ہوئی "سکہ زد در جہاں چو مہر منیر + شاہ اورنگ زیب عالمگیر" اور اگرچہ کسی کتاب تاریخ میں نہیں دیکھا گیا مگر مشہور ہے کہ جب خطیب دستور کے موافق اسکے بزرگوں کو کسیکو جنت آشیانی اور کسیکو خلد مکانی وغیرہ وغیرہ کہکر گننے لگا اور جہانگیر کے نام پر پہنچا تو اورنگ زیب نے فراست سے معلوم کیا کہ یہہ اس امر میں حیران ہے کہ جیتے جاگتے شاہجہاں کا کیا کہکر نام لے۔ فوراً اُسکی طرف مخاطب ہوکر قیدی باپ کے لئے یہہ حسب حال اور لطیف لقب تجویز کردیا اور کہا کہ خطیب بگو (تارک تاج و دیہیم ثانی سلطان ابراہیم شہاب الدین محمد شاہجہاں بادشاہ غازی صاحبقران ثانی) س م ح

> بنگالہ کی طرف لڑائی کا جاری رہنا اور اورنگ زیب کا تخت سلطنت پر جلوس کرنا

اَب بنگالہ کا حال سُنیئے کہ اگرچہ لڑائی بدستور جاری تھی مگر کسیقدر سُستی کے ساتھ تھی اور شجاع حتی المقدور مقابلہ کیئے جاتا تھا اور اُسکا ہوشیار دشمن میر جملہ گنگا سے اُترنے اور بیشمار ندی نالوں کے طے کرنے میں جو اُس مُلک میں کثرت ہیں جس طرح سے مناسب اور مصلحت وقت جانتا تھا عمل کرتا تھا اور اس عرصہ میں اورنگ زیب آگرہ کے نواح میں مقیم تھا۔ مگر آخر کار جب مُراد بخش کو قلعہ گوالیار میں بھیج چکا تو دہلی جاکر اُن سب دھوکے کی ٹٹیوں کو جو ابتک لوگوں کے فریب دینے کو بنا رکھی تھیں اُٹھا ڈالا اور تخت سلطنت پر جلوس کرکے اچھی خاصی طرح

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

رات گزرے نماز عشا پڑھکر محلسرا میں چلا جاتا تھا۔ مگر باوجود ان تمام صفات حمیدہ اور کمال اطاعت کے آخر کار اسکو بھی بدگمان باپ کے قہر و غضب کا نشانہ بننا ہی پڑا۔ یعنی جب اورنگ زیب نے سِکندر عادل شاہ بانی والی بیجاپور کی بربادی کے لیئے مُحمّد مُعظم کے سوتیلے بھائی مُحَمَّد اعظم شاہ کو اور ابوالحسن تاناشاہ والی حیدرآباد دکن کی بیخ کنی کے لیئے اسکو مامور کیا تو اعظم شاہ اور اور لوگوں کی دراندازی سے یہ شبہ ہوگیا کہ والی دکن سے اسکی سازش ہے۔ اور باوجودیکہ بادشاہ کے بعض معتمدان خاص نے اسکی بے جرمی کی شہادت دی مگر بدگمانی رفع نہوئی اور سنہ ۱۰۹۸ ایک ہزار اٹھانوی ہجری میں بیوی بچوں اور متوسلوں سمیت نہایت ذلت اور سختی سے قید کردیا اور پانچ برس سے زیادہ تک قید رکھا اور تمام مال اسباب اور جاگیر وغیرہ ضبط کی گئی یہانتک کہ اسکی زوجہ نور النسا بیگم کے کانوں اور گلے کے زیور تک چھین لیئے گئے اور اسکو اور اسکے بیٹوں کو بھی بہت بنوانے۔ ناخن کٹوانے ٹھنڈا پانی پینے۔ گرم روٹی کھانے اور مناسب حال لباس پہننے سے قطعی ممانعت اور محرومی رہی اور لطف یہ ہے کہ ماثر عالمگیری میں (جسکا مصنف التزام کے ساتھ بڑے ادب اور اعتقاد سے ہمیشہ اورنگ زیب کی تعریف لکھتا ہے) لکھا ہے کہ "گرچہ حضرت اورنگ زیب کو اسکی قید کے زمانہ میں اس امر کا بھی اقرار تھا کہ ہمارے ہاتھ سے اس پر ظلم ہو گیا ہے مگر فرماتے تھے کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ خداوند کریم ہمارے دل کو اس کے حال پر مہربان کردے۔" (ماخوذ از ماثر عالمگیری و سیر المتاخرین) س م ح

کرکے میری یہہ راے ہے کہ اورنگ زیب کا اسکی طرف سے کسی برے ارادہ کا شبہ کرنا بیوجہ ہے۔ کیونکہ وہ تو ایک ادنی غلام سے بھی زیادہ فرمانبرداری کرتا ہے اور مطیع سے مطیع شخص سے بھی یہہ ممکن نہیں کہ غیر قانع اور حریص طبیعت کے جوش پر اپنے اقوال و افعال سے کسیقدر پردہ ڈال سکے۔ چنانچہ خود اورنگ زیب بھی حصول اختیار و اقتدار کی جانب سے کبھی اسقدر بے پروا نہیں نظر آیا۔ اور نہ خیرات اور دینیات ہی میں اتنا مصروف دکھائی دیا۔ مگر باینہہ اکثر ہوشیار لوگوں کی یہہ راے ہے کہ بمقتضائے (اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْهِ) یہہ اسکی بناوٹ ہی اور حصول سلطنت کے خیالات اُسیطرح دل میں چھپائے ہوئے ہے جس طرح اِسکا باپ چھپائے ہوئے تھا۔ *

---

* محمد سلطان اور محمد معظم دونوں ایک ہی ماں سے تھے اور محمد معظم قریب چار سال کے اس سے چھوٹا تھا اور اورنگ زیب کے بعد یہی بادشاہ ہوا تھا۔ اور اپنی چند سالہ بادشاہی کے مختصر زمانہ میں ایک نیک سیرت بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ لکھا ہے کہ یہہ بچپن ہی میں قران مجید کا حافظ ہوگیا تھا اور فن قرأت اور تجوید سے خوب واقف تھا اور علم حدیث و فقہہ میں ایسا کامل تھا کہ ہمعصر علما بھی مانتے تھے اور مسایل فقہیہ کا استنباط و استخراج خود قرآن و حدیث سے کرسکتا تھا عربی ایسی بولتا تھا کہ فصحای عرب پسند کرتے تھے اور ترکی اور فارسی تو گویا اُسکے گھر کی زبانیں تھیں خوشنویسی میں بھی کامل تھا اور کئی طرح کے خط لکھنے جانتا تھا۔ نیک اوقات ایسا تھا کہ راتیں نماز و وظائف اور تلاوت قرآن مجید اور مطالعہ کتب تفسیر و حدیث و فقہہ و تصوّف میں بسر کرتا تھا۔ اور صبح کی نماز ہمیشہ اول وقت ادا کرکے کچھ دن چڑھے تک اوراد اور وظیفے پڑھتا۔ اور اس کے بعد منتظران دیدار کے لیئے جھروکہ درشن میں بیٹھتا۔ اور مستغیثوں اور فریادیوں کی داد دیتا۔ پھر وہاں سے اُٹھکر دیوان خاص یا عام میں بیٹھکر ملکی و مالی معاملات سنتا اور نماز ظہر کے بعد محلسرا میں جاکر کھانا کھاتا۔ اور کسیقدر سوتا۔ اور نماز عصر پڑھکر پھر فریادیوں کی دادرسی کرتا۔ اور لوگوں کا سلام مجرا لیتا۔ اور نماز مغرب کے بعد ورد و وظائف میں مصروف رہتا۔ اور قریب ڈیڑھ پہر

اورنگ زیب کا سلطان محمد معظم کو بھائی کی حالت عبرت دلانا اور محمد معظم کے چلن کی نسبت لوگوں اور خود مصنف کی رائے۔

اس طرح پر اپنے بڑے بیٹے کا خرخشہ مٹا کر اورنگ زیب نے شہزادہ محمد معظم سے فرمایا کہ ایسا نہو کہیں تم بھی سرکشی اور بلند پروازی کے خیالات میں بھائی کی تقلید کر بیٹھو اور وہی معاملہ تمکو بھی پیش آئے جو اُسکو پیش آیا ہے۔ یاد رکھو کہ سلطنت ایک ایسا نازک معاملہ ہے کہ بادشاہوں کو اپنے سایہ سے بھی حسد اور بدگمانی ہوجاتی ہے پس یہہ خیال کبھی نکرنا کہ اورنگ زیب بھی بیٹوں کے ہاتھ سے وہی کچھ دیکھ سکتا ہے جو جہانگیر* نے شاہجہاں کے ہاتھوں دیکھا تھا یا جس طرح شاہجہاں نے تخت و تاج کھو دیا اورنگ زیب بھی اُسی طرح کھو سکتا ہے" لیکن سلطان محمد معظم کے تمام طور و طریق بر لحاظ

* جہانگیر سے ایکی اکثر ان بن ہی رہتی تھی اور جب وہ مرا ہے تب تو یہہ دکن میں علانیہ باغی تھا۔ س م ح

نتیجہ [illegible]

یہہ عبارت لکھی ہے کہ " بادشاہزادہ را مرض شدید عارض شد۔ مدتے بستر گزین بیتابی بود در مقام خاص شکار خبر دلالت اثر رسید کہ صرصر فنا آن نخل باغ مجد و علا را از باغ دنیا برداشتہ بحدیقہ عقبیٰ نشاند باوجود قرب موصل حضرت را از استماع این واقعہ ناگزیر پائے قرار از جا رفتہ دل پرغم و دیدہ پرنم شد و بروح اللہ خاں خانساماں و سیادت خاں و عبد الرحیم خاں و شیخ نظام و ملا محمد یعقوب فرمان رفت کہ در روضۂ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی برحمت حق سپارند" جس سے بہرحال یہہ نتیجہ نکلتا ہے کہ باوجود اُسکے مرض الموت میں مبتلا ہونے کے بھی اورنگ زیب نے اُسکو بار نہیں دیکھا۔ بلکہ وہ شکار میں مصروف رہا اور اسی کتاب میں عالمگیر کی اولاد کے ذکر میں مصنف نے اس شہزادہ کی لیاقت اور قابلیت کی نسبت یہہ عبارت لکھی ہے " اولین فروغ دودمان مجد احسان بادشاہزادہ محمد سلطان ولادت ایشان از بطن نواب بائی چہارم رمضان ۱۰۴۹ یکہزار و چہل و نہ ہجری وقوع یافت بشرایف آداب و محاسن اوصاف شعف بحفظ کلام مجید و اکثر کمالات و خواندن و نوشتن عربی و فارسی و ترکی بہرہ وافی داشتند و در سالے کہ آنحضرت را پیش از جلوس با دارا دولت اتفاق افتادہ حسد ترددات شایستہ شدہ و اوضاع بیدلیری واقع شدہ نسبت یک جلوس حضرت اعلیٰ خاقانی بسیار بکثرت رفتند" س م ح

کہ وہ راج محل کو لوٹ آیا ہے تو موقع دیکھکر اب محمد سلطان کو بھی کسی حراست کی جگہہ بھیجدینے کا خاصہ بہانہ ہاتھ آگیا ہے واقعی یا بناوٹی خفگی کے ساتھ اُسکو ایک تاکیدی فرمان بھیجا کہ فوراً بلا توقف دہلی کو چلا آئے۔ اب بدنصیب شاہزادہ تعمیل حکم سے سرتابی کر ہی نہیں سکتا تھا پس جونہیں گنگا کے اس پار اُترا لوگوں کے ایک مسلح گروہ نے گرفتار کرلیا اور زبردستی ایک عماری میں بٹھاکر گوالیار کو لیگئے اور یقین ہے کہ اسکی عمر کا خاتمہ اب اُسیجگہہ ہوگا۔ *

---

* عالمگیرنامہ میں لکھا ہے کہ محمد سلطان اول پانچویں شعبان ۱۰۶۹ء ایکہزار اُنہتر ہجری کو سلیم گڈھ میں قید کیا گیا اور پھر پچیسویں جمادی الاول ۱۰۷۰ء ایکہزار ستر کو یہ اور سلیمان شکوہ جو سرینگر سے گرفتار ہوکر آیا تھا دونوں گوالیار بھیجدیے گئے تھے۔ مگر ۱۰۸۱ء ایکہزار اکیاسی ہجری میں ملتفت خان کو بھیجکر محمد سلطان اور دارا شکوہ کے دوسرے بیٹے سپہر شکوہ کو وہاں سے بُلالیا اور کچھ دنوں پھر سلیم گڈھ میں زیر حراست رکھکر تقریباً چودہ برس کی قید کے بعد شروع ۱۰۸۳ء ایکہزار تراسی ہجری میں خلعت وغیرہ دیکر چھوڑ دیا۔ اور مراد بخش کی بیٹی دوستدار بانو بیگم سے نکاح کردیا اور اپنے ہاتھ سے موتیوں کا سہرا باندھکر قلعہ کے اندر کی مسجد میں سلام کرانے لیگیا۔ اور بارہ ہزار روپیہ سالانہ مقرر کردیا۔ اور جشن عید الضحیٰ کے موقع پر ایک گوسفند کو تو خود قربانی کیا اور ایک اونٹ محمد سلطان سے نحر کرایا اور ۱۰۸۶ء ایکہزار چھیاسی ہجری میں کشتواڑ کے راجہ کی بیٹی بائی بھوپ دیبی نامے سے اس کا نکاح کیا گیا اور سات لاکھ روپیہ کا زیور عطا ہوا۔ اور کتاب مآثر عالمگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۸۵ء ایکہزار پچاسی ہجری میں درہ خیبر کے پٹھانوں کی بغاوت کی وجہ سے جب اورنگزیب کو ایک عرصہ تک بمقام حسن ابدال رہنا پڑا تھا محمد سلطان کو بست ہزاری دہ ہزار سوار کا منصب مع خلعت کے اور ایک لاکھ روپیہ نقد اور نقارہ و نشان وغیرہ عطا ہوگیا تھا۔ اور وہاں سے معاودت کے بعد اگلے برس سات لاکھ روپیہ نقد عنایت ہوا۔ مگر باوجود اس کے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ قید سے چھوڑنیکے بعد کسی جگہہ کی صوبہ داری ملی ہو یا اسکے اور بھائیوں کی طرح اسکو کسی مہم میں سرلشکر بناکر بھیجا گیا ہو بلکہ ایسا پایا جاتا ہے کہ بادشاہ کی سرد مہری اپنے اس بیٹے کی نسبت چلی ہی جاتی تھی کیونکہ جب یہ شہزادہ اڑتیس برس دو مہینے کا ہوکر ۱۰۸۸ء ایکہزار اٹھاسی ہجری میں مرا ہے اسکی نسبت اسی کتاب (مآثر عالمگیری) میں

کرکے بجا آوری خدمات کے لیئے اپنی آمادگی ظاہر کی۔ لیکن شجاع کو ان باتوں پر کچھ یقین نہ آیا بلکہ ہمیشہ شبہ کرتا رہا کہ شاید اورنگ زیب اور میر جملہ نے مجھے بیوقوف بنانے کو یہہ ایک حکمت کی ہے اور اسکے بڑے بڑے وعدوں اور قسموں پر اعتبار نکرکے اپنی فوج کی کوئی بڑی حکومت اسے سپرد نہ کی بلکہ ہمیشہ اسکا نگران حال رہا۔ اور اس طرز سلوک کا انجام یہہ ہوا کہ تھوڑی ہی دیر میں شجاع سے بھی متنفر ہو گیا اور آخر کار چند مہینوں کے بعد ناامید ہوکر پھر میر جملہ کے پاس چلا آیا اور میر جملہ نے خاطر داری اور کسیقدر اعزاز و اکرام کے ساتھ لشکر میں اُتار لیا۔ اور کہا کہ اگرچہ آپ نے بہت بڑا قصور کیا ہے مگر خیر میں بادشاہ سے سفارش کرکے معافی کی درخواست کرونگا۔

مینے بہت لوگوں سے سُنا ہے کہ یہہ عجیب حرکت جو محمد سلطان سے ظہور میں آئی تھی حقیقت میں اورنگ زیب کا ایک منصوبہ تھا جو یہہ چاہتا تھا کہ میرا بیٹا خواہ اپنے کو کسی خطرناک کام ہی میں کیوں نہ ڈال دے مگر سلطان شجاع تباہ ہو جاوے۔* بہرحال اصل حقیقت خواہ کچھ ہی ہو مگر جب اُسکو یہہ معلوم ہوا

۱۰ دارا شکوہ اور سپہر شکوہ ٹھیک اسی تاریخ ذادذ میں ملک جیون کے ہاتھوں گرفتار ہوئے

* فارسی تاریخوں سے محمد سلطان کی بغاوت کا سبب یہہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسکو شہزادگی اور نیتا کا غرور تو تھا
اسپر دیرحلہ کی ہتکتی اور بھی ناگوار ہوتی اور کوتہ اندیش مصاحبوں کی ترغیبیں اور سلطان شجاع
وہ بھانسرا اپنی لڑکی سے شادی کر دینے کا وعدہ جسکا ذکر پیچھے ایک حاشیہ میں لکھا جا چکا سب ملکر
باعث ہوئی تھیں چنانچہ جب یہ شجاع کے پاس جا پہنچا تو تمام ٹانڈہ جہاں مونگیر اور راجمحل کرمیر
شجاع نے برسات کا موسم بسر کیا تھا اس لڑکی سے اسکی شادی کر دی۔ مگر اس کے واپس آنے
شجاع کی سرداری تھی لگ روزمرہ کی شکستوں سے جب اسنے دیکھ لیا کہ شجاع کی بہبود
تھا نہیں ہے تو اپنی اور نام ہوکر آٹھ مہینے سے کچھ زیادہ اسکے پاس رہکر واپس چلا آیا۔

اور دانائی میں داخل تھا کہ اُسنے اِن اجنبی لوگوں کو دل افزائی اور خاطرداری سے اپنی سپاہ میں بھرتی کرلیا - کیونکہ پرتگیز اصیل اور دوغلے سب ملاکر اسوقت کم سے کم نو دس ہزار یہاں موجود تھے - اور فی الواقع اُسکو بہت مدد دیسکتے تھے اُسنے اِس موقع پر خصوصیت کے ساتھ اُن کے پادریوں کی بہت دلداری اور تالیف قلوب کی تھی اور انعام و اکرام کے وعدوں کے علاوہ یہہ وعدہ بھی کیا تھا کہ اپنی مرضی کے موافق جہاں چاہو اپنے گرجا بنالینا -

محمد سلطان اور میر جملہ میں نااتفاقی کا پیدا ہونا اور شہزادہ سلطان شجاع کے پاس چلاجانا اور شجاع کا اُسکو مونہہ نہ لگانا اور اورنگزیب کے حکم سے قلعہ گوالیار میں اُسکا قید کیا جانا -

اِس عرصہ میں میر جملہ کو یہہ عجیب مخمصہ پیش آیا کہ اُسمیں اور محمد سلطان میں سخت نااتفاقی پیدا ہوگئی - وجہ یہہ ہوئی کہ ایک تو اُسکی یہہ نہایت آرزو تھی کہ کُل لشکر کی حکمرانی میرے اختیار میں ہو - دوسرے میر جملہ کے ساتھ توہین و تحقیر سے پیش آتا تھا - بلکہ بعض اوقات باپ کی نسبت بھی کچھ ایسے الفاظ کہہ اُٹھتا تھا جو نہ فرزندانہ اطاعت اور ادب ہی کے شایاں تھے اور نہ باپ کے شاہانہ منصب ہی کے اور علانیہ کہدیا کرتا تھا کہ آگرہ کی تسخیر میں مینے وہ وہ کام کیئے ہیں کہ حضرت کو واجب ہے کہ اپنی کامیابی میں میرے ممنون ہوں - پس آخر کار نتیجہ اِن حرکتوں کا یہہ ہوا کہ باپ کو سخت ناراض کرلیا اور پھر جب اسکی ناراضی کی خبریں سنیں تو اُس ڈر کے مارے کہ مبادا میر جملہ کے پاس میری گرفتاری کا حکم آجاسے اور وہ مجھے قید کرے صرف گنتی کے آدمیوں کے ساتھ راج محل سے چلدیا[1] اور سلطان شجاع کی خدمت میں اطاعت ظاہر

[1] یہہ عجیب اتفاق تھا کہ اُنتیسویں رمضان ۱۰۶۹ سنہ ایکہزار اُنہتر ہجری کو ادھر تو یہہ شہزادہ باغی ہوا اُدھر

میر جملہ کے توپخانہ کی متواتر مار سے مورچوں کو (جو درختوں کی شاخوں اور
لکڑیوں سے برج کی صورت کے مٹی اور ریت بھر کر بنا لیے گئے تھے) برباد
کیے جاتی ہے۔ اور یہہ بھی خیال کیا کہ برسات کا موسم قریب آگیا ہے اُس وقت
انکو اور بھی زیادہ نقصان پہنچیگا تو رات کے پردہ میں وہاں سے نکل گیا مگر دو توپیں
جو بہت بھاری تھیں یہیں چھوڑ گیا۔ اور میر جملہ اس خوف سے اُسکا پیچھا
نہ کر سکا کہ شب خون کے ارادہ سے کہیں وہ ہماری گھات میں لگا ہوا نہو
اور شجاع کی خوش نصیبی سے صبح ہونے سے پہلے اس زور کا مینہہ برسا کہ
اُسکے تعاقب کے لیئے راج محل سے کوچ کا خیال تک کرنا ناممکن ہو گیا
یہہ بارش نہایت ہی شدید اور برسات کا آغاز تھی جو بنگالہ میں جولائی سے
اکتوبر تک بہت ہی کثرت سے ہوا کرتی ہے۔ اور راستے ایسے خراب
ہو جاتے ہیں کہ کسی حملہ آور فوج کے سفر کے قابل نہیں رہتے۔ پس میر جملہ
کو واجب ہوا کہ برسات کے ختم ہونے تک راج محل میں ٹھہر کر اپنی فوج کو
شجاع کی سپاہ کے مکانوں میں آرام دے۔

شجاع کا مکرر فوج بھرتی کرنا جسمیں بہت سے پرتگیز بھی تھے

اس مہلت سے شجاع کو بخوبی گنجائش ہاگئی کہ
جس جگہہ مناسب سمجھا وہاں ٹھہر ٹھہر کر اپنی حسب حال
تدبیریں کرتا رہا۔ اور بہت سی نئی فوج نوکر رکھ لی جسمیں بہت سے پرتگیز بھی تھے
جو معہ چند توپوں کے بنگالہ کے اُن ضلعوں سے آگئے تھے جو نیچے کیطرف
ہیں۔ کیونکہ مُلک کی کمال زرخیزی کے باعث اکثر اہل فرنگ اس نواح
اور ایسے وقت میں فی الحقیقت یہہ امر شجاع کی خوش قسمتی

کے حملہ کا منتظر تھا - کہ یکایک اُسے یہہ افسوسناک خبر ملی کہ وہ لشکر جو بتدریج دریا کے
کنارے کنارے بڑھا آتا تھا صرف دھوکا دینے کی غرض سے تھا اور میر جملہ
اُسمیں نہیں ہے - بلکہ وہ اُن راجاؤں کو جنکی ریاستیں دریا کے دائیں کنارے
کوہستان میں ہیں گانٹھ کر پہاڑوں سے عبور کرتا ہوا مع محمد سلطان اور کسیقدر
اپنی چیدہ اور منتخب سپاہ کے راج محل کی طرف اس غرض سے جا رہا ہے
کہ ہمارا پیچھے ہٹنے کا راستہ روک کر ہمکو بنگالہ کے اندر کی طرف نہ جانے
دے - پس یہہ خندق اور مورچے جو ایسے بڑے اہتمام سے تیار ہوئے تھے
یوُہیں چھوڑ دینے پڑے - اور چونکہ مونگیر اور راج محل کے درمیان گنگا
اسطرح حائل ہے کہ کئی چکر اور پھیر کھا کر گزری ہے اس سبب سے اگرچہ بہت
سی تکلیفیں اُٹھانی پڑیں مگر پھر بھی میر جملہ سے کئی روز پہلے راج محل* میں جا پہنچا
بلکہ کچھ مورچے باندھ لینے کی بھی فرصت ملگئی - کیونکہ میر جملہ اور محمد سلطان
یہہ دیکھکر کہ اُسکو اب راج محل پہنچنے سے روکنا ناممکن ہے اپنے بائیں ہاتھ
بعض بہت دشوار گزار راستوں سے گزرتے ہوئے اِس غرض سے گنگا کے رخ
ہوگئے کہ اپنے بھاری توپخانہ اور ماںجا فوج اور بہیر وغیرہ کو جو دریا کے رستہ
سے آرہی تھی اپنے ساتھ شامل کرلیں اور جب اُنکا یہہ مدعا حاصل ہوگیا تو راج محل
پہنچکر لڑائی شروع کردی اور اگرچہ پانچ روز تک شجاع خوب لڑا مگر جب دیکھا کہ

* جلال الدین محمد اکبر کے زمانہ سے پہلے وہاں اکثر آگ لگنے رہنے کے سبب سے عوام الناس اس جگہہ کو آگ محل کہنے لگ گئے تھے - جب راجہ مان سنگھ بنگالہ کا صوبہ دار ہوا اُسنے اپنے رہنے کے لئے وہاں اینٹ مٹی سے ایک مستحکم حصار تیار کراکر اُسکا نام راج محل رکھدیا بعد ازاں اس جگہہ کا نام بادشاہی دفتروں میں اکبرنگر لکھا جاتا رہا اور اب بدستور راج محل مشہور ہے - م م ح

شجاع کا الہ آباد سے اوّل مونگیر اور پھر راجمحل جانا اور میر جملہ و محمد سلطان کا فتح کے بعد وہیں توقف کرنا۔

اب شجاع کا حال سُنیئے کہ چونکہ اُسکو برابر یہہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ مبادا بنگالہ کے نیچے کے حصہ کے وہ راجہ جو میری چھینا جھپٹیوں اور زیادہ ستانیوں سے دل میں ناراض ہیں کسی کے بہکانے سے پیچھے فساد کر بیٹھیں اسوجہ سے جب اورنگ زیب کے ان بندوبستوں سے مطلع ہوا تو فوراً الہ آباد سے ڈیرہ ڈانڈا اُٹھاکر بنارس اور پٹنہ کی طرف کوچ کرگیا۔ کیونکہ اُسے یہہ اندیشہ تھا کہ غالباً میر جملہ بجائے الہ آباد کے کسی اور گھاٹ سے گنگا کو عبور کرکے میرے بنگالہ کے واپس جانے کے راستہ کو روکنا چاہیگا۔ چنانچہ انہیں اندیشوں سے بنارس اور پٹنہ سے بھی پیچھے مونگیر کو چلاگیا جو گنگا کے کنارے ایک چھوٹا سا شہر ہے اور ایک طرف پہاڑ اور دوسری جانب جنگل اور دریا ہونے کی وجہ سے ایک کارآمد مقام اور بنگالہ کا دروازہ سمجھا جاتا ہے۔ اور یہاں پہنچکر مورچہ بندی کرلی اور شہر اور دریا کے کنارے سے لیکر پہاڑ تک ایک بڑی گہری خندق کھدوالی۔ چنانچہ اس واقعہ کے کئی سال بعد اس خندق[۵۷] کو مینے بھی دیکھا تھا اور اس مستحکم مقام میں گنگا کے گھاٹ کو روکے ہوئے فوج مخالف کے

---

۵۷ عالمگیرنامہ میں لکھا ہے کہ مونگیر کے ایکطرف جو قدرتی پہاڑ اور دوسری جانب دریاے گنگا ہے افغانوں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں پہاڑ سے لیکر دریا تک سوا کوس لمبی دیوار کھنچواکر اُسکے مقابل کی سمت میں خندق کھدوادی تھی۔ شجاع نے ان باہمی فساد کے دنوں میں اس دیوار کی مرمت کراکر ہر تیس گز پر ایک ایک برج بنوادیا تھا اور خندق کو پانی تک گہرا کرادیا تھا۔

سی عنایتوں کے قابل ہیں - مگر اُن میں سے بالفعل یہہ ایک ہی - اور جب آپ شجاع پر فتح پا لینگے تو اَمیرُ الاُمَرا* کا خطاب جو ہندوستان میں سب سی بڑا خطاب ہے آپکو عطا کیا جائیگا - اور محمد سلطان سے یہہ کہا کہ بیٹا خیال کرو کہ میری اولاد میں تم سب سے بڑے ہو اور اپنے ہی کام پر جاتے ہو اور بیشک تمنے بڑے بڑے کام کیئے ہیں - مگر سچ پوچھو تو ابھی کچھ بھی نہیں کیا کیونکہ تاوقتیکہ شجاع کو جو ہمارے مخالفوں میں ایک بہت بڑا شخص ہے شکست دیکر پکڑ نہ لاؤ سارے ہی کام ادھورے ہیں - بعد اس فہمایش کے اورنگ زیب نے دونوں کو حسب معمول بڑے بڑے "سروپا" یعنی خلعت دیئے - اور چند گھوڑے اور ہاتھی عمدہ ساز و سامان سمیت عنایت کیئے - اور جس طرح سے ہو سکا محمد سلطان کی بیگم اور میر جملہ کے بیٹے محمد امین کو اُن کے ساتھ نہ جانے دیا یعنی محمد سلطان کی بیگم کو تو جو شاہ گولکنڈا کی بیٹی تھی اس حیلہ سے ٹھہرالیا کہ ایسی عالی خاندان شہزادی کا لڑائی کے وقت لشکر کے ساتھ جانا کسی طرح زیبا اور مناسب نہیں - اور محمد امین خان کو اس بہانہ سے روک لیا کہ ابھی یہہ بہت کم سن ہے اور ازراہ شفقت ہم چاہتے ہیں کہ خاص اپنے زیر نظر رکھکر اسکو تعلیم و تربیت کرائیں لیکن اصل یہہ ہے کہ دونوں کو اُول کے طور پر رکھا تھا تاکہ شہزادے اور میر جملہ سے کسی بیوفائی کا اندیشہ نہ رہے

---

* فارسی تاریخوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شجاع کی بربادی کے بعد اسکو خانخانان سپہ سالار بنگالہ کے خطاب سے لکھا جاتا تھا اور اَمیرُ الاُمَرا کا خطاب شایستہ خاں کو تھا - س م ح

سرانجام کر سکتا ہے۔ اور ان وجوہ سے اورنگ زیب اس عجیب شخص کو بھی بلحاظ
اسکے بلند ارادوں اور خیالات جاہ طلبی کے محمد سلطان سے کچھ کم نہیں سمجھتا تھا
پس اگرچہ یہہ شکلیں ایسی تھیں جو ایک معمولی عقل کے آدمی کو ضرور دقتوں میں
پھنسا دیتیں لیکن اورنگ زیب نے ایسی حکمت اور ہوشیاری سے کام
کیا کہ انکو دارالسلطنت سے دھکیل بھی دیا اور دونوں میں سے کوئی شاکی بھی
نہونے پایا۔ یعنی ایک بڑی فوج سپرد کر کے شجاع کے مقابلہ کو روانہ کر دیا اور
رخصت کے وقت میر جملہ کو تو یہہ سمجھا کر راضی کر دیا کہ فتح کے بعد بنگالہ کے زرخیز
صوبہ کی حکومت مدت العمر کے لیئے آپ ہی کیواسطے ہے بلکہ آپ کے بعد
آپکا بیٹا بھی مستحق اس صوبہ داری کا سمجھا جائیگا۔ اور اگرچہ آپ کی خدمتیں بہت

بڑی پریشانی ہوئی۔ اور بہت سے سپاہی دشمنوں سے جا ملے اور بعد ازاں انہوں نے فوج کے قلب
کو جہاں یہہ خود موجود تھا خوب دبایا اور کئی دفعہ یہہ جان جوکھوں میں پڑا۔ چنانچہ ایک جنگی ہاتھی
تو اسکے ایسا قریب پہنچگیا کہ گویا آن ہی پڑتا تھا۔ اور اگر اورنگ زیب کا ایک بندوقچی جو
ساتھ کے ہاتھیوں کے ایک ہودے میں بیٹھا ہوا تھا اُسکے فیلبان کو گولی سے نہ اڑا دیتا
تو خدا جانے اورنگ زیب پر کیا گزرتی غرض اورنگ زیب اپنے استقلال سے
ہر خطرناک محل میں غالب آیا اور دشمنوں کے پانوں اُکھڑ گئے۔ اور ایک سو چودہ توپیں
اور بہت سے ہاتھی ہاتھ آئے۔ اور تا آب کھجوہ پر جہاں شجاع کا لشکر مقیم تھا جا کر ڈیرہ
کیا۔ اور اُسی روز محمد سلطان کو شجاع کے تعاقب میں روانہ کیا۔ اور پھر میر جملہ
کو "ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار" کا منصب دیکر اُسکی مدد کو بھیجا۔ اور خود آگرہ
ہوتا ہوا اجمیر کو چلا گیا۔ کیونکہ داراشکوہ گجرات سے اور مہاراجہ جسونت
اپنے وطن جودھپور سے بالاتفاق اجمیر پر چڑھکر آنے والے تھے۔
(ماخوذ از عالمگیرنامہ وغیرہ)

۳۴۳

میں بے حقیقت ہی سمجھتا ہے - چنانچہ وہ دیکھتا تھا کہ محمدّ سلطان کو
میری اطاعت ابھی سے ناگوار ہے - اور قلعہ آگرہ پر قابض ہوجانے
اور شاہجہاں کو قید کرلینے کی وجہ سے بڑی تعلّی کی لیتا ہے - اب رہا
میر جملہ سو اگرچہ وہ اسکی کمال دانائی اور سنجیدگی اور دلاوری کا قائل تھا
لیکن اسکے انہیں اوصاف سے ڈرتا بھی تھا - کیونکہ ایک تو دولتمندی کا
بہت ہی شہرہ تھا اسکے علاوہ تمام ہندوستان میں ایک ایسا دانا اور دوراندیش
اور کامل وزیر سمجھا جاتا تھا کہ مشکل سے مشکل معاملات کو اپنے حسن تدبیر سے

[illegible]

سے اپنے ہمراہ لے آیا تھا - اور اسوقت اُسکے لشکر کے دائیں پرہ کا سردار تھا - شجاع کو
یہہ خبر بھیجکر کہ اِدھر میں فساد اور شور و شر برپا کرتا ہوں اُدھر آپ آئیں اور اس تدبیر سے
اورنگ زیب کو تباہ کرڈالیں - بڑے بڑے راجپوت امیروں کو جو اس پرہ میں تھے
ساتھ لیکر میدان جنگ سے پیچھے کو نکل بھاگا - اور اوّل محمدّ سلطان کے کمپ کو جو
سرراہ تھا - اور بعد ازاں اور امیروں اور خود اورنگ زیب کے لشکرگاہ اور کارخانجات
شاہی کو خوب بیدھڑک لوٹتا ہوا چلا گیا - اس حادثہ سے ایک عجب پریشانی اور ابتری
پیدا ہوئی - اور بہت سے لوگ رات ہی کو شجاع سے جاملے مگر ابھی کچھ رات باقی تھی
کہ اورنگ زیب اس حال کی خبر پاکر تخت رواں پر سوار ہوکر کمال استقلال سے اپنی خیمہ
کے باہر آن کھڑا ہوا - اور ہنس ہنس کر اپنے رفیقوں اور امیروں کو اس طرح پر تسلّی دیتا رہا - کہ
خوب ہوا کہ ہمارا لشکر منافقوں کے خس و خاشاک سے پاک ہوگیا - اور اگرچہ اس اکہائی فساد
کے سبب سے نصف فوج رہگئی تھی - مگر بڑے استقلال سے باقیماندہ سپاہ کو از سر نو جا بجا جنگی
ترتیب سے پھر مامور کیا - اور اس غرض سے کہ فوج اسکو اور یہہ فوج کو دیکھتا رہے اپنے معمول کے
موافق صبح کو ایک بڑے ہاتھی پر سوار ہوکر اور شہزادہ محمدّ اعظم کو ساتھ بٹھا کر لڑائی کے
لیے نکلا - چنانچہ اوّل تو توپوں اور بانوں کی لڑائی شروع ہوئی - پھر دونوں لشکر باہم لپٹ
گئے - اور شجاع کے لشکر نے اسکی فوج کے دائیں بازو کو شکست دیکر ہٹا دیا جس سے

فوجیں بھیج رہے ہیں اور اُسکی طاقت بڑھتی جاتی ہے - اور یہہ بھی اطلاع پہنچی ہے کہ الہ آباد میں اپنے پاؤں جمانا چاہتا ہے تاکہ گنگا کے اس مشہور گھاٹ کو جو واقع میں صوبہ بنگالہ کا دروازہ سمجھا جاتا ہے ہاتھ سے نہ جانے دے بس اُسنے سوچا کہ صرف دو شخص اس قابل ہیں جو ان مشکلات میں مجھے مدد دے سکتے ہیں ایک محمد سلطان دوسرا میر جملہ - لیکن اسکے ساتھ ہی یہہ تردد بھی تھا کہ جو شخص کوئی نمایاں خدمت بجالاتا ہے تو اکثر ایسا اتفاق ہوجاتا ہے کہ خواہ اُسکو کیسا ہی صلہ کیوں نہ دیا جاے مگر وہ اُسے اپنی خدمت کے مقابلہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: میں جو الہ آباد کے رخ گنگا کے کنارے ایک جگہہ ہی جا پہنچا - اور اس عرصہ میں شجاع کے پاس کئی بانصایح آمیز خط اور پیغام بھیجے مگر جب اُسنے نہ مانا - اور الہ آباد سے بھی آگے کھجوا تک بڑھ آیا تو سترہویں ربیع الاول ۱۰۶۹ ایکہزار انہتر ہجری مطابق تیسری جنوری ۱۶۵۹ سولہ سو انسٹھ کو محمد سلطان کے لشکر سے کوڑہ میں جاملا - جو شجاع کے لشکر سے قریب چار کوس کے تھا - اور اُنیسویں ربیع الاول کو خیمہ گاہ اور کارخانجات شاہی کو اُسی جگہہ کھڑا چھوڑکر نوّے ہزار ۹۰۰۰۰ سواروں کے ساتھ لڑنے کو روانہ ہوا - اگرچہ طرفین سے لڑائی ہوتی رہی لیکن دور دور سے صرف توپوں کی تھی - اور جب شام کو لڑائی بند ہوئی تو شجاع نے یہہ غلطی کی کہ اُسکا توپخانہ جو اونچی جگہہ پر تھا - اور اس وجہ سے اچھا کام دیتا رہا تھا اپنے لشکرگاہ کے قریب بلا لیا اور میر جملہ نے موقع پاکر اُسکی جگہہ اپنی توپیں جا جمائیں - اور چونکہ شجاع کی سپاہ اور توپخانہ کے پیچھے ہٹ جانے سے اس طرف والوں کو شب خون کا اندیشہ ہوگیا تھا - اسلیئے اورنگ زیب پیچھے ہٹ کر اپنے لشکرگاہ کو گیا بلکہ اُسکی کُل فوج اور تمام امیر جس ترتیب سے میدان جنگ میں قائم تھے وہیں اُتر پڑے - اور حکم دیا گیا کہ گھوڑوں کے زین اور سپاہیوں کی کمریں اُسیطرح بندھی رہیں - علاوہ بریں ہشیار اور خبردار رہنے کے لیئے میر جملہ اُمرا اور سرداروں کو بہت تاکید کرتا پھرا - اور بعد نماز عشا جب اورنگ زیب اپنے مختصر سے خیمہ گاہ میں جو میدان جنگ ہی میں لگا دیا گیا تھا جاکر سو رہا - تو آخر شب کو ایک عجیب ہنگامہ برپا ہوا جس سے اُسکے لشکر پرا دن پہنچا - یعنی مہاراجہ جسونت سنگھ جسکی تقصیر معاف کرکے اورنگ زیب نے دہلی

اورنگ زیب کا محمّد سلطان اور میر جملہ کو سلطان شجاع کے تعاقب میں بھیجنا اور خود آگرہ کو لوٹ آنا۔

اورنگ زیب کو بھی جسونت سنگھ کی کرتوتوں کا بڑا کھٹکا تھا اور خیال تھا کہ آگرہ سے شورش کی کوئی جلد خبر آئیگی اسلیئے شجاع کا کچھہ زیادہ پیچھا نہ کیا اور مع کُل لشکر کے جلدی سے دارالسلطنت کی طرف کوچ کر دیا۔ مگر یہہ مشکل پیش آئی کہ اُسکو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ غنیم کے لشکر کا اس لڑائی میں کچھہ زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ بلکہ شجاع کی دولتمندی اور فیاضی کی شہرت کے باعث وہ سب راجے جنکی ریاستیں گنگا کے دونوں کناروں پر ہیں اُسکی مدد کے لیئے اپنی

نقل حاشیہ صفحہ گذشتہ: خط میں ملفوف کر کے جسمیں دارا شکوہ کی شکست اور تباہی اور اپنے قدیمی اتحاد کی یاد دہانی کے علاوہ یہہ چلتا ہوا فقرہ بھی درج تھا کہ بالفعل آپ اس طرح پر اپنے اُس نقصان کا تدارک کیجئے جو سلیمان شکوہ کے مقابلہ میں اُٹھا چکے ہیں۔ اور جب دارا شکوہ کے معاملہ سے فارغ ہو کر میں پنجاب سے واپس آؤنگا تو مُلک اور مال دونوں سے آپ کے ساتھ اور بھی رعایتیں کیجائینگی اُسکے پاس بھیجا جسکو لیکر وہ بہت ہی شکرگزار ہوا۔ مگر پٹنہ میں آکر جب دیکھا کہ اورنگ زیب دارا شکوہ کے پیچھے پنجاب کی طرف بہت دور نکل گیا ہے تو آگرہ پہنچنے اور سلطنت پر ہتّھہ مارنے کے قصد سے بنارس اور الہ آباد کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ اور چونکہ دارا شکوہ نے پنجاب کو بھاگنے سے پہلے بذریعہ خط و کتابت شجاع سے صُلح کر لی تھی۔ اور اورنگ زیب کی چال بگاڑنے کے لیئے پٹنہ سے الہ آباد تک اپنے تمام قلعداروں کے نام اُسکی اطاعت کرنے کے احکام بھیجدیئے تھے۔ اس سبب سے وہ بلا مزاحمت الہ آباد پر قابض ہو گیا۔ اِدھر اورنگ زیب کا یہہ حال تھا کہ دو طرف لڑائی ڈالنا مناسب نہ سمجھکر یہہ چاہتا تھا کہ کسی طرح شجاع لڑے بھڑے بغیر ہی واپس چلا جائے اور آگے نہ بڑھے۔ اسلیئے پنجاب سے جلد دلّی پہنچکر اوّل شاہزادہ محمّد سلطان کو آگرہ سے جو ابتک وہیں مامور تھا اُسکی راہ روکنے کو روانہ کیا۔ اور بعد ازاں موقع سے قریب رہنے کی خاطر شکار کھیلنے کا حیلہ کر کے خود بھی سو دن

سلطان شجاع کی شکست کے بعد جسونت سنگھ کا آگرہ میں سے گذر کر اپنے وطن کو جانا اور اورنگ زیب کی شکست کے گمان میں شائستہ خاں کا خودکشی کے لیئے تیار ہو جانا

جسونت سنگھ نے جب دیکھا کہ معاملہ بگڑ گیا تو لوٹ کا مال سمیٹ کر فی الفور اس ارادہ سے آگرہ کو چلدیا کہ وہاں سے اپنے وطن کو چلا جائے اور چونکہ آگرہ میں یہ افواہ اُڑگئی تھی کہ اورنگ زیب شکست کھا کر قید ہوگیا ہے اور شجاع مع فوج کثیر آگرہ کو آتا ہے اور یہانتک اس بات نے شہرت پکڑی تھی کہ شائستہ خاں نے بھی اسکو سچ جان لیا پس جسونت سنگھ کا شہر کے قریب پہنچ جانا سنکر جسکی دغابازیوں سے وہ خوب واقف تھا مایوسی کی حالت میں زہر کا پیالہ پیکر مر جانے پر آمادہ ہوگیا اور بیشک پی ہی لیتا اگر اُسکی ستورائیں اُسپر نہ آگرتیں اور پیالہ چھین کر نہ پھینک دیتیں اور لڑائی کے اصلی حال سے دو دن تک آگرہ والے اسقدر بے خبر تھے کہ اگر جسونت سنگھ ذرا جرأت کر کے لوگوں کو کچھ تو دھمکاتا اور کچھ بڑے بڑے وعدے دیکر آیندہ کی بہتری کا متوقع کرتا تو بے شبہ شاہجہاں کو قید سے چھڑا دیتا۔ لیکن معاملات کی حالت جو تھی وہ اُسکو معلوم ہی تھی اسلیئے آگرہ میں زیادہ ٹھہرنا یا ایسے بکھیڑوں میں پڑنا اُسنے مناسب نہ جانا اور صرف شہر میں سے ہوتا ہوا اپنے اصلی ارادہ کے موافق اپنے ملک کو چلا گیا۔*

---

* جب اورنگ زیب دارا شکوہ کو مغلوب کر کے شاہجہاں کو قابو میں لا چکا تو سب سے پہلے یہ کام کیا کہ شجاع کے ساتھ اپنا قدیمی حسن سلوک جتانے کو بادشاہ سے بڑی اصرار کے ساتھ اس مضمون کا فرمان حاصل کیا کہ صوبہ بنگالہ کے علاوہ صوبہ بہار بھی جسکا صرف شجاع نسبت خوش مند تھا اور اُسکے سلیمان شکوہ سے شکست کھانیکے بعد دارا شکوہ نے بادشاہ سے اپنے ہر کرا تھا شجاع کو دیا گیا اور اُسکو اپنے ایک نہایت معتبر آدمی کی معرفت

تعاقب نکرنا سخت غلطی ہے پس جلدی گھوڑے پر سوار ہوکر انکا پیچھا کیجیئے!

اور پھر دیکھ لیجیئے کہ ہندوستان کا تخت آپ کے قدموں کے نیچے ہے اور

آپ ہندوستان کے بادشاہ ہیں" چنانچہ اس حرکت سے جو حادثہ

دارا شکوہ کو پیش آیا تھا وہی شجاع کو پیش آیا یعنی جونہیں وہ فوج کی

نظر سے غائب ہوا اسکے دل میں شبہ گزر گیا کہ یا تو مارا گیا یا کہیں فریب سے

پکڑا گیا اور اسکی فوج فوراً ایسی بے انتظام اور تتر بتر ہوگئی کہ دوبارہ جمع

کرنا ناممکن تھا۔ ※

※ شاہجہان کی بیماری کی خبر پاکر جب شجاع نے بنگالہ سے فوج کشی کی تھی اُسوقت الہ ویردی خاں بہار کا صوبہ دار تھا۔ پس جب شجاع پٹنہ پہنچا اسنے بڑی بھڑک بغیر ہی اُسکی اطاعت کرلی اور اُسوقت سے یہہ اسکے پاس بجای وزیر کے تھا اور وہ اسکی اسقدر عزت کرتا تھا کہ ہمیشہ اسکو "خان بھائی" کہتا تھا عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ سنجر نامے اسکا بڑا بیٹا کھجوہ کی شکست کے بعد شجاع سے جدا ہوکر اورنگ زیب کے پاس حاضر ہوگیا تھا۔ اور جب اِن واقعات کے بعد شجاع نے میر جملہ اور محمد سلطان کے قریب پہنچ جانیکی وجہ سے مونگیر سے پیچھے راج محل کیطرف کوچ کردیا تو الہ ویردی خاں فوج مخالف میں آملنے کی نیت سے مونگیر میں ٹھہر گیا۔ اور بعض اور دو دو لوگ بھی اُسکے شامل ہوگئے۔ اور جونکہ ایسے بڑے سردار کے علحدہ ہوجانے سے نہایت اندیشہ تھا۔ اسلیئے شجاع واپس آکر مونگیر کے باہر اپنے باغ میں آن اُترا اور بعض سردار اور کچھ سپاہ الہ ویردی خاں کے حاضر کرنے کو جو مقابلہ کو آمادہ ہو بیٹھا تھا مامور کی جو ڈرا دھمکا کر اُسکو پکڑ لائے اور شجاع نے اُس کو مع سیف اللہ نامے اُس کے بیٹے کے تہ تیغ کرا دیا۔

پس اِن حالات پر خیال کرنے سے تعجب نہیں معلوم ہوتا کہ اسنے بھی ہاتھی سے اُتر پڑنے کی صلاح خیانت ہی سے دی ہو۔ س م ح

اور شجاع نے اس حالت کو غنیمت سمجھکر ایک بڑا سخت حملہ کیا اور اتفاقاً ایک تیر لگے
مہاوت کے مارے جانے سے اورنگ زیب کا ہاتھی ایسا بے قابو ہوگیا کہ وہ
گھبراکر اسپر سے اُترنا چاہتا تھا مگر میر جملہ نے جو نزدیک تھا اور جسکی جرأت اور
بہادریوں کو دیکھکر سب اہل فوج دنگ ہو رہے تھے پکار کر کہا " دکن کو! دکن کو!"
یعنی خیال کرو کہ دکن کہاں ہے اور کیا غضب کرتے ہو کیا اب بھاگ کر دکن
جاؤگے؟ اور اس بہادرانہ نصیحت سے اُسکو تباہ ہوتے ہوتے بچالیا۔
اگرچہ اورنگ زیب کی تباہی میں اسوقت کوئی دقیقہ باقی نرہا تھا اور اُسکی
حالت لاعلاج نظر آتی تھی بلکہ اُسکو خود اندیشہ تھا کہ اب کوئی دم میں دشمن کے
پنجہ میں پھنس جاؤنگا۔ مگر قسمت کا پھیر بھی ایک عجیب چیز ہے کہ بجاے اس فکر
وتردد کے یہہ تو فتحیاب ہوگیا اور جس طرح سموگڈھ کی لڑائی میں ایک ادنیٰ
حرکت کے باعث دارا شکوہ کو صرف جان لیکر میدان سے بھاگنا پڑا تھا شجاع
کو بھی وہی حادثہ پیش آیا یعنی یہہ بھی اورنگ زیب کی بھاگی ہوئی فوج پر زیادہ چستی
کے ساتھ حملہ کرنیکے لیئے اپنے ہاتھی سے اُتر پڑا اور اگرچہ یہہ تحقیق نہیں ہے کہ اسکو
بھی یہہ صلاح بدنیتی سے دیگئی تھی یا کہ خیرخواہی سے۔ مگر اسمیں شک نہیں ہے
کہ اللہ ویردی خاں نے جو اسکا ایک بڑا سردار تھا اسوقت بڑی ہی التجا سے
کہا کہ گھوڑے پر سوار ہو جائیے اور جو لفظ خلیل اللہ خاں نے سموگڈھ کی لڑائی
میں کہے تھے! اسکے لفظ بھی بعینہ ویسے ہی تھے یعنی دست بستہ ہوکر بڑی منت
سے یہہ کہا کہ " حضور! اس بڑے ہاتھی پر ایسی جان جوکھوں میں کیوں بیٹھے
ہو . . . فرماتے کہ دشمن بھاگے جاتے ہیں اور اب چستی سے اُن کا

قائم رہکر حملہ آوروں کو بڑے نقصان کے ساتھ پسپا کرتا رہا اور اُسکی اس تدبیر نے اَورنگ زیب کو نہایت ہی پریشان کیا -

شجاع کی اس تدبیر کا اصل مدعا یہہ تھا کہ اگر ہم بدستور اپنے مورچوں میں قائم رہکر لڑے جائینگے تو گرمی[۵۱] کے مارے تھوڑی دیر کے بعد اورنگ زیب خود ہی دریا کی طرف ہٹنے پر مجبور ہوگا اور اُسوقت ہمکو اسکی فوج کے پچھلے حصّہ پر حملہ کرنے کا موقع ملیگا - اَورنگ زیب بھی بھائی کی اِس حکمت کو خوب سمجھے ہوئے تھا اور اسلیئے وہ برابر آگے بڑھے جانے پر زور دے رہا تھا لیکن ایسے نازک وقت میں یہہ ناگہانی حادثہ پیش آیا کہ راجہ جَسونت سنگھ نے جو بظاہر بڑے خلوص کے ساتھ اُس سے آن ملا تھا اُسکی پچھلی فوج پر یکایک ایسا حملہ کر دیا کہ وہ سب شکست کھا کر بھاگ گئی اور اُسنے تمام خزانہ اور اسباب کو لوٹنا شروع کر دیا اور چونکہ یہہ خبر بہت جلد تمام لشکر میں پھیل گئی اسلیئے ایشیائی فوجوں کے دستور کے موافق اورنگ زیب کی سپاہ بہت ہی ہراساں اور بیدل ہوگئی اور اگرچہ اس سبب سے اورنگ زیب کے خطرات اور بھی زیادہ ہوگئے لیکن اُسکی مستقل مزاجی میں ذرا بھی فرق نہ آیا - اور چونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ اگر پیچھے ہٹا تو سب اُمیدیں خاک میں مل جائینگی اسلیئے اُسنے جس طرح کہ دارا شکوہ کے مقابلہ میں یہہ ٹھان لی تھی کہ خواہ کچھ ہی ہو میدان جنگ میں قائم رہکر نتیجہ کو دیکھنا چاہیئے اُسی طرح اب بھی جمے رہنے کا پکّا ارادہ کرلیا اور اگرچہ اُسکی فوج میں دمبدم پریشانی بڑھتی جاتی تھی

[۵۱] پانچویں جنوری ۱۶۵۹ء سولہ سو اُنسٹھ کو یہہ لڑائی ہوئی تھی جو عین جاڑے کا موسم تھا - پھر معلوم نہیں ہوتا کہ مصنف نے گرمی کا ذکر کیوں کیا ہے - شاید یہہ وجہ ہو کہ لڑائی لڑنے والوں کو پانی کی ضرورت ہر موسم میں ہوتی ہے - م ح

موجود ہونے ایک بڑے تالاب کے اچھا موقع تھا قائم کیا تھا اور اپنے
نزدیک اس بات کو مناسب سمجھا تھا کہ یہیں ٹھہر کر اورنگ زیب کے حملہ
کا انتظار کیا جائے۔ پس اورنگ زیب نے آکر اپنا لشکر دریا کی شاخ کر ایک
کنارے مخالف فوج سے ساڑھے چار میل کے فاصلہ پر قائم کیا۔ چنانچہ دونوں
لشکروں کے بیچ میں ایک بہت وسیع میدان تھا جسمیں دونوں طرف کی فوجیں
لڑائی کیوقت بخوبی دوڑ دھوپ کر سکتی تھیں۔ اور چونکہ اورنگ زیب یہہ چاہتا
کہ جسقدر جلد ممکن ہو لڑائی کا خاتمہ کیا جائے اسلیئے لشکرگاہ میں پہنچتے ہی بہیر
وغیرہ کو دریا کے اسی کنارے چھوڑکر خود حملہ کے ارادہ سے اُس پار جا اُترا اور اسکے
دوسرے دن لڑائی شروع ہونے سے پہلے صبح کیوقت میرجملہ بھی دولت آباد
سے آکر شامل ہو گیا تھا۔ کیونکہ دارا شکوہ کے بھاگ جانیکے بعد اسکے اہل و عیال
تو قید سے رہائی پاہی چکے تھے۔ اور اورنگ زیب کے مطلب کی خاطر اب خود
اُسکا بھی زیادہ قید رہنا کچھ ضرور نتھا۔ غرضکہ لڑائی بڑے جوش و خروش سے
شروع ہوئی اور اگرچہ اورنگ زیب کی فوج نے بیحد شجاعت اور سرگرمی سے
حملے کیئے لیکن شجاع اپنے موروچوں سے ہرگز آگے نہ بڑھا اور اپنی ہی جگہہ

کھجوہ — پانچ کوس کے فاصلہ پر اب ضلع فتحپور قسمت الہ آباد میں ہے۔ یہاں جمنا اور گنگا کا
ایک بہت ہی تنگ دوآبہ ہے اور یہہ سب مقامات اُسی میں ہیں۔ س م ع

سلہ دارا شکوہ کی شکست کے چند روز بعد میرجملہ کو اورنگ زیب کے احکام کے بموجب سلطان محمد معظم
نے جو اپنے باپ کی غیبت میں دکن کا منتظم تھا رہا کر دیا اور تمام اہل و عیال و اسباب واپس دیا تھا اور تب وہ جاندیس کی
سرحد سے آگے بڑھا ... اور جب ... میں ... اس لڑائی میں ... دارا شکوہ کی شکست سے ... شامل ... ہو گیا تھا
س م ع

اورنگ زیب کی تردد آمیز حالت اور سلطان شجاع کے ساتھ لڑائی اور راجہ جسونت سنگھ کی دغابازی اور شجاع کی شکست

اورنگ زیب کو جب یہہ خبر لگی کہ دارا شکوہ نے احمد آباد لیلیا تو وہ نہایت حیران اور مضطرب ہوا کیونکہ جانتا تھا کہ دارا شکوہ کے پاس روپیہ پیسہ ابھی بہت ہے اور ایسی جگہہ میں اگر اُسکے پانو جم گئے تو نہ صرف اُسکے متوسّل اور خیر خواہ بلکہ وہ لوگ بھی جو کسی سبب سے مجھ سے نارضامند ہیں سب کے سب ہندوستان کی تمام اطراف سے آن کر اُسکے پاس جمع ہو جائینگے اور اگرچہ اس بات کو خوب سمجھے ہوئے تھا کہ بذات خود جانا اور ایسے مقام سے اُسکے پانوں اُکھیڑ دینے ایک ضروری امر ہے لیکن اُسنے سوچا کہ شاہجہاں کو آگرہ میں پیچھے چھوڑ کر اسقدر دور چلے جانا اور اپنے لشکر کو ایسے صوبہ (راجپوتانہ) میں سے لیجانا جہاں جیسنگھ اور جسونت سنگھ جیسے بڑے بڑے راجاؤں کے علاقے ہیں کسی طرح مصلحت نہیں بلکہ محل خطر ہے اسکے علاوہ شجاع کی طرف سے بھی جو ایک بڑی فوج ساتھ لیے ہوئے جلد جلد بڑھا چلا آتا تھا اُسکو سخت تردد تھا اور سلیمان شکوہ کی طرف سے بھی کھٹکا تھا جو سری نگر کے راجہ کے اتفاق اور مدد سے مہم کی تیاریاں کر رہا تھا غرضکہ وہ اسوقت ایک بہت مشکل اور خطرناک حالت میں تھا۔ لیکن اُسنے سوچ سمجھکر سب سے بہتر تجویز یہہ ٹھہرائی کہ سردست دارا شکوہ اور شاہنواز خان کے معاملہ کو بحال خود چھوڑ کر شجاع کی خبر لینی چاہیئے جو الہ آباد کی طرف دریائے گنگا کے وار اُتر آیا تھا۔ سلطان شجاع نے اپنا کمپ موضع کھجوہ* میں جو بسبب

* فارسی تاریخوں میں اسجگہہ کا نام کھجوہ کا تالاب لکھا ہے جو قصبہ کوڑا اور جہان آباد سے

گئے اور شاہ نواز خاں بڑی تعظیم و تکریم اور نہایت ادب سے پیش آیا[۵۱] اور معلوم
ہوتا ہے کہ اُسنے اسکی اسقدر خاطرداری اور تعظیم و تکریم کی کہ اُسنے اسکو اپنا خیرخواہ
اور طرفدار سمجھ لیا اور اگرچہ لوگوں نے اسکی خیانت سے آگاہ کر دیا تھا لیکن شہزادہ
نے دھوکہ میں آکر بے احتیاطی سے بھروسہ کر لیا اور اپنے تمام منصوبے اور ارادے
اور راز اس سے ظاہر کر دیئے اور جسونت سنگہ اور اور خیرخواہ لوگ جو
سپاہ جمع کر کے مدد کی طیاریاں کر رہے تھے اُن کے خط وغیرہ سب اسکو دکھا دیئے

بقیہ — دارا شکوہ کے تعاقب میں لاہور کو جاتے تھے بھیجے گئے تھے۔ س-م-ح

---

۵۱ شاہ نواز خاں جسکا نام میرزا بدیع الزمان تھا ایران کے بادشاہ شاہ سلیمان صفوی
کی اولاد سے تھا اور اسکا باپ میرزا رستم جو بہت خوش سلیقہ و شاعر شہزادہ تھا قندھار
سے آکر شاہ جہان کا ملازم ہو گیا تھا۔ اور شرافت اور علو خاندان کی وجہ سے شاہجہان نے
اپنے بیٹے سلطان شجاع کی شادی اسکی بیٹی اور اورنگ زیب اور مراد بخش کی
شادی اسکی دو پوتیوں یعنی شاہ نواز خاں کی بیٹیوں سے کر دی۔ چنانچہ اورنگ زیب
کا تیسرا بیٹا محمد اعظم اور مشہور و معروف بیٹی زیب النسا بیگم اسی بیگم سے تھی جسکا
نام دلرس بانو بیگم تھا بس مصنف کی یہ غلطی ہے کہ اسکو سلاطین مسقط کے خاندان
میں سے بتایا ہے۔ کیونکہ خاندان صفوی کا مسقط سے کچھ تعلق نہ تھا بلکہ اسکا نشو و نما
اردبیل سے ہوا جو ایک ایران کا ایک مشہور شہر ہے اور اپنے بزرگ شاہ صفی
کے نام کی نسبت سے جو زمرہ کا مستند اور صوفی مشرب تھا صفوی مشہور ہوا۔ اور مستوفی
کی فارسی تاریخوں میں اُسکے داراشکوہ سے مل جانیکی بھی اصل وجہ یہ لکھی ہے کہ جب اورنگ زیب
دکن سے چڑھائی کرکے برہانپور سے آگرہ کیطرف چلنے کو تھا تو شاہنواز خان نے خیال کر کے کہ خدا جانے
انجام میں جسکا کیا ہو اسکی رفاقت سے بچنا چاہتا تھا۔ ۱۰۶۹ ہجری اورنگ زیب نے ناراض ہو کر قلعہ برہانپور میں قید کر دیا تھا
کہ جب ۱۰۶۸ھ کی لڑائی میں داراشکوہ نے فتح پائی تو قید سے چھوڑ کر گجرات کا صوبہ دیدیا۔ مگر وہ یہی سمجھتا تھا کہ میری ترقی ممکن نہیں تھا۔
اور یہ بھی کہا کہ فوج میں کوئی ایسا نہیں جو زیادہ تر جب تک داراشکوہ کا مقابلہ کر سکتا۔ س م ح

کو تشریف لیجایئے اور اچھا خدا حافظ ۔ *

داراشکوہ کا قلعہ ٹھٹہ کی حفاظت کیواسطے کچھ پٹھانوں اور فرنگیوں کو چھوڑکر کچھ کی راہ سے گجرات میں جا داخل ہونا اور وہاں کے صوبہ دار شاہنواز خاں کا باطاعت پیش آنا۔

جب داراشکوہ ٹھٹھہ میں پہنچا تو اُسنے ایک خواجہ سرا کو جو دانشمندی اور شجاعت دونوں میں مشہور تھا وہاں کا قلعہ دار بنایا اور بہت سے پٹھان اور پرتگیز اور انگریز اور فرانسیس اور ملک جرمنی کے رہنے والے فرنگی توپخانہ میں نوکر رکھ لیئے اور اُن سے وعدہ کیا کہ اگر ہم بادشاہ ہو جائینگے تو تمکو امارت کے درجے دیئے جائینگے ۔ اور اس طرح پر قلعہ کا بندوبست کرکے اپنا خزانہ وہاں چھوڑ دیا ۔ کیونکہ ابتک اُسکے پاس اشرفی اور روپیہ بہت تھا اور تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ دریاے سندھ کے کنارے کنارے شان و شوکت سے کوچ کرتا ہوا راجہ کچھ کی عملداری سے گزر کر گجرات میں پہنچگیا اور احمد آباد کے باہر جا ڈیرہ کیا ۔ یہاں کا صوبہ دار شاہ نواز خاں جو اورنگ زیب کا خسر تھا اگرچہ مسقط کے سلاطین سابق کے خاندان سے تھا اور بہت مہذب اور نہایت ذی لیاقت شخص تھا مگر سپاہی منش نہ تھا بلکہ عیش دوست تھا ۔ پس اگرچہ احمد آباد میں شاہی فوج بتعداد کثیر موجود تھی اور خوب مقابلہ کرسکتی تھی لیکن اسکی کم ہمتی یا داراشکوہ کے ناگہاں آ پہنچنے سے شہر کے دروازے کھولدیئے

* خدا جانے مصنف نے یہہ کیا بے سروپا قصہ لکھدیا ہے کیونکہ عالمگیرنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان شکوہ کی رفاقت چھوڑکر اوّل دلیر خاں متھرا کے قریب بمقام سلیم پور اور پھر چار پانچ روز بعد راجہ جی سنگہ خاص متھرا میں اورنگزیب کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا بلکہ ستلج سے عبور کرنیکے بعد یہہ دونوں سردار دیدار بہادر خاں اور خلیل اللہ خاں کی مدد کے لیئے جو اورنگزیب کی سپاہ خاص کے آگے آگے

کو تھوڑی ہی دیر پہلے خبر لگ چکی تھی اور وہ اُسکے موافق یقین کیے ہوئے تھا
کہ راجہ دہلی میں ہے مگر اُسنے ایسی عجیب سُرعت سے ایسی بعید مسافت
طے کی کہ لاہور اور مُلتان کے راستہ میں آملا۔لیکن اورنگ زیب کی
ہوشیاری اور متانت نے اُسے اس بڑی جوکھوں سے بچالیا۔ چنانچہ
اُسنے مطلق کچھ خوف و اضطراب ظاہر نکیا بلکہ یہہ دکھانے کو کہ اُسکا آنا اسکی بڑی
ہی خوشی کا باعث ہے گھوڑا دوڑاکر نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ ہاتھ سے
جلد آئیے! جلد آئیے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھا اور پکار کر کہا "سلامت باشید
راجہ جی سلامت باشید باباجی!" اور جب دونوں ذرا نزدیک پہنچے تو پھر کہا خوش
آمدید! خوش آمدید- میں بیان نہیں کرسکتا کہ مجھے آپکے آنیکا کسقدر انتظار تھا-!
بہت ہی خوب ہوا کہ آپ آگئے گو لڑائی ختم ہوگئی اور دارا شکوہ تباہ وبرباد
خاک چھانتا پھرتا ہے اور مینے میر بابا کو اُسکے پیچھے بھیجدیا ہے اور اغلب ہے
کہ جلد گرفتار ہوجائیگا- اور نہایت مہربانی اور التفات کے اظہار کی غرض سے
موتیوں کی مالا جو پہنے ہوئے تھا اُتار کر راجہ کے گلے میں ڈالدی اور کہا کہ
ہماری فوج بہت تھکی ہوئی ہے اسلیئے آپکو بہت جلد لاہور پہنچ جانا چاہیئے
مبادا وہاں کچھ بے انتظامی اور شورش ہوجائے اور مَیں آپکو لاہور کا صوبہ دار
مقرر کرتا ہوں اور کل اختیار نظم ونسق دیتا ہوں اور مَیں بھی جلد آپکے پاس پہنچتا ہوں
لیکن رخصت کرنے سے پہلے مجھکو واجب ہے کہ سلیمان شکوہ کے معاملہ میں
جو آپ نے کارگزاری کی ہے اُسکا شکریہ ادا کردوں- مگر آپ نے دلیرخان
کو [illegible] پڑا؟ مَیں اُس کو خوب سزا دونگا اور آپ جلدی لاہور

اُسکو یہہ خدشہ ہوا کہ مبادا جسونت سنگھ یا جے سنگھ سا کوئی زبردست راجہ شاہجہاں کو قید سے چھڑا دے یا سرینگر کے راجہ کی مدد سے سلیمان شکوہ سیلاب کی طرح پہاڑوں سے یکایک اُتر آئے یا موقع دیکھکر سلطان شجاع ہی پھر آگرہ کی طرف چڑھائی کر دے۔

اس سفر کے متعلق اورنگ زیب کے استقلال طبع اور حسن تدبیر کی ایک مثال۔

اب میں ایک مختصر سے واقعہ کا جو اورنگ زیب کو اسی سفر میں پیش آیا تھا ذکر کرتا ہوں جس سے اس کتاب کے پڑھنے والے یہہ اندازہ کر سکینگے کہ وہ کسی ناگہانی مشکل کے پیش آجانے پر کیسی چستی سے اسکا فی الفور انتظام کر لینے کی لیاقت رکھتا تھا یعنی ملتان سے واپسی کے وقت جبکہ وہ اپنی معمولی سُرعت کے ساتھ کوچ کرتا چلا آتا تھا راجہ جے سنگھ کو چار پانچ ہزار جرّار راجپوتوں کو اپنی طرف لیئے آتا دیکھکر حیرت میں آگیا۔ یہہ اسوقت حسب معمول تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ اپنی فوج سے آگے تھا اور راجہ کو شاہجہاں کے ساتھ جو مضبوط تعلق تھا وہ اس سے مخفی نہ تھا۔ پس بآسانی خیال میں آسکتا ہے کہ اُسنے اپنے کو سخت خطر کی حالت میں پایا اور طبعاً اُسکو یہہ ہی اندیشہ پیدا ہونا چاہیئے تھا کہ جے سنگھ اپنے محترم آقا کے اس قید بیجا کی تکلیف سے جھٹ پٹ چھڑا لینے اور ایسے بیرحم اور ناخلف فرزند کے سزا دینے کے اس عمدہ موقع کو جسکے ہاتھ سے اُسپر بلا وجہ ظلم وستم ہوا ہرگز ہاتھ سے نجانے دیگا اور یہہ قیاس کیا جاتا ہے کہ فی الواقع راجہ کا آنا صرف اسی ارادہ سے تھا کہ اورنگ زیب کو گرفتار کرے اور اس رائے کے قرار دیئے جانے کی وجہ یہہ تھی کہ اورنگ زیب

میں بہانا غیر ضروری خیال کیا اور سات آٹھ ہزار سپاہیوں کے ساتھ اپنے کوکہ میر بابا (شیخ میر) کو داراشکوہ کی نقل و حرکت کی دیکھ بھال کے لیے مامور کر دیا اور اس اندیشہ سے کہ نہ معلوم پیچھے کیا کیا فتنہ برپا ہو جائیں ویسی ہی جلدی سے جیسی کہ داراشکوہ کے تعاقب میں کی تھی آگرہ کو لوٹ آیا۔ لہ

لہ ان واقعات کو جس طرح عالمگیرنامہ میں لکھا ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ اورنگ زیب نے اپنے روانہ ہونے سے پہلے خلیل اللہ خان اور بہادر خان کو داراشکوہ کے تعاقب میں روانہ کر دیا تھا۔ متھرا سے دلی پہنچ کر باغ اعز آباد متصل شہر دلی سے ذیقعدہ کی ساتویں ۱۰۶۸ھ مطابق ۲۷ جولائی ۱۶۵۸ء اور بعض اوقات مشہور امراد (بہادروں) کے پنجاب کو خود روانہ ہوا۔ داراشکوہ نے کرنال انبالہ کے معمولی راستہ سے تلونڈی کے گھاٹ جو اس زمانہ میں پھلور کی طرح ستلج کا مشہور گھاٹ تھا عبور کر کے تعاقب کرنے والوں کے روکنے کو بڑی چوکی کا بندوبست کر دیا تھا کہ اسکا نامی سردار داؤد خان تبتی تلونڈی کے اس پار اور اسی طرح پیچھے شکوہ بیاس کے دوسرے کنارے کچھ عرصہ تک ٹھہر کر کشتیوں کو جلوا کر اور غرق کرا کر بعد ان لاہور میں شامل ہو جائیں۔ جب اورنگ زیب کو کرنال کے مقام خلیل اللہ خان کی عرضی سے یہ حال معلوم ہوا تو وہاں سے روانہ ہو کر ہو بیا اور کشتیوں کی قلت کی وجہ سے کئی دن میں لشکر کو ستلج سے پار اتار کر ما چھی واڑہ۔ راہوں۔ گدہ شنکر کو ہوتا ہوا گوبند وال کے گھاٹ دریائے بیاس سے بھی پار ہو گیا۔ اور چھبیسویں ذی الحجہ کو قصور جا پہنچا۔ چونکہ داراشکوہ لاہور کو ملتان کو بھاگ گیا تھا۔ اور وہ سردار جو تعاقب میں امور تھے کچھ سستی کرنے لگ گئے تھے۔ اپنے "یلغار" کے طور پر یعنی بہت کڑے دھاوا بلا توقف کوچ کرتا ہوا ملتان کو روانہ ہوا اور ستائیسویں محرم کو جبکہ داراشکوہ ملتان سے سندھ کی طرف بھاگ نکلا تھا۔ ملتان جا پہنچا اور وہاں سے اول صف شکن خاں کو چند سرداروں کے اور بعد ازاں یہ خیال کر کے ابھی داراشکوہ کے پاس آدمی تھوڑا سا سوار اور ایک اچھا خزانہ اور بہت سا مال و دولت موجود تھا۔ شیخ میر کو بھی جو اورنگ زیب کے نہایت معتمد ہونے کے علاوہ شہزادہ صاحب کے برادر شجاع امیر سمجھا جاتا تھا اور جسکو منوچی آنر میر بابا کہتا ہے مدد کے لئے خود واپس ہو بیٹھا اور معمولی منزلیں کرتا ہوا چوتھی ربیع الاول ۱۰۶۹ھ کو دلی پہنچ گیا۔ جس جلد بازی اور جفاکشی کی منوچی آنر نے تعریف کی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے اس "یلغار" سے مراد ہے جو ملتان سے قصور سے کی تھی۔ س م ع

صلاح کیوں نہ مانی۔ کیونکہ مہابت خاں جو اُمراے ہندوستان میں ایک بڑا پُرانا اور زبردست امیر تھا اور جسکی اورنگ زیب کے ساتھ ہمیشہ سے اَن بَن چلی آتی تھی وہاں کا صوبہ دار تھا۔ اور افغانوں اور اُزبکوں اور ایرانیوں کے مقابلہ کے لیئے دس ہزار سے زیادہ فوج موجود تھی۔ اور چونکہ اُسکے پاس روپیہ بہتیرا تھا۔ یہہ تمام فوج اور خود مہابت خاں بخوشی مدد دینے کو تیار ہوجاتا اور اِن فواید کے علاوہ سرحدِ ایران اور مُلک اُزبک سے بھی نزدیک ہوجاتا۔ اور اغلب تھا کہ وہاں کے فرمانروا بہت کچھ مدد دے سکتے اور اُسکو یاد کرنا چاہیئے تھا کہ ہمایوں نے باوجود شیرخاں کی مخالفت کے جو پٹھان قوم کا بادشاہ تھا۔ اور جسنے اُسے ہندوستان سے نکال دیا تھا۔ ایرانیوں ہی کی مدد سے پھر اپنی سلطنت حاصل کرلی تھی* لیکن بدنصیب داراشکوہ کی قسمت میں ہمیشہ یہی لکھا ہوا تھا کہ خواہ کیسی ہی نیک صلاح اُسکو دیجاتی وہ اُسپر التفات ہی نکرتا تھا۔ چنانچہ اَب بھی اُسنے ایسا ہی کیا کہ کابل کی عوض سندھ کو چلا گیا اور قلعہ ٹھٹھہ میں جاکر پناہ لی جو دریاے سندھ کے وسط میں ایک مشہور مستحکم مقام ہے۔

جب اورنگ زیب کو معلوم ہوگیا کہ داراشکوہ کا ارادہ کابل جانیکا نہیں ہے اور اطمینان ہوگیا کہ اَب معاملہ چنداں مشکل نہیں تو خود اُسکے تعاقب

---

* شیرشاہ سے ہمایوں کا شکستیں کھاکر ہند سے ایران جانا اور شاہ طہماسپ صفوی فرمانرواے ایران کی امداد سے پھر ہند کو آنا۔ اور دوبارہ متسلط ہونا نہایت مشہور واقعہ ہے۔ (س م ح)

اورنگ زیب کا دارا شکوہ کے تعاقب میں لاہور اور ملتان جانا

اب بجز شہباز خواجہ سرا کے جسکے ساتھ اورنگ زیب کو کسیقدر دقت اٹھانی پڑی مراد بخش کے ہمراہیوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جسنے اورنگ زیب کی ملازمت اور اطاعت قبول نکرلی ہو۔ بس اسکی فوج کو بھی اپنی سپاہ میں شامل کرکے دارا شکوہ کے تعاقب میں جونہایت جلدی کے ساتھ لاہور کو بھاگا جارہا تھا روانہ ہوا۔ کیونکہ دارا شکوہ کا یہ ارادہ تھا کہ اس شہر کی مورچہ بندی کرکے اپنے رفیقوں اور خیر خواہوں کو وہاں جمع کرے۔ لیکن اسکا یہ مستعد دشمن ایسی پھرتی سے پیچھے لگا چلا آتا تھا کہ اسکے مستحکم کرنے کی مہلت نملی اور اُسنے وہاں سے ملتان کا راستہ لیا۔ مگر اورنگ زیب کے مستعدانہ تعاقب نے وہاں بھی بانو جمنے نہ دیے اورنگ زیب جس پھرتی اور چالاکی سے اس مہم میں کام کرتا تھا اُسکی کچھ تعریف نہیں ہوسکتی۔ یعنی اگرچہ موسم نہایت گرم تھا لیکن اُسکی فوج رات دن برابر کوچ کرتی تھی اور وہ خود سپاہ کی جرأت اور ہمت بڑھانیکے لیئے صرف چند آدمیوں کے ساتھ اکثر چار پانچ کوس فوج سے آگے رہتا تھا اور ایک ادنی سپاہی کی مانند بُرے بھلے پانی اور روکھی سوکھی روٹی پر قناعت کرکے رات کو پلنگ اور امیرانہ فرش فروش کے بغیر صرف زمین پر بستر جا کر لیٹ رہتا تھا۔

دارا شکوہ کا ملک ٹھٹھہ میں جاکر پناہ لینا اور اورنگ زیب کا مطمئن ہوکر دار السلطنت کو لوٹ آنا

ہندوستان کے دانا لوگوں کی یہ رائے ہے کہ دارا شکوہ کو لاہور سے کابل جانا مناسب تھا لیکن اُسکے خیر خواہوں نے منع اسکو وہاں جانیکے لیئے کہا مگر یہ معاکسی پر نہ کھلا کہ اُسنے ایسی دانشمندانہ

منتظر تھے فوراً خوابگاہ میں آن گھسے" اُن کے پاؤں کی آہٹ اور شیخ میر کی ڈھال کے اتفاقاً کھڑک جانیکی آواز سے جو آنکھ کھلی تو عجیب صحبت دیکھی متحیر ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا - اور جب ہتھیاروں کا پتہ نہ پایا تو اب سمجھا کہ معاملہ کیا ہے پس ناامیدی سے ٹھنڈی سانس بھر کر بولا کہ " آخر با ہمچو منے درست اخلاص عاف باطن چنیں کردید - وحق عہد وپیمان درست کہ قران مجید ضامن طرفین بود چنیں بجا آوردید" جسکو حضرت اورنگ زیب نے پردہ کے پیچھے سے فرمایا کہ " برادر عزیز جو کہ تم سے اندنوں میں کچھ ایسی باتیں سرزد ہوئیں جن سے فتنہ و فساد اور خلقت اور ملک کی بربادی کا گمان ہوتا تھا اور چند احمق اور شریر لوگوں کے بہکانے سے جو تمہارے گرد و پیش جمع تھے تمہاری دماغ میں کچھ ایسا غرور اور نخوت سما گئی تھی کہ عقلمند اور سمجھدار لوگوں کو ملک کے امن و امان میں خلل پڑنے اور سلطنت کے انتظام میں فتور آجانیکا یقین ہو گیا اسلیئے تمہاری مزاج کی اصلاح اور ملک و سلطنت کی مصلحت کے لیئے کچھ دنوں تمکو گوشۂ عافیت میں بٹھانا اور زمانہ کی کشمکش سے چھڑانا لازم ہوا ورنہ خدانخواستہ کوئی ایسا امر کہ جو آپکی پیاری جان کے اندیشہ کا باعث ہو ہمارے دل میں نہیں ہے اور خدا کا شکر ہے کہ اُس عہد و پیمان میں جو آپکے ساتھ کیا گیا ہے کسی طرح کا خلل و فتور نہیں آیا - اور تمہاری جان عزیز خدا کی حفظ و حمایت میں ہے بس مقتضائے عقل یہی ہے کہ اِسکو اپنے لیئے موجب بہتری سمجھکر حزن و ملال کو طبیعت میں جگہہ نہ دیجیئے ؏ در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست"

غرضکہ یہہ بیچارہ سیدھا سادا شہزادہ متھرا کے مقام شوال کی چوتھی ۱۰۶۸؁ ایکہزار اڑسٹھ ہجری کو اپنے مکار بھائی کے دام تزویر میں پھنس گیا - اور اُسی وقت دلیرخاں اور شیخ میر کی حفاظت میں ہاتھی پر بٹھا کر شاہجہان آباد کو ایسی جلدی اور سرعت کے ساتھ چلتا کیا کہ اُسکی فوج کو جو قریب بیس ہزار سوار جرار کے تھی اُس روز مطلقاً خبر نہوئی - اور صرف اُسوقت معلوم ہوا کہ جب موقع ہاتھ سے جاتا رہا - اور یہہ قصہ مشہور عام ہو گیا - پس بناچاری فوج نے بھی اورنگ زیب کی اطاعت اور نوکری قبول کر لی اور اُسکے بعض ملازم جو ساتھ آئے تھے مثل شہباز خاں خواجہ سرا کے جو پنجہزاری کا منصب رکھتا تھا - اور دو تین اور سردار وہ بھی اُسیوقت گرفتار کر لیئے گئے - فقط

کرنل ڈو صاحب کی منقولہ بالا تحریر میں اکثر باتیں تو صریحاً غلط ہیں مگر کہانیکے وقت جلد غافل کرنے کے لیئے شراب پلانے اور خوابگاہ میں کسی عورت کے پہنچا دینے کا مضمون خواہ وہ زنڈی ہو یا لونڈی قریب القیاس اور صحیح معلوم ہوتا ہے - کیونکہ شراب کے بغیر اُسکو جلد غافل بنانا مشکل تھا - اور کسی عورت کے بغیر اُس کے مصاحب اور خدمتگار بلا اندیشہ بدگمانی الگ کر کے باہر نہیں بھیجے جا سکتے تھے -

س م ح

زیادہ گزر گیا ہے پس اگر تشریف لائیں تو ملاقات کی خوشی کے علاوہ امر مرجوعہ کی
درستی کی تدبیر بھی ہو جاوے مُراد بخش سادہ لوحی سے اسکے اِن فقروں کو
سچ مانکر ملاقات کرنے پر رضامند تو ہو ہی گیا تھا پس علی الصباح سیر و شکار کے ارادہ سے
جب باہر گیا تو واپس آتے ہوئے نورالدین نامے اُسی کا ایک ملازم خاص ! جو
اورنگ زیب سے گٹھا ہوا تھا ! سامنے سے گھوڑا دوڑاے آیا ! اور عرض کیا کہ اورنگ زیب
کے پیٹ میں یکایک سخت درد پیدا ہو گیا ہے ! اور وہ بستر پر پڑا لوٹ رہا ہے ! اور محبت
کے سبب سے بار بار آپکو یاد کرتا ہے ! پس ایسی حالت میں اب تو بہت جلد اُسکے پاس تشریف
لیجانا ہی مناسب ہے ! مراد بخش جو بیچارہ ایک سیدھا سادا اور مکر و فریب سے محض
ناآشنا تھا اسکے قول کو سچ سمجھ کر وہیں سے اورنگ زیب کے لشکر کی طرف چل پڑا - اور
بھیڑی سواری صرف چند خدمتگاروں اور خاص خاص لوگوں کے ساتھ گھوڑا دوڑائے بپائے
خود بگور آمد کا مصداق بنگیا - اور اورنگ زیب کے چالاک ملازم جو منصوبے سے واقف تھے
نہایت اچھی طرح استقبال کر کے اُسکے خیام خاص میں (جو کئی ڈیوڑھیوں کے اندر محلسرا کے
قریب بیماری کا بہانہ بنائے پڑا تھا) لیگئے - اور جگہ کی تنگی کے عذر سے اُسکے ملازموں کو
باہر ٹھہرا گئے - اور اندر پہنچنے پر خود اورنگ زیب نہایت ہی شوق و اشتیاق اور تعظیم و
احترام سے پیش آیا - اور حد سے زیادہ مسرت اور خوشدلی کا اظہار کیا - کیونکہ ستموگڈھ کی لڑائی
کے بعد اس تمام عرصہ میں مراد بخش کا اُسکے پاس آنا نہیں ہوا تھا - غرض کہ بہت سے تکلفات
کے بعد اپنی خلوت گاہ خاص میں بیٹھے اور بھی زیادہ دور لیگیا - اور کہا کہ اب تو حاضری تناول
فرمانے کا وقت ہو گیا ہے اول کچھ ماحضر نوش فرماکر ذرا قیلولہ اور استراحت فرمائیے اور قیلولہ سے
فارغ ہو کر معاملات سلطنت میں فراغ خاطر سے گفتگو اور مشورہ کیا جاویگا - چنانچہ مراد بخش کچھ کھا کہا
پلنگ پر لیٹ گیا اور اورنگ زیب بھی اب یہ دیکھکر کہ سب کام ٹھیک ہو گیا استراحت کی
بہانہ سے حرم سرا کو چلا گیا - اور اورنگ زیب کے خدمتگار مراد بخش کی چپی وغیرہ کرنے
لگے - اور اورنگ زیب کا جو اس تمام تدبیر سے یہ مدعا تھا کہ مراد بخش اپنے ہتھیار کھول ڈالے
وہ پورا ہو گیا - یعنی اُس بیوقوف نے نہایت بے تکلفی سے ہتھیار بھی کھول کر رکھدیئے اور اپنے
نصیب کیطرح سو گیا - جوں ہی مراد بخش کی ذرا آنکھ لگی اورنگ زیب کے اشارہ سے خدمتگار تو باہر چلے گئے
اور ایک لونڈی اندر جا کر اُسکی تلوار و ہتھیار اُٹھا کر لیگئی اور شیخ میر اور بعض اور لوگ جو اسی امر کے

میں خرچ کیجیے۔ اور جیسا کہ آپ کے ساتھ قرار پاچکا ہے کہ تیسرا حصہ خزانہ اور لوٹ کا آپکو دیا جائیگا وہ بھی جلد پہنچ جائیگا۔ اور خدا نے چاہا تو بعد اتمام مہم داراشکوہ کے ملک پنجاب اور کابل اور کشمیر اور ملتان بیشک آپکو ملے گا۔ پس اس معاملہ کی طرف سے مطمئن رہیے اور جلد تشریف لائیے۔ تاکہ بالاتفاق اس مہم عظیم کو جو درپیش ہے حسب دلخواہ انجام کو پہنچایا جاوے۔ اور جب تک داراشکوہ کا معاملہ درمیان ہے اس تکرار کا موقع نہیں ہے۔ خلاصہ یہہ کہ مراد بخش دم میں آکر آگرہ سے سوار ہو آیا مگر اب بھی اورنگ زیب کے لشکر سے ایک کوس پیچھے ڈیرہ کیا اور اسی طرح آگے پیچھے اترتے ہوے جب متھرا پہنچے تو اس سے بھی کچھ زیادہ فاصلہ پر قیام کیا۔

پس اُسکے ان اوضاع واطوار کو دیکھکر یہہ صلاح ٹھہری کہ مراد بخش کو قید کرلینا چاہیئے۔ چنانچہ پہلے تو طرح طرح کے لالچ اور وعدے دیکر اُسکی مقربوں اور بڑے بڑے امیروں کو گانٹھ لیا اور پھر مشورہ اور صلاح کے بہانہ سے مراد بخش کو اپنے ہاں بلانا چاہا مگر وہ اپنے بعض خیراندیش اور ہواخواہوں کے منع کرنے سے کچھ بہانہ بناکر اُس روز نہ آیا۔ چونکہ اورنگ زیب اُسکا کھٹکا مٹانے میں زیادہ دیر لگانا مناسب نہیں جانتا تھا اسلیئے متھرا میں (کہ جہاں حسن اتفاق سے عید الفطر کا بنا بنایا عمدہ حیلہ بھی موجود تھا) مقام کر دیا اور اسکے پھسلانے کی غرض سے کبھی تو نہایت ہی شوق ملاقات ظاہر کیا جاتا تھا اور کبھی معاملات ملکی میں صلاح مشورہ کا حیلہ پیش کیا جاتا تھا۔ غرضکہ جب مراد بخش اپنی صاف دلی سے جانے کو تیار ہوا تو اُسکے ہواخواہوں اور خیراندیشوں نے جو اس فریب کی بھنک پاچکے تھے پھر روکا اور کہا کہ ہمکو اورنگ زیب کی طرف سے نہایت کھٹکا ہے ایسا نہو کہ دغا کرے اور پھر پچھتانا کچھ کام نہ آے۔ مگر بدقسمتی سے مراد بخش نے اُنکی بات پر یقین نہ کیا بلکہ یہہ جواب دیا کہ " این محض واہمہ است کہ بر طبیعت شما غالب گشتہ وباوجود عہد وپیمان موکد بہ غلاظ ایمان ازاں حضرت (اورنگ زیب) این واہمہ ہارا بخاطر راہ دن از طریقہ مسلمانی نباشد " مختصر یہہ کہ وہ دن بھی یوں ہی گزر گیا۔ اور اورنگ زیب نے اسمعاملہ کو ادھورا چھوڑکر آگے کو کوچ کرنا کسی طرح سے مناسب نہ جانا۔ اور ہر روز کئی کئی دفعہ یہہ کہکر بھیجتا رہا کہ چونکہ بڑے بڑے معاملات درپیش ہیں اور بغیر آپکی صلاح ومشورہ کے آگے کو کوچ نہیں کیا جاسکتا۔ اور آپ کے تشریف لانیکا انتظار حد سے

شرکت کے شہر آگرہ (یعنی دار السلطنت) پر خاص اپنا قبضہ کرے اسلئے اس بہانہ سے کہ اہل شہر اس ہنگامہ اور شور و شر کے باعث بہت خوف زدہ ہو رہے ہیں اور مراد بخش کی سپاہ کے لوگ اپنے آقا کی بے پروائی کے سبب سے براہ خودسری برخلاف حکم شہر میں داخل ہوکر دست درازیاں اور بے اعتدالیاں کرتے ہیں رعایا کی تسلی اور انتظام کا حیلہ بنا کر اپنے بیٹے محمد سلطان کو مع اپنی سپاہ کے شہر میں بھیجکر اپنا عمل دخل کرلیا اور جب بادشاہ کے قید کر لینے کے بعد بڑی شان و شوکت کے ساتھ شہر میں خود داخل ہوا تو اس روز بھی مراد بخش کو اس حیلہ سے کہ آپ کے زخم ابھی آسے ہیں! سواری وغیرہ کی حرکت مناسب نہیں! وہیں باغ نور منزل میں پڑا رہنے دیا! اور خود داراشکوہ کی حویلی میں (جو ولیعہد سلطنت اور مدعی بادشاہت کی حویلی تھی) آ ڈیرہ کیا! مگر میاں مراد بخش! باوجود ان تمام حالتوں کے اپنے خیال میں بدستور بادشاہ بنے ہوئے تھے اور تخت و چتر وغیرہ سلطنت کا سارا سوانگ گجرات سے لیکر اب تک اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

مذکورہ بالا مورخوں کا قول ہے کہ اب اسکے دل میں اورنگ زیب کا یہ عروج دیکھکر کچھ تو خود ہی حسد ہوتا تھا اور کچھ اسکے سردار اور امیر خواہ از راہ خیر خواہی خواہ از راہ خود غرضی اسکو سمجھاتے تھے کہ اورنگ زیب کے قول و قسم اور عہد و پیمان پر بھروسہ نکرکے اپنا بندوبست کرنا چاہیئے۔ چنانچہ کچھ نئے سپاہی بھی بھرتی کیئے جاتے تھے اور سرداروں اور امیروں کو بھی فضول رعایتیں کرکے اپنی طرف ملانے میں کوششیں کیجاتی تھیں یہانتک کہ قریب بیس ہزار سوار کے مراد بخش کے لشکر میں جمع ہوگئے۔ بلکہ بعض سردار اور سپاہی عالمگیر کے ساتھ سے بھی جدا ہوکر اسکے لشکر میں جا شامل ہوئے۔

جب اورنگ زیب نے آگرہ سے بائیسویں رمضان سنہ ایکہزار اڑسٹھ ہجری کو کوچ کرکے پہلا ڈیرہ بہادر پور میں کیا اور وہاں سے چوبیسویں کو ساحی گھاٹ پہنچکر وہاں بھی دو روز مقام کیا تو اسکو خبر ملی کہ مراد بخش جسنے ابتک آگرہ سے کوچ نہیں کیا تھا اس مہم میں شامل ہونا نہیں چاہتا۔ پس اورنگ زیب کو نہایت اندیشہ ہوا اور اسنے اس امر کو اپنے دماغ کی خرابی کا باعث سمجھ کر معتمدوں کی زبانی مراد بخش سے ترک رفاقت کا سبب دریافت کیا اور جب اسنے اسکے جواب میں اپنی ناداری اور اسوجہ سے فوج کی پریشان حالی کا اظہار کیا تو ایک لاکھ روپیہ بھیجدیا اور یہ کہلا بھیجا کہ بالفعل اسکو اپنی اور اپنی فوج کی ضروریات

اور جھنجلا کر باندھنے والوں کے کچھ لاتیں وغیرہ مارنے لگا۔ جس سے وہ ذرا ڈر گئے اور
شہزادہ پکار پکار کر اپنی تلوار مانگنے لگا۔ اب اورنگ زیب نے جو اس کارروائی کیوقت
خیمہ کے دروازہ پر کھڑا تھا پردہ کے پیچھے سے سر نکالا اور اپنے امیروں کو خوب ڈانٹ کر
کہا کہ اگر یہہ کچھ ہاتھ پانوں ہلا سے تو ابھی قتل کر ڈالو۔ جسکو سنکر مراد بخش نے کچھ برا بھلا
تو کہا۔ مگر آخر کار چپ ہو کر ہاتھ پانوں بندھوا لیئے۔ اور ناظر شہباز جو اُسکا دلی رفیق اور خیرخواہ
اور عمدہ شمشیر تدبیر تھا اُسکو بھی اسیوقت اس طرح قید کر لیا گیا۔ کہ وہ شامیانہ جو میر بخشی کے
ڈیرہ کے آگے لگا ہوا اور یہہ اُسکے نیچے بیٹھا ہوا تھا اشارہ ہوتے ہی اُسکی چاروں چوبوں
کی طنابیں یک لخت کاٹ کر گرا دیا۔ اور قبل اسکے کہ وہ اس ناگہانی اُلجھیڑے سے اپنی تئیں
نکال سکے پکڑ لیا گیا۔ اور باقی اُمرا کو مسلح آدمیوں نے گھیر لیا۔ اور اورنگ زیب کے حضور میں
حاضر کیئے گئے جنہوں نے فرمانبرداری قبول کر لی۔

اس واقعہ سے اگرچہ خفیف سا چرچا مُراد بخش کے لشکر میں پھیلا مگر اُس سے کوئی
ضرر پیدا نہیں ہوا۔ اور اہل فوج تھوڑی دیر کے بعد اس طرح سے چپ چاپ ہو گئے جیسے
کوئی شخص خواب پریشاں سے ذرا چونک کر پھر سو جاتا ہے۔

جب سلطان مُراد بخش کو قید کیا گیا تھا۔ اُسوقت کچھ زیادہ رات نہیں گئی تھی
اور دن نکلنے سے پہلے ہی اُسکو اور اُسکے رفیق کو ایک ہاتھی پر زنانی عماری میں بند کر کے
بحفاظت کامل آگرہ کو روانہ کر دیا گیا تھا۔ (انتہے کلامہ)

مگر واقعات کی ترتیب اور اُن چالوں اور منصوبوں کی تفصیل جو داراشکوہ پر فتح پانے سے
مُراد بخش کے قید ہونے اور اُسکے سلیم گڈھ میں بھیجدینے تک اورنگ زیب
اپنے اس سادہ لوح بھائی کی نسبت عمل میں لاتا رہا جس طرح پر کتاب عالمگیر نامہ۔
عمل صالح۔ اور سیر المتاخرین میں بطور مجمل اور عاقل خاں کی تاریخ میں مفصل
درج ہے (اور ڈو صاحب کی تحریر سے زیادہ اعتماد کے لائق ہے) خلاصہ اُسکا یہہ ہے
کہ جب اورنگ زیب داراشکوہ پر فتح پا چکا تو مراد بخش کے ساتھ بہت ہی چرب زبانی
اور ملائمت سے پیش آیا۔ اور چونکہ اس لڑائی میں اُسنے زخم کھائے تھے اسلیئے "اطبایان حاذق
وجراحان ماہر" اسکے علاج کیواسطے مامور کیئے۔ اور جب دونوں بھائی آگرہ کے قریب پہنچکر باغ
نور منزل میں ڈیرہ کر چکے تو اب اورنگ زیب نے یہہ چاہا کہ بغیر مراد بخش کی

یا بیٹے انکو گمان بھی نہ ہوا کہ وہ اس منصوبہ کو سمجھ گیا ہے چنانچہ آخر تین روز کے بعد جب اورنگ زیب کا مصنوعی درد شکم جاتا رہا تو مراد بخش نے بہت خوشیاں منائیں اور بڑے تپاک سے مبارکباد دی اور اس سے اگلے دن اورنگ زیب نے دعوت کی تیاری کی اور پیغام دیا کہ آپکی طرح طرح کے لیئے ایسی حسین بمیل ارباب نشاط بُلائی گئی ہیں جو اپنے حُسن وجمال اور لطافت و نزاکت و رقص گانے کے فن میں ایسی بے نظیر ہیں کہ ایسے کمالات کی رنڈیاں اس سے پہلے کبھی ہندستان بھر میں نہیں دیکھی سُنی گئیں اور اس مضمون کو ایسی آب و تاب سے بیان کیا گیا کہ مُراد بخش جو بالطبع عیش و عشرت کا بندہ اور راگ رنگ کا شیدا تھا ہزار جان سے انکا مشتاق ہوگیا اور ایسے تمام خیر خواہوں میں سے کسی کی بھی نہ سُنی اور ایسے مکار بھائی کے خیمہ گاہ میں جا ہی گیا چنانچہ جب بادشاہ سلامت (جیسا کہ اورنگ زیب اُسکے موقوف ماننے کو کہا کرتا تھا) خیمہ گاہ میں داخل ہوئے تو وہ نازنینیں اُسکو ایک اور اندر کے خیمہ میں لیگئیں اور یہ مسلوب الحس شہزادہ اُن کے حیرت افزا حسن و جمال کو دیکھکر جو فی الواقع بیمثال تھا بالکل لٹو ہوگیا۔ بعد میں ناچ رنگ شروع ہوا عیش و نشاط کا وہ سماں بندھا کہ مُراد بخش نے مزے میں آکر شراب شیرازی منگائی۔ ت دور چل رہا ہے اور بادشاہ سلامت پریوں کے اکھاڑے میں راجہ اندر بنے بیٹھے ہیں اور اورنگ زیب بھی ایسے معمولی تقوی و طہارت سے ہاتھ دھو کے اس بزم شراب میں شریک ہے۔ آخر جب حضرت کے ہوش و حواس جست ہونے لگے تو اورنگ زیب نے شیراز کی جام شراب کی جگہ تیز شراب کے پیالوں کی اور بھی بھرمار شروع کر دی۔ جس سے وہ تھوڑی ہی دیر میں بیہوش ہوکر ایک نازنین کی بغل میں سر دیکر سو گیا۔ اور چونکہ اورنگ زیب نے اپنے سرداروں کو حکم دے رکھا تھا کہ جو اُمرا وغیرہ مراد بخش کے ساتھ آئے ہیں اُنکی تواضع بھی اسی تکلف سے کیجائے اسلیئے اسکے باڈی گارڈ کے لوگوں تک کو بھی شرابیں پلا پلا کر مدہوش کر دیا گیا اور اس تدبیر سے وہ بدبخت شہزادہ بالکل بے حفاظت رہگیا۔ اور اورنگ زیب نے موقع پاکر طغرجنگ اور دو امیروں کو حکم دیا کہ خیمہ میں جاکر اُسکے ہاتھ پاؤں باندھ لیں۔ چنانچہ وہ عورتیں تو انکو آتے دیکھکر کھسک گئیں اور انہوں نے آکر مُراد بخش کو جو پلنگ پر پڑا ہوا تھا۔ اور جسکے ہتھیار تلوار اور خنجر وغیرہ اورنگ زیب نے باکی سے پہلے ہی اُٹھوا لیئے تھے آن گھیرا۔ اور آہستہ آہستہ اُسکے ہاتھ باندھنے شروع کر دیئے۔ پس اس حرکت سے مُراد بخش جو کہ اُٹھا

جو برپا ہوا تھا صبح ہوتے کو اُسکا نام و نشان بھی نہ تھا - کیونکہ ایسے لوگ بہت ہی تھوڑے تھے جو یہہ نہ سمجھتے ہوں کہ مُراد بخش کسی بلا میں پھنسنے والا ہے ورنہ اُسکے سب سردار اور سپاہی اس بات کو بخوبی جانتے ہوئے تھے کہ کسی نہ کسی دن یہہ ضرور پھنس جائیگا -

مراد بخش کو قلعہ سلیم گڈھ میں بھیجدینا

جب یہہ سب بندوبست ہوچکا اور اطمینان ہوگیا کہ اَب کچھ جائے اندیشہ نہیں ہے تو اس نامُراد کو ایک زنانی عماری میں بند کرکے دھلی کو چلتا کیا اور قلعہ سلیم گڈھ میں جو جمنا میں بنا ہوا ہے قید کیا گیا*

* مسٹر اِرونگ بِراک صاحب اصل کتاب کے مترجم انگریزی نے کرنل ڈو صاحب کی تاریخ ہندوستان سے اِس موقع پر مندرجہ ذیل حاشیہ لکھا ہے -

قولہ " جب مُراد بخش کیمپ میں جو متھرا کے قریب تھا آپہنچا تو اُس سے اگلے دن سُلطان مُراد بخش نے اورنگ زیب کو ضیافت کا پیغام بھیجا اور چونکہ وہ طبعاً کشادہ مزاج اور رنگین طبع شخص تھا اسوجہ سے اورنگ زیب نے بغیر کسی طرح کے شک وشبہ کے اُسکی دعوت کو قبول کرلیا مگر جب دونوں بھائی دسترخوان پر بیٹھ گئے اور شہباز نے جو مراد بخش کے محلات کا ناظر اور اس دعوت کے اصلی منصوبہ کا رازدار تھا یکایک کان میں آکر کہا کہ " عمدہ پوشاک میں چاک کرنیکا اَب وقت ہے " یعنی اورنگ زیب سے یہیں سمجھ لینا چاہیئے تو اورنگ زیب جو لوگوں کی صورتوں اور چہروں سے دلوں کے بھید سمجھ لیتا تھا اس سرگوشی اور بھائی کی بناوٹی رنگینیوں سے جو اُسوقت دکھا رہا تھا اصل مدعا کو تاڑ گیا مگر تحمل اور متانت کی راہ سے خاموش ہو رہا اور جب مراد بخش نے سمجھا کر شہباز کو رخصت کردیا کہ فلاں علامت اور اشارہ کا منتظر رہے تو اورنگ زیب نے یہہ سمجھکر کہ اسوقت میرے قتل کا منصوبہ ہے یکایک یہہ ظاہر کیا کہ میرے پیٹ میں سخت درد ہے اور مجلس سے اُٹھکر جھٹ پٹ باہر چلا آیا اور اپنے اہالی موالی اور ہمرکاب سپاہیوں کے پاس جو ڈیوڑھی پر حاضر تھے آپہنچا اور وہاں سے سیدھا اپنے لشکر میں آگیا - اور اس تمارض کی چال کو ایسی خوبصورتی سے چلا کہ مراد بخش یہی خیال کرتا رہا کہ وہ فی الواقع

آن دبایا اور ہر چند چلایا اور زور کرتا رہا لیکن پانوں میں بیڑی اور ہاتھوں میں ہتکڑی ڈال ہی دی اور قیدی بناکر ایک علحدہ جگہہ میں ڈال دیا۔!

مراد بخش کا قید ہو جانا سنکر اسکے ملازموں کا ارادہ فساد ہونا اور اورنگ زیب کا اُنکو گانٹھ لینا۔

یہہ سختی اور بدسلوکی خواہ کیسی ہی مخفی طور پر کی گئی تھی مگر مُراد بخش کے اُن ملازموں پر ظاہر ہوے بغیر نہیں رہ سکتی تھی جو باہر بھیجدیئے گئے تھے پس جب اُنہوں نے اسکی بھنک سُنی تو کسی قدر شور و غوغا مچایا اور چاہا کہ بزور اندر گھس آئیں لیکن مراد بخش کے میر آتش علی قلی نے جسکو اورنگ زیب نے کچھ دیگر پہلے سے گانٹھا ہوا تھا سمجھا اور دھمکا کر خاموش کرادیا۔ اسی طرح اُسکے لشکر میں بھی اگرچہ کچھ شور و شر شروع ہوگیا تھا اور اندیشہ تھا کہ کہیں وہ یکایک چڑھ نہ آئے لیکن رات ہی کو کچھ لوگ بھیجدیئے گئے جنہوں نے جاکر یہہ مشہور کردیا کہ اورنگ زیب کے ڈیرہ میں جو ماجرا گزرا ہی وہ کچھ بڑی بات نہیں ہے۔ کیونکہ ہم بھی وہیں تھے اور صرف اسقدر ہے کہ مراد بخش شراب ذرا زیادہ پی گیا تھا اور یہانتک بدکلامی کرنے لگ گیا تھا کہ اور تو کوئی کیا خود اورنگ زیب کو بھی مغلظات گالیاں دیں اور ایسا ادھم مچایا کہ ناچار خلوتخانہ میں بند کرنے کی ضرورت پڑی۔ سو یہہ کچھ بات نہیں صبحکو جب نشہ اُتر جائیگا تو چھٹکر صحیح و سلامت اپنے لشکر میں آجائیگا۔

اب اِدھر تو اہل سپاہ کو یہہ دم دیکر چپ کرایا گیا اور اُدھر راتوں رات بڑی بڑی رشوتیں اور بڑے بڑے وعدے دیکر لشکر کے بڑے بڑے سرداروں کو ایک گانٹھ لیا گیا اور تمام فوج کی تنخواہ بڑھادی گئی غرضکہ وہ شورش اور ہنگامہ

اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب عمدہ کابلی اور شیرازی شراب پیش ہوئی تو
آہستہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور مسکرا کر بولا "حضرت کو معلوم ہے کہ میں اپنے مذہبی خیالات
کے باعث اس صحبت عیش و نشاط میں حاضر رہنے سے مقصّر ہوں اور اگرچہ میں
مرخص ہوتا ہوں لیکن یہہ سب لوگ جو اس پُر لطف جلسہ کے شریک ہیں اور میر خاں[1] اور
اور میرے مصاحب آپکی خدمتگذاری کے لیئے حاضر ہیں" پس مُراد بخش شراب
دوست تو تھا ہی اُسپر یہہ طرہ کہ ایسی عمدہ صحبت اور ایسی لطیف شرابیں! غرض خوب
پی اور یہانتک پی کہ بالکل غٹّو ہو گیا اور اورنگ زیب کا جو یہہ مدّعا تھا کہ وہ مدہوش
ہو کر سو جائے پورا ہو گیا۔ پس اوّل تو مُراد بخش کے نوکروں کو اس حیلہ سے
رخصت کر دیا گیا کہ اُسکے خواب راحت میں خلل نہ آئے! اور اسکے بعد میر خاں
نے اُسکی تلوار اور جمدھر کو اپنے قبضہ میں کر لیا! اور تھوڑی ہی دیر بعد اورنگ زیب
اُسکو اس نازیبا خواب سے جگانے کے بہانہ سے خیمہ میں آیا اور اُس تمام مصنوعی
ادب و لحاظ سے ہاتھ اُٹھا کر اس خفتہ بخت کے اوّل تو چند ٹھوکریں ماریں! اور
جب اُسنے ذرا آنکھیں کھولیں تو یہہ ذو فنون! ملامت کی راہ سے بولا کہ بڑی
شرم کی بات ہے کہ تم بادشاہ ہو کر ایسے غافل اور بیخبر ہو جاؤ۔ بھلا دُنیا کے
لوگ تمکو بلکہ مجھکو بھی کیا کہینگے! اور لوگوں کو اشارتاً کہا کہ اِس بدمست و مخمور کے
ہاتھ پانوں باندھکر خلوت خانہ میں لیجاؤ کہ نشہ کے اُترنے تک اِس بے شرمی
کا سونا وہاں سوئے" پس تعمیل حکم میں کیا دیر تھی فوراً پانچ چھ مسلّح شخصوں نے

[1] شیخ میر اور سید میر دونوں بھائی تھے اِن میں سے سید میر اورنگ زیب کا
بے تکلّف مصاحب تھا اور غالباً اس جگہہ وہی مراد ہے۔ س م ح

کے خیرخواہوں نے جو اس عرصہ میں بہت کچھ دیکھ اور سن چکے تھے ناچار ہوکر
آپسمیں یہہ صلاح کی کہ ایک دفعہ تو اسکو پھر سمجھانا چاہیئے آگے وہ جانے
مانے یا نہ مانے۔ چنانچہ اُنہوں نے اُس سے کہا کہ ہمکو کئی جگہہ سے پختہ خبریں
ملی ہیں کہ اورنگ زیب کا بیشک کچھ بُرا ارادہ ہے اور کسی خوفناک منصوبے کے
لیئے بہت کچھ بندشیں ہو چکی ہیں اسواسطے اُسکی ملاقات کو خاص اُسکے لشکر
میں آپکا جانا مناسب نہیں اور زیادہ نہیں تو آج کی رات تو ہرگز نجایئے۔
اور اس آفت کے ٹال دینے کی بہت آسان سبیل یہہ ہے کہ ناسازی طبیعت کا
بہانہ کر دیجیئے اور وہاں نہ جایئے یہہ سُنکر جیسا کہ معمول ہے اورنگ زیب خود ہی
چند آدمیوں کے ساتھ آپ کے پاس آجائیگا۔ لیکن نہ تو ان تقریروں اور
دلیلوں ہی نے کچھ اثر کیا اور نہ منت و سماجت ہی کچھ کارگر ہوئی۔ کیونکہ وہ
ایک ایسی حالت میں تھا گویا کسی نے اُسپر جادو کیا ہوا ہے۔ چنانچہ اورنگ زیب
کی ظاہری اطاعت اور دکھاوے کی محبت سے فریب میں آکر باوجود ممانعت
اپنے رفیقوں اور خیرخواہوں کے اُسکے ہاں جو میر خاں وغیرہ اپنی تین چار
محرم راز مصاحبوں کے مشورہ سے گھات میں لگا ہوا اسکے آنے کا منتظر تھا
ضیافت کھانے چلا گیا۔ اور جب یہہ سادہ لوح شہزادہ وہاں پہنچا تو اورنگ زیب
نے معمول سے زیادہ اور بہت ہی بڑھکر تعظیم و تکریم کی اور ازحد خوشی کا اظہار کیا
کہ آنکھوں سے چند آنسو بھی نکال دیئے اور خاص اپنے ہاتھ سے مُراد بخش کے
چہرہ کی گرد صاف کی اور پسینہ پونچھا اور جب کھانا کھانے کو بیٹھے تو نہایت ہی
خوشی دکھائی اور اظہار مسرت کے لیئے ہنسی اور مذاق کی بیحد باتیں بنائیں

اورنگ زیب اور مراد بخش کا داراشکوہ کے تعاقب میں روانہ ہونا اور اورنگ زیب کا دغابازی سے مراد بخش کو قید کر لینا۔

القصّہ دونوں شاہزادوں نے باپ کے معاملہ سے فارغ ہو کر اُمرا کی نذریں لیں اور اپنے ماموں شائستہ خاں※ کو آگرہ کا صوبہ دار بنا کر اور خزانہ شاہی سے اخراجات ضروری کا انصرام کر کے داراشکوہ کے تعاقب میں کوچ کیا۔ اور جب فوج کا آگرہ سے کوچ ہونے کو تھا تو مراد بخش کے خالص ہواخواں خصوصاً شہباز خواجہ سرا نے اُسکو بہت سمجھایا کہ "آپکو مع اپنے لشکر کے آگرہ یا دہلی سے دور جانا نہیں چاہیئے اور غایت درجہ کا ادب و آداب اور میٹھی میٹھی باتیں جو اورنگ زیب کر رہا ہے فریب اور دغابازی کا نشان ہے۔ اور جبکہ خاص و عام بلکہ خود وہ بھی اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ اب بادشاہ آپ ہیں تو پھر یہہ کیونکر مناسب ہے کہ آپ آگرہ اور دہلی کے نزدیک نہ رہیں اور کہیں دور چلے جائیں۔ پس آپ اُسکو داراشکوہ کے تعاقب میں جانے دیجیئے"۔

چنانچہ میری دانست میں اگر وہ یہہ معقول صلاح مان لیتا تو اورنگ زیب کو بہت مشکل پڑ جاتی لیکن اُسنے ایک نہ مانی اور بھائی کے ساتھ دہلی کو چل کھڑا ہوا کیونکہ اُسکے موکّد اور مستحکم وعدوں اور اُن بیہودہ قسموں پر جو بارہا قرآن درمیان رکھکر کھائی ہوئی تھیں اُسکو پورا بھروسہ تھا۔ لیکن جب دونوں نے متھرا پہنچکر مقام کیا جو آگرہ سے قریب تین یا چار منزل کے ہے تو مُراد بخش

※ پچھلے حاشیہ میں لکھا جا چکا ہے کہ اسوقت اسلام خاں کو آگرہ کا صوبہ دار بنایا گیا تھا۔ البتہ شائستہ خاں بھی آگرہ کا صوبہ دار مقرر ہوا تھا مگر اس سے کچھ عرصہ بعد۔ س م ح

باتوں کا یقین ہوگیا - اور اُسنے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ بالکل ترک کردیا - اور چونکہ بیگم صاحب کے آنیکے بعد جعفرخاں وزیر - حکیم تقرب خاں (جو قرب ومنزلت میں یہہ بھی وزیر سے کم نتھا) اور رائے رایان راجہ رگھناتھ دیوان سلطنت بھی مع عملہ فعلہ دیوانی حاضر ہوچکے تھے اَب اِسنے ایک نہایت شان دار دربار عام (مگر شاہزادوں کے دستور کے موافق بہ نشست مسند) منعقد کرکے سب اُمرا اور منصبداروں کی نذریں (شاہانہ طور پر) لیں اور بعد ازاں بڑے طمطراق اور کر و فر کے ساتھ بسواری فیل قلعہ کے دروازہ کے آگے سے !! گزر کر داراشکوہ کی حویلی میں جا ڈیرہ کیا اور محمد سلطان نے باپ کے حکم سے تمام بادشاہی خزانوں کارخانوں توشہ خانوں کو ضبط کرکے سر بمہر کردیا - اور اکیسویں رمضان سنہ مذکور سے شاہجہان ایسا سخت قیدی ہوگیا کہ حرم سرائے سے باہر نکلنے کی بھی اجازت نرہی - بلکہ بقول مصنف عمل صالح مدت تک بجز چند خادمہ عورتوں کے کوئی خدمتگار تک پاس پھٹکنے نہ پاتا تھا -
ذوالفقار خاں آگرہ کا قلعدار اور شاہجہان کا محافظ مقرر ہوا - اسلام خاں کو آگرہ کی صوبہداری دیگئی اور آپ صرف تین روز داراشکوہ کی حویلی میں ٹھہر کر دلی کو کوچ کردیا اور اگرچہ پولیٹکل مصلحتوں کے لحاظ سے اپنی غیبت میں محمد سلطان کو بھی آگرہ رہنے کا حکم دیا مگر نہ تو اسکو فوج وغیرہ پر اختیار کلی ہی دیا نہ قلعہ میں رہنے کی گنجایش دی بلکہ اسلام خاں کو اسکا اتالیق مقرر کرکے یہہ حکم دیا کہ دارا کی حویلی میں ڈیرہ رکھے - اور اگرچہ بادشاہ کے قید اور بے بس کردینے کے لیئے ایکطرف تو مذکورہ بالا اہتمام وانتظام تھے مگر اپنی معمولی مکاری سے اِن حرکتوں پر پردہ ڈالنے اور لوگوں کی طعن وتشنیع سے بچنے کی خاطر دلی کو کوچ کرنے سے پہلے فاضل خاں میرساماں کو بادشاہ کی خدمتگاری اور ہر وقت مہمات بیوتات وانتظام کارخانجات خاصہ شریفہ" کے لیئے (جو اکبرآباد میں تھے) مقرر کیا - اور تقرب خاں کو شاہجہان کا مزاج داں معالج تھا اسطئے علاج بقیہ مرض کو مقرر کرکے تین ہزار اشرفیوں کے انعام اور عنایات "خلعت خاص و جیغہ مرصع با علاقہ مروارید" سے سرفراز کیا - اور جب آگرہ سے چلکر پہلا ڈیرہ بہادرپور میں ہوا تو اپنے فرزند ثالث محمد اعظم کو بھی سلام کرنیکے روانہ کیا جسنے بعد آمد کے پانچسو مہریں اور چار ہزار روپیہ نقد نذر کیا اور بادشاہ نے بھی تملق اور ظاہری پیار محبت کے بعد بہت کچھ دیکر رخصت کیا - شاہجہان کی اِس پُر عبرت واقعہ کا مادہ تاریخ جو نہایت ہی "ماہر" عاقل خاں نے بہ کمال ہنر - واعتبروا یا اولی الابصار - س م ح
۱۰۶۸

بعد اسکے یہہ بھی وقع پیغام دیا کہ حضرت ظل سبحانی کی شاہانہ مرضی اسطرح پر ہے کہ ملک پنجاب مع اسطرف کے اور اضلاع کے دارا شکوہ کو عنایت فرمائیں اور گجرات پر مراد بخش اور بنگالہ پر شجاع کا بدستور تصرف رہے اور ملک دکن محمد سلطان کو عطا ہو اور شاہ بلند اقبال کا خطاب اور باقی کل ممالک محروسہ کی ولیعہدی کا منصب عالی آپکو مبارک ہو۔ پس آپ قبول کیجیئے۔ اور غرضمند لوگوں کی باتوں پر نہ جایئے۔ بغیر وغدغہ اور وسواس کے حضرت کی خدمت میں چلکر اپنے دیدار سے انکی خاطر مشتاق کو مسرور کیجیئے

اورنگ زیب نے اسکے جواب میں دارا شکوہ کی خصومت کی سخت شکایتیں کر کے ان باتوں کی قبولیت سے انکار کیا اور صاف کہدیا کہ دارا شکوہ کا معاملہ یکسو ہونے تک حضور میں حاضر ہونے کی جرات نہیں کر سکتا۔ بیگم صاحب یہہ جواب لیکر نہایت رنج و افسوس کے ساتھ واپس ہوئیں۔ اور سب اندوہناک اجرا بادشاہ سے عرض کیا۔ اسکے بعد پھر اسی طرح پیام وسلام ہوتے رہے۔ اور جب آخر کار بہت سی گفت وشنید کے بعد اورنگ زیب تیسرے دن شاہجہاں کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کر کے باغ نور منزل سے سوار ہو کر چل پڑا تو یکایک شائستہ خاں اور شیلخ میر نے سامنے سے آکر عرض کیا کہ "حضور کہاں جاتے ہیں! یہہ ارادہ عقل اور دور اندیشی کے برخلاف ہے۔ خدا کیواسطے اس سے احتراز فرمایئے۔ اور جب خدا کے فضل سے قلعہ میں حضور کا عمل و دخل خاطر خواہ ہو چکا ہے اور اعلی حضرت کا اختیار واقتدار کچھ بھی نہیں رہا تو بلا ضرورت اندیشے اور خطر کی جگہہ میں جانے سے اب کیا حاصل"

ان باتوں سے اورنگ زیب کی طبیعت میں پھر ایک تذبذب سا پیدا ہو گیا اور وہ اپنے ڈیرہ کو چلا آیا۔ اور بادشاہ کے پاس جانے نہ جانے کی نسبت ابھی گفتگوئیں درمیان ہی تھیں کہ اسی اثنا میں ناھر دل نامے ایک چیلے نے شاہجہاں کا ایک رقعہ جو کہ دارا شکوہ کے نام اپنے ہاتھ سے لکھکر بڑے اعتماد اور احتیاط سے اسکو سپرد کر کے یہہ ہدایت کی تھی کہ نہایت جلد دہلی پہنچکر اسکا جواب لائے۔ پیش کیا۔ خلاصہ اس کاغذ کا عاقل خاں نے یہہ لکھا ہے کہ "دارا شکوہ در شاہجہان آباد ثبات قدم ورزد۔ کمی خزانہ ولشکر در انجا نیست۔ زینہار از انجا بیشتر نگذرد کہ ما بدولت در ینجا مہم را فیصل میفرمائیم" اس آخر فقرہ کا پڑھنا تھا کہ اورنگ زیب کو اپنے خیر خواہوں کی

وتشئید مبانی صدق وسداد نمودہ دامضمر ساختہ دو رضبط سر رشتہ اشرفنای خاطر بہیوں
کوشیدہ از صراط مستقیم عبودیت وجانفشانی انحراف جائز نداشتہ ونمی دارد و در راہ
بندگی وعقیدت ثابت وراسخ ہست لیکن از نمر ظہور این مقدمات کہ نا بارادت ازلی و
مشیت لم یزلی در میان آ وبمقتضاے طبیعت بشری مغلوب واہمہ وہراس گشتہ جرات
آن نماندہ کہ باطمینان قلب وجمعیت باطن حازم احراز سعادت حضور پر نور تواند شد والا آرزو
خاطر فاتر این مستمند سراپا ارادت واخلاص نیل دولت استلام سدہ سپہر احتشام زیادہ
از انست کہ حوصلہ تقریر وتبیین آں را بر تابد و زبان از شکر عنایات سرشار و مراحم واشفاق
بے شمار قدسی مآثر اگر آئین مرید نوازی مرعی فرمودہ حکم والا بشرف نفاذ رساند کہ
بعضے از مردم این مرید نخست انعام اریافتہ ساعتے جمعے از ملازمان سرکار عالم مدار کہ بمحافظت
مداخل ومخارج مامور اند واگیرد وا پیشگاہ عنایت خسروانی بحراست ابواب قلعہ امتیاز واختصاص
یابد این فدوی جان سپار بخاطر جمع وسکون باطن واطمینان دل بحضور اقدس رسیدہ سعادت
زمین بوس اشرف حاصل نماید وزبان عقیدت بیان بعذر تقصیرات کشاید نہایت مرید نوازی
خواہد بود

اس کاغذ کے نتیجے پر شاہجہاں نے ناچار یہ حکم بھی دیدیا کہ سب بادشاہی
ملازم قلعہ سے باہر چلے جائیں اور قلعہ کے دروازے کھول دیئے اور شاہزادہ محمد سلطان
مع ذوالفقار خاں اور شیخ میر اور بہادر خاں اور اسلام خاں کے روز
جمعہ گیارھویں رمضان سنہ ۱۰۶۸ھ ایکہزار اڑسٹھ ہجری کو داخل قلعہ ہوگئے۔ اور جب سب جگہ
اپنا بندوبست کر چکے اسوقت محمد سلطان اسلام خاں کے ساتھ کورنش کے لیئے
دادا جان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اگرچہ اب بیچارہ بادشاہ قلعہ بھی حوالہ کر چکا۔ مگر جب ابتک
بھی حضرت اورنگ زیب ملاقات کو نہ آئے تو اگلے روز شاہجہاں کی بڑی بیٹی مسروف
بیگم صاحب باپ کیطرف سے ملاقات وغیرہ کے پیغام لیکر اورنگ زیب کے لشکر کو خود
گئی۔ مگر اسطرف سے اسکے اعزاز واحترام کے معمولی دستور کے برخلاف اسکا استقبال وغیرہ
کیا گیا۔ اور یہ کہلا بھیجا کہ آپ محلسرا میں چلیں میں وہیں آتا ہوں۔ اور جب وہ محلسرا میں
پہنچگئی تو اورنگ زیب نے کیقدر اعزاز واکرام سے ملاقات کی۔ بیگم صاحب نے
تو باپ کی طرف سے اپنے نعمتمند بھائی کی نسبت اظہار عنایت اور شوق دیدار بیان کیا

خطِ شاہجہاں

فاضل خاں کو فرزند بلند اقبال کی خدمت میں ایک اور تحریر دیکر روانہ کیا جسکا مضمون یہہ تھا

"مالک الملک تعالیٰ شانہ کہ مملکتش از تغیر و زوال مصئون است کوکب اقبال فرزند برومند قوی طالع راجوں کوکب جہاں فروز فروغ بخش شبستان دولت و ضیا افزاے ساحت جہاں دارد۔ از کجبازی سپہر نیرنگ ساز و ناسازی روزگار شعبدہ باز امریکہ احملاً بحیطۂ تصوّر و حیز تعقل در نمی آمد بعین الیقین مشاہدہ فتاد۔ آن فرزند اقبال مند طالع بلند بیکبارگی مہر فرزندی بریدہ بر آتشِ شوق کہ در کانونِ درون اقدس سمت التہاب پذیرفتہ نظرے نیفگند و چشم از حقوق اُبوّت و تربیت عمرے پوشیدہ مارا دشمن کام پسندیدہ و ایذا و آزار ماراکہ موجب بدنامی دنیا و مورث ناکامی عقبےٰ ست سہل و آسان انگاشتہ از بازپرس روز شمار غافل و بیخبر افتادہ اما در یوم یقوم الحساب" ازیں جرات و ارتکاب حق شکنی چہ جواب خواہد داد نظم

بیش کہ گویم ز خودت شرم باد | کز پئے خونِ خودم اندر فتاد
بندہ کہ با شاہ بود کینہ جو | خلق چہ گویند تو ہم خود بگو
در ز تو در قلب من آمد غبار | ہم تو شوی در رخ خود شرمسار
باش بکامم کہ بکام تو ام | زندہ و نازندہ بنامِ توام
بہر خدا صورت خویشم نما | روئے مگردان و بترس از خدا

لایق آنست کہ آن قرہ باصرہ دولت و دارائی بر صف شکنی و کشورکشائی خود مغرور نبودہ تکیہ و اعتماد بر سازگاری زمانہ و رفافت روزگار نکند کہ این چرخ پر نیرنگ و جہاں دو رنگ اصلا اعتماد را نشاید و ازیں پیمان شکن بد عہد قطعاً وفا نیاید و دریں صورت شایستۂ خرد آنست کہ کارے کہ موجب وہن و فتور ایں دودمان عالیشان گردد از ارتکاب آن اجتناب واجب شمردہ در حفظ ناموسِ سلطنت چندیں سالہ کہ طنطنۂ عظمت و شکوہِ کمنت و اقتدار ایں دولت در ساحتِ زمین و زمان پیچیدہ و سائر فرماں روایان روے زمیں از ان شمارے برمیگرفتند کوشیدہ آنچہ از فرزندان قابل توقع باشد بظہور آرد کہ نام نیک و اسم قابلیتِ آں نو بادہ گلشن جاہ و جلال در صحیفہ روزگار و صفحہ لیل و نہار ثابت و پایدار بماند۔"

جسکے جواب میں اورنگ زیب نے یہہ عریضہ لکھا۔

"للہ الحمد و المنۃ کہ ایں نیازمند درگاہ شاہنشاہ بے مثل و مانند از بدو امتیاز رواج عقل و تمیز الی الآن باندازہ امکان بشری و طاقت انسانی در تمہیدِ قواعد ارادت و اعتقاد

اے پسر! چہ بسری در خوری — لیک مکن با پدران سروری
بر سر خوان آمدے کہ ہم توشہ — باز مکن کہ جگر گوشہ
خون منی و دل من مہر جوست — جوشش بسیار مکن زیر پوست"

چنانچہ جب یہ دونوں امیر اورنگ زیب کی ڈیوڑھی پر پہنچے تو صرف خلیل اللہ خاں جو پہلے سے گٹھا ہوا تھا اندر بلا لیا گیا جسنے جاکر یہ کہدیا کہ آپ ہرگز نجائیے وہاں آپکی نسبت ارادہ برا ہے۔ بلکہ بادشاہ کو قید کر لینے کی صلاح دیکر اور رفع بدنامی کے لیئے خود اپنی درخواست سے بظاہر نظربند ہو کر وہیں رہگیا اور اورنگ زیب نے فاضل خاں کی زبانی بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ مجھے وہاں جانے میں کسی طرح کا خوف اور اندیشہ ہے اسلیئے بالفعل حاضر ہونے سے معذور ہوں۔ بادشاہ نے جب فاضل خاں سے یہ سب ماجرا سنا اور دیکھا کہ میرے ہی امرا اُسے بہکاتے ہیں تو اس اندیشہ سے کہ ایسا ہو کہ یکایک مجھ سے کچھ اور سلوک کریں قلعہ کے دروازے بند کرادیئے جسکی خبر پہنچتے ہی ذوالفقار خاں اور بہادر خاں۔ اورنگ زیب کے سرداروں نے آکر قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ اگرچہ اُنہوں نے رات کو قلعہ کی فصیل کے نزدیک پہنچکر بعمل عاقل خاں بہت سا گرد و فرد کھیلا مگر یہ قلعہ ایسا تھا کہ وہ ایسی آسانی سے اُس پر قابض ہو جاتے اس باعث سے اورنگ زیب کے سردار اور سپاہی قلعہ کے نزدیک کے مکانوں اور درختوں اور دیواروں کی آڑ میں آگر پڑے اور دونوں طرف سے توپ و بندوق کی لڑائی شروع ہوگئی۔ گرچہ بادشاہ کی طرف سے بعض چھوٹے سردار اور بندوقچی پیادے نمک حلالی اور بہادری سے کچھ دن مقابلہ اور مدافعت کرتے رہے۔ مگر اکثر بڑے امرا و منصب دار پہلے ہی روز یہ بہانہ بناکر چپت ہوئے کہ دریچہ کے راستے دریا سے پانی لانے والوں کی مدد کو جاتے ہیں۔

چونکہ گرداگرد کی گہری خندق کی وجہ سے قلعہ میں نہ تو سرنگ ہی لگ سکتی تھی اور نہ دمدمہ ہی ہو سکتا تھا۔ اسلیئے اہل قلعہ کو پیاسا مارکر منادب کرنیکے قصد سے دو سرداروں اورنگ زیب کے لوگ دلیرانہ جرات کر کے خضری دروازہ تک جا پہنچے اور قلعہ میں پانی پہنچنے کا راستہ بند کردیا۔ [illegible] کا موسم اور آگرہ کی سخت گرمی بیچارے اہل قلعہ لاچار ہو گئے بس اِس بیمار و [illegible] بادشاہ نے یہ حادثہ دیکھکر بجز فرمانبرداری و اطاعت کے (جسکو ان خاص ناموں میں "معاہدہ" لکھا ہے) اور کوئی صورت نہ دیکھی اور پھر اپنے اُسی [illegible] بدخواہ بیچارے

سکتے ہیں کہ اورنگ زیب اور اُسکے رفیقوں نے اسے ایک ایسی فال مبارک سمجھا تھا کہ آخرکا تخت نشینی کے وقت اِس لفظ کو اپنے القاب شاہی کا اُسنے ایک جزو بنالیا) لایا اگرچہ اورنگ زیب نے ادب اور اطاعت کی ظاہری باتیں تو اب بھی بہت سی بنائیں مگر شاہجہان کے پاس حاضر ہونے کی اصل بات پر نہ آیا۔ جسکو فاضل خاں نے بھی تاڑ لیا اور بادشاہ سے جاکر صاف کہدیا۔ ناچار شاہجہان نے دوسرے روز پھر ایک رقعہ لکھا بلکہ اورنگ زیب کی بدگمانی رفع کرنیکے خیال سے خلیل اللہ خاں کو بھی فاضل خاں کے ساتھ بھیجا اور وہ یہہ تھا۔ نقل شقہ ثانی

"باوجود حقوق پرورش بناز و نعیم و ترتیب و تلقین و تعلیم و نوازشات بیکراں و عنایات بے پایاں اختصاص بخشیدن و بمناصب بلند و مراتب ارجمند فائز گردانیدن و با ایں ہمہ حقوق ابوّت و اولوالامری کہ بفرمان شاہنشاہ علی الاطلاق اطاعت و امتثال حکم لازم و واجب است و کلام ربانی و کتاب آسمانی بداں ناطق۔ ازاں فرزند سعادت مند کہ آراستہ مزایاے حُسن اعتقاد و مجموعہ دانش و بینش خدا داد است و پیوستہ عمر گرامی را برضاجوئی و نیکنامی و حق شناسی و خداوانی صرف کردہ بسیار بعید می نماید کہ قدر مہربانی و رتبہ شوق و خواہش خاطر اقدس را بدریافت دیدار فرحت آثار خویش ندانستہ بنابر اغوا و اضلال صاحب اغراض فاسدہ چند بیت دُو دشوند ار بد باغے رسند + با دشوند ار بچراغے رسند + از احراز سعادت حضور باز ایستد و بواسطہ دست کامی مُشتی دہر بدطینت مارا دشمن کام پسندد و خفت ما را در فرماں فرمایان جہاں و اہل روزگار تجویز کردہ از و خامت عاقبت نیندیشد و براے دورہ زندگی ایں سراے حادثہ را شرمساری و خجالت ابد و پیش خدا و رسول برخود گوارا و آسان گیرد۔ زنہار اے فرزند بکار سے جرات منما کہ آخر منتج ندامت و پشیمانی گردد۔ و ندامت سود ندہد۔

ابیات

اے خلف از راہ مخالف بتاب | تیغ بیفگن کہ منم آفتاب
گرز خود ایں نقش گرفتی بدست | سوے خدا بین و مشو خود پرست
ور ز بد آموز شد ایں رہ پدید | گفت بد آموز نباید شنید
گرچہ کنی دعوئ دانش ولیک | نیک بدانم کہ ندانی تو نیک
چوں تو شب و روز ادب افزوں کنی | بے ادبی با چو منے چوں کنی
گرچہ جوانی ہمہ فرزانگی ست | ایں نہ جوانی ست کہ دیوانگی است

(حاشیہ: ۱۰۶۸ / ۱۶۵۸)

پیرایہ پیرائے حیات بود سرتاسر صفحۂ خاطر زینت جمعیت و طراز شگفتگی یافتہ روکش نسخۂ رنگین بہار گردید فروغ این آیات رحمت و شموس سمائے عاطفت از سر نو پرتو بر بام و طارم دل گسترد سرشارنشۂ مسرت و طراوت ساخت - شکر این عنایات تازہ و مرحمت بے اندازہ کہ از ظرف طاقت تحریر و تقریر بیرون ست از تنگی دستگاہ لفظ و معنی چگونہ بتقریر زبان گزشتہ بیان راست آید عو ہم مگر لطف شمابیش نہد گامے چند - الحمد للہ والمنۃ کہ خاصیت صدق ارادت مضمر و خلوص عقیدت مکنون در ضمیر منیر آن حضرت کار خود کردہ تازگی فروغ ظہور از نہان کدہ باطن برروئے بروز انداخت و سلسلہ جنبانی اقبال آسمانی و فیض فرخ احسن جسمی و جانی بنفوذ کمال عنایت حضرت ظل سبحانی رسیدہ گلشن امید و مراد را شگفتہ و خنداں ساخت اکنوں کار از اظہار عطوف و مراسم ظاہری گزشتہ بخواہش حقیقت رسید دمانچہ التفات معنوی بمشام آرزو وفا گشتہ باعث مزید حیات گردیدہ امیدوار ہست کہ اسباب موہلت این دور افتادہ در وقت مسعود و ساعت سعادت آمود دست بہم دہد و از فیض قدمبوس مبارک آن حضرت کہ فی الحقیقت برکت روزگار و آیۂ رحمت پروردگار ند و روزگاران انتظار این وقت و آرزوئے روزی شدن این روز داشت بر مراد خاطر فیروز گشتہ از تجلی دیدار فایض الانوار روزنۂ منظر دیدہ را روکش دریچۂ مشرق مہر انور سازد - زیادہ ازیں دراز نفسی کوتہ اندیشی میداند"

اگرچہ اورنگ زیب کے تمسکوں سے یہ گمان ہوتا ہے کہ تعین وقت مسعود و ساعت سعادت آمود کا اظہار اس دیر و توقف میں اپنے بند و بستوں کے پورا کرنیکے لیے محض ایک حیلہ تھا کیونکہ اس عرصہ میں بادشاہی سردار اور امیر، وزیر و وزرا کے پاس حاضر ہوتے جاتے تھے اور اس حالت میں بادشاہ کے پاس جانے سے بجز ضرر کے کوئی فائدہ متصور نہ تھا۔ اور بقول صاحب سیر المتاخرین حاضر ہونے کا ارادہ ظاہر کرنے کی وجہ صرف اتنی ہی تھی کہ لوگوں کی زبان طعن ذرا بند ہے۔ مگر عاقل خاں اور صاحب عمل صالح کے بیان سے (جو اورنگ زیب کے خوشامدی مورخ نہیں ہیں) معلوم ہوتا ہے کہ اسکا ارادہ فی الحقیقت باپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا تھا۔ مگر فاضل خاں کے چلے جانیکے بعد بعض امرا نے اسے خوب بہکایا اور شاہجہاں کے پاس جانے سے ڈرا دیا۔ چنانچہ فاضل خاں جب تیسرے روز اس امید میں کہ باپ بیٹے کی ملاقات عنقریب ہونے والی ہے خوش خوش پھر آیا اور بادشاہ کی طرف سے بطور علامت اسکی رضامندی اور خوشنودی کے بعض مدہ تحائف مع ایک مشہور تلوار کے جسکا نام عالمگیر تھا اور (جسکی نسبت متوقع

چون وچراے بشر را مدخلے نیست اغماضِ عین ازاں از متممات نشاء خود شناسی خدادانی دانستہ باظہار امرے کہ اکنوں انشراحِ خاطر وانبساط طبع اقدس بدان متعلق ومنوط آمدہ بدل توجہ والا ناگزیر شرف وقوع پذیرفت وغرض از تبئین این مقولہ آنکہ تقاضائے باطن بہ تمنائے خاطر بہ تماشائے جمالِ لقای فرحت انتماے آن فرزند ہوشمند بیدار خرد کہ چراغ ضیا بخش و فروغ افزائے این دودمانِ دولت واقبال ست بغایتے ست کہ حوصلہ تقریر وبیان اندازہ آن را برنمیتابد خاصتہً کہ آن دُرۃ التاج خلافت ودارائی وثمین فریدہٴ زینت افزائے اکلیل فرمان روائی را بنابر ارادت لم یزلی پس از روزگارِ دراز وزمان طویل با این ہمہ قربِ مکان ومحلِ قریب اتفاق نزول افتادہ ومارا پس ازاں چناں امراض متضادہ شدیدہ کہ رشتہٴ اُمید توقف دریں نشاء امل سوز حوادث اندوز قطعاً مقصود ومنقطع بود از شفاخانہ عنایت حکیم علی الاطلاق شربت گوارائی صحت کرامت وصول پذیرفتہ فی الحقیقت حیاتِ تازہ وزندگی دوبارہ عطا گردید التہاب نیرانِ شوق ونوایرِ اشتیاق باقصائے نہایت رسیدہ یقین کہ خواہش قلبی وآرزوی باطنی آن فرزند نیک اختر والا گہر نیز دریں باب از ارباب غلیان نشاءِ محبت و کیفیتِ طلب عزیز مصر بلقائے بزرگ کنعاں خواہد بود چوں زیادہ بریں حوصلہ طاقت بانتظار را برنمی تابد پسندیدہٴ عالمِ استحسان آنست کہ آں ادب دانِ خرد ورسم شناسِ عقل بزودی ہرچہ تمامتر مرہم راحت بر جراحت ترصد نہادہ خاطر اقدس را بمشاہدہٴ جمال لقای بہجت افزای خود فرحت آگین ومسرت آمود سازد ؏ زود آ ودلِ تنگ مرا مونسِ جان باش"

اِس شقّہ کے پہنچنے پر اورنگ زیب نے تملّق کی راہ سے نہایت ہی ادب اور فرمان برداری کا اظہار کیا اور فاضل خاں میر سامان اور سیّد ہدایت اللہ صدر یعنی منتظم اوقاف کو جو یہہ شقّہ اور الفت ومحبّت اور شوقِ ملاقات کے پیغام بانی لیکر آئے تھے بڑے بھاری خلعت عنایت کیئے اور جواب میں یہہ عرضی حوالہ کر کے بہت خاطر ومدارات کے ساتھ رخصت کیا۔

(۱) "مراسم سجدہ وسلام ولوازم تعظیم وتکریم بجا آوردہ بعرض میرساند کہ فرمان فرخندہ عنوان مشتمل بر کیفیت آرزومندیِ خاطرِ فیض مظاہر ورود رسیدن این پروردہٴ نعمت و برآوردہٴ تربیت بزمین بوسِ حضورِ فایض النور شرف صدور وعزِ ورود یافتہ۔ از دریافت مضمونِ اشفاق مشحون آن جریدہٴ فیض کہ ہر کلمہ اش سرمایہ دہ انوار برکات وہر فقرہ اش

پابند کرنا صرف اُسی کے اختیار میں ہے اور جب یہہ وظائف بند ہوجاتے ہیں تو یہہ لوگ بالکل تباہی میں آجاتے ہیں یہانتک کہ تھوڑا سا قرض بھی کہیں سے اِنکو نہیں مل سکتا۔ *

* باپ بیٹے کی منافقانہ کارروائیاں - اُمرا کا اورنگ زیب کے پاس حاضر ہوجانا - اور آخرکار شاہجہاں کا قید ہونا - ان سب واقعات کو عالمگیرنامہ - تاریخ عاقل خاں - عمل صالح - اور سیرالمتاخرین میں حسب تفصیل و ترتیب سے لکھا ہے اُسکا خلاصہ مع پوری نقل اُس خط و کتابت کے جو باپ بیٹے کے باہم ہوتی رہی مفید اور دلچسپ سمجھکر اُسی ترتیب سے اِس جگہہ درج کیا جاتا ہے اِس خط و کتابت کی نقلیں جو عمل صالح اور تاریخ عاقل خاں میں درج ہیں اُنکے الفاظ مختلف اور مطلب واحد ہے - مگر عاقل خاں جو اورنگ زیب کے خاص امیروں میں سے تھا اُسکی تحریروں کو زیادہ سندی سمجھکر سب نقلیں اُسی کتاب سے لی گئی ہیں بجز ایک عرضی کے جو اُسمیں نہ تھی اور عمل صالح سے لی گئی۔

اگرچہ اورنگ زیب کی وہ تحریر جسکو برنیر نے نقل کیا ہے اِن دونوں کتابوں میں نہیں ہے مگر عالمگیرنامہ میں (جسکے مسودات خود اورنگ زیب کے لاحظہ کے بعد صاف ہوتے تھے) داراشکوہ پر فتح پانے کے دوسرے دن بمقام عمادپور عرف ستوگڈہ اورنگ زیب کے ڈیرہ کرنے کا ذکر لکھکر یہہ عبارت تحریر کی ہے کہ

" دریں روز خجستہ معذرت نامہ مشتمل بر صورت حال - و اعتذار وقوع صف آرائی و قتال کہ باعث و بادی آن داراشکوہ بے خرد مغرور بود - و خود منصور بحکم شرع و فتوائے عقل در اقدام بر آن معذور - نگاشتہ بکیے ادب دانی ساختہ بخدمت اعلی حضرت فرستادند "

اور لڑائی سے تیسرے دن شہر آگرہ کے قریب جب باغ نورمنزل معروف باغ دہرہ میں ڈیرہ ہوا تو اُسکے اِس معذرت نامہ کے جواب میں شاہجہاں نے جو رقعہ اپنے قلم خاص سے کہا تھا اُسکا خلاصہ بقول عاقل خاں یہہ ہے

" چون بمقتضائے مشیت ایزدی درمیان آن ثمرۂ باصرۂ سلطنت و جہانبانی و غرۂ ناصیۂ عظمت و کامرانی و شاہ بلند اقبال صحبت بکدورت و ملال انجامید و آنچہ در پردۂ غیب و حجاب تقدیر مستور بود بعرصۂ بروز افتاد - از آنجا کہ در نیرنگ قضا و قدر و ارادت خالق خیر و شر

بات تک بھی نہ نکلی! تو مجھے نہایت ہی رنج ہوتا اور غصہ آتا ہے! افسوس! یہہ لوگ اُن ظالموں کے آگے سر جھکانے کو جاتے تھے جنہوں نے اِنکے آقا اور مالک پر ایسی سختی کی۔ حالانکہ اِن کے موجودہ مرتبے اور درجے اور دولت و حشمت سب کچھ صرف اُسی کی مہربانی کا نتیجہ تھا۔ اور اِس دربار کی رسم کے موافق اُسنے اُنکو ادنے درجوں سے مراتب اعلیٰ پر پہنچایا تھا۔ یہانتک کہ بہت سے اِن میں سے ایسے تھے جو غلامی کی حالت سے امارت کے درجہ کو پہنچے تھے۔ مگر ہاں چند شخص ایسے بھی تھے مثلاً دانشمند خاں[ل٥] جنہوں نے کسی کی بھی جانب داری اختیار نہیں کی تھی۔ لیکن اِن کے سوا اور سب کا عموماً یہہ حال تھا کہ اَب اورنگزیب ہی کا دم بھرتے تھے مگر ان اُمرا کی خاص طور کی حالت پر جب میں خیال کرتا ہوں تو اِن کے اس کفرانِ نعمت اور احسان فراموشی کی نسبت میرا لعن طعن کرنے کا جوش کچھ ٹھنڈا ہو جاتا ہے یعنی ہندوستان کے اُمرا چونکہ فرانس وغیرہ ممالک یورپ کے اُمرا کی طرح مستقل مالک کسی جائداد زمینداری وغیرہ کے نہیں ہیں۔ اسوجہ سے اِن کی آمدنیوں کا کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے۔ جسکو بادشاہ وقت سے کچھ تعلق نہو۔ بلکہ جیسا میں پہلے لکھ چکا ہوں اِنکی آمدنیاں صرف وہ روزینے ہوتے ہیں جنکا تقرر محض بادشاہ کی مرضی پر موقوف ہے۔ اور اُن کا جاری رکھنا

ل٥ داراشکوہ کی مخالفت کے باعث میر بخشی کے عہدہ سے استعفا دیکر اس وقت تک یہہ دہلی ہی میں خانہ نشین تھا اور عالمگیر نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اورنگزیب داراشکوہ کی تعاقب میں اگرہ سے دہلی کے قریب پہنچا تو یہہ خضرآباد کے مقام (جو پرانی دلی کے پاس تھا) اُسکی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ م ح

تو میں فوراً قلعہ کیطرف از خود دوڑا چلا آؤنگا اور حاضر ہوکر دست بستہ عرض کرونگا کہ اب کچھ روک ٹوک نہیں ہے۔

اورنگ زیب نے باپ کی نسبت جو الزام لگایا تھا اسکی تحقیق

اگرچہ مینے سُنا ہے کہ شاہجہاں نے فی الواقع یہہ اشرفیاں اُسی رات کو داراشکوہ کے پاس بھیجی تھیں جبکہ وہ پنجاب کیطرف روانہ ہوا تھا اور اسکی خبر روشن آرا بیگم نے اورنگ زیب کو پہنچائی تھی اور یہہ خبر بھی اُسی نے دی تھی کہ قلعہ میں آؤگے تو قلماقنیاں تمپر حملہ کرینگی اور یہہ بھی کہتے ہیں کہ شاہجہاں کے کئی خط جو اُسنے داراشکوہ کے نام روانہ کیئے تھے اورنگ زیب کے ہاتھ آگئے تھے۔ مگر اکثر دانشمند اور فہمیدہ لوگ ان باتوں کی صحت سے انکار کرتے اور یہہ کہتے ہیں کہ وہ کاغذ جو سرِ عام سنایا گیا تھا محض بے اصل اور صرف لوگوں کے دھوکا دینے اور شاہجہاں کے خیرخواہوں اور طرفداروں کی طفل تسلی اور زبان بندی کے لیئے تھا جو بطور واجب اورنگ زیب کی اس ناشایستہ حرکت کا چرچا کرتے تھے۔

بادشاہ کے قید ہوجانیکے بعد چند لوگوں کے سوا کُل اُمرا کا اورنگ زیب اور مراد بخش کو جا سلام کرنا۔ اور اُن کے اس رویہ کی نسبت مصنف کی راے۔

خیر یہہ باتیں صحیح ہوں یا غلط لیکن یہہ بات بالکل سچ ہے کہ جب بادشاہ ایسے سخت طور سے قید ہوگیا تو قریباً تمام اُمرا اورنگ زیب اور مُراد بخش کے دربار میں تسلیمات کے لیئے جا حاضر ہوئے۔ اور میں جب یہہ سوچتا ہوں کہ اس بیچارے بڈھے اور مظلوم بادشاہ کی حمایت کو امیر نے ذرا بھی ہاتھ پانوں نہ ہلائے۔ اور کسی کے بھوٹے مونہہ سے

خط کتابت اور سلام پیام کے ذریعے بھی سب مسدود کر دیئے ! اور شاہجہاں کو اتنی بھی اجازت نہ رہی کہ قلعدار کی اطلاع کے بغیر اپنے کمرے سے باہر نکل سکے ۔

قید کرنیکے عذر میں اورنگ زیب کا باپ کی خدمت میں عریضہ بھیجنا ۔

اَب اورنگ زیب نے باپ کو ایک عریضہ لکھا جو روانہ کرنے سے پہلے قصداً سب لوگوں کو سُنا یا گیا جسکا مضمون یہہ تھا کہ " یہہ بے ادبی مجھسے اسلیئے سرزد ہوئی ہے کہ حضور ظاہرا میری نسبت اظہار الفت و مہربانی فرماتے تھے اور ارشاد ہوتا تھا کہ ہم دارا شکوہ کے طور طریق سے سخت ناراض ہیں مگر مجھے پختہ خبر ملی ہے کہ حضور نے اشرفیوں سے لدے ہوئے دو ہاتھی اُسکے پاس بھیجے ہیں ۔ جنسے وہ نئی فوج تیار کر لیگا ۔ اور اِس خوں ریز لڑائی کو طوالت دیگا ۔ پس حضور ہی غور فرمائیں کہ یہہ حرکتیں جو فرزندوں کی معمولی طریق کے برخلاف اور سخت معلوم ہوتی ہیں مجھ سے اِن کے سرزد ہو جانے کا باعث کیا صرف دارا شکوہ کی خودسری اور عنادہی نہیں ہے ؟ بلکہ فی الواقع حضور کی اسیری اور اتنی دیر تک شرف قدمبوسی سے میری محرومی اور حضور کے خلاف توقع فرزندانہ خدمات کی بجا آوری میں اسقدر درنگ کا باعث محض وہی ہے ۔ اور میں حضور سے بکمال معذرت یہہ التجا کرتا ہوں کہ میری اِس حرکت کی تعجب انگیز ظاہری صُورت پر لحاظ نفرما کر اس زوال آزادی کو جو صرف چند روز کے لیئے ہے تحمّل کے ساتھ گوارا فرمالیں اور جب دارا شکوہ امن و امان میں خلل انداز ہونے اور حضور کو اور مجھکو ایذا دینے کے قابل نرہیگا

کہ قلعہ کے کُل دروازوں کی کُنجیاں خود اپنی سپردگی میں لیکر میں یہاں نہایت جلد واپس جاؤں کیونکہ وہ حضور کی قدمبوسی کے ازبس مشتاق ہو رہے ہیں اور صرف اتنی ہی دیر ہے کہ اس امر سے اطمینان ہو جائے تو فوراً حاضر ہو جائیں۔

شاہجہاں کا محمد سلطان کو قلعہ کی کُنجیاں حوالہ کر دینا۔

اب دو دن تک تو شاہجہاں کُنجیوں کے دینے میں ہیر پھیر کرتا رہا۔ لیکن جب دیکھ لیا کہ سب لوگ اُسے چھوڑے جاتے ہیں خصوصاً یہ سُنکر کہ تھوڑی سی فوج جو دریچہ خاص کی محافظ تھی وہ بھی چل دی۔ اور اب بچاؤ کی کوئی اُمید باقی نہیں ناچار قلعہ کی کُنجیاں حوالے کر دیں اور بتاکید کہلا بھیجا کہ اورنگ زیب کو اب تو آنا ہی چاہیئے۔ اور لازمہ دانائی یہی ہے کہ وہ جلد ہم سے ملنے کو آئے۔ کیونکہ سلطنت کے بعض ضروری اسرار ہم اُسکو سمجھانا چاہتے ہیں۔

اعتبار خاں خواجہ سرا کا قلعہ دار آگرہ مقرر ہونا اور بادشاہ کی سخت قید۔

لیکن "وہ مکار فقیر" اب بھی بدستور ہوشیاری اور اپنی چال سے چوکنے والا نہ تھا۔ چنانچہ بجائے اسکے کہ اس ارشاد کی تعمیل کرے فوراً اِعتبار خان نامے اپنے ایک معتمد خواجہ سرا کو قلعدار مقرر کر دیا* جسنے پہنچتے ہی سب بیگموں اور بیگم صاحب اور خود شاہجہاں کو قید کر دیا۔ بلکہ قلعہ کے اکثر دروازے تک چُنوا دیئے۔ اور بادشاہ اور اُسکے خیر خواہوں کے باہم آمد و رفت کو کیسی

* عالمگیر نامہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعتبار خاں اسوقت دکن میں تھا۔ اسلئے پہلے ذوالفقار خاں کو قلعدار بنایا گیا تھا۔ س م ح ۱۲

کے کہنے پر چلنے سے اِس حال کو پہنچا جو صرف کینہ اور عداوت کے جوش سے اندھی ہورہی تھی اور بیعقلی سے یہہ سمجھے بیٹھی تھی کہ وہ سیانا کوّا! (اورنگ زیب) قلعہ میں ہمسے ملنے کو آئیگا اور اُس جانور کی طرح جو خود بخود پنجرہ میں آن پھسے گرفتار ہوجائیگا۔

اَب مُحمّدؐ سُلطان کی سُنیئے۔ اُسکی نسبت عموماً اِس مُلک کے مدّبر لوگ یہہ کہتے ہیں کہ تاج شاہی اِسکو مفت ہاتھ آتا تھا۔ مگر اس سے لیا نہ گیا حالانکہ اسمیں بموجب قول مشہور "ہم خرما و ہم ثواب" سلطنت اور دادا کے قید سے چھُڑا دینے کی نیکنامی دونوں حاصل ہوتی تھیں۔ پس اگر وہ ایسا کرتا تو اسکا لازمی نتیجہ یہہ تھا کہ یہہ نوجوان شہزادہ بجائے اِسکے کہ قلعہ گوالیار[۱] میں پڑا زندگی کے دِن گنا کرتا ہے کل اُمور سلطنت کا وہی مالک و مختار ہوجاتا۔ اور اگرچہ چند شخص یہہ بھی خیال کرتے ہیں کہ اسنے باپ کی اطاعت اور حق پدری پر نظر کرکے بادشاہ کی درخواست کو قبول نہ کیا۔ مگر ظن غالب یہہ ہے کہ اُسکو شاہجہان کے عہد و پیمان پر سچّائی کا بھروسہ نہوا اور اُسنے یہہ بھی سوچا کہ ایسے عقلمند اور شجاع شخص سے جیسا کہ اورنگ زیب ہے لڑائی خریدنا محض بیفائدہ اور سراسر خطرناک ہے۔ بہر حال شہزادہ کا خیال خواہ کچھ ہی ہو مگر خلاصہ یہہ ہے کہ اُسنے اِس بدنصیب بادشاہ کی تجویز نہ مانی بلکہ

پاس جانے سے بھی یہہ عذر پیش کرکے اِنکار کردیا کہ مجھے اورنگ زیب کی
طرف سے حضور میں حاضر ہونیکی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ تاکیدی حکم یہہ ہے

[۱] یہہ محمد سلطان کے قید میں ڈالے جانے پر اشارہ ہے جسکا ذکر آیندہ آئیگا۔ س م ح

لوگوں کا قول ہے کہ اگر محمد سلطان ذرا جرأت کر کے شاہجہاں کہنے کو مان لیتا تو غالبًا وہی سب کچھ ہو جاتا - کیونکہ ابتک بھی لوگوں کے دل میں شاہجہاں کا ادب اور لحاظ بہت کچھ باقی تھا - اور اگر یہہ شہزادہ اُسے قلعہ سے نکلنے دیتا اور یہہ بڈھا بادشاہ کچھ فوج لیکر بذات خود اورنگ زیب پر حملہ کرتا تو غالبًا کُل فوج اُسکی فرمانبرداری کرتی اور ذی اقتدار امیر نمکحلالی اور وفاداری سے پیش آتے - اور اس بات پر بھی سب لوگ متفق الراے ہیں کہ اس موقع پر محمد سلطان سے ویسی ہی غلطی سرزد ہوئی جیسی کہ سموگڈھ کی لڑائی کے بعد شاہجہاں سے ہوئی تھی -

اب چونکہ اس جگہہ بادشاہ کی غلطی راے کا پھر ذکر آگیا ہے تو انصاف یہہ چاہتا ہے کہ میں اسکی نسبت یہہ بھی ظاہر کر دوں کہ تمام حالات پر نظر کر کے بہت سے ذی رتبہ مدبر لوگوں کی بالاتفاق یہہ راے تھی کہ داراشکوہ کی شکست کے بعد اس بوڑھے بادشاہ کو قلعہ ہی میں رہنا اور اورنگ زیب کو فریب ہی سے گرفتار کرنا مناسب تھا - اور اُن کا قول تھا کہ خلایق کا یہہ قاعدہ ہی ہے کہ نتیجہ کے ظہور کے بعد کسی تدبیر کو بُرا یا بھلا بتلایا کرتے ہیں اور اکثر اوقات جبکہ نہایت ہی کچے منصوبے چل جاتے ہیں تو لوگ اُنکی بھی تعریف و توصیف کیا کرتے ہیں - پس شاہجہاں کا الفت و محبت اور صفاے نیت جتا کر اورنگ زیب کو گرفتار کر لینا کچھ ناممکن نہ تھا اور اس صورت میں اسکے فہم و فراست کی ویسی ہی تعریف اور ناموری ہو جاتی جیسے کہ اب سب بُرا کہتے اور یہہ الزام لگاتے ہیں کہ یہہ عقل سے خارج بڈھا ایک ایسی عورت (بیگم صاحب)

جوان نے کچھ سپاہی پہلے سے قلعہ کے آس پاس لگا رکھے تھے۔
پس اس بہانہ سے کہ بادشاہ کی خدمت میں کچھ پیغام لیکر جاتا ہی یکایک
اُن سپاہیوں پر آپڑا جو قلعہ کے دروازہ پر متعین تھے اور جو سپاہی ادھر
اُدھر گھات میں لگائے ہوئے تھے جھٹ پٹ آپہنچے اور اہل قلعہ کو
مغلوب کر کے جنکو اسکا کچھ وہم و گمان بھی نتھا قلعہ پر قبضہ کر لیا۔
اسوقت شاہجہاں کو جسقدر خوف و اضطراب ہوا ہوگا وہ ظاہر ہے
پس جس شخص کے پکڑ لینے کے لیئے وہ اتنے دنوں سے گھاتیں لگا
رہا تھا اب خود ہی اُسکا قیدی بنگیا۔

شاہجہاں کا محمد سلطان کو سلطنت کی ترغیب دینا اور اورنگزیب اور شاہجہاں اور محمد سلطان کی تدبیروں کی نسبت مصنف اور اَور لوگوں کی رائیں۔

کہتے ہیں کہ اِس بدنصیب بادشاہ نے قید ہوتے ہی محمد سلطان کو یہہ پیغام بھیجا کہ میں تمسے تخت* کی قسم کرتا ہوں اور قرآن مجید میرے تمہارے درمیان ہے کہ اگر تُم اسوقت مجھسے وفاداری برتو تو میں تمہیں کو بادشاہ بنا دیتا ہوں۔ اور اس موقع کو غنیمت جانکر ہاتھ سے ندو اور فوراً چلے آو اور دادا کو قید سے چھڑا دو اور یاد رکھو کہ اس سے تمکو ثواب آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ایک دائمی نیکنامی حاصل ہوگی۔

* اصل کتاب میں تاج کا لفظ ہی جسکی جگہہ ہمنے ہندوستان کے محاورہ کے بموجب تخت کا لفظ اختیار کیا ہے۔ کیونکہ ہمکو یاد ہے کہ دلّی کے خاندان شاہی کے اکثر لوگ غدر ۱۸۵۷ء تک بھی (جس میں اس خاندان کا نام و نشان ہی مٹ گیا) بات بات پر تخت ہی کی قسم کھایا کرتے تھے۔ حالانکہ نہ کچھ تخت ہی رہا تھا نہ تاج۔ مطلب یہہ کہ تخت کی قسم اس خاندان میں بہت ہی مؤکد اور مقدس سمجھی جاتی تھی۔ س م ح

لیئے بچھایا تھا کچھ تعجب کی بات نہیں اور اسکی تفصیل اس طرح پر ہے کہ
شاہجہان نے ایک معتبر خواجہ سرا کو اورنگ زیب کے پاس یہہ پیغام دیکر
بھیجا کہ بیشک داراشکوہ نے جو کچھ کیا وہ سب نامناسب تھا اور اُسکی بے سمجھی
اور نالائقی کی باتیں یاد دلا کر کہا کہ تمپر تو ہم ابتداہی سے دلی شفقت رکھتے ہیں پر
تمکو ہمارے پاس جلد آنا چاہیئے تاکہ تمہارے مشورہ سے اُن اُمور کا انتظام
کیا جاوے جو اس افراتفری کے باعث خراب اور ابتر پڑے ہوئے ہیں۔ مگر
اِس محتاط شہزادہ نے بدگمانی سے بادشاہ پر اعتماد کر کے قلعہ میں چلے جانیکی دلیری
نہ کی کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ بیگم صاحب کسیوقت بادشاہ سے جُدا نہیں ہوتی
اور اُسکے مزاج پر اسقدر حاوی ہے کہ جو کچھ وہ چاہتی ہے وہی ہوتا ہے۔
اور یہہ پیغام اُسیکا ایک چلکہ ہے۔ اور اُسنے قلماق نیوں* میں سے جو
محلسرا میں چوکی پہرہ کے کام پر تعین رہتی ہیں کچھ قوی ہیکل اور مضبوط اور
مسلح عورتیں اس قصد سے لگا رکھی ہیں کہ جب وہ قلعہ میں داخل ہو تو فوراً
اُسپر آن پڑیں۔ اور اگرچہ اُسنے بارہا اپنی حاضری کی تاریخیں اور دن معین
کیئے لیکن کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ٹالتا ہی رہا۔ اور اِدھر اپنی معمولی کارروائیاں
کرتا رہا یہانتک کہ اکثر بڑے بڑے ذی اقتدار امیروں کا عندیہ دریافت
کر لیا۔ اور جب سب بندوبست ہو گیا تو یکایک اُسکا بیٹا محمد سلطان آکر قلعہ پر
قابض ہو گیا جس سے سب لوگ ہکّے بکّے رہ گئے۔ اِس جانباز اور عالی ہمت

---

* اصل کتاب میں تاتاری عورتیں ہیں مگر چونکہ وہ ترک قوم کی عورتیں ہیں جو محل کے چوکی پہرہ کا کام دیتی تھیں اُن کو
قلماق ۱۰ ترجمہ میں بھی یہی نقطہ اختیار کیا گیا ہے۔ اور نیز ہر کہ قلماق بھی ایک تاتاری ہی قوم ہے۔ مترجم

سے ہم نہایت راضی اور خوش ہیں"۔ اگرچہ شاہجہان اورنگ زیب کی مکّاری اور شوق جہانداری سے بخوبی واقف تھا۔ اور اُسکی اِن ظاہری باتوں پر اُسکو ہرگز اعتماد نہ تھا۔ مگر باوجود اسکے اُسنے صفائی کے ساتھ معاملہ کو یکسو کیا یعنی اگرچہ یہہ واجب تہا کہ دربار میں امرا اور ارکان دولت کو جمع کر کے خود اُسکے مقابلہ نکلتا اور اسطرح خلایق کی نظر میں اُسکو علانیہ باغی ثابت کرتا حالانکہ ان اُمور کے لیئے ابتک موقع تھا۔ مگر کچھ نکیا اور اسکے عوض صرف چالاکی اور دمبازی سے اورنگ زیب جیسے شخص پر جو ایسی باتوں میں دنیا بھر کے مکّاروں کا اُستاد ہے غالب آنا چاہا۔ بس اُسکا خود اُس جال میں پھس جانا جو بیٹے کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

اور بقول مسٹر ٹالبائے وہیلر مؤلف تاریخ جشن قیصری دہلی واقع یکم جنوری ۱۸۷۷ء رقبہ چار ہزار اکیاسی میل مربّع اور آمدنی اسّی ہزار اور آبادی ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کی ہے۔ اُس راجہ کا نام جسنے سلیمان شکوہ کو پناہ دی تھی فارسی زبان کی تاریخوں میں پرتھی سنگھ اور پرتھی پت لکھا ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ کا لفظ سلاطین مغلیہ کے ادب کے منافی سمجھکر لفظ سنگھ اور پت کے ساتھ دانستہ بدل دیا ہے۔ جیسا کہ گولکنڈا اور بیجاپور کے بادشاہوں کو بجاے قطب شاہ قطب الملک اور بجاے عادل شاہ عادل خان لکھتے تھے۔ اور ناظرین تاریخ کے لیئے یہہ امر بھی قابل غور ہے کہ سلاطین مغلیہ کے زمانہ میں جو مقامات ایسے دشوار گزار اور کُدھب سمجھے جاتے تھے کہ اُن کے دشمن اور باغی وہاں کے آزاد مطلق راجاؤں کے پاس جاکر بے تکلّف پناہ لیتے تھے سرکار عالیہ انگریزی کی کوششوں سے وہی مقامات بلکہ اُن سے بھی بہت آگے اور دور تک عمدہ سڑکوں اور پلوں کے بن جانے کی وجہ سے ایسے سہل العبور ہو گئے ہیں کہ ھندوستان کے ہر ایک حصّہ سے ہر سال ہزاروں جاتری مرد اور عورت بدّری ناراین وغیرہ تیرتھوں کے درشن کو جو ہمالہ کے برفانی اور سر بفلک پہاڑوں میں واقع ہیں اسی سری نگر اور ٹیہری کے راستہ سے بہت آرام کے ساتھ آتے جاتے ہیں۔ س م ح ۱۲

عرض کی ہے - اور اِن واقعات کے وقوع میں آپکا اُسکو نہایت ہی رنج و
افسوس ہے - اور اُسکا آگرہ آنا محض اِس غرض سے ہے کہ جو کچھ ارشاد ہو
وہ بسر و چشم اُسکی تعمیل کرے" جسکے جواب میں شاہجہاں نے بھی اپنے
فرزند سعادتمند کے طور و طریق کی نسبت ایسی ہی ظاہرداری اور تملق کے
ساتھ اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا - اور کہا کہ اُسکی سعادتمندی اور ایسی فرمانبرداری

انگلشیہ کے ماتحت اور کمشنری کمایوں کا جسکا صدر مقام الموڑہ ہے ایک جز اور اُن کئی برستانی نالوں میں سے جو کوہستان ہمالہ سے نکلنے کے بعد دریاے گنگا کہلاتے ہیں الکھنندا نامے ایک نالہ کے کنارہ سطح سمندر سے سترہ سو انچاس فٹ بلند اور ایک یورپین اسسٹنٹ کمشنر کا جاے قیام ہے - اِس عیسوی صدی کے شروع میں جو کوہستان نیپال کے رہنے والے گورکھا لوگ ہندوستان کے مغربی اور شمالی پہاڑوں پر بہت دور تک قابض ہوگئے تھے - تو انہوں نے یہاں کے راجہ کو بھی حکومت سے خارج کردیا تھا - مگر جب سرکار انگریزی نے اُن کو اِن سب پہاڑوں سے نکال دیا تو ۱۸۱۵ء اٹھارہ سو پندرہ میں وہاں کے خارج شدہ راجہ سودرشن شاہ کو گڑھوال کا علاقہ دیکر ریاست پر پھر بحال کردیا - لیکن اُسکے قدیمی ملک میں سے وہ حصہ جو الکھنندا اور منداکنی کے مقام اتصال سے اوپر کی جانب شرق کی طرف تمام علاقہ ڈیرہ دون اور پرگنہ رام گڈھ کے اپنے قبضہ میں رہنے دیا - چنانچہ ریاست مذکور کا صدر مقام اب ٹیہری نامے ایک چھوٹا سا شہر ہے - جو ۳۰ تیس درجے ۲۳ تیئیس دقیقے عرض شمالی اور ۷۸ اٹھتر درجے ۲۸ اٹھائیس دقیقے طول شرقی پر سمندر سے دو ہزار فٹ بلند گنگا کی ایک شاخ بھاگیرتھی نامے کے بائیں کنارے سری نگر کے سامنے قریب دو منزل کے فاصلہ پر آباد ہے اور راجہ سوم بنسی راجپوت خاندان کے قوم سے ہے - اور اُسکے نام کے اخیر میں نیپال کے فرماں روا خاندان کے راجاؤں کی طرح شاہ کا لفظ لگایا جاتا ہے - مثلاً موجودہ حال جسکا نام پرتاب شاہ ہے بھوانی شاہ کا بیٹا اور سودرشن شاہ کا پوتا ہے

وعیاری میں گویا خود اورنگ زیب ہی تھا شاہجہان کے حضور میں بھیجا اور اُسنے
اِس بڈھے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوکر اداے تسلیمات کے بعد اپنے
آقا کی طرف سے بیحد ادب و تعظیم اور محبّت و فرمانبرداری کا اظہار کیا اور عرض
کی کہ یہہ جو کچھ گزرا صرف دارا شکوہ کی کج رائی اور بیجا جاہ طلبی کے خیالات
کے باعث ہوا۔ اورنگ زیب نے حضور کی خدمت میں حصولِ صحت کی مبارکباد

لیکر شہزادہ سے کیا بلکہ پہاڑ سے اُترتے ہی دنیا سے رخصت ہوا۔ اور باقیماندہ سردار جو
نا امیدیوں کے باعث ادھر اُدھر کھسک جانا چاہتے تھے مگر شہزادہ کی مرضی اور راجہ
کے ملازمونکی رہنمائی کے بغیر اس پہاڑی ملک میں سے نکل نہیں سکتے تھے اُنہوں نے
کچھ جھوٹ سچ بول کر اُسکو پھر الہ آباد جانیکے لیئے آمادہ کیا تاکہ شجاع کے ساتھ شامل
ہوجاے (کیونکہ اپنی شکست کے بعد دارا شکوہ نے بذریعہ خط وکتابت مصالحہ کرکے
اُسکو آگرہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تھی) الغرض شہزادہ راجہ کا شکریہ ادا کرکے اور
کچھ تحفے تحایف دیکر رخصت ہوا۔ مگر نگینہ میں واپس پہنچتے ہی یہہ دغاباز اور خودغرض خیرخواہ
اسکو چھوڑکر ادھر اُدھر چلدیئے۔ اور بناچاری پھر سری نگر کی طرف لوٹنا پڑا۔ اور اَب
سواے سیّد احمد کے جسکا بھائی سیّد قاسم ابتک قلعہ الہ آباد کو تھامے
ہوئے تھا۔ اور اُسکے کوکے محمّد شاہ اور دو تین اَور سرداروں اور بیچاری مصیبت زدہ
بیگم اور چند اور عورتوں اور سترہ نوکر چاکروں اور ہمراہیوں کے اُس تمام فوج ولشکر میں
سے کوئی بھی ساتھ نرہا۔ اور چونکہ اسکے پہاڑ سے اُترنے کی خبر سنکر اورنگ زیب کے
بعض سردار پھر اسکا راستہ روکنے کے لیئے آپہنچے تھے۔ اسلیئے یہہ خوف زدہ شہزادہ
گھبراہٹ میں جسقدر جواہرات اور اشرفیاں ساتھ لے سکا لیکر راتوں رات نگینہ سے
چل کھڑا ہوا اور خوف کے سبب معمولی راستہ چھوڑکر راجہ کے آدمیونکی رہنمائی سے ایک
اور راستہ سے سری نگر کو چلا گیا جہاں شہر سے نیچے آکر راجہ اُسے اپنے ہاں لے گیا۔
واضح ہوکہ شہر سری نگر مع اُن پہاڑی علاقوں کے ایک حصّہ کشیر کے جو اسوقت
کمایوں اور سری نگر کے راجاؤنکی خودسر حکومتوں میں تھے۔ اِس زمانہ میں گورنمنٹ

اورنگ زیب کا آگرہ میں آنا اور باپ بیٹے کے باہم سلام و پیام اور آخرکار شاہجہاں کا قید ہو جانا۔

اب ہم اُن واقعات کا ذکر پھر شروع کرتے ہیں جو آگرہ کی طرف وقوع میں آئے۔ سموگڈہ کی لڑائی کے تین چار روز بعد دونوں شاہزادوں نے ایک باغ میں جو آگرہ کے سامنے قریب تین میل کے ہے ڈیرے آن لگائے اور ایک خواجہ سرا کو جو اورنگ زیب کا نہایت معتمد علیہ اور چالاک تھا

کے ایک معتمد ملازم سَیّدُ قَاسِم عرف سَیّدُ کَاسُو بَارَہ وَالْ کے قبضہ میں تھا اور چند روز ٹھہر کر لکھنو کی راہ سے قصبہ نِگِینَہ کی طرف (جو داراشکوہ کی بڑی بہن معروف بیگم صاحب کی جاگیر میں تھا اور جسکو اس کتاب میں ندینہ چاندپور کرکے لکھا ہے) روانہ ہوا تاکہ گنگا کے کسی گھاٹ سے اتر کر اور بھیہ سہارنپور کے قریب بوڑیہ کے گھاٹ سے دریائے جمنا کو عبور کر کے پنجاب کو باپ کے پاس چلا جائے۔ مگر جب دشمن کے مقرر کیئے ہوئے سرداروں کی مزاحمت کے باعث اس طرف سے گنگا کو عبور نکر سکا تو مرادآباد کی نواح سے ہوتے ہوئے ھردوار کے قریب وہاں کے راجاؤں خصوصاً راجہ سری نگر کی مدد سے اس دریا سے اترنا چاہا۔ اور اس ارادہ سے بمقام چاندی پہنچکر (جسکو صاحب عالمگیر نامہ نے "محاذی ہردوار و متصل ولایت سری نگر" لکھا ہے) بھوانی داس نامے اپنے دیوان "بیوتات" کو جو پہلے بھی داراشکوہ کا بھیجا ہوا وہاں ہو آیا تھا کچھ تحائف دیکر سری نگر کے راجہ کے پاس کشتیوں کے بہم پہنچانے میں مدد کرنیکے لیئے بھیجا۔ مگر اتنے میں جو امیرالامرا شائستہ خاں اور فدائی خاں بہت سی فوج کے ساتھ سامنے آموجود ہوئے اور بجز سری نگر جانیکے کچھ چارہ نرہا تو چاندی سے اُٹھکر بمقام کاناتال جو سری نگر کی حد میں داخل تھا جا ڈیرہ کیا۔ اور یہاں سے راجہ کے اہلکار پہاڑ پر لیگئے اور چار منزل راجہ خود آگے آیا اور سری نگر لیگیا۔ اور کہا کہ آپ مختصر طور پر یہاں تشریف رکھ سکتے ہیں۔ مگر ان ہاتھی گھوڑوں اور فوج و لشکر کی میرے اس پہاڑی اور چھوٹے سے ملک میں گنجایش نہیں۔ اب بہادر خاں تو مرض الموت کے سبب اجازت

جو اکثر منصبدار اور ذات کے سیّد تھے - اور جنہوں نے اُسکی رفاقت کا ترک کرنا خلاف شرافت سمجھا کوہستان کیطرف چلدیا - مگر جیسنگھ اور دلیرخاں ایسے کمینے نکلے کہ کچھ سپاہی بھیجکر اس بیچارہ کا مال و اسباب لوٹ منگایا - جسمیں اشرفیوں سے لدا ہوا ایک ہاتھی بھی تھا - اور اِنکی اس نالایق حرکت کے باعث سُلیمان شکوہ کے بہت سے ہمراہی شکستہ خاطر ہوکر اُس سے جُدا ہو گئے - اور جو باقی رہے اُنکو اکثر دیہاتی گنواروں نے لوٹ کھسوٹ کر تباہ کردیا بلکہ اِن کے ہاتھوں سے بہتیرے مارے بھی گئے مگر جسطرح بن پڑا یہہ مرتا بھرتا اپنی بیگم اور اہل و عیال کو ساتھ لیئے ہوئے سِری نگر جا پہنچا اور وہاں کا راجہ اُسکے رتبہ کے لایق تعظیم و تکریم سے پیش آیا اور تسلّی کی کہ جبتک آپ اِس ملک میں ہیں میری تمام سپاہ آپکی مدد کے لیئے حاضر ہے اور آپ کو کچھ خوف و خطر نہیں ہے - ※

※ عالمگیرنامہ میں سلیمان شکوہ کے سِری نگر جانیکے حالات کو بہت طوالت سے لکھا ہے مگر ہم اُسکا خلاصہ یہاں لکھتے ہیں کہ "جب سلیمان شکوہ الہ آباد سے تین منزل اِس طرف آ پہنچا - تو لڑائی کے چوتھے دن باپ کی شکست کی خبر ملی - اور اِس تشویش کی حالت میں جو راجہ جیسنگھ سے صلاح پوچھی تو اُسنے یہہ مشورہ دیا کہ اوّل تو جسطرح بنے دہلی پہنچکر اپنے باپ کے ساتھ شامل ہو جایئے - اور اگر یہہ نہیں ہو سکتا تو ہٹ کر الہ آباد جا ٹھہریئے اور موقع وقت کا انتظار کیجئے - اور جب وہ الہ آباد جانیکو تیار ہوا تو رفاقت سے جواب دیدیا - بلکہ عین روانگی کیوقت اپنے دوست دلیرخاں کو بھی اونچ نیچ سمجھا کر ساتھ جانے سے روک لیا - اور اِس حالت کو دیکھکر اَور سرداروں نے بھی اُسکی پیروی کی - اور اگرچہ شہزادہ کی ذاتی راے دہلی پہنچنے کی تھی مگر اُسکا اتالیق بہادرخاں اُسکو الہ آباد لے گیا - کیونکہ یہاں کا مستحکم قلعہ داراشکوہ

اور عجب نہیں کہ خود اورنگ زیب ہی کے ہاتھ سے سزا ملجاے - اور یہہ بھی خوب
معلوم تھا کہ سُلیماں شکوہ کیسا عالی دماغ و غیور اور بلند حوصلہ و دلیر شاہزادہ ہی
اور بیشک جان دیدیگا مگر قید کبھی نہوگا - مگر آخرکار دونوں نے یہہ ٹھہرایا
کہ راجہ جینسنگھ سُلیماں شکوہ کے خیمہ میں جاے اور اَورنگ زیب کی تحریریں
دکھاکر اپنی راے سے اُسکو مفصل اور بپوست کندہ مطّلع کر دے - چنانچہ راجہ
نے شہزادہ سے جاکر کہا کہ جس خطرناک حالت میں آپ پڑے ہوئے ہیں مناسب
نہیں کہ میں اُسکو آپ سے پوشیدہ رکھوں - اور معاملات کی حالت ایسی ہل گئی
ہے کہ اب آپکو نہ تو دلیرخاں ہی پر اعتماد کرنا چاہیئے اور نہ داؤد خاں اور
اپنی فوج ہی پر - اور اگر آپ اپنے باپ کی امداد کے ارادہ سے ذرا بھی آگے
بڑھینگے تو بیشک تباہ اور برباد ہو جائینگے - پس مناسب یہہ ہے کہ آپ سری نگر
کے پہاڑوں کو چلے جائیں - وہاں کا راجہ یقیناً آپکو بہت خاطرداری سے رکھیگا
اور مُلک کے دشوار گزار ہونیکے باعث اَورنگ زیب سے اُسکو کچھ ڈر نہیں
ہے - اور اُس محفوظ جگہہ میں کچھ دنوں ٹھہر کر آپ حالات اور واقعات پر نظر رکھیں
اور جب موقع معلوم ہو تو بآسانی وہاں سے نیچے اُتر کر مقتضاے وقت کے موافق
عمل کر سکتے ہیں -

سلیماں شکوہ کا سری نگر کو روانہ ہونا اور جینسنگھ اور دلیرخاں کا اُسکے مال و اسباب کو لوٹ لینا اور اُسکے رفیقوں کی تباہی مگر شہزادہ کا سری نگر پہنچ جانا -

شہزادہ یہہ گفتگو سنتے ہی سمجھ گیا کہ اب نہ تو جینسنگھ ہی اپنا ہے اور نہ لشکر ہی اور سب برگشتہ ہیں - اور یہاں ٹھہرنا جان جوکھوں میں پڑنا ہے
بس ناچار فوج و لشکر کو وہیں چھوڑ کر اپنے چند نمک حلال اور خاص رفیقوں کے ساتھ

کا حال لکھتے ہیں جو اُسنے بڑی دوراندیشی اور حسن تدبیر سے آگرہ پہنچکر کیئے۔ چنانچہ سب سے پہلے یہہ تدبیر کی کہ سُلیمان شِکوہ کے لشکر میں نااتفاقی کا بیج بویا بلکہ بعض سرداروں کو اپنی طرف کر بھی لیا۔ اور اس تدبیر سے دَاراشِکوہ کی امیدوں کا بالکل خاتمہ کر دیا یعنی رَاجہ جَیسِنگہ اور دِلیرخَاں جو سُلیمان شِکوہ کے لشکر کے سب سے بڑے سردار تھے۔ اُنکو لکھا کہ دَاراشِکوہ بالکل تباہ اور وہ بڑا لشکر جسپر اُسکو اسقدر گھمنڈ تھا شکست فاش کھاکر ہمارا مطیع ہو گیا ہے اور وہ ایسی بے سروسامانی سے بھاگا جاتا ہے کہ سواروں کا ایک رسالہ تک ساتھ نہیں۔ اور امید ہے کہ ہم بہت جلد اُسکو گرفتار کر لینگے۔ اور حضرت (شاہجہان) اسقدر علیل ہیں کہ صرف چندروز کے مہمان اور چراغ سحری ہیں۔ پس اس حالت میں اگر تم ہم سے مقابلہ کروگے تو نتیجہ بجز خرابی اور ہلاکت کے کچھ نہوگا۔ اور داراشکوہ کی اس ابتر حالت میں اُسکی طرفداری کرنا نہایت ہی نادانی ہے۔ اور تمہارے حق میں اب یہی بہتر ہے کہ ہمارے پاس حاضر ہو جاؤ۔ اور سُلیمان شِکوہ کو جو بآسانی گرفتار ہوسکتا ہے پکڑ کر ساتھ لیتے آؤ۔

راجہ جیسنگہ اور دلیرخاں کا سلیمان شکوہ سے برگشتہ ہو جانا اور جیسنگہ کا اُسکو سری نگر کے راجہ کے پاس چلے جانے کی صلاح دینا۔

جیسِنگہ اور دلیرخاں اگرچہ چندے متأمل اور متردد رہے۔ کیونکہ اب تک شاہجہان اور داراشکوہ سے ڈرتے تھے اور شاہزادہ پر ہاتھ ڈالنے سے بھی اسوجہ سے خوف کرتے تھے کہ ایسی حرکت بالفعل یا آیندہ کسی دن ہمارے حق میں مضر اور موجب سزا ہوسکتی ہے

فوراً آگرہ چلا آیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ الفاظ اُسکو یاد تھے جو شاہجہاں نے لڑائی پر جاتے کو کہے تھے۔ اسلئے بادشاہ کے سامنے نہو سکا مگر شاہجہاں نے ہر حال ایک وفادار خواجہ سرا کی زبانی اس بدنصیب شہزادہ کی تسلی اور تسکین کے لئے یہہ کہلا بھیجا کہ میں اب بھی تمکو ویسا ہی چاہتا ہوں اور تمہاری اس معیبت کا مجھے بہت رنج ہے! بلکہ یہہ بھی کہہ بھیجا کہ ابھی سلیمان شکوہ کی فوج اور لشکر سب صحیح وسلامت ہے نا اُمید ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اور ہماری صلاح یہہ ہے کہ بالفعل تم دہلی کو چلے جاؤ صوبہ دار کو حکم بھیجدیا گیا ہے وہ تمکو بادشاہی اصطبل میں سے ایکہزار گھوڑا اور خزانہ اور ہاتھی دیگا۔ اور آگرہ سے دُور نجانا چاہیئے۔ بلکہ ایک ایسے معقول فاصلہ پر ٹھہرنا مناسب ہے کہ جہاں ہماری تحریریں تمکو آسانی ملتی رہیں۔ اور ہمکو تب یہہ امید ہے کہ ہم اورنگ زیب کو قابو میں لاسکیں بلکہ سزا دیسکینگے۔" مگر داراشکوہ ایسا شکستہ خاطر اور اسقدر غمگین تھا کہ ان محبت آمیز باتونکا کچھ جواب نہ دیسکا بلکہ معقول طور پر اتنا بھی نہ کہہ سکا کہ آپکا پیغام میرے پاس پہنچگیا۔ اور اسکے بعد بیگم صاحب کے پاس چند پیغام بھیجکر آدھی رات کو مع اپنی بیگم اور بیٹیوں اور اپنے فرزند سپہر شکوہ اور قریب تین چار سو آدمیوں کے دہلی کی طرف چلدیا۔

اورنگ زیب کا سلیمان شکوہ کے ہمراہی سرداروں کو اپنی طرف کرنیکی کوشش کرنا

اب ہم داراشکوہ کے دہلی جاکر احوال کو کہ وہ کس غمگینی اور شکستہ دلی سے روانہ ہوا یہیں چھوڑتے ہیں۔ اور اورنگ زیب کے ان توڑ جوڑ دل

ذی اقتدار امیر تھا اور تمام ہندوستان میں اُسکے یہہ اوصاف مشہور تھے
کہ حُسنِ تقریر اور خوبی انشا و تحریر و فصاحتِ بیانی اور شیریں زبانی سے بڑے بڑے
کام نکال سکتا ہے - اور مشہور ہے کہ بباعث کسی اصلی یا خیالی تحقیر کے جو داراشکوہ
کی طرف سے اُسکی نسبت ظہور میں آئی تھی یہہ اُس سے نہایت نفرت رکھتا تھا
اور اسی وجہ سے داراشکوہ کی بربادی کے لیئے اِس موقع کو اِسنے بھی غنیمت
سمجھ لیا تھا - *

اورنگ زیب کا بظاہر یہہ کہتے رہنا کہ مَیں تو ایک فقیر ہوں اور مراد بخش بادشاہ ہے

باوجود اِس فتح کے حضرت اورنگ زیب بہادر اپنی وہی معمولی چال چلے جاتے تھے - یعنی
بیغرضی اور خلوص نیّت کے لباس میں حصول سلطنت کے منصوبہ کو پوشیدہ کیئے
ہوئے تھے اور جو کچھ پیام و سلام اور وعدے وعید اور کارروائیاں کیجاتی
تھیں وہ سب مُراد بخش کے نام سے ہوتی تھیں - اور اُسکو بادشاہ بنا رکھا تھا
اور اپنے تئیں صرف اُسکا نائب اور ایک فرمانبردار خیرخواہ بیان کرتا اور ایسی
باتیں بناتا تھا کہ سلطنت کی شان و شوکت اور کرّو فر گویا اُسے مرغوب ہی نہیں
بلکہ فقیرانہ گزران کرنا اور حالت فقیری ہی میں مرجانا اُسکی دلی مُراد اور عین تمنّا ہے

داراشکوہ کی نااُمیدی اور بادشاہ کیطرف سے تسلی و تشفی کے پیغام اور اُسکا دِہلی کو بھاگ جانا

اِسوقت داراشکوہ خوف و خطر کے دریا میں ڈوبا ہوا اور محض نااُمید تھا - اور اگرچہ

* اورنگ زیب سے سازش رکھنے کے شبہ میں مالوہ کی صوبہ داری سے تو یہہ پہلے ہی معزول ہو چکا تھا - جیسا کہ ایک حاشیہ میں ہم لکھ آئے ہیں - مگر اسکے بعد جاگیر بھی ضبط ہو گئی تھی - بلکہ دو چار روز قید رہنے کی بیعزتی کا بھی صدمہ اُٹھا چکا تھا - س م ح ۱۲

فتح کے بعد ہر سلطنت کے ساتھ اورنگ زیب کے توڑ جوڑ اور سب سے پہلے خلیل اللہ خاں کا اسکے پاس حاضر ہونا اور اورنگ زیب کا مراد بخش کو دھوکا دینا

اورنگ زیب جو اپنی مطلب براری کے واسطے ہر ایک کمینہ حرکت اور فن و فریب کے ارتکاب کے لیئے ہمیشہ ہی تیار رہتا تھا۔ یہہ غیر مترقب اور خداداد فتح پاکر یہہ سمجھکر کہ میرے معمولی ہتکھنڈوں کے کام میں آنیکا اب موقع ہے اپنی مکاری کی چالوں اور توڑ جوڑوں میں مصروف ہوا۔ چنانچہ سب سے پہلے دغاباز خلیل اللہ خاں آن موجود ہوا اور تسلیم بجا لاکر عرض کیا کہ بجاآوری خدمات کے لیئے حاضر ہوں۔ اور جسقدر فوج سر دست اُسطرف سے پھٹ کر میرے ساتھ آسکی ہے وہ بھی حاضر ہے چنانچہ شہزادہ (اورنگ زیب) نے بیحد اظہار عنایت کیا اور بڑے بڑے وعدے دیئے۔ مگر احتیاطاً سب وعدے مراد بخش کیطرف سے کرتا رہا۔ اور اُسکے پاس لیگیا۔ اور موقع وقت کے موافق اُسنے بھی بہت ہی کچھ آؤبھگت اور خاطر داری کی اور اورنگ زیب اگرچہ بظاہر مراد بخش کو برابر شاہ ہندوستان کہکر گفتگو کرتا رہا اور خلیل اللہ سے کہا کہ صرف حضرت ہی تخت نشینی کے لائق ہیں اور یہہ فتح محض انہیں کی قابلیت اور شجاعت سے حاصل ہوئی ہے۔ مگر باطن کا یہہ حال تھا کہ شب و روز اُمراے سلطنت کو تحریریں بھیج بھیجکر بتدریج اپنی طرف متوجہ اور رجوع کرتا جاتا تھا۔

شائستہ خاں کی کوششوں کو اورنگ زیب کو نفع کثیر پہنچنا۔

اِندنوں اورنگ زیب کا ماموں شائستہ خاں بھی اپنے اس بھانجے کے حق میں بہت کچھ کوشش کرتا تھا۔ اور فی الحقیقت اُسکی مدد سے اورنگ زیب کو فائدہ بھی بہت پہنچا۔ کیونکہ شائستہ خاں ایک چست و چالاک اور نہایت برادر

تو پھر اُسکو حالت سابقہ پر لانا مشکل ہو جاتا ہے - اور جیسے کوئی بڑا دریا اُچھلکر کناروں سے باہر بہہ نکلتا اور اُسکا پانی پھیل جاتا ہے - اِسی طرح ابتری کے بعد بڑے لشکروں کو قابو میں لانا ناممکن ہوتا ہے - چنانچہ میں جب اِن بے انتظام فوجوں کو دیکھتا تھا کہ حیوانوں کے گلّوں کی مانند چلتی ہیں تو ہمیشہ یہہ خیال آتا تھا کہ ہمارے صرف پچیس[۲۵] ہزار کارآزمودہ سپاہی زیر حکم پرنس کانڈی یا مارشل تورین ہندوستان کی فوج پر جو کتنی ہی کیوں نہو غالب آسکتی ہیں اور جب میں کتابوں میں پڑھتا ہوں کہ یونانیوں کی دس ہزار سپاہ نے کیا کچھ کر دکھایا تھا - اور مقدونیہ کے پچاس ہزار سپاہیوں نے جو سِکندر کے ساتھ تھے ایران کے بادشاہ دارا کے چھ سات لاکھ آدمیوں کے لشکر کو شکست دی تھی (بشرطیکہ یہہ بات سچ بھی ہو کہ دارا کی فوج بہیر کے سوا فی الواقع اتنی ہی تھی) تو باقاعدہ اور بے قاعدہ فوجوں کی حالت پر لحاظ کرنیکے بعد مجھے اِن روایتوں کی صحت پر کچھ تعجّب نہیں ہوتا - اور میری دانست میں فرانسیسی سپاہ دشمن کے حملے کو اپنے معمولی استقلال سے رد کرکے ہر ایک ہندوستانی فوج کو سخت تہلکہ میں ڈال سکتی یا سِکندر کی طرح دشمن کی صف کے ایک خاص حصّہ پر اپنا تمام زور ڈالکر باقی سپاہ میں اپنا سخت خوف اور عام بدنظمی اور انتشار پھیلا سکتی ہے -

---

پَ رِ نْ سْ کَ اُ نْ ڈِ ی — Prince Condé.

مَ ا رْ شَ لْ - تُ وُ رِ ی نْ — Marshal Turenne.

فائدہ ہوا ہے تو وہی تمام بادشاہت کا مالک ہوتا۔ لیکن زود اعتقاد اور سادہ دل شاہزادہ فریب میں آگیا اور ہاتھی سے اُتر کر گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اُسکو شک ہوا۔ اور پوچھا کہ خلیل اللہ خاں کہاں ہے۔ مگر وہ اَب کہاں تھا۔ اور کب اُسکے ہاتھ آتا تھا۔ اور دارا شکوہ اگرچہ اُسکو بہت بُرا بھلا کہتا رہا اور یہہ بھی کہا کہ میں اُسے زندہ نچھوڑوں گا۔ لیکن اُسکا یہہ غصّہ اور دھمکیاں سب بیکار اور بیفائدہ تھیں! کیونکہ سپاہ نے جب دیکھا کہ ہمارا مالک ہاتھی پر نہیں ہے تو فوراً اُسکے مارے جانے کی افواہ اُڑ گئی! اور تمام فوج اس دھوکے میں پڑکر حواس باختہ ہوگئی۔ اور عام تہلکہ پڑگیا! اور سب کو اورنگ زیب کے قہر و غضب کے اندیشہ سے اپنی اپنی جان کی پڑگئی! اور چند لمحہ میں تمام فوج تتر بتر ہوگئی۔ اور عجب انقلاب ہوا کہ غالب مغلوب اور مغلوب غالب ہوگیا۔ اور عجیب ماجرا ہے کہ اورنگ زیب نے صرف پاؤ گھنٹہ ہاتھی پر سوار رہنے سے یہہ نتیجہ پایا کہ تمام ہندوستان کا بادشاہ ہوگیا۔ اور دارا شکوہ کو چند لمحہ قبل از وقت اپنے ہاتھی پر سے اُترنے کا یہہ پھل ملا کہ ہاتھی سے کیا اُترا گویا اوج سلطنت سے گرگیا۔ اور بدبخت بادشاہوں اور شہزادوں کی فہرست میں داخل ہوگیا! دیکھئے انسان کیا کوتہ اندیش ہے۔ اور ایک چھوٹی سی بات سے اس دنیا میں کیسے کیسے بڑے نتیجے پیدا ہوجاتے ہیں!

کثرت کی بنسبت فوج کے قلیل مگر باقاعدہ ہونیکا فائدہ اور ہندوستانی اور فرنگیسی فوج کی حالت کا مقابلہ

اگرچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے لشکروں سے بڑے بڑے نمایاں کام بن پڑتے ہیں لیکن فوج کی کثرت میں یہہ بڑی خرابی ہے کہ ایکبارا بتر ہوجاتے

مگر اصل یہہ ہے کہ اسکا اسطرح پھر الگ تھلگ رہنا پرلے سرے کی بے ایمانی اور دغابازی پر مبنی تھا - وجہ یہہ تھی کہ اب سے چند سال پیشتر دارا شکوہ نے اسکی کچھ بے عزتی کر ڈالی تھی - اور اس کینہ کی آگ اسکے دل کو جلائے رکھتی تھی - پس اسنے خیال کیا کہ بدلا لینے کا اب وقت ہے - مگر دارا شکوہ کا جو نقصان اسنے اپنے الگ رہنے میں سوچا تھا وہ نہوا - کیونکہ دائیں پرے والوں کی مدد کے بغیر ہی وہ دشمن پر غالب آگیا تھا - مگر اس دغاباز نے اب ایک اور چال چلی یعنی جبکہ دارا شکوہ مراد بخش کے دبانے کو اپنی سپاہ کی امداد کے لیئے جا رہا تھا یہہ مکار! مع اپنے چند رفیقوں کے گھوڑا دوڑاتے آیا - اور دور سے پکار کر کہا "مبارکباد حضرت سلامت! الحمد للہ! الحمد للہ! حضور کو بخیر و سلامتی بادشاہی اور فتح مبارک ہو! لیکن حضور یہہ تو فرمائیں کہ ایسے خطرناک موقع میں جبکہ عماری کے سائبان سے کئی گولیاں اور تیر پار ہو چکے ہیں اتنے بڑے ہاتھی پر کیوں سوار ہیں - اگر خدانخواستہ ان بیشمار تیروں اور گولیوں میں سے کوئی جسم مقدس کو چھو جائے تو ہم لوگوں کا کہاں ٹھکانا ہے! خدا کے واسطے جلد اتریئے اور گھوڑے پر سوار ہو لیجیئے! اور اب کیا رہگیا ہے! صرف اتنی ہی بات باقی ہے کہ ان چند بھگوڑوں کا زیادہ تر چستی اور مستعدی سے تعاقب کیا جاسے! اور میں پھر عرض کرتا ہوں کہ اب حضور انکو اسقدر مہلت نہ دیں کہ بھاگ سکیں" اگر دارا شکوہ ہاتھی پر سے اترنے کو نقصان سمجھتا اور یہہ سوچتا کہ اس ہاتھی ہی کی بدولت آج میں کیسے کیسے کام کر سکا ہوں اور فوج کو میرے دکھائی دیتے رہنے سے کیسا کچھ

مراد بخش اگرچہ زخمی اور راجپوتوں کے نرغہ میں تھا لیکن ڈھال سے اپنے سات برس کے بچے کو جو پہلو میں بیٹھا ہوا تھا بچائے ہوئے بڑے استقلال سے برابر لڑتا رہا اور تاک کر ایسا تیر مارا کہ یہہ بہادر راجہ وہیں کھیت رہا۔ داراشکوہ کو اگرچہ اس خبر سے بہت رنج ہوا - مگر چونکہ اُسنے سُنا کہ اپنے مالک کے مارے جانیکی وجہ سے راجپوتوں نے نہایت غیظ و غضب کے ساتھ مُراد بخش کو گھیرا ہوا ہے - اسلیئے باوجود چند طرحکی شکلوں کے اُسنے یہی مناسب سمجھا کہ مراد بخش پر حملہ کیا جائے - اور اس صورت میں اگرچہ اورنگ زیب گرفتاری سے بچ جاتا تھا - اور یہہ ایک غلطی تھی مگر مُراد بخش کے ہاتھ آجانیکو بھی وہ اورنگ زیب کے پکڑے جانیسے کچھ کم نہیں سمجھتا تھا -

خلیل اللہ خاں کی دغابازی اور داراشکوہ کی شکست

لیکن خلیل اللہ خاں کے دغا دینے سے بازی بگڑ گئی اور یہہ دغابازی ایسی عجیب تھی کہ ایک آن کی آن میں داراشکوہ کی دائمی بربادی کا سبب ہو گئی - یہہ شخص دائیں پرے کا سردار تھا جسمیں تیس ہزار مغل تھے - اور یہہ ایسی اچھی فوج تھی کہ اورنگ زیب کی تمام سپاہ کے شکست دینے کو صرف یہی کافی تھی - مگر جبکہ داراشکوہ بذات خود بائیں پرے کی فوج کو بڑی شجاعت اور کامیابی سے لڑا رہا تھا یہہ مطلق اُسکے شریک نہوا - اور یہہ بہانہ بنا رکھا کہ ہماری فوج کے لیئے تو یہہ حکم ہے کہ حضور کے پیچھے جمے رہے - اور جبتک کوئی شدید ضرورت پیش نہ آئے ایک قدم آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کا حکم نہیں

ہم وہاں سے ذرا نہ ہٹے ...

کو بآسانی پامال کر دیتا - لیکن بعض واقعات کے سبب سے جنکا ذکر میں ابھی کرتا ہوں داراشکوہ کا خیال ایک اور طرف رجوع ہوگیا اور اورنگ زیب جوکھوں سے بچگیا - یعنی داراشکوہ کو اس خطرناک موقع پر اپنی فوج کے بائیں پرے میں بڑی ہل چل نظر آئی - اور اُسکا ایک مصاحب یہہ خبر لایا کہ رُستم خاں اور ستر سال کام آئے اور رام سنگھ روٹھلہ جو بڑی شجاعت کے ساتھ دھاوا کر کے دشمن کی فوج میں جا گھسا تھا گھر گیا ہے - پس اورنگ زیب پر دھاوا کرنے کا ارادہ چھوڑ کر اُسے اپنے بائیں پرے کی مدد کو نہایت جلدی کے ساتھ جانا پڑا اور داراشکوہ کے بذات خود پہنچ جانیکی وجہ سے ایک سخت چپقلش کے بعد لڑائی کا رنگ پھر بدل گیا - اور چاروں طرف سے فوج مخالف کو پیچھے ہٹا دیا گیا - لیکن اُنھوں نے ابھی ایسی شکست نہیں کھائی تھی کہ داراشکوہ کو بالکل بےفکری ہو جاتی - اِس مار دھاڑ میں رام سنگھ روٹھلہ نے ایک بےنظیر شجاعت کے ساتھ مُراد بخش کو جا زخمی کیا اور کمال دلیری سے اُسکی عماری کے چند رسّوں* کو کاٹ ڈالا اور قریب تھا کہ حریف کو ہاتھی سے گرا دے - مگر مُراد بخش کی پھرتی اور شجاعت کے باعث ناکامیاب رہا -

---

* رام سنگھ کا مراد بخش پر حملہ کرنا اور مراد بخش کے تیر سے اُسکا مارا جانا تو صحیح ہے مگر اُسکے ہاتھی کے کچھاربند کو کاٹنے کے لیئے کوشش کرنا درست نہیں کیونکہ فارسی تاریخوں سے بالاتفاق ظاہر ہوتا ہے کہ یہہ دلیرانہ حملہ خود اورنگ زیب کے ہاتھی پر ہوا تھا اور جسنے یہہ حملہ کیا تھا وہ مہاراجہ جسونت سنگھ جودھپوریہ کا چچیرا بھائی راجہ روپ سنگھ راٹھور تھا - جو اورنگ زیب کے منع کرتے کرتے جو اُسکی اس بےمثل بہادری کیوجہ سے اُسکو بچانا چاہتا تھا لڑائی کی ہڑبونگ میں اورنگ زیب کے سپاہیوں کے ہاتھ سے وہیں مارا گیا - س م ح

مائل تھی) داراشکوہ اب ہماری اس تھوڑی سی باقیماندہ فوج پر ضرور
حملہ کریگا تو ذرا ابھی نہیں ڈرا بلکہ اپنے سرداروں کو نام سے لیکر پکارا کہ بہادرو
خدا پر نظر رکھو! بھاگنے سے کیا ہوگا! خدا سب جگہہ ہے! کیا تم نہیں جانتے
کہ ملک دکن کسقدر دُور ہے - !

اورنگ زیب کا اپنے ہاتھی کے پانو میں زنجیر ڈالدینے کا حکم دینا اور راجپوتوں کے نہایت سخت حملوں میں اُسکا اور مراد بخش کا ثابت قدم رہنا۔

اور اپنا یہہ عزم جتانے کو کہ خواہ کچھ ہی ہو میدان
سے ہرگز نہ ٹلونگا یہہ عجیب* حکم دیا کہ ہمارے ہاتھی
کے پانو میں زنجیر ڈالدو" حقیقت یہہ ہے کہ
اگر اُسکے حاضر رکاب رفقا اور جاں نثار سردار اس نازک وقت میں وفاداری
اور ہمت میں کچھ کمی کرتے تو ہاتھی کے پانو میں ضرور زنجیر ڈالدی جاتی مگر ان
لوگوں نے بالاتفاق اپنی جان نثاری اور وفاداری کے مضبوط وعدوں
سے اورنگ زیب کو ایسا کرنے دیا اور داراشکوہ نے اگرچہ نہایت کوشش
کی کہ جسطرح ممکن ہو اورنگ زیب کو جالے - لیکن زمین کے نشیب وفراز
دشمن کے شکست یافتہ سواروں کی وجہ سے جو ابتک میدان میں اُ
پر اِدھر اُدھر موجود تھے (گو بے ترتیب طور پر پھر رہے تھے) اُس تک
داراشکوہ کا یہہ خیال بیشک صحیح تھا کہ اورنگ زیب کے ہارے بالکل
بنیتیج ناقص ہے اور چونکہ اورنگ زیب اب مقابلہ کے قابل نہ ر
آسکو فی الواقع ایسا ہی کرنا واجب تھا کہ فوراً حملہ کرکے اپنے اس خو

* ہندوستان کے بہادر سردار کڑے وقت میں بھاگنے کی بنسبت
کو بہتر سمجھکر ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ ۱۲ ح م س

آخر کار توپوں تک جا ہی پہنچے اور اُنکی زنجیریں کھول ڈالیں اور دشمن کی خیمہ گاہ میں جا گھسے اور زنبور خانہ کے رسالوں اور پیادوں کی فوج کو مار کر بالکل بھگا دیا۔ مگر اسوقت سواروں کی فوجوں کے باہم نہایت ہی زور شور سے لڑائی ہوئی اور اس کثرت سے تیر برسے کہ آسمان کا دکھائی دینا دشوار ہوگیا یہانتک کہ خود دارا شکوہ نے اپنا ترکش خالی کر ڈالا۔ مگر اِن تیروں سے فریقین کا چنداں نقصان نہیں ہوا کیونکہ دس میں سے نو تیر یا تو نشانہ تک پہنچتے ہی نتھے یا ادھر اُدھر جا گرتے تھے جب ترکش خالی ہو چکے تو تلواروں کی نوبت آئی اور فریقین اس شدّت سے لڑے کہ جسقدر سپاہی مارے جاتے تھے اُسیقدر جوش بڑھتا جاتا تھا اور دارا شکوہ بڑی شجاعت سے پکار پکار کر اہل فوج کو برابر تسلّی اور بڑھاوے دیئے جاتا اور حملہ پر حملہ کیئے جاتا تھا جسکا نتیجہ یہہ ہوا کہ آخر کار دشمن کے سواروں کو بھی بھگا دیا اورنگ زیب نے جو ہاتھی پر سوار اور نزدیک ہی تھا چند سپاہ کے قائم رکھنے میں بہت کوشش کی لیکن کچھ فائدہ نہوا اور اگرچہ اپنے خاص الخاص سواروں سے بھی چاہا کہ دارا شکوہ کو روکیں لیکن اُنکو بھی میدان جنگ سے نہایت ابتری کے ساتھ بھاگنا ہی پڑا۔ مگر واہ رے اورنگ زیب تیری دلاوری۔! جب دیکھا کہ تمام فوج بھاگ گئی اور جو لوگ ابتک صحیح و سالم اور حاضر رکاب ہیں وہ بھی ایکہزار سے زیادہ نہیں! (بلکہ مینے سُنا ہے کہ قریب پانسو ہی کے تھے!!) اور اِس حالت پر بھی غور کی کہ بلا لحاظ زمین کی ناہمواری اور نشیب و فراز کے (جو دونوں لشکروں ہیں

تیاریاں ہوچکیں تو یہاں کے دستور کے موافق اول گولہ چلنا شروع ہوا اور
پھر تیر اس کثرت سے برسنے لگے کہ گویا بادل چھاگیا مگر لڑائی کی گرماگرمی میں
یکایک مینہ کا ایک ایسا چھینٹا پڑا کہ لڑائی جو خوب سرگرمی سے ہو رہی تھی
تھوڑی دیر کے لیئے ذرا ٹھنڈی پڑگئی - مگر بارش کے رکتے ہی پھر توپیں چلنے
لگیں اور داراشکوہ اسوقت سرانڈیپ کے ایک خوبصورت ہاتھی پر سوار
ہوکر نکلا اور سب طرف سے دھاوا کرنیکا حکم دیتا ہوا بذات خود سواروں کی
ایک فوج کے ساتھ دشمن کی توپیں چھین لینے کو بڑی جرات سے بڑھا -
مگر مخالفوں نے ایسی مستعدی اور استقلال سے مقابلہ کیا کہ داراشکوہ کے
اردگرد آن کی آن میں کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور نہ صرف وہ فوج جو
اسکے ساتھ تھی بلکہ بہت سی اور بھی جو پیچھے سے آن ملی تھی سب تتر بتر کردی
لیکن داراشکوہ ایک عجیب استقلال کے ساتھ میدان میں قائم اور ہاتھی پر
بیٹھا چاروں طرف بڑی دلیری اور بیباکی سے برابر نظر ڈالتا ہوا لڑائی کی
درستی میں مصروف تھا - چنانچہ اسکی دیکھا دیکھی اہل فوج بھی دلیر ہوگئے
اور نامستقل مزاج اور تھڑدلے سپاہی جو جگہہ چھوڑ گئے تھے پھر اپنے اپنے
موقع پر آن جمے اور داراشکوہ نے اگرچہ پھر کئی متواتر حملے کیئے مگر اوزنگ زیب
تک نہ پہنچ سکا کیونکہ دشمن کے توپخانہ نے اسقدر نقصان پہنچایا اور ایسا زور
باندھا کہ بعض سپاہیوں کے دل چھوٹ گئے بلکہ کچھہ بھاگ بھی نکلے لیکن
داراشکوہ کی شجاعت و دلیری نے ایسا اثر کیا کہ اکثر سپاہیوں نے مونہہ
نہ موڑا اور اپنے بہادر سپہ سالار کی رکاب میں اس تیزی سے بڑھے کہ

اورنگ زیب اور مراد بخش کے لشکر کی صف بندی

اورنگ زیب اور مُراد بخش نے بھی قریباً اسی قاعدہ سے اپنی فوج کو میدان میں کھڑا کیا البتہ یہہ بات زیادہ کی کہ اُمرا کی فوجوں میں جو دونوں طرف یعنی دائیں بائیں تھیں کچھ ہلکی توپیں پوشیدہ طور پر لگادیں۔ کہتے ہیں کہ یہہ حکمت میر جملہ کی بتائی ہوئی تھی جسکا نتیجہ کسیقدر اچھا ہی نکلا۔

ہندوستان کے فن جنگ کی نسبت مصنّف کی رائے

مجھے معلوم نہیں کہ اس لڑائی میں کوئی اَور جنگی حکمت بھی کی گئی ہو بجز اسکے کہ مقابل کی صف کے اکثر حصّوں سے ایک قسم کے بان دونوں طرف کے سواروں پر چلائے جاتے تھے۔ جنسے اکثر گھوڑے بھڑک جاتے تھے اور کبھی کبھی کچھ آدمیوں کا بھی نقصان ہو جاتا تھا۔ مگر میں اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ یہاں کے سواروں کی چلت پھرت بہت اچھّی ہے۔ اور لڑائی کے وقت گھوڑوں کو بآسانی پھرانے اور چکر وغیرہ دینے میں بہت مشّاق ہیں۔ اور تیر اندازی تو ایسی عجیب سرعت کے ساتھ کرتے ہیں کہ جتنی دیر میں برقنداز دو بندوقیں چھوڑے سوار چھ تیر چلا سکتا ہے۔ اور بہت اچھّی طرح سے صف بندی قائم رکھتے اور بخوبی مجتمع رہتے ہیں۔ خصوصاً حملہ کے وقت دشمن پر خوب اکھٹے ہو کر گرتے ہیں۔ مگر باایںہمہ میں انکو لڑائی کے فن میں فرنگستان کی فوج سوار کے مانند قابل اور ہوشیار نہیں سمجھتا۔ اور اس کا سبب اِس کتاب کے ایک اَور مقام میں بیان کرونگا

لڑائی کا بیان

اَب لڑائی کی کیفیّت سُنیئے کہ جسوقت دونوں طرف بخوبی

کی تھی جنکے پاس یا تو تلواریں اور برچھیاں تھیں یا تلواریں اور تیر کمان۔ چنانچہ برچھی تو راجپوتوں کا ہتھیار ہے۔ اور تیر و کمان عموماً مغلوں کا۔ اور یہہ بات میں پہلے لکھ ہی چکا ہوں کہ آجکل ہندوستان میں گورے رنگ کے سب نووارد مسلمانوں کو خواہ عرب ہوں خواہ رومی۔ ایرانی ہوں خواہ تورانی مغل ہی کہتے ہیں۔

اسکے بعد داراشکوہ نے فوج کے تین حصّے قرار دیئے چنانچہ دائیں پرے کا سردار خلیل اللہ خاں کو بنایا جسکے تحت میں تیس ہزار مغل تھے اور بائیں پرے کی سرداری رستم خاں دکھنی کو جو بڑا شجاع اور نامور سردار تھا تفویض ہوئی اور راو ستر سال (ہاڈہ) اور رام سنگہ (راٹھور معروف رو ٹھلہ) کو اُسکے شامل کر دیا۔ خلیل اللہ خاں کو دانشمند خاں کی جگہہ (جسکی کچھ دنوں بعد میں نے ملازمت اختیار کر لی تھی) سواروں کی فوج کا "بخشی" یعنی سپہ سالار بنایا گیا تھا۔ اور اسکی یہہ وجہ تھی کہ دانشمند خاں کو یہہ بات ہرگز گوارا نتھی کہ کوئی شخص شاہجہاں کے شاہانہ اختیارات میں داخلت کرے اور چونکہ یہہ امر داراشکوہ کی ناراضی کا باعث تھا اسیلئے اُسنے اپنے منصب سے استعفا دیدیا تھا۔

تنبیہ تمثال احوال خلائق بشد اجتناب و احتراز نماید و اگر بنا بر توغل در لجۂ غرور و استکبار و نظر بر کثرت اعوان و بسیاری انصار خواہ مخواہ با فروختن آتش نائرہ و گرم نمودن بازار پیکار ہمت گمارند۔ نہدوی عقیدۂ گوہن نیز بحکم "سزرۂ سیئۃ" ... صورت مرتبہ بخواہد کرد پسندیدہ عالم صواب آنست کہ بزرگی انکار نمودہ و بسا لکرد فوج نمودہ ... افعال صوب ولایت پنجاب کہ در ماگیر آنجناب قرار یافتہ شتافتہ چندی مدت عفو تقصیرات را باین نیز خواہد ... گرا ... مرآت ... عالمگیرنامہ صفحہ ... (illegible)

گنجایش نرہی اور اُسکے پیچھے زنبورخانہ کے رسالوں کا پرا جما یا جنکے اونٹوں
کی پیٹھ پر زنبورک جو ہماری جہازی جزائلوں سے مشابہ ہیں کسے ہوئے ہوتی
ہیں اور یہہ لوگ اُنکو اونٹ پر چڑھے چڑہاے بآسانی بھر کر چلا سکتے ہیں اور
ان کے پیچھے بہت سی صفیں پیدل بندوقچیوں کی تھیں اور باقی فوج سواروں

مکشوف گرداند **فرد** عدل سلطان گر نپرسد حال مظلومان عشق + گوشہ گیران را ز آسایش
طمع باید برید — چوں این خیرخواه قطع مسافت نموده بحوالی اُجّین فایز گردید جسونت سنگھ ایما
شاہزاده کلاں باید او آزار این خیرخواه مامور بود بہ سلسلۂ جنبانی جہل و نادانی سنگ راه گشتہ بہ قدم ممانعت
پیش آمد و بے ملاحظہ آداب و حقوق دلیرانہ تحکم نمود چندانکہ مردم ہوشمند سخنداں فرستاده بعنوان معقول
آن جہول را با رادۂ خود آگاہی بخشید و تصریح نمود کہ محرز سعادت حضور فایض النور و محرم طواف کعبۂ آمانی
و آمال بندگان نزدیک و دور ست چرا مانع سعادت میشود — آن نا عاقبت اندیش اصلاً بمعقول بسبب
آشنا نشده بہ تکلیف جہالت و غرور بیشتر در مراتب منع افزود لاجرم بنا بہ جہل و پندار بیہوده از گوش ہوش
او دور کردن و آن ظلوم جہول را از پیش راه برداشتن بحکم ضرورت بر ذمۂ ہمت عقیدت نہمت واجب
گردید و اگر غیر از تحصیل سعادت زمین بوس اشرف و اعلی امرے دیگر مرکوز خاطر مے بود بر ضمیر خورشید
تنویر ہمایوں روشن و ہویداست کہ اسیر کردن او و رفقائش کہ چنین شکست فاش یافتہ بحال
منکر سراسیمہ گرد وادی انہزام گشتہ بودند چنداں تعذری نداشت و اکنوں کہ شاہزادۂ کلاں خود
با سپاه گراں تا دھولپور تشریف آورده معابر چنبل و مسالک راه مسدود ساختہ و
جا بجا مردم خود گماشتہ باعتقاد خویش راه عبور بریں خیراندیش بستہ بودند — چوں این مرید
را غیر از ادراک دولت حضور پرنور با ہیچ کس سر مقابلہ و پیکار نبود و نیست — از راه بھدا ود
از آب چنبل عبور نموده عازم زمین بوس اقدس گشت و چنیں شنیده میشود کہ آنجناب با
(دارا شکوه) حرمان این ارادت سرشت اخلاص کیش از سعادت خاک بوس ہمایوں
خواستہ قصد اشتعال نائرہ قتال پیش نہاد ہمت دارند — چوں آنجناب را باچوں من مرید ارادت
پرست بمقابلہ و ممانعت پیش آمدن و ہنگامۂ حرب و مصاف آراستن عقلاً و نقلاً سنجیدۂ میزان
استحسان نیست لازم کہ از سلوک مسلک عناد و اعتساف انحراف نموده از اقدام بر امری کہ

کو ہاتھ پانو باندھکر حاضر کرد ونگا اُسوقت حضور کو اختیار ہے کہ جو مناسب ہو انکو سزا دیں
اور یہہ جواب روانہ کرکے لڑائی کی تیاری کردی ×

داراشکوہ کی صف آرائی

چنانچہ سب سے آگے توپخانہ قائم کیا اور آہنی زنجیروں
سے توپوں کو اسطرح پر باہم جکڑ دیا کہ دشمن کے سواروں کو حملہ کرکے گھس آنیکی

زادہ تغیر کردہ آنچناں ناخلفی زیادہ سرے (مراد بخش) کہ پا از حد بیروں نہادہ مرتکب انواع
گستاخی بمسند تقصیرات عظیم گشت و لوائے بے اعتدالی و انساد در عرصۂ بغی و عناد برافراشتہ تنخواہ نمود
و کیفیت حال داعی را بواسطۂ خواہش نفس خویش بخلاف واقع بعرض اشرف رسانیدہ بمحض بہتان
و افترا ذیل حال ایں خیر اندیش را غبار آلود جرائم و لوث آمود مآثم وانمود و بالحاح تمام جمعیت منسلک
را بالشکر ایں بر سر ایں داعی گماشت و مطمح نظر انداشت کہ درین ضمن ولایتے مختصر (یعنی صوبداری
دکن) کہ از نیکاہ عاطفت و اشفاق حضرت باین مرید مرحمت شدہ بہر بہانہ کہ میسر آید انتزاع نماید
این فدوی را آوارہ بیابانی بیکسی و غربت و آسیمہ سر صحرائے محن و کربت گرداند و بسکہ از راہ دوست
دوستان در مزاج اقدس تصرف کردہ حضرت قول او را تصدیق فرمودہ سائر فرزنداں اخلاص طینت
او دشمن دولت فرا گرفتہ در حق ایں سرگرداں سراب گاہ حیرت ہر چہ او تجویز مے نماید بے تامل
حکم مے فرمایند و قطعاً تفحص تفتیش حال ایں بے گناہان توجہ و غور در امور ملکی و مالی نفرمودہ زمام
رتق و فتق مہام جزئی و کلی بکف اختیار و قبضۂ اقتدار ش باز گزاشتہ اند و او خود بے محابانہ
شائبۂ ریب تشنۂ خون ایں بیگناہان ست۔ چوں کار بایں حد رسید و صورت حال بریں منوال انجامید
ضماً جان و پاس ناموس خود از تہمات عالم عقل و تحتمات نشأ خرد دانستہ عازم استلام سدۂ سدرہ
منزلت سپہر احتشام گردید تا حقیقت حال ہیچ و براہین معقولہ در خدمت واقفان پایۂ اورنگ جہانبانی

× شاہجہان نے جو حتی الامکان لڑائی کو روکنا چاہتا تھا باوجود ضعف و نقاہت اور سخت گرمی
کے موسم کے یہہ چاہا تھا کہ خود جاکر دونوں لشکروں کے امین اتر پڑے یہانتک کہ پیش خیمہ
بھی بھیجدیا تھا۔ اور بیماری و کمزوری کی وجہ سے بسواری کشتی موقع فساد پر پہنچنا چاہتا تھا۔ مگر
اُسوقت کے مورخوں نے لکھا ہے کہ داراشکوہ نے اس تجویز کو اپنے مدعا کے برخلاف سمجھکر
عمل میں نہ آنے دیا۔

مناسب یہہ ہے کہ آگرہ سے کسیقدر اَوْر قریب ہو جاؤ اور سُلیمان شکوہ
کے آجانے تک لشکر کو کسی مناسب جگہہ ٹھہرا کر اردگرد خندق کھُدوالو
اور مورچے باندہ لو مگر اُسنے انکے جواب میں صرف اتنا ہی لکھ بھیجا کہ حضور کچھ
اندیشہ نفرمائیں انشاءالله تین دن گزرنے نہ پائینگے کہ اورنگزیب اور مُرادبخش

محروسہ گردانند درخلال این حال شاہزادہ کلاں ملازمان خود را بطلب اُمرای بادشاہی و
تسلّی واستمالت حاکم بیجاپور تعین نمود - آنہا پیغامہاے غایت آمیز و مہربانی انگیز بوالی
بیجاپور رسانیدہ او را در وادی لجاج و عناد نسبت باین مُرید دلیر تر ساختند و سرداران بادشاہی
را بمبالغہ واہتمام تمام از پیرامون بلدہ گلبرگہ کہ کارش نزدیک بکشایش رسیدہ بود برداشتہ
در رواں کردن و بردن آنہا بداں غایت مراتب تاکید واجتہاد بظہور رسانیدند کہ فرصت رخصت
ومجال وداع نیافتہ و این خیرخواہ راندیدہ برجناح استعجال عازم درگاہ جہاں پناہ شدند ازین جہت
قافیہ وقت برین نیازمند بغایت تنگ گشتہ بورطۂ تحیّر و تفکّر در افتاد و بحکم ضرورت کار صورت
یافتہ و بانجام رسیدہ را برہم زدہ محض بنیروے اقبال بے زوال خود را ازاں سیہ چال خطر برآوردہ
وہزاراں جبر ثقیل واصابۂ تدابیر از میان انبوہ غنیم برآمدہ سالماً بما منے رسید - عیاذاً باللہ اگر
چشم زخمی مے رسید در اکناف واطراف جہاں شہرت یافتہ لکّہ بدنامی و خال خفت و ذلت سالہاے
دراز بر روے دولت پایدار مے ماند و بر جرائد روزگار ثبت مے گردید و پیداست کہ تدارک و تلافی
آن بواسطہ عدم دوربینی و ناعاقبت اندیشی شہزادۂ کلاں کہ محض روائی کار خویش مطمح نظر داشتہ
اگر عالمی را آب فرو بردعنے ندارد از دائرہ امکان و حیّز قدرت بندہای بادشاہی بیرون بود این مرید
از بس ممارست در امر جانبازی و مہارت در کار نبرد و پیکار و آشنائی باشیوہ ستیزہ وراں این دیار
از ہجوم وازدحام اعداحسابی نگرفتہ بہ چقماق جلاوت فرق مخالفان کوفتہ باستظہار اقبال لشکر را
ازاں گرداب شورش وفساد درضمان سلامت بیروں آورد و غریب تر آنکہ باین بے مددی
وخسارت و کارشکنی وخصومت کہ در ایران و توران اشتہار پذیرفتہ اکتفا نکردہ محال بڑار را (یہی
بڑار جو فی زماننا ریاست حیدرآباد دکن کا ایک جزو مگر گورنمنٹ انگریزی کے زیر انتظام ہے)
بے سابقہ تقصیر و کوتاہی ازجاگیر این خیرخواہ رضاطلب کہ جز ارادت واعتقاد امرے دیگر را بخاطر راہ

جمنا کے کنارے ڈیرے آن لگائے۔ مگر تین چار روز تک دونوں لشکر آمنے سامنے اسیطرح چپ چاپ پڑے رہے اور اس عرصہ میں اگرچہ شاہجہاں نے خط پر خط بھیجے اور لکھا کہ سلیمان شکوہ قریب پہنچگیا ہے خبردار ہو اور بے تدبیری سے بے موقع جلدی نہ کر بیٹھنا بلکہ

[illegible]

داو بنا بر قدرت و مکنت خویش ہمت باستیصال نہال وجود اخوان مصروف گردانیدہ روز بروز سعی واہتمام او درین باب بسمت تزاید مے پزیرد۔ چنانچہ سلیمان شکوہ را با فواج گران بر سر شاہ شجاع کہ پسر رشید آن حضرت است تعین کردہ ناموس و نام سعی و ودسالہ (کیونکہ یہ واقعہ شاہجہاں کے بتیسویں سال جلوس میں ہوا تھا) بباد فنا دادہ و آنجناب (شاہ شجاع) چہ مایہ ذلت وخفت از نواسہ پرویز (شاہجہاں کے ایک سوتیلے بھائی کا نام تھا جسکی بیٹی سلیمان شکوہ کی ماں تھی) کشیدہ پیش اہل جہاں شرمسار و منفعل گردیدہ وہمچنین بہوائے نفس و خواہش طبع خویش بنای کار بر آن نہادہ پیوستہ در تفحص و تفتیش احوال و تفتیح و تخریب مہام این نیاز مند میل ہمہ میناید و ہمیشہ کارہای منافی دین و ملت کہ مستلزم فساد امور بلاد و عباد باشد از وبظہور میرسد۔ وابواب منافع و مداخل بر روی روزگار [illegible] خیر خواہ مسدود گردانیدہ انواع منقصت و اقسام مضرت رسانیدہ در آیامے کہ حسب الاشارہ [illegible] بیجاپور لشکر کشیدہ بتسخیر بعضے از قلاع آن ولایت مے پرداخت و [illegible] محاصرہ اشتغال ورزیدہ داد جانفشانی میداوند و مخالفان از اطراف و جوانب [illegible] مخالفت و مدافعت بودند و انبار و بخشہ بیماری ذات مقدس شیوع یافتہ [illegible] خیرگی و شوخی ابداشدہ بود و محصوران گلبرگہ کہ جانبازان [illegible] در کلیانی بمحاصرۂ بلدۂ مذکور پرداختہ بودند و در تنگ [illegible] بہ کار بداں قریب گشتہ بود کہ صورت افتتاح رو نماید و سنداما [illegible] آمدہ در تنگ آن فرو افتادہ بود کہ [illegible] و فیروزی دستگاہ معنون گرداند والا تمام آن [illegible] مستاصل ساختہ والاتش را ضمیمۂ ملک

کب آتا ہے (یہہ جگہہ جہاں اُسنے اپنے مورچے قایم کیے تھے آگرہ سے
قریب پندرہ میل کے ہے اور اس کا نام پہلے سموگڈھ تھا اور اب اسوجہ
سے کہ اورنگ زیب نے یہاں فتح پائی تھی فتح آباد کہا جاتا ہے) پس
وہ بھی جھٹ پٹ آن پہنچا اور اورنگ زیب کے لشکر اور آگرہ کے مابین

نقل خاتمہ صفحہ گذشتہ

مخالد است ۶ ممکن ممکن که نکو گوهران چنین نکنند۔ مناسب آنست که آن برادر
نامدار ازین امور ردیّه و افعال شنیعه که منتج سوی خاتمت و شمر و خاست عاقبت است
اجتناب لازم شمرده در استرضای خاطر قدسی مناظر شاهنشاه دین پرور و خاقان
معدلت گستر تا ممکن و مقدور سعی نماید و خوشنودی آنحضرت را از موجبات حصول سعادت دارین
و اگرفته از اراده قدم متابعان حضرت خاتم النبیین در ماه مبارک رمضان محترز باشد و احکام
مرشد و ولی النعمت و والی سلطنت را بجان و دل امتثال نماید که فی الحقیقت بمقتضای
اُولِی الاَمرِ مِنکُم امتثال امر شاهنشاه حقیقی است و قدم در راه خلافت خلیفه الهی
سپردن مخالفت فرمان مالک الملک نمودن است و اگر مطلبی و غرضی غیر ازین
مرکوز خاطر عزیز بوده باشد۔ پس پسندیدهٔ عالم خرد آنست که در سر زمینی که مضرب خیام
شده باشد توقف اختیار نموده هر مطلبی که مکنون خاطر گرامی است مرقوم گردانند تا
بعرض اقدس و ارفع رسانیده مطابق ابتغای خاطر عزیز و تمنای طبع گرامی سرانجام
داده آید و در اسعاف و انجاح مقاصد و مآرب آن قرهٔ باصره سلطنت و جهانبانی
سعی و اجتهاد وافی به تقدیم رسانیده شود۔"

اورنگ زیب نے کسی مصلحت سے بہن کو تو اسکا جواب نہ لکھا مگر خود
باپ کے نام مندرجہ ذیل عرضی بیگم صاحب کے بخشی محمد فاروق کو جو یہہ خط
لایا تھا دیدی اور آگرہ کی جانب کوچ کر دیا۔

"درین ایام زمام مهام سلطنت و دارائی و عنان امور ملکی و مالی از قبضهٔ اختیار
حضرت بیرون رفته و اعلام تغلب و اقتدار شاهزاده کلان (داراشکوه) در قبض و
بسط امور سلطنت و فرمان دهی بغایتی ارتفاع پذیرفته که اندازهٔ آن بحوصلهٔ تقریر و تحریر نمی آید

داراشکوہ کا چنبل کے کنارے سے مورچے اُٹھا کر اورنگ زیب کی فوج کے مقابلہ میں لشکر لا ڈالنا اور بادشاہ کی رای کے برخلاف لڑائی میں عجلت کرنا

اَب داراشکوہ کو بھی مجبوراً اپنے مورچے چھوڑ کر اُسکا تعاقب کرنا پڑا جو چنبل سے اُتر کر بڑی سرعت کے ساتھ جمنا کے کنارے پہنچگیا اور فوج کو آرام دینے کی غرض سے مورچے جمائے دیکھ رہا تھا کہ داراشکوہ

[illegible]

متوجہ و متعلق ہست التہاب نوایر فتنہ و فساد و اشتعال آتشِ کین و عناد کہ مورثِ ویرانی بلاد و خرابی عباد ہست معاذ اللہ موجب مزید آزار خاطر ہمایوں و سبب کثرت حزن و ملال طبع مقدس خواہد بود بتخصیص ظہور این شان ناپسندیدہ و وقوع این امر نامرغوب از آن برادر ہوشمند بیدار مغز کہ آراستہ بمزایاے لطیفہ و اخلاق کریمہ و صاحب آداب حمیدہ و طبع سلیمہ ہست بغایت زشت و ناز یبا۔ لاجرم بنابر خیر طلبی این چند کلمہ کہ ہر آئینہ متضمن فوائد عظیمہ و موجب تنزیہ و تقدیس ساحت باطن و تصفیہ طریق معاد از خس و خاشاک اُمور ردیہ و شیون ذمیمہ ہست حسن نگارش پذیرفت اگر غرض آن برادر والا گہر ازین توجہ تہیج غبار فساد و عناد و التہاب نوایر حرب و قتال است خود انصاف فرمایند کہ در برابر مرشد و قبلہ حقیقی کہ رضاے او موجب خوشنودی خداے عز و جل و رضامندی رسول اوست۔ ہنگامہ جنگ و جدال و حرب و قتال آراستن و بریختن دما ہے بے گناہان ہمت گماشتن و برروے آنحضرت تیر و تفنگ انداختن بچہ مایہ ناشایان ہست و ثمرہ آن درین نشأ جز بدنامی و در آن نشأ غیر بدسرانجامی نیست و اگر آرائش ہنگامہ مخاصمہ و مقاتلہ از بہر شاہ بلند اقبال (داراشکوہ) ہست نیز در آئین دین و خرد صواب گزین پسندیدہ نباشد زیرا کہ برادر بزرگ شرعاً و عرفاً حکم پدر دارد و این معنی را با مرضیات خاطر مقدس حضرت ظل الٰہی و مبتغیات طبع والاے شہنشاہی مباینت تامہ متحقق ہست۔ بالجملہ انبعاث غبار ہیجا و التقاد نوایر دغا و ترتیب اسباب ہدم و خونریزی و تصمیم عزیمت حرب و فتنہ انگیزی ازان برادر ہوشمند والا گہر کہ بمحامد اوضاع و محاسن اطوار و مکارم اخلاق موصوف و معروف جہان گشتہ پیوستہ در استرضاے خاطر اقدس خاقان خجستہ منظر و شاہنشاہ فرشتہ سیر میکوشند بہیچ وجہ و باہیچ کس پسندیدہ نیست بہ توقف چند روزہ درین دار بے ثبات و قرار و استلذاذ از فریب این سراے مستعار کہ باعث ارتکاب چنین امر مذموم و ناپسندیدہ باشد موجب ملالت نشأ ابد و طراز ساحت سراے

کے لیئے ڈیرے خیمے بدستور کھڑے چھوڑ دیئے اور خود مع فوج چلدیا۔ اور دشمن کو خبر ہونے سے پہلے چنبل سے اُتر آیا۔ ※

میں لارڈ لارنس صاحب بہادر ویسرائے و گورنر جنرل کشور ہند نے بمقام آگرہ نہایت شان و شوکت سے کیا تھا اور جسمیں میں خود بھی موجود تھا مہاراجہ بھدادر کی کرسی سیندھیا جیپور۔ جودھپور وغیرہ بڑے چھوٹے چوبیس [24] فرمانروا رئیسوں اور چھ [6] مغلیہ خاندان کے شاہزادوں۔ اور مہاراجہ وزیانگرام (رئیس بے اختیار متعلقہ احاطہ مدراس) اور مہاراجہ بلرام پور اودہ کے تعلقدار اعلیٰ کے بعد تینتیسویں [33] نمبر پر اور بہت سی ذی اختیار راجاؤں اور سرداروں سے اوپر تھے۔ اورنگ زیب چنبل کے جس گھاٹ سے پایاب اُترا تھا۔ باوجود کوشش کے اُسکا پتہ نہیں لگ سکا مگر عاقل خاں کی تاریخ اور عالمگیر نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بھدادر کے راجہ نے نواح گوالیار میں حاضر ہو کر اس خدمت کے بجالانیکا ذمہ کر لیا تھا اور اورنگ زیب نے کارخانجات شاہی کو کواری کی سرائے میں چھوڑ کر اُس مُلک کے پچیس [25] کوس کی مسافت کو دو منزلوں میں طے کر کے ماہ رمضان کی پہلی تاریخ سنہ ۱۰۶۸ ایکہزار اڑسٹھ ہجری کو ایک غیر مشہور گھاٹ سے جو گوالیار سے دھولپور کی طرف آتے ہوئے دہنے ہاتھ تھا عبور کیا تھا

س م ح

※ اس موقع پر بیگم صاحب نے جو خط اورنگ زیب کو لکھا تھا (جسکو خود شاہجہاں کیطرف سے سمجھنا چاہئے) اور اُسکے جواب میں جو عریضہ اُسنے باپ کی خدمت میں بھیجا تھا وہ دلچسپ سمجھکر تاریخ عاقل خانی سے یہاں نقل کیئے جاتے ہیں " بعد الحمد والمنّت کہ ذاتِ مقدّس شاہنشاہ معدلت پژوہ دقیقہ رس اعلیٰ حضرت ظل سبحانی منظور انظار عنایات ربانی صاحبقران ثانی از سایر عوارض و امراض جسمانی کہ لازمہ نشائ بشریت و طبیعت انسانی است منزہ و مبرا است و توجہ عالم آرا در باب فاہیت برایا کہ ودایع بدایع الٰہی اند و امنیت ملک بہ وجہ اتم مبذول و بہ مقتضای طبع نصفت آگین اشرف ہیچ متنفسے راضی نپسندند کہ مصدر حرکتے و مظہر امرے کہ مستلزم بے جمعیتی خلایق و متضمن ضرر و ضیر طوایف انام باشد گردد خاصۃً از فرزندان نامدار و ابنای کامگار سیما درین ایام کہ خاطر مقدس بتدارک و تلافی وہن و فتورے کہ بسبب بیماری آن برگزیدہ انفس و آفاق بحال کافہ برایا و عامہ رعایا راہ یافتہ باقصی غایت

اورنگ زیب کا دارا شکوہ کو دھوکے میں رکھکر ایک غیر معروف گھاٹ سے آگرہ کو آپہنچنا

لیکن وہ تیز نظر اور چالاک "فقیر"[1] جنے ہر جگہہ جاسوس اور مخبر لگار کھے تھے اس بات کو خوب سمجھے ہوئے تھا کہ اسقدر مخالف فوج کی موجودگی میں دریا سے اُترنا کسقدر دشوار ہے۔ مگر بہر حال اُسنے اپنے ڈیرے خیمے اُس پار آن لگائے۔ اور عمداً ایسے نزدیک قائم کیے کہ داراشکوہ اُنکو دیکھ سکے اور اسکے ساتھ ہی یہہ تدبیر کی کہ چنپت[2] نامے ایک راجہ کو کچھ انعام واکرام اور وعدے وعید دیکر یہہ بندوبست کرلیا کہ فوج اُسکے علاقہ میں سے گزر کر فوراً اُس گھاٹ کوجا سے جو پایاب تھا۔ اور اس راجہ نے اُس بن اور کوہستان کے مشکل راستہ سے جسکی نسبت داراشکوہ کو شاید یہہ گمان تھا کہ اسطرف سے اورنگ زیب نہ آسکیگا خود ساتھ ہوکر عبور کرادینے کا ذمہ کرلیا۔ اور اس تجویز کے موافق مخالفوں کو دھوکا دینے

[1] چونکہ شاہزادگی کے زمانہ میں اورنگ زیب ریاکاری سے اپنی نسبت اکثر فقیر کا لفظ استعمال کیا کرتا تھا اسلئے مصنف کہیں کہیں طنزاً اس لفظ کا اعادہ کرتا ہے۔ س م ح

[2] یہہ بھدا ور کا راجہ تھا جو باشندوں کی قوم کے نام کی مناسبت سے آگرہ کے قریب جنبل کے دونوں طرف کے اُس قطعہ ملک کو کہتے ہیں جسمیں بھدوریہ گوت کے راجپوتوں کی آبادی ہے۔ اس خاندان میں ریاست کی صورت کسیقدر ابتک بھی قائم ہے اور گو ... ... کی طرف سے کچھ تو کانو معاف ہیں اور کئی ہزار روپیہ نقد عنایت ہوتا ہے ... قریب ایک لاکھ روپیہ سال کے آمدنی ہوجاتی ہے ... موضع [illegible] جسکو عموماً ... کہتے ہیں انکا ... بہت ... جو دریای جمنا کے کنارے پرگنہ باہ پناہٹ ضلع ... واقع ہے اور گو یہ انتظام فرمانروائی حاصل نہیں ہے مگر رئیس کو مہاراجہ کا خطاب ... بھی بہت ... ہے چنانچہ ایک بڑے دربار میں ... ماہ نومبر ... اشارہ ...

دارا شکوہ کا آگرہ سے کوچ کر کے دریائے چنبل کے گھاٹوں کو جا روکنا

غرضکہ اِن توہّمات سے دارا شکوہ بہک گیا۔ اور اپنے خیر خواہوں اور دوستوں کی نیک اور عاقلانہ صلاح بالکل نمانی اور فوج کو لڑائی کے لیئے تیّار ہو کر کوچ کرنیکا حکم دیا اور رخصت ہونیکو قلعہ میں بادشاہ کے پاس آیا۔ اور یہہ بوڑھا باپ اوّل تو بیٹے سے بغلگیر ہو کر بے اختیار رونے لگا مگر پھر ذرا سنبھل کر بولا کہ "خیر بیٹا تمنے اپنی مرضی کا کام کیا۔ خدا تمکو اسمیں سرخرو اور کامیاب کرے۔ لیکن یاد رکھو کہ اگر لڑائی بگڑ گئی تو پھر آکر مجھے کیا مونہہ دکھاؤ گے"، مگر اُسنے اِن باتوں کی کچھ پروانہ کی اور جھٹ پٹ رخصت ہو کر چنبل کی طرف جو آگرہ سے قریب بیس۲۰ فرسنگ کے ہے کوچ کر دیا اور اس خیال سے کہ مخالف فوج یہیں سے گزر کریگی دریا کے گھاٹ روک کر مورچے جما دیئے ※

※ داراشکوہ نے اگرچہ اس دریا کے معروف گھاٹ سبھی روک لیئے تھے۔ مگر دھولپور کے گھاٹ کو جہاں سے گوالیار اور دکن کا عام راستہ ہی خصوصیّت کے ساتھ روکا تھا۔ یہہ مقام اُس زمانہ میں خاص بادشاہی عملداری میں تھا۔ مگر ہمارے اِس وقت میں بمرَوْلیا گوت کے جاٹ قوم کے اُن رئیسوں کا دارالحکومت ہے جو بزمانہ سابق گوھَدْ کے رانا کہلاتے تھے۔ اور گوالیار بھی انہیں کی عملداری میں تھا۔ مگر مرھٹوں کے زور کے زمانہ میں وہ ریاست انکے ہاتھ سے نکلگئی اور اسکے عوض سرکار انگریزی کی اعانت سے دھولپور کی نئی ریاست قائم ہو گئی جسکا رقبہ ایکسو ساٹھ۱۶۰ میل مربع اور آبادی قریب دو لاکھ اور آمدنی دس۱۰ اور گیارہ لاکھ کے اندر ہے۔ نوجوان رئیس حال مہاراج رانا نہال سنگھ صاحب بہادر عالیشان خاندان پٹیالہ کے نواسہ ہیں۔ اور یہہ بااختیار ریاست ہے اور گورنمنٹ قیصریہ کی طرف سے رئیس کے لیئے پندرہ توپ کی سلامی مقرر ہے۔ س م ح ۱۲

رہیگا اور اس طرح سے روز روز کا قصہ ایک ہی دفعہ پاک ہوکر بلا شریک و سہیم سلطنت کا مالک اور بادشاہ بن جاؤنگا - اور یہہ بھی خیال کیا کہ اگر خود بادشاہ کو مقابلہ کے لیئے جانے دونگا تو ضرور صلح ہو جائیگی اور سب بھائی اپنے اپنے صوبوں کو واپس چلے جائینگے - اور بادشاہ جو پہلے کی بہ نسبت تندرست ہوتا جاتا ہے عنان حکومت پھر اپنے ہاتھ میں لے لیگا - اور اُمور سلطنت جس صورت پر پہلے تھے اُسی شکل پر پھر ہو جائینگے اور سلیمان شکوہ کے انتظار کرنے کی نسبت اُسنے یہہ سوچا کہ کہیں ایسا نہو کہ اُسکے آنے تک بادشاہ میری خرابی کے لیئے کوئی منصوبہ باندھ لے یا اورنگ زیب ہی سے کوئی ایسا عہد و پیمان کرے جو میرے حق میں مضر ہو اور یہہ بھی خیال کیا کہ اگر اُسکے آنے تک صبر کیا جائے اور بفرض اسکے کہ اُسوقت لڑائی ہوکر فتح ہو جائے تو لوگ اسکو سلیمان شکوہ ہی سے منسوب کرینگے جسکی بہادری کی پہلے ہی بہت کچھ دھاک پڑ گئی ہے اور اس حالت میں کون کہہ سکتا ہے کہ اس دل چلے اور نوجوان لڑکے کی طبیعت پر لوگوں کی تعریف و توصیف سے کس قسم کا اثر پیدا ہوگا - اور جبکہ خاص دادا اور اُمراے دربار تحسین و آفرین کرینگے تو کیا معلوم ہے کہ اُسکے خیالات کہانتک بلند پروازی کریں اور باپ کی محبت اور ادب کا کچھ لحاظ باقی رہے یا نرہے -

---

نفاق پر محمول کرکے علانیہ کہہ اٹھا کہ "من عنقریب ایں کوتہ پاینچہ ارا (یعنی شرعی پائچوں والے مسلمان امیروں کو) در جلیب (اردلی) ستر سال خواہم دوانید" اور اس کے سنتے ہی سب اُمرا کیا تورانی اور کیا ایرانی بیدل ہوکر در پردہ طرفداری کے جانب دار ہوگئے - سں ہرع

لیکن اسکو بھی نمانا کیونکہ اُسنے یہی ایک بات ٹھان لی تھی کہ اپنے اس ارادہ پر قائم رہکر جسطرح بن پڑے اورنگ زیب سے سبقت لیجانا چاہیئے۔ اگر داراشکوہ خوش نصیب ہوتا اور موقع شناسی سے کام کرتا تو غالبًا بازی لیجاتا۔ سلہ

داراشکوہ نے جن خیالات سے ان مشوروں کو نمانا انکی تشریح

جن خیالوں سے اُسنے ان تجویزوں کو نمانا اور جلدی سے بھڑ جانا ہی پسند کیا انمیں سے ایک تو یہہ تھا کہ اُسنے سوچا کہ اسوقت بادشاہ یہانتک میرے قابو میں ہے کہ اسکی ذات خاص پر بھی مجھے اختیار کُلی حاصل ہے۔ دوسرا یہہ کہ بادشاہی خزانہ سب میرے قبضہ میں ہے۔ تیسرا یہہ کہ کُل بادشاہی فوج میرے تحت حکومت ہے۔ چوتھا یہہ کہ سلطان شجاع نے ایسی شکست کھائی ہے کہ گویا تباہ ہی ہو چکا ہے اور اورنگ زیب اور مراد بخش جو ایک کمزور اور تھکی ماندی فوج لیکر آئے ہیں گویا "بپا سے خود بگور آمد" کا مصداق بننے کو آتے ہیں اور اس حالت میں اگر انکو ایکبار شکست ملجائیگی تو پھر کہیں انکا ٹھور ٹھکانا

عاقل خاں لکھتا ہے کہ چونکہ داراشکوہ کو ناتجربہ کاری کی وجہ سے لڑائی بھڑائی کے کام کی بالکل لیاقت نہ تھی اور اُسکی اکثر تدبیریں نامناسب اور خلاف عقل ہوتی تھیں اسلیئے اس خاندان کے خیرخواہوں نے ہرچند عرض کیا کہ یہہ آگ جو بھڑکی ہے آب تدبیر کے بغیر بجھنی مشکل ہے اور حضرت (بادشاہ) کو ایک فریق بنانا مناسب نہیں اورنگ زیب اور مراد بخش کو آنے دینا چاہیئے اور جب حضرت کے ارشاد سے بادشاہی اُمرا اُن سے علیحدہ ہو جائینگے تو اُن میں خود ہی مقابلہ کی طاقت نرہیگی اور جو کچھ حضور فرمائینگے اورنگ زیب کو اُسکی مخالفت ناممکن ہوگی۔ مگر جبتک بادشاہی اُمرا اُنکی رفاقت میں ہیں کوئی تدبیر پیش نہیں جاسکتی۔ چنانچہ بادشاہ نے بھی اس رائے کو بہت پسند کیا۔ مگر داراشکوہ نے راؤ ستر سال اور رام سنگھ کے اغوا سے منظور نہ کیا بلکہ

بڑے امیر تھے اُنکی طرف سے ایسے آثار ظاہر تھے کہ اُنکو نہ تو کچھ اُس سے محبّت ہی ہے اور نہ کچھ اُسکا فائدہ ہی چاہتے ہیں۔

دارا شکوہ کے خیر خواہوں اور خود بادشاہ کا اُسکو لڑائی سے منع کرنا اور اُسکا نہ ماننا۔

اسلیئے اُسکے خالص خیر خواہوں نے نہایت منّت اور سماجت سے یہہ صلاح دی کہ آپ اِس خطرناک لڑائی کی سلسلہ جنبانی نکریں اور خود شاہجہاں کی بھی نہایت مضبوطی کے ساتھ یہی رائے تھی بلکہ باوجود ضعف و نقاہت کے اُسنے یہانتک کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ اورنگ زیب کے مقابلہ کو بذات خود جاؤں اور فی الواقع یہہ تدبیر نہایت ہی عمدہ اور معقول تھی اور ضرور لڑائی ٹل جاتی اور اورنگ زیب جو نہایت ہی مغرور ہو رہا تھا اس طریق سے اُسکی کامیابی بیشک رُک جاتی اور اوّل تو اورنگ زیب اور مراد بخش باپ کے ساتھ غالباً مقابلہ سے پیش ہی نہ آتے۔ اور اگر ایسی حرکت کر بھی بیٹھتے تو یقیناً تباہ اور برباد ہو جاتے۔ کیونکہ اورنگ زیب اور مراد بخش کے سب سردار اور اہل فوج بادشاہ سے بدل گرویدہ تھے اور جب اُسنے کسی طرح سے بھی اِن کی اِس صلاح کو ماننا نہ چاہا تو اُنہوں نے یہہ سمجھایا کہ سلیمان شکوہ جو آپ کی امداد کے لیئے بہت جلد چلا آرہا ہے اُسکے آجانے تک توقف کیجیئے۔ اور فی الواقع یہہ بھی ایک اچھی اور مفید صلاح تھی کیونکہ اس نوجوان شاہزادہ سے اکثر لوگ راضی تھے اور محبت رکھتے تھے اور وہ اپنے ساتھ ایک ایسی فوج لیئے آتا تھا جسمیں اکثر [illegible] کے ذاتی ملازم تھے اور سُلطان شجاع پر ابھی فتح پا چکی تھی

تو بادشاہ اور حاکم تھا اور وہ نوکر اور محکوم۔

داراشکوہ نے جو فوج جمع کی تھی اُسکی تعداد۔

اسلیئے یہہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ داراشکوہ نے بآسانی اِسقدر فوج جمع کرلی جو ہندوستان میں کسی لڑائی کے موقع پر شاذ ہی کبھی ہوئی ہو چنانچہ ایک لاکھ سوار* اور بتیس ہزار پیدل اور اسّی توپیں اور بے انتہا نوکر چاکر اور بنیئے بقال اور مزدور اور حمّال جو رسد رسانی اور اَور کاموں اور خدمتوں کے لیئے علیح ہو یا جنگ بہرحال درکار ہوتے ہیں جمع ہو گئے۔ پس اکثر مورّخ جو یہہ لکھدیا کرتے ہیں کہ فلاں جگہہ تین چار لاکھ آدمی کا لشکر تھا مجھے شک ہے کہ وہ غلطی سے بہیر کے لوگوں کو بھی لڑنے والے سپاہیوں کے شمار میں داخل کرلیتے ہیں۔

باوجود کثرت فوج کے داراشکوہ کی ناکامیابی کے آثار نمایاں ہونے

اگرچہ یہہ بات مسلّم ہے کہ داراشکوہ کی فوج اِسقدر زیادہ تھی کہ بحسب ظاہر اورنگزیب کی ہی دو تین فوجوں پر غالب آسکتی تھی (کیونکہ اوّل تو اُسکی سب قسم کی فوج چالیس ہزار سے کسی طرح زیادہ نتھی۔ اور پھر تیز دھوپ اور گرمی میں کڑے کڑے کوچ کیئے چلے آنیسے اکثر تھکی ماندی تھی) مگر اسپر بھی کسیکو اُسکی کامیابی کا یقین نہ تھا اسلیئے کہ جن سپاہیوں اور سرداروں کی نسبت یہہ بھروسا ہو سکتا تھا کہ نمک حلال اور وفادار رہینگے وہ صرف وہ لوگ تھے جو سلیمان شکوہ کے ساتھ گیئے ہوئے تھے۔ اور دربار کے جتنے بڑے

* عاقل خاں لکھتا ہے کہ "قریب صد ہزار سوار کرار از اُمرا ے نامدار و دیگر بندہاے سرکار عالم مدار و ملازمان سرکار خویش فراہم آوردہ" س م ح ۱۲

ناظرین کتاب جلد معلوم کرلینگے کہ داراشکوہ سے فی الواقع بعض اُمرا نے دغابازی کی۔ اَب مُراد بخش اگرچہ تیز مزاجی سے قیام کا متحمل تھا۔ اور اُسکا شوق یہی چاہتا تھا کہ آگے بڑھے چلیئے۔ لیکن اورنگ زیب نے روکا اور کہا کہ اس خوشنما دریا (نربدا)* کی کنارے ٹھہر کر ذرا دم لینا اور آرام کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ہمکو اپنے دوستوں اور خیرخواہوں سے خط و کتابت کرکے دارالسلطنت کے حالات جانچنے اور معلوم کرنیکا موقع ملیگا۔ غرضکہ اَب اِن کا کوچ آہستہ آہستہ ہوتا تھا۔ اور آگرہ سے جو خبریں آتی تھیں اُنپر غور کرکے آگے کو بڑھتے تھے۔

شاہجہاں کی مجبوری اور داراشکوہ کی خودرائی

اسوقت شاہجہاں ایک عجیب ناامیدی اور غم میں مبتلا تھا۔ کیونکہ ایکطرف تو یہہ دیکھتا تھا کہ اَب یہہ دونوں کسیطرح دارالسلطنت میں داخل ہوئے بغیر نہ رہینگے۔ دوسری جانب داراشکوہ کو لڑائی کی بڑی بڑی تیاریاں کرتے دیکھکر اُسے سخت اضطراب ہوتا تھا۔ کیونکہ خوب جانتا تھا کہ جن آفتوں کو وہ طرح طرح تدبیروں سے ٹالنا چاہتا تھا اَب اس خاندان پر آنے والی ہیں۔ مگر داراشکوہ کی خواہشوں کو روک بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ اوّل تو بیماری کی سختیوں ہی سے چھٹکارا نہیں ہوا تھا اسکے علاوہ داراشکوہ کی مونہہ زوریوں سے مجبور ہوکر فوج اور ملک کے کام سے ہاتھ اُٹھا بیٹھا تھا اور اُمرا اور وزرا کو کہہ چکا تھا کہ اُسکی اطاعت اور فرمانبرداری کریں۔ غرضکہ اِن دونوں اُسکی یہہ حالت تھی کہ گویا داراشکوہ

---

* انگریزی میں نربدا ہی لکھا ہے مگر یہہ مترجم کی غلطی معلوم ہوتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ آئے ہیں۔ مترجم

اورنگ زیب کو اپنی فوج اور روپیہ دیکر وہی اصل اصول اور بانی مبانی اس تمام فتنہ و فساد کا ہوا ہے اسلیئے قریب تھا کہ اُسکے بیٹے محمد امین خاں کو بھی مروا ڈالے اور اُسکی بیوی اور بیٹی کو بازاری عورتوں کے چکلہ میں بھیجدے مگر بادشاہ کی فہمایش بلیغ کے باعث آخر کار اُسکا جوش غضب فرو ہوا اور میر جملہ کے اہل و عیال کی عزّت اور جان بچگیئی - یعنی بادشاہ نے اُسکو سمجھایا کہ یہہ ہرگز ممکن نہیں ہے کہ میر جملہ اورنگ زیب سے سازش رکھتا ہو اور یہہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایسا دور اندیش اور دانا آدمی لیسے شخص کے فائدہ کیواسطے جس سے وہ کچھ الفت و محبت نہیں رکھتا اپنے اہل و عیال کو ایسے شدید خطرہ میں ڈالدے بلکہ برخلاف اسکے یہہ امر ظاہر ہے کہ وہ خود اورنگ زیب کے دام فریب میں پھنسا ہوا ہے -

فتح کے بعد اورنگ زیب اور مراد بخش کی چال ڈھال

ادھر حملہ آوروں کا یہہ حال تھا کہ خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے اور یہہ گھمنڈ ہو گیا تھا کہ ہم کسی سے مغلوب نہیں ہو سکتے - اور کوئی ایسا مشکل کام نہیں جسکو ہم انجام نہ دیسکیں اور فوج کی ہمّت و جرات بڑھانے کو اورنگ زیب علانیہ کہتا تھا کہ داراشکوہ کی فوج میں تیس۳۰ ہزار مغل ہمارے لیئے اپنی جانیں لڑا دینے کو تیّار ہیں - اور اُسکی یہہ لاف زنی چنداں بے اصل بھی نتھی کیونکہ

کی خبر اُسکو پہنچی تو محمد امین خاں کو اپنے مکان پر بلا کر قید کر لیا - اور اگرچہ دو چار روز کے بعد شاہجہاں کے سمجھانیسے قید سے چھوڑ دیا - مگر میر بخشی کے عہدہ پر نرہنے دیا - چنانچہ داراشکوہ اور اورنگ زیب کی لڑائی کے وقت بادشاہی فوج کا میر بخشی عمدۃ الملک خلیل اللہ خاں تھا -

ننگ و ناموس اور عزت کا کسقدر خیال ہے۔ چنانچہ میں اس قسم کی مثالیں اور بھی بیان کرسکتا ہوں کیونکہ مینے بہت سی بیبیوں کو اپنے خاوندوں کی لاش کے ساتھ جلتے ہوئے بچشم خود دیکھا ہے۔ لیکن اُن واقعات کو میں کسی اور مقام پر لکھونگا جہاں بیان کرونگا کہ انسان کے دل پر اپنی اُمیدوں اور کثرت رائے اور کسی عام عقیدے اور عزت و حرمت کے خیالات کا کیسا زبردست اور قوی اثر ہوتا ہے۔

شکست کی خبر سکر مشتبہ لوگوں کی حرکت سے دارا شکوہ کا طیش میں آنا اور بادشاہ کا سمجھا بوجھا کر اسکو ٹھنڈا کرنا

جسوقت دارا شکوہ اُجَین کی اِس نامبارک اور غمناک واردات سے مُطلع ہوا تو غیظ و غضب کے مارے یہہ حالت تھی کہ اگر نصیحت اور فہمایش سے شاہجہاں ذرا ٹھنڈا نکرتا تو خدا جانے اس وحشت اور جلد بازی میں کیا کر بیٹھتا اور کچھ شک نہیں ہے کہ اگر قاسم خاں اُسکے قابو میں آجاتا تو اُسکا سر ضرور کٹوا دیا جاتا اور چونکہ میر جملہ کی نسبت بھی اسکو یہہ گمان تھا کہ

؎ تاریخی نایکوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ دارا شکوہ میر جملہ کا سخت مخالف تھا۔ مگر شاہجہاں کو اُسکے حال پر توجہ تھی۔ چنانچہ پیچھے لکھا جا چکا ہے کہ شاہجہاں کے شروع مرض کے دنوں میں جب دارا شکوہ نے مہابت خاں اور راؤ ستر سال وغیرہ اُمرا کو بیجاپور کی مہم سے آگرہ میں واپس بلایا تو میر جملہ کو بھی اورنگ زیب کے ساتھ سازش رکھنے کے شبہہ میں عہدہ وزارت سے معزول کرا کر دکن سے طلب کیا تھا۔ اور اسکے بیٹے محمد امین خاں کو بھی ممانعت کردی تھی کہ باپ کی جگہ کام نکرے اور اول سے اُسکا نائب دیگنا تھ رائے تمام وزیر تھی مگر بعد ازاں جعفر خاں مستقل وزیر مقرر ہوگیا تھا۔ مگر شاہجہاں نے پھر بھی محمد امین خاں کو دانشمند خاں کی جگہ جسنے میر بخشی کے عہدے سے انہیں دنوں استعفا دیدیا تھا مقرر کردیا تھا اور جب جسونت سنگہ کی شکست

گھر پہنچنے پر جسونت سنگھ کے ساتھ اسکی رانی کا ایک عجیب و غریب طور سے پیش آنا

اِس موقع پر جسونت سنگھ کی رانی جس سلوک سے اپنے شوہر کے ساتھ پیش آئی وہ بھی سُننے کے لائق ہے - یعنی رانی نے جب سُنا کہ راجہ پانسو سپاہیوں کے ساتھ معرکہ سے جان بچاکر نکل آیا ہے تو اُسنے بجائے اسکے کہ اس آفت سے بچنے کی مبارکباد دیتی اور تسلّی کرتی فوراً حکم دیا کہ "قلعہ کے دروازے بند کردو ایسے بیغیرت نامرد کو میں قلعہ میں ہرگز نہ آنے دونگی! ایسا شخص اور میرا شوہر! میرے باپ کا داماد اور ایسا بیغیرت! میں ہرگز اسکا مونہہ دیکھنا نہیں چاہتی! جو شخص ایسے نامور راناکا رشتہ دار ہو چاہیے کہ اُسکی شجاعت اور نیکنامی کی تقلید اور پیروی کرے - اور اگر فتح نہ پاسکے تو بہادری سے جان دیدے" اور اس سے تھوڑی دیر بعد اُسکے دل میں کچھ اور خیالات گزرے اور کہا کہ میرے لیئے ابھی چیتا تیار کرو مجھے دھوکا ہوا - میرا شوہر حقیقت میں مارا گیا - اور یہی سچ ہے - پس اب میں زندہ رہنا نہیں چاہتی! اور تھوڑے عرصہ بعد پھر غصہ میں آکر بدستور لعن طعن کرنے لگی اور اسی حالت میں اُسکو آٹھ دن گزرگئے اور شوہر کا مونہہ نہ دیکھا - لیکن آخر جب اُسکی ماں اُسکے پاس آئی تب کچھ تسلّی تشفی کرکے سمجھایا کہ گھبراؤ نہیں راجہ ذرا دم لیکر اور ازسرنو فوج جمع کرکے اورنگزیب پر پھر حملہ کریگا - اور اپنی شجاعت اور بہادری کے نام کو بدستور قائم رکھیگا -

ہندوستان کی باغیرت عورتوں کی نسبت مصنف کی رائے

اِس حکایت سے یہہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اِس ملک کی عورتوں کے دل میں حفظ

یہہ افیون کے نشہ میں جھومتے ہوے مرنیکے یقین سے ایکدوسرے سے بغلگیر ہوکر رخصت ہوا کرتے ہیں تو یہہ تماشا عجیب دلچسپ اور قابل دید ہوتا ہے - اور اس صورت میں محل تعجب نہیں ہے کہ یہہ مغل بادشاہ اگرچہ مسلمان اور بت پرستوں کے مخالف مذہب ہیں - لیکن بہت سے راجاؤں کو ہمیشہ اپنی ملازمت میں اور اکثر اپنے ساتھ رکھتے ہیں - اور اُن کے ساتھ ویسے ہی سلوک کرتے ہیں جیسے کہ اپنے مسلمان امیروں اور سرداروں کے ساتھ ! اور مسلمان امیروں کی مانند انکو بھی فوج کی حکومتوں اور سرداریوں پر مقرر اور مامور کرتے ہیں -

---

اور حصول ملازمت کی خاطر جاتے ہیں اور ظاہر کیا کہ اوّل تو مناسب یہ ہے کہ تم ہمارے پاس حاضر ہوجاؤ اور اگر یہہ نہیں ہوسکتا تو راستہ چھوڑ کر اپنے وطن جودھپور کو چلے جاؤ " مگر جب راجہ نے کوئی بات بھی نہ مانی اور لشکر نے بھی ذرا دم نے لیا تو بائیسویں رجب ۱۰۶۹ ایکہزار انسٹھ ہجری مطابق اپریل ۱۶۵۹ سولہ سو انسٹھ عیسوی کو لڑائی کے قصد سے چڑھ آیا اور سخت لڑائی ہوئی جسمیں اُس شمار کے موافق جو اورنگزیب نے فتح کے بعد کرایا تھا قریب چھ ہزار کے سپاہی جو زیادہ تر راجپوت ہی تھے کام آئے اور بہت سے بڑے بڑے نامی راجپوت سردار مارے گئے اور جسونت سنگھ خود بھی زخمی ہوا بلکہ لکھا ہے کہ کچھ خفیف زخم قاسم خاں کے بھی آیا - مگر ان مورخوں نے باوجود راجپوتوں کی بہادری کی تعریف و توصیف کرنیکے اس شکست کو زیادہ تر راجہ کی سوء تدبیری اور ناواقفیت فن جنگ سے منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ اُسنے اپنے لشکر کو ایسی اونچی نیچی جگہ میں قائم کیا تھا - اور ندی سے کچھ پانی کاٹ کر لشکر کے اردگرد کیچڑ کردی تھی جس سے اُسکی سوار فوج لڑائی کے وقت اچھی طرح کام نہ دے سکی۔

خافی خاں نے اس لڑائی کا ہونا شیپرا نامے ندی کے کنارے بیان کیا ہے اور جغرافیہ کے نقشوں میں بھی اس ندی کا نام شیپرا ہی لکھا ہے - مگر عالمگیر کے خاص مورخ محمد کاظم نے عالمگیر نامہ میں اسکا نام نالہ چوڑنوا لکھا ہے فقط

حاشیہ متعلقہ صفحہ ۷۴

بڑے بڑے انٹے کھاتے دیکھکر مجھے سخت حیرت ہوئی - اور لڑائی کے دن
تو یہہ معمول سے دوگنی افیون کھاکر ایسے مدہوش سے ہوجاتے ہیں کہ بےفکر و
اندیشہ اپنے آپ کو ہر ایک جان جوکھوں میں ڈالدیتے ہیں - اگر کوئی راجہ خود
بھی بہادر ہو تو اُسکے دل میں کبھی یہہ خیال بھی نہیں گزرتا کہ میرے راجپوت
کبھی کسی مشکل میں میرا ساتھ چھوڑ دینگے - لڑائی کیوقت یہہ لوگ شاید اتنی بات
کے تو محتاج ہیں کہ کوئی اِنکا پیش رو اور لڑانے والا ہو - مگر اسمیں کچھ شک نہیں
کہ وہ اپنے رئیس کے سامنے جان دیدینا اپنا فخر سمجھتے ہیں اور اُسکو دشمن
کے ہاتھ میں کبھی نہیں چھوڑ دیتے - میدان جنگ میں جانیسے پہلے جب

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

صرف اٹھارہ کوس کے فاصلہ پر پہنچ جانیکے بعد پیچھے کو شکر دیال پور کیطرف چلا گیا تھا تو اُنہوں
نے اپنے خیال میں اِسکو اُسکے بھاگ جانے پر محمول کرکے بادشاہ کو مبارکباد کی عرضی کر دی تھی
اور بادشاہ بھی کسیقدر مطمئن ہوکر اٹھارہویں رجب سنہ ایکہزار اٹھاسٹھ ہجری کو مع داراشکوہ تبدیل
آب و ہوا اور آگرہ کی گرمی سے بچنے کے لیئے اپنے طبیبوں کی صلاح کے موافق (مگر داراشکوہ
کی مرضی کے برخلاف) دہلی کو چلا گیا تھا - مگر جب یہہ دونوں لشکر آنکر باہم ملگئے اور راجہ
شیورام گوڑ نے جو قلعہ مانڈو میں تھا اور داراشکوہ کے اُن نوکروں
نے جو دھار کے قلعہ سے اورنگ زیب کے نزدیک آپہنچنے سے خوف زدہ
ہوکر مہاراجہ کے لشکر میں بھاگ آئے تھے - جسونت سنگھ کو اطلاع دی تو
اُسوقت اسکی آنکھیں کھلیں اور کاچرودہ سے پیچھے ہٹکر دھرمات پور کے متصل
جو اُجین سے سات کوس کے قریب ہے اورنگ زیب کے لشکر سے ایک کوس کے
فاصلہ پر اُسکا راستہ آروکا - اب چونکہ اورنگ زیب کا اصل مقصود یہہ تھا کہ اگر ہوسکے تو
راجہ کو بھی اپنے ساتھ ملالے - اور پیغام سلام کے حیلہ سے اپنے تھکے ماندے لشکر
کو ذرا ارام دے لے - اسلیئے کب رائے کو جو ایک ہوشیار اور فہیم برہمن تھا اُسکے
پاس بھیجکر پیغام سلام شروع کیئے اور وہی معمولی حیلہ کہ ہم بادشاہ کی خدمت میں صرف عیادت

سے صرف چند باڑیں چلانیکے بعد فوج کے پاس یہہ سامان نرہا۔ خیر اِسکی اصل خواہ کچھہ ہی ہو مگر لڑائی بہرحال بہت سخت ہوئی اور گھاٹ کے روکنے میں سپاہ نے بڑی شجاعت دکھائی۔ اُدھر اورنگ زیب کی فوج کا یہہ حال تھا کہ بڑے بڑے پتھروں کی وجہ سے جو دریا کے پاٹ میں تھے اُسکو سخت تکلیف پہنچی اور کناروں کی کُدھب بلندی کے باعث سے اُوپر چڑھنا سخت مشکل تھا۔ مگر مراد بخش کی تیزی اور شجاعت اِن سب دشواریوں پر غالب آئی۔ اور وہ اپنی خاص فوج کے ساتھ دریا کو عبور کر آیا اور آخرکار باقی سپاہ بھی پیچھے سے بہت جلد آپہنچی۔ اسوقت قاسم خاں بڑی بدنامی کے ساتھ میدان سے بھاگ نکلا۔ اور جسونت سنگھہ کو صریح جان جوکھوں میں چھوڑ گیا۔ اب اگرچہ اس بہادر راجہ پر چاروں طرف سے دشمن کی فوج ٹوٹ پڑی۔ مگر اُسکے شجاع اور بہادر راجپوتوں نے اپنی جانیں لڑا کر بچا لیا۔ اور ایسی جان توڑ کر لڑے کہ آٹھ ہزار میں سے لڑائی کے خاتمہ پر صرف پانسو کے قریب باقی رہگئے۔

اِس واقعہ کے بعد راجہ نے آگرہ جانا مناسب نہ جانا اور اِن بچے کھچے وفادار سپاہیوں کے سیدھا اپنی ریاست گاہ کو چلا گیا۔ ※

※ ہندوستانی مورخوں نے اِن واقعات کو یوں بیان کیا ہے کہ جب مراد بخش کے بادشاہ بن بیٹھنے کی خبر آگرہ میں پہنچی تو اُسکو گجرات کی صوبہ داری سے معزول کیئے جانے اور مُلک برار میں جو پہلے سے اورنگ زیب کی جاگیر میں تھا (غالباً دونوں کے بھڑانے کی خاطر) جاگیر لیکر صرف اُسپر قناعت کرنیکا حکم دارا شکوہ نے بادشاہ سے دلوادیا تھا۔ اور اسکے ساتھہ ہی قاسم خاں میر آتش اُسکی جگہہ گجرات کی صوبہ داری پر نامزد کیا گیا تھا۔ اور چونکہ مالوہ کا صوبہ دار شایستہ خاں

اُسکی فوج مقابلہ کے لائق تھی اور اگر قاسم خاں اور راجہ حملہ کر دیتے تو آسانی غالب ہو سکتے تھے۔

مَیں اس موقع پر بذات خود موجود تھا۔ لیکن جن لوگوں نے اس لڑائی کو دیکھا ہے خصوصاً وہ فرانسیس افسر جو اورنگ زیب کے توپخانہ میں ملازم تھے ان سب کی یہی رائے ہے۔ مگر یہہ سردار ایسا کسطرح کرتے کیونکہ بادشاہ کے مخفی احکام کے باعث صرف اتنا ہی کر سکتے تھے کہ دریا کے وار اپنا مورچہ جمائیں اور اگر اورنگ زیب دریا سے بزور اترنا چاہے تو روکیں۔

> اورنگ زیب کی فتح۔ قاسم خاں کی نسبت دغا بازی کا شبہ اور جسونت سنگہہ کا شکست کھا کر اپنی ریاست گاہ جودھپور کو چلا جانا۔

القصہ جب اورنگ زیب کی فوج نے دوتین روز دم لے لیا تو دریا سے بزور اترنیکی تیاری کر دی۔ چنانچہ پہلے تو اُسنے اپنا توپخانہ ایک بلند جگہہ پر قائم کیا۔ اور پھر فوج کو حکم دیا کہ توپوں کی پناہ میں آگے بڑھے۔ مگر ان کی پیشقدمی روکنے لیئے اسطرف سے بھی توپیں چلنی شروع ہوئیں۔ اور اگرچہ ابتدا میں سخت جوش و خروش اور سرگرمی سے مزاحمت کی گئی۔ اور جسونت سنگہہ نہایت ہی شجاعت اور دانائی کے ساتھ حملہ آوروں کو ہر ہر قدم پر روکتا رہا مگر قاسم خاں نے باوجودیکہ اُسکی سپاہگری اور بہادری میں کسیکو کلام نہیں اس موقع پر نہ تو کچھہ بہادری ہی دکھائی اور نہ کچھ سپاہیانہ دانائی ہی ظاہر کی بلکہ اُسپر دغابازی اور سازش کا شبہ* ہے۔ کیونکہ اُسنے لڑائی سے پہلے ہی رات کے وقت اپنا بہت سا باروت گولہ ریت میں چھپا دیا تھا جسکے سبب

* خافی خاں کے بیان سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔ ص-م-ح ۱۲

بڑے بڑے بہاری خلعت اُنکو دیئے مگر شاہجہان نے جو ہدایتیں شجاع کے بارہ میں راجہ جے سنگھہ اور دلیر خان کو کی تھیں ویسے ہی احتیاط سے کام کرنے کی بابت اِنکو بھی کیں -

قاسم خاں اور مہاراجہ جسونت سنگھ کو اورنگ زیب کے یکایک آ پہنچنے کی خبر ملنا اور اِن کا دریا کے گھاٹ کو روکنا -

لیکن جبکہ اِس طرف سے اِس قسم کے تامّل و تذبذب ہو رہے تھے - اورنگ زیب کی جانب کمال مستعدی کے ساتھ لڑائی کی پوری تیاری تھی چنانچہ بادشاہ کی نصیحت اور ہدایت کے موافق جو قاصد متواتر یہہ پیام دیکر اُسکی پاس بھیجے جاتے رہے کہ آپکو دکن کو لوٹ جانا چاہیئے اُنمیں سے کوئی بھی واپس آنے نپایا - بلکہ واپسی کی جگہہ اُسکی فوج یکایک ایک بلند ٹیلہ پر جو دریا[۱] سے تھوڑے فاصلہ پر تھا آنمودار ہوئی - چونکہ گرمی کا موسم تھا اور سخت دھوپ پڑتی تھی اور اسوجہ سے دریا پایاب ہو رہا تھا - قاسم خاں اور راجہ نے یہہ خیال کرکے کہ اورنگ زیب پار اُترا چاہتا ہے لڑائی کی تیّاری کر دی - لیکن واقع میں اورنگ زیب کی پوری فوج ابھی پیچھے تھی - اور اس تھوڑی سی سپاہ کو آگے بھیجدینا بالکل ایک دھوکا تھا - کیونکہ اورنگ زیب کو یہہ اندیشہ تھا کہ کہیں بادشاہی فوج دریا کے پار نہ اُتر آئے جس سے ہمارا پانی بند ہو جاوے اور وہ ہماری تھکی ماندی فوج پر حملہ کر دے اور اس طرح پر جنگ کا مفید موقع ہمارے ہاتھ سے جاتا رہے - اور اُسکا یہہ اندیشہ حقیقت میں درست تھا - کیونکہ اُسوقت

[۱] مصنف نے دریا کا نام نہیں لکھا مگر مترجم انگریزی نے حاشیہ میں نربدا لکھدیا ہی جو صریح غلط ہی کیونکہ اُجین کے پاس تو وہی شیپرا ندّی ہے - جسکا ذکر ہم ابھی ایک حاشیہ میں کر چکے ہیں - س م ح ۱۲
ریش نجا ٹ ڈا

کے پاس دریا کے وار اُتر آیا ہے - اور اُن دشوار گزار پہاڑوں کی گھاٹیونکو بھی بزور طے کر چکا ہے جنپر ہر طرح سے مزاحمت اور بچاؤ کا بہت بڑا بھروسہ تھا تو دربار میں بڑی گھبراہٹ اور حیرانی پیدا ہوئی اور فوج کی تیاریاں شروع ہوئیں مگر بڑی جلدبازی کے ساتھ سب سے پہلے فوراً ایک دستہ اِس مُراد سے اُجّین کو بھیجا گیا کہ جلدی سے پہنچکر دریا کے گھاٹ[۱] کو روک لیں اور مخالفونکو پار اُترنے سے روکیں اور اس پیش رَو دستہ کی سرداری کیواسطے دو امیر جو نہایت باقتدار اور لایق و فایق تھے انتخاب کیئے گئے - اِن میں سے ایک کا نام قاسم خاں تھا جو بڑا ہی مشہور و معروف سپاہی اور شاہجہاں کا دلی خیرخواہ تھا - لیکن یہہ چونکہ داراشکوہ سے متنفر اور بیزار تھا اسلیئے اُسنے یہہ سرداری بخوشی اختیار نہیں کی تھی - بلکہ محض شاہجہاں کے حکم کی تعمیل تھی - دوسرا سردار راجہ جسونت سنگہہ تھا جو درجہ اور اقتدار میں جے سنگہہ کم نہتھا - یہہ راجہ اُس زبردست رانا[۲] کا داماد تھا جو اکبر کے زمانہ میں سب راجاؤں کا مہاراجہ گنا جاتا تھا - داراشکوہ نے اِن دونوں سرداروں سے نہایت تملق اور شیریں زبانی سے گفتگو کی اور جب وہ لشکر میں جانے لگے تو

بقیہ نوٹ صفحہ ۶۹ — زیادہ مسلح سوار بھی نجھڑا کر چلا گیا - اور مونگیر سے پٹنہ تک داراشکوہ کا قبضہ ہو گیا لکھا ہے کہ اِن ٹرائیوں میں سپاہ کی نوکری میں بہت سے لوگ قید ہو گئے تھے داراشکوہ نے اُنکو آگرہ میں منگوا کر اوّل تشہیر وغیرہ سے بے عزت کیا اور پھر اُن کے ہاتھ قلم کرا دیئے جنکی بابت سر کٹنے ہی سے بچکر اپنی جانوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے - س م ح

[۱] اس دریا سے نربدا ندی مُراد ہے جسکا اصل سنسکرت زبان کا نام کشپیدا ہے - س م ح ۱۲
کھ ش ی پ دا

[۲] رانا سے پرتاپ رانا مراد ہے - س م ح ۱۲

آگرہ کو واپس آنیکا ارادہ کیا- کیونکہ ظن غالب یہی تھا کہ دار السلطنت کے آس پاس ہی کہیں نہ کہیں دارا شکوہ اُن سے لڑیگا- سب لوگ متفق الرائے ہیں کہ سلیمان شکوہ کی یہہ تجویز بہت ہی دانائی اور ہوشیاری کی تھی اور اگر یہہ نوجوان شہزادہ اپنی فوج سمیت بروقت پہنچ جاتا تو اورنگ زیب انکی ایسی بڑی فوجوں سے ٹکر لینے میں کبھی کامیاب نہوتا بلکہ شاید مقابلہ ہی نکرتا-

اورنگ زیب اور مراد بخش کی راہ روکنے کے لئے قاسم خاں اور مہاراجہ جسونت سنگھ کا مامور ہونا-

باوجود اس کامیابی کے جو سلیمان شکوہ کی سپاہ[1] کو بمقام الہ آباد (جہاں جمنا اور گنگا باہم ملتی ہیں) حاصل ہو چکی تھی یہاں آگرہ کی طرف معاملات کی کچھ اور ہی صورت تھی- یعنی جب دار السلطنت میں یہہ خبر پہنچی کہ اورنگ زیب برہان پور

دارا شکوہ نے سلیمان شکوہ کے ساتھ بطور اتالیق کے بھیجا تھا- اور اپنی کُل فوج کی سرداری بھی اُسکے حوالہ کی تھی- اور اُسی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ دلیر خاں بھی ایک امیر منجملہ اُن نامور اُمرا کے تھا جو اس مہم میں سلیمان شکوہ کے ساتھ بھیجے گئے تھے- س م خ- ۱۲

[1] عالمگیر نامہ میں اس واقعہ کو یوں لکھا ہے اور اُس وقت کی اور کتابوں سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ سلیمان شکوہ اور راجہ جے سنگھ کچھواہا جو شجاع کے مقابلہ کو چوتھی ربیع الاول ۱۰۶۸ھ ایکہزار اڑسٹھ ہجری کو آگرہ سے روانہ ہوئے تھے اُنہوں نے کوچ بکوچ بہادر پور میں پہنچکر جو بنارس سے ڈھائی کوس آگے گنگا کے کنارہ پر ایک گانوں ہے شجاع کے لشکر سے ڈیڑھ کوس کے فاصلہ پر ڈیرہ کیا تھا- جو بنگالہ کے نواڑے یعنی کشتیوں کے بیڑہ کو ساتھ لئے ہوئے دریا کے کنارے ٹھہرا ہوا تھا اور فوج کو ذرا آرام دے لینے کے بعد دھوکا دینے کی غرض سے یہہ مشہور کرکے کہ لشکر کی جا سے قیام بدلنا چاہتے ہیں اکیسویں جمادی الاول کو علی الصباح شجاع کے لشکر پر ناگہاں حملہ کر دیا اور چونکہ اُسنے غفلت کے سبب سے اپنی فوج کی صف بندی بھی نہ کی تھی خفیف سے مقابلہ کے بعد لڑائی ہار گیا- اور نواڑے میں بیٹھکر پیچھے کو بھاگا اور تمام مال و اسباب لٹ گیا- اور اسکے بعد سلیمان شکوہ نے اوّل پٹنہ اور پھر مونگیر سے نکال دیا اور وہ مجبور ہوکر

بڑی کوشش کے بعد سلطان شجاع کو ایسا مغلوب ہونا پڑا کہ آخر کار سراسیمہ ہوکر بھاگ نکلا- اور یقین ہے کہ اگر جے سنگھ اور اسکا دلی دوست دبیر خاں* پٹھان جو بڑا بہادر سپاہی تھا قصداً پیچھے نہ ہٹے رہتے تو فوج مخالف بالکل تباہ ہوجاتی بلکہ خود شجاع بھی گرفتار ہوجاتا- لیکن راجہ نے ازراہ دانائی مناسب نہ جانا کہ شاہی خاندان کے شاہزادے اور اپنے آقا کے بیٹے پر ہاتھ ڈالے اور یہہ بھی ہے کہ اسنے شجاع کو بھاگ جانیکی مہلت دینے میں بادشاہ کی ہدایتوں پر عمل کیا- اس شکست میں اگرچہ شجاع کا کچھ زیادہ نقصان نہوا تھا- لیکن چونکہ کھیت سلیمان شکوہ کے ہاتھ رہا اور چند توپیں بھی اُسکے قبضہ میں آگئی تھیں اسلیئے دربار شاہی میں یہہ خبر عام ہوگئی کہ سلیمان شکوہ نے کامل فتح پائی اور اس سے سلیمان شکوہ کی نیکنامی اور شجاع کی بڑی بدنامی ہوئی اور ان ایرانی اُمراسے دربار کی سرگرمی اور دلسوزی بھی جو شجاع کی طرفداری کرتے تھے بہت ٹھنڈی پڑگئی-

اورنگزیب اور مرادبخش کی چڑہائی کی خبر سنکر سلیمان شکوہ کا ارادہ مراجعت کرنا

سلیمان شکوہ ابھی شجاع کے تعاقب میں کسیقدر لگا ہوا تھا کہ خبر ملی کہ اورنگزیب اور مرادبخش بڑی مستعدی اور استقلال سے آگرہ کی طرف بڑھے آتے ہیں اب چونکہ اسکو اپنے باپ کی عقل ودانش کا اندازہ بخوبی معلوم تھا اور یہہ بھی جانتا تھا کہ اُسکے گرد وپیش پوشیدہ دشمن جمع ہیں اسلیئے کمال دوراندیشی سے

* فارسی زبان کی تاریخوں میں جے سنگھ کے ساتھ دوسرے امیر کا نام بہادر خاں لکھا ہے اور دبیر خاں تو صریح غلط ہے- اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دلیر خاں کی جگہ غلطی سے دبیر خاں چھپ گیا ہے کیونکہ انگریزی میں حرف ڈ اور ب کی شکل قریب قریب ہے- میرزا محمد کاظم مصنف عالمگیرنامہ لکھتا ہے کہ بابی بیگ المخاطب بہادر خاں جو دارا شکوہ کے عمدہ نوکروں میں سے تھا اسکو اس مہم میں

جنگ نہونے دینا اور شجاع کو اس امر کی فہمایش ہیں کہ وہ اپنے متعلقہ صوبہ کو لوٹ جاے کوئی دقیقہ اُٹھا نرکھنا بلکہ یہانتک کہدیا تھا کہ اُس سے کہدینا کہ ارشاد شاہی کے موافق واپس چلے جانا تمپر صرف فرض و واجب ہی نہیں بلکہ فن حکومت و سلطنت کی رو سے بھی یہہ امر نہایت ضروری ہے کہ تُم سردست اپنی زور و طاقت کا اظہار نکرو اور جبتک کہ ایک ٹھیک اور مناسب موقع اس کام کا نہ آجاے یعنی تا وقتیکہ ہماری بیماری منجر بہلاکت نہو جاسے یا اورنگ زیب اور مراد بخش کی متفقہ فوجوں کا کچھ انجام نہ معلوم ہو چکے ایسی جلدبازی تمہارے لئے مصلحت نہیں ہے"

لیکن جے سنگھہ کی کوششیں انسداد جنگ کے باب میں سب بے سود رہیں - کیونکہ اِدھر تو سلیمان شکوہ بلندحوصلگی اور نوجوانی کے نشہ میں جنگ جوئی کی اُمنگ اور ناموری کے شوق سے بیتاب ہو رہا تھا - اُدھر شجاع کو یہہ خیال تھا کہ اگر کوچ میں دیر کرونگا تو اغلب ہے کہ اورنگ زیب دارا شکوہ کو مغلوب کر کے دارالسلطنت آگرہ اور دہلی پر قابض ہو جاے - پس جو ہیں دونوں فوجیں ایک دوسرے کو دکھائی دینے لگیں فوراً دونوں طرف سے دنادن گولہ اندازی شروع ہو گئی -

لیکن میں اِس مقام پر ضرورت نہیں سمجھتا کہ اِس لڑائی کے حالات بہ تفصیل بیان کروں - کیونکہ اُس دوسری لڑائی کے واقعات جو اِس سے زیادہ اہم ہیں بیان کرنے ہیں اور ناظرین کے لیئے یہاں پر صرف اِتنا لکھدینا کافی ہے کہ دونوں طرف سے بڑی سختی اور سرگرمی سے حملے ہوئے اور ایک

اُسکے مقابلہ کیواسطے روانہ کی گئی اور ایک دوسری فوج اس غرض سے تیار اور جمع کی گئی کہ بشرط ضرورت اورنگ زیب اور مراد بخش کی متفقہ فوج سے جنگ کرے۔ چنانچہ داراشکوہ کا بڑا بیٹا سلیمان شکوہ اُس فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا جو شجاع کے مقابلہ کیواسطے بھیجی گئی تھی۔ اسکی عمر قریب پچیس برس کے تھی اور بڑا خوبصورت اور وجیہ اور سخی شاہزادہ تھا۔ سب لوگ اسے پسند کرتے تھے اور قابلیت ولیاقت میں بھی بہت خاصہ تھا۔ شاہجہاں کو بھی اپنے اِس پوتے سے بہت محبت تھی اور اُسنے کئی بار اسکو بہت سا مال و دولت دیا تھا بلکہ یہہ ارادہ تھا کہ داراشکوہ پر اسکو ترجیح دے اور اپنا ولیعہد مقرر کرے۔

بادشاہ کی مخفی ہدایتیں جے سنگھ کو مگر لڑائی کا نہ ہو سکنا اور شجاع کی شکست

چونکہ شاہجہاں کا اصل مطلب یہہ تھا کہ اِس غیر طبعی اور ناحق کے فساد میں حتی الامکان خونریزی نہونے پائے اسلئے اُسنے ایک مُسن راجہ کو جسکا نام جےسنگھ* ہے اور جو اسوقت کے راجاؤں میں سب سے زیادہ دولتمند اور غالباً ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ قابل شخص ہے بطور مشیر خاص اپنے پوتے کے ہمراہ روانہ کیا۔ اور اُسکو پوشیدہ یہہ ہدایت کی کہ حتی الامکان

---

* راجہ جے سنگھ کچھواہا رئیس جیپور مراد ہے جسکو بعض راجہ کے علاوہ شاہی خاندان کے شاہزادوں کی طرح مرزا کا معزز خطاب بھی ملا ہوا تھا واضح ہو کہ جیپور کی ریاست ہماری اِس زمانہ میں بھی کچھواہا قوم ہی کے بدستور خاندان میں قائم ہے اور خالص آمدنی اس ریاست کی سوائے جاگیروں اور معافیات کے ساٹھ لاکھ سے کچھ زیادہ ہے اور رقبہ پچیس ہزار دو سو مربع میل ہے جسمیں تقریباً انیس لاکھ آدمی بستے ہیں۔

مشتاق ہیں - اور داراشکوہ نے جو اُنہیں ہر طرح سے بے بس اور مسلوب الاختیار کر رکھا ہے اِس حالت سے بھی ہم اُنکو نکالنا چاہتے ہیں -

شاہجہاں کی مجبورانہ اور پراندہ حالت

اِن دنوں شاہجہاں کا فی الواقع بہت بتلا حال تھا - اور علاوہ شدائد اور تکالیف مرض کے وہ حقیقتاً داراشکوہ کے پنجۂ سرکشی میں پھنسا ہوا تھا - اور اُدھر تو داراشکوہ کے دل میں قہر و غضب کی آگ بھڑک رہی تھی اور لڑائی کے سوا کچھ خیال ہی نتھا اور مستعدی کے ساتھ تیّاری کر رہا تھا - اور اُدھر شاہجہاں کے دوسرے بیٹے باپ کے تاکیدی اور متواتر احکام پر مطلقاً لحاظ اور التفات نکر کے برابر آگرہ کی طرف بڑھے چلے آرہے تھے - اور ایکطرف بیچارے بادشاہ کو یہہ فکر تھی کہ اگر میرے جمع کئے ہوئے دفینے اور خزانے اِن نوجوان شاہزادوں کے ہاتھ آجائینگے تو خدا جانے کس کس طرح اُڑا کر برباد اور تلف کرینگے -!

مجبور ہو کر بادشاہ کا بعض اُمرا کو لڑائی کے لیئے مامور کرنا

غرضکہ جب اس بڈھے بادشاہ کو کوئی چارہ باقی نرہا تو اُسنے مجبور ہو کر اپنے وفادار جنگ آزمودہ اور کار آگاہ سرداروں کو اپنے پاس طلب کیا - اگرچہ یہہ اُمرا داراشکوہ سے اکثر ناموافق تھے اور بادشاہ کو بھی اُسکی بہ نسبت اپنے تینوں حملہ آور بیٹوں سے زیادہ محبّت تھی مگر پھر بھی اُسکو اُسکے کاموں کی درستی مدّنظر تھی اور اُنہیں امیروں سے جو اکثر اُس سے ناراض تھے سرانجام مہم کا کام لینا اور اُنکو اپنے باغی بیٹوں کے مقابلہ پر سرلشکر بنا کر بھیجنا امر ضروری تھا - چنانچہ اس بات کا لحاظ کر کے کہ جدھر سے شجاع بڑھا چلا آتا تھا اُدھر کا زیادہ اندیشہ تھا - ایک فوج تو فوراً

آج کسطرح ممکن ہے کہ اُسکے خیالات ایسے بدل گئے ہوں کہ بجز فقیرانہ گزران کرنے کے اُسکی کچھ اَور آرزو ہی نہیں ہے -

آگرہ میں ان خبروں کے پہنچنے سے تہلکہ پڑ جانا۔

اَب اِن متفقہ فوجوں نے ایک بڑی شان و شوکت پیدا کی اور اُن کے کوچ کی خبریں سُنکر پایۂ تخت میں ایک تہلکہ پڑگیا - اور دارا شکوہ تو اسقدر مشوش اور مضطرب ہوا کہ جسکی انتہا نہیں - اور انجام کار پر نظر کرکے شاہجہاں بھی ڈرگیا - اور اگرچہ اپنے خیال میں اس فساد کے حالیہ نتایج کی نسبت اُسنے کچھ ہی اندازہ کیا ہو - لیکن اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ وہ اسبات سے بخوبی آگاہ تھا کہ اورنگ زیب کی قابلیت اور دانائی اور مراد بخش کی تہوّر اور شجاعت کے متفق ہو جانیسے ایسا کوئی امر نہیں ہے کہ جو ناممکن الوقوع ہو -

باوجود ممانعتی اَحکام کے ان شاہزادوں کا آگرہ کو بڑھے چلے آنا۔

شاہجہاں نے ہرچند اُن کے پاس قاصد پر قاصد یہہ پیغام دیکر روانہ کیئے کہ بادولت کو اب آرام اور افاقہ ہے - اور اگر تم اپنے صوبوں کو لوٹ جاؤ گے تو تمہاری اس حرکت سے چشم پوشی کی جائیگی اور داخل نافرمانی نہ سمجھا جائیگا - لیکن یہہ سب تحریریں اور اور احکام بیفائدہ تھے اور متفقہ فوجیں برابر بڑھی چلی آتی تھیں - اور چونکہ بادشاہ کی علالت واقعی مہلک سمجھی جاتی تھی - اسلیئے یہہ اپنے وہی عذر اور بہانے کیئے جاتے تھے اور یہہ کہتے تھے کہ جو خط خطوط شاہی مہریں لگ کر آتے ہیں وہ جعلی اور بالکل دارا شکوہ کی بناوٹ اور ایجاد ہیں - اور "حضرت" یا تو مر چکے یا قریب المرگ ہیں - اور بالغرض اگر ہماری خوش نصیبی سے وہ زندہ ہیں تو ہم اُنکی قدمبوسی کے

بے طمعی کا اظہار کیا - اور دونوں بھائی کبھی ایک دوسرے سے جُدا نہوتے تھے - اور اورنگ زیب بار بار یہی جتنا تھا کہ بادشاہی اور سلطنت کی تو مجھے ذرا بھی ہوس نہیں اور یہہ فوج کشی میںنے صرف اسواسطے کی ہے کہ جسطرح بن پڑے داراشکوہ سے جو میرا اور آپکا مشہور جانی دشمن ہے لڑ بھڑ کر آپکو تخت سلطنت پر جو خالی پڑا ہے بٹھا دوں - جس زمانہ میں دونوں فوجیں پائے تخت کیطرف جا رہی تھیں اورنگ زیب ہمیشہ حاضر و غائب خاص و عام کے روبرو جسطرح پر کہ یہاں کی رعایا کے لوگ بادشاہ کو حضرت کہکر بولتے ہیں مراد بخش کو یہی لفظ کہکر بولتا تھا - اور سب موقعوں پر بڑی تعظیم اور تکریم سے پیش آتا تھا - اور فی الواقع یہہ بات نہایت عجیب ہے کہ مراد بخش نے اورنگ زیب کے خلوص نیّت پر کچھ بھی شبہ نکیا اور وہ علانیہ دغابازی جو گولکنڈا کے معاملہ میں وہ ابھی کر چکا تھا ایسی صریح بات سے بھی اُسکے دل پر ذرا اثر نہوا - بات یہہ ہے کہ یہہ شاہزادہ اپنی خیالی سلطنت کی ہوس میں ایسا اندھا ہو رہا تھا اور عقل پر ایسا پردہ پڑ گیا تھا کہ اتنی موٹی بات بھی اُسکی سمجھ میں نہ آئی کہ جو شخص کل اسقدر بے ایمانی کے ساتھ ایک سلطنت کے چھین لینے کے لیئے کوشش کر چکا ہے

ایکہزار اڑسٹھ ہجری کو اورنگ زیب نے باپ کی عیادت کے بہانہ سے دولت آباد سے برہانپور کی طرف کوچ کیا تھا اور مراد بخش کو ساتھ لینے کی نسبت یہہ حیلہ بنایا تھا کہ سکّہ اور خطبہ وغیرہ جاری کرنے کی بے ادبی جو اُس سے ہوگئی ہے اسلیئے اُس کو خطا معاف کرانے کی خاطر اپنے ساتھ لیجانا چاہتا ہوں - اور یہہ دونوں شاہزادے بمقام تالاب دیپال پور اُجین سے تقریباً ۲ میل فرسنگ کی فاصلہ پر ملاقی ہوئے تھے - س م ح

زرخیز ملک کی حکومت آپ کے ہاتھ آجائیگی اور پھر تھوڑی سی تدبیر سے شہر برہان پور بھی جو صوبہ دکن کا دروازہ اور نہایت کارآمد مقام ہے آپکے قبضہ میں آجائیگا " گرچونکہ مرادبخش کے پاس اورنگ زیب کے خطوط برابر چلے آتے تھے اُسنے اپنے عزم اور کوشش کو سست نہ کیا اور بیچارے شہباز کی صلاح نہ مانی - یہہ دانا اور دور اندیش امیر نہایت ہی سچا ناصح اپنے آقا کا دلی خیرخواہ تھا - پس اس جوان شاہزادہ کے حق میں بہت ہی بہتر ہوتا اگر اُسکی معقول صلاح کو مان لیتا - لیکن اوّل تو بادشاہ بنجانے کے بیجہ شوق ہی میں مرادبخش اندھا ہو رہا تھا - اور اسپر اُسکے مکار بھائی کے خط جو جانفشانی اور ہواخواہی کے وعدوں کے اظہار میں روزمرہ چلے آتے تھے بہت بڑے محرک اسکے ارادوں کے تھے - علاوہ بریں اُسنے یہہ بھی سوچا کہ یہہ مہم جسمیں بادشاہی اور سلطنت حاصل ہوجانے کی اُمید ہے مجھسے اکیلے انجام نہو سکیگی - اسلئے احمدآباد سے جہاں ڈیرے ڈالے پڑا تھا کوچ کردیا - اور گجرات سے روانہ ہوکر پہاڑوں اور جنگلوں کا سیدھا راستہ اختیار کیا تاکہ جلدی سے اُسجگہ پہنچ سکے جہاں اورنگ زیب چند روز پہلے سے اُسکے انتظار میں ٹھہرا ہوا تھا -

دونوں بھائیوں کا فوجوں سمیت ملنا اور اورنگ زیب کی مکاریاں

القصہ جب دونوں لشکر[۱] ملگئے تو بڑی خوشیاں اور جشن منائے گئے - اور اورنگ زیب نے اپنی محبت کے اظہار اور مستحکم اقرار ازسرنو تازہ کیئے اور اپنی کمال بیغرضی اور

[۱] ..... میں لکھا ہے کہ شاہجہاں کی بیماری کے شروع سے ایک برس بعد یکم جمادی الاوّل ۱۰..

اس فتح سے مراد بخش کی ناموری

اس فتح سے مراد بخش کا بڑا نام ہو گیا اور جو باتیں اُسکے پیش نہاد خاطر تھیں اب اُنکی درستی میں ایک بڑی آسانی ہو گئی اور چونکہ سُرنگ لگانے کی تدبیر سے یہاں کے لوگ بخوبی واقف نتھے اسلیئے مراد بخش کی اِس نئی حکمت نے لوگوں کے دلوں پر بہت ہی عجیب اثر کیا۔ اسکے علاوہ یہہ بات علی العموم مشہور ہو گئی کہ سُورت کا بہت سا دفینہ مراد بخش کے ہاتھ آگیا ہے۔

شہباز خواجہ سرا کا مراد بخش کو اورنگ زیب کی شمولیت سے منع کرنا اور اُس کا نہ ماننا۔

لیکن باوجود اُس تمام شہرت اور ناموری کے جو اس فتح سے حاصل ہوئی تھی اور باوصف اورنگ زیب کے بہت سے خوشامد آمیز اور ابلہ فریب وعدوں کے شہباز خواجہ سرا مراد بخش کو یہی سمجھاتا رہا کہ آپ بھائی صاحب کی فضول باتوں پر ہرگز بھروسہ اور اعتبار نکریں اور جلد بازی کر کے اُن کے قابو میں نہ آجائیں اور اس خیر خواہ خواجہ سرا نے صاف کہدیا کہ "آپ اب بھی میری صلاح مان لیں اور اگر آپکی ایسی ہی مرضی ہے تو خیر اورنگ زیب کو چکنی چپڑی باتوں میں پھسلائے رکھیں لیکن فوج اور لشکر سمیت اُس سے جاکر شامل ہو جانیکا ارادہ ہرگز نفرمائیں اور بالفعل آگرہ کی طرف اُسکو اکیلا ہی جانے دیں رفتہ رفتہ جب ہمکو بادشاہ کی صحت اور مرض کی پختہ خبریں اور صحیح حالات معلوم ہو جائینگے تو اُسوقت جو مصلحت معلوم ہوگا اُسپر عمل کیا جائیگا اور اس عرصہ میں آپ قلعہ سورت کا استحکام کرلیں جو اسطرف میں سب سے زیادہ کارآمد مقام ہے۔ اور اس جگہہ کے قابو کر لینے سے ایک وسیع سیر حاصل اور

اَب میری طرف سے کچھ دیر نہیں ہے اور التجا کی کہ آپ کوچ میں دیر کیجئے اور دونوں لشکروں کے ملجانے کے لیئے کوئی جگہہ قرار دیکر جلد مطلع کیجئے۔

قلعہ سورت کے خزانہ کا ذکر

قلعہ سورت میں خلاف مراد تھوڑا سا خزانہ ملنے سے مراد بخش بہت نا اُمید ہوا۔ اس کمی کا سبب یا تو یہہ تھا کہ محض مبالغہ آمیز افواہوں سے اُسکی اسقدر کثرت مشہور ہوگئی تھی یا یہہ وجہ تھی (جیسا کہ عموماً لوگوں کو شبہ تھا) کہ وہاں کے قلعہ دار نے بہت سا خورد بُرد کر لیا تھا۔ بہر حال جو روپیہ مراد بخش کے ہاتھ لگا وہ صرف اتنا ہی تھا کہ اُس سے فقط اُن سپاہیوں کی تنخواہ دیسکا جو یہہ طمع دیکر نوکر رکھ لیئے گئے تھے کہ سورت سے بہت سا مال و دولت ہاتھ آئیگا۔

ڈچ لوگوں سے سُرنگ لگانیکی ترکیب سیکھے بغیر مراد بخش سے اِس قلعہ کا فتح ہوسکنا۔

سورت کے محاصرے اور اُسکے فتح کرنیکی تدبیر دں میں مراد بخش کی کوئی جنگی لیاقت ظاہر نہیں ہوئی۔ کیونکہ باوصف اِس کے کہ قلعہ کی فصیلیں جیسی چاہئیں جنگی قاعدہ کے موافق خوب مستحکم نتھیں۔ پھر بھی باوجود بہت بڑی کوششوں اور عرق ریزیوں کے اہل قلعہ ایک مہینے تک برابر لڑا کیئے اور جبتک کہ ڈچ قوم کے فرنگیوں نے سُرنگ لگانیکی حکمت نہ سکھلائی محاصرہ وغیرہ سے کچھ فائدہ نہوا البتہ جب اُنکی پہلے[1] ہی پہل کی سکھائی ہوئی تدبیر سے قلعہ کی فصیل کا ایک بڑا حصہ اُڑا دیا گیا تو محصوروں نے متحیر ہوکر اور بعض شرطیں لیکر قلعہ حوالہ کر دیا۔

---

[1] یہہ بات درست نہیں ہے کیونکہ اس واقعہ سے چھبیس ستائیس برس پہلے سنہ ۱۰۲۲ء اکبر [illegible] شاہجہاں کے [illegible] اور سورت پرتگیزوں پر [illegible] سُرنگ ہی اُڑا کر فتح پائی تھی [illegible] ایک مقام [illegible]

اورنگزیب کا مراد بخش کی امداد کو سورت کی طرف کوچ کرنا اور قلعہ سورت کے فتح ہوجانیکی خبر پا کر اُس سے بالاتفاق آگرہ کیطرف کوچ کرنیکی استدعا کرنا۔

اسکے بعد اورنگزیب نے سورت کیطرف کوچ کیا کیونکہ اہل قلعہ خلاف توقع ابتک مراد بخش کی فوج سے مغلوب نہوے تھے اور اورنگزیب کا مدعا یہہ تھا کہ جسقدر جلد ممکن ہو یہہ قلعہ فتح ہوجاسے۔ لیکن اُسنے کوچ سے چند روز بعد یہہ خبر پائی کہ وہ فتح ہوگیا۔ پس اُسنے مبارکباد کا خط مراد بخش کو تحریر کیا اور اُسمیں اُن واقعات و حالات سے جو اُسکی اور ہیر جملہ کے باہم گزرے تھے بدیںمضمون اطلاع دی کہ "مینے ایک جرّار فوج جمع کرلی ہے اور خزانہ بھی بافراط موجود ہے اور عمایدو اُمرای دربارشاہی سے بھی سب طرح بحث و نزہو چکی ہے اور برم پور* اور آگرہ کی طرف چل پڑنے میں

جم... (حاشیہ)

یار لوگ تواضع کے لیے منتظر تھے جوہیں اُسنے خلوتخانہ میں قدم رکھا جناب امارت مآب فوراً گرفتار کر لیے گئے۔ اور اُسکے عمر بھر کے جمع کئے ہوئے خزانے اور مال و اسباب اور سامان ثروت و حشمت سب قابو کرلیا گیا۔ اور اُسکے نوکر چاکر اور فوج اپنی نوکر کرلی گئی۔ اور ان خزانوں اور مال اور سپاہ کے ہاتھ آجانے سے اورنگزیب اس بڑی مہم کے انجام دینے کے بخوبی قابل ہوگیا۔ اور چونکہ اُسنے ابتک پردہ نہیں اُٹھا ڈالا تھا باپ کو یہہ لکھ بھیجا کہ فدوی کو معظم خاں کے اوضاع و اطوار سے بیوفائی اور روگردانی کی بو آتی تھی اسلیے مینے اُسکو پکڑ کر قید کردیا ہے اور اگر ایسا نہ کرتا تو بے شبہ وہ بھاگ کر پھر دکن کے سرداروں سے جاملتا۔ (ماخوذ از سیر المتاخرین و تاریخ عاقل خاں) س م ح ۱۲

※ اصل کتاب میں جابجا برم پور لکھا ہے مگر صحیح نام برہان پور ہے۔ اسلیے آیندہ اس ترجمہ میں بُرہان پور ہی لکھا جائیگا۔ یہہ شہر اُسوقت صوبہ خاندیس کا دارالحکومت تھا اور دکن کا دروازہ سمجھا جاتا تھا مگر اس زمانہ میں ناگپور کی چیف کمشنری میں ضلع نماڑ کے متعلق ایک تحصیل کا مقام ہے یہہ دریاے تاپتی کے کنارے آباد ہے۔ اور قریب تیس ہزار آدمی کے اسمیں رہتے ہیں س م ح

صداقت اپنے وعدوں اور اظہار سیر چشمی کے فوراً تین مہینے کی تنخواہ بطور
پیشگی دیدی اور اس تدبیر سے میر جملہ کی فوج اُس مہم میں شریک ہونیکو راضی
ہوگئی جو اورنگ زیب کو مدنظر تھی اور اب اُسکے پاس لڑنے بھڑنیکے
لائق اچھی خاصی جمعیت ہوگئی۔

کرنا چاہئے سرکار سے ارادہ نامہ کوچ کر دیا ہے۔ اسلئے ان کا مع اُنکی فوجوں کے آنحضرت
میں حاضر ہوجانا مناسب ہے۔ ان امیروں کے چلے آنے سے اورنگ زیب کو نہایت
دقت پیش آئی۔ کیونکہ اول تو بادشاہ کی سخت بیماری کی خبر سے سپاہیوں کے
دل بہت ٹوٹ گئے تھے اور امیر ایسے نامدار اور صاحب فوج امرا کے چلے جانے سے انکو
اور بھی زیادہ دلیری ہوگئی اور اورنگ زیب کے لشکر میں جو ہنوز گلبرکہ کو گھیرے ہوئے
تھا بہت ابتری اور کمزوری پھیل گئی مگر وہ اپنی معمولی ثابت قدمی اور استقلال طبع سے
نہایت متانت اور وقار کے ساتھ جس طرح بن پڑا صلح مناسب کر کے عزت اور نیکنامی
کے ساتھ دولت آباد میں واپس آگیا۔ اور جب اسنے سنا کہ میر جملہ بھی جو ابتک پیشکش کی تکمیل
اور مفتوحہ قلعوں کے نظم و نسق سے فارغ نہیں ہوا تھا صاف صاف حال اور ستر سال کی طرح
آگرہ کو جانے والا ہے۔ تو اُسے یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر ایسا دولتمند با تدبیر صاحب فوج لشکر
امیر ایسے وقت میں دارا شکوہ کے پاس جا پہنچا تو میری ساری اُمیدیں خاک میں ملجائینگی۔
پس اُسکے یہاں سے کے لیئے یہ تدبیر نکالی کہ اُسکے پاس یہ پیغام بھیجا کہ چونکہ ہم آپکو ایسا
دل سوا خواہ اور خیر اندیش جانتے ہیں کہ آپ ہمسے ملکر اور جمعیت ہوکر آگرہ کو جائیں تو مناسب
ہے۔ اور جب اُسنے آنے سے پہلوتہی کی اور لکھا کہ میرے نام فرمان آیا ہے اسلیئے مجبور
ہوں تو اورنگ زیب نے اُسکے قابو میں لانیکے لیئے اس مرتبہ اپنے بڑے بیٹے
محمد سلطان کو بھیجا اور یہ پیغام دیا کہ چونکہ آپ حضور میں حاضر ہونے کو جاتے ہیں اپنے
بعض ضروری باتیں تخلیہ میں آپ سے کہنی واجبات سے ہیں اور اس صورت
میں آپکا ہمسے ملکر جانا ہماری نہایت ہی خوشی کا باعث ہوگا اور محمد سلطان نے باپ
کی ہدایت کے موافق ایسی چکنی چپڑی باتیں بنائیں اور ایسا مطمئن کیا کہ وہ بلا وعدہ
خوش خوش ملنے کو چلا آیا۔ آنا ہو کہ یہاں پہلے ہی سے سب تیاری کی ہوئی تھی اور

اورنگ زیب کا میر جملہ کے رفیقوں اور اُسکی فوج کو پھسلا کر اپنا رفیق بنانا۔

القصّہ جب میر جملہ کی گرفتاری کی خبر برملا ہوگئی تو اُسکی فوج کے اُس دستہ نے جو بیجاپور سے اُسکے ساتھ آیا تھا بڑے زور سے کہا کہ ہمارے سردار کو چھوڑ دینا چاہیے اور اگر اورنگ زیب اپنی حکمت عملی سے فوراً اُنکی تسلّی تشفی نکر دیتا تو بے شبہ وہ اپنے سردار کو چھوڑا لیتے۔ چنانچہ اورنگ زیب نے اُن کے بڑے بڑے سرداروں کو تو یہہ سمجھا کر کہ وہ بالکل اپنی خوشی اور مرضی سے نظربند ہوا ہے اپنا رفیق بنالیا۔ اور اُن کے ذہن نشین کر دیا کہ یہہ محض ایک حکمت اور منصوبہ ہے جو اصل میں ہماری اور امیر کی باہمی صلاح ہی سے تجویز ہوا ہے۔ اور سپاہ کو خوب دل کھول کر انعام و اکرام دیئے یعنی سرداروں سے تو آیندہ ترقی کے صرف بڑے بڑے وعدے ہی کیئے مگر سپاہیوں کی تنخواہ حقیقتاً بڑھا دی بلکہ بطور ثبوت

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

کے لیئے مامور کرکے خود دولت آباد کو چلا جاوے۔ اور معظّم خان جب ملک مفتوحہ کے قلعوں کے قرارواقعی بندوبست سے فارغ ہو جاوے تو بیجاپور کا پیشکش جو قاضی نظاما لیکر آوے اُسکو ساتھ لیکر حضور میں حاضر ہو جاوے۔ تو ابھی اِن شرطوں کی تعمیل نہیں ہوئی تھی اور اورنگ زیب قلعہ گلبرگہ کو گھیرے ہوے تھا کہ اسی اثنا میں بادشاہ بیمار ہو گیا۔ اور داراشکوہ نے ایسے بڑے امیروں کا اورنگ زیب کے پاس اسوقت موجود رہنا اپنے حق میں بہتر نہ سمجھکر مہابت خاں۔ راؤ ستر سال وغیرہ کے نام بادشاہی فرمان جاری کرا دیئے کہ اُسکی اجازت اور عدم اجازت کی مطلق پروا نکرکے بلاتوقف آگرہ کو چلے آئیں۔ چنانچہ سواے نجابت خاں اور شاہنواز خاں اور میر جملہ کے سب چلے آے۔ بلکہ میر جملہ کو تو عہدہ وزارت سے معزول کرکے حاضر دربار ہونیکا حکم بھیجا گیا۔ (کیونکہ اورنگ زیب کا متوسل خاص سمجھا جاتا تھا) اور محمد امین خاں کو جو باپ کی جگہہ نیابتاً وزارت کرتا تھا کام سے علیحدہ کیا گیا۔ اور رائے رایان دیوان رکھنا تھ سرانجام کار کے لیئے قائم مقام کے طور پر مامور ہوا۔ داراشکوہ نے اِن امیروں کے واپس بلانیکے لیئے یہہ بہانہ بنایا تھا۔

کی درستی کی تدبیروں کی نسبت باہم غور و فکر کر سکینگے اور اِس صورت میں ہرگز میرے خیال اور قیاس میں نہیں آتا کہ داراشکوہ کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہو اور وہ ایسے شخص کے اہل و عیال سے کوئی بدسلوکی کرے جو بظاہر میرا اسقدر دشمن ہو۔

اس امر کی تحقیق کہ میر جملہ حقیقتاً مجبور ہو کر قید ہو گیا تھا یا یہہ صرف ایک حیلہ اور بناوٹ تھی

ہم معتبر سند سے بیان کر سکتے ہیں کہ اورنگزیب کی تقریر کا مدّعا یہی تھا۔ اور اگرچہ وہ خیالات اور حالات جنکو سوچ سمجھکر میر جملہ نے اِن خواہشوں کا جواب دیا ہوگا بخوبی معلوم نہیں ہیں۔ لیکن یہہ بات بالکل یقینی ہے کہ اُسنے اِن سب باتوں کو قبول کر لیا تھا یعنی وہ اِسپر بھی راضی ہو گیا تھا کہ اپنی فوج کو اورنگزیب کے زیر حکومت کر دے۔ اور روپیہ کا دینا بھی قبول کر لیا۔ اور سب سے زیادہ عجیب بات یہہ تھی کہ اُسکی مرضی کے موافق سچ مچ قید ہو کر قلعہ دولت آباد میں چلا گیا !!

اب اس معاملہ کی نسبت بعض لوگ تو یہہ کہتے ہیں کہ میر جملہ کو اورنگزیب نے سمجھا بوجھا کر فی الواقع اس بات کا یقین کرا دیا تھا کہ آپکے برضامندی قید ہو جانے سے بہت فائدے ہونگے۔ اور چونکہ پہلے سے آپسمیں دوستی اور اتحاد تھا۔ اسوجہ سے اورنگزیب نے اُسے قید ہو جانے پر حقیقتاً راضی کر لیا تھا۔ اور بعض کی یہہ رائے ہے (جو غالباً زیادہ معقول اور قرین قیاس ہے) کہ اُسنے صرف ڈر کے مارے اِن باتوں کو قبول کر لیا تھا۔ کیونکہ اورنگزیب کے دو جوان بیٹے ایک سلطان معظم دوسرا محمد سلطان

جو محمد سلطان سے انکار کیا تھا وہ مجبوری کے باعث سے تھا اور بیشک
میرے سب فہمیدہ اور دور اندیش اہل دربار کی بھی یہی راے ہے
کہ جبتک آپ کے اہل و عیال داراشکوہ کے قابو میں ہیں آپکو علانیہ اور
برملا کوئی ایسی حرکت ہرگز نکرنی چاہیئے جو بظاہر ہمارے حق میں مفید
نظر آتی ہو۔ لیکن آپ جیسے عقیل شخص کو سمجھانے کی کیا حاجت ہی کہ دنیا
میں ہر مشکل کام کی آخر ایک تدبیر ہے۔ چنانچہ ایک منصوبہ میرے خیال میں
گزرا ہے جس سے بظاہر اگرچہ آپ حیران ہوں گے۔ لیکن جب اُسکے
نشیب و فراز پر بخوبی غور کرینگے تو بے شبہ آپ کے اہل و عیال کی سلامتی
کے لیئے ایک یقینی ذریعہ ہوگا۔ اور وہ یہہ ہے کہ آپ بظاہر قید ہو جانا
گوارا کرلیں اس سے تمام جہان کو میری آپکی دشمنی کا یقین کامل ہو جائیگا اور اس
حکمت سے ہم اپنی تمام خواہشوں میں کامیاب ہو جائینگے۔ کیونکہ کوئی
شخص ہرگز ایسا گمان بھی نکریگا کہ آپ جیسے رتبہ کا کوئی آدمی اسطرح اپنی خوشی
سے قید ہو جاے۔ اور اسکے ساتھ ہی میں آپکی فوج کا ایک حصہ جس وضع
اور حیثیت سے آپکو پسند اور مناسب معلوم ہو نوکر رکھونگا اور مجھے یہہ بھی
یقین ہے کہ جسطرح پہلے آپ بارہا مجھسے وعدے کرتے رہے ہیں
اسوقت کچھ روپیہ دینے سے بھی انکار نکرینگے۔ کیونکہ روپیہ کی بہت ضرورت
ہے اور آپ کے اس روپیہ اور لشکر سے میں اپنی بخت آزمائی کرونگا
۔ پس اجازت ہو تو میں آپکو اسیوقت قلعہ دولت آباد میں پہنچا دوں ۔ اور
۱ محمد میرا ایک بیٹا آپکا نگران حال رہیگا اور بعد اسکے ، اور آپ اس مہم

سے اس ضروری کام کو فوراً تاڑ گیا اور جواب دیا کہ کلیانی کا محاصرہ چھوڑ کر اور فوج سے علیحدہ ہوکر میرا دولت آباد آنا نہیں ہو سکتا اور آپ یقین فرمائیں کہ مینے آگرہ سے ابھی تازہ خبر پائی ہے کہ شاہجہاں ہنوز زندہ ہے۔ اسکی علاوہ یہہ بات ہے کہ جبتک میرے اہل و عیال داراشکوہ کے قابو میں ہیں میں آپکے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا بلکہ میرا اصل منشا تو یہہ ہے کہ مَیں اِس ہنگامہ میں کسیکا بھی طرفدار نہ بنوں۔

اورنگ زیب کا اُسکے پاس سُلطان معظم کو مکرر پیغام دیکر بھیجنا اور اُس کا چلے آنا اور قید ہو جانا۔

جب محمد سلطان نے دیکھا کہ میر جملہ میرے ساتھ جانا نہیں چاہتا تو وہ نہایت ناراض ہوکر دولت آباد کو چلا گیا۔ لیکن اِس ناکامیابی سے اورنگ زیب کسیطرح ناامید نہوا اور اپنے دوسرے بیٹے سلطان معظم کو پھر اُسکے پاس بھیجا اور اپنی پہلی خواہش کا اعادہ کیا۔ اِس شاہزادہ نے اپنے پیام و سلام کو اِس خوبی سے ادا کیا اور سابقہ محبّت و اتحاد کو اِس قابلیت سے جتایا کہ میر جملہ اُسکی موکد درخواستوں سے اِنکار نکر سکا اور اُسنے کلیانی کے محاصرہ کو اسقدر سخت اور تنگ پکڑا کہ مخالفوں نے ناچار ہوکر آخرکار قلعہ خالی کر دیا۔ اور بعد اِس فتح کے یہہ اپنی چیدہ فوج ساتھ لیکر نہایت عجلت کے ساتھ دولت آباد کو چلا آیا۔ چنانچہ بوقت ملاقات اورنگ زیب نہایت مہربانی اور گرمجوشی سے پیش آیا اور گفتگو میں بابا اور باباجی وغیرہ بہت بڑے بڑے تعظیمی الفاظ کے ساتھ اُس سے مخاطب ہوا اور اُس مبارک مہمان کو کئی بار گلے لگایا اور پھر خلوت میں لیجا کر یہہ کہا کہ "مجھے معلوم ہے کہ آپ نے

دینے پر مائل ہو جائینگے - جو اُن سے وہ سختی طلب کرتا تھا - یہہ خط[1] بجا دکھایا گیا - اور اب اسنے سچ مچ سارے کر و فر اور شان و تزک شاہانہ بنا لیے اور لوگوں کو بڑے بڑے انعام و اکرام کا متوقع کیا - اور حسن اتفاق سے ان سب باتوں میں اُسکی تدبیریں اور منصوبے ایسے بن پڑے کہ بہت جلد ایک خاصی فوج جمع ہو گئی جسمیں سب کاموں سے پہلے تین ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ زیر حکومت شاہ عباس[2] خواجہ سرا جو بڑا بہادر اور سپاہی منش تھا قلعہ سورت کے محاصرہ کیواسطے بھیجدیا گیا -

اسکے بعد اورنگ زیب کا میر جملہ کی طرف متوجہ ہونا اور اپنے بڑے بیٹے کو اسکے پاس بھیجنا اور اسکا آنے سے انکار کرنا -

جب مراد بخش کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو اورنگ زیب نے اپنا بڑا بیٹا محمد سلطان (جسکی شادی شاہ گولکنڈا کی بیٹی سے ہوئی تھی) میر جملہ کے پاس بھیجا کہ بڑا ہی ضروری کام ہے - آپ فوراً یہاں آکر ذرا مجھسے ملجائیں" لیکن میر جملہ اپنی فراست

[1] خافی خاں نے خط کا مضمون بیان نہیں کیا مگر الفنسٹن صاحب نے اپنی تاریخ ہندوستان میں خافی خاں کے حوالہ سے یہہ لکھا ہے کہ " میں تمہارا خیر خواہ اور برادر مخلص ہوں اور تخت نشینی تمکو مبارک ہو باقی میرا تو یہہ ارادہ ہے کہ میں مکہ کو جاؤں اور کنج عزلت میں بیٹھکر خدا کی یاد کروں اور دنیا کو چھوڑ دوں اور بادشاہت کے مذہب دارا شکوہ کے مقابلہ میں تمہارا ساتھی بھی ہوں اور اسلیے کہ ہمارا باپ جیتا جاگتا ہے تو ہمکو چاہیے کہ اسکی خدمت میں حاضر ہوں - اگر وہ ہمسے بعنایت پیش آئے تو اسکو مشائخ غاصب والے سے بچائیں جو دارا شکوہ نے ہمپر ڈال رکھا ہے اور اسکی غلط فہمی کی صفائی چاہیں - اور اب اسی غرض میں تمکو یہہ صلاح ہے کہ ہم اپنی فوجیں اکٹھی کریں اور راجہ جسونت سنگھ کی بمقابلہ پیش آئیں جو ہمسے روکنے کے لیے روانہ کیا گیا ہے"
س م ح ۱۲

[2] خافی خاں کی تاریخ سے اسکا نام شہباز خاں معلوم ہوتا ہے اور یہہ شخص پنج ہزاری کے منصب کا ایک امیر تھا - آیندہ اس ترجمہ میں شہباز خاں ہی لکھا جائیگا -
س م ح ۱۲

اورنگ زیب کے دم میں آکر مراد بخش کا آمادہ ہو جانا۔ اور شاہی خزانہ لوٹ لینے کے قصد سے قلعہ سورت پر فوج بھیجدینا۔

مراد بخش جسکی دولت اور قوّت بہ نسبت اَوروں کے کم تھی بھائی کی اس درخواست سے جسکے ساتھ ایک ایسی بڑی رقم بھی آئی تھی بہت ہی خوش ہوا اور اُسکی اُمیدوں کو ایک بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ چنانچہ اس اُمید سے کہ جوان اور سپاہی پیشہ لوگ اِسکے مضمون سے واقف ہو کر فوج میں بھرتی ہونے پر زیادہ راغب اور آمادہ ہو نگے اور اس خبر کو سنکر سوداگر لوگ زیادہ رضامندی سے وہ بڑی بڑی رقمیں قرض

تخت نشین ہونے کی بھی حرکت کر چکا ہے ایسے باحوصلہ شخص کا دارالحکومت دکن سے آگرہ کی طرف میرے چلے جانے کی حالت میں ایسے قریب مقام میں رہنا مناسب نہیں ہے اسلیئے سخت سخت قسموں کے ساتھ مراد بخش سے یہہ معاہدہ کیا۔ کہ ہم تم متفق ہو کر آگرہ پر حملہ کریں۔ اور بصورت فتح کُل مال غنیمت میں سے ایک ثلث تمہارا اور دو ثلث میرے۔ اور سلطنت میں سے کابل اور کشمیر اور سندہ اور مُلک پنجاب تمہارے تصرف میں آئیگا۔ اور اُس میں سکّہ وخطبہ اور حکومت شاہانہ تمہاری رہیگی۔

اور سیر المتاخرین میں یوں لکھا ہے کہ سلطنت اور مال و دولت کی تقسیم بالمناصفہ ٹھہری تھی۔

اور منشی محمد ذکاءاللہ صاحب دہلوی سلمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب تاریخ ہند میں مکتوبات عالمگیری سے اس عہدنامہ کا خلاصہ یہہ لکھتے ہیں کہ ہمارا دوست آپکا دوست اور ہمارا دشمن آپکا دشمن اور بعد انفصال تمام جھگڑوں کے صوبجات لاہور۔ کشمیر کابل ملتان ٹھٹہ بھکر۔ اور تمام اضلاع خلیج عمان تک تمکو دیئے جائینگے۔ س م ح ۱۲

بجالانے کو آمادہ اور تیار ہوں - اور صلاح و مشورہ سے ! اپنے دوستوں اور رفیقوں سے ! اپنی تمام فوج آپکے تحت حکم کر دینے سے ! غرض کسی قسم کی مدد دینے سے بھی ! مجھے دریغ نہیں ہے ! اسکے علاوہ بالفعل آپکی خدمت میں ایک لاکھ روپیہ بھیجتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ آپ اسکو بطور نذر قبول فرمائیں کہ باعث میری ترقی اخلاص اور خوشی کا ہو گا - اور اب ہنر آزمائی اور جوہر نمائی کا وقت ہے - پس آپ ایک لمحہ بھی ضایع نہ کیجئے اور موقع کو غنیمت سمجھئے اور جلدی سے سورت* کے قلعہ پر جہاں مجھے خوب معلوم ہے کہ بہت سے بادشاہی دفاین و خزاین مدفون و مخزون ہیں قبضہ کر لیجئے [1]

---

* فارسی زبان کی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ اُسوقت شاہجہاں کی بڑی بیٹی موسوف بیگم صاحب کی جاگیر میں تھی - س م ح ۱۲

[1] اورنگ زیبی چالوں اور ہتھکنڈوں پر خیال کرنے سے تو ظاہرا ڈاکٹر برنی اَز ہی کا لکھنا صحیح پایا جاتا ہے کہ مراد بخش نے جو کچھ کیا وہ اورنگ زیب کی تحریک و ترغیب سے کیا - مگر اُسوقت کی فارسی تاریخوں سے بالاتفاق یوں معلوم ہوتا ہے کہ مراد بخش نے جب باپ کی سخت بیمار ہونے کی خبر پائی تو اُسکا مرجانا فرض کرکے خود بخود شورش کی - اور صوبہ گجرات کے بادشاہی دیوان سید علی نقی کو جو اُسکی خرابیوں کی اصلاح کے لیئے مامور تھا اپنا بدخواہ سمجھکر بے جرم و خطا خود اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالا اور بادشاہ بنکر تخت پر جو بیٹھا - اور دستور خاندان کے موافق اپنا شاہانہ لقب مروج الدین مقرر کرکے سکہ اور خطبہ بھی جاری کر دیا - اور ساز و سامان کی درستی کے لیئے نہ صرف شاہی خزانہ پر تصرف کر لیا بلکہ گجرات کے سوداگروں اور اَور دولتمندوں سے بھی بہت سا روپیہ جبرا وصول کیا - اورنگ زیب ان حالات کو دیکھ رہا تھا مگر ازراہ احتیاط ایک برس کے قریب تک خاموش تھا - مگر جب شجاع نے بھی بنگالہ سے کوچ کر دیا تو زیادہ توقف مصلحت نہ دیکھکر اسنے بھی اُن پر چڑھائی کرنے کی ٹھان لی - اور بقول عاقل خاں جسکے بیان اکثر ناظرین اور صاف ہیں یہ خیال کرکے کہ مراد بخش جو

اس بات کے یاد دلانیکی کچھ حاجت نہیں کہ امور سلطنت کی محنت اٹھانی میرے اصلی مزاج اور طبیعت کے کسقدر مخالف ہے اور اسوقت میں بلکہ دارا شکوہ اور شجاع نہایت سرگرمی سے حصول سلطنت کے لیئے کوشش اور سعی کررہے ہیں تو میں صرف ایک جان زاہی کی حفاظت اور فقیرانہ زندگی بسر کرنے میں متردد ہوں - اور اگرچہ سلطنت کے حق حقوق اور دعووں سے میں بالکل دست بردار ہوں - مگر تاہم اسے میرے قدیمی اور نہایت گرامی عزیز میں تمکو اس راے اور خیالات سے مطلع کرنا واجب جانتا ہوں کہ یہی نہیں کہ داراشکوہ فرماں روای کے اوصاف سے خالی ہے - بلکہ لامذہب اور کافر ہونیکی وجہ سے بالکل تاج و تخت کے لایق نہیں اور بڑے بڑے امراے سلطنت اور ارکان دولت سب اس سے متنفر ہیں اور علی ہذالقیاس شجاع بھی سلطنت کے قابل نہیں کیونکہ رافضی مذہب اور ہندوستان کا دشمن ہے - پس اس صورت میں اس عظیم الشان سلطنت کی فرماں روائی کے لایق صرف آپ ہی ہیں - اور یہہ راے صرف میری ہی نہیں - بلکہ اسمیں پاے تخت کے مشیر اور امیر جو آپ کے بے بدل شجاع ہونے کے بدل قایل و معترف ہیں سب متفق الراے اور ہمزبان اور دار الخلافت میں آپکی رونق بخشی کے منتظر ہیں اور میری بابت تو یہہ تصور کریجیے کہ اگر آپکی طرف سے موثق اور مستحکم طور پر مجھے یہہ وعدہ ملجائیگا کہ جب بفضل خدا آپ بادشاہ ہوجائینگے تو مجھے اپنی قلمرو میں کوئی خلوت کے موقع کا گوشۂ عافیت باطمینان خاطر عبادت الہی بجالانے کو عنایت فرما دیجیگا تو میں فوراً آپکی طرفداری میں خدمت

کی اور صاف لکھا کہ علاج و معالجہ سے بیماری کو افاقہ ہوتا جاتا ہے اور تاکید
حکم دیا کہ تم اپنے صوبہ کو فوراً لوٹ جاؤ - لیکن اس سبب سے کہ اُسکے
ہوا خواہ برابر یہہ خبریں بھیجتے تھے کہ بادشاہ کی بیماری لاعلاج ہے
اگرہ کی طرف بدستور بڑھا چلا آیا - اور یہہ حیلہ بنایا کہ مجھے بندگان والا کی
سلامتی کی خبر پر یقین نہیں آتا - اور بالفرض اگر وہ زندہ اور سلامت ہیں
تو قدمبوسی حاصل کرنی اور ارشاد و احکام سے سرفراز ہونے کی مجھو بڑی
تمنا ہے -

اورنگ زیب کا اگرہ کیطرف کوچ کرنا اور سلطان مرادبخش اور میر جملہ کو ایک عجیب طور سے اپنا شریک حال بنانا -

اورنگ زیب نے بھی اسی طرح اپنے اشتہار
جاری کئے اور فوج کو کوچ کا حکم دیا - اور ٹھیک
اُنہیں دنوں میں جبکہ سلطان شجاع نے کوچ
کیا تھا اسنے بھی اگرہ کیطرف بڑھنے کا عزم کیا اور اگرچہ اسکو بھی وہی امتناعی
احکام بادشاہ اور دارا شکوہ کیطرف سے پہنچے - اور دارا شکوہ نے تو یہاں تک
لکھدیا تھا کہ اگر تم دکن سے حرکت کروگے تو سزا پاؤ گے - مگر شجاع کی طرح اسنے
بھی وہی حیلہ بناکر اُسی عذر سے جواب روانہ کیا اور چونکہ اسکی آمدنی بہت زیادہ
نہ تھی اور فوج بھی بہ نسبت اوروں کے کم تھی[۱] اسلیئے اسنے چالاکی سے اُس
چیز کا حاصل کرنا چاہا جو صرف اسکی تلوار اور قوت بازو سے غیر ممکن تھی - اور چونکہ
مرادبخش اور میر جملہ ہی دو ایسے شخص تھے جو آسانی کے ساتھ اسکے دم
میں آسکتے تھے - اسلیئے اسنے مرادبخش کو اس مضمون کا خط لکھا کہ بھائی تمکو

[۱] خافی خاں نے لکھا ہے کہ اسوقت اورنگ زیب کے پاس تیس پینتیس ہزار سوار تھے - س م ح ۱۲

تھا اسیطرح انکو یقین واثق تھا کہ اگر ہم اپنی امیدوں میں ناکامیاب رہینگے تو غالب اور فتحیاب حریف حسد کے مارے ہمکو ضرور قتل کرادیگا۔

سب سے پہلے سلطان شجاع کا فوج لیکر آگرہ کی طرف کوچ کرنا

پس سب سے پہلے سلطان شجاع (جسنے کچھ تو بعض راجاؤں کو برباد کرکے اور کچھ اور لوگوں کو لوٹ کھسوٹ کرا پنے صندوق بھر لیئے تھے اور اس سبب سے ایک فوج کثیر کا جمع کرلینا اُسکو کچھ مشکل نتھا اسکے علاوہ اپنے ہم مذہب ایرانی اُمراے دربار کی اعانت اور امداد پر بھی اُسے پورا بھروسہ تھا) فوج ولشکر جمع کرکے نہایت سرعت کے ساتھ آگرہ کی طرف چل کھڑا ہوا۔ اور یہہ اشتہار دیا کہ "چونکہ بادشاہ کو داراشکوہ نے زہر دیکر مار ڈالا ہے اسلیئے ہم اس خونِ ناحق اور حرکت ناشایستہ کا انتقام لینگے اور تخت سلطنت پر جو خالی ہے جلوس کرینگے" اور اگرچہ شاہجہاں نے داراشکوہ کی صلاح سے بہت جلد اس افواہ کی جو اُسکی موت کی نسبت مشہور ہوگئی تھی تردید

کی ہوس میں لاہور کے بادشاہی خزانہ کا بہتّر لاکھ روپیہ خراب کرکے پندرہ ہزار فوج کی جمعیّت سے صرف راوی تک مقابلہ کو آیا تھا گرفتار کرکے قلعہ لاہور میں قید کردیا اور داور بخش کو تخت پر بٹھادیا تو شاہجہاں کا خاص اُسکے ہاتھ کا لکھا ہوا یہہ حکم آصف خاں کے پاس پہنچا کہ مناسب اور مصلحت وقت یہہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو داور بخش اور اُسکے بھائی گرشاسپ اور مرزا دانیال کے تینوں بیٹوں شہریار اور طہمورث اور ہوشنگ کو اندھا کرکے ہمارے پاس لے آؤ۔ ورنہ پانچوں کے پانچوں کو چلتا کرو۔ تو آصف خاں نے باتفاق ارادت خاں اور خواجہ ابوالحسن وغیرہ اُمرا کے سکّہ وخطبہ شاہجہاں کے نام کا جاری کردیا۔ اور ان بیچارے پانچوں بیگناہوں کو رات کیوقت دنیا سے رخصت کیا۔ اور اُدھر آٹھویں جمادی الثانی سنہ ۱۰۳۷ ایکہزار سینتیس ہجری کو شاہجہاں نے آگرہ پہنچکر تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ س م ح ۱۲

اس سبب سے کھانے پینے میں بہت ہی احتیاط برتتا تھا- بلکہ یہہ بھی
کہتے ہیں کہ اُسنے اورنگ زیب سے بھی کچھ خط وکتابت کی تھی جسکی خبر پاکر
اور طیش میں آکر دارا شکوہ نے باپ کو بہت سا دھمکایا تھا-

بادشاہ کا زیادہ بیمار ہوجانا اور اُسکے مرنے کی افواہ اُڑجانیکی وجہ سے شہزادوں میں ایک ہولناک کھلبلی پڑجانا

اس عرصہ میں بادشاہ کی علالت اِسقدر بڑھگئی کہ اُسکے مرنے کی افواہ اُڑگئی - اور تمام دربار درہم وبرہم ہوگیا اور آگرہ میں یہانتک خوف وخطر پھیلا کہ بازاروں میں کئی روز تک ہڑتال رہی اور چاروں شہزادے علانیہ کھُل کھیلے- اور صاف کہدیا کہ اب مقدمہ کا فیصلہ صرف تلوار ہی سے ہوگا اور واقعی اِنکو اپنے اس ارادہ سے دست بردار ہونا مشکل بھی تھا کیونکہ فتحیابی کی حالت میں تو تخت کی اُمید تھی اور شکست کی صورت میں جان کے جانیکا یقین کلی تھا اور اب صرف دو ہی باتیں تھیں یا موت یا سلطنت- اور جسطرح شاہجہاں[ف۱] خاص اپنے بھائیوں کے خون سے ہاتھ بھر کر تخت نشین ہوا

ف۱ جب ۱۰۳۷ ہجری میں کشمیر سے واپس آتے وقت جہانگیر کا انتقال ہوگیا تو نورجہاں بیگم نے جہانگیر کے بھتیجے سلطان شہریار کو جس سے نورجہاں کی بیٹی جو اُسکے پہلے خاوند سے تھی بیاہی ہوئی تھی اور جو بیماری کے سبب سے رخصت لیکر پہلے ہی لاہور میں تھا سلطنت کے لیئے ابھارا اور نورجہاں کے بھائی آصف خاں وزیر نے اپنے داماد شاہجہاں کو فارسی نامے اور ایک نہایت معتمد ہندو قاصد کی معرفت جسکو تیزی رفتار کی وجہ سے رقعہ کی جگہ اپنی مہر حوالہ کردی تھی یہ پیغام بھیجکر بلایا اور نورجہاں کی سازشوں کی روک تھام کے لیئے شاہجہاں کے دکن سے آ پہنچنے تک جہاں تک اس سے باقی رہا تھا جہانگیر کے پوتے سلطان داور بخش عرف بلاقی بن سلطان خسرو کو جو اُس وقت خاں کے سپرد تھا اسے بادشاہ بناکر لاہور کی طرف کوچ کیا- اور نورجہاں کو اپنے خیمہ میں نظربند کرلیا اور شہریار کو جو داشت

ایسی ہی تیاریاں کیں۔ اُدھر دکن اور گجرات میں اورنگ زیب اور مراد بخش نے ایسی فوجیں بھرتی کیں جنسے ظاہر ہوتا تھا کہ انکا کیا ارادہ ہے۔ اور چاروں نے ہر طرف سے اپنے رفیق اور مددگار بلاکر جمع کئے اور اِدھر اُدھر خط لکھ بھیجے اور بڑے بڑے وعدے اور عہد و پیمان کیئے اور طرح طرح کی بندشیں اور سازشیں کرنی شروع کیں۔

دارا شکوہ کا انکے بعض سازشی کاغذ پکڑ کر باپ کو دکھانا مگر بادشاہ کا اس سے بدستور متوہم اور مشتبہ رہنا۔

اگرچہ دارا شکوہ نے اِن میں سے کچھ کاغذ پکڑ کر باپ کو دکھاے اور بھائیوں کی سخت شکایتیں کیں۔ اور بیگم صاحب نے بھی ہرطرح دیکھکر بہت سا لگاؤ بجھاؤ کیا۔ لیکن بادشاہ کو دارا شکوہ پر بالکل اعتبار نہ تھا یہاں تک کہ اُسے کامل شبہ تھا کہ وہ اُسے زہر دلوانیکی فکر میں ہے اور

کے تحت میں اس مہم کا سر انجام کرے اور محمد امین خاں کو حکم ہوا کہ باپ کی جگہہ وزارت کا کام باتفاق اِسے رایان رکھنا تھا نائب وزیر کے انجام دیتا رہے۔ اور اسطرح سے اورنگ آباد پہنچکر وہاں سے مع اورنگ زیب کے بیجاپور کے ملک پر چڑھائی کردی۔ اور کلیانی وغیرہ اُن کے قلعوں کو جا گھیرا۔ س م ح

سوزاک کا بھی خلل تھا اور کئی دن تک حالت بیہوشی اُسپر طاری رہی تھی" مگر فارسی کتابوں سے فالج کا ہونا غلط معلوم ہوتا ہے۔ اور اِن کتابوں میں یوں لکھا ہی کہ شروع ماہ ذی الحجہ ۱۰۶۷ء ایکہزار سرسٹھ ہجری کو بمقام دہلی سرسٹھ ۶۷ برس کی عمر میں شاہجہاں کا پیشاب بند ہوگیا اور اعضاے اسفل پر ورم ہو کر ایک ہفتہ تک نہایت سخت بیمار رہا اور کچھ تخفیف ہوگئی تھی کہ اُسی حالت میں دارا شکوہ اپنے بھائیوں کے منصوبوں کے رد کرنے کے لیئے دہلی کی بہ نسبت اکبرآباد کو ایک بہتر مقام سمجھکر بسواری کشتی اُسکو وہاں لیگیا۔ اور اگرچہ یہہ سفر ایک مہینے میں ختم ہوا مگر مرض کو بھی بہت سا افاقہ ہوگیا۔ س م ح

ایسے ارکی اوقات میں عیاشی کی افراط سے شاہجہاں کا سخت بیمار ہونا

اسوقت جبکہ سلطنت کا یہ نقشہ تھا اور شاہجہاں کی عمر ستر سے تجاوز کر چکی تھی وہ ایسی بیماری[95] میں مبتلا ہوگیا جسکی حقیقت کا بیان کرنا مناسب نہیں ہے - اور صرف اتنا لکھدینا کافی ہے کہ ایک ایسی عمر کے آدمی کو بہت نازیبا ہے کہ احتیاط کے ساتھ حفاظت کرنیکے عوض اپنی طبیعت کی باقیماندہ طاقت اور توانائی کو بھی برباد اور تلف کردے -

چاروں شہزادوں کا حصول سلطنت کے ارادے سے فوجیں جمع کرنا اور طرح طرح کی چالیں چلنا

بادشاہ کی اس بیماری سے تمام قلمرو میں ایک سخت پریشانی اور تہلکہ پڑ گیا - چنانچہ دہلی اور آگرہ میں جو پایۂ تخت سلطنت ہیں دارا شکوہ نے ایک بڑی زبردست فوج جمع کی اور بنگالہ میں شجاع نے

• شاہجہاں نے بھی اورنگ زیب کو بیجاپور پر فوج کشی کا حکم دیدیا اور اُسکے ہمراہ میر جملہ امیر آصف خاں شائستہ خاں کو . دولت آباد بھیجکر صوبہ داری کا کام کرنے کی ہدایت ہوئی تو بیجاپور سے . . . دیکر ایک بھاری پیشکش (جسکی کل قیمت سیدر . . . لاکھ روپیہ بانچی گئی تھی) جسمیں دو سو روپئی . . . اور دو لاکھ سولہ ہزار روپیہ قیمت کا ایک ہیرا اور چار ہاتھیاں مع ساز اور . . . ہاتھی بوے کے مارے اور سولہ[12] ہاتھیاں نادری کے مارکی بھینٹ پیش کیا اور عرض کیا کہ بیجاپور کیا ملک وکن کا تمام ملک آسانی کے ساتھ فتح ہو سکتا ہے - اور اسکا . . . . لینا . . . اور اسطرح بیرمعہ . . . سال اور . . . سال دسا ہوا حال . . . نان عیرہ "کمکی افسروں کے" معلم اور احمقانہ "بیس ہزار فوج کا یہ سامان رساکر رخصت ہوا اکرا گیت

[95] . . . سے حاشیہ میں کو . . . کرنل ڈو صاحب DOW یہ لکھی ہے کہ . . . شاہجہاں کی . . . کی . . . میں بسبب افراط . . . شوق عیاشی کے . . . تعلق لگیا تھا چنانچہ . . . شہزادہ . . . اسوا . . . کو . . . اسے فارغ ہوگیا اور اسکے ساتھ

وفاداری کی کفالت کے طور پر دربار میں چھوڑ جاے -

یہہ پچھلی بات اگرچہ میر جملہ کو نہایت ناگوار تھی لیکن شاہجہاں نے یہہ سمجھا کر راضی کر لیا کہ یہہ صرف داراشکوہ کی خوشی خاطر اور رفع وسواس کے لیئے ہے - اور بخوبی مطمئن کر دیا کہ تمہارے اہل و عیال عنقریب تمسی آ ملینگے -

الغرض میر جملہ اس جرار فوج کا سپہ سالار بنکر دکن کی طرف روانہ ہوا - اور وہاں سے بلا توقف کوچ کر کے بیجاپور کے ملک میں جا داخل ہوا - اور کلیانی کا محاصرہ شروع کر دیا جو ایک بڑی مضبوط اور مستحکم جگہہ ہے - *

* ان واقعات کو عاقل خاں اور خافی خاں نے جس طرح پر بیان کیا ہی اُسکا ماحصل یہہ ہے کہ میر جملہ جب اورنگ زیب کے پاس پہنچگیا تو شاہجہاں نے اسکو وہیں معظم خاں کا خطاب اور پنجہزاری کا منصب اور ایک بڑا بھاری خلعت عطا فرما کر حضور میں طلب فرمایا اور سنہ ۶۶ ہجری ایکہزار چھیاسٹھ ہجری میں جب بمقام شاہجہان آباد حاضر ہوا تو اسدخان بخشی استقبال کر کے حضور میں لایا اور اُسنے ایک خوان اشرفیوں کا اور دو خوان جواہرات کے اور اور عمدہ عمدہ چیزیں نذر گزرانیں اور چونکہ سعد اللہ خاں کے انہیں دنوں میں انتقال کر جانیکے سبب سے وزارت خالی تھی اسلیئے اس عہدہ کا مرصع قلمدان چھ ہزاری چھ ہزار سوار کا منصب اور " خلعت خاص با شمشیر مرصع " اور شاہی گھوڑوں اور ہاتھیوں میں سے دو سو گھوڑے اور ایک ہاتھی اور ایک ہتھنی مع سونے چاندی کے ساز کے اور پانچ لاکھ روپیہ عنایت ہوا اور بقول صاحب سیر المتاخرین خطاب میں لفظ عمدۃ الملک بھی بڑھایا گیا - مگر چونکہ اسنی دکن میں نشو و نما پائی تھی اور وہاں کی آب و ہوا کا خوگر تھا اور اسکے اور اورنگ زیب کے باہم آیندہ کے منصوبوں کی بنسبت بھی کئی طرح کے مخفی عہد و پیمان تھے اسلیئے ہمیشہ ادہر جانے کی تدبیریں سوچتا رہتا تھا - اب حسن اتفاق سے جو بیجاپور کے بادشاہ علی عادل شاہ نے لاولد قضا کی اور اورنگ زیب نے باپ کو اطلاع دی کہ لوگوں نے سکندر نامی ایک مجہول النسب لڑکے کو جسکو عادل شاہ نے فرزند کے طور پر پالا تھا تخت پر بٹھا دیا ہے -

اورنگ زیب کی طاقت بڑھ جانے کے اندیشہ سے داراشکوہ کا اس مہم کی کارروائی کے متعلق بادشاہ سے چند شرطیں مقرر کرانا۔

چونکہ داراشکوہ خوب جانتا تھا کہ یہ بڑی فوج جو دکن کو بھیجی جاتی ہے اِس سے اورنگ زیب کے زور و طاقت کو تقویت ہو جائیگی۔

اسلیئے اُسنے اِس معاملہ میں بہت کچھ بحث مباحثہ کیا۔ اور ہر حکمت اور حیلہ سے جو اُس سے بن سکا اِس منصوبہ کو روکنا چاہا لیکن جب دیکھا کہ بادشاہ کو اس سے باز رکھنا ناممکن ہے تو آخر کار کچھ سمجھا بوجھا کر یہ شرطیں مقرر کرادیں

اوّل یہ کہ اورنگ زیب اس معرکہ میں کسی قسم کا دخل نہ دے۔

دوسری یہ کہ وہ اپنا قیام بالکل دولت آباد میں رکھے۔

تیسری یہ کہ جو مُلک اُسکے سپرد ہے اُسکے نظم و نسق کے سوا اورنگ زیب کو اس مہم سے کچھ سروکار نہو گا۔

چوتھی یہ کہ فوج کی سپہ سالاری و حکومت اور جزو کل اختیار صرف میر جملہ کے ہاتھ میں رہے مگر وہ تمام اپنے اہل و عیال کو اپنی

اور حکیم داؤد مخاطب بہ تقرب خاں شاہجہاں کا طبیب خاص اُسکا معالج تھا اور لکھا ہے کہ خود بادشاہ کئی بار اُسکی عیادت کو گیا تھا۔ اور خافی خاں نے اگرچہ اُسکی نسبت داراشکوہ کے نہایت درجہ رشک و حسد اور بیجا کاوشوں کا ذکر کیا ہے لیکن یہ صاف لکھا ہے کہ باوجود قرب ولیعہدی اور اختیار سلطنت کے سعد اللہ خاں کے مرتے دم تک اُسکی جان یا آبرو کو ضرر نہیں پہنچا سکا علاوہ ازیں ظاہر ہے کہ حسب طبع اکثر ایشیائی اہل دربار کی عادت ہے کہ کسی اپنی ناجائز غرض سے کسی بڑے آدمی کی موت کو اکثر زہر وغیرہ سے منسوب کیا کرتے ہیں اسیطرح یہ شہرت ہو گئی ہو گی جسکو برنیر انڈ نے اجنبی ہونے اور اس ملک کے لوگوں کی عادت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے سچ سمجھ کر لکھ دیا۔ اور غالباً یہی وجہ ہو گی کہ الفنسٹن صاحب نے اپنی تاریخ ہندوستان میں [illegible] اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ م ح

کو بڑا حسد تھا چنانچہ اُن افواہوں میں سے جو اسکی نسبت اُڑا دی گئی تھیں ایک افواہ یہہ بھی تھی کہ اُسنے یہہ منصوبہ باندھ رکھاہے کہ شاہجہاں کی وفات کے بعد اولاد تیمور کو تخت سے محروم کرکے یا تو پٹھانوں [۵۱] کے شاہی خاندان کو پھر قایم کریگا یا خود تخت نشین ہوجائیگا یا اپنے بیٹے کو بادشاہ بنائیگا- اور اس افواہ کی تائید کے لیئے یہہ قرینہ تھا کہ سعداللہ خاں کی بیوی قوم کی پٹھانی تھی اور ایک یہہ بات بھی گھڑی گئی تھی کہ اُسنے پٹھانوں کے کئی مستعد دستے اپنے منصوبہ کی تائید کے واسطے متفرق مقامات میں لگا رکھے ہیں [۵۲]

تفصیل حاشیہ صفحہ گذشتہ ...... ایک جز وہی- اور ان گنواروں نے اپنی جہالت اور بے علمی کی وجہ سے جو فی زمانا ان اضلاع میں عموماً ہے بگاڑ کر اور اسمیں سے ایک لفظ حذف کرکے تہیم بنالیا ہو" سعداللہ خاں جو لاہور میں تحصیل علوم کرنیکے سبب سے ملا سعداللہ لاہوری کے نام سے معروف تھا سنہ ایکہزار یکچار پنجاہ ہجری میں شاہجہاں کے جلوس کے چودھویں سال کے شروع میں سید موسوی خاں صدر یعنی وزیر اوقاف کی سفارش سے بادشاہ کی حضور میں پہنچا تھا- مگر چار ہی برس کے اندر اپنی لیاقت اور کمال کی وجہ سے ہندوستان کا وزیر اعظم بنگیا- اور ساتویں برس ہفت ہزاری کے منصب پر جس سے بڑا کوئی اسوقت تک منصب نہ تھا فائز ہوا- اور شاہجہاں کے مزاج میں یہاں تک دخل پایا اور اعتماد حاصل کیا کہ کوئی چھوٹا یا بڑا کام اُسکی راے بغیر ہونا دشوار تھا اور مرتے دم تک اسی اعتماد اور اقتدار کے ساتھ اپنے عہدہ پر قائم رہا- س م ح ۱۱

۵۱ شیر شاہ کا خاندان مراد ہے جسنے شاہجہاں کے پردادا ہمایوں کو ہندوستان سے مار کر نکال دیا تھا اور خود بادشاہ بن بیٹھا تھا- س م ح

۵۲ ان افواہوں اور داراشکوہ کے سعداللہ خاں کو مروا ڈالنے کا ذکر اورنگ زیب کے طرفدار موَرخوں میں سے کسی نے بھی نہیں کیا حالانکہ داراشکوہ کی کسی بُرائی کا چھپانا اُنکے مدعا کے خلاف تھا بلکہ سب نے سیدھے اور صاف طور سے اُسکا مرنا قولنج کے مرض سے بیان کیا ہے جسمیں وہ کئی مہینے تک مبتلا رہکر سنہ ایکہزار چھیاسٹھ ہجری میں سینتالیس برس کی عمر میں مرا تھا

اُسے واجب القتل تصوّر کیا - شاید یہہ سمجھا ہوگا کہ شاہجہاں کے گزر جانیکی
حالت میں اپنے اقتدار کی وجہ سے یہہ امر اُسکے اختیار میں ہوگا کہ جسے چاہے
تخت پر بٹھا دے - یا بادشاہت کا تاج سُلطان شُجاع کے سر پر رکھدے -
کیونکہ وہ اُسکا حامی اور طرفدار معلوم ہوتا تھا - اور یہہ بھی ممکن ہے کہ اُسکے
دلمیں لوگوں کی بعض افواہوں نے جو سعدُ اللہ خاں کے ارادوں کی نسبت
مشہور تھیں اثر کیا ہو - مگر اسکے ساتھ یہہ امر بھی غور کے قابل ہے سعدُ اللہ خاںؒ
جو نسل کے اعتبار سے ایک ہندوستانی الاصل شخص[*] تھا اُس سے ایرانی اُمرا

---

* سعدُ اللہ خاں کو عہد شاہجہاں کے مورخوں میں سے بعض نے لاہور اور بعض نے
چنیوٹ کا رہنے والا بیان کیا ہے جو پنجاب کے ضلع جھنگ میں ایک پرانا قصبہ ہے - لیکن میرے
ایک دوست جو جھنگ کے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہیں بتحقیق یہہ لکھتے ہیں کہ "اصل میں وہ پتراکی
کا رہنے والا تھا - جو چنیوٹ سے پانچ کوس شمال کیطرف ایک موضع ہے - مگر اپنے ایام امارت میں
اُسنے چنیوٹ کو اپنا وطن بنالیا تھا - اور اگرچہ اُس ملک میں اب اسکی اولاد کا کوئی شخص نہیں
ہے مگر اُسکی بنائی ہوئی ایک بہت عالیشان مسجد اور اُسکے محلوں کے کھنڈر چنیوٹ
میں موجود ہیں - اُسکے زمانے کے مورخوں نے اُسکی قومیت کا کچھ ذکر نہیں لکھا البتہ خافی خاں
نے اُسکو شیخ سعدُ اللہ کرکے لکھا ہے - جو ہندوستان میں اکثر نومسلم لوگوں کو بھی لکھا اور
بولا جاتا ہے - مگر اُسکے وطن داروں کا یہہ بیان ہے کہ وہ تھیٹھہ تھا جو ایک ایسی قوم
ہے کہ وہاں کی مسجدوں اور تکیوں کے مُلّا اکثر اسی ذات کے ہوتے ہیں - اگرچہ میرے
نزدیک تو ظن غالب یہی ہے کہ یہ کوئی ہندی الاصل قوم ہے - مگر چونکہ اُنکے میراثی
اوّل اُنکے سلسلۂ نسب میں کچھ عجیب و غریب نام بیان کرکے پھر اُسکو کھینچ تان کر ملک عرب تک
پہنچاتے ہیں اسلئے میرے ایک اور دوست جو بالفعل خاص چنیوٹ کی منصفی کے عہدہ پر
مامور ہیں اور جنہوں نے براہ مہربانی تحقیق فرماکر میری خواہش کے موافق اسکی تحقیق کی تھی
یہہ خیال کرتے ہیں کہ "شاید یہہ لفظ تمیم کی بگڑی ہو جو عرب کے مشہور قبیلہ بنی تمیم کا نام تھا

ہیں یقیناً زیادہ لحاظ اور شاہانہ توجّہ کے قابل ہیں۔ اور یہہ بھی گزارش کیا کہ حضور کو گولکنڈا کی سمت میں اپنی جنگی تدبیریں اُسوقت تک کہ تمام ملک رَاسِ کُمارِی تک فتح ہوجائے برابر جاری رکھنی چاہئیں ٭

ہیروں اور اَور جواہرات کے لالچ یا داراشکوہ کے دھمکانے ڈرانیکی غرض سے میر جملہ کی تجویز کا منظور ہونا اور اُسی کو سپہ سالار بنایا جاکر بھیجا جانا۔

کچھ بعید نہیں کہ ہیروں کے لالچ نے شاہجہاں کے دل پر یہہ تاثیر کی ہو کہ اُسنے میر جملہ کی تجویزوں کو قبول کرلیا۔ لیکن اکثر لوگوں کی رائے یہہ ہے کہ اصل میں شاہجہاں نے داراشکوہ کی روز افزوں بےادبیوں کے روکنے کی غرض سے اِس مہم کو نئی فوج بھرتی کرلینے کے لیئے ایک معقول بہانہ سمجھکر میر جملہ کی صلاح کو مان لیا تھا۔ بہرحال شاہجہاں کا کچھہ ہی مطلب و مدّعا ہو مگر اُسنے مصمم ارادہ کرلیا کہ دکن کی طرف ایک فوج بہ سپہ سالاری میر جملہ بھیجی جاے۔

اِن دنوں داراشکوہ کی نسبت شاہجہاں کی ناراضی بڑھ جانیکی وجہ

داراشکوہ سے شاہجہاں کے ناراض ہوجانے کی وجہ یہہ تھی کہ اُسنے خودسر اور مختار مطلق بن جانیکے لیئے اندنوں بعض علانیہ کوششیں کی تھیں بلکہ ایک ایسی حرکت ہوگئی تھی کہ جسکی باعث شاہجہاں کو اُس سے سخت نفرت اور خوف ہوگیا تھا۔ اور اُسکی اِس خطا کے معاف کرنے پر مائل نہ تھا۔ یعنی سعدُ اللہ خاں کو جسے شاہجہاں تمام ممالک ایشیا میں ایک بڑا ہی قابل اور لائق وزیر سمجھتا تھا اور جس سے اِسقدر الفت رکھتا تھا کہ تمام دربار میں اُسکی محبّت ضرب المثل ہوگئی تھی مرواڈالا تھا۔ معلوم نہیں کہ وہ کیا جرم تھا جسکے سبب سے داراشکوہ نے

٭ گولکنڈہ اور بیجاپور کے بادشاہوں کا حال اِس کتاب کے خاتمہ کے قریب متن اور حاشیہ میں لکھا جایئگا۔ م م

اورنگزیب کا میر جملہ کو ساتھ لیکر دولت آباد کو واپس جاتے ہوئے راستہ میں بدر کو فتح کرلینا

اورنگ زیب نے دکن کو واپس جاتے ہوئے میر جملہ کے اتفاق سے جو اسکی پناہ میں آچکا تھا اول بدر* کے قلعہ کو جو بیجاپور کے ملک میں ایک مستحکم جگہ ہے گھیر کر فتح کرلیا۔ اور پھر دونوں دولت آباد پہنچکر اتحاد اور محبت کے ساتھ رہنے اور آیندہ شوکت وعظمت کی بڑی بڑی منصوبے باندھنے لگے۔ چنانچہ ان کے اس اتفاق کو ہندوستان کی تاریخ میں ایک اہم اور قابل یادگار واقعہ سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ اورنگ زیب کو شہرت عظمت اور سلطنت جو کچھ حاصل ہوا وہ سب اسی اتفاق کی بدولت تھا۔

میر جملہ کا حسب الطلب آگرہ آنا۔ اور شاہجہاں کو اپنی بھاری پیشکش میں ایک [illegible] نذر کرنا اور گولکنڈا اور بیجاپور [illegible] کرنیکی ترغیب دینا۔

دولت آباد پہنچتے ہی میر جملہ نے اپنی حسن تدبیر سے ایسے منصوبے دوڑائے کہ شاہجہاں کی طرف سے حاضر دربار ہونیکے لیئے [illegible] آگئے اور آخر کار وہ پایۂ تخت آگرہ میں جا پہنچا۔ اور بادشاہ کے لیئے [illegible] عجیب و غریب پیشکش اپنے ساتھ لایا۔ کیونکہ اسکو امید تھی [illegible] کو گولکنڈا اور بیجاپور اور [illegible] سے لڑائی [illegible] دیسکیں گا۔ چنانچہ جب دربار میں حاضر ہوا تو [illegible] میں عموماً بے نظیر سمجھا جاتا ہے اور گولکنڈا [illegible] عرض کیا کہ گولکنڈا کے جواہرات [illegible] جسپر حضور آجکل ہم کرنا چاہتے

[illegible] کھا ہے۔ [illegible]

کے دستور کے موافق بڑی احتیاط سے بادشاہ کے پاس بھیجدیا - اور اگرچہ توپوں
کے ہونیکے سبب سے ناچار تھا - مگر تاہم یہی ٹھان لیا کہ قلعہ کا محاصرہ کرنا چاہیے
کیونکہ اس صورت میں بادشاہ کو رسد وغیرہ کے نہ پہنچنے کے سبب سے دیر تک
بچاؤ کرنا مشکل ہوگا! لیکن محاصرہ سے دو مہینے بعد شاہجہاں کی طرف سے
اس مضمون کا قطعی حکم پہنچا کہ مہم سے ہاتھ اٹھاکر بلاتوقّف دکن کو لوٹ جاؤ - اب
اگرچہ اسکو بخوبی معلوم تھا کہ یہہ حکم دارا شکوہ اور بیگم صاحب کی تحریک و ترغیب
سے صادر ہوا ہے (کیونکہ دور اندیشی اور عاقبت بینی سے انکو یہہ خیال ہوگیا تھا
کہ اگر اورنگ زیب کو بادشاہ گولکنڈا کی نسبت اپنے منصوبوں کے عمل میں
لانے کی اجازت ملجائیگی تو وہ بہت زبردست ہوجائیگا) اور اس وجہ سے
دل ہی دل میں بہت پیچ وتاب کھایا - لیکن نہایت درجہ اطاعت دکھانیکی
غرض سے حکم کی تعمیل کو مقدّم رکھا مگر محاصرہ اٹھا لینے سے پہلے فوج کشی کے اخراجات
کا ایک بڑا معاوضہ اور حرجانہ شاہ گول کنڈا سے وصول کیا اور یہہ عہد و پیمان
ٹھہرالیا کہ میر جملہ کو اپنے خاندان اور مال و اسباب اور فوج سمیت صحیح سلامت
چلے جانیکی اجازت دیجائے اور گولکنڈا کے روپیہ پر شاہجہاں کا سکّہ لگا کرے
اسکے علاوہ محمّد سلطان[۵۱] کی شادی بادشاہ کی بڑی بیٹی سے کرلی - اور جبراً
یہہ وعدہ بھی کرالیا کہ شاہزادہ موصوف اب سے سلطنت گولکنڈا کا ولیعہد سمجھا جائیگا[۵۲]
اور جہیز میں رامگڈھ کا قلعہ بھی مع اسکے تمام توابع اور متعلّقات کے لے لیا -

۵۱ اصل کتاب میں غلطی سے جابجا اسکو سلطان محمود کر کے لکھا ہے اور صحیح نام محمّد سلطان ہے - س م ح

۵۲ عاقل خاں اور خافی خاں نے اس شرط اور سکّہ جاری کرنیکی شرط کا ذکر نہیں لکھا - س م ح

اورنگ زیب کا بھاگ نگر کو لوٹ کر گول کنڈا کو گھیر لینا اور محاصرہ اٹھانے کے لئے شاہجہان کیطرف سے فرمان کا پہنچنا اور اسکا سبب اور ذکر ان شرطوں کا جو اورنگ زیب نے گول کنڈا کے بادشاہ پر عاید کیں

اورنگ زیب اگرچہ اپنے شکار سے ناامید ہو گیا مگر خیال کیا کہ اب ڈرنے کا موقع نہیں ہے بلا خوف وخطر اسکی گرفتاری کے واسطے کوشش اور تدبیر جاری رکھنی چاہیے - پس سب سے پہلے یہہ کام کیا کہ بھاگ نگر کے تمام شاہی محلوں کو لوٹ لیا - اور کل قیمتی اور بیش بہا اجناس و اسباب پر قبضہ کر لیا[۵۵]- لیکن محل کی عورتوں کو شستہ بادشاہوں

فرمان جاری ہوا اور اورنگ زیب کے نام حکم صادر ہوا کہ اگر قطب شاہ ارشاد شاہی کی تعمیل میں توقف کرے تو اسکو سزا دو اس حکم سے پیشتر اورنگ زیب آگے آگے محمد سلطان کو روانہ کرکے پیچھے خود بھی چل پڑا اور چونکہ قطب شاہ کے لوگوں کیطرف سے محمد سلطان کے بھاگ نگر پہنچ جانیکے بعد کچھ حرکات شوخی ظہور میں آئی تھیں اس سبب سے محمد سلطان اور اورنگ زیب نے بھاگ نگر کو تاخت و تاراج کرکے گول کنڈا کو گھیر لیا تھا - فقط مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان مورخوں نے اورنگ زیب کی ان دھوکے بازی کی چالوں کا ذکر جنکا حال برنیئر نے لکھا ہے دانستہ چھوڑ دیا ہے - س م ح ۱۲

---

۵۵ عاقل خاں اس لوٹ کی نسبت یہ لکھتا ہے " کہ شاہزادہ فیروزمند (محمد سلطان) ... و آملان بھاگ نگر در آمدہ رایت اقتدار برافراشت و اکثر کارخانجات و بیوتات قطب الملک ... و عمارت ساخت و کتب نفیسہ و چینی آلات و دیگر اشیا و اجناس افزون از اندازۂ شمار و قیاس ... رسید و از عقب بندگان حضرت جہان پناہی (اورنگ زیب) بدولت و اقبال تشریف آوردہ ... منزلہ عظمت و جلال آنحضرت در زمین و زمان پیچیدہ بسیارے از اسباب و آلات غریبہ کہ ... روزگار بود از اموال قطب الملک بسرکار عالم مدار ضبط شد - کثرت و افزونی ذخائر ... و اسباب و مواد کثرت ثروت آن دولتمند (قطب الملک) بمرتبہ بود کہ بعد از کوچ نمودن ... ممتنع الاحوال گردیدند و اما محسوس نشد کہ دست کسی باین خزاین و ذخائر رسیدہ باشد ... و این مایہ یافتہ و ماندہ کہ از یک جہت در سرکار سلطنت سامان ثروت و سرانجام گشت ...

اور پریشانی لاحق ہوئی کیا کہنا! بس وہ گھوڑے پر سوار ہو کر بکمال سُرعت قلعہ گول کنڈا کی طرف جو اُسکی معمولی قیام گاہ بھاگ نگر سے صرف ایک فرسنگ کے قریب تھا بھاگا اور اُس میں جا داخل ہوا۔ *

---

* عاقل خاں نے اس واقعہ کو یوں لکھا ہے کہ جب میر جملہ نے اپنے آقا کو ناراض دیکھا تو اورنگ زیب سے مدد چاہی۔ اسنے شاہجہاں کو اطلاع دی وہاں سے فرمان صادر ہوا کہ جسطرح ہو سکے اسکو عبد اللہ قطب شاہ کے ہاتھ سے بچا کر ہمارے پاس بھیجدو۔ اس حکم کے آنے پر اورنگ زیب نے اس مضمون کا اپنا ایک نشان (اُسوقت کی اصطلاح میں بادشاہوں کی تحریر کو "فرمان" اور شاہزادوں کی تحریر کو "نشان" کہتے تھے) قطب شاہ کے نام لکھا کہ محمد سلطان اپنے چچا شجاع کے پاس اوڑیسہ کی راہ سے بنگالہ کو جانا چاہتا ہے (کیونکہ بقول الفنسٹن صاحب راستہ کیفیت یہ تھی کہ اورنگ آباد سے بنگالہ کو مچھلی پٹن کے پاس اس طرح چکر کھا کر جاتا تھا کہ گونڈوانہ کے جنگل بیچ میں پڑیں حاصل یہ کہ اورنگ زیب کی راہ گول کنڈا کی دارالسلطنت بھاگ نگر سے تھوڑے فاصلہ پر رہجاتی تھی) آپ خاطرداری سے اپنے ملک سے گزر کرا دیں اب وہ بیچارہ تو اس پیغام کو واقعی سمجھا مہمانداری اور خاطر تواضع کی تیاری میں مصروف ہوا اور اِدھر محمد سلطان لڑائی کے سازوسامان سے خوب درست ہو کر کوچ بکوچ روانہ ہوا اور اسکے پیچھے پیچھے خود حضرت بھی چل کھڑے ہوئے اور قطب الملک کو اس فریب کی اُسوقت خبر ہوئی کہ جب محمد سلطان بھاگ نگر کے بہت قریب جا پہنچا اور وہ نہایت سراسیمگی اور اضطراب کی حالت میں بقدر گنجایش وقت جو کچھ جواہرات اور عمدہ چیزیں ساتھ لے سکا لیکر گرتا پڑتا قلعہ حیدرآباد یعنی گول کنڈا میں جا داخل ہوا۔ اور یہ مصیبت ایسی ناگہانی تھی کہ مارے گھبراہٹ کے اُسکی بیگمیں بیچاری پاپیادہ بلکہ ننگے سر اور ننگے پاؤں بھاگ کر قلعہ میں پہنچیں۔ اور محمد سلطان نے آکر بھاگ نگر پر قبضہ کرلیا۔ اور بعض مورخوں نے صرف اتنا ہی لکھا ہے کہ پہلے قاضی عارف کشمیری کو اورنگ زیب نے قطب شاہ کے پاس میر جملہ کے باعزت و آبرو رخصت کر دینے کے لئے مع فرمان شاہی بھیجا تھا۔ ابھی وہ پہنچنے نہیں پایا تھا کہ قطب شاہ نے میر جملہ کے بیٹے محمد امین خاں کو قید کر کے اسکا مال و اسباب ضبط کرلیا۔ اور اس سبب سے شاہجہاں کی طرف سے اسکو نام ایک اوزجنگی آمیز

جاری ہو جائیگا کہ جسکی وجہ سے بغیر پیدا ہونے کسی شک و شبہ کے آپ بھاگ نگر
کے دروازہ پر پہنچ جائینگے اور گول کنڈا والے آپ کو سفیر کے سوا کوئی اور
شخص نہ سمجھینگے۔ پس جب بادشاہ معمول کے موافق فرمان کے استقبال کو
جو سفیر کے پاس ہوا کرتا ہے۔ آئے۔ تو آپ اسکو بآسانی پکڑ کر جو کچھ مناسب
جانیں اسکی نسبت تجویز کر سکتے ہیں۔ معہذا اس مہم کا کل خرچہ میں آپکو دونگا
اور اسکے اختتام تک پچاس ہزار روپیہ روز دیتا رہونگا۔

> میر جملہ کے لکھنے کے موافق اورنگ زیب کا ایک فریب سے گول کنڈا کو کوچ کرنا۔ اور شاہ بجلت بھاگ نگر پہنچ جانا۔ اور گول کنڈا کا بھاگ کر قلعہ میں پناہ لینا

اورنگ زیب جو ہمیشہ ایسے ہی منصوبوں میں لگا رہتا تھا میر جملہ کی استدعا کے موافق فوراً تیاری کر کے گول کنڈا کی طرف چل کھڑا ہوا اور ایسی ہوشیاری سے اس تدبیر کو بجا لایا کہ بھاگ نگر پہنچگیا۔ اور کسی نے نہ جانا کہ یہہ مہیب فوج سفیر کی ہمرکابی کے سوا کسی اور مقصد سے آئی ہے۔ یہانتک کہ بادشاہ اس دستور کے موافق جو ایسے سفیروں کے آنیکے موقع کے لئے مقرر تھا اس مصنوعی ایلچی کی ملاقات کیواسطے اپنے باغ کو سوار ہو آیا۔ مگر جبکہ وہ بلا وسواس اپنے دغاباز دشمن کیطرف جا رہا تھا اور قریب تھا کہ اس تدبیر کے بموجب جو پہلے سے گانٹھی ہوئی تھی اسکو ذلیل بازہ غا[illegible]
گرفتار کریں اور اورنگ زیب کا منصوبہ چل جائے اسکی خوش قسمتی سے ا[illegible]
امیر نے جو اس راز سے واقف اور اسمیں شریک تھا ناگہاں پشیمانی ا[illegible]
کی وجہ سے چلا کر کہدیا کہ "بھاگاں پناہ جھٹ پٹ نکل جائیے ورنہ آپ [illegible]
جائینگے یہہ اورنگ زیب ہے ایلچی نہیں" اس موقع پر بادشا[illegible]

اِس درخواست کی قبولیّت کے شکرانہ میں کہ جسکی پذیرائی کی آپکی جانب سے کامل اُمید ہے ایک منصوبہ عرض کرتا ہوں کہ جسکے ذریعہ سے آپ بآسانی اُس بادشاہ کو گرفتار کرکے اُسکے مُلک پر قبضہ کر سکینگے۔ آپ میرے اِس وعدہ کی سچّائی پر اعتبار اور بھروسہ فرمائیں۔ اور یہہ مہم انشاءاللہ نہ تو کچھ مشکل ہی ہوگی اور نہ کچھ خطرناک ہی۔ یعنی آپ پانچ چار ہزار چیدہ سواروں کے ساتھ بہت جلد اور بلا توقّف کوچ کرتے ہوئے گولکنڈا کیطرف چلی آئیں جسمیں صرف سولہ ۱۶ دن لگینگے۔ اور یہہ مشہور کردیں کہ شاہجہاں کا سفیر شاہ گول کنڈا سے بعض ضروری معاملات میں گفتگو کرنے کو بھاگ نگر* جاتا ہے۔ اور یہہ فوج اُسکی اردلی میں ہے۔ اور چونکہ وہ "دبیر" جسکے توسط سی ہمیشہ ایسے اُمور کی اِطلاع بادشاہ کو ہوا کرتی ہے میرا قریبی رشتہ دار ہے اور اُسپر مجھے کامل بھروسا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایک کہ ایسا حکم

* صاحبِ تاریخ فرشتہ نے لکھا ہے کہ "سلطان محمّد قلی قطب شاہ نے جسکے ہاں ایک ہزار کسبیاں ناچنے گانے کے لیئے نوکر تھیں اسکو ۹۵۰ نوسو پچاس ہجری سے کچھ پہلے اپنی معشوقہ بھاگ متی کے نام پر جو انہیں میں سے ایک پاتر یعنی ہندو کسبی تھی آباد کیا تھا۔ لیکن پھر کچھ پشیمان ہوکر یہہ نام بدل دیا اور حیدرآباد نام رکھدیا" مگر اب ہمارے اس زمانہ میں وہ پہلا نام بالکل محو ہو گیا ہے۔ اور صرف حیدرآباد ہی مشہور ہے اور گول کنڈا کا قلعہ بھی ابتک قائم ہے اور دونوں ریاست حیدرآباد دکن کے قبضہ میں ہیں جو اسوقت ہندوستانی ریاستوں میں سب سی بڑی اور سلطنت مغلیہ کی طرز نظم و نسق اور طور و طریق کا گویا ایک نمونہ ہے اور جسکا رقبہ بموجب بیان مسٹر ٹالبائے وہیلر صاحب مؤلف تاریخ جلسۂ قیصری واقع دہلی تقریباً اٹھانویں ہزار میل مربع اور آبادی تقریباً نوّے لاکھ اور آمدنی تین کروڑ اکتیس ۳۱ لاکھ ہے اور جو محمّد شاہ بادشاہ دھلی کے عہد سے نواب نظام الملک آصفجاہ بہادر صوبہ دار دکن کی اولاد کے قبضہ میں چلی آتی ہے۔ فقط س م ح ۱۲

مہم میں اپنے شریک ہونے کی ضرورت شدید ظاہر کرکے فوراً میرے پاس چلے آؤ - اور جب اُسکے وہاں سے بچکر نکل آنے سے بباعث اس سخت نگرانی کے جو بادشاہ کی طرف سے اُسپر تھی مایوس ہوا تو مستعدی کے ساتھ فوراً وہ بے باکی اختیار کی جسنے شاہ گول کنڈا کو بربادی اور تباہی کے کنارے پہنچادیا - عقلمندوں نے سچ کہا ہے کہ " جو بادشاہ اپنے بھید اور مشورے پوشیدہ نہیں رکھسکتا وہ اپنی سلطنت کو نہیں بچاسکتا "

میر جملہ کا اورنگ زیب کو عریضہ لکھنا اور پناہ دہی کے عوض میں گولکنڈا اسکے فتح کرا دینے کا وعدہ کرنا

میر جملہ نے اورنگ زیب کو جو دولت آباد* میں تھا - اس مضمون کا عریضہ لکھا کہ " مینے بادشاہ گول کنڈا کی وہ بڑی بڑی خدمتیں کی ہیں کہ جنکو تمام زمانہ جانتا ہے - اور جنکے لیئے اُسکو میرا بہت ہی ممنون ہونا چاہیئے مگر اسپر بھی وہ میری اور میرے خاندان کی بربادی اور بیخ کنی کی فکر میں ہے اسلیئے میں آپ کی پناہ لینا اور آپ کے حضور میں حاضر ہونا چاہتا ہوں - اور

* اس کا قدیم نام دیوگڈھ تھا جسکو غلطی سے اکثر مسلمان مصنفوں نے دیوگیر لکھا ہے چنانچہ بدر چاچ جو محمد شاہ تغلق کے دربار کا ایک مشہور شاعر تھا اپنے ایک قصیدہ میں کہتا ہے شعر " تو دیوگیر مخوانش کہ دولت آباد است ٭ کہ چار طاق درا وست بہشت اب حیاں " اور سیر المتاخرین میں لکھا ہے کہ راجہ مجھ کے زمانہ میں اسکا نام دھارا گری تھا - بہر حال محمد شاہ تغلق نے (جو سنہ سات سو تیئس[۷۲۹] ہجری میں ہندوستان کے تخت پر بیٹھا تھا) جب اسکو ہندوؤں سے فتح کیا تو دولت آباد نام رکھا جسکے قریب گرد آوری کے کنارے اورنگ زیب نے اپنی حکومت دکن کے زمانہ میں اورنگ آباد کیا جو خجستہ بنیاد اورنگ آباد کے نام سے سرکاری کاغذات میں لکھا جاتا تھا ہمارے اس زمانہ میں گو دولت آباد کی شہرت باقی ہے مگر حاکم جانشین تمام اورنگ آباد ہی ہے - جہاں ریاست حیدر آباد کی طرف سے ایک حاکم صدر تعلقدار کے لقب سے رہتا ہے - س - م - ح - ۱۲

اور وزیر کے خیر خواہ اور جان نثار لوگوں کی وجہ سے جو اُسکے گرد و پیش
موجود رہتے تھے اپنے اس ارادہ کو احتیاطاً بہت مخفی رکھتا تھا۔ لیکن ایک
موقع پر جبکہ اوّل ہی دفعہ اُسکو یہہ خبر ملی کہ میر جملہ اور اُسکی والدہ کے
باہم جو ہنوز صاحب حسن و جمال تھی ایک نامناسب تعلّق ہے[51] وہ عداوت
جو اُسکے دل میں پہلے سے تھی پوشیدہ نہ رہ سکی اور بے اختیار بول اُٹھا کہ
اس زبردست مجرم سے اس حرکت کا انتقام لینا ضروریات سے ہے۔!
اب اگرچہ یہہ اس وقت کرنا ممکن نہیں تھا لیکن اس سبب سے کہ دربار کے
سب بڑے بڑے عہدہ دار اس کے رشتہ دار تھے اس خطرناک واقعہ
کی اسکو بہت جلد خبر پہنچگئی اسلیے اس چالاک اور حیلہ ساز وزیر نے پہلے
تو یہہ کام کیا کہ اپنے اکلوتے بیٹے محمد امیر خاں[52] کو جو بادشاہ کی خدمت
میں حاضر تھا اِس مضمون کا خط لکھا کہ جس حیلہ اور بہانہ سے ممکن ہو اس

سخت نہیں ہیں۔ اور اگرچہ فن طب کی خواص ادویات کی عربی اور فارسی زبان کی کتابوں میں
لکھا ہے کہ جزیرہ قبرس (سائپرس) اور مقدونیہ میں بھی ہیرا نکلتا تھا۔ مگر مسٹر ایڈون سٹریٹر کی
بیش بہا کتاب سے جو خاص جواہرات کے باب میں بہت عمدہ اور حکیمانہ تحقیق سے لکھی گئی ہے معلوم
ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ہیرا ہندوستان اور اسکے قریب کے جزائر سماٹرا۔ اور بورنیو اور ملک
برازیل واقع جنوبی افریقہ اور جزیرہ اسٹریلیا کے کوہستان یورال ہی میں نکلتا ہے۔ اور
بقول اِن کے صرف سفید اور زرد ہی نہیں ہوتا بلکہ سبز اور نیلا اور سرخی مائل اور داغدار اور لوہے
کے رنگ کا بھورا اور شفاف اور غیر شفاف دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ س م ح
رِ ق ب رُ ش + اَ ے ڈ ِ ن س ٹ رِ ٹ ر + س م ا ٹ رَ ا + ی و رَ ا ل

---

[51] یہہ بات ہندوستان کی کسی فارسی زبان کی تاریخ میں راقم کی نظر سے نہیں گزری۔ س م ح ۱۲

---

[52] صحیح نام محمد امین خاں ہے اسلیئے آیندہ اس ترجمہ میں اسکو اسی نام سے لکھا جائیگا۔ س م ح ۱۲

وہ صرف اپنے بادشاہ ہی کی فوج کا سپہ سالار نہ تھا بلکہ خاص اپنے خرچ سے اپنی ایک جرار فوج مع ایک توپخانہ کے جسمیں اکثر عیسائی لوگ ملازم تھے ہمیشہ تیار رکھتا تھا تو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اُسکا پولیٹکل رعب وداب اور اختیار و اقتدار کسقدر بڑھا ہوا ہوگا - اور یہاں یہہ بات بھی ذکر کے قابل ہے کہ اسنے ملک کرناٹک کی فتح کا بہانہ بناکر وہاں کے ہندوؤں کے تمام مندروں اور قدیمی عبادت خانوں کو لوٹ لیا تھا - اور اس طرح سے اپنی دولت و حشمت بے قیاس حد کو پہنچالی تھی -

میر جملہ کی ان بن اُسکے آقا بادشاہ گولکنڈا سے -

میر جملہ کی اس طاقت و شوکت کو دیکھکر شاہ گولکنڈا کے دل میں رشک و حسد کا پیدا ہونا ایک طبعی امر تھا چنانچہ اُسنے بڑی سرگرمی سے لیکن نہایت اخفا اور سکوت کے ساتھ اُسکو قتل کرانے یا اپنے ہاں سے نکال دینے کی تدبیریں سوچنی شروع کیں کیونکہ بجائے ایک مطیع نوکر کے وہ اَب اسکو ایک خطرناک رقیب سمجھنے لگا تھا -

---

اس کان کو گرول والی کہنا زیادہ مناسب ہو اور جزیرہ بورنیو میں سکاڈن میں سے ہیرے نکلتے ہیں
سن کتا ادن
جو وہ بھی ایک ندی ہے اور اب سے ایک سو برس پہلے تک بجز ہندوستان یا اُسکے جزیروں کے اور کسی جگہ ہیرے کی کان معلوم نہیں ہوئی تھی - البتہ ایک کان سنہ ۱۷۲۸ء سترہ سو اٹھائیس میں ملک برازیل میں جو جنوبی امریکہ میں ہے دریافت ہوئی ہے " اب ہمارے اس زمانہ کی کیفیت یہ ہے کہ تبدیل کنندہ کی بعض چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے سوا ہندوستان میں ہیرے کسی جگہ برآمد نہیں ہوتے - اور وہاں بھی بہت کم اور بہت چھوٹے چھوٹے نکلتے ہیں اور غیر ملکوں کا یہہ حال ہے کہ افریقہ کے ایک حصہ یعنی کیپ آف گڈ ہوپ میں بھی چندسال سے ہیرے نکلنے لگے ہیں اور بڑے بڑے اور بہت کثرت سے نکلتے ہیں - مگر رنگت اکثر زردی مائل ہوتی ہے - اور ہندوستان کی پرانی کانوں کے سفید ہیروں کے برابر خوشنما اور بیش قیمت نہیں سمجھے جاتے اور تراشنے میں بھی ویسے

شاہ گول کُنڈا کا وزیر اور اسکی تمام فوج کا سپہ سالار اور تمام ہندوستان میں ایک مشہور و معروف شخص تھا اور اگرچہ خاندانی اور پشتینی امیر نہ تھا لیکن نہایت ہی قابل اور ذی لیاقت انسان تھا اور جیسا کہ سپاہ گری میں کامل تھا ویسا ہی معاملات تجارت کو بھی خوب سمجھتا تھا۔ چنانچہ اُسنے اپنی دولت جو بہت ہی تھی صرف گول کنڈا کی متموّل سلطنت کی وزارت کے وسیلہ سے نہیں بلکہ اپنی وسیع تجارت کے ذریعہ سے جو اکثر ملکوں میں جاری تھی اور ہیروں کی کانوں کے ٹھیکوں سے جو اور شخصوں کے ناموں سے لے رکھے تھے حاصل کی تھی۔ اِن کانوں کی کھدائی اَن تھک محنت اور سرگرمی سے جاری رہتی تھی اور ہیروں کی برآمد اس کثرت سے تھی کہ اُسکے ہاں یہہ قاعدہ اور معمول تھا کہ اُنکا شمار نکیا جاتا تھا۔ بلکہ ہیروں سے بھری ہوئی ٹاٹ کی تھیلیوں کو گنوا لیا جاتا تھا* اور جب اس بات پر خیال کیا جاے کہ

حاشیہ متعلق صفحہ ۴۸ — شخص اسی تجارت کے ذریعہ سے نہایت مالدار ہوگیا اور کچھہ روپیہ خرچ کر کے سلاطین قطب شاہی کے دربار میں جو ملک تلنگانہ اور کلاں ترجمہ ملک گول کنڈا کے بادشاہ تھے ایک عہدہ حاصل کرلیا۔ اور اس عہدہ کے کاربار کو ایسی خوبی سے انجام دیا کہ بادشاہ نے نہایت خوش ہوکر بہ ترقی منصب فوج مامورۂ تلنگانہ کا اسکو اعلیٰ افسر مقرر کردیا اور آخر کار سلطان عبداللہ قطب شاہ والی گول کنڈا کا وزیر مقرر ہوکر میر جملہ یعنی سردار کُل کا خطاب پایا۔ س۔م۔ح

---

* مترجم انگریزی نے اس موقع پر بطور حاشیہ یہہ لکھا ہے کہ "ہیرے زیادہ تر سلطنت گول کنڈا۔ بیجاپور۔ بنگالہ۔ اور جزیرۂ بورنیو میں دستیاب ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک کان تو راول کنڈا میں ہے جو گول کنڈا سے پانچ منزل پر ہے۔ دوسری گانی میں جسے کو لور بھی کہتے ہیں گول کنڈا سے مشرق کی طرف سات منزل پر ہے۔ بنگالہ میں قصبہ سلیم پور کے نزدیک جو گویل نامے ایک ندی ہے اُسکے ریت میں سے بھی ہیرے نکلتے ہیں اور اسیلئے سلیم پور کی جگہہ گ و ی ل

حصہ دار تھیں اور اسکے سوا ہندوستان اور قسطنطنیہ اور اَور ایشیائی مُلکوں میں بڑی بڑی سنگین اور اہم واردائیں اکثر عورتوں کے اختیار و اقتدار کے باعث سرزد ہو جایا کرتی ہیں۔ اور اکثر لوگ اُن کے وقوع کے اصلی سببوں سے ناواقف ہوتے ہیں اور اُن کا باعث بعض اور باتوں کو سمجھ لیا کرتے ہیں۔

میر جملہ کا ذکر

اب شاہجہاں کے بیٹوں کے جنگ وجدال کے واقعات لکھنے سے پہلے اگر اسی طرح کچھ حالات اورنگ زیب اور شاہ گولکنڈا اور اُسکے وزیر میر جملہ کے بھی مجمل طور پر لکھ دیئے جائیں تو اُمید ہے کہ ناظرین کو مطالب کتاب کے سمجھنے میں زیادہ آسانی اور غالباً اُس شخص کی چالاکیوں اور فیلسوفیوں کی نسبت جو اس تمام تاریخی کارنامہ کا رُستم اور ہندوستان کا آیندہ بادشاہ ہے ایک بصیرت حاصل ہو جائیگی۔

میر جملہ نے جن تدبیروں اور حکمتوں سے شاہجہاں کے فرزند ثالث کی اقتدار اور سلطنت کی بنیاد قائم کی اُسکی شرح اِس طرح ہے۔

جس وقت اورنگ زیب کو دکن کی صوبہ داری سپرد کی گئی تھی میر جملہ*

---

* اصل کتاب کے حاشیہ اور بعض فارسی زبان کی تاریخوں میں اس نامور شخص کا حال یوں لکھا ہے کہ یہ قوم کا سید اردستان کا باشندہ تھا اردستان میں جو علاقہ اصفہان میں ہے پیدا ہوا تھا۔ اسکے والدین اگرچہ [illegible] نہایت ہی غریب تھے مگر اسنے کسی طرح کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ لیا اور ایک جوہری کے [illegible] جو تجارت کی غرض سے اکثر ہندوستان آیا کرتا تھا گماشتہ بنگیا۔ اب بعضوں کا تو یہ قول ہے کہ [illegible] گولکنڈہ کی سلطنت میں بطور خود تجارت کرنے لگ گیا تھا۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ [illegible] مال و دولت ہی کر دیگیا تھا۔ خیر خواہ کوئی صورت ہو یہ نوجوان

نے بھی اُسکو احکام شاہی کے اجرا کے اختیارات سپرد کردیئے تھے اور یہہ بھی اجازت دیدی تھی کہ ایک چھوٹے تخت پر جو بادشاہی تخت سے نیچا ہو خود بادشاہ کے سامنے دربار میں جلوس کیا کرے۔

ایک ہی وقت میں دو مساوی الاختیار فرمانروا دربار میں جلوہ گر نظر آنے لگے۔ اِن باتوں سے اگرچہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ خود بادشاہ ہی دارا شکوہ کی اُمیدوں کی تائید کرتا تھا۔ لیکن اِس بات کے باور کر لینے کی معقول وجہ موجود ہے کہ اگرچہ دارا شکوہ باپ کے ساتھ ادب و محبّت کے طریقوں سے پیش آتا تھا۔ مگر شاہجہان ریاکاری اور دورنگی برتتا تھا۔ اور اِس کہن سال بادشاہ کو برابر یہہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں مجھکو زہر نہ دیدیا جاے اور ظن غالب ہے کہ بادشاہ کی پوشیدہ خط و کتابت اورنگ زیب سے جاری رہتی تھی جسکی نسبت اُسکو ہمیشہ یہہ اعتماد تھا کہ سلطنت اور ملکداری کے لیئے یہہ لڑکا بہت لائق و فائق ہے۔

اِس کتاب کے اُن مطالب کی توضیح و تشریح کے لیئے جنکا ذکر آیندہ آنے والا ہے یہہ مختصر بیان شاہجہان اور اُسکے بیٹوں کی باہمی حالت کا بطور تمہید لکھدینا ضروری تھا اور اِسیطرح اُسکی دونوں بیٹیوں کا بھی کچھ کچھ حال درج کردینا واجب تھا۔ کیونکہ یہہ بھی اِن دردناک واقعات میں ایک بڑی

حاشیہ (۱) ان شاہزادوں کو اُن کے نامزد کئے ہوے صوبوں کو رخصت کیا اور کابل سے چل کر جب شجاع اور اورنگ زیب آگرہ میں پہنچے تو دارا شکوہ کے ضرر سے بچنے کے لیئے آپس میں بڑے بڑے مستحکم عہد پیمان کیئے اور کہا کہ اگر ہم باہم ملے رہیں تو دارا شکوہ کے شر سے جو ہمارے خون کا پیاسا ہے بچے رہینگے۔ اور اِس معاہدہ کے مزید استحکام کے لیئے شجاع نے اپنی بیٹی اورنگ زیب کے بیٹے محمد سلطان سے منسوب کی۔ اور اورنگ زیب نے اپنی لڑکی کا رشتہ شجاع کے بیٹے سلطان زین العابدین سے کیا۔ م ح

اپنی اپنی قسمت کا فیصلہ کرینگے - چنانچہ اُسنے اِن پیش آنے والی آفتوں اور فتنوں سے بچنے کے لیئے یہہ تجویز نکالی کہ چاروں کو چار دُور دست صوبوں کی حکومتیں دیکر الگ الگ کر دیا جاے - پس سلطان شجاع کو بنگالہ - اورنگ زیب کو دکن - مراد بخش کو گجرات - اور دارا شکوہ کو ملتان اور کابل کا حاکم مقرر کیا[۵۵]

دارا شکوہ کے سوا تینوں بھائیوں کا اپنی اپنی جاے مقررہ کو چلے جانا اور اُنکی خود سرانہ کارروائیوں کا بیان -

دارا شکوہ کے سوا یہہ سب شاہزادے بلا توقف اپنے اپنے صوبوں کو چلے گئے - مگر وہاں پہنچتے ہی اپنی مفسد طبیعتوں کے بُخار نکالنے لگے - اور خودسر بادشاہوں کی سی حکمرانیاں شروع کر دیں - چنانچہ مُلک کی آمدنی اپنے ذاتی اُمور میں صرف کرنے لگے - اور ہر ایک نے بڑی بڑی بیب فوجیں اس بہانہ سے بھرتی کر لیں کہ پاے تخت کی کمک اور مُلک میں امن و امان قائم رکھنے اور حدود ممالک غیر پر رعب و داب کے لیئے اسکی ضرورت ہے -

دارا شکوہ کا پاے تخت کو نہ چھوڑنا اور باپ بیٹے کا ملنا نہ چاہنا

لیکن دارا شکوہ نے جو سب سے بڑا اور اسی وجہ سے تخت نشینی[۵۶] کا متوقع تھا پاے تخت کو نہ چھوڑا اور اس سبب سے کہ شاہجہاں

۵۵ میر عسکری المخاطب بہ عاقل خاں جو اورنگ زیب کے مشہور امیروں میں سے تھا لکھتا ہے کہ ۱۰۶۸ھ اکبرآباد سنہ ہجری میں جبکہ شاہجہاں کابل میں مقیم تھا اُسنے دو سالہ نشینی کی راہ کے

۵۶ فارسی زبان کی تاریخوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہجہاں نے دارا شکوہ کو حقیقتاً اپنا ولیعہد مقرر کر کے شاہ بلند اقبال کا خطاب دیا ہوا تھا - اور صاحب سیر المتاخرین نے بعض وقائع ۱۰۶۵ھ اکبرآباد ہجری کا لکھا ہے کہ اخیر میں رکھا ماہ نہ مواجب دو کروڑ روپیہ سالانہ ہوسات اسکے رو بروے مقرر ہو گیا تھا - مرسوم بعین تجنیس کرده ہم

کا شک و شبہ نہ تھا عنایت کیا۔! چونکہ اس سلطنت میں یہ رسم ایک نہایت اعزاز و امتیاز کی علامت ہے۔ اسلیئے وہ اس پان کو لیکر دستور کے موافق چبانے لگا۔ اور کم بخت نے ذرا بھی خیال نہ کیا کہ مجھے اس منحوس بڈھا بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے زہر دیدیا ہے۔ بلکہ اس خیال باطل میں کہ غالباً اب بادشاہ کی نظر الطاف سے میرے لیئے روز افزوں ترقیاں ہونے والی ہیں مسرور و محفوظ دربار سے رخصت ہوکر اپنی پالکی میں سوار ہوا۔ مگر زہر کی تیزی اور سرعت اس درجہ تھی کہ وہ گھر پہنچنے سے پہلے ہی دوسرے گھر پہنچگیا۔

ہندوستان کے لوگ پان میں ایک چیز کے کچھ باریک اور نازک سے ورق اور تھوڑا سا چونہ جو کوڑیوں سے بنتا ہے اور کچھ اور مصالحہ ملایا کرتے ہیں۔ اور پان کھانے سے یہ مدعا ہے کہ مونہہ معطر اور خوشبودار اور لب سرخ ہوجایئں

روشن آرا بیگم کے مزاج اور عادت کا ذکر

شاہجہاں کی چھوٹی بیٹی روشن آرا بیگم اگرچہ بہن سے حسن و جمال میں کم اور خوش فہمی میں بھی کچھ ایسی مشہور نہ تھی۔ مگر باوجود اسکے وہی زندہ دلی اسکے مزاج میں بھی موجود اور ویسی ہی عیش پسند تھی اور جسقدر بیگم صاحب داراشکوہ کی طرفدار تھی اتنی ہی یہ اورنگ زیب کی خالص جانبدار اور ان دونوں کی علانیہ دشمن تھی۔ اور یہی سبب معلوم ہوتا ہے کہ اسکے پاس نہ تو اتنی دولت ہی تھی اور نہ امور سلطنت ہی میں اسقدر اختیار اور دخل تھا۔ مگر پھر بھی چونکہ محل میں بود و باش کی شریک اور فن فریب میں کامل تھی جاسوسوں کی معرفت کام کی باتیں اور ضروری خبریں اورنگ زیب کے پاس پہنچاتی رہتی تھی۔

خواجہ سراؤں کو حکم دیا کہ دیگ کے تلے آگ جلائیں - اور جبتک کہ انہوں نے اُسے یہہ نہ جتلا دیا کہ اُسکا وہ قسمت کا مارا کشتۂ رقابت جلکر خاک ہوگیا ہے وہاں سے نہ ہلا -

بیگم صاحب کا ایک دوسرے شخص سے تعلق پیدا کرنا اور اُسکا انجام کار -

چند مدّت بعد بیگم صاحب نے ایک اور مشغلہ پیدا کیا - جسکا نتیجہ اور انجام بھی ایسا ہی دردناک ظہور میں آیا - یعنی آپ نے اپنی خانسامانی کے عہدہ کیواسطے ناظر خاں* یا نذیر خاں نامے ایک ایرانی نوجوان کو جو مشہور و معروف صاحب جمال اور نہایت قابل و دانشمند اور از بس شجاع و صاحب حوصلہ امیر تھا - اور جسکو تمام اہل دربار عزیز رکھتے تھے پسند فرمایا - چونکہ اورنگزیب کا ماموں شایستہ خاں بھی اسکو بہت اچھا اور معقول شخص سمجھتا تھا اسلیئے اُسنے اِس جوکھوں میں پڑنیکی دلیری کرکے بادشاہ سے عرض کیا کہ یہہ شخص اس قابل ہے کہ بیگم صاحب کا عقد اس سے کیا جاے - مگر شایستہ خاں کی اس تجویز کو شاہجہاں نے نہایت ناشائستہ اور ناپسندیدہ سمجھا اور چونکہ وہ پہلے ہی سے کسیقدر کھٹکا ہوا تھا کہ اسکے اور شاہزادی کے باہم کسی قسم کا ناجائز تعلق ہے اس سے اُسکا یقین اور بھی پختہ ہوگیا - اور یہہ سنتے ہی اُس بیچارہ نوجوان کو اس دُنیا سے چلتا کرنیکے لیئے کسی بڑی تدبیر یا زیادہ سوچ بچار کی ضرورت نہ سمجھی اور فوراً اظہار مہربانی کے طور پر دربار عام میں اپنے ہاتھ سے ایک پان کا بیڑہ اس صاف باطن جوان کو جسکے دل میں کسیطرح

* انگریزی رسم الخط میں ناظر خاں اور نذیر خاں ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے مگر غالباً نذیر خاں صحیح ہوگا کیونکہ ناظر خاں محاورے خلاف معلوم ہوتا ہے - س م ح

ہیں جسکو تھوڑے عرصہ میں سب بھول بھال جاتے ہیں۔ لیکن مشرقی ملکوں میں ایسی صورتیں بہت کم پائی جاتی ہیں کہ جن میں عشقیہ تعلقات سے بد انجام واقعات اور نہایت ہیبت ناک مصائب اور حرکات سرزد ہوتی ہوں۔

بیگم صاحب کا ایک شخص سے تعشق پیدا کرنا اور اسکا قوم کی دیگ میں جلایا جانا۔

کہتے ہیں کہ بیگم صاحب اگرچہ محلسرا میں حسب معمول محصور رہتی تھی۔ اور محل کی اور مستورات کی طرح اسکی بھی نگہبانی ہوتی تھی۔ مگر کسی مخفی طور سے اسکے پاس ایک نوجوان شخص کی آمد و رفت ہوگئی جو اگرچہ کوئی خاندانی آدمی نہ تھا مگر حسین بہت تھا لیکن اسکی کسی ایسی حرکت کا اُسکی ہم جنس اور ہر وقت کی محافظوں سے مخفی رہنا ممکن نہ تھا اور جبکہ یہہ عورتیں بیگم صاحب کے رشک و حسد سے پہلے ہی جل رہی تھیں تو یہہ بھید کسطرح نہ کھلتا۔ الغرض شاہجہان بھی بیگم صاحب کی خطا و لغزش سے واقف ہوگیا۔ اور یہہ ارادہ کرکے کہ خلاف معمول محل میں جاکر اس ماجرا کو دریافت کرنا چاہیئے ناگہان وہاں چلا گیا۔ اب چونکہ بادشاہ کے آنیکی خبر بیگم صاحب کو ایسی جلدی نہ مل سکی کہ اُس شخص کو کسی مناسب جگہ چھپا دیتی اسلیئے بناچاری اُسکے خوف زدہ جوان عاشق کو حمام کی ایک بڑی دیگ میں چھپنا پڑا۔ اس واردات کے ملاحظہ سے بادشاہ کے چہرہ پر نہ تو کچھ تعجب ہی کے آثار ظاہر ہوئے اور نہ کچھ غصہ اور ناخوشی ہی معلوم ہوئی بیگم سے معمولی باتیں کرتا رہا۔ لیکن کسیقدر بات چیت کے بعد کہا کہ ... ہے تمنے آج حسب معمول غسل نہیں کیا! حمام کرنا چاہیئے۔

بخوبی جمگیا تھا - چنانچہ اکثر لوگ یہہ خیال کیا کرتے تھے کہ اسکے عوض میں اُسنے بیگم صاحب سے یہہ وعدہ کیا ہوا تھا کہ اپنی تخت نشینی کے وقت آپکو نکاح کرلینے کی اجازت دیدونگا - دارا شکوہ کا یہہ وعدہ سلاطین ہندوستان کے آئین کے برخلاف تھا جسکی رو سے شاہزادیوں کی شادی بالکل ممنوع ہے※ - اِس ممانعت کی وجہ اول تو یہہ ہے کہ کوئی شخص بادشاہی خاندان کے رشتہ اور قرابت کے لایق نہیں سمجھا جاتا - دوسری یہہ کہ یہہ کھٹکا رہتا ہے کہ کہیں شاہزادی کا شوہر اس تقریب سے اقتدار پاکر تاج و تخت کی جستجو اور حرص نہ کرنے لگ جاے -

میں اس جگہہ دو داستانیں جو اس شاہزادی کی عشقبازی سے متعلق ہیں بیان کرنی چاہتا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ کوئی شخص میری نسبت یہہ گمان نکریگا کہ مینے اِن مضامین کو افسانہ طرازی اور اعجوبہ نگاری کی تمنّا سے بیان کرنا چاہا ہے - کیونکہ جو کچھہ میں لکھہ رہا ہوں وہ ایسے واقعات ہیں جو تاریخ میں کار آمد ہیں - اور میرا خاص مدعا اور مطلب یہہ ہے کہ یہاں کے لوگوں کے رسوم و عادات کے صحیح اور درست حالات بیان کروں -

حرکات عشقیہ اگرچہ ہر ملک میں مذموم اور باعث جرائم ہیں مگر حسب شدّت سے ممالک ایشیا میں خطرناک ہیں اُسقدر فرنگستان میں نہیں ہیں - چنانچہ ہمارے مُلک فرانس میں ایسی حرکتوں کے ذکر و مذکور اگرچہ چند روز کے

※ بالکل ممنوع ہونا تو صحیح نہیں ہے - کیونکہ اسی خاندان کی کئی شاہزادیوں کی شادی کا اس خاندان کے بعض شاہزادوں اور بعض مشایخ زادوں کے ساتھہ ہونا اس خاندان کی فارسی زبان کی تاریخوں میں مشرحاً درج ہے - مگر ہاں اکثر یہ حالت یہی تھی جو مصنف نے بیان کی ہے - س م ح

...اغ میر جینیا داکرنیز ہے جائز اور درست ہے۔! شاہجہاں کو اپنی اس منظور نظر فرزند پر بیجد
اعتماد تھا اور وہ اسکی سلامتی کی محافظ اور نگہبان تھی اور یہانتک احتیاط
رکھتی تھی کہ کسی قسم کا کھانا کیوں نہو جبتک خاص اُسکے روبرو چکھا نہوتا
تھا بادشاہ کے دسترخوان پر نہیں لگایا جاتا تھا۔ پس بیگم صاحب کو اُمور شاہجہانی
میں اسقدر بیحد اقتدار و اختیار کا حاصل ہونا اور بادشاہ کے مزاج کی باگ
اُسکے ہاتھ میں ہونی اور سلطنت کے بڑے اور اہم معاملات میں اُسکی قدرت
اور اختیارات کا ایسا کامل ہونا کوئی عجیب امر نہیں ہے۔

اس شاہزادی نے اپنے کثیر المقدار شاہی علوفوں اور وظیفوں سے
جو اُسکے لیئے مقرر تھے اور اُن بے بہا پیشکشوں اور نذرانوں سے جو
چاروں طرف سے بطور نذر اور شکرانہ درستی اُن بیشمار معاملات کے اُسکے لیئے
آتے تھے جو صرف اُسی کی راے پر انتظام و انصرام پاتے تھے بہت کچھ دولت
جمع کی تھی* یہانتک کہ اُسکے بھائی داراشکوہ کے معاملات کی کامیابی اور
سرسبزی بھی اُسی کے وسیلہ سے تھی اور بادشاہ کی مہربانی اور نظر عنایت
صرف اسیوجہ سے اُسکو حاصل تھی کہ بیگم صاحب نے نہایت مستعدی اور سرگرمی
سے اُسکی نفع رسانی اپنے ذمے لی تھی اور اپنے تئیں علانیہ اُسکا طرفدار ظا...
کرتی تھی ادھر داراشکوہ کے دل میں بھی بیگم صاحب کی رفاقت اور امداد کا نق...

* بیگم صاحب کا بیحد اقتدار و اختیار اور اسکا شاہجہاں کو اپنی اولاد میں سب سے زیادہ...
اس خاندان کی فارسی زبان کی تاریخوں سے بھی پایا جاتا ہے چنانچہ اسکی نہایت بڑی...
جاگیر ہی ہے جو بندر سورت ... کی نسبت یہ بات بخوبی ثابت ہے۔ س م ع۔

شاہجہاں کی بڑی بیٹی بیگم صاحب کا ذکر

شاہجہاں کی بڑی بیٹی بیگم صاحب بحد حسین اور خوش اندام اور باپ کی نہایت ہی پیاری تھی۔ ایسے غیر طبعی میلان کی افواہ کی نسبت اشارہ کرنا ایک بہت نامطبوع واقعہ ہے کہتے ہیں کہ وہ عذر بیگناہی وبرائت جسپر شاہجہاں کے دل کو اس معاملہ میں اطمینان ہوگیا : مُلا اور فقیہ لوگوں کا وہ جھوٹا فتوی[*] تھا جو اس تمہید سے دیا گیا تھا کہ بادشاہ کو اُس درخت کے میوہ سے متمتّع ہونا جسکو اُسنے خود لگایا۔

کردہ حرفہائے بے ادبانہ برزبان آوردند بہ تازیانہ اغماض وتحمل متنبہ شدہ از سر انصاف اقرار بہ صاحب حوصلگی ماکردند تا نقش سرداری وبہادری ما بر لوح خاطر اشرف اقدس اعلیحضرت (یعنی شاہجہاں) مرتسم گشت وکارہائے دست بستہ بزدر باز دسے این مور ضعیف صورت گرفت ،، ایک دوسرے رقعہ میں سلطان محمد اعظم کو لکھتا ہے ’’ فرزند عالیجاہ روزے اعلیحضرت درخلوت بدارا شکوہ ارشاد نمودند کہ درحق امرائے بادشاہی کج خلق وبدگمان نباشید وہمہ را مشمول عواطف والطاف دارد وعرض غرض آمیز سخن سازان درحق این جماعت نشنود کہ این حرف وقتے بکار خواہد آمد از بسکہ دل مے سوزد حرف ناگفتنی میگویم نفاق با مردم کار ضایع کار یست ،، پھر ایک اَور رقعہ میں محمد اعظم کو لکھتا ہے ’’ فرزند عالیجاہ این نقل زبانی بشخصے معتبر بگوش رسیدہ بود در رشتہ تحریر کشیدہ شد کہ بہوش آن فرزند ہم برسد۔ روزے اعلیحضرت علی مردان خاں وسعد اللہ خاں را درخلوتِ خاص عز اختصاص بخشیدہ از زبان گوہر فشان فرمودند کہ بعضے اوقات اندیشہ بخاطر راہ مے یابد کہ مہین پور خلافت (یعنی دارا شکوہ) اگرچہ اسباب شان وشوکت وسامان تجمل وصولت ہمہ دارد لیکن عدوے نیکوان ودوستِ بدان واقع شدہ۔ شجاع غیر از سیرچشمی وصفے ندارد۔ ومراد بخش مجہول الکیفیت باکل وشرب ساختہ دایم الخمر است مگر فلانی یعنی این عاجز فانی ذی عزم وبال اندیش بنظر می آید۔ اغلب کہ متحمل امر خطیر ریاست تواند شد ،، (ماخوذ از کتاب کلمات طیّبات معروف بہ رقعات عالمگیری) س م ح

---

[*] یہہ افواہ خواہ اصل میں صحیح ہو یا غلط مگر جو لوگ اِس ملک کی راہ ورسم سے واقف ہیں بخوبی جانتے ہیں کہ ایسے معاملہ میں کوئی بیحیا سے بیحیا شخص بھی ایسا استفتا نہیں کرسکتا۔ س م ح

اُسکے بھائی دارا شکوہ کے ہر ایک نے اُسکے اس رویہ کے سمجھنے میں دھوکا کھایا۔ شاہجہاں کے حسن ظن پر جو اُسکو اپنے اس چھوٹے بیٹے کی نسبت تھا دارا شکوہ کو بہت حسد ہوتا تھا۔ چنانچہ کبھی کبھی اپنے ہمدرد مصاحبوں سے کہا کرتا تھا کہ مجھے اپنے سب بھائیوں میں سے اگر شبہ اور خوف ہے تو انہیں حضرت دیندار اور نمازی صاحب کا ہے۔

شہزادہ مراد بخش کی سیرت کا بیان

مُراد بخش جو شاہجہاں کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا اپنے بڑے بھائیوں سے دانائی اور ہوشمندی میں کم تھا۔ اور صرف خوش خوری اور شکار ہی کا اُسکو زیادہ شوق تھا۔ مگر بہرحال سخی اور خلیق بھی تھا اور اکثر یوں شیخی بگھارا کرتا تھا کہ ہمیں بھید اور رازداریوں سے سروکار نہیں ہے وہ سازشوں اور تخلیوں کو حقیر و خوار سمجھتا تھا۔ اور اس بات کا اعلان و اشتہار اُسکو منظور خاطر تھا کہ میں صرف اپنی تلوار اور قوت بازو پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ اور فی الواقع مُراد بخش شجاعت اور دلیری کا پُتلا تھا۔ اور شجاعت کے ساتھ اگر کسیقدر بیداری اور ہوشیاری بھی اُس میں ہوتی تو غالبًا اپنے تینوں بھائیوں پر غالب آتا۔ اور یقینًا تخت ہند کا فرماں روا ہوجاتا۔ *

* اورنگ زیب نے اپنی اور اپنے بھائیوں کی خصلت کی نسبت جو کچھ خود لکھا ہے مناسبت مقام کی وجہ سے بطور خلاصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سلطان محمد معظم کو جو محمد سلطان کی وفات کے بعد اورنگزیب کے بیٹوں میں سب سے بڑا وہی تھا لکھتا ہے " ہمیں پدر خلافت با وجود سلامت نفس و تہذیب ایشان را مرشد کردہ اند ایام پادشاہزادگی با مرا ہمہ سلوک میکردیم کہ بہ راضی بودند و حضور نسبت بخوشدلی تعریف و توصیف میکردند بل از وصف اقتدار برادر نامہربان (یعنی دارا شکوہ) بعضے وقت بخلافت و لاوہ ملازمت اختیار کردند و جمعے کہ باشارہ برادر نامہربان حرکات نا ملائم

اورنگ زیب کے مزاج اور عادت کا بیان

تیسرا بھائی اورنگ زیب اگرچہ اُسقدر خوش اخلاقی اور کُشادہ روئی اور فراخ مزاجی کی صفات سے جو داراشکوہ میں موجود تھیں موصوف نتھا۔ لیکن اُسکی راے ایسے معتمد اور وفادار شخصوں کے انتخاب کرنے میں جو اُسکی خدمات کو نمک حلالی اور لیاقت کے ساتھ بجالانے کی بہت زیادہ لیاقت رکھتے تھے بہت سلیم اور صائب تھی۔ اور اگرچہ انعام واکرام یہہ بھی کثرت سے دیا کرتا تھا لیکن موقع اور امتیاز سے اور صرف اُن لوگوں کو دیتا تھا جنکی رضامندی اور تالیف وترغیب کو ضروری سمجھتا تھا۔ وہ اپنے بھید کو نہایت چھپاے رکھتا تھا۔ اور مکّاری اور ریاکاری کے فن میں تو کامل اُستاد تھا۔ چنانچہ جب اپنے باپ کے دربار اور دارالسلطنت میں حاضر وموجود ہوتا تو بناوٹ سے بلاناغہ لباسی عبادت بجالاتا اور دنیاوی حشمت وتمکنت کی نسبت حقارت اور نفرت ظاہر کرتا۔ حالانکہ آیندہ کی شوکت اور سربلندی کے لیئے درپردہ راستہ نکالنے میں استحکام کے ساتھ سعی وکوشش کر رہا تھا۔ یہانتک کہ جن دنوں اُسکو دکن کا صوبہ دار مقرر کیا گیا تب بھی اہل دربار کو یہی جتلاتا رہا کہ اگر مجھے ترک دنیا اور درویشی کی اجازت ملجاتی تو زیادہ خوش ہوتا کیونکہ میری دلی تمنّا یہی تھی کہ باقی زندگی پارسائی اور عبادت ہی میں صرف کروں۔ اور افکار دنیاوی اور امور سلطنت کی ذمہ داری میں پڑنا مجھے نامرغوب اور ناپسند ہے۔ اگرچہ حقیقتاً اُسکی عمر فریبوں اور سازشوں اور منصوبوں ہی میں گزری۔ لیکن اُس فریب کی چال کو اس عقلمندی سے چلتا تھا کہ دربار میں سوا

اور خلیفہ اپنے پیغمبر کا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلیفہ یعنی سب اہل اسلام کا والی فرما نرواے اعلیٰ جو تاویلات الفاظ قرآنی اور اجتہاد کر سکتا ہو اور فیصلہ قضایا اور مباحث اور تنازعات شرعیہ کا استحقاق رکھتا ہو صرف وہی ہے۔ دوسرا فرقہ ایرانیوں کا ہے جسکو ترک لوگ رافضی یا شیعہ اور علی مردان کہتے ہیں ان لفظوں کے معنی ہیں ایک ایسا فرقہ جو تمام فرقہ اہل اسلام سے خارج ہو یا بدعتی اور طرفداران علیؑ کیونکہ ایرانی یہہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خلافت و امامت صرف علیؑ کا حق تھا جو پیغمبر کے داماد تھے۔ سلطان شجاع نے جو مذہب شیعہ قبول کر لیا تھا بظاہر اسمیں یہہ حکمت تھی کہ اس بات کو اپنے امور سلطنت کی مطلب برآری کا ذریعہ جانتا تھا کیونکہ شاہجہان کی سلطنت میں ایرانی بڑے بڑے معتمد عہدہ دار اور دربار میں بہت صاحب اختیار تھے اور شجاع کو یہہ اُمید تھی کہ جب کبھی کوئی معرکہ آکر پڑیگا اور موقع پیش آئیگا۔ تو مجھے اِن سے بحالت ضرورت ہر قسم کی مدد ملیگی اور فائدہ پہنچیگا۔

مصنف کی یہہ معلومات جو کر علاوہ ترجمہ کی گئی ہیں۔ ترکان روم کو عثمان لو یا عثمانلی صرف اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس سلطنت کا بانی [illegible] جد امجد اُن سلطان عثمان خاں کی اولاد سے ہے جو دراصل ایک غلام سلطان علاء الدین سلجوقی کا تھا اور اپنی لیاقت کی وجہ سے اوّل سپہ سالاری اور پھر اُس بادشاہ کی دامادی کے درجہ تک پہنچا اور آخرکار بسبب اُسکے نہ اولاد ہونیکے سنہ بارہ سو ننانوے عیسوی مطابق سنہ چھ سو ننانوے ہجری (۱۲۹۹ / ۶۹۹) میں رضامندی عام سے اُسکا جانشین ہوا تھا۔ کتاب سیر الاسلام میں لکھا ہے کہ یہہ بادشاہ ایسا کریم و دیانتدار تھا کہ ایک جامہ کے سوا کچھ نہیں رکھتا تھا اور جو کچھ ملتا تھا سب خیرات کر دیتا تھا۔ بعد اُسکی وفات کے سوا ایک [illegible] اور کمربند اور تلوار کے کوئی شے [illegible] کی قسم [illegible] ستر برس کی عمر میں [illegible] سنہ تیرہ سو چھبیس عیسوی [illegible] ہجری میں ہوا تھا

کا پیدا کرنا خوب جانتا تھا - مگر باوجود ان اوصاف کے نہایت عشرت پسند اور مغلوب العیش تھا اور جب اپنی بیشمار حرموں اور ارباب نشاط وغیرہ کے جلسہ میں ہوتا تو تمام دن اور رات رقص و سرود اور شراب نوشی میں بسر کرتا اور کوئی مصاحب جسکو اپنی خیریت درکار تھی ایسے اوقات میں اُسکو ان حرکات سے روکنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا - اسیوجہ سے اُسکے اُمور سلطنت اکثر درہم و برہم رہتے تھے اور اُسکی محبّت رعایا کے دل میں اکثر کم تھی - اگرچہ اُسکا باپ اور بھائی ترکان روم یعنی اہل سنت و جماعت کا مذہب رکھتے تھے - مگر سلطان شجاع ایرانیوں کے عقائد یعنی مذہب شیعہ کا علانیہ معتقد اور مقر تھا - واضح ہو کہ دین اسلام میں بہت سے فرقے ہیں جیساکہ کتاب گلستاں کے نامور مصنّف شیخ سعدی کے ایک شعر کے ترجمہ سے جو ذیل میں درج ہے دریافت ہوتا ہے - ترجمہ بیت٭ "میں ایک درویش بادہ نوش اور شخص بدمشرب ہوں اور بہتّر فرقے مجکو خوب جانتے ہیں" منجملہ ان فرقوں کے دو فرقے ایسے ہیں جنکا باہمی تعصب اس درجہ کو پہنچا ہوا ہے کہ دونوں آپسمیں جانی دشمن ہیں - ایک اُن میں سے تُرک یعنی رومی ہیں جنکو ایرانی لوگ عثمانی یعنی پیروان عثمان کہتے ہیں اور یہہ عثمان کو سچّا اور اصلی قائم مقام

٭ یہہ شعر باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوسکا - س م ح

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

ہی ہے - اس ریاست کی خالص آمدنی سوائے جاگیروں اور معافیات کے بموجب کتاب تاریخ جلسہ قیصری واقع دہلی مصنفہ ٹالباے دہیلر صاحب پچیس[25] لاکھ روپیہ اور رقبہ پینتیس ہزار چھ سو ستتر[35677] میل مربع اور آبادی بیس[20] لاکھ آدمی کی ہے - س م ح 12

میں ہم شاہزادوں کے لیئے زیبا میں بڑھا ہوا تھا۔ سازشوں اور بندشوں کو
بخوبی عمل میں لانا جانتا تھا۔ اور بذریعہ لیسے الغاسوں کے جو بار ہا مخفی اور
پوشیدہ طور پر دیا کرتا تھا بڑے بڑے ذی قدرت امراے دربار اور خصوصاً
بڑے بڑے ذی اقتدار راجاؤں مثل جسونت سنگہ[*] وغیرہ سے دوستی

[illegible] کو جو ذکر اس جگہ نقل کیا جاتا ہے قولہ واز شنائع اطوار آن برگشتہ روزگار (یعنی دارا شکوہ)
کہ مغرب۔ ردائی آن گرفتہ آید و باعث التہاب نوایر قہر و انتقام این خدیو اسلام (یعنی اورنگزیب)
بیشتر ہمان شد این بود کہ در اواخر حال از برگشتہ بختی با ظہار مراتب اباحت و الحاد کہ در طبع او مرکوز
بود و آن را تصوف نام نہادہ اکتفا ننمودہ بدین ہندوان مائل شدہ بود۔ ہموارہ با برہمنان و
جوگیان و سناسیان صحبت میداشت۔ و آن گروہ را مرشدان کامل و عارفان بحق واصل میدانست
و کتاب ایشانرا کہ بہ بید موسوم است کتاب آسمانی میدانست و مصحف قدیم میخواند و از کمال اعتقادی
کہ به بید میداشت برہمنان و سناسیان را از اطراف واکناف جمع ساختہ بجمیع در رعایت ایشان نظیم
جمع آوردہ در صدد ترجمہ آن شد و ہموارہ اوقات شریف صرف این شغل ناصواب و تفکر و تدبر
در مضامین آن کتاب مے شد و بجائے اسمائے حسنیٰ الٰہی اسمے ہندوی کہ ہنود آن را پربھو
مے نامند و اسم اعظم مے دانند بخط ہندوی بر نگینہای جواہر کہ مے پوشید منقش کردہ بآن تبرک
مے جست و چون معتقد ش آن بود کہ تکلیف عبادات ناقصان راست و عارف کامل را عبادت
در کار نیست و کریمۂ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ را بمشرب ملاحدہ فراگرفتہ دلیل
این معنی مے ساخت و بنا بر این عقیدہ فاسدہ نماز و روزہ و سائر تکالیف شرعیہ را خیر باد گفتہ بود
و این خدیو دین پرور پاک اعتقاد را ہمیشہ حمایت دین مبین نصب العین ضمیر منیر است از استماع این
عقاید ردیہ و اطوار باطلہ از ان بے سعادت عرق حمیت دین بحرکت مے آمد الخ س م ج ۱۲

[*] مہاراجہ جسونت سنگہ راٹھور والی جودھپور مراد ہے جسکو شاہجہاں کے عہد میں بادشاہ کی ننہال
میں ہونے کی وجہ سے بڑا اقتدار اور خطاب مہاراجگی حاصل ہو گیا تھا۔ ہمارے اس زمانہ میں بھی
یہ ریاست اسی خاندان میں قائم ہے اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح مصنف کے زمانہ میں اس
ریاست کے والی کا نام جسونت سنگہ تھا مترجم کے زمانہ کے فرماں روا کا نام بھی جسونت سنگہ

اور خیالات محض دل لگی اور شوق تحقیقات کے لیے اُسنے اختیار کر رکھے تھے ! اور بعض کی یہہ رائے ہے کہ کبھی جو وہ عیسائی پن دکھاتا تھا تو اُسمیں یہہ مصلحت تھی کہ عیسائی لوگ جو اُسکے توپخانہ میں بھرتی تھے اور جنکی تعداد بھی ذرا زیادہ تھی اُسکو پسند کریں - اور ہندو پن ظاہر کرنے سے یہہ غرض تھی کہ باج گزار ہندو راجاؤں کی تالیف قلوب کرکے اپنی محبّت اُن کے دل میں پیدا کرے - اور حقیقت میں ذوی اقتدار راجاؤں سے باخلاق و محبت پیش آنا اُسکے لئے ایک ضروری امر تھا تاکہ ضرورت کیوقت اُنکا اتفاق اور رفاقت حاصل کر سکے - لیکن عیسائیوں خواہ ہندوؤں کے مذاہب اور عقائد کی طرف میل کرنیکے یہہ جھوٹے حیلے کسی طرح سے اُسکے منصوبوں کی کامیابی میں کچھ کارآمد اور مفید نہوئے - بلکہ برخلاف پڑے - چنانچہ اِس تاریخ* کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ اورنگ زیب نے جو اُسکا قتل جائز ٹھہرایا تھا تو اُسکی وجہ یہی ظاہر کی تھی کہ وہ کافر اور لامذہب ہو گیا ہے

سلطان شجاع کے خصائل وشمائل کا بیان -

شاہ جہاں کا دوسرا بیٹا سلطان شجاع اوضاع وعادات میں اکثر اپنے بھائی دارا شکوہ کے مشابہ تھا - لیکن یہہ زیادہ فہیم اور اپنے عزم اور ارادوں میں زیادہ قائم ومستقل اور دارا شکوہ سے حسن تمیز اور ہوشیاری اور ایسے اوضاع وطوار

* عالمگیر نامہ میں جسکے مسوّدے بادشاہ کے ملاحظہ کے بعد صاف ہوتے تھے اور جسمیں مورخوں کے شیوہ کے برخلاف عالمگیر کے مخالفوں کا ذکر جابجا نہایت ہی سخت کلامی کے ساتھ کیا گیا ہے دارا شکوہ کے مذہب کی نسبت جس طرح پہ لکھا ہے اُسکو بہت سے نا ملائم اور مکرر الفاظ

کرسکتا ہوں - اور کوئی فرد بشر ایسا نہیں جو مجھے صلاح و مشورہ دیسکے - وہ اُن لوگوں سے جو اُسے ڈرتے ڈرتے کوئی صلاح دینے کی جرأت کر بیٹھتے تھے تحقیر اور اہانت سے پیش آتا تھا - چنانچہ اس ناپسندیدہ سلوک ہی کے سبب سے اُسکے دلی خیر خواہ بھی اُسکے بھائیوں کی پوشیدہ اور مخفی بندشوں سے اُسے آگاہ نکر سکے ! وہ ڈرانے اور دھمکانے میں بڑا تیز تھا - یہانتک کہ بڑی بڑی اُمرا کو بُرا بھلا کہہ بیٹھتا اور انکا ہتک کر ڈالتا تھا - لیکن اُسکا غصہ اور بدمزاجی ایک آن کی آن میں جاتی رہتی تھی - یہہ شہزادہ از روے ولادت جسطرح مسلمان پیدا ہوا تھا اگرچہ شعار مذہب اسلام کی بجا آوری کی تو ہمیشہ شریک رہتا تھا اور اسیطرح پر گویا اس مذہب کے متبع اور پیرو ہونے کا علانیہ اقرار کرتا تھا - لیکن اپنے اوقات تخلیہ میں ہندوؤں کے ساتھ ہندو اور عیسائیوں میں عیسائی تھا - چنانچہ پنڈتوں اور ہندو سادھوؤں کو ہمیشہ اپنی صحبت میں رکھتا تھا - اور اُن کے لیئے بڑے بڑے وظائف مقرر کر رکھے تھے - اِن حالات سے یہہ خیال کیا جاتا ہے کہ اِن لوگوں ہی کے اثر صحبت سے اُسکے عقیدہ اسلام سے بوئے ضعف آنے لگی تھی - لیکن اس مقدمہ میں ہم اپنی رائے اُس موقع پر بیان کرینگے جہاں ہندوؤں کے طریق عبادت اور پرستش کا ذکر لکھینگے - علاوہ بریں کچھ دنوں تک پادری بوزی صاحب مقتداے فرقہ جیسوئیٹ کے مواعظ دینیہ کو بھی بہت رغبت سے سنتا رہتا تھا اور اُن مواعظ کی خوبیوں اور صداقت پر کچھ اعتقاد بھی رکھنے لگا تھا - مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ بحقیقت کسی مذہب کا بھی معتقد نہ تھا - اور یہہ ظاہری حالات

اور قبضۂ اراضیات و ممالک ہوں۔ اُسکا سبب یہہ ہے کہ یہاں تمام مملکت
کی زمینیں خالصہ شریفیہ یعنی ملک سرکار شاہی سمجھی جاتی ہیں۔ اِس لئے
فرنگستان کی طرح یہاں کوئی اَرل* یا مارکوئیس* یا ڈیوک* نہیں ہو سکتا
کیونکہ اُمراے دربار کو خواہ جاگیر خواہ نقد جو کچھ دیا جاتا ہے وہ صرف بطور
پنشن اور ذاتی مدد معاش کے دیا جاتا ہے۔ جسکا مقرر کرنا صرف بادشاہ
وقت کی مرضی پر موقوف ہے۔ اور جب وہ چاہتا ہے اُسمیں کمی یا بیشی
کر دیتا ہے۔ خواہ ضبط کر لیتا ہے۔ اسلئے یہہ بات کچھ قابل تعجب نہیں کہ
اُمرائے سلطنت صرف مذکورہ بالا طور کے ذیشان خطابوں سے مشرّف
و ممتاز کئے جائیں۔ مثلاً۔ کوئی شیر افگن خاں! کوئی صف شکن خاں!
کوئی رعد انداز خاں! کوئی برق انداز خاں! اور علی ہٰذا القیاس
دیانت خاں۔ دانشمند خاں۔ فاضل خاں وغیرہ وغیرہ

داراشکوہ کے مزاج اور خصلت کا بیان۔

اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کی داراشکوہ میں
کچھ کمی نتھی۔ وہ گفتگو میں بہت شیریں زبان اور حاضر
جوابی میں تیز اور نہایت خوش خلق اور بیحد فیاض اور دریا دل تھا۔ مگر
با اینہمہ بڑا ہی خود پسند اور خود راے تھا اور اُسکو یہہ گھمنڈ تھا کہ میں اپنی
عقل کی رسائی اور خوش تدبیری سے ہر امر کا بند و بست اور انتظام

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰

دو ہزار تین سو باون (۲۳۵۲) برس قبل مسیح علیہ السلام کے تھا۔ اور نہایت ہی خوں ریزی اور سفاکی کے
ساتھ پچاس برس تک حکمراں رہا تھا۔ اور اسی طرح دوسرے مینار کے بانی کے نام بھی کئی طور
پر لکھے ہیں۔ اور اسکو بعض مورخوں نے پہلے مینار کے بانی کا بیٹا اور بعض نے بھائی اور
جانشین بتایا ہے۔ اور یہہ بھی ویسا ہی ظالم اور خوں ریز تھا اور چھپن برس تک بادشاہ رہا تھا فقط
ماخوذ از ترجمہ تاریخ اقوام قدیم مصنفہ ڈاکٹر رالن مطبوعہ سیرنٹفک سوسائٹی علیگڈہ و انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا وغیرہ

* Earl * Marquise * Duke

ناموزوں تو وہ اسے ننگ نظر آتے ہیں - علی ہذا القیاس جہانگیر کی بیگم کا نام اول نور محل* تھا - پھر نور جہاں بیگم ہوا جسنے مدت تک اپنے شوہر کی ایسی حالت میں کہ بجز شراب خوری اور عیش پسندی کے اُسنے سب کاموں کو چھوڑ رکھا تھا امور سلطنت اور ملکداری کو خود انجام دیا -

امراے سلطنت کا مالک نہیں ہوتا اور صرف نامدار خطابوں سے ملقب کیا جاتا

ہندوستان میں جو بڑے بڑے امتیازی نام اعیان خاندان شاہی اور اُمراے کے رکھے جاتے ہیں اور فرنگستان کی طرح ایسے خطاب نہیں دیئے جاتے جو مشتق اور منسوب بالملکیت

نعمانیہ کے مینار کا حال

ایک بائی خانی میں بیابانیہ علیہ ماموں عباسی جب ستشہ سات سو بیس عیسوی میں مصر میں آیا تو اسکو اس جگہ ایس دانے مینار کے اندر کی عمارت کے دیکھنے کا اشتیاق ہوا اور اُسکی دیواریں ٹکیاں ہوا کر تھمو کو کھد یا اور ایک راہ پائی اور جب اُسمیں گئے تو ایک جوکھوٹی اول ملی جسکے چاروں طرف کی دیواروں میں طرح کے دروازے تھے اور ایک کمرہ میں بہت سی لاشیں کتاں میں خوشبوؤں سے لپٹی ہوئی جسے مومیا کہتے ہیں رکھی ہوئی تھیں پھر ایک کمرہ میں اسکے اوپر پتھر کے صندوق میں آدمی کی ایک مورت ملی جسکے سینہ پر جواہر سے جڑا ہوا ایک سینہ بند رکھا تھا - اور اس پر ایسے حروف کندہ تھے کہ کوئی پڑھ سکا ... ہے اس بڑے مینار کی پیمائش کے وقت یہ بھی دریافت کیا ہو کہ اس مینار کے چاروں پہلو والوں سے دنیا کی چاروں سمتوں کے ٹھیک مقابل ہاتے ہیں جس سے دنیا کا نصف النہار ٹھیک طور پر معلوم ہوتا ہے - دوسرا مینار جو کیفرنس والا کہلاتا ہے اُسکے پیچھے کے جوتری کا ایک ضلع جو سو چار سو بیس فٹ لمبا اور لمبی چوٹی تک چار سو چھپن فٹ ہو اس مینار پر چڑھکر دیکھے تو دکن کی طرف دہانہ کی ریل اور اوتر کی جانب پہاڑ اور ریگستان اور پچھم کے خ بیوں کا جنگل اور پورب کی سمت مقام جیزہ اور دریائے نیل کے بیچ اور شہر قاہرہ کا مینار اور سلطان صلاح الدین کا قلعہ سب صاف دکھائی دیتے ہیں اپنے زمانہ کے مورخوں نے اول الذکر مینار کے نام بہ نسبت دوسرے مختلف کتے ہیں جس سے ایک نام یہاں لکھ دیا ہے اور یہ بادشاہ

* ... اسکا ... ہوا تھا اور نور محل اور نور جہاں خطاب تھے - س م ... ۱۲

کے نام ایسے رکھتے ہیں جو شان و شوکت سلطنت پر دلالت کریں۔ چنانچہ شاہجہاں کی بیگم جو حسن و جمال میں مشہور تھی اُسکا نام تاج محل[۵۱] تھا جسکا وہ عالیشان اور اعجوبہ روزگار مقبرہ آگرہ میں ہے جسکے مقابلہ میں اہرام مصر[۵۲] جو منجملہ عجائبات دنیا سمجھے جاتے ہیں محض اَن گھڑ پتھروں کے ڈھیر اور

---

۵۱ یہہ نام نہ تھا بلکہ خطاب تھا جسکو مصنف نے عوام کے محاورہ کے موافق ممتاز محل کی جگہہ تاج محل لکھدیا ہے۔ اور نام ارجمند بانو بیگم تھا۔ س۔م۔ح ۱۲

---

۵۲ مصر کے مخروطی نما چوپہل مینار اہرام کہلاتے ہیں۔ اِنپر جو کتبے ہیں وہ ایسے حروف میں ہیں جنکو اس زمانہ میں ہر شخص نہیں پڑہ سکتا۔ اور مصر کے قدیمی باشندے اِنکو اپنی مقدس چیزوں پر استعمال کرتے، یا اسرار الٰہی سمجھکر چھپاتے تھے۔ اگرچہ بعض لوگوں نے یہہ خیال کیا ہے کہ اہل عرب ان میناروں کو بلحاظ ان کے نہایت دیرینہ سال اور پُرانا ہونیکے اہرام کہتے ہیں جو ہَرَم سے مشتق ہے اور جسکے معنی بڑھاپے کے ہیں مگر محیط المحیط میں (جو لغت عربی کی ایک نو تالیف مستند کتاب ہے) لکھا ہے کہ اَہرام ہَرَم کی جمع ہے جو اصطلاح اہل مساحت و ہندسہ میں کسی ایسی مخروطی شکل کی عمارت کو کہتے ہیں جسکا قاعدہ مربع یا مثلث یا کثیر الاضلاع ہو۔ ان میں سے تین مینار بہت مشہور ہیں جنمیں ایک چھوٹا اور دو بڑے ہیں۔ دونوں بڑے مینار جنکو عرب بصیغہ تثنیہ اَلْہَرمَانْ کہتے ہیں چی آپس اور کیفر ینس کے نام پر مشہور ہیں۔ اور چی آپس والا مینار تو ایسا عمدہ ہے کہ دنیا کی عجائبات میں شمار ہوتا ہے۔ یہہ عمارت ایک چوکھونٹے چبوترے پر بنی ہوئی ہے۔ جسکا ہر ایک ضلع سات سو تریسٹھ فٹ لمبا اور چار فٹ آٹھ انچ اونچا ہے اور اُسکے اوپر کچھ گھٹاکر ایک اَور چبوترہ ہے۔ اور اسی طرح دو سو تین چبوترے اوپر تلے بنے ہوئے ہیں۔ یہہ مینار ساڑھے سولہ بیگھ زمین میں ہے اور اسکی بلندی چار سو چھپن فٹ اور چوٹی دس گز مربع کا چبوترہ ہے۔ مشہور یونانی مورخ ہیرو ڈوٹس جو سنہ عیسوی سے چار سو برس پیشتر مصر کی سیر کو آیا تھا لکھتا ہے کہ یہہ مینار چی آپس بادشاہ کے عہد میں بیس برس کے عرصہ میں تیار ہوا تھا۔ اور اسپر ایک لاکھہ آدمی کی مدد ہمیشہ لگی رہتی تھی۔ اور اسپر مصری حروف میں لکھا ہوا ہے کہ کاریگروں کی صرف لہسن پیاز کی چٹنی میں اڑہائی لاکھ روپیہ خرچ ہوا تھا،، اصل میں یہہ مینار مصری بادشاہوں کے مقبرے ہیں جنمیں اُنکی لاشیں

بہت بڑا عالم فاضل تھا۔ چونکہ آٹھ برس تک کے تعلقات کے سبب سے جو دربار مغلیہ سے مجھے رہے تھے اس جنگ و جدال کے بعض اہم واقعات کو مینے بچشم خود دیکھا ہے اسلیئے میں اُنکو بیان کرنا چاہتا ہوں۔

شاہجہاں کی اولاد کے نام اور وجہ تسمیہ۔

شاہجہاں کے بڑے بیٹے کا نام دارا شکوہ دوسرے کا سلطان شُجاع تیسرے کا اَورنگ زیب چوتھے کا مراد بخش اور دونوں بیٹیوں میں سے بڑی کا نام بیگم صاحب * - اور چھوٹی کا روشن آرا بیگم تھا- اس ملک میں یہ دستور ہے کہ خاندان شاہی کے سلاطین اور بیگمات

بہادر خاں جو مغلوں کے مورث اعلیٰ چنگیز خاں کی اولاد سے تھا بہت بڑا بادشاہ تھا۔ اور یہ اشارہ بھی غلط پایا جاتا ہے کہ تیمور لنگ جس مذکورہ بالا رشتہ کے سبب سے مغلوں کی قوم میں داخل ہو گیا تھا کیونکہ وہ اُوس چغتائی کی شاخ برلاس سے تھا جو اپنے تئیں سلسلہ نسب میں مغلوں سے علحدہ نہیں سمجھتے۔ م ر م ح

یہ ایرانی عالم شہر یَزد کا رہنے والا تھا اور کمال علمی کے باعث مُلا شفیعای یزدی کے نام سے مشہور تھا۔ اور ہندوستان میں تجارت کی تقریب سے آیا تھا۔ لکھا ہے کہ جب یہ اپنے وطن کو واپس جانے لگا تو شاہجہاں نے اسکے علم و فضل کا چرچا سنکر ازراہ قدر دانی بندر سورت سے واپس بلاکر امراے دربار میں داخل کر لیا۔ اور تا عہد سلطنت اورنگ زیب بہت معزز و مکرم رہا اور سنہ ایک ہزار اسی ہجری میں مرگیا۔ یہ شخص فلسفہ۔ ہَیئت۔ اور ہندسہ میں بتخصیص مشہور تھا۔ اور ایسا عالم تھا کہ نعمت خان عالی سا شخص اسکا شاگرد تھا۔ س م ح ۱۲

---

* عہد شاہجہاں کے مورخوں نے اسکا نام جہاں آرا بیگم بتایا ہے۔ اور لکھا ہے کہ بیگم صاحب لقب تھا۔ س م ح

بادشاہ ایک سال کے عرصہ سے ایسا بیمار رہتا ہے کہ جس سے اُسکی زندگی کا اندیشہ ہے - اور اُسکی بیٹوں نے باپ کی یہہ حالت دیکھکر حصُول سلطنت کے لیئے منصوبے باندھنے اور چالیں چلنی شروع کر رکھی ہیں اور اُن کے باہم جنگ و جدال جاری ہے -

مصنف کا نوکری اختیار کرلینا

چونکہ مَیں اس مُلک میں پہنچکر غارتگروں کے ہاتھ سے مال و اسباب کے لُٹ جانے اور پانچ ہفتہ کے سفر کے اخراجات کثیر کی وجہ سے جو سورت سے آگرہ اور دہلی تک پہنچنے میں مجھے پیش آئے تھے تنگدست ہوگیا تھا - اسلیئے طبیبوں کی ذیل میں مینے سرکار شاہی میں نوکری اختیار کر لی تھی اور پھر تھوڑی مدت بعد دانشمند[۵۲] خاں کی سرکار سے میرا تعلق ہوگیا جو اوّل میر بخشی کے عہدہ پر مامور تھا - اور نہایت فی الحقیقت ذی اقتدار اور ممتاز تریں اُمراے دربار میں سے ہوگیا تھا - اور ممالک آیشیا میں ایک

بقیہ حاشیہ صفحہ [illegible]

زوجہ سابق امیر حسین کی طرف اشارہ کیا ہے - کیونکہ اُسکو کتاب حبیب السیر میں خان زادہ یعنی شاہزادی اور دختر قران سلطان لکھا ہے ورنہ تیمور کے اٹھارہ بیبیوں اور بائیس حرموں کی تفصیل میں جو بہت سے ترک اور مغل سرداروں کی بیٹیاں تھیں خان زادہ کا لفظ اور کسی کی نسبت نہیں لکھا - مگر برنیر کی تحریر سے جو یہہ مفہوم ہوتا ہے کہ تیمور کی اِس بیگم کا باپ تمام تاتاریوں کا بادشاہ تھا - جنکو مغل کہتے تھے - اُسوقت کی تاریخوں سے غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ جس زمانہ میں بلخ اور بخارا وغیرہ میں قران سلطان خاں فرماں روا تھا اُسی زمانہ میں تغلق تیمور خاں ترکوں اور مغلوں کی قوم جتّہ میں علیحدہ بادشاہی کر رہا تھا - اور ایران میں سلطان ابوسعید

۵۲ شاہجہاں اور اورنگ زیب کے عہد کی فارسی کتابوں میں دانشمند خان کا نام اُن صاحب کمال لوگوں کی فہرست میں لکھا ہوا ہے جو اُسوقت اس سلطنت میں علم و فضل کے لیئے مشہور تھے

ایرانیوں کو اور بعض عربوں کو اور کچھ ترکوں کو۔

مغلوں اور فرنگیوں اور ہندوؤں کی پہچان

جن لوگوں کو آجکل یہاں مغل کہا جاتا ہے انکی پہچان کیواسطے یہہ نشان کافی ہے کہ چہرہ کا رنگ گورا ہو اور مذہب اسلام۔ اور یورپ کے عیسائیوں کی جنکو یہاں فرنگی کہتے ہیں یہہ پہچان ہے کہ رنگ سفید ہو اور مذہب عیسائی۔ اور ہندوؤں کی یہہ علامت ہے کہ رنگ گندمی ہو اور مذہب بت پرستی۔

شاہجہاں کی ضعیفی اور اسکے بیٹوں کا باہمی فساد

مینے یہاں آکر یہہ بھی معلوم کیا کہ شاہجہاں کی عمر اسوقت قریب ستّر برس کے ہے۔ اور اسکے چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں اور چند سال ہوئے کہ اسنے چاروں بیٹوں کو اپنی نیابت اور قائمقامی کے طور پر ہندوستان میں بڑے بڑے چار صوبے جنکو سلطنت کے حصے کہنا چاہیئے دیدیئے ہیں۔ اور یہہ بھی دریافت ہوا کہ

اسکا اور تیمور کا نہایت اتحاد تھا مگر رشک و حسد کے باعث آخرکار عداوت ہوگئی۔ اور چونکہ امیر حسین کی بہن بھی مرچکی تھی تیمور نے اپنی جا سے قیام کشش معروف بشہر سبز سے جو سمرقند کے قریب اب روسیوں کے قبضہ میں ہے قلعہ بلخ پر فوج کشی کی اور امیر حسین سنہ ۷۷۱ھ سات سو اکہتر ہجری میں گرفتار ہوکر مع اپنے دو بیٹوں کے قتل ہوا۔ اور باقی دو بیٹے ہندوستان کو بھاگ آئے۔ اور تیمور نے اسکی زوجہ سرائی ملک خانم دختر قزان سلطان اور تین اور بیگموں کو نکاح اپنے زوجیت میں اور اور قتل ترک کی بیٹیاں سمجھکر مستقل محل میں ڈال لیا۔ اور اسکی بڑی بیگم کو مع اسکی بیٹیوں اور بیگموں کے اپنے بڑے سرداروں میں تقسیم کردیا اور قلعہ بلخ اور اسکے محلات وغیرہ جڑسے اکھاڑ کر پھینک دیئے اور اس طرح پر امیر حسین کا نام و نشان مٹاکر خود بادشاہ بن گیا۔ اور آخرکار ایک ایسا شخص ہوگیا کہ تمام ملک و مکانات و عموماً مشہور ہے نقشہ معلوم ہوتا ہے کہ تیمور نے اپنی تحریر و تزک اپنی سے اسکا نام

۵۰ اصل انگریزی میں لفظ براون ہے یعنی بھورا۔ "Brown"

ہندوستان میں لفظ مغل کا صرف مغلوں سے مخصوص ہونا اور سرکاری عہدوں کے ملنے میں اُنکی خصوصیت کا ہونا۔

ایک رشتہ دار عورت یعنی اُس بادشاہ کی اکلوتی بیٹی سے شادی کرلی تھی جو اُسوقت تاتاریوں کی اُس نامور قوم کا جنکو مغل کہتے تھے فرماں روا تھا[1] مگر اب لفظ مغل اُن سب غیر ملک کے رہنے والوں پر بولا جاتا ہے جو فی زمانہ ہندوستان پر (جسکے معنے ہیں ہندوؤں یا ہندیوں کا ملک) حکومت کرتے ہیں۔ مگر یہہ قیاس نکرنا چاہیئے کہ سلطنت مغلیہ میں بڑے بڑے معزز اور معتبر منصب صرف مغلوں ہی کو ملتے ہیں یا صرف یہی لوگ فوج میں عہدے پاتے ہیں۔ بلکہ یہہ منصب اور عہدے مغلوں اور سب ولایتوں کے نووارد مسلمانوں کو بغیر کسی طرح کی خصوصیت کے دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اکثر تو

[1] کتاب ظفرنامہ میں جو تیمور کی ایک نہایت خوشامد آمیز تاریخ ہے اُسکے عروج کا حال یوں لکھا ہے کہ ۷۳۳ھ سات سو تینتیس میں بیسور اُغلن کا بیٹا قزان سلطان جو چغتائی خاں کی اولاد سے تھا ترکستان اور ماوراء النہر میں ایک ایسا جابر اور خوں ریز بادشاہ تھا کہ سردار لوگ دربار میں جاتے ہوئے کُنبہ والوں کو وصیتیں کرکے رخصت ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ آخرکار امیر قزغن نے جو اُسکی سرداروں میں ایک نہایت قابل اور دانا شخص تھا تنگ آکر اُلُوس یعنی قبیلہ چغتائی کے امیروں وغیرہ سے اتفاق کرکے بغاوت کی اور ۷۴۷ھ سات سو سینتالیس ہجری میں فتحیاب ہوکر اُسے مار ڈالا۔ مگر سلطنت کی یہہ صورت رہی کہ اگرچہ حقیقتاً حکومت امیر قزغن اور اُسکی اولاد کے قبضہ میں تھی۔ لیکن تاہم بادشاہی خاندان میں سے برائے نام کسیکو خان یعنی بادشاہ بنائے رکھتے تھے۔ مگر جب قزغن کے بیٹے عبداللہ نے اپنی ایک صرف نام کے بادشاہ کو بیگناہ قتل کر ڈالا اور اسی علت میں خود بھی تباہ و برباد ہوا تو ملک میں کچھ عرصہ طوائف الملوکی کی صورت رہی۔ مگر امیر قزغن کا پوتا امیر حسین جو امیر مُسلا کا بیٹا تھا پھر ایک ذی اقتدار فرماں روا ہوگیا۔ اور اپنی دار الحکومت شہر بلخ کے پاس ایک پرانے قلعہ کو جو قلعۂ ہندوان کے نام سے مشہور تھا از سر نو تعمیر کرکے اُسمیں رہنا شروع کیا۔ اور چونکہ اُسکی بہن کی شادی تیمور سے ہوئی تھی ابتدا سے حال میں

اِن خیالات نے مع اَور چند باتوں کے جنکا ذکر آگے کیا جائیگا مجھے اِس
امر پر مائل کیا کہ گونڈار جانیکا ارادہ چھوڑ دوں اور اسلیئے ایک ہندوستانی جہاز پر
سوار ہوکر آب نا سے باب المندب کی راہ سے بانیس دن میں مقام سورت
جو ہندوستان کی ایک بندرگاہ سلطنت مغلیہ میں ہے آپہنچا -

شاہجہاں اور اسکا نسب

یہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ بادشاہ وقت کا نام شاہجہاں
ہے جو جہانگیر کا بیٹا اور اکبر کا پوتا اور ہمایوں کا پڑپوتا ہے - اور ہمایوں سے
اوپر اسکا سلسلۂ نسب تیمورلنگ سے جا ملتا ہے جسکو ہم فرنگستانی ٹمرلین
کہتے ہیں اس طرح پر کہ شاہجہاں سلسلہ وار اس سے دسویں پشت میں[۱] ہے
. تیمور جسکی ملک گیری کے واقعات مشہور و معروف ہیں اُسنے اپنی

---

[۱] یعنی شہاب الدین محمد شاہجہاں صاحبقران ثانی کا باپ نورالدین محمد جہانگیر اسکا جلال الدین محمد اکبر اُسکا نصیرالدین محمد ہمایوں اُسکا ظہیرالدین محمد بابر اسکا عمر شیخ میرزا اُسکا سلطان ابوسعید میرزا اُسکا سلطان محمد میرزا اُسکا جلال الدین میراں شاہ میرزا اُسکا امیر تیمور گورگان صاحبقران اول جو تیمور اور تیمر اور تمرلنگ مشہور ہے - اور اسکی وجہ کتاب عجائب المقدور فی احوال التیمور میں جو اُسکی ایک سخت ہجو آمیز تاریخ ہے یہہ لکھی ہے کہ ابتداے حال میں کسی شخص کی بکری کی چوری کرتے ہوے اُسکے تیر کے زخم سے اسکی ایک ٹانگ لنگڑی ہوگئی تھی - اور چونکہ اُسنے ترکوں کے اکثر خاندانوں میں اپنی شادیاں کرلی تھیں اسلیئے اُسکے ہمقوم اسکو گورگان کہنے لگ گئے تھے جو ترکی میں داماد کو کہتے ہیں - اور تمر کے معنی ہیں لوہا - اور صاحبقران کہلانے کی یہہ وجہ تھی کہ اسکے بادشاہ ہوجانیکے بعد خوشامدیوں نے اسکا زائچہ طالع بناکر اُسمیں یہہ لکھدیا تھا کہ زہرہ و مشتری جو نجومیوں کے عقیدہ میں دو بڑے سعد ستارے ہیں قران کی حالت میں طالع میں پڑے ہیں - س م ح ۱۲

قائم زبانی سے ...

وہاں سے خارج کیئے گئے اس مُلک میں رومن کیتھلک محفوظ اور بے خطر نہیں ہیں بلکہ مینے یہہ بھی سُنا کہ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا کہ بمقام سُواکن ایک بیچارے بدنصیب رومن کیتھلک درویش تک کا اس جرم میں سر کاٹا گیا ہے کہ اُسنے اُس مُلک میں داخل ہونیکا ارادہ کیا تھا۔ اسلیئے یہہ تدبیر مناسب اور کم خطر معلوم ہوئی کہ میں ایک یونانی یا آرمنی※ کا بھیس بنالوں اور اُسی بھیس میں جب بادشاہ کو یہہ معلوم ہو جائیگا کہ میں اُسکے واسطے کچھ مفید اور کارآمد ہو سکتا ہوں تو غالب ہے کہ وہ مجھے کچھ زمین دیدیگا اور بشرطیکہ مجھے مقدور رہا کچھ غلام خرید کر میں اُسکا تردد کرا سکونگا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی یہہ کھٹکا پیدا ہوا کہ اس صورت میں مجھے وہاں شادی بھی ضرور کرلینی پڑیگی جیسے کہ ایک یورپین راہب کا جسنے اپنے کو ایک طبیب باشندہ یونان ظاہر کیا ہوا تھا جبراً بیاہ کر دیا گیا تھا۔ اور پھر اس حالت میں مجھے اس مُلک کے چھوڑنے کی امید قطع کرنی ہوگی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲ — کے رہنے والے اِگنا تیوس لا ئلا نامے ایک مشہور شخص نے جو ۱۴۹۱ چودہ سو اکانوے عیسوی میں پیدا ہوا اور ۱۵۵۶ پندرہ سو چھپاسٹھ عیسوی میں مرا تھا قائم کیا تھا۔ س م ح ۱۲

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲ — جزیرہ ہے جو کئی سو برس سے مع مختصر سے علاقہ کے پرتگیزوں کے قبضہ میں ہے اور جسکو آجکل انگریزی اصطلاح میں پورچوگیز انڈیا یعنی ہندوستان مقبوضہ اہل پرتگال کہتے ہیں یہاں انکا ایک گورنر رہتا ہے۔ اور انکی نسبت اِسی کتاب کے ایک اَور مقام میں مفصل ذکر آئیگا۔ س م ح ۱۲

※ میرے دوست کرنل ہنری مور صاحب بہادر جنہوں نے اس مُلک کو دیکھا ہوا ہے میرے نام کی ایک چٹھی میں مصنّف کے اس ارادہ کی نسبت اپنا خیال یوں لکھتے ہیں کہ اگرچہ حبش کے نصرانیوں کو کلیسائے آرمنی یا یونان سے کچھ تعلّق نہیں ہے بلکہ حبشی کلیسا پندرہ سو برس سے بجائے خود علحدہ چلا آتا ہے مگر چونکہ آرمنی عیسائی تجارت پیشہ ہونیکے سبب سے ممالک مشرقی میں کہیں کہیں ہمیشہ دکھائی دیتے رہے ہیں اور زمانہ دراز تک فرنگیانہ لباس بھی نہیں پہنتے تھے اسوجہ سے کسی فرنگستانی لباس والے یورپین عیسائی کیطرح جنکو مقامات میں مشتبہ یا تعجب انگیز نہیں ہو سکتی تھی۔ س م ح

ایک برس سے زیادہ مقیم رہا تھا روانہ ہوا اور بتیس ۳۲ گھنٹے کے عرصہ میں (کارواں کے سفر کے حساب سے) شہر سوئز میں آپہنچا اور یہاں سے ایک جہاز پر سوار ہو کر سترہ دن میں بمقام جدّہ جو مکہ (معظمہ) سے قریب دو پہر کے سفر کے ہے پہنچگیا۔ یہاں پہنچنا میری توقع کے برخلاف تھا۔ اور اُس وعدہ کے بھی مخالف تھا جو مجھے بحر احمر کی تر کی حاکم[1] کی طرف سے دیا گیا تھا۔ پس بمجبوری میں مسلمانوں کی اُس مقدس زمین پر جہاز سے اُترا جہاں کوئی عیسائی تاوقتیکہ غلام ہو قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ الغرض ایسی حالت میں اسجگہہ پانچ ہفتے قیام کر کے میں ایک چھوٹے سے جہاز پر جو سواحل یمن کو جاتا تھا سوار ہولیا اور پندرہ دن کے عرصہ میں بمقام مخا جو آبنائے باب المندب کے نزدیک ہے پہنچگیا۔ یہاں پہنچکر میرا یہ قصد تھا کہ مصوع اور آرکی کو کے جزیروں سے جو راستہ میں پڑینگے گزرتا اور انکو دیکھتا بھالتا ہوا ملک حبش کے پایتخت گونڈار کو چلا جاؤں۔ لیکن مجھے معلوم ہوا کہ حبش میں رومن کیتھلک مذہب کے لوگوں کو (جسکے ہم فرانسیس پیرو ہیں) سخت خطر ہے۔ کیونکہ جب سو بادشاہ حبش کی ان کی کارسازیوں سے اُس ملک میں پرتگیز قتل ہو چکے ہیں اور بالخصوص فرقہ جیسوئیٹ[2] کے بڑے پادری سمیت جسکو وہ گوآ[3] سے اپنے ساتھ لائے تھے

---

[1] اصل کتاب میں بی آف دی ریڈ سی ہے Bey of Fedsea س ح

[2] جیسوئیٹ کے معنی ہیں منسوب بہ جیسس۔ جیزس یا جیسس فرنگی زبانوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام ہے۔ یہ ایک شاخ فرقہ رومن کیتھلک کی ہے جسکو ۱۵۳۴ء میں ایک شخص اگناشیس لیوں نے جو اسپانیہ

[3] گوآ ہندوستان کے ساحل ملابار پر بمبئی سے جنوب کے رخ تقریباً دو سو میل کے فاصلہ پر ایک جزیرہ ہے

ARKECO GONDAR JESVIT GOA

جلد اوّل

وقایع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنی از عہد شاہجہان و اورنگ زیب

(یعنی)

ڈاکٹر موصوف کا ہندوستان میں آنا۔ مختصر حال شاہجہان اور اسکی اولاد کا۔ اُسکے بیٹوں کی باہمی لڑائیاں۔ آخر کار اورنگ زیب کا بادشاہ ہو جانا۔ اور اور دلچسپ حالات

مصنف کا شام اور مصر کی سیر کے بعد بحر احمر کی راہ سے جدہ ہوتے ہوئے مخا میں پہنچا اور وہاں سے حبش کا ارادہ چھوڑ کر ہندوستان میں آنا۔

چونکہ دُنیا کی سیر کا مجھے نہایت شوق تھا اسلیئے ملک شام اور مصر کے دیکھ لینے کے بعد مینے اپنے دل میں یہہ ٹھہرایا کہ اپنی اِس سیاحت کو کچھ اور وسعت دوں اور دریافت و تحقیق حالات کے لیئے اِس سرے سے اُس سرے تک بحر احمر کا سفر کروں۔ چنانچہ اپنے اس ارادہ کے پورا کرنے کے لیئے ملک مصر کے دار السلطنت قاہرہ[لہ] سے کہ جہاں میں

لہ اس شہر کو ۳۵۸ تین سو اٹھاون ہجری مطابق ۹۴۱ نوسو اکتالیس عیسوی میں المعز لدین اللہ خلیفہ فاطمی مغربی کے سپہ سالار جوہر نے (جنکی سلطنت پہلے پہل افریقہ کی شہر قیروان میں قایم ہوئی تھی اور جو اپنے خاندان میں تیسرا خلیفہ تھا) آباد کیا تھا۔ اور مصر کو قہر و غلبہ سے فتح کرنے کی وجہ سے قاہرہ نام رکھا تھا۔ س م ح ۱۲

جلد اوّل

وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر

"بعہد شاہجہاں و اورنگ زیب"

جسکو اوّل جناب کرنل ہنری مور صاحب بہادر سی بی و سی ایس آئی ترجمان ہز ایکسیلنسی کمانڈر انچیف صاحب بہادر نے ترجمہ کیا۔ اور پھر اُن کی فرمائش سے جناب مشیر الدولہ ممتاز الملک خلیفہ سیّد محمد حسین صاحب میر منشی ریاست پٹیالہ نے ازسرنو ترجمہ فرما کر باضافہ مفید حاشیوں کے بعد نظر ثانی جناب وزیر الدولہ مُدبّر الملک خلیفہ سیّد محمد حسن صاحب بہادر سما وزیر اعظم ریاست موصوف کی چھپوا کر بغرض فائدہ عام مشتہر کیا

بزیر نگرانی و اہتمام کمترین محمد حسین مُرادآبادی

سنہ ۱۸۸۸ع

مطبع گلزار ابراہیم واقع مرادآباد میں چھپی

کے والیان ملک اور اُمرا و شرفا کے فائدہ کے لیئے باوجود مشاغل کار سرکار اِس کتاب کے ابتدائی ترجمہ کرنے کی تکلیف اپنے اوپر گوارا کی تھی۔ پس خدا کا شکر ہے کہ آئی اور ہماری برسوں کی محنت ٹھکانے لگی اب یہہ دعا ہے کہ میرے اہل وطن اور ہندوستانی والیان ملک عموماً جنکے لیئے یہہ کتاب گویا سرمایہ بصیرت ہے اسکے مطالعہ سے فائدہ پائیں۔ اور خصوصاً بندگان حضور فیض گنجور ولی نعمی

ہز ہائنس فرزند خاص دولت اِنگلشیہ منصور زماں امیر الامراء مہاراجہ دِھراج راجیشر سری مہاراجہ راجگان راجندر سنگھ مہندر بہادر فرمانروائے ریاست پٹیالہ دام اقبالہم کی

نظر اشرف سے گزرے جنکے خوان نعمت سے مینے اور میرے بزرگوں نے پرورش پائی ہے۔ اور جنکی قدیمی رعایا اور نمکخوار ہونے کا مجھے افتخار حاصل ہے۔ اور حضور ممدوح الشان اسکی موّرخانہ اور دلچسپ حکایات اور حکیمانہ اور عبرت خیز بیانات کے ملاحظہ سے محظوظ اور متمتع ہوں۔

خاتمہ پر ناظرین اہل زبان کی خدمت میں التماس ہے کہ چونکہ خاکسار نہ لکھنؤ کا رہنے والا ہے اور نہ دہلی کا۔ بلکہ پٹیالہ اور سامانہ میرا اور میرے بزرگوں کا مولد و مسکن ہے جہاں زبان اُردو صحیح طور سے بولی نہیں جاتی پس اگر کسی محاورہ میں کوئی غلطی معلوم ہو تو معذور تصور فرمائیں۔

العذر عند کرام الناس مقبول

بندۂ کمترین
محمد حسین اللہ
سعید

کو پرسنل سٹاف" کے عہدہ داروں کی نسبت یہہ اختیار ہوتا ہے کہ اپنے زمانہ ایام حکومت میں جسکو وہ افسران فوج میں سے چاہیں منتخب کرکے اپنے اِس ٹِلین گر بلحاظ اُنکی مسلمہ قابلیت کے تینوں صاحبان موصوف الصدر نے اِن ہی کو پسند فرمایا اور اپنے پاس سے علیحدہ ہونے نہیں دیا۔

لقب پرشین انٹرپریٹر کے لفظی معنی ہیں "ترجمان فارسی" شروع سلطنت انگریزی میں جب کُل کاروبار زبان فارسی میں ہوتا تھا اور اسقدر اُردو اور انگریزی کا نفوذ تھا اور حکام انگریز اکثر بات چیت بھی زبان فارسی ہی میں کیا کرتے تھے۔ یہہ لقب اُس وقت کا مقرر کیا ہوا ہے۔ مگر در اصل یہہ عہدہ دار بطور پرائیویٹ اور پولیٹکل سکرٹری کے ہوتا ہے۔ اور اسکا کام یہہ ہے کہ جو مراسلات کسی مشرقی زبان میں کسی والیے ملک کی طرف سے یا جو عرضی پرچہ ہندوستانی فوج کے سپاہیوں اور سرداروں کی جانب سے صاحب کمانڈر انچیف کے پاس آتے ہیں اپنے دفتر سے اُنکا ترجمہ کرا کر پیش کرنا اور اُنکا جواب وغیرہ بھجوانا۔ اور رئیسوں اور امیروں کی ملاقاتیں صاحب کمانڈر انچیف سے کرانا اور اُنکے مدارج مختلفہ کے موافق اُنکے مراسم تعظیم و تکریم کا بندوبست کرنا (جو ایک بڑا نازک کام ہے) اور مابین اُنکے اور صاحب کمانڈر انچیف کے جنکے لیئے زبان ہندوستانی کا جاننا کوئی امر لازمی نہیں عند الملاقات ترجمانی کرنا صاحب ممدوح نہایت خوش اخلاق وسیع الملاقات خوش تقریر اور متواضع اور بڑے بذلہ سنج شکار دوست ہیں۔ اور ہندوستانی اُمرا و شرفا سے بہت محبت و ارتباط رکھتے ہیں۔ اور بدل اُن کے بہی خواہ ہیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ صاحب ممدوح نے علاوہ اپنے اُس شوق و رغبت کے جو اُنکو مشرقی زبانوں سے ہے۔ ہندوستان

خالص اور بیغرض دوستی کی ایک دیرپا یادگار قائم رہے - اس موقع پر اگر میں کچھ مختصر حال اپنے معزز دوست کا بیان کروں تو یقین ہے کہ بیمحل نہوگا -

پس واضح ہو کہ جناب ممدوح فنون سپاہ گری کے علاوہ بڑے صاحب کمال زباں داں ہیں اور اُنکی لیاقت اور قابلیت اسی سے ظاہر ہے کہ اپنی انگریزی زبان کے علاوہ فرانسیسی - اٹالین - زمانہ حال کی یونانی - ترکی - عربی - فارسی - اُردو - سندھی - مرہٹی - اور ہندوستان کی اور مختلف چھوٹی چھوٹی بولیوں سے جو علیحدہ زبانیں تصور نہیں کیجاتیں بخوبی واقف و ماہر ہیں - ماسوائے اسکے فن نقاشی میں بھی عمدہ دستگاہ رکھتے ہیں - چنانچہ جب کبھی فرصت پاتے ہیں تو مظاہر قدرت کے نقشے بھی کھینچا کرتے ہیں - اور علاوہ اور جنگی کارگزاریوں کے چونکہ جنگ ایران - حبش - افغانستان - اور مصر کے واقعات عظیم اور مشہور میں وہ اپنی سلطنت کی عمدہ خدمات بجالائے ہیں اسیلئے پیشگاہ علیا حضرت ملکہ معظمہ قیصر ہند سے کمپینین آف دی موسٹ نوبل آرڈر آف دی باتھ - اور کمپینین آف دی موسٹ ایمی نینٹ آرڈر آف دی انڈین ایمپائر کے خطابوں سے معزز و ممتاز ہیں -

صاحب ممدوح کا اصل تعلق بمبئی پریزیڈنسی کی افواج سے ہے مگر بلحاظ اپنی لیاقتوں اور کمال زباں دانی کے لارڈ نیپیر آف مگڈالا - اور فریڈرک ہینس اور سر ڈانلڈ اسٹورٹ صاحبان کمانڈر انچیف بہادر افواج ہند کے ایام حکومت میں متواتر پندرہ برس تک اُنکے پرسنل سٹاف میں پرشیئن انٹرپریٹر کے عہدہ پر رہے ہیں - اور باوجودیکہ ہر صاحب کمانڈر انچیف

تشریح تفصیل کی احتیاج تھی۔ یا مقابلہ کے لیئے موجودہ زمانہ کی بعض حالتوں کا دکھانا مفید تھا اسیلئے معتبر کتابوں اور صحیح ماخذوں سے جہاں کہیں موقع تھا حاشیوں کا لکھنا مناسب سمجھا اور چونکہ زمانہ حال کے یوروپین مصنفوں کے دستور کے موافق فقروں کے شروع میں مضمون کا خلاصہ اصل کتاب میں نتھا نہ فہرست مطالب تھی جس سے کسی مضمون کی تلاش اور حوالہ دینے میں بڑی دقت تھی لہذا اسکو بھی رفع کیا گیا۔ اور نظم و ترتیب کے لحاظ سے کچھ ایسے تغیرات بھی کئے گئے کہ بعض مضامین کو ایک جلد سے دوسری جلد میں منتقل کیا گیا۔ اگرچہ اِن اُمور کے باعث خصوصًا حاشیوں کے التزام سے محنت بہت ہی بڑھ گئی مگر الحمد للہ کہ یہہ کام جناب اخ معظم وَزِیْرُالدَّوْلَہ مُدَبِّرُالْمُلْک خَلِیْفَہ سَیِّد مُحَمَّد حَسَن خَان صَاحِب بَہَادُر وَزِیْرِ اَعْظَم رِیَاسَتِ پَٹِیَالَہ کی اعانت سے باوجودیکہ مجھے اپنے منصبی امور سے فرصت کم تھی انجام کو پہنچگیا۔ اور یہہ دلچسپ کتاب جسکو اُس وقت کی طرز حکومت اور حالت مُلک کی ایک صحیح اور بے نظیر تصویر کہنا چاہیئے نہ صرف ترجمہ بلکہ ایک طبع زاد تالیف کی صورت میں چھپکر تیار ہوگئی۔ اسکی جلد ثانی اخیر ۱۸۸۵ عیسوی میں تیار ہوگئی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ جلد اوّل کے کام میں بسبب کم فرصتی اور حاشیوں کے التزام کے خلاف توقع ایسی تاخیر ہوئی کہ وقت سے پہلے تیار نہو سکی اسلیئے بعد تکمیل اَب دونوں جلدیں ہدیہ ناظرین کیجاتی ہیں۔

اس کتاب کے ترجمہ کرنے اور چھپوانے سے جو امور مجکو مد نظر تھے انکا بیان کرنل مُوصُوف صاحب بہادر نے اپنے انٹروڈکشن میں مشروحًا لکھدیا ہے گر بکو خود میرا ایک اہم مطلب یہہ بھی تھا کہ اس ذریعہ سے راقم اور جناب موصوف کی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہہ کتاب جس حالت اور حیثیت میں میرے پاس پہنچی تھی وہ میرے معزز دوست جناب کرنل ہنری مور صاحب بہادر نے اپنے "انٹروڈکشن" میں مشرحاً لکھدی ہے - اور اُس دیباچہ سے جو کرنل صاحب موصوف کے مددگار ترجمہ منشی احمد الدین صاحب مرادآبادی نے اسکے پہلے ترجمہ کے لیئے لکھا تھا - اور اب کرنل صاحب اور منشی صاحب کی خواہش کے موافق بیادگار اُس تعلق کے اس کتاب میں لگا دیا گیا ہے کسیقدر معلوم ہو سکتا ہے کہ سابقہ ترجمہ کی طرز عبارت وغیرہ اَور طور کی تھی اور یہہ ترجمہ جو از سر نو کیا گیا ہے اَور طرح پر ہے - کرنل صاحب نے اصل کتاب کے بعض مضامین کا ترجمہ بھی نہیں کیا تھا کیونکہ مقصود خاص زیادہ تر انہیں مطالب کے ترجمہ سے تھا جو سلطنت مغلیہ سے کچھہ علاقہ رکھتے تھے - لیکن میرا خیال یہہ تھا کہ جو مطالب ہندوستان سے متعلق ہیں وہ سب ترجمہ ہو جائیں اسلیئے ایسا ہی کیا گیا - البتہ ڈاکٹر برنیر کی ایک چٹھی کا جو اُسنے شیراز سے اپنے ایک دوست کو لکھی تھی ترجمہ نہیں کیا گیا - کیونکہ اُسمیں صرف مسئلہ جزلایتجزی کی فلسفیانہ اور عالمانہ بحث ہے جس کو ہندوستان سے کوئی خصوصیت نہ تھی - اور چونکہ نفس کتاب میں بعض مطالب قابل تصحیح تھے - یا روایات مسلّمہ و مشہورۂ عام کے برخلاف معلوم ہونیکی جہت سے مصنّف کا بیان توثیق طلب تھا - یا ناظرین کی مزید واقفیت اور بصیرت کے لیئے کسی

عمدہ معلوم ہوتا ہے - اِس کتاب سے امور مندرجہ ذیل کی بابت بہت اگاہی وواقفیت حاصل ہوتی ہے ملک کی خاص کیفیت اور شاہی حالات کی ماہیت اور دربار وغیرہ کی حقیقت - ہندو قوم کی چال ڈھال ریت رسم اور احوال اُنکے معبد و دیوتاؤں وغیرہ اور اُنکی قربانی و تیرتھ جاترا و خودکشی وغیرہ کا - فقط

اِلتماسِ مُترجم

واضح ہو کہ مترجم نے بعینہ مطالب کتاب حکیم برنیر کے ترجمہ کیئے ہیں اپنی طرف سے کچھ افراط و تفریط اصلا نہیں کی ہے - اگر کوئی بات خلاف اپنی قوم - مذہب - ملت - رسم و رواج کے ملاحظہ کریں مترجم کو اُسکی نقل وایراد میں معاف رکھیں - اور اظہار رنجش نکریں - کیونکہ امور تواریخی مذکور ہوئے ہیں حسب رائے دیگر حکیم مذکور اور اُسنے جو دیکھا اور سنا بلا ارادہ ایذا و رنجش اہل ھند کے لکھا ہے - اور امور سماعی میں حکیم بھی معذور ہے - العہدۃ علے الراوی -

مقام دارالامارہ کلکتہ

۱۳ - مارچ ۱۸۷۵ء

بہت بے تکلف دوستی تھی - سینٹ ایورمانٹ جو ابتدا سے عمر میں ایک پادری تھا اور بڑا ہی حدید الطبع اور عجیب و غریب قابلیتوں کا نامور عالم و فاضل بھی تھا اور سپاہی بھی - اور خواہ کچھ ہی ہو جاوے ہجو کر دینے اور پھبتی بازی سے کبھی نہیں رُکتا تھا - برنیر کو "خوبصورت فلسفی" کہا کرتا تھا - کیونکہ وہ بڑا ہی خوشرو - موزوں قد خلیق - صاحب سلیقہ - پسندیدہ عادات - خوش تقریر اور بلیغ شخص تھا - وہ اپنے فلسفیانہ خیالات میں جنکو فلسفہ کہنا گویا اس لفظ کو خراب کرنا ہے حکیم اپی کیورس یونانی کا پیرو تھا اور اپنے اُستاد گیسینڈی کا (جس سے اُسنے فلسفہ کی تعلیم پائی تھی) نہایت معتقد تھا - اور ہمارے پاک اور مقدّس مذہب عیسائی کے مسائل الہامیہ سے منکر ہو کر ان بیدین فلسفیوں کے تخیّلات مُلحدانہ کا قایل ہو گیا تھا ہمارے زمانہ کے لوگوں کے لیئے یہہ بات قابل تعریف ہے کہ اُسکے فیلسوفانہ رسالوں وغیرہ کی نسبت اَب چنداں توجہ نہیں کیجاتی - مگر ہاں اُسکے اس سفرنامہ کی قدر اسقدر کیجاتی ہے جو پہلے زمانہ میں کبھی نہیں ہوئی اُسکا ایک معاصر فرانسیسی عالم لکھتا ہے کہ ڈاکٹر برنیر نے ۱۶۸۸ء سولہ اٹھاسی عیسوی میں اس غم سے انتقال کیا تھا کہ ڈی ہارلے نے جو فرانس میں سب سے پہلا پریسیڈنٹ تھا ایک عام دعوت کے جلسہ میں اُسکی نسبت کوئی سخت طعنہ زنی کر دی تھی افسوس ! کہ گیسینڈی کے تخیّلات متعلقہ الہیّات نے اُسکو کچھ قوّت قلبی اور تسکین رُوحانی نہ بخشی - اور اِس فلسفی نے ایسی حالت میں قضا کی جسکو شکستہ دلی کی موت کہنا چاہیئے " انتہےٰ

حکیم برنیر کا حافظہ یادداشت واقعات سلطنت مغلیہ کی بابت نہایت

پیدا ہوا تھا اگرچہ بقولِ دول ٹیر صاحب ڈاکٹر مذکور کی ولادت ۱۶۲۵ء سولہ سو
پچیس عیسوی میں ہوئی تھی۔ لیکن در اصل اُسکی پیدایش کا سال محقق نہیں ہے۔ جب
مقام مونٹ پے لیئر میں اُسنے علم طب میں درجہ فضیلت حاصل کیا (یعنی ڈاکٹر
آف فیزک کی ڈگری پاچکا) تو اُسنے اپنے اُس دلی شوق کو جو وہ سیاحت کی
نسبت ہمیشہ رکھتا تھا پورا کرنا چاہا۔ چنانچہ ۱۶۵۴ء سولہ سو چوّن عیسوی میں وہ اوّل
ملکِ شام کو گیا اور جیسا کہ اُسنے خود اپنے اِس سفرنامہ میں لکھا ہے۔ واں سے مصر
میں پہنچا اور شہر قاہرہ دار السلطنتِ مصر میں ایک سال سے اُوپر قیام کر کے
(جہاں کہ وہ طاعون کی وبار مُہلک میں بھی مبتلا ہو گیا تھا) ہندوستان میں
آیا۔ اور اِس ملک میں بارہ سال رہا۔ جس میں سے آٹھ سال اورنگ زیب اور
دانشمند خاں کی سرکار میں۔ جہاں وہ پیشہ طبابت کرتا رہا۔ دانشمند خاں
اورنگ زیب کا بڑا معزز اور صاحبِ اقتدار امیر تھا۔ علوم و فنون کا بڑا قدر دان
اور بڑا صاحب علم و انشار۔ اہل علم و ہنر کی امداد و دلداری میں سرگرم۔ اور کار آمد
و ذی علم لوگوں کا جوہر شناس تھا۔ اُسنے اِس ہوشیار اور مفید اجنبی شخص کی دل افزائی
اور سرپرستی کی۔ چنانچہ جب دانشمند خاں سفرِ کشمیر میں اورنگ زیب
کے ہمراہ چلا تو برنیئر کو بھی اپنے ہمرکاب لیتا گیا۔

جب ڈاکٹر مذکور فرانس کو واپس گیا تو اُسنے (۱۶۷۰ء سولہ ستر) عیسوی میں
اپنا سفرنامہ چھپوایا اور مشتہر کیا۔ وہ چیدہ اور برگزیدہ اشخاص جو باعتبار علم و فضل جامع
کمالات اور حکیم و ادیب اور ناظم و ناثر بے مثل اور اُس زمانہ میں فخر فرانس
گنے جاتے تھے اُسکی صحبت کو بہت پسند کرتے تھے۔ اور اُن سے اُسکی

ممدوح المدائن خلیفہ سید محمد حسن خان صاحب بہادر وزیر اعظم ریاست پٹیالہ کی مدد سے ایکدفعہ اس کتاب کو پھر بغور دیکھ ڈالینگے

میرے دوست کا یہہ منشا ہے کہ چھپ جانیکے بعد اس کتاب کی کل جلدیں بغرض امانت سرمایہ علیگڈہ کے مدرسۃ العلوم کو دیدیں - اور انکو اُمید ہے کہ راقم کی سفارش سے کتاب مذکور کی کچھ جلدیں گورنمنٹ بھی مختلف مدارس ہندوستان میں تقسیم کرنے کی غرض سے خریدلیگی اور اپنے لیئے تو وہ حق الطبع بھی محفوظ رکھنا نہیں چاہتے - حالانکہ کاپی رائٹ ایکٹ کی روسے جو کل ہندوستان کے لیئے معمول بہ ہے مُنشی اور وہ دونوں محفوظ رکھ سکتے ہیں خلیفہ صاحب موصوف کے نزدیک ایکٹ مذکور اس مُلک میں کہ جہاں کے لوگ فی الواقع نہایت کم مقدور ہیں اور جنکو اگر تھوڑا سا خرچ بھی عاید ہوتا ہو تو علمی باتوں کی طرف مائل کرنا مشکل ہے - علوم و فنون کی اشاعت عام کا مانع ہو اسلیئے وہ چاہتے ہیں کہ حق کاپی رائٹ راقم صرف اپنے ہی لیئے محفوظ رکھے - چنانچہ مین اس خیال سے کہ میرے دوست خلیفہ سید محمد حسین صاحب کا کسقدر وقت اور محنت اور روپیہ اس کتاب پر صرف ہوا ہے اُنکی اس تجویز کو منظور کرتا ہوں - مگر اُن کے فیاضانہ نمونہ کی پیروی کے طور پر اپنی طرف سے یہہ حق علیگڈہ کے مدرسۃ العلوم کو بخشتا ہوں اور ساتھہ ہی یہہ بھی اعلان کرتا ہوں کہ اس کتاب کے پہلی دفعہ مشتہر ہونیکے سات برس بعد ہر شخص کو اسکے چھاپنے کا اختیار ہوگا - فقط

راقم
ھنری مور

ایک طرح سے سرکار عالیہ قیصریہ کی ایک خدمت بجا لا سکینگے) اسکے شیوع میں زیادہ تساہل اور تامل کو گوارا نفرماکر مجکو یہہ لکھا کہ میں اس کتاب کو خاص اپنی ذمہ داری اور اپنے ہی خرچ سے چھپوانے کے لئیے آمادہ ہوں مجرد پہنچنے اس تحریر کے میں نے انکی اس ہمت فیاضانہ اور ارادہ افادہ عام سے کرنل ہالرائڈ صاحب کو آگاہ کیا اور اُنکے مشورہ سے آخر یہہ قرار پایا کہ کتاب خلیفہ صاحب ممدوح کی خدمت میں بھیجدی جائے -

کسی یوروپین زبان کی کتاب کا ایک مشرقی زبان میں ترجمہ کرنا شاید بعض لوگوں کو ایک آسان سا کام معلوم ہوتا ہو مگر ایسی صحت کے ساتھ ترجمہ کرنا کہ مطالب اور معنی تو ہوبہو وہی ادا ہوجائیں اور باینہمہ ٹھیٹھ لفظی ترجمہ بھی نہو اور حتی الامکان وہ زور بھی قائم رہے جو مصنف کے اصل بیان میں پایا جاتا ہو اور مشرق کے طرز انشا کی خوبی و لطافت بھی ہاتھ سے نجائے ہرگز آسان نہیں ہے - اور یہی وجہ ہے کہ کسی کتاب کے ترجمہ میں طرز بیان اور اس قسم کے امور کی نسبت کہ ترجمہ کس ڈھنگ پر کرنا چاہئیے - اور اسمیں مصنف کے الفاظ کی پابندی وغیرہ کس حد تک کرنی یا کرنی چاہیئے معترضین کو (جو اپنے اپنے مذاق کے موافق اعتراض کیا کرتے ہیں) مطمئن کرنا بہت مشکل ہے - مگر بہرحال چونکہ کرنل ہالرائڈ صاحب بہادر نے یہہ رائے دی کہ اس ترجمہ پر ایک دفعہ اور بھی نظر ڈال لیجاوے تو بہتر ہے - اسلئیے میرے عنایت فرما جناب خلیفہ صاحب نے نہایت خوشی سے اسکو بھی منظور کرلیا ہے کہ وہ اپنے لائق فائق اور صاحب علم و فضل بھائی جناب وزیر اللہ و لکھ

دے سکوں - اور یہہ بھی عرض کردیا کہ اس میں میں اپنی ذات کے لیئے کچھ روپیہ کی مفاد کا متمنی نہیں ہوں - چنانچہ نواب ممدوح نے ازراہ کرم میری درخواست کو گورنمنٹ ہند کی خدمت میں بھیجدیا اور تھوڑے عرصہ کے بعد صاحب فارن سکرٹری گورنمنٹ موصوف نے زبانی وعدہ فرمایا کہ اس معاملہ پر توجہ کیجیئگی - مگر کچھ ظہور میں نہ آیا جسکی شاید کوئی وجہ ہوگی اور غالب تو یہہ ہے کہ کوئی بھی وجہ ہو -

جب میں اس طرف سے مایوس ہوا تو مینے صاحب ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب کی خدمت میں تحریر کیا - اور صاحب موصوف نے وعدہ فرمایا کہ ہم اس کتاب کو صاحبان سینٹ پنجاب یونیورسٹی کی خدمت میں پیش کرینگے - مگر میں اس اثناء میں برس روز کی رخصت لیکر ولایت چلا گیا - اور وہاں سے واپس آتے ہی مصر کی لڑائی پر بھیجدیا گیا - اور جب مصر سے واپس آیا تو معلوم ہوا کہ کتاب کے بارہ میں ابھی کچھ بھی ظہور میں نہیں آیا - حالانکہ کرنل ہالرائڈ صاحب بہادر ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب اس معاملہ میں ذاتی توجہ ظاہر فرماتے تھے جس سے بوجہ معقول مجکو یہہ امید ہوتی تھی کہ سال کے اختتام سے پہلے کچھ نہ کچھ ضرور ہو جائیگا -

مگر کچھ عرصہ نہیں گذرا کہ میرے عالیقدر اور نہایت صاحب فضل و کمال دوست **شمس العلماء سید محمد حسین** صاحب نے (جو اس کتاب کی تصحیح اور نظر ثانی میں [illegible] تکلیف اُٹھا چکے تھے اور جنکو اس بات کا کامل یقین ہے کہ یہہ [illegible] کے لیئے مفید ثابت ہوگی ور اسکے انطباع میں مدد دینے سے گویا وہ

توضیح نامہ

دیباچہ وقایع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر

مرقومہ

جناب کرنل ہنری یول صاحب بہادر سی بی و (سی آئی ای)

ڈاکٹر برنیر کے وقایع سیر و سیاحت کا اردو ترجمہ ۱۸۷۵ء اٹھارہ سو پچہتر عیسوی میں اس مراد سے میں نے کیا تھا کہ بذریعہ اس کتاب کے جو ایک ناطرفدار اور محض اجنبی شخص کی عینی شہادت ہے شاید لوگوں کو معلوم ہو جائیگا کہ شہنشاہ اورنگ زیب کے پُرحوادث عہد میں سلطنت اور حکومت کا طرز اور رعایا کی حالت و کیفیت ٹھیک ٹھیک کس طرح پر اور کیا تھی۔ اور مغلیہ سلطنت کی بیحد فیاضی۔ انصاف پسندی اور رعایا کی عام خوشحالی اور فارغ البالی کی نسبت بہت سے غلط خیالات جو ملک میں پھیلے ہوئے ہیں وہ دور ہو جائینگے۔ جنکو اس وقت کے مؤرخوں اور شاعروں اور خوشامدیوں اور بادشاہوں کے مہربانی یافتہ لوگوں کی تحریروں نے اس ملک کی عام خلائق میں ایسی پایداری کی حد کو پہنچا دیا ہے کہ آج تک بھی عوام الناس کے دلوں میں نہایت یقین کے ساتھ اس طرح قایم ہیں کہ

INTRODUCTION.

In 1875 I undertook to translate into Oordu the travels of Bernier in the Mogul Empire, with the idea that a work of this kind, conveying the impartial testimony of a total stranger and an eye witness to the actual state of the Government and people of India during the eventful reign of the Emperor Orangzeb, would be the means of dispelling many erroneous impressions as to the boundless liberality, love of justice, general prosperity, and happiness of the people of this country, which is supposed to have characterized the rule of the Moguls; errors which contemporary historians, flatterers, court favorites and poets have been the means of perpetuating and obtain implicit credence to the present day among the great mass of the people of this country.

Bernier not being of the race of the present "paramount power"—his account of what actually occurred and came under his personal notice would be accepted with confidence by the chiefs and most of the educated classes in India, who I believe would peruse with much interest, a narrative coming from so impartial and disinterested a source; and if this surmise is correct a comparison with the present order of things would not be without its good effect.

I was greatly assisted in the work of translation and am much indebted to the learned Moonshi Ahmed-oo-deen of Mooradabad who was then attached to the office of the Persian Interpreter to His Excellency the Commander-in-Chief in India as Moonshi.

When the translation was finished I sent the M. S to the Director of Education N. W. P. where Oordu is mostly spoken and was informed that although the translation was a good one it wanted revision.

recommended to have this done by some wellknown scholar of the Delhi school of Oordu. Following this advice I made it over to a wellknown gentleman at Delhi of great reputation as an Oordu Scholar; he kept the M. S. for about a year and during that time only revised a few pages; the task was evidently beyond what his age and feeble health would allow him to undertake and the work was returned to me unrevised.

Sometime after I mentioned what I have stated above to my friend Khalifa Syed Mohomed Hoosein Foreign minister of the Patialla State, a gentleman well known for his literary acquirements as an Oordu, Arabic, Persian and English scholar, who has lately had the titles of Mooshir-oo-Dowla, Mumtazul Mulk conferred upon him by the British Government, when he most kindly undertook to revise the work himself, which he not only did thoroughly, but translated some of the philosophical disquisitions of the original author, what I had omitted, not thinking them likely to prove of interest to readers in this country, and put great many useful notes to make the book more interesting and explicit.

The work revised and corrected by the Khalifa, as above stated I requested Sir Fredrick Haines G. C. B., G. C. S. I. &c. then Commander-in-Chief in India, on whose personal staff I was serving, to submit my work to the Government of India with a view to receiving some assistance to enable me to bring out the work and remunerate the Moonshi who assisted me; at the same time disdaining any pecuniary advantage for myself.

His Excellency was good enough to forward my letter to the Government of India; and shortly after, the

then Secretary to Government in the Foreign Department, verbally promised to take the matter into consideration, but for some reason or another, possibly for no reason at all nothing was ever done.

Having failed to attract attention in that quarter I addressed myself to the Director of Public Instruction Punjab, who promised to submit the work to the Senate of the Punjab University, meanwhile I left India on a year's furlough and shortly after my return proceeded on field service to Egypt.

On my return I found nothing had been done, although Colonel Holroyd the D P I was interesting himself in the matter, and gave me reason to hope something would be done before the end of the year

Quite recently my esteemed and highly accomplished friend Khalifa Syed Mohomed Hoosein, who had taken so much trouble to correct and revise the work, became impatient for its publication, convinced as he appears to be, that the book would prove beneficial to his countrymen, and that by aiding in its publication he would be rendering an indirect service to Her Majesty's Indian Government; he wrote to say he was prepared to bring out the translation at his own risk and expense.

I at once made known this public spirited and liberal offer to Colonel Holroyd and in consultation with him it was decided to make over the M S to the Khalifa.

Translating a book from a European into an Oriental language may seem a simple process enough but to translate accurately so as to convey the [illegible] meaning and possibly reflect the spirit that animated the author; at the same time avoid too close a render[illegible] the original, and preserve the idiomatic [illegible]

oriental diction is by no means an easy task; hence the difficulty of satisfying critics as to style and mode of dealing with the original; but as Colonel Holroyd has suggested another revision, my friend the Khalifa has willingly consented with the assistence of his learned worthy brother Wazir-ul-Doula Mudabbir-ul-Mulk Khalifa Syed Mohomed Hussan Khan Bahadur, Wazir or Prime Minister Patiala State to once more go over the work carefully.

My friend desires to make over the publication to the Anglo Oriental College at Allgghur as a donation in aid of its funds, trusting that on my representation Government will be induced to sanction the purchase of a certain number of copies for distribution to the different Educational Departments in the country, and is not disposed to reserve a claim on the copy right which we could do according to the copy right Act passed for India. The Khalifa considers the Act as a bar to the general diffusion of literature and the sciences in a country where the mass of the population is decidedly poor and can with difficulty be made to take an interest in literary matters; when expense, however small is involved; he has therefore suggested my reserving the right for myself alone.

Considering the time, trouble and expense to which my friend the Khalifa has been put, I have agreed to his proposal, and follow his beneficent example to make over the right to "Madrasatul oolum" on my part, at the same time let it be known that at the expiration of seven years from the date of first publication, publishers will be at liberty to reproduce the Book.

(Sd.) HENRY MOORE

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۹	۱۰	بھنسا	پھنسا
۸۰	۱۳	طرح طرح	طرح طرح کی
۸۵	۷	دگھاؤگے	دکھاؤگے
۸	۷ حاشیہ	نکلئی	نکلگئی
۸	۱۰ ۸	باختیار	بااختیار
۹۹	۱۱	ہوحاتی	ہوجاتی
۱۰۰	۱۸	آگے بڑھنے اورایکتر	آگے بڑھنے اورایک تیر
۱۰۴	۴	خدادا فتح پاکراو	خداداد فتح پاکراور
۱۱۳	۵	مقابلہ	مقابلہ کو
۱۱۶	۱	شاہجہاں	شاہجہاں کے
۱۲۵	۱۷ حاشیہ	دوروزندگی	دورروزہ زندگی
۱۵۰	۶	چاہتا	چاہتا تھا
۸	اخیر سطر حاشیہ	عہدہ	عہدہ پر
۱۶۲	۱۴	دیگئی گئی تھی	دیگئی تھی
۱۵۹	۵	تمنے تمنے	تمنے
۱۶۹	۵	ہنرمندی	ہوشمندی
۱۷۳	۴	توپوں کی	توپوں میں
۱۷۷	۱۸	گھٹے گھٹے	گھٹتے گھٹتے
۲۲۲	۱۰	ایکدقعہ	ایکدفعہ
۲۲۶	۱۷	مشکل	مشکل سے
۲۲۹	۱۵	آجاتی	آتی جاتی
۲۴۳	۱	خیر	سفیر
۳۰۰	۱۶	غلانیہ	علانیہ
۳۰۰	۷ حاشیہ	عیاث الدین	غیاث الدین
		بھی یانہیں	بھی س یانہیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۸۴	۱۵	ناشپانی	ناشپاتی
۳۳۸	۹	سالت	حالت
۸	۱۱	گوا	گویا
۳۴۶	۱۵	کہلا تھا	کہلاتا تھا
۸	۲۱	سپنے	اپنے
۳۶۱	۸	اُسوقت	اُسیوقت
۳۶۵	۳ حاشیہ اول	لایق فایق	لایق و فایق
۳۶۶	۳ حاشیہ دوم	شرف یابی	شرف باریابی
۳۷۰	۱۸	احتاج	احتیاج
۳۷۶	۱۴ حاشیہ	بجث	بحث
۳۸۰	۱۲	ولایت زایا	ولایت زا
۴۰۰	۱۱ حاشیہ دوم	نظام المکی	نظام الملکی
۴۰۱	۲	کلائے	گلائے
۴۲۶	۱۲ حاشیہ	تسمیہ	تسمہ
۴۳۱	۹	مغذرت نامہ	معذرت نامہ
۴۳۴	۱۱	دفدعہ	دفدفہ
۴۳۵	۱۷	باعچہ	باغچہ
۴۳۷	۵	نسو	نسق
۴۵۰	۱۴	توپخادہ	توپخانہ
۴۵۷	۸	کھیتاں	کھیتیاں
۴۶۳	۵	طغانی	طغیانی
۴۷۵	۷	ماہ مذکور	ماہ مذکور کو

تمام شد.

تمام شد

صحت نامہ جلد اول وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸	۱۲ حاشیہ	شاح	شاخ	۴۱	۱	حو	جو
۱۶	۵ سطر حاشیہ	جانیکے	مرجانیکے	۴۴	۴	احتاط	احتیاط
۱۷	۱۹	قریب	فریب	۵۰	۱۱ حاشیہ دوم	اُن پر چڑھائی	چڑھائی
۱۸	۲ سطر حاشیہ	لردہ	کردہ	۵۶	۱۰ حاشیہ	اُنہوں	اُنہوں نے
۱۹	؍	نشود	نشنود	؍	اخیر سطر حاشیہ	تحصیل کے پیشکش	تحصیلِ پیشکش
۲۲	۱۶	چھنا	چھپنا	۵۷	۳ حاشیہ	تو ابھی	ابھی
۲۳	۱۷	پیڑہ	بیڑہ	۶۳	۱ ؍	ہجری کو	ہجری میں
؍	۳ حاشیہ	محاورے خلاف	محاورے کے خلاف	۶۴	۱۸	دارا شکولی	دارا شکوہ کی
۲۴	۶	محفوظ	محظوظ	۶۶	سطر اول حاشیہ	رئیس جیپور، مراد ہے	رئیس جیپور سے مراد ہے
۳۲	۲ حاشیہ	تعلق	تعلیق	۷۰	۷	باقتدار	با اقتدار
۳۵	۳	تھباگا	بھاگا	۷۳	۱۵	سپاہیوں کے	سپاہیوں کے ساتھ
۳۸	۶	با صفحے	پابند صفحے	۷۴	۴ سطر حاشیہ	کچھ کرے	کچھ حرکت کرے

فہرست مضامین حواشی

باستثنا بعض ایسے حاشیوں کے جو مختصر اشاروں کے طور پر ہیں

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ

فہرست مضامین متعلق متن